

باسمہ تعالیٰ

اضافہ و تحقیق شدہ ایڈیشن

بلسلہ: ارکان اسلام

زکاة

فضائل و احکام کے

مصنف

مفتی محمد رفیع الرحمن

ادارہ مخفرائن راولپنڈی پاکستان

زکاۃ

کے

فضائل و احکام

قرآن و سنت اور اسلامی فقہ کی روشنی میں زکاۃ کی فرضیت و اہمیت

زکاۃ کے فضائل و فوائد، ترک زکاۃ کے نقصانات اور وعیدیں
زکاۃ کی اقسام، سونے چاندی، مالی تجارت اور کرنسی کی زکاۃ
سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے قدیم و جدید مفصل و مدلل باحوالہ احکام
زکاۃ کے متعلق اہم امور و مسائل پر علمی و تحقیقی کلام

مصنف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

زکاة کے فضائل و احکام

مفتی محمد رضوان

نام کتاب:

مصنف:

طباعہ اول: شعبان ۱۴۳۰ھ اگست 2009ء، طباعہ دوم: رمضان ۱۴۳۵ھ بمطابق جولائی 2014ء

۸۷۲

صفحات:

ملنے کے پتے

فہرست

مضامین

صفحہ نمبر

۴۰	تمہید (از مؤلف)
۴۲	(مقدمہ)
	قرآن مجید میں زکاۃ کی فضیلت و اہمیت
//	نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم
۴۳	خواتین کو بھی نماز کے قیام و زکاۃ کی ادائیگی کا حکم
۴۴	پہلی امتوں کو نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم
//	بنی اسرائیل سے نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا عہد
۴۵	مختلف نبیوں کو نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کی وحی
//	اللہ تعالیٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکاۃ کی ادائیگی کی وصیت
۴۶	حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گھروالوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم فرمانا
//	قتال سے رکنے کے وقت نماز کے قیام اور زکاۃ کی ادائیگی کا حکم
۴۷	زکاۃ کی ادائیگی، اصل نیکی اور تقویٰ کی نشانیوں میں سے ہے
۴۸	اللہ کا نماز قائم، اور زکاۃ ادا کرنے والوں کی تعریف فرمانا
۴۹	نماز قائم، اور زکاۃ ادا کرنے والوں کی صفت و خوبی
۵۰	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والے مومن برحق ہیں

۵۱	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والوں سے ترکِ قتال کا حکم
//	نماز قائم، اور زکاۃ ادا کرنے والے دینی بھائی ہیں
۵۲	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والے مؤمنوں کے دوست ہیں
//	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا مساجدِ اللہ کو آباد کرنے والوں کا عمل
۵۳	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا، اللہ کی رحمت و رحم کا باعث ہے
۵۴	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا گناہوں کی معافی کا باعث ہے
۵۵	زکاۃ کی ادائیگی آخرت میں خوف اور غم سے نجات کا باعث ہے
//	نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ
۵۶	زکاۃ پر ملنے والا اجر و ثواب بڑھ چڑھ کر ہے
۵۷	زکاۃ و صدقہ کو اللہ بڑھاتا اور قبول فرماتا ہے
۶۰	زکاۃ و صدقہ پر ملنے والا اجر و ثواب سات سو گنا تک ہوتا ہے
۶۱	زکاۃ و صدقہ پر ملنے والا اجر غیر فانی ہے
//	زکاۃ ادا کرنے والے کامیاب لوگوں میں شامل ہیں
۶۲	زکاۃ و صدقہ، جنت کو آسان بنانے والا عمل ہے
۶۳	زکاۃ کی ادائیگی کا نظم و انتظام اسلامی نظام کا حصہ ہے
۶۴	زکاۃ وغیرہ ادا کئے بغیر مال آخرت میں مفید نہ ہوگا
۶۵	مرتے وقت زکاۃ و صدقہ کی تمنا کرنا
۶۶	زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے ویل کا عذاب
۶۷	زکاۃ نہ دینے پر مال کو تپا کر جسم داغے جانے کا عذاب
۶۹	زکاۃ ادا نہ کئے جانے والا مال گلے کا طوق بنا دیا جائے گا

۷۱	احادیث و روایات میں زکاة کی فضیلت و اہمیت
//	زکاة، اسلام کا ایک مستقل رکن ہے
۷۴	نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی وغیرہ، اسلام ہے
۷۶	نماز کے بعد زکاة کا درجہ ہے
۷۷	زکاة ادا نہ کرنے کا نماز پر اثر
۷۹	نبی ﷺ کا نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی پر بیعت کرنا
۸۰	زکاة و دیگر چند اعمال ادا نہ کرنے تک قتال کا حکم
۸۳	زکاة کا عمل، ایمان کی دلیل ہے
۸۵	زکاة ادا کرنا، مال کا فرض، حق ہے
۹۲	زکاة کا ادا کرنا عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ ہے
۹۷	زکاة ادا کرنا، جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہے
۱۰۴	زکاة ادا کرنے والوں کے لئے جنت کا مخصوص دروازہ
۱۰۹	زکاة ادا کرنا، اولیاء اللہ ہونے اور نبی کی معیت کا ذریعہ ہے
۱۱۱	زکاة کو خوشی سے ادا کرنا، ایمان کا ذائقہ چکھنے میں داخل ہے
۱۱۳	زکاة و صدقہ سے مال میں کمی کے بجائے برکت ہوتی ہے
۱۲۰	زکاة و صدقہ سے مال کا شر دُور اور مال محفوظ ہو جاتا ہے
۱۲۸	زکاة و صدقہ، خطا کو بھانے کا ذریعہ ہے
۱۲۹	زکاة ادا کرنا، عذاب سے بچنے اور پاک کا ذریعہ ہے
۱۳۵	زکاة ادا نہ کرنے سے دنیا میں بارش و فصل کی کمی کا عذاب
۱۴۱	زکاة نہ دینے پر پٹی ہوئی چٹانوں سے داغے جانے کا عذاب
۱۴۴	زکاة ادا نہ کئے جانے والا مال زہریلا ناگ بن جائے گا
۱۴۷	زکاة ادا نہ کرنے پر شدید عذاب

۱۵۱	(حصہ اول) مالِ نامی کی زکاة کے احکام (یعنی سونے، چاندی، کرنسی و مالِ تجارت کی زکاة سے متعلق احکام)

۱۵۳	(باب نمبر ۱) مالِ نامی کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات

۱۶۳	(فصل نمبر ۱) سونے، چاندی کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات
۱۶۳	سونے، چاندی کی زکاة نہ دینے پر وعیدیں
۱۶۳	سونے، چاندی کے نصاب کا احادیث و روایات میں ذکر
۱۸۵	(فصل نمبر ۲) مالِ تجارت کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات

۱۹۶	(فصل نمبر ۳) روپیہ، پیسہ اور کرنسی Currency کی زکاة کا حکم

۱۹۹	(باب نمبر ۲) زکاة سے متعلق بنیادی معلومات و احکام
//	زکاة کے معنی
۲۰۱	زکاة کی فرضیت اور اس کی قطعیت
۲۰۲	زکاة عبادت ہے، ٹیکس نہیں
۲۰۳	زکاة کی حکمت
۲۰۴	امتِ محمدیہ پر زکاة کب فرض ہوئی؟
۲۰۶	زکاة ادا نہ کرنے کا گناہ
//	زکاة ادا نہ کرنے والے کا حکم اور اس کی اسلامی قانون میں سزا
۲۰۸	زکاة کے احکام کا علم فرض ہے
۲۰۹	(باب نمبر ۳) زکاة واجب ہونے کی شرائط و احکام
۲۱۱	(فصل نمبر ۱) مسلمان ہونا (غیر مسلم اور مرتد ہونے پر زکاة کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاة کی فرضیت کے لئے مسلمان ہونے کی شرط
۲۱۲	مسئلہ نمبر ۲..... مسلم کے زکاة فرض ہونے کے بعد مرتد ہو جانے پر زکاة کا حکم

۲۱۳	مسئلہ نمبر ۳..... سال گزرنے سے پہلے مرتد ہو جانے پر زکاة کا حکم
۲۱۵	(فصل نمبر ۲) آزاد ہونا (شرعی غلام اور باندی اور اُن پر زکاة کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاة فرض ہونے کے لئے آزاد ہونا شرط ہے
۲۱۶	مسئلہ نمبر ۲..... شرعی غلام و باندی کو نصاب کے برابر مال حاصل ہونے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۳..... غلام کے وجود میں آنے کا طریقہ اور اس کا اسلامی تصور
۲۱۸	مسئلہ نمبر ۴..... اسلام میں غلامیت کا تصور، رحمت ہے
۲۱۹	مسئلہ نمبر ۵..... غلام بنانے کا اختیار کس کو حاصل ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۶..... اہل کتاب، مشرک اور عربی و عجمی کو غلام بنانے کا حکم
۲۲۰	مسئلہ نمبر ۷..... مرتد کو غلام بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۸..... مسلم باغیوں کو غلام بنانے کا حکم
۲۲۱	مسئلہ نمبر ۹..... جنگ کے موقع پر گرفتار شدہ عورتوں و بچوں کو غلام بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۰..... عورت کو باندی بنانے کے لئے شرط
//	مسئلہ نمبر ۱۱..... غیر مسلم کے گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہونے پر غلام بنانے کا حکم
۲۲۲	مسئلہ نمبر ۱۲..... عورت کے مرتد ہونے پر باندی بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۳..... ذمی کے عہد شکنی کرنے پر غلام بنانے کا حکم
۲۲۳	مسئلہ نمبر ۱۴..... حربی کے ناجائز طریقہ پر مسلم ملک میں داخل ہونے پر غلام بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... شرعی باندی سے پیدا شدہ بچے کے غلام ہونے کا حکم

۲۲۴	مسئلہ نمبر ۱۶..... غلام یا باندی کے آزاد ہونے کی صورتیں
۲۲۵	مسئلہ نمبر ۱۷..... غلام و باندی کے لئے شرعی احکام میں تخفیف
۲۲۶	مسئلہ نمبر ۱۸..... غلام و باندی کے قاضی بننے اور حدود کا مستحق ہونے کا حکم
۲۲۷	(فصل نمبر ۳) بالغ ہونا (نابالغ کے مال پر زکاۃ کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱۹..... نابالغ بچے پر زکاۃ واجب ہونے کے متعلق فقہاء کا قول
۲۲۸	مسئلہ نمبر ۲۰..... نابالغ مالدار بچے کے بالغ ہونے پر حکم
۲۲۹	مسئلہ نمبر ۲۱..... جو مال نابالغ کے نام کیا مگر مالک نہیں بنایا، اس کی زکاۃ کا حکم
۲۳۰	مسئلہ نمبر ۲۲..... نابالغ بچے کے مال سے اس کی زکاۃ ادا کر دینے پر حکم
۲۳۱	مسئلہ نمبر ۲۳..... بچے اور بچی کے بالغ ہونے کی عمر اور علاماتِ بلوغ

۲۳۲	(فصل نمبر ۴) عاقل ہونا (مجنون و پاگل پر زکاۃ کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۲۴..... زکاۃ کے لئے عاقل ہونے کی شرط اور مجنون پر زکاۃ کا حکم
۲۳۳	مسئلہ نمبر ۲۵..... نابالغ، مجنون، صاحبِ نصاب کے بالغ ہونے پر زکاۃ کا حکم
۲۳۴	مسئلہ نمبر ۲۶..... نابالغ اور صاحبِ نصاب کے پاگل ہو جانے پر زکاۃ کا حکم
۲۳۵	مسئلہ نمبر ۲۷..... جو شخص مجنون تو نہ ہو، مگر بے ہوش ہو، اس پر زکاۃ کا حکم

۲۳۵	مسئلہ نمبر ۵..... کم عقل اور بے وقوف شخص پر زکاة کا حکم
۲۳۶	مسئلہ نمبر ۶..... بیمار یا ہاتھ پاؤں وغیرہ سے معذور شخص پر زکاة کا حکم
۲۳۷	مسئلہ نمبر ۷..... شرابی اور نشہ میں مبتلا شخص پر زکاة کا حکم

۲۳۹	(فصل نمبر ۵) زکاة کا علم ہونا (زکاة کی فرضیت کے علم سے متعلق احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاة فرض ہونے کے لئے فرضیت کا علم ہونے کی حیثیت
۲۴۰	مسئلہ نمبر ۲..... مسلم یا غیر مسلم ملک میں رہنے والے کو زکاة کا علم ہونے کا درجہ
۲۴۲	مسئلہ نمبر ۳..... دار الحرب یا غیر مسلم ملک میں اسلام لانے والے کو زکاة کا حکم
۲۴۴	مسئلہ نمبر ۴..... مسلمانوں کے ملک میں اسلام لانے والے کو زکاة کا حکم
۲۴۵	(فصل نمبر ۶) قدرت کا ہونا (زکاة کی ادائیگی کی قدرت سے متعلق احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... جو مالدار شخص، زکاة ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اس کے لئے حکم
۲۴۷	(فصل نمبر ۷) مال کا نامی ہونا (زکاة کو نئے مالوں میں واجب ہے؟)

//	مسئلہ..... کون کون سے مالوں میں زکاة واجب ہوتی ہے؟

۲۳۸	سونے، چاندی اور ان کے زیورات کی زکاة کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... تجارتی و غیر تجارتی سونے، چاندی کی زکاة
۲۳۹	مسئلہ نمبر ۲..... تجارتی زیورات کی زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۳..... استعمالی و غیر استعمالی زیورات کی زکاة کا حکم
۲۵۲	مسئلہ نمبر ۴..... نفقہ وغیرہ کے لئے رکھے ہوئے سونے، چاندی پر زکاة کا حکم
۲۵۳	مسئلہ نمبر ۵..... سونے، چاندی کے زیورات کو توڑنے کے بعد زکاة کا حکم
۲۵۵	مسئلہ نمبر ۶..... خالص اور ملاوٹی سونے، چاندی کی زکاة کا حکم
۲۵۹	مسئلہ نمبر ۷..... سونے، چاندی کے باہم مخلوط زیور وغیرہ کی زکاة کا حکم
۲۶۰	مسئلہ نمبر ۸..... تجارتی زیور کی قیمتِ فروخت کے اعتبار سے زکاة کا حکم
//	سکہ اور کرنسی کی زکاة کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... خالص سونے یا چاندی کے سکے کی زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲..... سونے یا چاندی کے ساتھ کھوٹ ملے ہوئے سکوں کی زکاة کا حکم
۲۶۲	مسئلہ نمبر ۳..... سونے، چاندی کے علاوہ دوسری چیزوں کے سکوں پر زکاة کا حکم
۲۶۴	مسئلہ نمبر ۴..... کرنسی اور روپیہ پیسہ کی زکاة کی تفصیل
۲۶۹	مسئلہ نمبر ۵..... کرنسی میں سونے یا چاندی کے نصاب کے اعتبار کا حکم
۲۷۰	مال تجارت کی زکاة کے احکام
۲۷۱	مسئلہ نمبر ۱..... سونے، چاندی کے علاوہ آرٹیفشل تجارتی زیور کی زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲..... تجارت کا مال کون سا کہلاتا ہے؟

۲۷۲	مسئلہ نمبر ۳..... مال میں تجارت کی نیت کرنا کب معتبر کہلاتا ہے؟
۲۷۴	مسئلہ نمبر ۴..... چیز کو خریدتے وقت استعمال کی نیت اور تجارت کا خیال ہونے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۵..... فوری یا تاخیر سے فروخت کرنے والے تاجر پر زکاة کا حکم
۲۷۵	مسئلہ نمبر ۶..... گھر میں پیدا شدہ جانور کے فروخت کرنے کی نیت پر زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۷..... زمین سے اُگنے والی فصل میں تجارت کی نیت سے زکاة کا حکم
۲۷۶	مسئلہ نمبر ۸..... مرغی یا مچھلی فارم پر زکاة کا حکم
۲۷۷	مسئلہ نمبر ۹..... فروخت کے لئے خریدے ہوئے انڈوں پر زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۰..... مالی تجارت پر زکاة کے لئے نصاب اور سال گزرنے کا حکم
۲۷۸	مسئلہ نمبر ۱۱..... خریدنے کے بعد تجارت کی نیت کرنے یا نیت بدلنے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۲..... جن چیزوں کو بیچنا مقصود ہو، وہ تجارت کے مال میں داخل ہیں
۲۸۱	مسئلہ نمبر ۱۳..... کاریگر و مزدور وغیرہ کی مختلف اشیاء پر زکاة کا حکم
۲۸۲	مسئلہ نمبر ۱۴..... خام چیز خرید کر مال تیار کرنے والے پر زکاة کا حکم
۲۸۳	مسئلہ نمبر ۱۵..... تجارتی زیور پر وجوب زکاة میں وزن کا اعتبار ہوگا یا قیمت کا؟
۲۸۵	مسئلہ نمبر ۱۶..... تجارتی زیور پر ادائے زکاة میں وزن کا اعتبار ہوگا یا قیمت کا؟
۲۸۷	مسئلہ نمبر ۱۷..... زیور کے تاجروں اور غیر تاجروں کے زکاة دینے کا طریقہ
۲۹۰	مسئلہ نمبر ۱۸..... مالی تجارت کے حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے پر زکاة کا حکم
۲۹۲	مسئلہ نمبر ۱۹..... فروخت کی نیت سے خریدی ہوئی زمین و جائیداد کی زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۰..... فروخت کرنے اور ساتھ ہی دودھ حاصل کرنے کی نیت سے پالی ہوئی گائے، بھینس وغیرہ کی زکاة کا حکم

۲۹۳	مسئلہ نمبر ۲۱..... فروخت کرنے کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کی زکاۃ کا حکم
۲۹۴	مسئلہ نمبر ۲۲..... قیمتی پتھر اور ہیرے وجوہرات کی زکاۃ کا حکم
۲۹۷	مسئلہ نمبر ۲۳..... حفاظت یا تجارت کی غرض سے رکھے ہوئے اسلحہ پر زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۴..... مال تجارت کی زکاۃ میں قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوتا ہے
//	مسئلہ نمبر ۲۵..... اگر کسی علاقہ میں چیز کی قیمت میں فرق ہو، تو کیا حکم ہوگا؟
۲۹۸	مسئلہ نمبر ۲۶..... مال تجارت کے اصل اور نفع پر زکاۃ واجب ہونے کا حکم
۲۹۹	مسئلہ نمبر ۲۷..... فروخت کی نیت سے خریدی ہوئی جائیداد کی زکاۃ میں سال پورا ہونے کے وقت بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا
//	مسئلہ نمبر ۲۸..... مال تجارت کی جنس یا غیر جنس سے زکاۃ دینے کا حکم
۳۰۰	مسئلہ نمبر ۲۹..... مکان یا دوکان تعمیر کر کے فروخت کی جانے والی جائیداد کا حکم
۳۰۱	مسئلہ نمبر ۳۰..... تھوک اور پرچون والے تاجر کے لئے زکاۃ کے حساب کا حکم
۳۰۲	مسئلہ نمبر ۳۱..... مال تجارت کا حساب لگا کر یا تخمینہ سے زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۳۲..... خریدے ہوئے مال تجارت پر قبضہ سے پہلے زکاۃ کا حکم
۳۰۳	مسئلہ نمبر ۳۳..... زکاۃ میں مال تجارت والے مقام کی قیمت کا اعتبار ہوگا
۳۰۴	مسئلہ نمبر ۳۴..... مال تجارت کی زکاۃ میں وقتِ وجوب کا اعتبار ہے یا وقتِ اداء؟
۳۰۵	مسئلہ نمبر ۳۵..... کرایہ پر چلائے جانے والے مال و جائیداد کی زکاۃ کا حکم
۳۰۶	مسئلہ نمبر ۳۶..... کمپنیوں کے شیئرز (Shares) کی زکاۃ کا حکم
۳۰۷	مسئلہ نمبر ۳۷..... مال کی زکاۃ ادا کرنے کے بعد مال کسی اور قیمت پر فروخت ہوا
//	مسئلہ نمبر ۳۸..... مضاربت والے مال تجارت کی زکاۃ کا حکم

۳۰۸	مسئلہ نمبر ۳۰۸..... اگر مال تجارت سونے کے نصاب کے برابر نہ ہو، بلکہ چاندی کے نصاب کے برابر ہو، تو زکاۃ کا حکم
۳۱۱	مسئلہ نمبر ۳۰۹..... مال کو خریدتے وقت تجارت کی نیت میں ترؤد ہونے پر حکم
۳۱۲	(فصل نمبر ۸) مال کا نصاب کے بقدر ہونا (زکاۃ کے مالی نصاب سے متعلق احکام)
۳۱۳	مسئلہ نمبر ۳۱۰..... سونے، چاندی اور مال تجارت و کرنسی کے نصاب کی مقدار
//	مسئلہ نمبر ۳۱۱..... اگر کرنسی صرف چاندی کے نصاب کے بقدر ہو، تو زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۳۱۲..... نصاب کی تکمیل کے لئے سونے، چاندی کو باہم ملانے کی تفصیل
۳۱۷	مسئلہ نمبر ۳۱۳..... نصاب کی تکمیل کے لئے سونے یا چاندی کو مال تجارت کے ساتھ ملانے کا حکم
۳۱۹	مسئلہ نمبر ۳۱۴..... سونے، چاندی، مال تجارت اور کرنسی کو جمع کر کے نصاب کا حکم
۳۲۱	مسئلہ نمبر ۳۱۵..... سونے اور چاندی کے نصاب سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ
۳۲۲	مسئلہ نمبر ۳۱۶..... سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کس طرح معلوم کی جائے؟
//	مسئلہ نمبر ۳۱۷..... نصاب سے زائد کتنی مقدار ہونے پر زکاۃ واجب ہوتی ہے؟
۳۲۳	مسئلہ نمبر ۳۱۸..... زکاۃ کی مقدار اڑھائی فیصد کے اعتبار سے واجب ہوتی ہے
//	مسئلہ نمبر ۳۱۹..... کیا وجوب زکاۃ کے لئے برسر روزگار ہونا ضروری ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۳۲۰..... غیر شادی شدہ صاحب نصاب مرد و عورت پر زکاۃ کا حکم
۳۲۴	مسئلہ نمبر ۳۲۱..... گھر کے مختلف افراد کے صاحب نصاب ہونے پر زکاۃ کا حکم

۳۲۵	(فصل نمبر ۹) مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونا (حاجت و ضرورت میں مشغول اور اضافی وزائد مال پر زکاة کے احکام)
۳۲۷	مسئلہ نمبر ۱..... حاجت میں کون سی چیزیں داخل کہلاتی ہیں؟
۳۲۸	مسئلہ نمبر ۲..... رہائشی مکان اور استعمالی اشیاء کے حاجت میں مشغول ہونے کا حکم
۳۲۹	مسئلہ نمبر ۳..... سونے، چاندی، روپیہ پیسہ و مالی تجارت کے علاوہ پر زکاة نہیں
۳۳۰	مسئلہ نمبر ۴..... جو سونا یا چاندی آئندہ ضرورت میں استعمال کے لئے رکھا ہو؟
۳۳۱	مسئلہ نمبر ۵..... مہینہ بھر کی ضروریات کے لئے رکھی ہوئی رقم پر زکاة کا حکم
۳۳۲	مسئلہ نمبر ۶..... ضرورت سے زائد سامان پر زکاة واجب ہونے کی غلط فہمی
۳۳۵	(فصل نمبر ۱۰) مال کا دین و قرض سے فارغ ہونا (قرض پر زکاة واجب ہونے نہ ہونے کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... قرض اور دین کی حقیقت
۳۳۶	مسئلہ نمبر ۲..... اللہ یا انسان کی طرف سے مطالبہ والے دین کی حقیقت
۳۳۷	مسئلہ نمبر ۳..... اللہ اور انسان کی طرف سے مطالبہ والے دین کی زکاة کا حکم
۳۳۸	مسئلہ نمبر ۴..... دین و قرض کو منہا کرنے کے بعد زکاة کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۵..... ضرورت سے زائد سامان کو قرض سے منہا کرنے کا حکم
۳۳۹	مسئلہ نمبر ۶..... انسان کے ذمہ قرض و دین کے اسباب
۳۴۰	مسئلہ نمبر ۷..... ذمہ میں واجب شدہ دیت اور تاوان زکاة سے مستثنیٰ ہوتا ہے

۳۴۳	مسئلہ نمبر ۸..... غصب یا چوری کردہ چیز کا تاوان بھی زکاۃ سے مستثنیٰ ہوتا ہے
۳۴۴	مسئلہ نمبر ۹..... ذمہ میں واجب شدہ زکاۃ کے دین میں داخل ہونے کا حکم
۳۴۵	مسئلہ نمبر ۱۰..... بیوی کے مہر کے دین میں داخل اور زکاۃ سے مستثنیٰ ہونے کا حکم
۳۴۶	مسئلہ نمبر ۱۱..... حکومتی واجبات و ٹیکس کے دین میں داخل ہونے کا حکم
۳۴۷	مسئلہ نمبر ۱۲..... جس دین یا قرض کے ذمہ میں ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو
//	مسئلہ نمبر ۱۳..... دوسرے کے حکم سے اس کا قرض ادا کرنے پر دین کے ثبوت کا حکم
۳۴۸	مسئلہ نمبر ۱۴..... ہلاکت سے بچنے کے لئے بغیر اجازت کھانے پر دین کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... دوسرے کا مالی حق اس کی اجازت کے بغیر ادا کرنے پر دین کا حکم
۳۴۹	مسئلہ نمبر ۱۶..... ادھار خریدی ہوئی چیز کی قیمت کے دین ہونے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۷..... مکان، دوکان کے ذمہ میں لازم شدہ کرایہ کے دین ہونے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۸..... ملازم و نوکر کی ذمہ میں لازم شدہ تنخواہ کے دین ہونے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۹..... ذمہ میں لازم مختلف قسم کے بلز کے دین ہونے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۰..... بیسی کمیٹی کی ذمہ میں واجب اقساط کے دین ہونے کا حکم
۳۵۰	مسئلہ نمبر ۲۱..... بڑے بڑے تجارتی قرضوں کے زکاۃ سے مستثنیٰ ہونے کا حکم
۳۵۲	مسئلہ نمبر ۲۲..... وجوب زکاۃ کے بعد کے قرض کے زکاۃ سے مستثنیٰ ہونے کا حکم
۳۵۳	(فصل نمبر ۱۱) مال پر متعین ملکیت کا قائم ہونا (سرکاری اور وقف وغیرہ کے مال پر زکاۃ کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... مسجد یا مدرسہ پر وقف شدہ مال کی زکاۃ کا حکم

۳۵۳	مسئلہ نمبر ۲..... مسجد یا مدرسہ پر وقف شدہ چندہ و فنڈ کی زکاۃ کا حکم
۳۵۴	مسئلہ نمبر ۳..... وقف کی آمدنی کے مال پر زکاۃ کا حکم
۳۵۵	مسئلہ نمبر ۴..... سرکاری خزانہ یا بیع مال میں جمع شدہ مال کی زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۵..... دینی مدارس و دیگر وقف اداروں میں جمع شدہ مال زکاۃ کی حیثیت
۳۵۷	مسئلہ نمبر ۶..... عشری یا وقف شدہ زمین کی پیداوار پر زکاۃ یا عشر کا حکم
۳۵۸	(فصل نمبر ۱۲) مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کا قائم ہونا (مال کا مالک ہونے، واجب الوصول اور غصب شدہ مال کی زکاۃ کے احکام)

//	مسئلہ نمبر ۱..... مطلق یا مکمل ملکیت والے مال کی حقیقت و تفصیل
۳۶۰	مسئلہ نمبر ۲..... دوسرے پر قرض یا دین والے مال کی زکاۃ کا حکم
۳۶۲	مسئلہ نمبر ۳..... جس قرض و دین کے واپس ملنے کی امید نہ ہو، اس کی زکاۃ کا حکم
۳۶۳	مسئلہ نمبر ۴..... زکاۃ کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرض و دین کی اقسام
۳۶۵	مسئلہ نمبر ۵..... پیشگی وائیڈوائس حاصل کردہ قیمت کی زکاۃ کا حکم
۳۶۶	مسئلہ نمبر ۶..... قبضہ سے پہلے مالی تجارت کی زکاۃ کا حکم
۳۶۷	مسئلہ نمبر ۷..... رہن اور گروی رکھی ہوئی چیز کی زکاۃ کا حکم
۳۶۸	مسئلہ نمبر ۸..... جس دین کی زکاۃ واجب تھی، اس کو معاف کرنے پر حکم
۳۷۰	مسئلہ نمبر ۹..... مال جس کی ملکیت میں ہو، اسی پر زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے
۳۷۱	مسئلہ نمبر ۱۰..... اگر اولاد کمائی کر کے والدین کو رقم دے، تو اس کی زکاۃ کا حکم

۳۷۱	مسئلہ نمبر ۱۱..... خواتین کے مملوکہ مال کی زکاۃ کس پر واجب ہے؟
۳۷۲	مسئلہ نمبر ۱۲..... زکاۃ واجب ہونے کے لئے مال کا خود کمایا ہوا ہونا ضروری نہیں
۳۷۳	مسئلہ نمبر ۱۳..... جو مال ملکیت میں ہو، مگر بینک وغیرہ میں ہو، اس کی زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۴..... نقد پذیر مالی دستاویزات کی زکاۃ کا حکم
۳۷۴	مسئلہ نمبر ۱۵..... پیشگی وصول کردہ اجرت یا مزدوری کی زکاۃ کا حکم
۳۷۷	مسئلہ نمبر ۱۶..... زیر ضمانت (Security Deposit) وغیرہ کی زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۷..... پراویڈنٹ فنڈ کی زکاۃ کا حکم
۳۷۸	مسئلہ نمبر ۱۸..... اگر پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کسی کمپنی کو دے دی گئی، تو اس کی زکاۃ کا حکم
۳۷۹	مسئلہ نمبر ۱۹..... اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے لئے ہوئے قرض کی زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۰..... ریٹائرڈ ہونے پر حاصل شدہ مختلف فنڈز کی زکاۃ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۱..... جس مملوکہ مال کے تصرف و انتفاع پر قدرت نہ ہو، اس کی زکاۃ
۳۸۱	مسئلہ نمبر ۲۲..... مالی مضاربہ میں اصل اور نفع کی زکاۃ فریقین پر ہونے کا حکم
۳۸۳	مسئلہ نمبر ۲۳..... مالی حرام کی زکاۃ کا حکم
۳۸۵	مسئلہ نمبر ۲۴..... حلال و حرام مخلوط مال کی زکاۃ کا حکم
۳۸۷	(فصل نمبر ۱۳) مال پر سال گزرنا (مال پر سال گزرنے کے احکام)
۳۹۰	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ واجب ہونے کے لئے حوالانِ حول یا سال گزرنا شرط ہے

۳۹۱	مسئلہ نمبر ۲..... سال پورا ہونے میں قمری یعنی چاند کے حساب کا اعتبار ہوتا ہے
۳۹۲	مسئلہ نمبر ۳..... نصاب کا اعتبار سال کے کون سے حصہ میں ہوتا ہے؟
۳۹۳	مسئلہ نمبر ۴..... سال پورا ہونے کا اعتبار کس وقت ہوتا ہے؟
۳۹۵	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کے لئے رمضان یا مخصوص مہینہ کو متعین کرنے کی خرابیاں
۳۹۷	مسئلہ نمبر ۶..... سال کے دوران مال میں کمی زیادتی ہوتی رہے، تو زکاۃ کا حکم
۳۹۸	مسئلہ نمبر ۷..... نصاب سے کم مال کی وجہ سے سال شروع نہیں ہوتا
//	مسئلہ نمبر ۸..... سال کے دوران مزید مال حاصل ہونے پر زکاۃ کا حکم
۳۹۹	مسئلہ نمبر ۹..... اگر مال نصاب سے کم ہو کر پھر نصاب کے بقدر ہو گیا، تو سال کب سے شروع ہوگا؟
۴۰۱	مسئلہ نمبر ۱۰..... سال کے دوران مال کی نوعیت تبدیل ہوتی رہی، تو زکاۃ کا حکم
۴۰۳	مسئلہ نمبر ۱۱..... انگریزی تاریخ یا دہو، اور اسلامی تاریخ یا دہو، تو کیا حکم ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۱۲..... صاحب نصاب پر ہر سال ایک مرتبہ زکاۃ واجب ہوتی ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۱۳..... زکاۃ واجب ہونے کے بعد جلد از جلد زکاۃ ادا کرنے کا حکم
۴۰۴	مسئلہ نمبر ۱۴..... زکاۃ واجب ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہو جانے پر حکم
۴۰۶	مسئلہ نمبر ۱۵..... سال پورا ہونے سے پہلے بیٹھکی زکاۃ دینے کا حکم
۴۰۸	مسئلہ نمبر ۱۶..... زکاۃ سے بچنے کے لئے سال کے دوران حیلہ اختیار کرنے کا حکم

۴۱۱	(باب نمبر ۴) زکاۃ کے مصارف اور ادائیگی کے احکام (زکاۃ کے مستحقین اور زکاۃ کی ادائیگی سے متعلق احکام)

۴۱۲	(فصل نمبر ۱) زکاۃ کے آٹھ قرآنی مصارف اور ان کے احکام

۴۱۳	(۲،۱)..... فقراء و مساکین (یعنی فقیر اور مسکین کو زکاۃ دینے کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... فقیر اور مسکین کی حقیقت اور اس سلسلہ میں فقہاء کے اقوال
۴۱۵	مسئلہ نمبر ۲..... غنی و مالدار کو زکاۃ دینے کی ممانعت اور بعض صورتوں کا استثناء
۴۱۷	مسئلہ نمبر ۳..... فقہائے کرام کے نزدیک غنی و مالدار شخص کون کہلاتا ہے؟
۴۱۹	مسئلہ نمبر ۴..... زکاۃ کا مستحق کس قسم کا غریب ہوتا ہے؟
۴۲۱	مسئلہ نمبر ۵..... حاجتِ اصلیہ میں مشغول و غیر مشغول مال کی بناء پر زکاۃ کا استحقاق
۴۲۲	مسئلہ نمبر ۶..... ضرورت و حاجت میں مشغول چیزوں کی مثالیں
۴۲۳	مسئلہ نمبر ۷..... فضول اور زیب و زینت کی چیزوں کا حکم
۴۲۴	مسئلہ نمبر ۸..... کیا سال بھر کی ضرورت کا غلہ حاجت میں داخل ہے؟
۴۲۵	مسئلہ نمبر ۹..... ضرورت اور غیر ضرورت کے سامان کا حکم
۴۲۶	مسئلہ نمبر ۱۰..... جو غریب کمائی پر قادر ہو، اس کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۲۸	مسئلہ نمبر ۱۱..... جس مال سے فائدہ اٹھانے کی قدرت نہ ہو، اس کی وجہ سے زکاۃ کے مستحق ہونے کا حکم

۴۲۸	مسئلہ نمبر ۱۲..... ضرورت و حاجت میں عرف و عادت کا دخل
۴۲۹	مسئلہ نمبر ۱۳..... ایک وقت میں کتنی مقدار زکاۃ کا مال دینا جائز یا ناجائز ہے؟
۴۳۰	مسئلہ نمبر ۱۴..... جو صحیح سالم شخص زکاۃ کے مستحق ہونے کا دعویٰ کرے، اس کو زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... زکاۃ دینے کے لئے غریب سے مستحق ہونے کی دلیل طلب کرنا
۴۳۱	مسئلہ نمبر ۱۶..... جس عورت نے شوہر سے مہر لینا ہو، اس کو زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۷..... نابالغ بچہ یا بچی کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۳۲	مسئلہ نمبر ۱۸..... مالدار شخص کی غریب بیوی کو زکاۃ دینے کا حکم
//	(۳)..... عالمین (یعنی زکاۃ کی وصولی پر حکومتی نمائندوں کو زکاۃ دینے کے احکام)
۴۳۳	مسئلہ نمبر ۱۹..... حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عامل کو زکاۃ دینے کا جواز
//	مسئلہ نمبر ۲۰..... عامل یا عالمین کون لوگ کہلاتے ہیں؟
۴۳۶	مسئلہ نمبر ۲۱..... عامل کی تقرری اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے
//	مسئلہ نمبر ۲۲..... اموالِ ظاہرہ اور موالِ باطنہ اور ان کی زکاۃ کی وصولی کا استحقاق
۴۳۸	مسئلہ نمبر ۲۳..... عامل ہونے کی اہلیت و شرائط
۴۴۰	مسئلہ نمبر ۲۴..... جس جگہ اسلامی حکومت یا زکاۃ وصول کرنے کا مناسب نظم نہ ہو
//	مسئلہ نمبر ۲۵..... مسلم حکومت کی طرف سے عامل کو کب بھیجا جائے گا؟
۴۴۱	مسئلہ نمبر ۲۶..... مسلم حکومت کی طرف سے راستوں پر عاملوں کو مقرر کرنے کا حکم
۴۴۲	مسئلہ نمبر ۲۷..... مسلم حکومت کو وصول شدہ زکاۃ بیٹ المال میں رکھنے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۸..... عامل کو مناسب معاوضہ و تنخواہ دینے کا حکم
۴۴۳	مسئلہ نمبر ۲۹..... تنخواہ و معاوضہ مقرر کر کے اور مقرر کئے بغیر عامل کی تقرری کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۳۰..... عالمین کی تنخواہیں وصول شدہ مال میں کس تناسب سے ہوں

۴۴۴	مسئلہ نمبر ۱۳..... عامل کو ہیٹ المال یا سرکاری خزانہ سے تنخواہ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۴..... عامل کے ذمہ وصول شدہ مال زکاۃ کی حفاظت واجب ہے
۴۴۵	مسئلہ نمبر ۱۵..... عامل کو تنخواہ کے علاوہ زکاۃ میں سے مال لینے کا عدم جواز
//	مسئلہ نمبر ۱۶..... عامل کو لوگوں سے ہدیہ و تحفہ لینے کا عدم جواز
//	مسئلہ نمبر ۱۷..... عامل سے زکاۃ کا مال ضائع و ہلاک ہونے پر حکم
۴۴۶	مسئلہ نمبر ۱۸..... زکاۃ کا مال ضائع ہونے پر عامل کی تنخواہ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۹..... عامل کا وصول شدہ مال زکاۃ کو بیچنے کا حکم
۴۴۷	مسئلہ نمبر ۲۰..... دیانت دار مسلم حکمرانوں کو زکاۃ حوالہ کرنے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲۱..... غیر دیانت دار و غیر ذمہ دار حکمرانوں کو زکاۃ حوالہ کرنے کا حکم
۴۴۹	(۴)..... مؤلفۃ قلوبہم (یعنی دلوں میں الفت ڈالنے کے لئے زکاۃ دینے کے احکام)
۴۵۰	مسئلہ نمبر ۱..... مؤلفۃ قلوبہم کون لوگ کہلاتے ہیں؟
۴۵۱	مسئلہ نمبر ۲..... موجودہ دور میں مؤلفۃ قلوبہم کے مصرف کا حکم
۴۵۲	مسئلہ نمبر ۳..... کیا مؤلفۃ قلوبہم میں غیر مسلم داخل ہیں؟
۴۵۳	(۵)..... رقاب (یعنی آزاد کرنے کے لئے زکاۃ دینے کے احکام)
۴۵۵	مسئلہ نمبر ۱..... مکاتب غلام کی آزادی میں زکاۃ دینے کا حکم
۴۵۶	مسئلہ نمبر ۲..... غیر مکاتب غلام کو زکاۃ کے مال سے آزاد کرانے کا حکم
۴۵۷	مسئلہ نمبر ۳..... غیر مسلموں کی قید میں مقید مسلمان کی رہائی پر زکاۃ خرچ کرنے کا حکم
۴۵۸	(۶)..... غارمین (یعنی مقروض و مدیون لوگوں کو زکاۃ دینے کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱..... ضرورت و مصلحت کی وجہ سے مقروض کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۵۹	مسئلہ نمبر ۲..... ذاتی و غیر ذاتی ضرورت میں لئے ہوئے قرض کی وجہ سے زکاۃ کا حکم

۴۵۹	مسئلہ نمبر ۳..... ناجائز کام کے لئے، لئے ہوئے قرض کی وجہ سے زکاة کا حکم
۴۶۰	مسئلہ نمبر ۴..... مقروض کو زکاة ملنے کے بعد مال زکاة کی ضرورت نہ رہنے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۵..... مقروض کے قرض کو زکاة میں محسوب کرنے کا حکم
۴۶۲	مسئلہ نمبر ۶..... مقروض کے لئے زکاة کی نیت کرنے کا غلط طریقہ
۴۶۳	مسئلہ نمبر ۷..... مقروض کو مال قرض کے زکاة میں دینے کا وکیل بنانے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۸..... زکاة کی نیت سے غریب کو اپنا قرض حاصل کرنے کا وکیل بنانا
۴۶۴	مسئلہ نمبر ۹..... غریب مقروض کی اجازت کے ساتھ زکاة سے اس کا قرض ادا کرنا
//	(۷)..... فی سبیل اللہ (یعنی اللہ کے راستہ میں زکاة دینے کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱۰..... فی سبیل اللہ سے مراد جہاد و قتال کرنے والے مجاہد ہیں
۴۶۵	مسئلہ نمبر ۱۱..... مجاہدین کو مالک بنائے بغیر زکاة کا مال استعمال کرنے کا حکم
۴۶۷	مسئلہ نمبر ۱۲..... جس پر حج فرض ہو، اور حج کے اخراجات نہ ہوں، اس کو زکاة دینا
//	مسئلہ نمبر ۱۳..... ضرورت مند دینی طالب علم کو زکاة دینا
۴۶۸	مسئلہ نمبر ۱۴..... دینی مدارس و جامعات میں زکاة دینا
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... مساجد وغیرہ کی تعمیر میں زکاة خرچ کرنا
۴۶۹	مسئلہ نمبر ۱۶..... فی سبیل اللہ کے مفہوم میں ہر کارِ خیر داخل نہیں
//	(۸)..... ابنِ السبیل (یعنی مسافر کو زکاة دینے کے احکام)
//	مسئلہ نمبر ۱۷..... اپنے وطن سے خارج ضرورت مند مسافر یا غیر مسافر کو زکاة دینا
۴۷۰	مسئلہ نمبر ۱۸..... مسلم مسافر کو زکاة دینا جائز ہے، خواہ وہ وطن میں مالدار ہو
۴۷۱	مسئلہ نمبر ۱۹..... گناہ والے سفر کی وجہ سے زکاة دینے کا حکم
۴۷۲	مسئلہ نمبر ۲۰..... اگر مسافر کو قرض مل سکتا ہو، تو اس کو زکاة لینے کا حکم

۴۷۲	مسئلہ نمبر ۵..... اپنی جگہ سے سفر کرنے کی ضرورت کے لئے زکاۃ لینے کا حکم
۴۷۳	مسئلہ نمبر ۶..... اپنے وطن میں موجود مگر مال پر غیر قادر کو زکاۃ لینے کا حکم
۴۷۴	مسئلہ نمبر ۷..... سفر میں زکاۃ لی، پھر گھر پہنچ گیا، اور زکاۃ کا مال باقی ہے، تو حکم
۴۷۵	مسئلہ نمبر ۸..... مسافر کو مال غنیمت اور مالی فبی کا خمس لینا دینا بھی جائز ہے
//	تنبیہ (آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور کو زکاۃ دینے کی ممانعت)
۴۷۷	(فصل نمبر ۲) مستحق زکاۃ کے مسلم، آزاد، عاقل و بالغ ہونے کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کا مستحق ہونے کے لئے مسلم ہونا ضروری ہے
۴۷۸	مسئلہ نمبر ۲..... غیر مسلم کو زکاۃ دینے کی غلطی کا ارتکاب
۴۷۹	مسئلہ نمبر ۳..... زکاۃ دینے کے بعد مستحق کے مرتد ہو جانے پر حکم
۴۸۰	مسئلہ نمبر ۴..... گناہ گار مسلم کو زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کا مستحق ہونے کے لئے آزاد ہونے کی شرط
۴۸۱	مسئلہ نمبر ۶..... زکاۃ کا مستحق ہونے کے لئے عاقل و بالغ ہونا ضروری نہیں
۴۸۳	مسئلہ نمبر ۷..... نابالغ بچے کو براہ راست زکاۃ دینے کا حکم
۴۸۴	مسئلہ نمبر ۸..... کم عقل یا کم سمجھ شخص کو زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۹..... نابالغ سمجھ دار بچے کو عیدی وغیرہ کے نام سے زکاۃ دینے کا حکم
۴۸۵	(فصل نمبر ۳) ہاشمی یا بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار یا ہاشمی کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۸۶	مسئلہ نمبر ۲..... بنو مطلب کو زکاۃ دینے کا حکم

۴۸۸	مسئلہ نمبر ۳..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۸۹	مسئلہ نمبر ۴..... بنو ہاشم کو زکاۃ کے علاوہ واجب صدقات دینے کا حکم
۴۹۰	مسئلہ نمبر ۵..... بنو ہاشم کو نفلی صدقات دینے کا حکم
۴۹۱	مسئلہ نمبر ۶..... بنو ہاشم کے غلاموں کو زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۷..... ہاشمی کے دوسرے ہاشمی کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۹۲	مسئلہ نمبر ۸..... بنو ہاشم عامل کو زکاۃ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۹..... موجودہ دور میں بوقتِ ضرورت بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۹۳	مسئلہ نمبر ۱۰..... نسب ثابت ہونے کے لئے تسامع و شہرت کافی ہے
۴۹۶	مسئلہ نمبر ۱۱..... نسب کے متعلق قاضی و جج کے فیصلہ کا حکم
۴۹۷	مسئلہ نمبر ۱۲..... علوی اور عباسی کو زکاۃ دینے کا حکم
۴۹۸	مسئلہ نمبر ۱۳..... نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے یا ماں کی طرف سے؟
(فصل نمبر ۴)	
۴۹۹	اولاد، والدین، زوجین و اقرباء کو زکاۃ دینے کے احکام

//	مسئلہ نمبر ۱۴..... اپنے اصول و فروع کو زکاۃ دینے کی ممانعت
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... زوجین کے ایک دوسرے کو زکاۃ دینے کا حکم
۵۰۲	مسئلہ نمبر ۱۶..... دوسرے رشتہ داروں کو زکاۃ دینے کا حکم
۵۰۳	مسئلہ نمبر ۱۷..... رشتہ داروں کو زکاۃ دینے میں دوہرا ثواب ہے
۵۰۴	مسئلہ نمبر ۱۸..... جن رشتہ داروں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اگر وہ سخت ضرورت مند ہوں
۵۰۵	مسئلہ نمبر ۱۹..... قریبی رشتہ داروں کو نفلی صدقات کا دینا جائز ہے
//	مسئلہ نمبر ۲۰..... منہ بولی اولاد اور منہ بولے والدین وغیرہ کو زکاۃ دینے کا حکم

(فصل نمبر ۵)

۵۰۶

زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام

//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت شرط ہے
//	مسئلہ نمبر ۲..... نیت کا اصل مقام انسان کا دل ہے، نہ کہ زبان
۵۰۷	مسئلہ نمبر ۳..... زکاۃ کی نیت کرنا کس وقت معتبر ہوتا ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۴..... کسی کو زکاۃ کا وکیل بناتے وقت زکاۃ کی نیت کرنے کا حکم
۵۰۸	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کا مال الگ کرتے وقت زکاۃ کی نیت کرنے کا حکم
۵۰۹	مسئلہ نمبر ۶..... سارا مال صدقہ کی نیت سے مستحق کو دینے پر زکاۃ کا حکم
۵۱۰	مسئلہ نمبر ۷..... کیا متعین مال کی زکاۃ کی نیت کرنا بھی ضروری ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۸..... غریب کو مال حوالہ کرنے کے بعد زکاۃ کی نیت کرنے کا حکم
۵۱۱	مسئلہ نمبر ۹..... ہاتھ سے فقیر کے زکاۃ چھین لینے یا گرنے پر فقیر کے اٹھالینے پر حکم
۵۱۲	مسئلہ نمبر ۱۰..... زکاۃ کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے اور دکھلاوے سے بچنے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۱..... اخلاص کے ملحوظ ہوتے ہوئے خفیہ یا علانیہ زکاۃ دینے کا درجہ
۵۱۳	مسئلہ نمبر ۱۲..... غریب کے سامنے زکاۃ کا اظہار یا اطلاع ضروری نہیں
۵۱۵	مسئلہ نمبر ۱۳..... ملازموں کو عیدین وغیرہ کے موقع پر تحفہ کے عنوان سے زکاۃ دینا
//	مسئلہ نمبر ۱۴..... قرض کے عنوان سے زکاۃ دینے کا حکم
۵۱۶	مسئلہ نمبر ۱۵..... مسلم حکومت کی طرف سے زکاۃ کی وصولی کے وقت نیت کا حکم
۵۱۷	مسئلہ نمبر ۱۶..... بینک میں رکھی ہوئی رقم پر مسلم حکومت کے زکاۃ کاٹنے کا حکم
۵۱۸	مسئلہ نمبر ۱۷..... مسلم حکومت کو ٹیکس دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی
۵۱۹	مسئلہ نمبر ۱۸..... زکاۃ ادا کرنے میں شک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

۵۲۱	(فصل نمبر ۶) زکاۃ دینے کا وکیل و نمائندہ بنانے کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ ادا کرنے کے لئے وکیل و نمائندہ بنانا جائز ہے
//	مسئلہ نمبر ۲..... حکومت کے نمائندے یا عام شخص کو زکاۃ کا وکیل بنانا
۵۲۲	مسئلہ نمبر ۳..... کیا غیر مسلم کو زکاۃ دینے کا وکیل بنانا جائز ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۴..... مخصوص غریب کو زکاۃ دینے کے وکیل کا کسی اور کو زکاۃ دینا
۵۲۳	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کا مال دیئے بغیر دوسرے کو اپنی زکاۃ کا وکیل بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۶..... دوسرے کی طرف سے وکیل بنائے بغیر زکاۃ دینے کا حکم
۵۲۴	مسئلہ نمبر ۷..... وکیل کا زکاۃ کی رقم کو تبدیل کرنے یا دوسری رقم میں ملانے کا حکم
۵۲۶	مسئلہ نمبر ۸..... وکیل کا نقدی کے بجائے کوئی چیز خرید کر زکاۃ میں دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۹..... وکیل کے پاس سے زکاۃ کی رقم چوری یا ضائع ہوگئی، تو اس کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۰..... زکاۃ کے وکیل کا کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۱..... وکیل کا اپنے رشتہ دار کو زکاۃ دینے یا خود اپنے لئے رکھنے کا حکم
۵۲۷	مسئلہ نمبر ۱۲..... کاروبار کے شرکاء کا ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر زکاۃ ادا کرنا
۵۲۸	مسئلہ نمبر ۱۳..... مقروض کو اپنا قرض زکاۃ میں دینے کا وکیل بنانا
//	مسئلہ نمبر ۱۴..... غریب کا کسی شخص کو زکاۃ وصول کر کے خرچ کرنے کا وکیل بنانا
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... موکل کے فوت ہونے پر وکالت ختم ہونے کا حکم
۵۳۰	مسئلہ نمبر ۱۶..... ڈاک خانہ وغیرہ سے زکاۃ کی رقم ہلاک ہونے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۷..... حامل یا مہتمم کے پاس سے زکاۃ کی رقم ہلاک ہونے پر حکم

۵۳۱	(فصل نمبر ۷) زکاۃ بغیر معاوضہ کے مالکانہ طور پر دینے کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کے لئے تمسلیک یعنی مالک بنانا شرط ہے
۵۳۲	مسئلہ نمبر ۲..... مسجد، مدرسہ یا شفا خانہ وغیرہ کی تعمیر میں زکاۃ لگانا جائز نہیں
//	مسئلہ نمبر ۳..... غریب کو مالک بنائے بغیر فاقہی کاموں میں زکاۃ خرچ کرنا
//	مسئلہ نمبر ۴..... غریب طلبہ یا دوسرے لوگوں کو مالکانہ طریقہ پر زکاۃ دینا
۵۳۳	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر وقف کرنا
//	مسئلہ نمبر ۶..... زکاۃ کی رقم سے مریضوں کا علاج کرنا
//	مسئلہ نمبر ۷..... میت کی تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی پر زکاۃ استعمال کرنا
۵۳۴	مسئلہ نمبر ۸..... غریب کا کسی شخص یا مہتمم وغیرہ کو زکاۃ وصول کر کے کسی جگہ خرچ کرنے کا وکیل بنانا
۵۳۵	مسئلہ نمبر ۹..... کسی میت کے کفن کا انتظام نہ ہو، تو زکاۃ کو استعمال کرنے کا طریقہ
//	مسئلہ نمبر ۱۰..... غریب کو زکاۃ کا مالک بنا کر فاقہی کام میں خرچ کا مشورہ دینا
۵۳۶	مسئلہ نمبر ۱۱..... مزدوری یا خدمت کے معاوضہ میں زکاۃ دینا جائز نہیں
//	مسئلہ نمبر ۱۲..... مؤذن یا ائمہ مساجد کو زکاۃ دینا
۵۳۷	مسئلہ نمبر ۱۳..... زکاۃ بذریعہ چیک دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۴..... ڈاک خانہ وغیرہ کے ذریعہ زکاۃ بھیج کر خرچ زکاۃ سے منہا کرنا، اور کمیشن پر زکاۃ کی وصولی کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۱۵..... غریب کو مالک بنائے بغیر زکاۃ کے استعمال کی خرابی
//	مسئلہ نمبر ۱۶..... غریب کو زکاۃ میں حاصل شدہ مال کا مالدار کو استعمال کرنا

۵۳۸	(فصل نمبر ۸) زکاۃ کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ فی الفور ادا کرنے اور تاخیر سے بچنے کا حکم
۵۳۹	مسئلہ نمبر ۲..... زکاۃ ادا کئے بغیر فوت ہو جانے پر ترکہ سے زکاۃ ادا کرنے کا حکم
۵۴۱	مسئلہ نمبر ۳..... زکاۃ ادا نہیں کی، تو فوت ہونے سے پہلے ادائیگی یا وصیت کا حکم
۵۴۳	مسئلہ نمبر ۴..... زکاۃ پیشگی دینے یا سال بھر میں تھوڑی تھوڑی دینے کا حکم
۵۴۵	مسئلہ نمبر ۵..... گزشتہ سالوں کی ذمہ میں واجب شدہ زکاۃ دینے کا طریقہ
۵۴۷	مسئلہ نمبر ۶..... زکاۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع و ہلاک ہونے پر حکم
۵۴۹	مسئلہ نمبر ۷..... زکاۃ کا مال الگ کر کے فوت ہو جانے پر حکم
//	مسئلہ نمبر ۸..... زکاۃ کا سارا مال صدقہ کر دینے کے بعد زکاۃ کی معافی
۵۵۱	(فصل نمبر ۹) زکاۃ کی مقدار کے احکام
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کی مقدار اڑھائی فیصد یا چالیسواں حصہ ہے
//	مسئلہ نمبر ۲..... زکاۃ میں اسی مال کا چالیسواں حصہ یا کوئی اور مال دینے کا حکم
۵۵۳	مسئلہ نمبر ۳..... زکاۃ میں کارآمد چیز دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۴..... زکاۃ میں اعلیٰ، اوسط یا ادنیٰ درجہ کا مال دینے کا حکم
۵۵۶	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ میں عمدہ مال دینا افضل ہے
//	مسئلہ نمبر ۶..... اگر زکاۃ کی پوری مقدار ادا نہیں کی، تو کیا حکم ہے؟
۵۵۷	مسئلہ نمبر ۷..... سونے، چاندی کے تیار شدہ زیور کی زکاۃ کا طریقہ

۵۵۷	مسئلہ نمبر ۸..... غلطی سے واجب شدہ مقدار سے زیادہ زکاة دے دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۹..... ایک وقت میں غریب کو کتنی زکاة دینی چاہئے؟
۵۶۰	مسئلہ نمبر ۱۰..... بغیر حساب کے تھوڑا سا مال زکاة میں دے کر بے فکر ہو جانا
	(فصل نمبر ۱۰)
۵۶۱	زکاة کے مصارف و ادائیگی سے متعلق متفرق مسائل

//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاة کو صحیح مصرف میں لگانا، زکاة دہندہ کی ذمہ داری ہے
//	مسئلہ نمبر ۲..... زکاة کو تمام مصارف میں دینا ضروری نہیں
۵۶۳	مسئلہ نمبر ۳..... زکاة دینے میں زیادہ ضرورت مندوں کو مقدم رکھنا افضل ہے
۵۶۴	مسئلہ نمبر ۴..... زکاة لینے کے بعد غریب اگر مستحق نہیں رہا، تو کیا حکم ہے؟
۵۶۵	مسئلہ نمبر ۵..... جو زکاة کا مستحق نہ ہوا، اسے زکاة کا مال لینا جائز نہیں
//	مسئلہ نمبر ۶..... غلطی یا کوتاہی سے غیر مستحق کو زکاة دینے کے بعد حکم
۵۶۸	مسئلہ نمبر ۷..... مال والے مقام کے مستحقین کو زکاة دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۸..... دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ زکاة کو منتقل کرنے کا حکم
۵۷۱	مسئلہ نمبر ۹..... غیر ذمہ دار فرد یا تنظیم و ادارہ کو زکاة حوالہ کرنا
۵۷۲	مسئلہ نمبر ۱۰..... بیوہ عورت کو زکاة کا مستحق سمجھنا
//	مسئلہ نمبر ۱۱..... زکاة کی رقم سے جہیز دینے کا تفصیلی حکم
۵۷۴	مسئلہ نمبر ۱۲..... پیشہ ور بھکاریوں کو زکاة دینے کی ممانعت
۵۷۵	مسئلہ نمبر ۱۳..... زکاة کے چند آداب

	(فصل نمبر ۱۱)
۵۷۸	زکاة کے حساب کا آسان طریقہ

۵۸۰	(حصہ دوم) (باب نمبر ۱) مالِ نامی کی دوسری قسم کی زکاة کے احکام (یعنی سائٹہ جانوروں کی زکاة سے متعلق احکام)

۵۸۱	(فصل نمبر ۱) سائٹہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کی شرائط
//	مسئلہ نمبر ۱..... سائٹہ جانور، قربانی کی جنس والے جانوروں کے ساتھ خاص ہیں
۵۸۲	مسئلہ نمبر ۲..... قربانی کون سے جنس کے جانوروں کی جائز ہے؟
//	مسئلہ نمبر ۳..... گھوڑوں کے سائٹہ جانوروں میں داخل ہونے میں فقہاء کا موقف
۵۸۳	مسئلہ نمبر ۴..... سائٹہ جانوروں کے لئے پالتو اور گھریلو جانور ہونا ضروری ہے
//	مسئلہ نمبر ۵..... مختلف جنس کے جانوروں کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور کا حکم
۵۸۶	مسئلہ نمبر ۶..... سائٹہ جانوروں کے لئے نصاب کے بقدر ہونے کی شرط
//	مسئلہ نمبر ۷..... سائٹہ جانوروں کے لئے سال گزرنے کی شرط
//	مسئلہ نمبر ۸..... سائٹہ جانوروں میں ”سوم“ کی شرط اور ”سوم“ کا مطلب
۵۸۹	مسئلہ نمبر ۹..... سائٹہ جانوروں میں خود سے چر کر کھانے کی شرط
۵۹۰	مسئلہ نمبر ۱۰..... دودھ حاصل کرنے یا موٹا تازہ کرنے یا نسل بڑھانے کی شرط
۵۹۲	مسئلہ نمبر ۱۱..... قرض و دین کے سائٹہ جانوروں کی زکاة سے مانع ہونے کا حکم
۵۹۳	مسئلہ نمبر ۱۲..... سائٹہ جانوروں کے لئے باقی شرائط، معروف زکاة کی طرح ہیں
//	مسئلہ نمبر ۱۳..... سائٹہ جانوروں اور مالِ تجارت کے جانوروں میں فرق

۵۹۵	(فصل نمبر ۲) سائمہ جانوروں کے نصاب کی تفصیل

	(۱)
//	سائمہ اونٹوں کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل
۶۰۳	چند متعلقہ مسائل
//	مسئلہ نمبر ۱..... بکری ایک سال کی عمر کے لازم ہونے اور زروادہ کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲..... تین سالہ چار اونٹنیوں کے بجائے دو سالہ پانچ اونٹیاں دینے کا حکم
۶۰۴	مسئلہ نمبر ۳..... زکاۃ میں واجب شدہ اونٹ میں زروادہ دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۴..... زیادہ عمر والا اونٹ اور بکری کے بجائے اونٹنی، زکاۃ میں دینا
۶۰۵	مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ میں واجب شدہ جانور سے ادنیٰ اور بقیہ قیمت دینے کا حکم
	(۲)
۶۰۶	سائمہ گائے، بھینس کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل
۶۰۹	چند متعلقہ مسائل
//	مسئلہ نمبر ۱..... گائے، بھینس کے نصاب کی مقدار
۶۱۰	مسئلہ نمبر ۲..... گائے اور بھینس کے نصاب اور زکاۃ کی شرح
۶۱۱	مسئلہ نمبر ۳..... زکاۃ میں واجب شدہ گائے، بھینس کی عمر
//	مسئلہ نمبر ۴..... تیج اور مسن کسے کہا جاتا ہے؟
۶۱۲	مسئلہ نمبر ۵..... تیج کے بجائے مسن زکاۃ میں دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۶..... چالیس گایوں کے بعد زکاۃ میں کیا واجب ہوگا؟

	(۳)
۶۱۳	سائمہ بکری و بھیڑ کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل
۶۱۶	چند متعلقہ مسائل
//	مسئلہ نمبر ۱..... بکریوں کی زکاۃ میں زروادہ بکری دینے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲..... بکریوں کی زکاۃ میں کتنی عمر کی بکری دینا واجب ہے؟
۶۱۷	مسئلہ نمبر ۳..... نصاب پورا کرنے کے لئے بکریوں، بھیڑوں و دنبوں کو ملانے کا حکم
	(فصل نمبر ۳)
۶۱۹	سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے چند متفرق مسائل
//	مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ سے بچنے کے لئے اکٹھے جانوروں کو الگ شمار کرنے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۲..... الگ الگ مملوکہ جانوروں کو ایک نصاب شمار کرنے کا حکم
۶۲۰	مسئلہ نمبر ۳..... دو افراد کے درمیان مشترک سائمہ جانوروں کا حکم
۶۲۱	مسئلہ نمبر ۴..... اگر سائمہ تمام جانور بچے ہوں، تو زکاۃ کا حکم
۶۲۲	مسئلہ نمبر ۵..... تجارت کے لئے خریدے ہوئے جانوروں کو سائمہ بنانے کا حکم
//	مسئلہ نمبر ۶..... واجب شدہ جانوروں یا ان کی مالیت کو زکاۃ میں دینے کا حکم
۶۲۳	مسئلہ نمبر ۷..... زکاۃ میں دیا جانے والا جانور درمیانے درجہ کا ہونا مناسب ہے
//	مسئلہ نمبر ۸..... زکاۃ میں دیا جانے والا جانور اگر سائمہ جانور کے علاوہ سے دیا جائے، تو اس کا حکم
۶۲۵	مسئلہ نمبر ۹..... اونٹ، گائے اور بکری کی اقسام اور ان اقسام کو زکاۃ میں دینا
//	مسئلہ نمبر ۱۰..... سائمہ جانوروں میں دوسری قسم کا جانور ادا کرنے کا حکم
۶۲۶	مسئلہ نمبر ۱۱..... دو اقسام سے مرکب نصاب میں کس قسم کا جانور دیا جائے گا؟

۶۲۷	مسئلہ نمبر ۱۲..... اگر جانور فروخت کرنے کے ساتھ دودھ سے فائدہ اٹھانا اور نسل بڑھانا بھی مقصود ہو، تو زکاة کس اعتبار سے واجب ہوگی؟
//	مسئلہ نمبر ۱۳..... سائٹ جانوروں کی زکاة کے مصارف
۶۲۸	(خاتمۃ الکتاب) چند علمی و تحقیقی مسائل و رسائل

//	(۱) نصاب سے زائد مقدار پر وجوب زکاة کی تحقیق
۶۳۲	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے دلائل
۶۳۶	جمہور کے دلائل
۶۳۷	(۲) سونے اور چاندی کا نصاب مستقل ہونے کی تحقیق
//	سونے اور چاندی کے نصاب کی مقدار
//	سونے اور چاندی دونوں کا نصاب مستقل ہے
۶۳۸	سونے کا نصاب چاندی کے نصاب کے تابع ہونے کا قول
۶۶۰	قابل فروخت زیور کی زکاة کا طریقہ
۶۶۱	فطرانہ کے نصاب میں بھی سونے، چاندی کا نصاب مستقل ہے

۶۶۸	(۳) الحلة الرابعة في ضوء الحاجة الاصلية کیا لباس کا چوتھا جوڑا خارج از حاجت ہے؟
۶۶۹	قرآن مجید میں لباس کے دو اہم فوائد
۶۷۰	احادیث میں تکبر اور اسراف کے بغیر لباس پہننے کا حکم
۶۷۱	لباس کی مختلف صورتوں کا اجمالی حکم
۶۷۳	تین جوڑوں سے زائد لباس کی وجہ سے غنی ہونے کا حکم
۶۷۵	سردی، گرمی سے حفاظت والا لباس حاجت میں داخل ہے
۶۷۷	استعمالی اور پہنے جانے والا لباس حاجت میں داخل ہے
۶۸۰	زینت والا لباس حاجت سے خارج ہے
۶۸۳	اس سلسلہ میں رائج قول
۶۸۴	حاجت میں عرف و زمانہ کا دخل
۶۸۸	خلاصہ
۶۹۰	(۴) ساتھ جانوروں کے نصاب سے مستحق زکاة ہونے کا حکم

۶۹۶	(۵) غریب کو حاصل شدہ مالِ زکاة کا امیر کو استعمال کرنا
//	سوال
//	جواب
۶۹۷	اس مسئلہ میں مشائخ حنفیہ کے دو قول اور ان کے نتائج
۷۰۰	اس مسئلہ سے متعلق احادیث و روایات
۷۱۵	احادیث و روایات کا حاصل
۷۱۶	غریب کے مالک بننے پر تبدلِ ملک
۷۲۲	جواز کے قول کے مؤیدات
۷۲۳	مذکورہ مسئلہ کی ایک فقہی نظیر پر کلام
۷۲۷	مذکورہ مسئلہ میں عدم جواز کے قول پر پیش آمدہ مشکلات
۷۳۲	(۶) بنو ہاشم اور سید کو زکاة کا حکم
//	تمہید
۷۳۳	(مقدمہ) بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ سے متعلق فقہاء کے اقوال

۷۴۱	(فصل نمبر ۱)
	زکاة، صدقات اور مالی غنیمت و فیئ کا مصرف
//	فقراء و مساکین، زکاة و صدقات کا مصرف
۷۴۲	نبی ﷺ کے قرابت داروں کے لئے زکاة وغیرہ کی ممانعت
//	نبی ﷺ کے قرابت داروں کے لئے مالی غنیمت و فیئ کا حصہ
۷۵۰	مال غنیمت و مال فیئ کی حقیقت اور مصارف
//	مسئلہ نمبر ۱..... مال غنیمت اور مال فیئ کی تعریف
//	مسئلہ نمبر ۲..... مال غنیمت کے پانچ حصے اور ان کے مصارف
۷۵۱	مسئلہ نمبر ۳..... مال فیئ کے مصارف
۷۵۳	مسئلہ نمبر ۴..... نبی ﷺ کے بعد آپ کے مال غنیمت و فیئ کے حصہ کا مصرف
۷۵۴	مسئلہ نمبر ۵..... ذوی القربی کا حصہ غریبوں کے ساتھ خاص ہے یا نہیں؟
۷۵۵	(فصل نمبر ۲)
	بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ کی ممانعت و کراہت کی احادیث
//	نبی ﷺ کے ہدیہ قبول اور صدقہ قبول نہ کرنے کی حدیث
۷۵۶	نبی ﷺ کا ہدیہ کو تناول کرنا اور صدقہ کو تناول نہ کرنا
۷۵۷	صدقہ کا غریب کو مالک بننے کے بعد تناول کرنے کی حدیث
۷۵۹	آل محمد کے لئے زکاة و صدقہ حلال نہ ہونے کی حدیث
۷۶۱	اہل بیت کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کی حدیث
۷۶۳	اہل بیت کے آزاد کردہ غلاموں کو صدقہ ممنوع ہونے کی حدیث

۷۶۵	آل محمد و ازواج مطہرات کو صدقہ کے حلال نہ ہونے کی روایت
۷۶۶	میل کچیل کی بناء پر صدقہ کے محمد و آل محمد کو مناسب نہ ہونے کی حدیث
۷۷۰	میل کچیل کی بناء پر صدقہ کے محمد و آل محمد کو حلال نہ ہونے کی حدیث
۷۷۳	بنو ہاشم کو غسلۃ الناس سے بچنے کی حدیث
۷۷۴	خمس کو صدقہ کا عوض بنانے کی حدیث اور متعلقہ بحث
۷۷۹	گزشتہ حدیث کی دیگر تائیدات
۷۸۹	(فصل نمبر ۳) بنو ہاشم کو زکاۃ کے جواز سے متعلق اہل علم کے اقوال
۷۹۱	(۱)..... امام طحاوی کی عبارت
۷۹۸	(۲)..... عمدۃ القاری کی عبارت
۷۹۹	(۳)..... بنیہ شرح ہدایہ کی عبارت
۸۰۰	(۴)..... شرح ابی داؤد کی عبارت
۸۰۱	(۵)..... تنقیح فتاویٰ حامد یہ کی عبارت
۸۰۲	(۶)..... طحاوی علی الدر کی عبارت
۸۰۳	(۷)..... الأختیار کی عبارت
۸۰۶	(۸)..... فتاویٰ تاتار خانیہ کی عبارت
۸۰۷	(۹)..... بریقۃ محمودیہ کی عبارت
۸۰۸	(۱۰)..... امام نووی شافعی کی عبارت
۸۰۹	(۱۱)..... سعید بن رابطی و ابو بکر دمیاطی شافعی کی عبارت
۸۱۱	(۱۲)..... عبد الحمید شروانی شافعی کی عبارت

۸۱۵	(۱۳).....منصور بن یونس بہوتی حنبلی کی عبارت
۸۱۶	(۱۴).....علامہ مرداوی حنبلی کی عبارت
۸۱۹	(۱۵).....علامہ ابن تیمیہ حنبلی کی عبارت
//	(۱۶).....ابن مفلح حنبلی کی عبارت
۸۲۰	(۱۷).....محمد عرفہ دسوقی مالکی کی عبارت
۸۲۱	(۱۸).....شیخ دردیر مالکی کی عبارت
۸۲۲	(۱۹).....علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کی عبارت و فتویٰ
۸۲۳	(۲۰).....فتاویٰ محمودیہ کی عبارت
۸۲۵	(۲۱).....مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے
۸۲۶	(۲۲).....مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کا فتویٰ
۸۲۷	(۲۳).....شیخ بن صالح الشیمین صاحب کی رائے
۸۲۸	(۲۴).....علامہ یوسف قرضاوی صاحب کی رائے
۸۲۸	(۲۵).....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے
۸۵۳	(۲۶).....فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی عبارت
۸۵۶	(۲۷).....مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کی رائے
۸۶۱	(خاتمۃ الکلام) چند شبہات کا ازالہ
//	(۱).....ابوعصمہ کے متعلق شبہ کا جواب
۸۶۷	(۲).....مرجوح قول پر فتویٰ یا عمل کے شبہ کا جواب
۸۷۱	خلاصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

شریعت کی طرف سے جو عبادات مقرر کی گئی ہیں، ان میں سے بعض عبادات کا تعلق بدن سے ہے کہ جن کو انجام دینے کے لئے، انسان کا بدن اور جسم استعمال ہوتا ہے، اور ان میں مال کا دخل نہیں ہوتا، جیسے نماز، روزہ وغیرہ، ایسی عبادات کو بدنی عبادات کہا جاتا ہے۔

اور بعض عبادات وہ ہیں کہ جن کو انجام دینے کے لئے مال استعمال اور خرچ ہوتا ہے، ان عبادات کو مالی عبادات کہا جاتا ہے، مالی عبادات میں زکاة کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔

اسلام لانے کے بعد بدنی عبادات میں جو درجہ نماز کا ہے، مالی عبادات میں وہی درجہ زکاة کا ہے، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں موقع بموقع نماز کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ زکاة کی ادائیگی کا حکم فرمایا گیا ہے۔

اس دور میں مسلمانوں کی طرف سے زکاة میں پائی جانے والی غفلت اور زکاة کے احکام سے ناواقفیت اور جدید حالات و تقاضوں کے باعث ضرورت تھی کہ زکاة کے متعلق ترغیب و ترہیب، اور زکاة کے قدیم و جدید احکام کو تحقیق و تخریج کے ساتھ ایک جگہ جمع کیا جائے، اور ساتھ ہی بعض علمی و تحقیقی مسائل پر بھی کچھ تفصیل سے کلام کیا جائے۔

بندہ نے اسی ضرورت کے لئے ”زکاة کے فضائل واحکام“ کے عنوان سے زیر نظر کتاب تالیف کی ہے، جو اس سے پہلے ایک مرتبہ ”زکاة و صدقہ کے فضائل واحکام“ کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے، لیکن اس مرتبہ کی اشاعت کے موقع پر اس کتاب میں جب تحقیق، تخریج و اضافہ اور علمی و تحقیقی مسائل کا کام کیا گیا، تو اس کتاب میں موجود مضامین و مباحث کا ذخیرہ طویل اور ضخیم ہو گیا، اس لئے یہ طے کیا گیا کہ اس کتاب سے عشر و خراج اور عام صدقہ کے مضامین کو الگ کر دیا جائے، اور یہ کتاب ”مال نامی“ یا ”سونے، چاندی، کرنسی اور مال

تجارت اور مخصوص سامانہ جانوروں کی زکاۃ“ کے موضوع تک محدود رہے، اور ”عشر و خراج کے احکام“ کو الگ مستقل کتاب کے عنوان سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، نیز صدقہ سے متعلق فضائل و احکام کو ”صدقہ کے فضائل و احکام“ کے عنوان سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس طرح پہلے مرحلہ پر ”زکاۃ و صدقہ کے فضائل و احکام“ کے عنوان سے شائع ہونے والی کتاب کے مضامین اب دوسرے مرحلہ میں تحقیق و تخریج اور اضافہ کے موقع پر تین مستقل کتابوں اور عنوانوں میں تقسیم ہو گئے، ایک ”زکاۃ کے فضائل و احکام“ کے عنوان سے، دوسرے ”عشر و خراج کے احکام“ کے عنوان سے، اور تیسرے ”صدقہ کے فضائل و احکام“ کے عنوان سے، زیرِ نظر کتاب ”زکاۃ کے فضائل و احکام“ کے عنوان سے موسوم ہے۔

اس کتاب میں بندہ نے بعض اسلاف و متقدمین کے طریقہ پر کوشش کی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں متعلقہ مقامات پر ممکنہ حد تک حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اور فقہ حنفی میں بعض دیگر اقوال کو بھی ذکر کیا جائے، تاکہ اہل علم حضرات کے سامنے دوسرے پہلو بھی آجائیں اور بوقتِ ضرورت ان پر غور و تحقیق میں آسانی رہے، اور اس کتاب میں مذکور مختلف فقہائے کرام کے اقوال بالعموم ”الموسوعة الفقهية الكويتية“ سے ماخوذ ہیں، اور بعض مسائل میں بندہ نے فیما بینی و بین اللہ دیانت داری کے ساتھ جس قول کو دلائل یا ضرورت کے لحاظ سے راجح سمجھا، اس کا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے تذکرہ بھی کر دیا ہے، جس کو موجودہ دور کے ایک مخصوص علمی ماحول میں غیر مانوس نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر اس طرح اپنی رائے کا اظہار تحقیق و اجتہاد کے اصولوں کے مطابق ہے، اور اس کا انکار ان اصولوں سے ناواقفیت یا تعصب پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے، اور بندہ سمیت بندہ کے معاونین، اساتذہ کرام و مشائخ عظام اور والدین کرام وغیرہ کے لئے بخشش کا ذریعہ اور امت مسلمہ کے لئے نافع بنا کر دنیوی و اخروی فلاح کا سبب بنائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

(مقدمہ)

قرآن مجید میں زکاة کی فضیلت و اہمیت

قرآن و سنت میں زکاة کی بڑی فضیلت و اہمیت اور تاکید و ترغیب آئی ہے، جو انتہائی مفید و مؤثر ہے، اس لئے پہلے قرآن مجید میں مذکور مختلف مواقع پر زکاة کی فضیلت و اہمیت کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ سنت اور احادیث و روایات میں مذکور زکاة کی فضیلت و اہمیت کا ذکر کیا جائے گا۔

نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کا حکم

قرآن مجید میں کئی مقامات پر نماز کے قیام کا حکم دینے کے بعد اس کے ساتھ ہی فوراً زکاة کی ادائیگی کا حکم فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورة البقرة، رقم الآية ۴۳)

ترجمہ: اور تم قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاة کو (سورہ بقرہ)

اور سورہ بقرہ میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۱۰)

ترجمہ: اور تم قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاة کو (سورہ بقرہ)

اور سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَأَقِمْ وَاتَّكُمَا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورة الحج، رقم الآية ۷۸)

ترجمہ: پس تم قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاة کو (سورہ حج)

اور سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (سورۃ المجادلہ، رقم الآیہ ۱۳)

ترجمہ: پس تم قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاة کو، اور تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور اللہ پوری طرح باخبر ہے جو اعمال تم کرتے ہو (سورہ مجادلہ) اور سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورۃ المزمل، رقم الآیہ ۲۰)

ترجمہ: اور تم قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاة کو (سورہ مزمل)

فائدہ: ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام کے ساتھ زکاة کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے، جس سے زکاة کا نماز کے ساتھ تعلق اور زکاة کی نماز کے بعد اہمیت معلوم ہوئی۔

خواتین کو بھی نماز کے قیام و زکاة کی ادائیگی کا حکم

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتَيْنِ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (سورۃ الاحزاب، رقم الآیہ

۳۳)

ترجمہ: اور (اے خواتین) تم قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاة کو، اور تم اطاعت کرو

اللہ کی اور اس کے رسول کی (سورہ احزاب)

فائدہ: اس سے نماز اور زکاة کی خاص تاکید و اہمیت کا پتہ چلا کہ خواتین اسلام کو بھی بطور خاص نماز اور زکاة کا مرد حضرات سے الگ حکم فرمایا گیا۔

اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر عورت نصاب کے بقدر زکاة کے مال کی مالک ہو، تو اس پر بھی زکاة فرض ہوتی ہے، اور عورتوں کا اپنے آپ کو زکاة سے بری سمجھنا درست نہیں۔

پہلی امتوں کو نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کا حکم

سورہ بینہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (سورة البينة، رقم الآية ۵)

ترجمہ: اور نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں، مگر اسی بات کا کہ اللہ کی عبادت کریں خالص رکھتے ہوئے اس کے لئے دین کو ”یکسو ہو کر“ اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکاة کو، اور یہی ہے سیدھا دین (سورہ بینہ)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے اور زکاة کو ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں اور پہلی امتوں کو بھی حکم دیا تھا، اور اس کو سیدھا دین فرمایا تھا، اور پہلے نبیوں اور ان کی شریعتوں میں نماز اور زکاة کی ادائیگی کے حکم کا ذکر دوسری آیات میں بھی آیا ہے۔

بنی اسرائیل سے نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کا عہد

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا عہد لیا تھا، ان میں نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کا حکم بھی شامل تھا، جیسا کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ (سورة البقرة، رقم الآية ۸۳)

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے پختہ عہد بنی اسرائیل سے کہ مت عبادت کرنا اللہ کے علاوہ کسی کی، اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے (بھی نیکی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی بات، اور قائم کرنا نماز کو، اور ادا کرنا

زکاة کو، پھر تم (اس پختہ عہد سے) پھر گئے، سوائے تم میں سے چند لوگوں کے، اور تم (پختہ عہد کر کے) پھر جانے والے ہو (سورہ بقرہ)

فائدہ: مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی اتنے اہم اعمال ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ بنی اسرائیل سے ان اعمال پر عمل پیرا ہونے کا عہد لیا تھا۔

مختلف نبیوں کو نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کی وحی

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ (سورة الانبياء، رقم الآية ۷۳)

ترجمہ: اور بنایا تھا ہم نے ان (نبیوں) کو امام، وہ ہدایت کا راستہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے، اور وحی بھیجتی تھی ہم نے ان کی طرف خیر کے کاموں کی، اور نماز کو قائم کرنے کی اور زکاة کو ادا کرنے کی بھی، اور تھے یہ ہماری عبادت کرنے

والے (سورہ انبیاء)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز اور زکاة اتنی اہم عبادت ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبیوں کی طرف خصوصی وحی بھیجتی تھی، اور وہ نماز کو قائم کرنے اور زکاة کو ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکاة کی ادائیگی کی وصیت

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد ہے کہ:

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (سورة مریم، رقم الآية ۳۱)

ترجمہ: اور وصیت کی اللہ نے مجھے نماز اور زکاة کی، جب تک کہ میں رہوں زندہ
(سورہ مریم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی نماز اور زکاة کی ادائیگی کا ایک ساتھ تاکید فرمایا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گھر والوں کو نماز اور زکاة کا حکم فرمانا

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہے کہ:
وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا (سورہ مریم،
رقم الآیہ ۵۵)

ترجمہ: اور وہ حکم فرماتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکاة کا، اور وہ تھے اپنے
رب کے نزدیک پسندیدہ بندے (سورہ مریم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اپنے گھر والوں کو نماز اور
زکاة کا حکم فرماتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو بہت پسند فرمایا۔

قتال سے رُکنے کے وقت نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کا حکم

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا
الزَّكَاةَ (سورہ النساء، رقم الآیہ ۷۷)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا کہ تم اپنے
ہاتھوں کو روک لو، اور قائم کرو نماز کو، اور ادا کرو زکاة کو (سورہ نساء)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب قتال سے رُکنے کا حکم ہو (مثلاً کفار سے جنگ بندی وغیرہ
کی مصالحت و معاہدہ ہو) تو نماز اور زکاة کی ادائیگی کا اس وقت بھی حکم ہوتا ہے، اور اسی وجہ

سے جب مکہ میں قتال کی ممانعت تھی، اس وقت بھی ان احکام کو بجالانے کا حکم آیا تھا۔ ۱

زکاة کی ادائیگی، اصل نیکی اور تقویٰ کی نشانیوں میں سے ہے

سورہ بقرہ میں نیک کاموں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا، وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۷۷)

ترجمہ: نیکی یہی نہیں ہے کہ تم پھیر لو اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف، لیکن نیکی تو یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور نبیوں پر اور عطا کرے مال کو، اس کی محبت ہوتے ہوئے، رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور سانکوں کو اور گردنیں چھڑا نے میں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکاة کو اور پورا کرنے والے ہوں،

۱ (ألم تر إلى الذين قيل لهم كفوا أيديكم) عن قتال الكفار لما طلبوه بمكة لأذى الكفار لهم وهم جماعة من الصحابة (وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة فلما كتب) فرض (عليهم القتال إذا فريق منهم يخشون) يخافون (الناس) الكفار أي عذابهم بالقتل (كخشيت) هم عذاب (الله أو أشد خشية) من خشيتهم له ونصب أشد على الحال وجواب لما دل عليه إذا وما بعدها أي فاجأتهم الخشية (وقالوا) جزعا من الموت (ربنا لم كتبت علينا القتال لولا) هلا (أخبرتنا إلى أجل قريب قل) لهم (متاع الدنيا) ما يتمتع به فيها أو الاستمتاع بها (قليل) آيل إلى الفناء (والآخرة) أي الجنة (خير لمن اتقى) عقاب الله بترك معصيته (ولا تظلمون) بالثناء والياء تنقصون من أعمالكم (فتبيل) قدر قشرة النواة فجاهدوا (تفسير الجلالين، سورة النساء، تحت رقم الآية ۷۷)

لوگوں کے عہد کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے ہوں، تنگ دستی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی لوگ متقی ہیں (سورہ بقرہ)

اور سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ. الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمُ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (سورہ الحج، رقم الآيات ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: اور خوشخبری سنا دیجئے ایسے عاجز بندوں کو کہ ان کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور وہ صبر کرنے والے ہیں اپنے آپ کو پہنچنے والے مصائب پر، اور قائم کرنے والے ہیں نماز کو، اور ہم نے جو کچھ ان کو رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں (سورہ حج)

فائدہ: خرچ کرنے میں زکاة اول درجہ میں داخل ہے، یعنی خرچ کرنے کے مفہوم کا اولین مصداق زکاة ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکاة وغیرہ ادا کرنے والوں کو عاجزی اختیار کرنے والے بندے قرار دیا، اور ان کو جنت وغیرہ کی بشارت سنائی، جس سے نماز اور زکاة کی خاص فضیلت کا پتہ چلا۔

اللہ کا نماز قائم، اور زکاة ادا کرنے والوں کی تعریف فرمانا

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ. رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (سورہ النور، رقم الآيات ۳۶، ۳۷)

ترجمہ: پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان مسجدوں میں صبح و شام ایسے لوگ کہ ان کو نہ تو غفلت میں ڈالتی ہے، تجارت اور خرید، اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکاة ادا کرنے سے، ڈرتے ہیں یہ لوگ ایسے دن سے کہ الٹ جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں (سورہ نور)

فائدہ: اس آیت سے نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے والوں کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اللہ ان کو پسند فرماتا ہے، اور ان کی تعریف فرماتا ہے۔

نماز قائم، اور زکاة ادا کرنے والوں کی صفت و خوبی

سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ. هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ. الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (سورة النمل، رقم الآيات ۳۰۲)

ترجمہ: یہ آیات ہیں قرآن اور واضح کتاب کی، جو ہدایت ہے، اور خوشخبری ہے، ان مومنوں کے لئے، جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکاة کو، اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں (سورہ نمل)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے والے مومن بندوں کے لئے خوشخبری سنانے والا ہونا بیان فرمایا ہے، جس سے نماز اور زکاة کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ. هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ. الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ. أُولَٰئِكَ

عَلَىٰ هٰذِهِ مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورة لقمان، رقم الآيات ۵، ۴، ۳)

ترجمہ: یہ آیات ہیں ایسی کتاب کی جو حکمت والی ہے، جو ہدایت ہے، اور رحمت ہے، نیک کام کرنے والوں کے لئے جو قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ادا کرتے ہیں زکاة کو، اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے، اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں (سورة لقمان)

فائدہ: ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے اور زکاة کو ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نظر میں نیک اور اچھے اعمال کرنے والے ہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت پر صحیح یقین رکھنے والے اور کامیابی پانے والے ہیں۔

نماز قائم اور زکاة ادا کرنے والے مومن برحق ہیں

سورة انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ. الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ. أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورة الانفال، رقم الآيات ۲ الى ۴)

ترجمہ: بس مومنین تو وہ لوگ ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب تلاوت کی جاتی ہے، ان پر اس کی آیات کی، تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں، جو کہ قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ان کو ہم نے جو رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں مومن برحق، جن کے لئے درجات ہیں، ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے

اور مکرم رزق ہے (سورہ انفال)

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے میں زکاة بھی داخل ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور برحق مومن ہیں۔

نماز قائم اور زکاة ادا کرنے والوں سے ترکِ قتال کا حکم

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (سورة التوبة، رقم

الآية ۵)

ترجمہ: پھر اگر توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز کو، اور ادا کریں زکاة کو، تو تم خالی کر دو

ان کا راستہ (سورہ توبہ)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جب کفار و مشرکین تابع ہو کر نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے کا عمل شروع کر دیں، تو پھر ان سے قتال نہ کرو، کیونکہ یہ برحق مومن ہونے کی علامت ہے، اور اسی وجہ سے احادیث میں نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے تک قتال کا حکم مذکور ہے، نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی زکاة کی ادائیگی کے منع کرنے پر قتال فرمایا تھا، جیسا کہ آگے احادیث کے بیان میں آتا ہے۔

نماز قائم، اور زکاة ادا کرنے والے دینی بھائی ہیں

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (سورة

التوبة، رقم الآية ۱۱)

ترجمہ: پھر اگر وہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز کو، اور ادا کریں

زکاة کو، تو وہ تمہارے بھائی ہوں گے دین میں (سورہ توبہ)
 فائدہ: اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے والوں کو مؤمنوں کے دینی بھائی قرار
 دیا گیا ہے، جس سے نماز اور زکاة کی فضیلت و اہمیت کا پتہ چلا۔

نماز قائم اور زکاة ادا کرنے والے مؤمنوں کے دوست ہیں

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ
 الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (سورة المائدة، رقم الآية ۵۵)

ترجمہ: بس تمہارا دوست اللہ ہے، اور اس کا رسول ہے، اور وہ ایمان والے ہیں
 جو قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ادا کرتے ہیں زکاة کو، اور وہ رکوع کرنے والے ہیں

(سورہ مائدہ)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے والوں کو مومنوں کا
 دوست قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد دوستی کے لائق نماز
 قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے والے مومن ہی ہیں۔

نماز قائم اور زکاة ادا کرنا مساجد اللہ کو آباد کرنے والوں کا عمل

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
 وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ، فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ
 الْمُهْتَدِينَ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۸)

ترجمہ: بس آباد کرتے ہیں اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور
 آخرت کے دن پر، اور انہوں نے قائم کیا نماز کو، اور ادا کیا زکاة کو، اور وہ نہیں

ڈرے مگر اللہ سے، پس قریب ہے کہ یہی لوگ ہوں گے ہدایت پانے والوں میں سے (سورہ توبہ)

فائدہ: اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز کو قائم کرنا اور زکاۃ کو ادا کرنا، مساجد اللہ کو آباد کرنے والوں کا عمل ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اعمال ہدایت کا باعث ہیں۔

نماز قائم اور زکاۃ ادا کرنا، اللہ کی رحمت و رحم کا باعث ہے

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَسَاكُنْهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ

(سورہ الاعراف، رقم الآیہ ۱۵۶)

ترجمہ: پس عنقریب میں لکھ دوں گا اس رحمت کو ان لوگوں کے لئے، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور جو لوگ کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں (سورہ اعراف)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ ادا کرنے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔ اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ

الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ. أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ (سورہ التوبہ،

رقم الآیہ ۷۱)

ترجمہ: وہ لوگ حکم کرتے ہیں نیک باتوں کا، اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے، اور قائم کرتے ہیں نماز کو، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی، یہی لوگ ہیں کہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا اللہ (سورہ توبہ)

اس آیت میں اللہ نے رحمت کے مستحق لوگوں کے اعمال کا ذکر فرماتے ہوئے نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی، ان اعمال میں سے ہے کہ جو اللہ کی رحمت کا مستحق بناتے ہیں۔ اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرِّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
(سورۃ النور، رقم الآیۃ ۵۶)

ترجمہ: اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکاة کو، اور اطاعت کرو رسول کی، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ نور)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی ان اعمال میں سے ہے کہ جن کو قائم کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے۔

نماز قائم اور زکاة ادا کرنا گناہوں کی معافی کا باعث ہے

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ. لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْهُهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (سورة المائدة، رقم الآیۃ ۱۲)

ترجمہ: اور فرمایا اللہ نے کہ بے شک میں ساتھ ہوں تمہارے، اگر تم قائم کرو گے نماز کو اور ادا کرو گے زکاة کو، اور ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر، اور ان کا ساتھ دو گے، اور قرض دو گے اللہ کو اچھا قرض، تو میں ضرور معاف کر دوں گا تمہارے گناہ، اور ضرور داخل کروں گا تمہیں ایسی جنتوں میں کہ جاری ہوں گی، ان کے

نیچے سے نہریں (سورہ مائدہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے اور زکاة ادا کرنے کے عمل سے اللہ کی معیت اور نصرت حاصل ہوتی ہے، اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، اور جنت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ احادیث میں بھی اس طرح کا مضمون آیا ہے، جیسا کہ آگے احادیث کے بیان میں آتا ہے۔

زکاة کی ادائیگی آخرت میں خوف اور غم سے نجات کا باعث ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۷۷)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اعمال کئے نیک اور قائم کیا انہوں نے نماز کو، اور ادا کیا انہوں نے زکاة کو، ان کے لئے ان کا اجر ہے، ان کے رب کے پاس، اور نہیں خوف ہوگا، اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (سورہ بقرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی ان اعمال میں سے ہے کہ جو آخرت میں خوف اور غم سے نجات کا باعث ہیں۔

نماز قائم اور زکاة ادا کرنے والوں کے لئے اجر عظیم کا وعدہ

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا (سورة النساء، رقم الآية ۱۶۲)

ترجمہ: اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کو، اور ادا کرنے والے ہیں زکاة کو، اور ایمان لانے والے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر، یہی لوگ ہیں کہ عنقریب

دیں گے ہم اُن کو اجرِ عظیم (سورہ نساء)

اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ (سورۃ الحديد، رقم الآیۃ ۷)

ترجمہ: پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے، اور انہوں نے خرچ کیا، تو ان کے

لئے بہت بڑا اجر ہے (سورہ حدید)

فائدہ: خرچ کرنے سے مراد، اللہ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنا ہے، جس میں زکاة اول

وبلہ میں داخل ہے۔ اس آیت سے زکاة و صدقہ پر ملنے والے اجرِ عظیم کا پتہ چلا۔

زکاة پر ملنے والا اجر و ثواب بڑھ چڑھ کر ہے

سورہ روم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ

(سورۃ الروم، رقم الآیۃ ۳۹)

ترجمہ: اور جو دیتے ہو تم زکاة چاہتے ہوئے، اللہ کی رضا کو، تو یہی لوگ ہیں

بڑھانے والے (سورہ روم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زکاة و صدقہ دینے میں بظاہر تو مال کا کم ہونا نظر آتا ہے، لیکن واقعہ یہ

ہے کہ یہ لوگ اس کے عوض میں کئی گنا بڑھ چڑھ کر انتہائی عظیم الشان اجر و ثواب ملنے کی وجہ

سے اپنے مال کو بڑھانے والے شمار ہوتے ہیں۔

اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکاة و صدقات سے دنیا میں بھی مال میں کمی نہیں

آتی، بلکہ برکت ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ۱

۱ (وما آتیتم من زکاة) أعطیتم من صدقة (تریدون وجه اللہ فالولئک هم المضعفون) یضاعف
لہم الثواب فیعطون بالحسنة عشر أمثالها، فالمضعف ذو الأضعاف من الحسنات، تقول العرب:
القوم مهزولون ومسمونون: إذا هزلت أو سمنت إبلهم (تفسیر البغوی، سورۃ الروم، تحت رقم
الآیۃ ۳۹)

زکاة وصدقہ کو اللہ بڑھاتا اور قبول فرماتا ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۷۶)

ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ سود کو، اور بڑھاتا ہے صدقات کو (سورہ بقرہ)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ربا و سود کو گھٹاتا اور کم کرتا ہے، اور اس کی برکت کو ختم کر دیتا اور اڑا دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں زکاة و صدقہ کو بڑھاتا ہے، اور یہ بڑھوتری اجر و ثواب کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، اور برکت کے اعتبار سے بھی۔ ۱۔
اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ

اللَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۰۳)

ترجمہ: کیا نہیں جانتے یہ لوگ کہ بلاشبہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ، اور صدقات کو لیتا ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (سورہ توبہ)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ زکاة و صدقات کو خصوصی اہمیت کے ساتھ قبول فرماتا ہے، اور اس سے پہلی آیت سے معلوم ہو چکا کہ اس کی برکت اور اس کے اجر و ثواب کو اللہ اپنے خصوصی قرب کے ذریعہ بڑھاتا بھی ہے۔
احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔
چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

۱۔ (يمحق الله الربا) ينقصه ويذهب بركنه (ويربى الصدقات) يزيدها وينميها ويضاعف ثوابها (والله لا يحب كل كفار) بتحليل الربا (أثيم) فاجر باكله أى يعاقبه (تفسير الجلالين، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۲۷۶)

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ - وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ - إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمَنُ بِيَمِينِهِ وَإِنْ كَانَتْ تَمْرَةً فَتَرَبُّوْهُ فِي كَفِّ الرَّحْمَنِ حَتَّى تَكُونَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلَوْهٗ أَوْ فَصِيلَهٗ (مسلم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی حلال و پاکیزہ مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تو حلال اور پاکیزہ ہی صدقہ کو قبول فرماتا ہے، تو رحمن (گویا کہ) اس کو اپنے دائیں (ہاتھ) سے قبول فرماتا ہے، اگرچہ وہ ایک چھواریہ ہی کیوں نہ ہو، پھر وہ صدقہ (اللہ) رحمن کے ہاتھ میں تربیت پاتا (اور بڑھتا ہے) یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہو جاتا ہے، جس طرح سے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے (گھوڑے یا اونٹ یا گائے کے) ماں سے الگ کئے ہوئے بچے کی تربیت و پرورش کرتا ہے (مسلم، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَصَدَّقَ بِعَذْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللَّهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلَوْهٗ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ (بخاری) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک چھواریہ کے برابر

۱۔ رقم الحديث ۶۳۱۰۱، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، واللفظ له، نسائي، رقم الحديث ۲۵۲۵، ترمذی، رقم الحديث ۶۶۱، مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۹۳۵.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

۲۔ رقم الحديث ۱۴۱۰، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، مسند احمد، رقم الحديث ۸۳۸۱.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

پاکیزہ اور حلال کمائی سے صدقہ کیا، اور اللہ تو حلال و پاکیزہ ہی صدقہ قبول فرماتا ہے، تو اللہ اس صدقہ کو (گویا کہ) اپنے دائیں (ہاتھ) سے قبول فرماتا ہے، پھر اس کی صدقہ دینے والے کے لئے اس طرح تربیت کرتا (اور بڑھاتا ہے) جس طرح کہ تم میں سے کوئی پچھڑے (گھوڑے وغیرہ کے بچے) کی تربیت و پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے مثل (بڑا) ہو جاتا ہے (بخاری، مسند احمد) اور قیامت کے دن اس زکاة و صدقہ کا اجر و ثواب اسی عظیم صورت میں حاصل ہوگا۔ ۱ اور مسند احمد کی ایک روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

وَقَالَ وَكَيْفُ فِي حَدِيثِهِ وَتَصَدِّقُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ (وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ) وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ) وَ (يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ) (مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۰۸۸) ۲

ترجمہ: (اور اس حدیث کے راوی) وکیع نے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں بھی ان آیات میں موجود ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ. وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ.

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ.

کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے، اور صدقات کو لیتا ہے۔

مثلاً ہے اللہ سود کو، اور بڑھاتا ہے صدقات کو (مسند احمد)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ زکاة و صدقہ اور اس کے اجر و ثواب کو بڑھاتا ہے۔

۱ (کما یربی أحدکم فلوہ أو فسیلہ) قال أهل اللغة الفلّو المهر سمي بذلك لأنه فلی عن أمه أي فصل وعزل والفصيل ولد الناقة إذا فصل من إرضاع أمه فعیل بمعنى مفعول كجریح وقلیل بمعنى مجروح ومقتول وفي الفلّو لغتان فصیحتان أفصحهما وأشهرهما فتح الفاء وضم اللام وتشدید الواو والثانیة كسر الفاء وإسكان اللام وتخفیف الواو قوله صلى الله علیه وسلم (فلوہ أو قلوصله) هی بفتح القاف وضم اللام وهی الناقة الفتیة ولا یطلق علی الذکر (شرح النووی علی مسلم، تحت رقم الحديث ۶۳ "۱۰۱۴")

۲ قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن في المتابعات (حاشية مسند احمد)

زکاة و صدقہ پر ملنے والا اجر و ثواب سات سو گنا تک ہوتا ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

عَلِيمٌ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۶۱)

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے اموال اللہ کے راستے میں، ایسی مثال ہے، جیسے ایک دانہ اگائے سات بالیں، ہر بالی میں سودا نے ہوں، اور اللہ اضافہ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور اللہ وسعت والا، بڑے علم والا ہے (سورہ بقرہ)

فائدہ: اس آیت سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور زکاة و صدقہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر عطا فرماتے ہیں، جو کہ سات سو گنا تک ہوتا ہے، جس طرح ایک دانے سے سات بالیں، اور ہر بالی میں سودا نے ہوں، جن کا مجموعہ سات سو بنتا ہے، بس اسی طرح اللہ تعالیٰ زکاة و صدقہ پر سات سو گنا تک بڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے۔ ۱

۱۔ (مثل) صفة نفقات (الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله) أى طاعته (كمثل حبة أتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة) فكذا لك نفقاتهم تضاعف لسبع مائة ضعف (والله يضاعف) أكثر من ذلك (لمن يشاء والله واسع) فضله (علیم) بمن يستحق المضاعفة (تفسير الجلالين، سورة البقرة، رقم الآیۃ ۲۶۱)

مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله قيل أراد به الإنفاق في الجهاد وقيل هو الإنفاق في جميع أبواب الخير ووجوه البر فيدخل فيه الواجب والتطوع، وفيه إضمار تقديره مثل صدقات الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله كمثل حبة أى كمثال زارع حبة أتت سبع سنابل جمع سنبلة فى كل سنبلة مائة حبة (تفسير الخازن، ج ۱ ص ۹۸، سورة البقرة، رقم الآیۃ ۲۶۱)

زکاة و صدقہ پر ملنے والا اجر غیر فانی ہے

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ (سورة الفاطر، رقم الآية ۲۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ تلاوت کرتے ہیں کتاب اللہ کی، اور قائم کرتے ہیں نماز کو، اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا، چھپ کر اور علانیہ طریقہ پر، وہ امیدوار ہیں ایسی تجارت کے، جو ہرگز فنا نہ ہوگی (سورہ فاطر)
فائدہ: خرچ کرنے میں زکاة و صدقات سب داخل ہیں۔

اس سے نماز قائم کرنے اور زکاة ادا کرنے پر ملنے والے اجر و ثواب کا عظیم الشان ہونا معلوم ہوا، کہ وہ کبھی فنا نہ ہوگا۔

زکاة ادا کرنے والے کامیاب لوگوں میں شامل ہیں

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۴)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کہ زکاة کو ادا کرتے ہیں (سورہ مومنون)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ زکاة کی ادائیگی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیاب مؤمنوں کی فہرست میں شامل ہیں۔

احادیث میں بھی زکاة ادا کرنے والے لوگوں کو کامیاب لوگوں میں شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ

آگے آتا ہے۔ ۱

زکاة و صدقہ، جنت کو آسان بنانے والا عمل ہے

سورہ لیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْیَسْرِیٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْعُسْرِیٰ وَمَا یُعْنِیٰ عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ (سورة اللیل، رقم الآیات ۵ الی ۱۱)

ترجمہ: پس جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور تصدیق کی اچھی بات کی، تو ہم اس کے لئے سہولت کو آسان کر دیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے نیازی اختیار کی، اور انکار کیا اچھی بات کا، تو ہم اس کے لئے تنگی کو آسان کر دیں گے، اور نہیں فائدہ پہنچائے گا اس کو اس کا مال جب وہ گرے گا (سورہ لیل)

فائدہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جو لوگ اپنی سعی اور محنت کو ان تین کاموں میں لگاتے ہیں، یعنی ایک اللہ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرنے میں، جس میں زکاة بھی داخل ہے، اور دوسرے تقویٰ اختیار کرنے میں، اور تیسرے اللہ کے حکم کو ماننے میں، جس سے مراد ایمان ہے۔

۱۔ حدیثی مالک بن انس، عن عمہ ابی سہیل بن مالک، عن ابیہ، أنه سمع طلحة بن عبيد الله، يقول: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس، يسمع دوى صوته ولا يفقه ما يقول، حتى دنا، فإذا هو يسأل عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس صلوات في اليوم والليلة. فقال: هل على غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وصيام رمضان. قال: هل على غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع. قال: وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم: زكاة، فقال: هل على غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع. قال: فأدبر الرجل وهو يقول: والله لا أزيد على هذا ولا أنقص، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفلح إن صدق (بخاری، رقم الحديث ۴۶، باب: الزكاة من الإسلام)

تو اُن کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کے اعمال اور اس کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے، اور جو لوگ اپنی سعی اور محنت، اس کے برعکس دوسرے تین کاموں میں لگاتے ہیں، تو ان کے لئے جہنم کے اعمال اور اس کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ ۱۔

زکاة کی ادائیگی کا نظم و انتظام اسلامی نظام کا حصہ ہے

سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

۱۔ (وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ) بحق الله (واستغنى) عن ثوابه (تفسير الجلالين، سورة الليل)
فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ مَالَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ آدَىٰ كُلَّ مَا وَجِبَ عَلَيْهِ وَاتَّقَىٰ عَذَابَ رَبِّهِ فَاجْتَنَّبَ مِجَارِيهٖ وَفِي الْحَدِيثِ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ رَوَاهُ الشَّيْخَانُ عَنْ عَدَىٰ بْنِ حَاتِمٍ وَاحْمَدُ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ الزَّيَّارِ وَطَبْرَانِي عَنْ أَنَسٍ فِي الْأَوْسَطِ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي إِسْمَاعِيلَ الْكَبِيرِ وَالْبَرَاءِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

وَصَدَقَ بِالْحَسَنِ قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ وَالضَّحَّاكُ وَصَدَقَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهِيَ رَوَايَةُ عَطِيَّةٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ مُجَاهِدٌ بِالْجَنَّةِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحَسَنَىٰ يَعْنِي الْجَنَّةَ وَقِيلَ أَيْقُنْ أَنَّ اللَّهَ سَيُخْلِفُهُ وَهُوَ رَوَايَةُ عِكْرَمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ قَتَادَةُ وَمُقَاتِلٌ وَالْكَلْبِيُّ بِمَوْعِدِ اللَّهِ تَعَالَىٰ أَن يَفِي بِهِ.

فَسَنِيَسِرْهُ أَيْ نَسْهَلْهُ وَنَهَيْتُهُ لِلْيَسْرِ أَيْ لِلْخُلُقِ الْيَسْرِ الَّتِي يُودَىٰ إِلَىٰ يَسْرِ وَرَاحَةٍ وَهِيَ الْعَمَلُ وَمَا يَرْضَىٰ اللَّهُ وَدُخُولُ الْجَنَّةِ مِنْ يَسْرِ الْفَرَسِ لَا هَيْبَتَهُ الْمُرْكُوبُ بِالْيَسْرِ بِالسَّرَجِ وَاللِّجَامِ.
وَأَمَّا مَنْ يَخِلُ بِالنَّفَقَةِ بِالْخَيْرِ وَبِمَا أَمَرَ بِهِ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَفِي الْحَدِيثِ الْبَخِيلُ مَنْ ذَكَرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلَىٰ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ حَبَانَ وَالحَاكِمُ عَنْ أَنَسٍ وَاسْتَفْنَىٰ بِشَهَوَاتِ الدُّنْيَا عَنْ الثَّوَابِ فِي الْآخِرَةِ وَعَنْ الْقَادِرِ بِهِ.

وَكُذِبَ بِالْحَسَنِ بِالْكَلِمَةِ الْحَسَنِ.

فَسَنِيَسِرْهُ لِلْعُسْرِ أَيْ لِمُخْصَلَةِ الَّتِي يُودَىٰ إِلَىٰ الْعُسْرِ وَالشَّدَةِ وَهِيَ الْعَمَلُ بِمَا يَكْرَهُهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَدُخُولُ النَّارِ قَالَ مُقَاتِلٌ يَعْسُرُ عَلَيْهِ أَنْ يَأْتِيَ خَيْرًا (التفسير المظهر، ج ۱۰ ص ۲۷۴، ۲۷۵، سورة الليل)

وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِعْطَاءِ بَذْلَ الْمَالِ وَمِنْ هُنَا قَالَ ابْنُ زَيْدٍ الْمُرَادُ إِتْفَاقُ مَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَقَالَ قَتَادَةُ الْمَعْنَىٰ أَعْطَىٰ حَقَّ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَظَاهِرُهُ الْحَقُوقُ الْمَالِيَّةُ (وَاتَّقَىٰ) أَيْ وَاتَّقَىٰ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَفِي مَعْنَاهُ قَوْلُ قَتَادَةَ وَاتَّقَىٰ مَا نَهَىٰ عَنْهُ وَفِي رَوَايَةٍ مُحَارَمَةُ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَاتَّقَىٰ الْبَخْلَ وَهُوَ كَمَا تَرَىٰ..... (فَسَنِيَسِرْهُ لِلْيَسْرِ) فَسَنِيَسِرْهُ لِلْمُخْصَلَةِ الَّتِي تُؤَدَّىٰ إِلَىٰ يَسْرِ وَرَاحَةٍ كَدُخُولِ الْجَنَّةِ وَمُبَادِيهِ مِنْ يَسْرِ الْفَرَسِ لِلْمُرْكُوبِ إِذَا أُسْرِجَهَا وَأَلْجَمَهَا وَوَصَفَهَا بِالْيَسْرِ إِمَّا عَلَىٰ الْإِسْتِعَارَةِ الْمَصْرُوحَةِ أَوْ الْمَجَازِ الْمُرْسَلِ أَوْ التَّجَوُّزِ فِي الْإِسْنَادِ (تفسير الآلوسی، سورة الليل)

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورة الحج، رقم الآية ۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو طاقت دے دیں زمین میں، تو وہ قائم کریں
نماز کو، اور ادا کریں زکاة کو، اور امر بالمعروف کریں اور نہی عن المنکر کریں (سورہ
حج)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی یہ نشانی ہے کہ جب ان کو اللہ طاقت و حکومت عطا
فرماتا ہے تو وہ دوسرے نیک اعمال کے ساتھ ساتھ نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کا نظم بھی
قائم فرماتے ہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکاة کی ادائیگی کا نظم قائم کرنا اسلامی نظام
حکومت کا حصہ ہے، اور اسی وجہ سے زکاة کو حاصل کر کے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا بھی
اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں داخل ہے، جیسا کہ آگے زکاة کے احکام میں آتا ہے۔

زکاة وغیرہ ادا کئے بغیر مال آخرت میں مفید نہ ہوگا

سورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا
وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ (سورة ابراهيم، رقم الآية ۳۱)
ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیجئے میرے مومن بندوں کو کہ وہ
قائم کریں نماز کو، اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے، چھپ کر
اور علانیہ طور پر، اس سے پہلے کہ آجائے ایسا دن کہ نہ اس دن میں بیع ہوگی، اور نہ
دوستی ہوگی (سورہ ابراہیم)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے نہایت محبت بھرے انداز میں
پہلے بدنی عبادت میں اہم عمل نماز کو اور اس کے بعد مالی عبادت یعنی کار خیر میں خرچ کرنے

کا حکم فرمایا، جس میں زکاة بھی داخل ہے، اور ساتھ ہی قیامت کے دن سے ڈرایا کہ اس دن یہی اعمال کام آئیں گے، کسی سے خرید و فرخت اور دوستی کام نہ آئے گی۔

اور سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةَ وَلَا شَفَاعَةً. وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے رزق دیا ہے تم کو، اس سے پہلے کہ آئے وہ دن کہ جس دن میں نہ بیع ہوگی، اور نہ دوستی ہوگی، اور نہ شفاعت ہوگی، اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں (سورہ بقرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں رہتے ہوئے زکاة وغیرہ کے حکم کو پورا کرنا چاہئے، ورنہ آخرت میں بڑا عذاب ہوگا، اور اس وقت میں نہ تو اللہ کے فضل و حکم کے بغیر یہ مال کام آئے گا، کہ مال سے کوئی سودے بازی کر کے جان چھڑالی جائے، اور نہ ہی کوئی دوستی فائدہ پہنچا سکے گی، اور نہ ہی کسی کی سفارش کام آ سکے گی۔ ۱۔

مرتے وقت زکاة و صدقہ کی تمنا کرنا

سورہ منافقون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ

۱۔ (یا ایہا الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم) زکاتہ (من قبل ان یأتی یوم لا بیع) فداء (فیہ ولا خلۃ) صداقة تنفع (ولا شفاعة) بغیر اذنه وهو یوم القيامة وفى قراءة برفع الثلاثة (والکافرون) بالله او بما فرض علیہم (هم الظالمون) لوضعهم امر الله فی غیر محله (تفسیر الجلالین، تحت سورة البقرة آیت ۲۵۴)

(یا ایہا الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم) ما اوجبت علیکم انفاقه (تفسیر البیضاوی، سورة بقرہ آیت ۲۵۴)

لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقُ وَأَكُنُ مِنَ الصَّالِحِينَ (سورة المنافقون، رقم الآية ۱۰)

ترجمہ: اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے رزق دیا تم کو، اس سے پہلے کہ آئے تم میں سے کسی کو موت، پھر وہ کہے کہ اے میرے رب کیوں نہ مہلت دی مجھے تھوڑے سے وقت کے لئے، تاکہ میں صدقہ کر دیتا، اور ہو جاتا میں نیک کام کرنے والوں میں سے (سورہ منافقون)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاة و صدقہ نہ کرنے والے لوگ موت کے وقت زکاة و صدقہ ادا کرنے کی مہلت طلب کرتے ہیں، مگر جب زندگی کا وقت پورا ہو جائے، پھر مہلت نہیں ملا کرتی۔

اس لئے زندگی کی قدر کرتے ہوئے موت سے پہلے زکاة و صدقہ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ۱۔
احادیث میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

زکاة ادا نہ کرنے والوں کے لئے ویل کا عذاب

سورہ حم سجده میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ. الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (سورة حم السجدة، رقم الآيات ۶، ۷)

ترجمہ: اور ویل ہے، ان مشرکوں کے لئے جو زکاة ادا نہیں کرتے، اور یہی لوگ ہیں جو کہ آخرت کے منکر ہیں (تم سجدہ)

۱۔ (وأنفقوا) فی الزکاة (من ما رزقناکم من قبل أن یأتی أحدکم الموت فیقول رب لولا بیعنی هلا، أو لا زائله ولو للتمنی) (آخرتنی إلى أجل قریب فأصدق) بإدغام التاء فی الأصل فی الصاد أتصدق بالزکاة (وَأَكُنُ مِنَ الصَّالِحِينَ) بأن أحج، قال ابن عباس رضی اللہ عنہما: ما قصر أحد فی الزکاة والحج إلا سأل الرجعة عند الموت (تفسیر الجلالین، سورة المنافقون، رقم الآية ۱۰)

فائدہ: اس آیت میں زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کو مشرک اور آخرت کا منکر قرار دیا گیا ہے، اور اس سے مراد زکاۃ کی فرضیت اور اس پر آخرت میں ملنے والے اجر و ثواب کا انکار ہے، جس پر ”ویل“ کے عذاب کی وعید سنائی گئی، اور ”ویل“ دراصل جہنم کے سخت ترین عذاب کی قسم ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ ۱

زکاۃ نہ دینے پر مال کو تپا کر جسم داغی جانے کا عذاب

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (سورة التوبة، رقم الآية ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونے چاندی کو، اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کے راستے میں، تو ان کو خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے داغی جائیں گی ان لوگوں کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کی پٹھیں، یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنی ذات کے لئے جمع کیا تھا، پس تم چکھو ذائقہ اس کا جو تم جمع کر کے رکھتے تھے (سورہ توبہ)

فائدہ: اس میں سونے، چاندی کے کنز بنانے پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، یہ وعید اس مال کے لئے ہے جس کی زکاۃ نہ دی گئی ہو، کئی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آج کل کی کرنسی تو کاغذوں کی ہوتی ہے، اس کو آگ میں کیسے گرم کیا جائے

۱۔ وقال السدي (ويل للمشركين الذين لا يؤتون الزكاة) أي: لا يدينون بالزكاة. وقال معاوية بن قرة: ليس هم من أهل الزكاة. وقال قتادة: يمتنعون زكاة أموالهم. وهذا هو الظاهر عند كثير من المفسرين، واختاره ابن جرير (تفسير ابن كثير، سورة حم السجدة، رقم الآيات ۶، ۷)

گا، اور تپایا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کرنسی کو ایسی چیز میں تبدیل کر دیا جائے گا، کہ اس کو آگ میں تپایا جاسکے۔ ۱

۱۔ وأما الكنز فهو في اللغة كيس الشيء بعضه على بعض قال الهذلي:

لا در درى إن أطعمت نازلکم..... قرف الحتى وعندى البر مكنوز.

ويعال كنزت التمر إذا كبسته في القوصرة وهو في الشرع لما لم يؤد زكاته وروى عن عمر وابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدى قالوا ما لم يؤد زكاته فهو كنز فمنهم من قال وإن كان ظاهرا وما أدى زكاته فليس بكنز وإن كان مدفونا ومعلوم أن أسماء الشرع لا تؤخذ إلا توقيفا فثبت أن الكنز اسم لما لم يؤد زكاته المفروضة وإذا كان كذلك كان تقدير قوله والذين يكنزون الذهب والفضة الذين لا يؤدون زكاة الذهب والفضة ولا ينفقونها يعنى الزكاة في سبيل الله فلم تقتض الآية إلا وجوب الزكاة فحسب.

وقد حدثنا محمد بن بكر قال حدثنا أبو داود قال حدثنا عثمان بن أبي شيبة حدثنا يحيى بن يعلى المحاربى حدثنا أبي حدثنا غيلان عن جعفر بن إياس عن مجاهد عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الآية والذين يكنزون الذهب والفضة كبر ذلك على المسلمين فقال عمر أنا أفرج عنكم فأنطلق فقال يا نبي الله إنه كبر على أصحابك هذه الآية فقال النبي صلى الله عليه وسلم إن الله لم يفرض الزكاة إلا ليطيّب ما بقى من أموالكم وإنما فرض الموارث لتكون لمن بعدكم قال فكبر عمر ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أخبركم بخير ما يكنز المرء المرأة الصالحة إذا نظر إليها سرته وإذا أمرها أطاعته وإذا غاب عنها حفظته.

فأخبر في هذا الحديث أن المراد إنفاق بعض المال لا جميعه وأن قوله والذين يكنزون المراد به منع الزكاة. وروى ابن لهيعة قال حدثنا دراج عن أبي الهيثم عن أبي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أدبت زكاة مالك فقد قضيت الحق الذى يجب عليك.

فأخبر في هذا الحديث أيضا أن الحق الواجب في المال هو الزكاة.

وروى سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من صاحب كنز لا يؤدى زكاة كنزه إلا جىء به يوم القيامة وبكنزه فيحصى به جنبه وجبينه حتى يحكم الله بين عباده. فأخبر في هذا الحديث أن الحق الواجب في الكنز هو الزكاة دون غيره وأنه لا يجب جميعه وقوله فيحصى بها جنبه وجهته يدل على أنه أراد معنى قوله والذين يكنزون الذهب والفضة - إلى قوله - فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لأنفسكم يعنى لم تؤدوا زكاته.

وحدثنا عبد الباقي حدثنا بشر بن موسى حدثنا عبد الله بن صالح حدثنا عبد العزيز بن أبي سلمة الماجشون عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الذى لا يؤدى زكاته يمثل له شجاع أقرع له زبيبتان يلزمه أو يطوقه فيقول أنا كنزك أنا كنزك.

فأخبر أن المال الذى لا تؤدى زكاته هو الكنز (أحكام القرآن للجصاص، تحت رقم الآية ۳۳، ۳۴ من سورة البراة)

زکاة ادا نہ کئے جانے والا مال گلے کا طوق بنا دیا جائے گا

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخَلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (سورة آل عمران، رقم الآية ۱۸۰)

ترجمہ: اور گمان نہ کریں ہرگز وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں، اس مال کے ساتھ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، کہ یہ بات ان کے لئے خیر والی ہے، بلکہ یہ بات ان کے لئے شر والی ہے، عنقریب طوق بنا دیا جائے گا اس مال کا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن، اور اللہ ہی کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے (سورہ آل عمران)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس مال کی زکاة ادا نہ کی جائے، اس مال کو قیامت کے دن گلے کا طوق بنا کر عذاب دیا جائے گا۔ ۱

کئی احادیث میں اس کی یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ جس مال کی زکاة ادا نہ کی جائے، وہ مال سانپ کی شکل میں مال والے کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا، اور وہ سانپ اس کے لئے عذاب کا باعث ہوگا، جس کی تفصیل آگے احادیث کے بیان میں آتی ہے۔

۱ (ولا يحسبن) بالياء والتاء (الذين يبخلون بما آتاهم الله من فضله) أى بزكاته (هو) أى بخلهم (خير لهم) مفعول ثانٍ والضمير للفصل والأول (بخلهم) مقدرا قبل الموصول على الفوقانية وقبل الضمير على التحتانية (بل هو شر لهم سيطوقون ما بخلوا به) أى بزكاته من المال (يوم القيامة) بأن يجعل حية فى عنقه تنهشه كما ورد فى الحديث (ولله ميراث السموات والأرض) يرثهما بعد فناء أهلها (والله بما تعملون) التاء والياء (خبير) فيجازيكم به (تفسير الجلالين، سورة آل عمران، تحت رقم الآية ۱۸۰)

یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں جا بجا زکاة دینے کے بجائے زکاة ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زکاة کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لیے کسی جگہ مال دے دینا کافی نہیں، بلکہ اس کو ایسے طریقہ پر انجام دینا ضروری ہے کہ جس سے زکاة کی ادائیگی صحیح ہو جائے، کیونکہ ادائیگی اسی کا نام ہے، اور اس کے لیے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ احکامات کا لحاظ ضروری ہے۔

بہر حال قرآن مجید میں متعدد مقامات پر زکاة کی اہمیت و فضیلت اور تاکید و ترغیب کا ذکر آیا ہے، اور اس پر بے شمار اجر و انعامات کا ذکر آیا ہے۔

لہذا سب مسلمانوں کو خوش دلی کے ساتھ زکاة کے فریضہ کو ادا کرنا چاہئے، اور اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کی کوتاہی و غفلت کو اختیار کرنے سے بچنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمْ۔

احادیث و روایات میں زکاة کی فضیلت و اہمیت

قرآن مجید کے علاوہ بے شمار احادیث و روایات میں بھی زکاة کی فضیلت و اہمیت اور تاکید و ترغیب بیان کی گئی ہے، اور ایسی احادیث و روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آگے اس طرح کی احادیث و روایات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

زکاة، اسلام کا ایک مستقل رکن ہے

اسلام کی عمارت پانچ ارکان یا ستونوں پر قائم کی گئی ہے، جن میں نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی کا حکم بھی داخل ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِنِي الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجَّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ (بخاری) ۱۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر ہے، ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور بے شک (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکاة دینا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کا روزہ رکھنا (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)۔

نسائی، مسند احمد

۱۔ رقم الحدیث ۸، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الإسلام علی خمس، مسلم، رقم الحدیث ۲۱، ۶۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الإسلام علی خمس، ترمذی، رقم الحدیث ۲۶۰۹، نسائی، رقم الحدیث ۵۰۰۱، مسند احمد، رقم الحدیث ۶۰۱۵۔

اس طرح کی حدیث حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ ۱۔

یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اصول اور اہم ارکان ہیں۔

اہل علم حضرات نے اسلام کو ایک عمارت یا خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو پانچ ستونوں پر قائم ہو۔ ۲۔

پس کلمہ شہادت تو عمارت و خیمہ کے درمیانی ستون کی طرح ہے، اور بقیہ چاروں ارکان ان چار ستونوں کی طرح ہیں جو چاروں کونوں پر ہوں۔

اگر خیمہ کا درمیانی ستون یا درمیانی لکڑی نہ ہو، تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ ستون یا لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی یا ستون نہ ہو، تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا، لیکن جس کونے کا ستون یا اس کی لکڑی نہیں ہوگی وہ حصہ ناقص اور گرا ہوا ہوگا۔

اور ان پانچ ستونوں کے علاوہ، اسلام کے باقی احکام و اعمال ان ہی پانچ ستونوں کی شاخیں ہیں، چنانچہ تمام عقائد، کلمہ شہادت کی شاخیں ہیں، اور تمام مالی عبادات مثلاً صدقات و خیرات زکاة کی شاخیں ہیں، اور تمام بدنی عبادات مثلاً سنت و نفل نماز اور سنت و نفل روزے وغیرہ نماز اور روزہ کی شاخیں ہیں، اور جو عبادتیں مالی اور بدنی دونوں طرح کی ہیں، مثلاً عمرہ وہ حج کی شاخیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۔

۱۔ عن جریر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " بنى الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۲۲۰)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

۲۔ (علی خمس) (ای: خمس دعائم، كما في رواية، أو خصال أي: قواعده، وفي رواية لمسلم بالبناء أي: خمسة أشياء، أو أركان، أو أصول، وإنما جاز هنا لحذف المعدود شبهت حالة الإسلام مع أركانه الخمس على وجه الدوام بحال خباء أقيم على خمسة أعمدة، وقطبها الذي تدور عليه الأركان هي الشهادة الناشئة عن صميم القلب الشاهد عليه لفظ الشهادة المشبهة بالعمود الوسط للخيمة، وبقية شعب الإيمان بمنزلة الأوتاد للخباء (مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۶۷، كتاب الإيمان) ۳۔ (بنی الإسلام) بالبناء للمفعول أي أسس واستعمال الموضوع للمحسوس في المعاني مجاز علاقته المشابهة شبه الإسلام ببناء محكم وأركانه الآنية بقواعد ثابتة محكمة حاملة لذلك البناء ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام کی آمد کے بعد سب ارکان ایک وقت میں فرض نہیں کئے گئے، بلکہ آگے پیچھے مختلف اوقات میں فرض کئے گئے ہیں، چنانچہ نماز اور زکاة کی فرضیت کا حکم پہلے آیا، اور رمضان کے روزے اس کے بعد فرض کئے گئے، اور حج ان سب کے بعد آخر میں فرض کیا گیا۔

اور اسی وجہ سے کچھ احادیث میں بعض ارکان کا ذکر ہے، اور بعض کا ذکر نہیں، کیونکہ وہ احادیث مختلف زمانوں کے اعتبار سے ہیں۔ ۱۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فتشیه الإسلام بالبناء استعارة ترشیحیة (علی) دعائم و أركان (خمس) وهی خصاله المذكورة قبل المراد القواعد ولذلك خلت عن التاء ولو أريد الأركان لالتحقت ونوزع بأن فی رواية مسلم خمسة وهی صریحة فی إرادة الأركان وتقدير خمس وصفا أقرب من تقديره مضافا لجواز حذف الموصوف إذا علم بخلاف المضاف إليه (شهادة) یجره مع ما بعده بدلا من خمس وهو أولى ویصح رفعه بتقدير مبتدأ ای هی أو أحدها أو خبر ای منها ونصبه بإضمار أعنی وخص الخمس بكونها أركانها ولم يذكر معها الجهاد مع كونه ذروة سنامه لأنها فروض عينیه وهو كفاية ولأن فرضيته تنقطع بنزول عیسی عليه السلام بخلاف الخمس (أن لا إله إلا الله) فی رواية إيمان بالله ورسوله (وأن محمدا رسول الله) أخذ منه أبو الطیب أنه یشرط فی صحة الإسلام تقدم الإقرار بالتوحيد عليه بالرسالة ولم يتابع مع اتجاهه قال ابن حجر رحمه الله: لم يذكر الإيمان بالملائكة وغيره مما هو فی خبر جبریل عليه السلام لأنه أراد بالشهادة تصديق الرسول صلى الله عليه وسلم بكل ما جاء به فیستلزم ذلك (واقام) أصله إقامة حذفت تاؤه للزادواج (الصلاة) ای المداومة علیها (وإيتاء) ای إعطائها (الزكاة) أهلها فحذف للعلم به ورتب هذه الثلاثة فی جميع الروایات لأنها وجبت كذلك وتقديما للأفضل فالأفضل (وحج البيت) ای الكعبة (وصوم رمضان) لم يذكر فیهما الاستطاعة لشهرتها ووجه الحصر أن العبادة إما بدنية محضة كصلاة أو مالية محضة كزكاة أو مركبة كالأخيرین وأفاد بنا الإسلام علیها أن البيت لا یثبت بدون دعائمه وليست هی إلا هذه الخمس وما بقی من شعب الإيمان المذكور فی حديثه المار تجری مجرى تحسين البناء وتكميله والشهادتان هما الأساس الكلّی الحامل لجميع ذلك البناء ولبقية تلك القواعد (فیض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۳۱۶۲)

۱۔ إن قيل هذه الخمس هی الإسلام فما المبنى علیه فالجواب أن المبنى هو الإسلام الكامل لا أصل الإسلام وقال فی فتح الباری فإن قيل الأربعة المذكورة مبنية على الشهادة إذ لا یصح شيء منها إلا بعد وجودها فكيف یضم مبنى إلى مبنى علیه فی مسمى واحد أجیب بجواز ابتناء أمر على أمر وابتناء الأمرین على أمر آخر فإن قيل المبنى لا بد أن یكون غیر المبنى علیه أجیب بأن المجموع غیر من حیث الانفراد عین من حیث الجمع ومثاله البيت من الشعر یجعل على خمسة

﴿ بقیہ حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی وغیرہ، اسلام ہے

بعض احادیث میں نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی وغیرہ کو ہی اسلام قرار دیا گیا ہے۔
چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤَدِيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ (بخاری) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں کے پاس تشریف فرما تھے، کہ اچانک آپ کے پاس حضرت جبریل تشریف لائے، اور انہوں نے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور (قیامت کے دن) اللہ سے ملاقات پر، اور اللہ کے رسولوں پر، اور دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھیں، پھر حضرت جبریل نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ آپ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور نماز کو قائم کریں، اور زکاة کے فریضے کو ادا کریں، اور رمضان کے روزے رکھیں (بخاری)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أعمدة أحدها أوسط والبقية أركان فما دام الأوسط قائما فمسمى البيت موجود ولو سقط أحد من الأركان فإذا سقط الأوسط سقط مسمى البيت فالبيت بالنظر إلى مجموعه شيء واحد وبالنظر إلى أفراده أشياء وأيضا بالنظر إلى أسسه أصلى والأركان تبع وتكملة (حاشية السيوطي على النسائي، ج ۸ ص ۱۰۸، ۱۰۹، كتاب الايمان وشرائعه، باب على كم بنى الاسلام)
۱۔ رقم الحديث ۵۰، كتاب الايمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الايمان والاسلام.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة، اسلام کے ارکان میں داخل ہے، اس لئے اسلام کے خیمہ یا عمارت کو قائم رکھنے کے لئے زکاة کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔

حضرت معاویہ بنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ: وَمَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ وَتَقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ (مسند احمد، رقم الحديث

۲۰۰۱۱) ۱

ترجمہ: انہوں نے معلوم کیا کہ اسلام کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور آپ نماز کو قائم کرو اور زکاة کو ادا کرو (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ نماز اور زکاة کا کلمہ شہادت کے ساتھ اہم تعلق ہے کہ یہ دونوں اسلام کے اہم ارکان ہیں۔

اس حدیث میں نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی کو اسلام کا نام دے کر نماز اور زکاة کی اہمیت بتادی گئی۔ ۲

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن، رجاله ثقات رجال الصحيح غير حكيم - وهو ابن معاوية بن جعدة القشيري - وهو صدوق حسن الحديث (حاشية مسند احمد)

۲۔ ثم (قال) أي جبريل يا رسول الله (ما الإسلام؟ قال) عليه الصلاة والسلام: (الإسلام أن تعبد الله) أي تطيعه مع خضوع تذلل أو تنطق بالشهادتين (ولا تشرك به) بالفتح، وفي نسخة كريمة: ولا تشرك بالضم، زاد الأصيلي شيئاً (و) أن (تقيم) أي تديم (الصلاة) المكتوبة كما صرح به في مسلم، أو تأتي بها على ما ينبغي، وهو وتاليه من عطف الخاص على العام. (و) أن (تؤدى الزكاة المفروضة) قيد بها احترازاً من صدقة التطوع فإنها زكاة لغوية أو من المعجلة أو لأن العرب كانت تدفع المال للسخاء والوجود، فبه بالفرض على رفض ما كانوا عليه. قال الزركشي: والظاهر أنها للتأكيد، وفي رواية مسلم تقيم الصلاة المكتوبة وتؤتى الزكاة المفروضة (ارشاد الساري للقسطلاني، ج ۱ ص ۱۳۹، كتاب الايمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر)

نماز کے بعد زکاة کا درجہ ہے

بعض احادیث میں نماز کے بعد زکاة کا درجہ بتایا گیا ہے۔
چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ إِنَّكَ سَعَاتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَأَدْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خُمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُوْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ (بخاری) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے ان سے) فرمایا، کہ تم وہاں ایک اہل کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم ان کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) ان کو یہ دعوت دینا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو پھر تم ان کو یہ بات بتلانا، کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر وہ آپ کی اس بات کو بھی مان لیں، تو ان کو یہ بات بتلانا، کہ اللہ نے ان پر صدقہ (یعنی زکاة) فرض کی ہے، جو ان کے

۱۔ رقم الحدیث ۱۴۹۶، کتاب الزکاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء وترد في الفقراء حيث كانوا.

مالداروں سے وصول کر کے ان کے فقراء (یعنی مستحق افراد) کو دی جائے گی، پھر اگر وہ آپ کی اس بات کو بھی مان لیں، تو (غریبوں کے لئے ان سے زکاة وصول کرتے وقت) ان کے زیادہ اچھے مال کو لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ زکاة کے لئے درمیانی درجہ کے مال کو وصول کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی (اسی لئے وہ بہت جلدی قبول ہوتی ہے) (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بعد نماز اور اس کے بعد زکاة کے فریضے کا درجہ ہے۔ عبادتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ جو بدنی عبادات کہلاتی ہیں، یعنی ان کا تعلق بدن سے ہے، اور دوسری وہ جو مالی عبادات کہلاتی ہیں، یعنی ان کا تعلق مال سے ہے۔ ایمان کے بعد بدنی عبادات میں سب سے بڑا درجہ نماز کا ہے، اور مالی عبادات میں سب سے بڑا درجہ زکاة کا ہے، اس لئے نماز کے بعد زکاة کا درجہ دیگر عبادات سے پہلے ہے۔ ۱۔

زکاة ادا نہ کرنے کا نماز پر اثر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَمْرُنَا بِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، فَمَنْ لَمْ يُزَكِّ فَالَا صَلَاةَ لَهُ

(المعجم الكبير للطبرانی) ۲

۱۔ (فاعلمهم) لیكون الحكم تدرجيا على وفق ما نزل به التكليف الإلهي من أن العبادة البدنية أيسر من الإطاعة المالية أى فأخبرهم (أن الله قد فرض عليهم) أى بعد حولان الحول، وشروطه المعتبرة فى الوجوب (صدقة) أى زكاة لأموالهم (مرواة المفاتيح، ج ۳ ص ۲۶۱، كتاب الزكاة، الفصل الاول)

۲۔ رقم الحديث ۱۰۰۹۵، ج ۱ ص ۱۰۳، تاريخ اصبهان، تحت ترجمة محمد بن عمرو أبو مسلم الخياط.

قال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير موقوفا هكذا بأسانيد أحدهما صحيح والأصبهاني وفى

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ہمیں نماز کے قائم کرنے اور زکاة کے ادا کرنے (دونوں ہی) کا حکم دیا گیا ہے، پس جس نے زکاة ادا نہیں کی تو اس کی نماز بھی (قبول) نہیں (طبرانی، تاریخ صہبان) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اُن کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ، وَلَمْ يُؤْتَ الزَّكَاةَ فَلَا صَلَاةَ لَهُ (المعجم الكبير للطبرانی) ۱

ترجمہ: جس نے نماز قائم کی، اور زکاة ادا نہیں کی تو اس کی نماز (قبول) نہیں (طبرانی، ابوبکر بن خلّال)

بعض روایات میں یہ مضمون کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ آیا ہے۔ ۲

مطلب یہ ہے کہ اسلام میں نماز کے قیام کا حکم بھی دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی زکاة کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور یہ دونوں اسلام کے ارکان میں داخل ہیں، لہذا ایک رکن و فریضہ کو چھوڑنے کا اثر دوسرے رکن و فریضہ پر بھی پڑے گا، جیسا کہ کسی عمارت کے ایک ستون کے کمزور ہونے سے دوسرے ستون بھی متاثر ہوتے ہیں۔

اور یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی زکاة ادا نہ کرے تو وہ نماز بھی نہ پڑھے، یا اس کی نماز کا فریضہ بالکل ادا نہ ہوتا ہو، ایسا سمجھنا غلط ہے۔ ۳

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ روایۃ لأصبہانی قال من أقام الصلاة ولم يؤت الزكاة فليس بمسلم ينفعه عمله (التروغیب والتروہیب، تحت رقم الحدیث ۱۱۳۵، التروہیب من منع الزکاة وما جاء فی زکاة الحلّی) وقال الہیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر وله اسناد صحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۴۳۲۹، کتاب الزکاة، باب فرض الزکاة)

۱۔ رقم الحدیث ۸۹۷۷، ج ۹ ص ۱۹۹، السنۃ لابن بکر بن الخلال، رقم الحدیث ۱۵۰۲۔

۲۔ عن عبد اللہ، قال: من أقام الصلاة، ولم يؤت الزكاة، فليس بمسلم ينفعه عمله (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للطبري الرازي اللالكائي، رقم الحدیث ۱۵۷۴، التروغیب والتروہیب لقوام السنۃ، رقم الحدیث ۱۴۷۷)

۳۔ وقال ابن مسعود: من لم يزك، فلا صلاة له، ونفى القبول هنا لا يراد به نفى الصحة، ولا وجوب الإعادة بتركه، وإنما يراد بذلك انتفاء الرضا به، ومدح عامله، والثناء بذلك عليه في ﴿بقية حاشيا﴾ ۱

نبی ﷺ کا نماز کے قیام اور زکاة کی ادائیگی پر بیعت کرنا

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ

الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری) ۱

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے قائم کرنے اور زکاة کے

ادا کرنے اور ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی رکھنے پر بیعت کی (بخاری، مسلم، ترمذی،

نسائی، مسند احمد)

بیعت میں دراصل بیعت کرنے والے کے ساتھ بیعت ہونے والے کی طرف سے مختلف باتوں پر معاہدہ ہوتا ہے۔

اسلام لانے کے بعد نماز اور زکاة اسلام کے اہم ارکان میں سے ہیں، اور سب مسلمانوں کا خیر خواہ رہنا اور ان کی خیر و بھلائی چاہنا یہ اسلام کی خصوصی شان ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت ان تین اعمال کو معاہدہ کا حصہ بنایا، جس سے ان تینوں اعمال کی اہمیت معلوم ہوئی۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الْمَلَأُ الْأَعْلَى، وَالْمِبَاهَاةُ بِهِ لِلْمَلَائِكَةِ. فَمَنْ قَامَ بِهِذِهِ الْأَرْكَانَ عَلَى وَجْهِهَا، حَصَلَ لَهُ الْقَبُولُ بِهِذَا الْمَعْنَى، وَمَنْ قَامَ بِبَعْضِهَا دُونَ بَعْضٍ، لَمْ يَحْصِلْ لَهُ ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ لَا يَعْاقِبُ عَلَى مَا أَتَى بِهِ مِنْهَا عَقُوبَةً تَارِكَةً، بَلْ تَبَرَّأَ بِهِ ذِمَّتُهُ، وَقَدْ يَنْبَغُ عَلَيْهِ أَيْضًا (جامع العلوم والحکم لابن رجب بن الحسن الحنبلی، ج ۱، ص ۱۵۰، الحديث الثالث بنی الإسلام علی خمس)

۱۔ رقم الحديث ۵۷، کتاب الايمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة، مسلم، رقم الحديث ۵۶۷۹، سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۹۲۵، نسائی، رقم الحديث ۴۱۷۵، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۱۵۳.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

۲۔ (بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على إقام الصلاة) أى إقامتها وإدامتها وحذف تاء الإقامة عند الإضافة للإطالة (وإيتاء الزكاة) أى إعطائها وتمليكها لمستحقيها قال النووي وإنما اقتصر على الصلاة والزكاة لكونهما من العبادات المالية والبدنية وهما أهم أركان الإسلام بعد

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة و دیگر چند اعمال ادا نہ کرنے تک قتال کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ (بخاری) ۱

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں، جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم نہ کر لیں، اور زکاة ادا نہ کریں۔

پس جب وہ یہ کام کر لیں گے تو وہ میری طرف سے اپنے خونوں کو اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے، مگر جو اسلام کا حق ہو (مثلاً کسی نے قتل کیا ہو، وہ معاف نہ ہوگا) اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشهادتين وإظهارها لا يقال لعل غيرهما من الصوم والحج لم يكونا واجبين حينئذ لأنه أسلم عام توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم كما سبق في ترجمته ولأن الصوم من جملة العبادات البدنية ومن أقام على محافظة الصلوات ومداومتها فبالأولى أن يقيم بالصوم بخلاف عكسه كما هو مشاهد في أهل الزمان والحج مركب من العبادات المالية والبدنية فمن قام بهما قام به لا سيما ومحله في العمر مرة بخلاف الصلاة فإن لها أوقاتا في كل يوم وليلة والزكاة واجبة في كل سنة (والنصح) بضم فسكون أى وبالنصيحة (لكل مسلم) أى من خاصة المسلمين وعامتهم قال النووي روى أن جريرا رضى الله عنه اشترى له فرس بثلاثمائة درهم فقال جرير لصاحب الفرس فرسك خير من ثلاثمائة درهم أتبعه بأربعمائة قال ذلك إليك يا عبد الله فقال فرسك خير من ذلك أتبعه بخمسمائة ثم لم يزل يزيد مائة مائة حتى بلغ ثمانمائة فاشتراه بها فقيل له فى ذلك فقال بايعت رسول الله على النصيحة لكل مسلم (متفق عليه) (مرقاة المفاتيح، ج ۲ ص ۳۱۱، كتاب الاداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق)

۱۔ رقم الحديث ۲۵، كتاب الايمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم.

ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے (بخاری)

ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے ظاہر میں یہ نماز، زکاة وغیرہ والے اعمال کر لئے، اور دل میں کفر چھپائے رکھا، تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، اور ہم تو ان اعمال کے ظاہر میں انجام دینے پر ان کو مسلمان ہی تصور کریں گے۔ ۱۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة کے فریضہ کو مانے بغیر اسلام لانا معتبر نہیں ہوتا۔

اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بعض لوگوں نے زکاة ادا کرنے سے انکار کیا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ فرمایا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا تُوفِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ، فَقَالَ: وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهُ لَوْ

۱۔ اے ایذا فعلوا ذلك لا يجوز إهدار دمايتهم واستباحة أموالهم بسبب من الأسباب، إلا بحق الإسلام من استيفاء قصاص نفس أو طرف، إذا قتل أو قطع، ومن أخذ مال إذا غصب، إلى غير ذلك من الحقوق الإسلامية، قتل لنحو زنا محصن، وقطع لنحو سرقة، وتغريم مال لنحو إتلاف مال الغير المحترم، وقال ابن مالك: استثناء من الدماء والأموال بحذف موصوف، أى إلا دماء أو أموالا ملتبسة بحق، (وحسابهم) أى فيما يسترون من الكفر والمعاصى بعد ذلك (على الله)، والجملة مستأنفة، أو معطوفة على جزاء الشرط، والمعنى أنا نحكم بظاهر الحال والإيمان القولى، ونرفع عنهم ما على الكفار، ونؤاخذهم بحقوق الإسلام بحسب ما يقتضيه ظاهر حالهم، لا أنهم مخلصون، والله يتولى حسابهم، فيثيب المخلص، ويعاقب المنافق، ويجازى المصر بفسقه، أو يعفو عنه، وفيه دليل على أن من أظهر الإسلام وأبطن الكفر يقبل إسلامه فى الظاهر (مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۸۱، كتاب الايمان)

مَنْعُونِي عَقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنَعِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللَّهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ (بخاری) ۱

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا، اور عرب کے بعض لوگوں نے کفر اختیار کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں، پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا، تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کر لیا، مگر اس کلمہ کا حق باقی رہا، اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جو نماز اور زکاة کے درمیان فرق کرے گا (کہ نماز کے فریضہ کو تو تسلیم کرے گا، اور زکاة کے فریضہ کو تسلیم نہ کرے گا) تو میں اس کے خلاف ضرور قتال کروں گا، کیونکہ زکاة مال کا حق ہے، اور اللہ کی قسم اگر وہ لوگ مجھ سے (اونٹ کی) ایک رسی بھی روکیں گے، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکاة میں حوالے کیا کرتے تھے، تو میں اس کے منع کرنے پر بھی ان سے قتال کروں گا۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ نے (اس معاملہ میں) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قتال کے لئے شرح صدر فرمادیا

۱۔ رقم الحديث ۷۸۸۴، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، مسلم، رقم الحديث ۳۲”۲۰“، ترمذی، رقم الحديث ۲۶۰۷، ابوداؤد، رقم الحديث ۱۵۵۶، نسائی، رقم الحديث ۲۳۴۳، مسند احمد، رقم الحديث ۳۳۵۔
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ہے، اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات بالکل حق ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات کو قبول فرمایا، اور اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا، کہ زکاة کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ۱

زکاة کا عمل، ایمان کی دلیل ہے

حضرت ابوالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَالتَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ مِلَّةُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ، وَالزَّكَاةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا، أَوْ مُوبِقُهَا (سنن ابن ماجہ) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہتمام کے ساتھ اچھی طرح وضو کرنا، ایمان کا اہم حصہ ہے، اور ”الحمد للہ“ میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے، اور تسبیح (یعنی سبحان اللہ) اور تکبیر (یعنی اللہ اکبر) آسمانوں اور زمین کو بھر دیتے ہیں، اور نماز (قبر و آخرت میں) نور ہے، اور زکاة برہان (یعنی واضح حجت و دلیل) ہے، اور

۱۔ وقال ابن الأثير: من منعها منكرا وجوبها فقد كفر إلا أن يكون حديث عهد بالإسلام ولم يعلم وجوبها. وقال القشيري: من جحدتها كفر، وأجمع العلماء أن مانعها تؤخذ قهرا منه، وإن نصب الحرب دونها قتل، كما فعل أبو بكر، رضي الله تعالى عنه، بأهل الردة، ووافق على ذلك جميع الصحابة، رضي الله تعالى عنهم (عمدة القاری، ج ۸، ص ۲۳۳، و ص ۲۳۴، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة)

۲۔ رقم الحديث ۲۸۰، کتاب الطهارة و سننها، باب الوضوء شطر الايمان، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۸۴۴.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابن ماجه وحاشية ابن حبان)

صبر (راستہ کی) روشنی ہے، اور قرآن آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف حجت ہے، تمام لوگ اس حال میں صبح کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بیچ (یعنی فروخت) کرتے ہیں، پھر کوئی اپنے آپ کو (نیک اعمال کر کے عذاب سے) آزاد کرالیتا ہے، یا پھر اپنے آپ کو (گناہ کر کے عذاب میں گرفتار) ہلاک کرالیتا ہے (ابن ماجہ، ابن حبان)

اس حدیث میں فرمایا گیا کہ زکاة برہان ہے، برہان ایسی دلیل اور حجت کو کہا جاتا ہے، جو کہ بالکل ظاہر اور مستحکم ہو، زکاة و صدقہ دراصل ایمان اور محبت الہی کی واضح دلیل ہے، کیونکہ زکاة و صدقہ سے دل کا تعلق مال اور دنیا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتا ہے، گویا کہ زکاة و صدقہ حب مال (یعنی مال کی محبت) کا علاج ہے، نیز زکاة و صدقہ کا عمل وہی شخص کرتا ہے، جس کے دل میں برعکس بلکہ آخرت، دنیا کی محبت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱

۱ (إسباغ الوضوء) أى إكمالہ بإيصال الماء فوق الغرة إلى تحت الحنك طولا ومن الأذن إلى الأذن عرضا مع المبالغة فى الاستنشاق والمضمضة وإيصال الماء إلى فوق المرفق والكعب مع كل من أصابع اليدين والرجلين والدلك والتليث. ذكره الطيبي ثم قال: فتأمل فى بلاغة هذا اللفظ الموجز (شطر الإيمان) يعنى جزؤه واستعمال الشطر فى مطلق الجزء تجوز أخف من إخراج الوضوء والإيمان عن معناهما الشرعى الذى عليه الأكثر ولا ينافيه رواية أحمد: الطهور نصف الإيمان لأن النصف قد يطلق ويراد به أحد قسمى الشئ على وزن إذا مت كان الناس نصفين. نعم مما يقرب إرادته هنا قول ابن الأثير: الإيمان يطهر خبث الباطن والوصف يطهر الظاهر فكان نصفاً وترجيح النووى أن المراد بالإيمان الصلاة (وما كان الله ليضيع إيمانكم) أطيل فى رده. قال مغلطى: والحديث حجة على من يرى أن الوضوء لا يفتقر إلى نية (والحمد لله) أى هذا اللفظ وحده أو هذه الكلمة وحدها خلافاً لزعم أن المراد الفاتحة (تملاً) بفوقية: أى هذه الكلمة وقيل تطلق على الجمل المفيدة أو بحتية: أى هذا اللفظ. كذا ذكره بعضهم لكن قال النووى ضبطناه بالفوقية وظاهره أنه الرواية (الميزان) أى ثواب النطق بذلك مع الإذعان لمدلوله يملأ كفة الحسنات التى هى كطباق السماوات بل أوسع وذلك لاشتمال الحمد على التفييض والافتقار إليه تعالى وفيه إثبات الميزان ذى كفتين ولسان ووزن الأعمال فيها بعد أن تجسم أو توزن الصحائف قيل ولكل إنسان ميزان والأصح الاتحاد (والتسبيح) أى تنزيه الله عما لا يليق به بنحو سبحان الله (والتكبير) أى تعظيم الله بنحو الله أكبر (تملاً) بالفوقية أو بالبحتية على ما تقرر (السماوات) السبع (والأرضين) لو قدر ثوابها جسماً لأن العبد إذا سبح وكبر امتلأ ميزانه من ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة ادا کرنا، مال کا فرض، حق ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَدَيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ، فَقَدْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحسنات والميزان أوسع من السماوات والأرض فما يملؤه أكثر مما يملؤها: ويظهر أن المراد بذلك التعظيم ومزيد التكثير لا التحديد بدليل قوله في رواية مسلم الآتية بدل ما هنا يملأ ما بين السماء والأرض (والصلاة) الجامعة لمصححاتها ومكملاتها (نور) أى ذات نور أو منورة: إذ هى سبب لإشراق نور المعارف ومكاشفات الحقائق مانعة من المعاصى ناهية عن الفحشاء والمنكر هادية للصواب أو ذاتها نور مبالغة فى التشبيه (والزكاة) كذا هو بخط المؤلف. ولفظ رواية مسلم الآتية: الصدقة بدل الزكاة: أى الصدقة المفروضة بدليل هذه الرواية ولأن الصدقة إذا أطلقت فى التنزيل مقترنة بالصلاة فالمراد بها الزكاة لكن يؤخذ من تعليلهم الآتى ذكرها للتصوير لا للتقيد (برهان) حجة ودليل قوى إلى إيمان المتصدق وحب لربه ورغبته فى ثوابه فإن النفس مجبولة على حب المال والشيطان يعد الإنسان الفقر ويزين له الشح والنفس تساعد فمخالفة النفس والشيطان من أقوى البراهين على حب الرحمن (ويطعمون الطعام على حبه) وهنا تكلفات يمجها السمع فاحذر (والصبر) أى حبس النفس على مشاق الطاعة والنواب والمكاره (ضياء) أى لا يزال صاحبه مستضيئاً بنور الحق على سلوك سبيل الهداية والتوفيق ليتحلى بضياء المعارف والتحقيق فيظفر بمطلوبه ويفوز بمغروبه. وخص الصلاة بالنور والصبر بالضياء: مع أن الضياء أعظم بشهادة (هو الذى جعل لكم الشمس ضياء والقمر نورا) لأن الصبر أس جميع الأعمال ولولاه لم تكن صلاة ولا غيرها ولأن الضوء فيه إحراق والنور محض إشراق والصبر شاق مر المذاق (والقرآن) أى اللفظ المنزل على محمد صلى الله عليه وسلم للإعجاز بأقصر سورة منه (حجة لك) فى تلك المواقف التى تسأل فيها عنه كالتقبر والميزان وعقبات الصراط إن عملت بما فيه من امثال المأمور وتجنب المنهى (أو عليك) فى تلك المواطن إن لم تعمل به وزعم أن المراد لك أو عليك فى المباحث الشرعية والقضايا الحكمية مما يمجها السمع ولما كان هذا مظنة سؤال سائل يقول قد تبين من هذا التقدير الرشد من الغي فما فى حال الناس بعد ذلك حتم لذلك بجملة استثنائية فقال (كل الناس يغدو) أى كل منهم ييكر ساعياً فى تحصيل أغراضه (فبائع نفسه) من ربهما ببذلها فيما يرضاه (فمعتقها) من أليم العذاب (ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة الله) (أو) بائع نفسه من الشيطان ببذلها فيما يؤذيها فهو (موبقها) أى مهلكها بسبب ما أوقعها فيه من استحقاق العذاب وكشف الحجاب والإبعاد عن حضرات رب الأرباب والفاء فى بائع نفسه تفصيلية وفى فمعتقها سببة (واعلم) أن جميع ما مر تقريره هو حاضر ما ذكره النووى ثم القاضى. وقال الطيبى

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ فِيهِ، وَمَنْ جَمَعَ مَا لَا حَرَامًا، ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ، وَكَانَ إِصْرُهُ عَلَيْهِ (صحيح ابن حبان) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ نے اپنے مال کی زکاة ادا کر دی، تو آپ نے اپنے اوپر مال میں فرض حق کو ادا کر دیا، اور جس نے حرام مال جمع کیا، پھر اس کو صدقہ کیا، تو اس کو اس صدقہ میں کوئی اجر (وثاب) حاصل نہیں ہوگا، اور اس پر اس کا گناہ بھی ہوگا (ابن حبان، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعد ایرادہ: ولعل المعنى بالإيمان هنا شعبته كما في حديث الإيمان بضع وسبعون شعبة والظهور والحمد وسبحان الله والصلاة والصدقة والصبر والقرآن أعظم شعبها التي تخص وتخصيصها لبيان فائدتها وفخامة شأنها فبدأ بالظهور وجعله شطر الإيمان أى شعبة منه وتقريره بوجوه: أحدها أن طهارة الظاهر أمانة لطهارة الباطن إذ الظاهر عنوانه فكما أن طهارة الظاهر ترفع الخبث والحدث فكذا طهارة الباطن فى التوبة تفتح باب السلوك للسائرين إليه تعالى ولهذا جمعها فى قوله (إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين) الثانى أنه اشتهر أن من أراد الوفود إلى العظماء يتحرق تطهير ظاهره من الدنس ولبس الثياب النقية الفاخرة فوافد مالک الملوك ذو العزة والجبروت أولى . قال: وخص الصلاة بالنور والصبر بالضياء لأن فرط الانارة والصبر تثبت عليه أركان الإسلام وبه أحکمت قواعد الإيمان وختم تلك الشعب بقوله والقرآن حجة لك أو عليك وسلک به مسلکاً غير مسلکها دلالة على كونه سلطاناً قاهراً وحاكماً فيصلا يفرق بين الحق والباطل حجة الله فى الخلق به السعادة والشقاوة وهذا الحديث أصل من أصول الإسلام لاشتماله على مهمات قواعد الدين فكن له من المتدبرين (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۹۶۶)

۱۔ رقم الحديث ۳۲۱۶، كتاب الزكاة، باب جمع المال من حله وما يتعلق بذلك، سنن الترمذی، رقم الحديث ۶۱۸، باب ما جاء إذا أدیت الزكاة فقد قضيت ما عليك، ابن ماجه، رقم الحديث ۱۷۸۸، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۴۰ .

قال الترمذی: هذا حديث غريب، وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من غير وجه أنه ذكر الزكاة، فقال رجل: يا رسول الله هل على غيرها؟ فقال: لا، إلا أن تتطوع، وابن حجرية هو عبد الرحمن بن حجرية المصرى.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن، دراج أبو السمح صدوق، وباقي السند رجاله رجال الصحيح (حاشية ابن حبان)

وقال أيضاً: حديث حسن كما قال الترمذی، وهذا إسناده ضعيف لضعف دراج أبى السَّمح (حاشية سنن ابن ماجه)

اس سے معلوم ہوا کہ زکاة کی ادائیگی مال کا فرض درجہ میں حق ہے، اور اس فریضہ کو ادا کرنے کے بعد مال کا فرض حق ادا ہو جاتا ہے، اور فرض درجہ سے نیچے کے حقوق مثلاً واجب یا مسنون و مستحب صدقہ و خیرات کی صورتوں پر اس حدیث میں کلام نہیں کیا گیا، لہذا ان کے احکام اور فضائل اپنی جگہ برقرار ہیں۔

بعض اور احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ زکاة، مال کا فرض درجہ کا حق ہے۔^۱

اور بعض احادیث و روایات میں مال کو پیدا کرنے کا بنیادی مقصود ہی نماز کا قیام اور زکاة کی ادائیگی کو بتلایا گیا ہے، جن کی اسناد پر محدثین و اہل علم حضرات نے کلام کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو واقد لہثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنَّا نَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ، فَيُحَدِّثُنَا فَقَالَ لَنَا ذَاتُ يَوْمٍ: إِنَّ اللَّهَ قَالَ: إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَلَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَإِدٍ لَأَحَبُّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِ ثَانٍ وَلَوْ كَانَ لَهُ وَادِيَانِ لَأَحَبُّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِمَا ثَالِثٌ وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ (مسند احمد) ۲

۱۔ حدیثی مالک بن انس، عن عمه ابی سہیل بن مالک، عن أبیه، أنه سمع طلحة بن عبيد الله، يقول: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد نائراً الرأس، يسمع دوى صوته ولا يفقه ما يقول، حتى دنا، فإذا هو يسأل عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس صلوات في اليوم والليلة. فقال: هل علي غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وصيام رمضان. قال: هل علي غيره؟ قال: لا، إلا أن تطوع. قال: وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة، قال: هل علي غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع. قال: فأدبر الرجل وهو يقول: والله لا أزيد على هذا ولا أنقص، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفلح إن صدق (بخاری، رقم الحديث ۴۶)

۲۔ رقم الحديث ۲۱۹۰۶، واللفظ له، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۳۳۰۱، المعجم الاوسط، رقم الحديث ۲۴۴۶، شعب الايمان، رقم الحديث ۹۸۰۰.

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہوتی تھی، تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث بیان فرماتے تھے، تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے مال کو صرف نماز کے قائم کرنے اور زکاة کے ادا کرنے کے لئے نازل کیا ہے، اور اگر ابن آدم کو مال کی ایک وادی مل جائے تو وہ دوسری وادی کی خواہش کرے گا، اور اگر اس کو مال کی دو وادیاں مل جائیں، تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا، اور ابن آدم کے پیٹ کو تو (قبر کی) مٹی ہی بھرتی ہے،، اور جو توبہ کرتا ہے، اللہ، اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے (مسند احمد، طبرانی، بیہقی)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف اور بعض نے حسن قرار دیا ہے۔ ۱۔
اور اس طرح کا مضمون ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ حضرت مسروق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

قُلْتُ لِعَائِشَةَ: هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ شَيْئًا إِذَا دَخَلَ الْبَيْتَ؟ قَالَتْ: كَانَ إِذَا دَخَلَ الْبَيْتَ تَمَثَّلَ: لَوْ كَانَ لِابْنِ

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف من أجل هشام بن سعد المدني، فقد اختلفوا فيه ما بين مجرح ومعدل، وخلاصة القول فيه: أنه يعتبر به في المتابعات والشواهد (حاشية مسند احمد) وقال الهيثمي: رواه أحمد والطبراني، ورجال أحمد رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۵۰۷، كتاب التفسير، سورة لم يكن)
وقال الالباني: وهذا إسناده حسن، وهو على شرط مسلم، وفي هشام بن سعد كلام لا يضر، وقد تابعه محمد بن عبد الرحمن بن مجبر عن زيد بن أسلم به. أخرجه الطبراني (۳۳۰۲) لكن ابن مجبر هذا متروك كما قال النسائي وغيره، فلا يفرح بمتابعته. وخالفهما ربيعة بن عثمان فقال: عن زيد بن أسلم عن أبي مرواح عن أبي واقد الليثي به. فذكر أبا مرواح بدل عطاء. أخرجه الطبراني (۳۳۰۳) وابن منده في "المعرفة ۲/۱۲۶۳" وربيعة هذا حاله كحال هشام، فإن كان كل منهما قد حفظ، فيكون لعطاء بن يسار في هذا الحديث شيخان، وكلاهما ثقة. والله أعلم.
وللحديث شواهد كثيرة معروفة فهو حديث صحيح (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۶۳۹)

آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَا بُتْغَىٰ وَادِيَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ قَمَمَهُ إِلَّا التُّرَابُ وَمَا جَعَلْنَا الْمَالَ إِلَّا لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ تَابَ

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۲۷۶، مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ۴۴۶۰)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو کوئی (خاص) بات فرماتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو یہ مثال بیان فرماتے تھے کہ اگر ابن آدم کو مال کی دو وادیاں بھی مل جائیں، تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا، اور اس کے منہ کو تو صرف مٹی ہی بھرتی ہے، حالانکہ ہم نے مال کو صرف نماز کے قائم کرنے اور زکاة کے ادا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، اور جو توبہ کرتا ہے، اللہ، اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے (مسند احمد، ابویعلیٰ)

اس حدیث کی سند کو بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱۔
کئی دوسری صحیح احادیث میں سونے، چاندی وغیرہ کی دو بھری ہوئی وادیاں ہونے کے باوجود تیسری وادی کی محبت کا ذکر آیا ہے۔ ۲۔

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: قوله: "لو كان لابن آدم واديان" ..إلى آخر الحديث صحيح، دون قوله: "وما جعلنا المال إلا لإقام الصلاة وإيتاء الزكاة" وهذا إسناد ضعيف لضعف مُجَالِد، وهو ابن سعيد، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)
وقال الهيثمي: رواه أحمد، وأبو يعلى، إلا أنه قال: إنما جعلنا المال لتقضى به الصلاة، وتؤتى به الزكاة. فكنا نرى أنه مما نسخ من القرآن. والبخاري، وفيه مجالد بن سعيد، وقد اختلط، ولكن يحيى القطان لا يروى عنه ما حدث به في اختلاطه، والله أعلم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۷۸۹، باب لا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب)
في حاشية مسند ابی یعلیٰ: اسنادہ ضعیف.

۲۔ عن ابن شهاب، قال: أخبرني أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو أن لابن آدم واديان من ذهب أحب أن يكون له واديان، ولن يملأ فاه إلا التراب، ويتوب الله على من تاب (بخاری، رقم الحديث ۶۴۳۹، باب ما يتقى من فتنة المال، مسلم، رقم الحديث ۱۰۴۸، "۱۱۶")

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ دراصل انسان کی حرص و ہوس کی مخصوص حالت کا بیان ہے، جو واقعہ کے مطابق ہے۔

قرآن مجید میں انسان کی حرص و ہوس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ
وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا (سورة الاسراء، رقم الآية ۱۰۰)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن ثابت، عن أنس، عن أبي، قال " : كننا نرى هذا من القرآن، حتى نزلت : (ألهاكم التكاثر) (بخاری، رقم الحديث ۶۴۴۰، باب ما يتقى من فتنة المال)

عن أنس قال : كنت أسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم -يقول : فلا أدري، أشيء نزل عليه أم شيء يقول وهو يقول؟ " -لو كان لابن آدم واديان من مال، لا يبغي لهما ثالثا، ولا يملأ جوف ابن آدم، إلا التراب، ويتوب الله على من تاب " (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۲۲۸)

قال شعيب الارنؤوط : إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)
عن زيد بن أرقم قال : لقد كنا نقرأ على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم "لو كان لابن آدم واديان من ذهب وفضة، لا يبغي إليهما آخر، ولا يملأ بطن ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب " (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۲۸۰)
قال شعيب الارنؤوط : إسناده صحيح، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)
وقال الهيثمي : رواه أحمد والطبرانی، والبخاري بنحوه، ورجالهم ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۷۸۸، باب لا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب)

أخبرنا ابن جريج، قال : سمعت عطاء، يقول : سمعت ابن عباس، يقول : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : لو أن لابن آدم مثل واد مالا لأحب أن له إليه مثله، ولا يملأ عين ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب قال ابن عباس فلا أدري من القرآن هو أم لا، قال : وسمعت ابن الزبير، يقول ذلك على المنبر (بخاری، رقم الحديث ۶۴۳۷، باب ما يتقى من فتنة المال)

عن ابن عباس، قال : جاء رجل إلى عمر يسأله، فجعل عمر ينظر إلى رأسه مرة، وإلى رجله أخرى، هل يرى عليه من البؤس شيئا؟ ثم قال له عمر : كم مالك؟ قال : أربعون من الإبل. قال ابن عباس : فقلت : صدق الله ورسوله " : لو كان لابن آدم واديان من ذهب لا يبغي الثالث، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب " فقال عمر : ما هذا؟ فقلت : هكذا أقرأنيها أبي، قال : فمر بنا إليه. قال : فجاء إلى أبي، فقال : ما يقول هذا؟ قال أبي : هكذا أقرأنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال : فأثبتها، قال : نعم فأثبتها (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۱۱۱)

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اگر تم مالک ہو جاؤ، میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے، اس وقت بھی البتہ تم روک کر رکھو گے خرچ ہونے کے خوف سے، اور ہے انسان بڑا بخیل (سورہ اسراء)

مطلب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر بخیل ہے، اور بہت زیادہ مال و دولت کا ذخیرہ ہوتے ہوئے بھی اسے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال ختم ہو جانے کا ڈر رہتا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، ورجاله ثقات (حاشية مسند احمد) وقال الهيثمي: رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۵۱۰، كتاب التفسير، سورة لم يكن)

حدثنا أبو الزبير، أنه سأل جابراً، أقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو كان لابن آدم واد تمنى آخر؟" فقال جابر: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لو كان لابن آدم واد من نخل تمنى مثله، ثم تمنى مثله، حتى يتمنى أودية، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب" (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۶۶۵)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، ولهذا إسناده ضعيف لسوء حفظ ابن لهيعة، وقد توبع (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، وأبو يعلى، والبزار، ورجال أبي يعلى والبزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۷۸۷، باب لا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب)

وقال الالبانى: صحيح (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۵۲۸۹) ۱۔ (قل) لهم (لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربى) من الرزق والمطر (إذا لمسكتكم) ليخلمن (خشية الإنفاق) خوف نفادها بالإنفاق فتقتروا (وكان الإنسان قتورا) بخيلاً (تفسير الجلالين، تحت رقم الآية ۱۰۰ من سورة الاسراء)

قل لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربى خزائن رزقه وسائر نعمه، وأنتم مرفوع بفعل يفسره ما بعده كقول حاتم: لو ذات سوار لطمتنى. وفائسلة هذا الحذف والتفسير المبالغة مع الإيجاز والدلالة على الاختصاص. إذا لمسكتكم خشية الإنفاق ليخلمن مخافة النفاد بالإنفاق إذ لا أحد إلا ويختار النفع لنفسه ولو أثر غيره بشيء فإنما يؤثره لعوض يفوقه فهو إذن بخيل بالإضافة إلى جود الله تعالى وكرمه هذا وإن البخلاء أغلب فيهم. وكان الإنسان قتورا بخيلاً لأن بناء أمره على الحاجة والضنة بما يحتاج إليه وملاحظة العوض فيما يئذله (تفسير بضاوى، تحت رقم الآية ۱۰۰ من سورة الاسراء)

(قل لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربى إذا لمسكتكم) أى خزائن نعمه التى أفاضها على كافة الموجودات فالرحمة مجاز عن النعم والخزائن استعارة تحقيقية أو تخيلية (خشية الإنفاق)

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة کا ادا کرنا عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفَقَ نَعَالِهِمْ حِينَ يُؤْتُونَ عَنْهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ، وَالزَّكَاةُ عَنْ يَمِينِهِ، وَالصَّوْمُ عَنْ شِمَالِهِ، وَفَعَلَ الْخَيْرَاتِ وَالْمَعْرُوفَ وَالْإِحْسَانَ إِلَى النَّاسِ مِنْ قَبْلِ رَجُلِيهِ، فَيُؤْتَى مِنْ قَبْلِ رَأْسِهِ، فَتَقُولُ الصَّلَاةُ: لَيْسَ قَبْلِي مَدْخَلٌ، فَيُؤْتَى عَنْ يَمِينِهِ، فَتَقُولُ الزَّكَاةُ: لَيْسَ مِنْ قَبْلِي مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتَى عَنْ شِمَالِهِ، فَيَقُولُ الصَّوْمُ: لَيْسَ مِنْ قَبْلِي مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتَى مِنْ قَبْلِ رَجُلِيهِ، فَيَقُولُ فَعَلَ الْخَيْرَاتِ وَالْمَعْرُوفَ وَالْإِحْسَانَ إِلَى النَّاسِ: لَيْسَ مِنْ قَبْلِي مَدْخَلٌ، فَيَقَالُ لَهُ: اجْلِسْ، فَيَجْلِسُ وَقَدْ مَثَلَتْ لَهُ الشَّمْسُ لِلْعُرُوبِ، فَيَقَالُ لَهُ: مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا، فَصَدَّقْنَا وَاتَّبَعْنَا، فَيَقَالُ لَهُ: صَدَقْتَ، وَعَلَى هَذَا حَيِّتْ، وَعَلَى هَذَا مِتْ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّةَ بَصَرِهِ، فَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ، فَيَقَالُ: افْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ فَيُفْتَحُ لَهُ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

ای مخافة الفقر كما أخرجه ابن جرير . وابن المنذر عن ابن عباس وروى نحو عن قتادة وإليه ذهب الراغب قال : يقال أنفق فلان إذا أفقر . ، وأبو عبيدة قال : أنفق وأملق وأعدم وأصرم بمعنى واحد ، وقال بعضهم : الإنفاق بمعناه المعروف وهو صرف المال ، وفي الكلام مقدر أى خشية عاقبة الإنفاق (تفسير الآلوسی ، تحت رقم الآية ۰۰ من سورة الاسراء)

بَابُ إِلَى النَّارِ، فَيَقَالُ هَذَا كَانَ مِنْ لَدُنْكَ لَوْ عَصَيْتَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ،
فَيَزِدُّهُ غِبْطَةً وَسُرُورًا، وَيَقَالُ لَهُ: افْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُفْتَحُ
لَهُ، فَيَقَالُ: هَذَا مِنْ لَدُنْكَ، وَمَا أَعَدَّ اللَّهُ لَكَ، فَيَزِدُّهُ غِبْطَةً وَسُرُورًا،
فَيَعَادُ الْجِلْدُ إِلَى مَا بَدَأَ مِنْهُ، وَتُجْعَلُ رُوحُهُ فِي نَسَمِ طَيْرٍ تَعْلُقُ فِي
شَجَرِ الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الْكَافِرُ، فَيُؤْتَى فِي قَبْرِهِ مِنْ قَبْلِ رَأْسِهِ، فَلَا يُوجَدُ
شَيْءٌ، فَيُؤْتَى مِنْ قَبْلِ رِجْلَيْهِ فَلَا يُوجَدُ شَيْءٌ، فَيَجْلِسُ خَائِفًا
مَرْغُوبًا، فَيَقَالُ لَهُ: مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ وَمَا
تَشْهَدُ بِهِ؟ فَلَا يَهْتَدِي لِاسْمِهِ، فَيَقَالُ: مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
فَيَقُولُ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوا، فَيَقَالُ لَهُ:
صَدَقْتَ، عَلَى هَذَا حَيِّتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ،
فَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ:
وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا، فَيَقَالُ: افْتَحُوا لَهُ بَابًا
إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيَقَالُ لَهُ: هَذَا كَانَ مِنْ لَدُنْكَ
وَمَا أَعَدَّ اللَّهُ لَكَ لَوْ أَنَّكَ أَطَعْتَهُ، فَيَزِدُّهُ حَسْرَةً وَثُوبًا، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ:
افْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَيْهَا، فَيَقَالُ لَهُ: هَذَا مِنْ لَدُنْكَ
وَمَا أَعَدَّ اللَّهُ لَكَ، فَيَزِدُّهُ حَسْرَةً وَثُوبًا (المعجم الاوسط للطبرانی) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے

۱۔ رقم الحديث ۲۶۳۰، ابن حبان، رقم الحديث ۳۱۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ موقوفاً عن ابی هريرة، رقم الحديث ۱۲۰۶۲۔

قال الهيثمي: رواه الطبرانی في الاوسط واسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۳۲۶۹، ج ۳ ص ۵۱، باب السؤال في القبر)

وفي حاشية ابن حبان: اسناده حسن۔

وقال الالبانی: حسن (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۳۵۶۱)

میں میری جان ہے کہ بے شک لوگوں کے قبر سے واپس لوٹتے وقت مُردہ، اُن کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے، تو اگر وہ مؤمن ہوتا ہے، تو نماز اس کے سر کی طرف سے اور زکاة اس کے دائیں طرف سے اور روزہ اس کی بائیں طرف سے اور خیرات کے کام اور لوگوں کے ساتھ نیکی و احسان اس کے پیروں کی طرف سے، اس کی حفاظت و دفاع کرتے ہیں، پس جب اس کے سر کی طرف سے (عذاب وغیرہ) لایا جاتا ہے، تو نماز کہتی ہے کہ میری جانب سے کوئی داخل ہونے کا راستہ نہیں، پھر اس کے دائیں طرف سے لایا جاتا ہے، تو زکاة کہتی ہے کہ میری جانب سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پھر اس کے بائیں طرف سے لایا جاتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری جانب سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پھر اس کے پیروں کی طرف سے لایا جاتا ہے، تو خیرات کے کام اور لوگوں کے ساتھ نیکی و احسان کہتے ہیں کہ ہماری جانب سے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں، پس اس کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جائیے تو وہ بیٹھ جاتا ہے، تو اس کو سورج غروب ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو آپ لوگوں میں تھے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، پس وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے واضح دلائل (واحکام) لے کر آئے، تو ہم نے اُن کی تصدیق کی اور اتباع کی، تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا اور اسی پر تو زندہ رہا، اور اسی پر تیری وفات ہوئی، اور ان شاء اللہ اسی پر تجھے (قیامت کے دن) اُٹھایا جائے گا۔

پھر اس کی قبر کو حد نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے، اور یہ اللہ عز و جل کا (سورہ ابراہیم آیت نمبر ۲۷ میں) قول ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس

پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھولو، پس اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے کہ اگر آپ اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتے تو یہ آپ کا مقام ہوتا، پس (یہ دیکھ کر) اس (قبر والے مؤمن بندے) کا رشک اور خوشی بڑھ جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولو، تو اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کا مقام ہے، اور وہ نعمت ہے جو اللہ نے آپ کے لیے تیار کی ہے، پس یہ دیکھ کر اس کے رشک اور خوشی میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر کھال اس کی طرف لوٹا دی جاتی ہے، جس سے اس کی ابتداء ہوئی تھی، اور اس کی روح کو جنت کے درخت میں لٹکے ہوئے ایک پرندے کے پوٹے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

اور کافر کے پاس قبر میں جب اس کے سر کی طرف سے (فرشتہ یا عذاب) لایا جاتا ہے، تو اس طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اور جب اس کے پیروں کی طرف سے لایا جاتا ہے، تو ادھر سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، تو یہ خوف زدہ اور مرعوب ہو کر بیٹھ جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو آپ لوگوں میں تھے؟ اور آپ ان کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو، تو اس کو نام تک بھی نہیں آتا، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے سنا تھا، پس میں نے اسی طرح کہا جس طرح لوگ کہتے تھے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا، اسی پر تو زندہ رہا، اور اسی پر تجھ کو موت آئی، اور اسی پر ان شاء اللہ تجھے اٹھایا جائے گا۔

پھر اُس کی قبر کو اُس پر تنگ کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اُس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پس یہی ہے اللہ عزوجل کا (سورہ طہ آیت نمبر ۱۲۴ میں) قول (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ اور جو میرے ذکر (و نصیحت) سے اعراض کرے گا، تو اس کو (دنیا و آخرت یعنی برزخ میں) تنگ زندگی دی جائے گی۔

پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولو، تو اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے کہ اگر آپ اللہ کی اطاعت کرتے، تو یہ آپ کا مقام ہوتا، اور یہ کچھ اللہ تجھے نعمتوں سے نوازتا، تو اس سے اس کی حسرت اور غم میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر اُس کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو، تو اُس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اُسے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے، اور وہ کچھ ہے جو اللہ نے تیرے لیے تیار کیا ہے، تو اس سے اُس کی حسرت اور غم میں اضافہ ہو جاتا ہے (اور پھر اس کے لئے آگ کی طرف سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے اس

کو عذاب ہوتا ہے) (طبرانی، ابن حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة کا عمل، انسان کو قبر کے عذاب اور وحشت سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اور اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ ”آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو“ اس کے متعلق محدثین نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشاندہی کر کے یا نام لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور عبدیت کے متعلق، اس قبر والے کا عقیدہ معلوم کیا جاتا ہے۔ ۱۔

۱۔ فيقول تقليدا لا اعتقادا وفهم بعض من لفظ الإشارة أنه يكشف له عن النبي صلى الله عليه وسلم حتى يراه عيانا فيقال ما تقول في هذا وأبطله ابن جماعة بأن الإشارة تطلق في كلامهم على الحاضر والغائب كما يقول المرء لصاحبه ما تقول في هذا السلطان وهما لم يرياها (فيض القدير للمناوي تحت رقم الحديث ۲۰۷۲)

زکاة ادا کرنا، جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلُهُ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَنَا رَسُولُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ قَالَ: اللَّهُ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ قَالَ: اللَّهُ، قَالَ: فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ، وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ: اللَّهُ، قَالَ: فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ، وَخَلَقَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ، اللَّهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا، وَلَيْلَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: ثُمَّ وَلِي، قَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهِنَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْتُنْ صَدَقَ لَيْدُخُلْنَ الْجَنَّةَ (مسلم) ۱

۱ رقم الحديث ۱۰ "۱" کتاب الايمان، باب فی بیان الايمان بالله وشرائع الدين.

ترجمہ: ہمیں اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی (غیر ضروری) چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لئے ہمیں یہ بات پسند آتی تھی کہ گاؤں والے لوگوں میں سے کوئی عقل مند شخص (جسے سوال کرنے سے منع نہیں کیا گیا) آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے، اور ہم (سوال و جواب) سنیں، تو گاؤں والوں میں سے ایک آدمی آیا، اور اُس نے کہا کہ اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے، اُس نے ہمیں یہ بات بتلائی کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس قاصد نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ تو پھر زمین کو کس نے پیدا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا، اور ان میں جو کچھ ہے، وہ کس نے پیدا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آسمان کو پیدا کیا، اور زمین کو پیدا کیا، اور ان پہاڑوں کو قائم کیا، کیا واقعی اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہم پر ہمارے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا

ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (پانچ وقت کی نماز کے عمل) کا حکم فرمایا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے مالوں میں زکاۃ فرض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (مال کی زکاۃ) کا حکم فرمایا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر سال بھر میں رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس (رمضان کے روزے) کا حکم فرمایا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔

اُس دیہاتی نے کہا کہ آپ کا قاصد یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اوپر بیٹ اللہ کا حج کرنا فرض ہے، اُس شخص پر جو اس کی طرف چلنے کی استطاعت و قدرت رکھتا ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دیہاتی شخص واپس جانے لگا اور اُس نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان اعمال پر (جو آپ نے ابھی مجھے بتائے) نہ تو (اپنی طرف سے کوئی) زیادتی کروں گا، اور نہ ان میں سے (کسی عمل کو) کم کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان و یقین کے بعد نماز، روزہ اور زکاة ایسے اعمال ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونا جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہے۔ ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ذُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، قَالَ: تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ، فَلَمَّا وَلَّى، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا

(مسند احمد، رقم الحديث ۸۵۱۵) ۲

ترجمہ: ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کو کرنے کے نتیجے میں، میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں، اور آپ نماز کے فریضہ کو قائم کریں، اور زکاة کے فریضہ کو ادا کریں، اور آپ رمضان کے روزے رکھیں۔

اس آدمی نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان

۱ (وتقیم الصلاة) : من باب عطف الخاص على العام تنبيها على إنافته إن عمم العبادة، والمراد بها المكتوبة. وهذا الحكم ليس مخصوصا بمعاذ، بل يعم كل مؤمن؛ إذ العبارة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، ثم توقف دخول الجنة على الأعمال إنما هو بقيد الدخول الأولى كما سبقت الإشارة إليه فلا مستمسك للمعتزلة والخوارج لديه. (وتؤتي الزكاة) أي المفروضة (وصوم رمضان) أي الأيام المعدودة (وتحج البيت) أي بالأفعال المعلومة على شرط الاستطاعة في العمر مرة. (ثم قال) أي -عليه الصلاة والسلام- زيادة على الإفادة بالحث على النوافل لتحصيل الدرجات العالية، أو لتكميل العبادات البدنية والمالية (مراقبة المفاتيح، كتاب الإيمان) ۲ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ہے، میں اس پر نہ کوئی چیز زیادہ کروں گا، اور نہ اس میں سے کوئی چیز کم کروں گا، پھر جب وہ جانے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ کسی جنتی کو دیکھے، تو وہ اس آدمی کو دیکھے (مسند احمد)

اس حدیث سے بھی گزشتہ حدیث کی طرح معلوم ہوا کہ نماز، روزہ ایسے اعمال ہیں، کہ جو جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہیں۔ ۱۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِهِنَّ مَعَ إِيْمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ مَنْ حَافِظٌ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلَى وَضُوئِهِنَّ وَرُكُوعِهِنَّ وَسُجُودِهِنَّ وَمَوَاقِيْتِهِنَّ وَصَامَ رَمَضَانَ وَحَجَّ الْبَيْتِ إِنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَأَعْطَى الزَّكَاةَ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، وَأَدَّى الْأَمَانَةَ قَالُوا يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَمَا أَدَاءُ الْأَمَانَةِ قَالَ: الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ (ابوداؤد) ۲۔

۱۔ (اُنَ ينظر إلى رجل من أهل الجنة فليُنظر) جواب الشرط، أو خبر متضمنه (إلى هذا) أى هذا الرجل؛ لزمه على فعل المأمورات وترك المحظورات، فعلى من أراد الحقوق به فى ذلك أن يصمم على ما صمم عليه؛ ليكون من الناجين، وليحشر مع السابقين (مراقبة، كتاب الايمان)

(من سره أن ينظر إلى رجل من أهل الجنة فليُنظر إلى هذا) فالظاهر منه أن النبى صلى الله عليه وسلم علم أنه يوفى بما التزم وأنه يدوم على ذلك ويدخل الجنة (شرح النووى على مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الإيمان الذى يدخل به الجنة)

۲۔ رقم الحديث ۴۲۹، كتاب الصلاة، باب فى المحافظة على وقت الصلوات، واللفظ لهُ، شعب الايمان، رقم الحديث ۴۳۹۵، المعجم الصغير للطبرانى، رقم الحديث ۷۷۷۔

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير وإسناده جيد. (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۳۹)

وقال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير بإسناد جيد وتقدم (الترغيب والترهيب للمنذرى، تحت رقم الحديث ۱۱۰۵، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الالبانى: قلت: إسناده حسن (صحيح ابى داؤد الام، تحت رقم الحديث ۳۵۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں، کہ جو شخص ان کو ایمان کے ساتھ ادا کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا (ایک یہ کہ) جس نے پانچوں نمازوں کی حفاظت کی، اُن کے وضو کی بھی، اُن کے رکوع کی بھی، اُن کے سجدوں کی بھی، اور اُن کے اوقات کی بھی (کہ وضو اور نماز کے تمام ارکان، صحیح طور پر ادا کئے اور وقت کی بھی رعایت کی) اور (دوسرے) رمضان کے روزے رکھے، اور (تیسرے) بیٹ اللہ کا حج کیا، اگر وہاں تک کے راستے کی استطاعت ہو، اور (چوتھے) زکاة کو خوشدلی کے ساتھ ادا کیا، اور پانچویں امانت کو ادا کیا، لوگوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جنابت کا غسل (ابوداؤد، بیہقی، طبرانی)

ایمان کیونکہ ہر عمل کے عبادت بننے کے لئے ضروری ہے، اس لئے ایمان کا اس حدیث میں ہر عمل کے لئے شرط و ضروری ہونا بیان کیا گیا۔

اور اگرچہ امانت کا مفہوم عام ہے، جس میں حقوق العباد بھی داخل ہیں، لیکن کیونکہ عام طور پر امانت کو حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے، اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے جنابت کے غسل کی مثال سے امانت کے وسیع مفہوم کو واضح فرمادیا۔

بہر حال اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز، روزہ اور زکاة وغیرہ ایسے اعمال ہیں کہ جو جنت میں داخلہ کا ذریعہ و باعث ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيْسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسْرُهُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَعَبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي

الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ (سنن الترمذی) ۱۔
 ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، ایک دن صبح کے وقت میں
 آپ کے قریب تھا، اور ہم اس وقت چل رہے تھے، تو میں نے (مناسب موقع
 دیکھ کر) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلا دیجئے کہ جس کی وجہ سے
 میں جنت میں داخل ہو جاؤں، اور (جہنم کی) آگ سے دُور ہو جاؤں؟
 تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے بڑے عمل کے بارے
 میں سوال کیا ہے، لیکن جس پر اللہ آسان فرمائے، اس کے لئے وہ عمل آسان
 ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک تو آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی
 کو شریک نہ ٹھہرائیں (کہ یہ ایمان کے لئے شرط ہے) اور آپ نماز قائم کریں
 اور زکاة ادا کریں، اور رمضان کے روزے رکھیں، اور بیت اللہ کا حج کریں (ترمذی،
 مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ایمان و توحید کے بعد نماز، زکاة، روزہ اور حج ایسے اعمال
 ہیں کہ جو جنت میں داخلہ کا باعث ہیں۔

حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ جَاءَ يَعْبُدُ اللَّهَ لَا
 يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَيَقِيمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَيَصُومُ رَمَضَانَ،

۱۔ رقم الحديث ۲۶۱۶، ابواب الايمان، باب ما جاء في حرمه الصلاة، واللفظ لله، مسند احمد،
 رقم الحديث ۲۲۰۱۶، ابن ماجه، رقم الحديث ۳۹۷۳، السنن الكبرى للنسائي، رقم الحديث
 ۱۱۳۳۰، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۲۶۶۔

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح (ترمذی، حوالہ بالا)

وقال شعيب الارنؤوط: صحيح بطرقه وشواهده، وهذا إسناد منقطع (حاشية مسند احمد)

وقال المنذرى: رواه احمد والترمذی وصححه والنسائي وابن ماجه (الترغيب والترهيب، تحت
 رقم الحديث ۱۱۰۶، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزکاة وتأکید وجوبها)

وقال الالبانی: صحيح (صحيح وضعيف سنن ابن ماجه، تحت رقم الحديث ۳۹۷۳)

وَيَجْتَنِبُ الْكِبَائِرَ، فَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ، وَسَأَلُوهُ: مَا الْكِبَائِرُ؟ قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الْمُسْلِمَةِ، وَفِرَارُ يَوْمِ الزُّحْفِ (مسند

احمد، رقم الحديث ۲۳۵۰۲، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۳۸۸۵) ۱۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (اللہ کی بارگاہ میں) اس حال میں حاضر ہو کہ اللہ کی عبادت کرتا ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، اور نماز قائم کرتا ہو، اور زکاة ادا کرتا ہو، اور رمضان کے روزے رکھتا ہو، اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، تو اس کے لئے جنت ہے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کبیرہ گناہوں سے کیا مراد ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا کسی مسلمان کو قتل کرنا اور میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا (مسند احمد، طبرانی)

کبیرہ گناہوں کا ذکر آگے بھی احادیث کے ضمن میں آتا ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ چند دوسرے اعمال کے ساتھ ساتھ زکاة کی ادائیگی ان اہم اعمال میں سے ہے، کہ جو جنت میں داخلہ کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ ان اعمال کو انجام دینے اور پھر ان کی برکت سے جنت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زکاة ادا کرنے والوں کے لئے جنت کا مخصوص دروازہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَتَقَّى زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَاعْبُدُ اللَّهُ هَذَا خَيْرٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن بمجموع طرقه، بقية - وهو ابن الوليد - ضعيف يعتبر به في المتابعات والشواهد، وهو في هذا الحديث متابع، وباقي رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

بَابُ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرِّيَّانِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ (بخاری) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستے میں کوئی چیز جوڑے والی (یعنی دو کی تعداد میں یا آگے پیچھے) خرچ کی، تو اُسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے (جو اللہ نے تیرے لیے تیار کی ہے) اور جو شخص نماز کی پابندی کرنے والا ہوگا، اُسے جنت کی طرف نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا، اور جو شخص جہاد کرنے والا ہوگا، اُسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ رکھنے والا ہوگا، اُسے بابِ ریان (جو روزے داروں کے لیے جنت میں داخل ہونے والے دروازے کا نام ہے) سے بلایا جائے گا، اور جو شخص صدقہ (وزکاة) دینے والوں میں سے ہوگا، اُسے صدقہ (وزکاة) کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اگرچہ ان سب دروازوں سے بلانے کی کوئی ضرورت تو نہ ہوگی (کیونکہ داخلے کے لیے ایک دروازہ بھی کافی ہے) لیکن کیا کوئی ان سب دروازوں سے بھی بلایا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بے شک، اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ) میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں

سے ہوں گے (جن کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا) (بخاری، مسلم)
مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان تمام اعمال کو اختیار کرنے والا ہوگا، جو مذکورہ حدیث میں ذکر کئے
گئے، اس کو اعزاز و اکرام کے طور پر سب دروازوں سے بلایا جائے گا، اور یہ شرف حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوگا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة ادا کرنے والوں کے لئے جنت میں مخصوص
دروازہ مقرر ہے۔ ۱

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَكَبَّ فَأَكَبَّ كُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا يَبْكِي لَا نَذَرِي عَلَى
مَاذَا حَلَفَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فِي وَجْهِهِ الْبُشْرَى فَكَانَتْ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ
حُمْرِ النَّعَمِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَيَصُومُ
رَمَضَانَ وَيُخْرِجُ الزَّكَاةَ وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ السَّيِّئَةَ إِلَّا فَتُحْتَلَّ لَهُ
أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَقِيلَ لَهُ أُدْخَلُ بِسَلَامٍ (سنن النسائي) ۲

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور تین مرتبہ فرمایا
کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے، پھر آپ نے اپنا سر

۱۔ یكون جماعة يدعون من جميع الأبواب تعظيما وتكريما لهم ؛ لكثرة صلاتهم وجهادهم
وصيامهم وغير ذلك من أبواب الخير "وأرجو أن تكون منهم "لأنه -رضي الله عنه - كان جامعاً
لهذه الخيرات كلها (مرواة المفاتيح ، ج ۳ ص ۱۳۳۵ ، كتاب الزكاة ، باب فضل الصدقة)

۲۔ رقم الحديث ۲۳۳۸ ، كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة ، السنن الكبرى للنسائي ، رقم
الحديث ۲۲۳۰ كتاب الزكاة ، مستدرک حاکم ، رقم الحديث ۲۹۴۳ .

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ، ولم يخرجاه .

وقال الذهبي في التلخيص : صحيح .

وقال المنذرى: رواه النسائي واللفظ له وابن ماجه وابن خزيمة وابن حبان في صحيحهم والحاكم
وقال صحيح الإسناد (الترغيب والترهيب ج ۱ ص ۲۹۹ ، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة
وتأكيد وجوبها)

جھکالیا، اور ہم میں سے ہر آدمی نے بھی سر جھکالیا، اور رونا شروع کیا، کہ معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بات پر قسم اٹھائی، پھر (تھوڑی دیر بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا، اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشی ہمیں سرخ (یعنی بہترین) اونٹوں سے زیادہ محبوب معلوم ہوئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بھی پانچ وقت کی نماز پڑھے گا، اور رمضان کے روزے رکھے گا، اور زکاة ادا کرے گا، اور سات بڑے گناہوں سے بچے گا، تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ تو سلامتی و عافیت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا (نسائی، حاکم)

سات بڑے گناہوں کا ذکر دوسری احادیث میں آیا ہے، جن میں ایک گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، اور دوسرا کسی کو ناحق قتل کرنا، اور تیسرا میدانِ جہاد سے بھاگنا، اور چوتھا یتیم کا مال کھانا، اور پانچواں سود کھانا، اور چھٹا پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، اور ساتواں شرعی ہجرت کرنے کے بعد اس سے پھر جانا بتلایا گیا ہے۔

اور بعض احادیث میں ساتواں گناہ جادو کرنا، بتلایا گیا ہے۔

اور بعض احادیث میں ان کبیرہ گناہوں کو ہلاک کرنے والے گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ۱

۱۔ حدثنا أحمد بن رشدين، ثنا عمرو بن خالد الحارثي، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن محمد بن سهل بن أبي حثمة، عن أبيه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر يقول: اجتنبوا الكبائر السبع، فسكت الناس فلم يتكلم أحد، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ألا تسألوني عنهن؟ الشرك بالله، وقتل النفس، والفرار من الزحف، وأكل مال اليتيم، وأكل الربا، وقذف المحصنة، والتعرب بعد الهجرة (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۵۶۳۶)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، وفيه ابن لهيعة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۳۸۵، باب في الكبائر)

وقال الالباني: حسن (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۱۴۵)

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد صرف سات نہیں ہے، بلکہ اور بھی کئی قسم کے کبیرہ گناہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سات کا ذکر کسی خاص وجہ سے فرمایا ہے، مثلاً اس وجہ سے کہ اس وقت وہاں کے لوگوں کو ان سات گناہوں سے نفرت دلانے کی زیادہ ضرورت تھی، وغیرہ۔ ۱

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَبْدَ اللَّهِ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا
فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَأَطَاعَ فَإِنَّ اللَّهَ يَدْخِلُهُ مِنْ أَيْ
أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَلَهَا ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ وَمَنْ عَبْدَ اللَّهِ لَا يُشْرِكُ بِهِ
شَيْئًا وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَسَمِعَ وَعَصَى فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ أَمْرِهِ
بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ رَحِمَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ (مسند احمد) ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: یا رسول اللہ وما هن؟ قال: الشُّرک باللہ، والسحر، وقتل النفس التي حرم اللہ إلا بالحق، وأکل الربا، وأکل مال الیتیم، والتولی یوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات (بخاری، رقم الحدیث ۲۷۶۲، کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالیٰ: إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما الخ، مسلم، رقم الحدیث ۱۴۵ "۸۹")

۱۔ (اجتنبوا) اُبعدوا وهو اُبلغ من لا تفعلوا لأن نہی القربان اُبلغ من نہی المباشرة ذكره الطیبی (السبع) اُی الكبائر السبع ولا ینافیہ عدها فی اُحادیث اُکثر لأنه اُخبر فی کل مجلس بما أوحی إلیہ أو ألهم أو سنع له باعتبار أحوال السائل أو تفاوت الأوقات أو لزیادة فحشها وفظاظة قبحها أو لأن مفهوم العدد غیر حجة أو لغير ذلك (الموبقات) بضم المیم وكسر الموحدة التحتية المهلكات جمع موبقة وهی الخصلة المهلكة أو المراد الكبيرة أجمعها وسماها مهلكات ثم فصلها لیكون أوقع فی النفس ولیؤذن بأنها نفس المهلكات وقول التاج السبکی الموبقة أخص من الكبيرة وليس فی حدیث ابی ہریرۃ أنها الكبائر تعقیه الحافظ ابن حجر بالرد قال ابن عباس وهی إلى السبعین اقرب وابن جبیر إلى السبع مائة اقرب اُی باعتبار أصناف أنواعها وللحافظ الذهبی جزء فیہ نحو الأربع مائة ذكره الأذرعی (فیض القدير للمناوی تحت رقم الحدیث ۱۷۱)

۲۔ رقم الحدیث ۲۷۶۸، واللفظ لله، مسند البزار، رقم الحدیث ۲۷۰۴.

قال شعيب الارنؤوط: اسنادہ حسن (حاشیة مسند احمد)

وقال الهیثمی: رواه أحمد والطبرانی، ورجال أحمد ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۰۹۰، ج ۵ ص ۲۱۶، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهی عن قتالهم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی اس طریقے سے عبادت کی کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا، اور اُس نے نماز قائم کی، اور زکاة ادا کی، اور اللہ کے (دوسرے) احکام کو سُنّا اور اطاعت کی۔ تو بلاشبہ اللہ اُس کو جنت کے جس دروازے سے وہ چاہے گا، داخل فرمائے گا، اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

اور جس شخص نے اللہ کی اس طریقے سے عبادت تو کی کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا، اور اُس نے نماز بھی قائم کی، اور زکاة بھی ادا کی، اور اللہ کے (دوسرے) احکام کو سُنّا لیکن اُس نے (اُن پر عمل نہیں کیا، بلکہ) اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ کو اختیار ہے کہ چاہے تو اُس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اسے عذاب دے (مسند احمد، بزار)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ نماز، روزہ وغیرہ پر عمل کرنے کے ساتھ زکاة بھی ادا کرتا ہے، تو اللہ کی طرف سے اس کے لئے جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل کی اجازت ہوتی ہے، جس سے نماز اور زکاة وغیرہ جیسے اعمال کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوئی۔

زکاة ادا کرنا، اولیاء اللہ ہونے اور نبی کی معیت کا ذریعہ ہے

حضرت عمیر بن قنادہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ الْمُصَلُّونَ مَنْ يُقِيمُ الصَّلَاةَ الْحَمْسَ الَّتِي كُتِبْنَ عَلَيْهِ، وَيَصُومُ رَمَضَانَ يَحْتَسِبُ صَوْمَهُ يَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ حَقٌّ، وَيُعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ يَحْتَسِبُهَا، وَيَجْتَنِبُ الْكِبَايِرَ الَّتِي نَهَى اللَّهُ عَنْهَا ثُمَّ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الْكِبَايِرُ؟ فَقَالَ: هِيَ تِسْعٌ: الشِّرْكُ

بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ نَفْسٍ الْمُؤْمِنِ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَفِرَارُ يَوْمِ الزُّحْفِ، وَأَكْلُ مَالِ
الْيَتِيمِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَةِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ
الْمُسْلِمِينَ، وَاسْتِحْلَالُ الْبَيْتِ الْحَرَامِ قَبْلَتِكُمْ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا، ثُمَّ
قَالَ: لَا يَمُوتُ رَجُلٌ لَّمْ يَعْمَلْ هَذِهِ الْكَبَائِرَ وَيُقِيمِ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِيَ
الزَّكَاةَ إِلَّا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَارِ آبَائِهِ
مَصَارِيعَ مِنْ ذَهَبٍ (مسندک حاکم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ یاد رکھو!
اولیاء اللہ وہ ہیں، جو نماز پڑھنے والے ہیں، وہ لوگ ہیں جو پانچ وقت کی نمازوں کو
قائم کرتے ہیں، جو فرض کی گئیں، اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں، اپنے
روزوں کے بارے میں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ان پر حق ہیں، اور اپنے مال کی
خوش دلی سے زکاة دیتے ہیں، اور ان کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں) سے بچتے ہیں،
جن سے اللہ نے منع کیا ہے، پھر ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کبائر (یعنی کبیرہ گناہ) کون سے
ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تو ہیں، ایک اللہ کے ساتھ شرک

۱۔ رقم الحدیث ۷۶۶۶، کتاب التوبۃ والانابة، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۱۰۱۔
قال الحاکم: هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔

وقال الذہبی فی التلخیص: صحیح۔

وقال المنذری: رواه الطبرانی فی الكبير ورواه ثقات وفي بعضهم كلام وعند أبي داود بعضه
(الترغيب والترهيب ج ۱ ص ۳۰۳، تحت رقم الحدیث ۱۱۲۳، کتاب الصدقات الترغیب فی أداء
الزکاة وتأكيد وجوبها)

وقال فی موضع آخر: رواه الطبرانی فی الكبير بإسناد حسن بحبوحة المكان بحاء ين مهملتين وياء
ين موحدين مضمومتين هو وسطه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحدیث ۲۰۸۸، کتاب
الجهاد الترغیب فی الرباط فی سبيل الله عز وجل)

وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، ورجاله موثقون (معجم الزوائد، ج ۱ ص ۴۸، تحت رقم
الحدیث ۱۴۲، کتاب الايمان، باب فيما بنى عليه الإسلام)

کرنا، دوسرے مؤمن کی جان کو ناحق قتل کرنا، تیسرے جہاد کے دن راہ فرار اختیار کرنا، چوتھے یتیم کا مال کھانا، پانچویں سود کھانا، چھٹے پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، ساتویں مسلم والدین کی نافرمانی کرنا، آٹھویں بیتِ حرام (یعنی حرم کے مبارک مقام) کو حلال سمجھنا (یعنی حرم کی تعظیم اور پابندیوں کی خلاف ورزی کو جائز سمجھنا) جو کہ تمہارے زندوں اور مُردوں کا قبلہ ہے، پھر فرمایا کہ کوئی آدمی بھی فوت نہیں ہوتا، جو ان کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، اور نماز قائم کرتا ہو، اور زکاة دیتا ہو، مگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا، ایسے گھر میں جس کے دروازے سونے کے پٹوں (یعنی کواڑوں) کے ہوں گے (حاکم، طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا قیام، روزہ اور زکاة کی ادائیگی ایسے اعمال ہیں کہ جو اولیاء اللہ ہونے کی نشانی اور آخرت و جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا باعث ہیں۔

زکاة کو خوشی سے ادا کرنا، ایمان کا ذائقہ چکھنے میں داخل ہے

حضرت عبداللہ بن معاویہ غازی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَأَنَّه لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطَى الْهَرَمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيضَةَ، وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ، وَلَكِنْ مِنْ وَسْطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ (ابوداؤد) ۱

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں ہیں، جو شخص ان کو کرے گا

۱۔ رقم الحدیث ۱۵۸۲، کتاب الزکاة، باب فی زکاة السائمة.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن فيه انقطاع بين يحيى بن جابر وبين جبير بن نفير. وقد جاء موصولا من طرق عن عبد الله بن سالم - وهو الأشعري -، بذكر عبد الرحمن بن جبير بن نفير، وهو ثقة (حاشية ابی داؤد)

وہ ایمان کا مزہ پائے گا، ایک اللہ کی عبادت کرے اور دوسرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کرے، اور تیسرے ہر سال اپنے مال کی زکاة خوشی سے ادا کرے، اور (سائمہ و مخصوص جانوروں کی زکاة میں) بوڑھا خارش، بیمار، اور گھٹیا جانور نہ دے بلکہ درمیانہ درجہ کا دے کیونکہ اللہ تم سے نہ زیادہ عمدہ مال چاہتا ہے اور نہ ہی گھٹیا مال کو پسند کرتا ہے (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة کو خوش دلی سے ادا کرنا اور گھٹیا مال کے بجائے درمیانہ مال زکاة میں دینا، ایمان کا ذائقہ چکھنے کی نعمت و فضیلت کا باعث ہے۔ ۱

۱۔ قوله: "طعم طعم الإيمان" طعم فعل معجمی بکسر العین بمعنی ذاق، ومنه قوله تعالى: (ومن لم يطعمه فإنه منى) والطعم بالفتح ما يؤديه الذوق.
قوله "من عبد الله وحده" أى: أولى الخصال الثلاثة: من عبد الله وحده.
قوله "وأنه لا إله إلا الله" عطف على قوله "وحده"، فيكون فى محل نصب، لأن "وحده" حال بمعنى ينفرد وحده كما قرناه مرة. قوله: "وأعطى زكاة ماله" هى الخصلة الثانية.
قوله: "طيبة بها نفسه" أى: حال كونه طيبة بالزكاة نفسه، وإنما أتت طيبة لاستنادها إلى النفس، يقال: طابت نفسه بالشيء، إذا سمحت به من غير كراهة ولا غضب.
قوله: "رافدة عليه" أى: معينة، وأصل الرشد الإعانة، يقال: رفدته أرفده إذا أعنته، وانتصابها على أنها حال من "نفسه"، والضمير الذى فى "عليه" يرجع إلى الإعطاء، الذى يدل عليه قوله: "وأعطى"، والمعنى معينة على إعطائها، أى: أداء الزكاة.
قوله "ولم يعط الهرمة" هى الخصلة الثالثة، و"الهرمة" الكبيرة فى السن.
قولى: "ولا الدرنه" بفتح الدال المهملة، وكسر الراء، وبعدها نون مفتوحة، وتاء تأنيث: أى: ولا يعطى الدرنه، وهى الجرباء، وأصل الدرن الوسخ.
قوله: "ولا الشرط" بفتح الشين المعجمة والراء، وبطاء مهملة. قال الخطابى: الشرط: رذالة المال، قال الشاعر: وفى شرط المعزى لهن مهوور وقال ابن الأثير: وقيل: صغار المال وشراره.
قوله: "الليثمة" نصب على أنها صفة "للشرط" ومعناها الدنيئة.
قوله "من وسط أموالكم" بفتح السين.
قوله "لم يسألكم خيره" أى: خير ما لكم، و"لم يأمركم بشره" أى: برذالته.
والحديث أخرجه أبو داود منقطعا كما ترى، وأخرجه الطبرانى والبخارى والقاسم البغوى فى "مسند الصحابة" مسندا (شرح ابى داود للعيني، ج ۶ ص ۲۷۳، ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة)

زکاة و صدقہ سے مال میں کمی کے بجائے برکت ہوتی ہے

قرآن مجید کی سورہ سبأ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ

مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سورۃ سبأ، رقم الآیہ ۳۹)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ بے شک میرا رب کشادہ کردیتا ہے رزق کو، جس کے

لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، اور تنگ کردیتا ہے جس کے لئے چاہے، اور

جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو، تو وہ اس کے بدلہ میں عطا فرماتا ہے، اور وہی بہترین

رزق دینے والا ہے (سورہ سبأ)

مطلب یہ ہے کہ رزق کا کشادہ اور تنگ کرنا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور جو کچھ بھی اللہ

کی رضا یا اس کے حکم کو پورا کرنے کے لئے خرچ کیا جاتا ہے، جس میں زکاة و صدقہ بھی داخل

ہے، تو اللہ اس کے بدلہ میں عطا فرماتا ہے، جو کہ دنیا کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور آخرت

میں تو اجر و ثواب یقینی ہوتا ہے، جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا

مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا أَللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا وَيَقُولُ الْآخَرُ

اللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا (بخاری) ۲

۱۔ قولہ تعالیٰ: (قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ) (وما أنفقتم

من شيء فهو يخلفه) اے قل یا محمد لہو لاء المغترین بالأموال والأولاد إن اللہ یوسع علی من یشاء

ویضیق علی من یشاء، فلا تغتروا بالأموال والأولاد بل أنفقوها فی طاعة اللہ، فإن ما أنفقتم فی طاعة

اللہ فهو یخلفه۔ وفيہ إضمار، اے فهو یخلفه علیکم، یقال: أخلف له وأخلف علیه، اے یعطیکم خلفه

وبدله، وذلك البدل إما فی الدنیا وإما فی الآخرة (تفسیر القرطبی، ج ۱۴ ص ۳۰۷، سورۃ سبأ)

۲۔ رقم الحدیث ۱۴۳۲، کتاب الزکاة، باب قول اللہ تعالیٰ فاما من أعطى واتقى وصدق

بالحسنی، مسلم، رقم الحدیث ۱۰۱۰ "۵۷"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں ہوتا، جس میں بندے صبح کرتے ہوں، مگر ہر دن دو فرشتے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اترتے ہیں، اور ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے بدلہ میں (اور نعمت) عطا کر دیجئے، اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! روکنے (اور بخل اختیار کرنے) والے کے (موجودہ) مال کو تلف و ضائع کر دیجئے (بخاری، مسلم)

مطلب یہ ہے کہ زکاة و صدقہ وغیرہ کی شکل میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے والے شخص کے حق میں ایک فرشتہ، خیر و برکت اور خرچ کئے ہوئے مال کے بدلہ میں دنیا و آخرت کا بدل عطا فرمانے کی دعاء کرتا ہے، اور دوسرا فرشتہ بخل کرنے والے کے مال کے تلف و بے برکتا وغیرہ ہونے کی بددعا کرتا ہے۔ ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللَّهُ أَنْفَقَ يَا ابْنَ آدَمَ أَنْفَقَ عَلَيْكَ (بخاری) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا کہ اے بنی آدم! (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کر، جس کے نتیجے میں تجھ پر (اللہ کی طرف سے) خرچ کیا جائے گا (بخاری، مسلم)

۱ (وعنه) أى: أبى هريرة (قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: ما من يوم) ما نافية ومن زائلة لتأكيد الاستغراق، والمعنى ليس يوم (يصبح العباد فيه) صفة يوم (إلا ملكان) مبتدأ خبره (ينزلان) أى: فيه، وهذه الجملة مع ما يتعلق بها فى محل الخبر وهو مستثنى من محذوف، أى: على وجه إلا هذا الوجه، ذكره الطيبى (فيقول أحدهما) أى: لمن أنفق ماله فى الخيرات (اللهم أعط متفقا) أى: من محله فى محله، وأطلق مبالغة فى مدح الإنفاق (خلفا) أى: عوضا عظيما وهو العوض الصالح أو عوضا فى الدنيا وبدلا فى العقبى لقوله - تعالى - (وما أنفقتم من شيء فهو يخلفه وهو خير الرازقين) (ويقول الآخر) للآخر الذى لم ينفق فى مرضاة المولى (اللهم أعط ممسكا) أى: عن خيره لغيره (تلفا) أى: لماله حسا أو معنى، وفى إيراده بلفظ الإعطاء مشاكلة (مراقبة المفاتيح، ج ۴ ص ۱۳۱۹، باب الإنفاق وكرهية الامساك)

۲ رقم الحديث ۵۳۵۲، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل، مسلم، رقم الحديث ۹۹۳ و ۳۶

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب بندہ اللہ کے حکم کے مطابق زکاة و صدقہ وغیرہ کی شکل میں خرچ کرتا ہے، تو اللہ کی طرف سے اس پر خرچ کرنے کا مختلف شکلوں میں انتظام کیا جاتا ہے۔ ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَا نَقَصْتُ صَدَقَةً مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ (مسلم) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ (زکاة) سے مال کم نہیں ہوتا، اور جس بندے کو اللہ درگزر کرنے کی زیادہ توفیق عطا فرماتا ہے، تو اس کو عزت سے نوازتا ہے، اور جو شخص اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے، اس کو اللہ بلند فرماتا ہے (مسلم، مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة و صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، اور دوسری احادیث سے معلوم ہو چکا کہ زکاة و صدقہ سے مال میں برکت و اضافہ ہوتا ہے، اور اس کی بے برکتی و ثر و دور ہوتا ہے۔ ۳

۱۔ قوله أنفق بفتح الهمزة أمر بالإففاق، وقوله أنفق بضم أوله فعل مضارع وعد بالخلف وهو بمعنى قوله تعالى (وما أنفقتم من شيء فهو يخلفه) فيتضمن الحث على الإففاق في وجوه الخير والتبشير بالخلف من فضل الله تعالى (طرح الشريب في شرح التقريب لزين الدين العراقي، ج ۳ ص ۶۸، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة والتعفف) ۲۔ رقم الحديث ۲۵۸۸ "۶۹"، كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، مسند احمد، رقم الحديث ۷۲۰۶۔

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم. وأخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" من طريق ابن أبي عدي، بهذا الإسناد (حاشية مسند احمد)

۳۔ ما نقصت صدقة مالا أو بعض مال أو شيئا من مال بل تزيد أضعاف ما يعطى منه بأن ينحصر بالبركة الخفية أو بالعطية الجليلة أو بالمشوية العلية (مراقبة المفاتيح، ج ۳ ص ۱۳۳۳، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة) ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنْ كُنْتُ لِحَافًا عَلَيْهِنَّ: لَا يَنْقُصُ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ فَتَصَدَّقُوا، وَلَا يَعْفُو رَجُلٌ عَنْ مَظْلَمَةٍ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا عِزًّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَفْتَحُ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں، قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میں ان پر قسم کھاتا ہوں، ایک یہ کہ مال میں صدقہ (وزکاة) سے کمی نہیں آتی، تو تم صدقہ (وزکاة) دیا کرو، اور دوسرے یہ کہ جو آدمی بھی کسی کے ظلم کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے ارادہ سے معاف کر دیتا ہے، تو اس کو اللہ قیامت کے دن بلند عزت عطا فرماتا ہے، اور تیسرے یہ کہ جو آدمی بھی اپنے آپ پر سوال کرنے (اور بھیک مانگنے) کا راستہ کھولتا ہے، تو اس پر اللہ فقر و فاقہ (و تنگ دستی) کا راستہ کھول دیتا ہے (ابو یعلیٰ، مسند احمد، بزار)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(ما نقصت صدقة من مال) قال الطيبي: من هذه يحتمل أن تكون زائدة أي ما نقصت صدقة مالا ويحتمل أن تكون صلة لنقصت والمفعول الأول محذوف أي ما نقصت شيئا من مال في الدنيا بالبركة فيه ودفع المفسدات عنه والإخلاف عليه بما هو أجدى وأنفع وأكثر وأطيب (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۸۱۲۰)

۱۔ رقم الحديث ۸۴۹، مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۷۴، الترغيب والترهيب لقوام السنة للاصبهاني، رقم الحديث ۲۲۰۱، مسند البزار، رقم الحديث ۱۰۳۳۔
قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

وقال المنذرى: رواه أحمد وفي إسناده رجل لم يسم وأبو يعلى والبزار وله عند البزار طريق لا بأس بها (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۳۷۱۳، الترغيب في العفو عن القاتل والجاني والظالم والترهيب من إظهار الشماتة بالمسلم)

وقال الهيثمي: عند البزار طريق عن أبي سلمة، عن أبيه، وقال: إن الرواية هذه أصح، والله أعلم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۵۷۷، باب ما نقص مال من صدقة)

اس طرح کا مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۱

حضرت ابوبکرؓ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ثَلَاثَةٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ قَالَ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظَلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ قَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النَّيَّةِ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بَنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَخْبَثِ

۱۔ عن أم سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما نقص مال من صدقة، ولا عفا رجل، عن مظلمة إلا زاده الله بها عزا، فاعفوا يعزكم الله، ولا فتح رجل على نفسه باب مسألة إلا فتح الله عليه باب فقر. لم يرو هذا الحديث عن سفيان إلا القاسم بن يزيد الجرمي، وزكريا بن دويد الأشعثي " (المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۱۴۲) ۲۲۷۰، المعجم الصغير للطبراني، رقم الحديث ۱۴۲)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الصغير والأوسط، وفيه زكريا بن دويد، وهو ضعيف جدا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۵۷۹، باب ما نقص مال من صدقة)

عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أعز الله بهجل قط، ولا أذل بحلم قط، ولا نقص مال من صدقة (مسند الشهاب القضاعي، رقم الحديث ۷۷۱، ما أعز الله بهجل قط، معجم ابن الاعرابي، رقم الحديث ۱۱۵۳)

قال المعجلوني: ما أعز الله بهجل قط ولا أذل بحلم قط ولا نقصت صدقة من مال. رواه الديلمي واللفظ له والقضاعي والعسکری عن ابن مسعود رفعه ولفظ القضاعي ولا نقص مال من صدقة، قال ابن الفرس ضعيف (كشف الخفاء ومزيل الألباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، تحت رقم الحديث ۲۱۷۴)

الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ لَمْ يَرْزُقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بَيْنَهُمَا سَوَاءٌ (سنن الترمذی) ۱۔

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین چیزوں پر میں قسم اٹھاتا ہوں، اور تمہیں ایک اہم بات بتلاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، فرمایا کہ کسی بندے کا مال صدقہ (وزکاة) سے کم نہیں ہوتا، اور جس بندے پر بھی کوئی ظلم کیا جاتا ہے، اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اللہ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے، اور جو بندہ بھی سوال کا راستہ کھولتا ہے (یعنی دوسرے سے مانگنا شروع کر دیتا ہے) تو اللہ اس پر فقر اور تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتا ہے، یا نبی علیہ السلام نے اسی طرح کا کوئی اور جملہ فرمایا، اور میں تمہیں ایک اور اہم بات بتلاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، فرمایا کہ دنیا تو چار قسم کے افراد کے لئے ہے، ایک اس بندے کے لئے جس کو اللہ نے مال اور علم دین دونوں کی نعمت عطا فرمائی، تو وہ اس معاملہ میں اپنے رب سے ڈرتا ہے (کہ اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں کرتا، اور علم دین سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے) اور اس علم و مال کی روشنی میں رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس میں اللہ کے حق کو سمجھتا ہے (مثلاً مال کی زکاة وغیرہ ادا کرتا ہے، اور دینی علم سے دوسروں کو تبلیغ، تدریس، اور افتاء وغیرہ کے ذریعہ سے فائدہ پہنچاتا ہے) تو یہ شخص درجات میں چاروں سے افضل ہے، اور دوسرے اس بندے کے لئے دنیا ہے کہ جس کو اللہ نے علم کی نعمت تو عطا فرمائی، لیکن مال عطا نہیں فرمایا، لیکن وہ نیت کا سچا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں

۱۔ رقم الحديث ۲۳۲۵، ابواب الزهد، باب ما جاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر، مسند احمد، رقم

الحديث ۱۸۰۳۱، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۵۵.

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح (ترمذی، حوالہ بالا)

وقال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

فلاں آدمی کی طرح عمل کرتا (جو کہ زکاۃ وغیرہ ادا کرتا ہے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھ کر عمل کرتا ہے) تو یہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے، اور پہلے اور اس آدمی کا ثواب برابر ہے، اور تیسرے اس بندے کے لئے دیا ہے جس کو اللہ نے مال کی نعمت عطا فرمائی، لیکن علم کی نعمت عطا نہیں فرمائی، تو وہ علم کے بغیر اپنے مال کو اپنی شہوت کے مطابق خرچ کرتا ہے، اور اس معاملہ میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا، اور نہ ہی اس مال سے صلہ رحمی کرتا ہے، اور نہ ہی اس مال میں اللہ کے حق (زکاۃ وغیرہ) کو سمجھتا ہے، تو یہ درجات میں سب سے بدتر بندہ ہے۔

اور چوتھے اس بندے کے لئے دیا ہے جس کو اللہ نے نہ تو مال کی نعمت عطا فرمائی، اور نہ علم کی، تو وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اس مال کے سلسلہ میں فلاں بندے کی طرح عمل کرتا (جو کہ مال کو علم کے بغیر اپنی شہوت کے مطابق خرچ کرتا ہے، اور اپنے رب سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے، اور نہ ہی مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے) تو یہ بندہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے، اور اس کا گناہ اور وبال اس پہلے شخص کے برابر ہے (ترمذی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکاۃ و صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے کاموں میں خرچ کرنا بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

اور اس کے برعکس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کاموں میں خرچ کرنا، بلکہ اس کی تمنا کرنا بہت بڑے وبال کا باعث ہے۔ ۱۔

۱۔ (ما نقصت صدقة من مال) ذکر و افیہ وجہین أحدهما معناه أنه يبارك فيه ويدفع عنه المضرات فينجبر نقص الصورة بالبركة الخفية وهذا مدرک بالحس والعادة والثاني أنه وإن ﴿بقية حاشيا﴾ لکے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

زکاة و صدقہ سے مال کا شرڈور اور مال محفوظ ہو جاتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِذَا أَدَّى رَجُلٌ زَكَاةَ مَالِهِ؟

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَن أَدَّى زَكَاةَ مَالِهِ فَقَدْ ذَهَبَ

عَنْهُ شَرُّهُ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۱۵۷۹) ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نقصت صورتہ کان فی الثواب المرتب علیہ جبر لنقصہ و زیادۃ إلى أضعاف كثيرة (شرح النووی علی مسلم، ج ۱ ص ۲۱، کتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع)
(ما نقصت صدقة من مال) قال الطیسی: من هذه یحتمل أن تكون زائدة أى ما نقصت صدقة مالا و یحتمل أن تكون صلة لنقصت والمفعول الأول محذوف أى ما نقصت شیئا من مال فی الدنیا بالبرکة فیہ ودفع المفسدات عنه والإخلاف علیہ بما هو أجدى وأنفع وأكثر وأطیب (وما أنفقتم من شیء فهو یخلفه) أو فی الآخرة بإجزال الأجر وتضعیفه أو فیہما وذلك جابر لأصناف ذلك النقص بل وقع لبعض الکمل أنه تصدق من ماله فلم یجد فیہ نقصا قال الفاکھانی: أخبرنی من أتق به أنه تصدق من عشرين درهما بدرهم فوزنها فلم تنقص. قال: وأنا وقع لی ذلك. وقول الکلاباذی: قد یراد بالصدقة الفرض ویاخر اجها لم تنقص ماله لكونها دینا فیہ بعد لا یخفی (وما زاد الله عبدا بعفو) أى بسبب عفوہ (إلا عزا) فی الدنیا فإن من عرف بالعفو والصفح عظم فی القلوب أو فی الآخرة بأن یعظم ثوابه أو فیہما (وما تواضع أحد لله) من المؤمنین رقا وعبودية فی ائتمار أمره والانتفاء عن نهية ومشاهدته لحقارة النفس ونفی التعجب عنها (إلا رفعه الله) فی الدنیا بأن یشیت له فی القلوب بتواضعه منزلة عند الناس ویجل مكانه وكذا فی الآخرة علی سریر خلد لا یفنی ومنبر ملک لا یبلى ومن تواضع لله فی تحمل مؤن خلقه كفاه الله مؤنة ما یرفعه إلى هذه المقام ومن تواضع فی قبول الحق ممن دونه قبل الله منه مدخول طاعاته ونفعه بقلیل حسناته وزاد فی رفعة درجاته وحفظه بمعقبات رحمته من بین یدیه ومن خلفه واعلم أن من جبلة الإنسان الشح بالمال ومتابعة السبعية من آثار الغضب والانتقام والاسترسال فی الکبر الذى هو نتائج الشیطنة فأراد الشارح أن یقلعها من نسخها فحث أولا على الصدقة لیتحلى بالسخاء والکرم وثانیا على العفو لیتعزز بعز الحلم والوقار وثالثا على التواضع لیرفع درجاته فی الدارين (فیض القدير، تحت رقم الحديث ۸۱۲۰)

۱ قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وإسناده حسن، وإن كان فی بعض رجاله كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۳۴، ج ۳ ص ۶۳، کتاب الزکاة، باب فرض الزکاة)
وقال الالبانی: حسن لغيره (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۷۴۳)

ترجمہ: ایک قوم کے آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب آدمی اپنے مال کی زکاة ادا کر دے تو پھر آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے مال کی زکاة ادا کر دی، تو اس آدمی سے مال کا شرڈور ہو گیا (طبرانی)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَدَيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ أَذْهَبْتَ عَنْكَ شَرَّهُ (صحيح ابن خزيمة) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ نے اپنے مال کی زکاة ادا کر دی تو آپ نے اپنے اوپر سے اس مال کا شرڈور کر دیا (ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی)

اس طرح کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ۲

مال کا شر مختلف طرح کا ہوتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور آخرت کے اعتبار

۱۔ رقم الحديث ۲۲۵۸، كتاب الزكاة، باب ذكر دليل آخر على أن الوعيد للمكنتز هو لمانع الزكاة دون من يؤديها، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۳۹، السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ۷۲۳۸، كتاب الزكاة، باب الدليل على أن من أدى فرض الله في الزكاة. قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه، وشاهده صحيح من حديث المصريين (حواله بالا)

وقال البيهقي: كذا رواه ابن وهب بهذا الإسناد مرفوعاً وكذلك رواه يونس بن عبد الأعلى عن ابن وهب، ورواه عيسى بن مشرود عن ابن وهب من قول أبي الزبير (حواله بالا) وقال الالباني: إسناده ضعيف ابن جريج وأبو الزبير هما مدلسان وقد عنعنا (حاشية ابن خزيمة، حواله بالا)

وقال الالباني ايضاً: ثم وجدت للحديث شاهداً من رواية أبي هريرة بسند حسن، ومن أجله كنت أوردته في "صحيح الترغيب، فهو به قوى، وينقل إلى "الصحيحة". (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۲۲۱۹)

۲۔ عن ابن جريج، أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابراً، يقول: "إذا أديت زكاة كنزك فقد ذهب شره" (السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ۷۲۳۹، كتاب الزكاة، باب الدليل على أن من أدى فرض الله في الزكاة)

قال البيهقي: فذكره موقوفاً وهذا أصح وقد روى بإسناد آخر مرفوعاً.

سے بھی، آخرت کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قبر، حشر اور جہنم میں مختلف عذابوں کا باعث ہوتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے بھی مال میں کئی شر ہوتے ہیں، مثلاً بعض اوقات ڈاکوؤں کی طرف سے مال لوٹنے کی خاطر انسان ہلاک ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات معذور و اپانج ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات لوگوں کو مال والے سے حسد ہو جاتا ہے، جو طرح طرح کے فتنوں کا باعث بنتا ہے، اور بعض اوقات مال و دولت پر کوئی حادثہ آگ، سیلاب، زلزلہ وغیرہ کی شکل میں پیش آ جاتا ہے، اور وہ مال تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

لیکن زکاة ادا کر دینے کے نتیجے میں مختلف قسم کے شرور سے یا جس شر سے اللہ کو منظور یا اس کی حکمت کا تقاضا ہو، حفاظت ہو جاتی ہے۔ ۱۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حَصَّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَذَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَاسْتَقْبِلُوا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالْإِعْزَازِ وَالْتَصَرُّعِ (مراسیل ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۵، ص ۱۲۷، باب فی الزکاة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مالوں کو زکاة کے ذریعہ سے محفوظ کرو، اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کرو، اور بلاؤں کی موجوں کا دعا اور تصرع (یعنی اللہ کے حضور گر گڑا کرنے) کے ذریعہ سے سامنا کرو (مراسیل ابی داؤد)

۱۔ (إذا أدیت زکاة مالک) بکسر الکاف الخطاب لأم سلمة لكنه عام الحكم (فقد أذهبت عنک شره) الدنیوی الذی هو تلفه ومحق البرکة منه والأخری الذی هو العذاب وفی إفهامه أنه إذا لم يؤدها فهو شر علیه فیمثل له شجاع أقرع له زبیتان یطوقه یوم القیامة وتطؤه الغنم بأظلافها وتنطحه بقرونها إلی غیر ذلک من ضروب العذاب المفصلة فی الأخبار ومن کلامهم البدیع: ای مال أدیت زکاته درت برکاته. (ابن خزیمہ) فی صحیحہ (ک) فی الزکاة وقال علی شرط مسلم وأقره الذهبی فی التلخیص (عن جابر) مرفوعاً وموقوفاً. قال الذهبی فی المذهب: والأصح أنه موقوف وقال ابن حجر فی الفتح: إسناده صحیح لكن رجح أبو زرعة رفعه وله شاهد أيضاً (فیض التقدير للمناوی، تحت رقم الحدیث ۳۷۲)

مذکورہ روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسل مروی ہے، یعنی حضرت بصری رحمہ اللہ تابعی ہیں، جنہوں نے درمیان کے واسطہ والے صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے، جس کے پیش نظر بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن بعض حضرات اس طرح کی مرسل حدیث کو حجت سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک یہ حدیث قابل اعتبار ہوگی۔ ۱

۱۔ قال المنذرى: رواه أبو داود في المراسيل ورواه الطبراني والبيهقي وغيرهما عن جماعة من الصحابة مرفوعا متصلا والمرسل أشبه (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۲، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيده وجوبها) أقسام وحكم الحديث المرسل: ينقسم المرسل إلى أربعة أقسام هي: القسم الأول: ما أرسله الصحابي: حكمه أنه مقبول بالإجماع، وذلك للإجماع على عدالة الصحابة الكرام.

القسم الثاني: إرسال القرن الثاني والثالث أي التابعين وتابعيهم، وقد اختلفت آراء العلماء في الاحتجاج به، إذ أنه حجة عند الحنفية والمالكية وأشهر روايتي الحنابلة، إذا كان المرسل عدلا. أما الشافعي فلا يعتبره حجة إلا إذا تأيد بآية، أو سنة مشهورة، أو موافقة قياس صحيح، أو قول صحابي، أو تلقته الأمة بالقبول، أو اشترك في إرساله عدلان، بشرط أن يكون شيخاهما مختلفين، أو ثبت اتصاله بوجه آخر، بأن أسنده غير مرسله، أو أسنده مرسله مرة أخرى. ولقبوت الاتصال بوجه آخر قبلت مراسيل سعيد بن المسيب، لأنها بالتبع وجدت مسندة (أي متصلة مرفوعة إلى النبي صلى الله عليه وسلم) وأكثرها مما سمعه عن عمر بن الخطاب. وهذا ما ذكره الشافعي في احتجاجه بالمرسل أو عدمه.

وأما رأى الإمام أحمد فيتضح بما نقله صاحب شرح روضة الناظر، ومفاده أن للإمام روايتين أشهرهما أنه حجة.

القسم الثالث: ما أرسله العدل من غير القرون الثلاثة: ويعتبر هذا النوع من المراسيل حجة عند أبي الحسن الكرخي، لأن إرسال العدل يقبل في كل عصر، إذ أن العلة التي توجب قبول مراسيل القرون الثلاثة وهي العدالة والضبط، تشمل سائر القرون.

القسم الرابع: ما أرسل من وجه واتصل من وجه آخر، فهو مقبول عند الأكثر، لأن المرسل ساكت عن حال الراوي، والمسند ناطق، والساكت لا يعارض الناطق، مثل حديث: لا نكاح إلا بولي رواه إسرائيل بن يونس مسندا، ورواه شعبة مرسلا. وقال بعض العلماء: لا يقبل هذا النوع من المراسيل، لأن سكوت الراوي عن ذكر المروي عنه بمنزلة الجرح فيه، وإسناد الآخر بمنزلة التعديل، وإذا اجتمع الجرح والتعديل يعمل بالجرح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۹۴، مادة "إرسال")

اور اس طرح کا مضمون حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما کی سندوں سے مروی احادیث میں بھی آیا ہے، جن کی سندوں کو فی نفسہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱

اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

۱۔ أخبرنا أبو علي الروذباري، حدثنا إسماعيل بن محمد الصفار، حدثنا الحسن بن الفضل بن السمح، حدثنا غياث بن كلوب الكوفي، حدثنا مطرف بن سمره بن جندب، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، وردوا نائبة البلاء بالدعاء" غياث هذا مجهول (شعب الإيمان، رقم الحديث ۳۲۸۰، كتاب الزكاة، فصل فيمن آتاه الله مالا من غير مسألة) أخبرنا أبو نصر بن قتادة، حدثنا أبو عمرو بن مطر، حدثنا محمد بن يحيى بن الحسين العمى البصري، ببغداد، حدثنا طالوت بن عباد، حدثنا فضال بن جبیر، عن أبي أمامة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، واستقبلوا أمواج البلاء بالدعاء" (شعب الإيمان، رقم الحديث ۳۲۷۹، كتاب الزكاة، فصل فيمن آتاه الله مالا من غير مسألة)

قال البيهقي: فضال بن جبیر صاحب مناکیر (شعب الإيمان، حوالہ بالا) وقال العجلوني: (حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، وأعدوا للبلاء الدعاء) قال ابن الغرس ضعيف، لكن ورد له شواهد، وقال في المقاصد رواه الطبرانی وأبو نعيم والعسکری والقضاعي عن ابن مسعود مرفوعا، وللطبرانی في الدعاء عن عبادة بن الصامت قال أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قاعد في ظل الحطيم بمكة، فقبل يا رسول الله أتى علي مال لي بسيف البحر فذهب به، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تلف مال في بر ولا بحر إلا بمنع الزكاة، فحزروا أموالكم بالزكاة وداووا مرضاكم بالصدقة وادفعوا عنكم طوارق البلاء بالدعاء فإن الدعاء ينفع مما نزل ومما لم ينزل، ما نزل يكشفه وما لم ينزل يحسه، وللبهقي في الشعب عن أبي أمامة مرفوعا حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، واستقبلوا أمواج البلاء بالدعاء، لكن في سنده فضالة بن جبیر صاحب مناکیر، ورواه الطبرانی وأبو الشيخ عن سمره بن جندب رفعه بلفظه إلا أنه قال وردوا نائبة البلاء بالدعاء بدل الجملة الثانية وفي سنده غياث مجهول، ورواه الديلمي عن ابن عمر رفعه بلفظ داووا مرضاكم بالصدقة، وحصنوا أموالكم بالزكاة، فإنها تدفع عنكم الأمراض والأمراض، قال البيهقي أنه منكر بهذا الإسناد، وفي الباب أيضا مما رواه الديلمي عن أنس مرفوعا ما عولج مريض بدواء أفضل من الصدقة، وغيره مما لا نطيل به (كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، تحت رقم الحديث ۱۱۳۸)

جو مال بھی سمندر اور خشکی میں تلف و ضائع ہوتا ہے، تو وہ زکاة نہ دینے کی وجہ سے ضائع ہوتا ہے، لہذا تم اپنے مالوں کی زکاة کے ذریعہ سے حفاظت کرو (طبرانی وغیرہ) ۱

اس حدیث کی سند کو بھی فی نفسہ غریب و ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ۲

۱۔ حدثنا محمد بن أبي زرة الدمشقي، ثنا هشام بن عمار، ثنا عراك بن خالد بن يزيد، حدثني أبي، قال: سمعت إبراهيم بن أبي عبله، يحدث عن عباد بن الصامت، قال: أتني رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قاعد في الحطيم بمكة، فقبل: يا رسول الله أتني على مال فلان نسيف البحر فذهب به فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما تلف مال في بحر ولا بر إلا بمنع الزكاة فحرزوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، وادفعوا عنكم طوارق البلاء بالدعاء، فإن الدعاء ينفع مما نزل ومما لم ينزل، ما نزل يكشفه وما لم ينزل يحبس (مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ۱۸، الدعاء للطبراني، رقم الحديث ۳۴، الترغيب والترهيب لقيام السنة للأصبهاني، رقم الحديث ۱۴۷۸، معجم ابن عساكر، تحت رقم الحديث ۱۵۴۴، ج ۲ ص ۱۱۸۲)

۲۔ قال ابن عساكر: غريب وإبراهيم لم يدرك عباد (معجم ابن عساكر، تحت رقم الحديث ۱۵۴۴، ج ۲ ص ۱۱۸۲)

وقال الالباني: (ما تَلَفَ مالٌ في بَرٍّ ولا بَحَرٍ إلا بمنع الزكاة، فَحَرَّزُوا أموالكم بالزكاة، وداووا مَرَضَكم بالصدقة، وادفعوا عنكم طَوَارِقَ البلاء بالدعاء، فإن الدعاء ينفع مما نزل، ومما لم ينزل... ما نزل يكشفه، وما لم ينزل يحبسُه). منكر.

أخرجه الطبراني في "الدعاء (۸۰۱/۳۴/۲)" ومن طريقه ابن عساكر في "التاريخ (۵۲۲/۱۱)" من طريق هشام بن عمار: ثنا عراك بن خالد بن يزيد: حدثني أبي قال: سمعت إبراهيم بن أبي عبله عن عباد بن الصامت رضى الله عنه قال: أتني رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قاعد في ظل الحطيم بمكة، فقبل: يا رسول الله! أتني على مال أبي فلان بسيف البحر فذهب، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ... فذكره.

قلت: وهذا إسناد ضعيف، وفيه علتان: الأولى: الانقطاع بين إبراهيم بن أبي عبله وعباد بن الصامت، فإن بين وفاتيهما أكثر من مائة سنة. والأخرى: ضعف عراك بن خالد بن يزيد - وهو: الأُمري الدمشقي -، وهو لين - كما في "التقريب" - وقد أعله أبو حاتم بالعتين كليتهما، وقال: "حديث منكر"، كما كنت ذكرته تحت الحديث (۵۷۵) من رواية عمر مرفوعاً بالشرط الأول من حديث الترجمة، وهذا القدر أخرج الأصبهاني منه في "الترغيب (۱۴۵۱/۶۰۶/۲)" وزاد: "فأحرزوا أموالكم بالزكاة". (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۶۱۶۲)

نیز اس طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ ۱
مگر اس حدیث کی سند کو محدثین و اہل علم حضرات نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲

۱۔ حدثنا أحمد بن عمرو القطراني، ثنا علي بن أبي طالب البزاز، ثنا موسى بن عمير، عن الحكم، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حصنوا أموالكم بالزكاة، وداووا مرضاكم بالصدقة، وأعدوا للبلاء الدعاء (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۰۱۹۶، المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ۱۹۶۳، الدعاء للطبراني، رقم الحديث ۴۸، السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ۲۵۹۳، باب وضع اليد على المريض، والدعاء له بالشفاء، ومداواة بالصدقة)

۲۔ قال البيهقي بعد نقل هذه الرواية: قال أبو عبد الله: تفرد به موسى بن عمير. قال الشيخ: وإنما يعرف هذا المتن عن الحسن البصري عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلًا (السنن الكبرى للبيهقي، حوالہ بالا)

وقال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط والكبير، وفيه موسى بن عمير الكوفي، وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۳۶، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)
وقال ابن عدی: موسى بن عمير القرشي وكان ضريرا قرشيا كوفيا، يكنى أبا هارون. سمعت ابن حماد يذكره عن النسائي.

حدثنا القاسم بن زكريا، حدثنا محمد بن عبيد المحاربي، حدثنا موسى بن عمير عن الحكم عن إبراهيم عن الأسود، عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حصنوا أموالكم بالزكاة وداووا مرضاكم بالصدقة وأعدوا للبلاء بالدعاء.

حدثنا ابن ذريح، حدثنا جبارة، حدثنا أبو هارون موسى بن عمير عن الحكم بن عيينة عن إبراهيم عن الأسود عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلق عيال الله وأحبهم إلى الله من أحسن إلى عياله.

حدثنا أحمد بن حمدون، حدثنا يوسف بن الضحاک، حدثنا علي بن أبي طالب، حدثنا موسى بن عمير، حدثنا الحكم بن عتيبة عن إبراهيم عن الأسود عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم من كان عنده علم فستل عنه فكتمه جاء يوم القيامة ملجما بلجام من نار.

وهذه الأحاديث الثلاثة عن الحكم بهذا الإسناد، ولا أعلم يرويه عن الحكم غير موسى بن عمير..... وموسى بن عمير هذا له غير ما ذكرت أحاديث وعامة ما يرويه مما لا يتابعه الثقات

عليه. (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدی، ج ۸ ص ۵۵، ۵۶، تحت رقم الترجمة ۱۸۱۹)

وقال الذهبي: موسى بن عمير القرشي، أبو هارون الجعدي الكوفي الضير.

عن الحكم بن عتيبة، ومخول بن راشد. وجماعة.

وعنه محمد بن عبيد المحاربي، وعباد الرواحني (وغیرهما)

قال أبو حاتم: ذاهب الحديث كذاب. وقال ابن عدی: عامة ما يرويه لا يتابعه عليه الثقات (میزان

نقیحہ حاشیہ گل صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

پس اس سلسلہ کی بعض روایات تو سند کے لحاظ سے شدید ضعیف ہیں، لیکن بعض روایات شدید ضعیف نہیں ہیں، اور ان کی ایک دوسرے سے تائید بھی ہوتی ہے، اس لئے ایک حد تک ان روایات کے مجموعہ سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ زکاة کی صحیح صحیح ادائیگی سے مال مختلف فتنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اور اسی مضمون کو بعض دوسری احادیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ زکاة سے مال کا شر دور ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الاعتدال فی نقد الرجال، تحت رقم الترجمة ۸۹۰۴

(حصنوا أموالکم بالزکاة) اے! باخراجها فإنہ ما تلف مال فی بئر ولا بحر إلا بمنع الزکاة کما سیجیء فی خبر فداء الزکاة کالحصن للأموال تحرس بها وتحصن بأدائها من آفات عقوبات ترکها (وداؤوا مرضاکم بالصدقة) فإنہا من أنفع الدواء الحسی (وأعدوا للبلاء الدعاء) فإنہ یرد القضاء المعلق وفي رواية واستقبلوا بالبلاء الدعاء فإنہ یرده أى بأن تدعو عند نزول البلاء برفعه فلعلہ عرض ابتلاء لیصل إلیہ التضرع والإبتھال فإنہ تعالیٰ یحب أن یسأل أو بأن یکثر التضرع والالتجاء فی حال عاقبتہ وأمنہ ودعته قبل البلاء عدة لوقت نزوله فیعرف الله منه ذلک فیوفقه للرضی حتی أن بعضهم یراه نعمة فیشکره علیها وهذا حال خواص المؤمنین.

(طب حل خط عن ابن مسعود) قال ابن الجوزی: حدیث لا یصح تفرد به موسى بن عمیر قال ابن عدی: وعامة ما یرویه لا یتابع علیہ اہ وقال الھیثمی: فیہ موسى بن عمیر الکوفی متروک وفي المیزان: أبو حاتم ذاہب الحدیث کذاب وقال ابن عدی: عامة ما یرویه لا یتابع علیہ ثم ساق له أخبارا منها هذا (فیض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحدیث ۳۷۲۸)

وقال الالبانی: (حصنوا أموالکم بالزکاة، وداؤوا مرضاکم بالصدقة، وأعدوا للبلاء الدعاء) ضعیف جداً رواہ الطبرانی فی "المعجم الكبير" (۶۷/۲/۳) و"أبو الغنائم النرسی فی" فوائد الکوفیین (۲۵/۱) "وأبو نعیم فی" الحلیة (۱۰۳/۲) و" (۲۳۷/۳) والخطیب فی "التاریخ (۳۳۳/۶) و" (۲۱/۱۳) والقضاعی (۵۸/۱) وعنہما ابن الجوزی فی "العلل المنتاہیة" (۲/۲) من طریق موسى ابن عمیر عن الحكم عن إبراهیم عن الأسود عن عبد الله بن مسعود مرفوعاً. ومن هذا الوجه رواہ الطبرانی فی "الأوسط" أيضاً (۱/۸۵/۱) من "الجمع بینہ وبين الصغير" وقال: "لم یروہ عن الحكم إلا موسى."

قلت: وهو متروک، كما قال الھیثمی (۶۳/۳) ولذلك قال ابن الجوزی: "لا یصح." وله شاهد عن الحسن البصری مرسلاً، وهو الأشبه. أخرجه أبو داود فی "المراسیل." وله طرق أخرى تجدها فی "المقاصد" للسخاوی (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، تحت رقم الحدیث ۳۴۹۲)

اور زکاۃ کے ذریعہ سے مال کی حفاظت بعض اوقات دنیا کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، اور زکاۃ میں دیئے ہوئے مال کی وجہ سے آخرت میں اجر و ثواب کے ذخیرہ اور محفوظ ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ ۱

اور اس سے قطع نظر دنیا میں بھی بار بار اس کا مشاہدہ کیا جاتا رہتا ہے، کہ جو لوگ اپنے مال کی صحیح صحیح زکاۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں، ان کا مال ایسے حادثات کے موقعوں پر بالکل سلامت رہتا ہے، جبکہ بظاہر اس کے سلامت رہنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، مثلاً آگ لگ گئی، یا سیلاب آ گیا، یا زلزلہ آ گیا وغیرہ۔

زکاۃ و صدقہ، خطا کو بچانے کا ذریعہ ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

الصَّلَاةُ قُرْبَانٌ، وَالصَّوْمُ جَنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ

الْمَاءُ النَّارَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۲۸۳) ۲

ترجمہ: نماز قربان ہے، اور روزہ (گناہوں اور شیطانی حملوں وغیرہ

۱ (حصنوا أموالکم بالزکاۃ) اے بتزکیتھا (وداوا و امراضکم بالصدقة) یعنی صدقہ التطوع مہما ممکن طلبا للشفاء بها فإنها نعم الدواء (واستعينوا على حمل البلاء بالدعاء) إلى الله (والتضرع) إليه فإنه يرفعه أو يسهل وقوعه كما سيأتي قال بعضهم: إنما أمر بتحصين المال بالزکاۃ لأن للمال مستحقين المساكين والحوادث فالمطالب بحق الفقراء هو الله والحوادث تأتي بها الأقدار فمن زكى فقد أَرْضَى الله فيجوز أن ترفع المقادير نزول الحوادث بمن أدى حق الله وقد قال (يمحو الله ما يشاء ويثبت) أى يوقع الحوادث بها ليرفعهما عنده ويخلق منها قال تعالى: (ما عندكم يفتن وما عند الله باق) فالزکاۃ حصن لها إن بقيت وهى لها أحسن إن حصلت عند الله. (دفعى مراسيله عن الحسن) وأسند البیهقى وغيره من وجوه ضعيفة (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۳۷۲۹)

۲ قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى على شرط مسلم، رجاله ثقات غير ابن خثيم (حاشية مسند احمد)

سے بچاؤ کے لئے ڈھال (اور ذریعہ) ہے، اور صدقہ (وزکاة) خطا (و گناہ) کو بھادیتی ہے، جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (مسند احمد)

قرآن مجید کے مضمون سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ زکاة گناہوں کی معافی کا باعث ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ. لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (سورة المائدة، رقم الآية ۱۲)

ترجمہ: اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرو گے نماز کو اور ادا کرو گے زکاة کو، اور ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر، اور ان کا ساتھ دو گے، اور قرض دیتے رہو گے اللہ کو اچھے طور پر، تو میں ضرور معاف کر دوں گا تمہارے گناہ، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا کہ جاری ہوں گی، اس کے نیچے سے نہریں (سورہ مائدہ)

اللہ کو قرض دینے سے مراد، اللہ کے راستہ میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ہے، بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاة کی ادائیگی، گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔

زکاة ادا کرنا، عذاب سے بچنے اور پاکی کا ذریعہ ہے

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْصَاحًا مِنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَكُنْزُ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدِّيَ زَكَاتَهُ، فَرَجَّيْ فَلَيْسَ بِكُنْزٍ (سنن ابی داؤد) ۱

۱۔ رقم الحديث ۱۵۶۲، کتاب الزکاة، باب الكنز ما هو؟ وزکاة الحلی، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۳۳۸، سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۱۹۵۰، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۱۳.

قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط البخاری، ولم يخرجاه.

وقال الالبانی: حسن (صحيح الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ۵۵۸۲)

ترجمہ: میں خاص سونے کا زیور پہنتی تھی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ کیا یہ کنز ہے (جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عذاب کی وعید سنائی ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر اس کی مقدار اتنی ہو کہ جس کی زکاۃ دی جاتی ہے، اور پھر اس کی زکاۃ دے دی جائے، تو یہ کنز نہیں ہے (جس پر آخرت میں عذاب ہو) (ابوداؤد، حاکم)

حضرت خالد بن اسلم سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللَّهِ: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ، وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَنْ كَنَزَهَا، فَلَمْ يُوَدِّ زَكَاتَهَا، فَوَيْلٌ لَهُ، إِنَّمَا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أَنْزَلَتْ جَعَلَهَا اللَّهُ طَهْرًا لِلْأَمْوَالِ (بخاری) ۱

ترجمہ: ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے، تو ایک دیہاتی نے کہا کہ ہمیں (سورہ توبہ میں مذکور) اللہ کے اس ارشاد کے بارے میں خبر دیجئے کہ:

”وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“

(یعنی جو لوگ سونے، چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کی پٹھیں داغی جائیں گی، یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے فائدے کے لئے جمع کیا تھا، تو تم جو جمع کر کے رکھتے تھے، اس کا مزہ چکھو)

تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اس سونے چاندی وغیرہ کو جمع

کر کے رکھا، پھر اس کی زکاة نہیں دی، تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے، بس یہ (جمع کر کے رکھنے پر عذاب والی) بات زکاة کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی، پھر جب زکاة کا حکم نازل ہو گیا، تو اللہ نے اس زکاة کو مالوں کی پاکی کا ذریعہ بنادیا (بخاری)

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح مروی ہے کہ:

مَنْ كَسَنَ زَهًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا، فَوَيْلٌ لَهُ، إِنَّمَا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللَّهُ طَهُورًا لِلْأَمْوَالِ، ثُمَّ انْتَفَتْ فَقَالَ: مَا أَبَالِي لَوْ كَانَ لِي أَحَدٌ ذَهَبًا، أَعْلَمُ عَدَدَهُ وَأَزْكِيهِ، وَأَعْمَلُ فِيهِ بِطَاعَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (سنن ابن ماجہ) ۱

ترجمہ: جو مال جمع کر کے رکھے اور زکاة ادا نہ کرے، تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے، یہ وعید زکاة کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے، پھر جب زکاة کا حکم آ گیا، تو اللہ نے اس زکاة کو مال کی پاکی کا ذریعہ بنادیا، پھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہو، مجھے اس کی مقدار معلوم ہو اور میں زکاة ادا کر کے اللہ کی مرضی کے مطابق اسے خرچ کروں تو مجھے (اتنا زیادہ مال، اپنے پاس ہونے کا کوئی ڈر اور) کوئی پرواہ نہیں (ابن ماجہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس مال کی زکاة ادا نہ کی جائے، تو وہ مال آخرت میں عذاب کا باعث ہوتا ہے، اور زکاة ادا کر دینے سے اس مال کے آخرت میں عذاب کا باعث ہونے

۱۔ رقم الحديث ۱۷۸۷، ابواب الزکاة، باب ما أدى زکاته ليس بكنز.

قال شعيب الانزوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن، ابن لهيعة - وهو عبد الله، وان كان سيء الحفظ - رواه عنه هنا عبد الله بن وهب، وهو أحد العبادة الذين تقرر عند أهل العلم أن سماعهم منه صحيح، ومع هذا فقد توبع.

وأخرجه البخاري تعليقاً بصيغة الجزم (۱۴۰۴) قال: قال أحمد بن حنبل بن سعيد: حدثنا أبي، عن يونس، عن ابن شهاب، به (حاشية ابن ماجہ)

سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَى رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي ذُو مَالٍ كَثِيرٍ وَذُو أَهْلٍ وَوَلَدٍ وَحَاضِرَةٍ فَأَخْبِرْنِي كَيْفَ أَنْفِقُ وَكَيْفَ أَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُخْرِجُ الزَّكَاةَ مِنْ مَالِكَ فَإِنَّهَا طَهْرَةٌ تُطَهِّرُكَ وَتَصِلُ أَقْرَبَاءَكَ وَتَعْرِفَ حَقَّ السَّائِلِ وَالْجَارِ وَالْمُسْكِينِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقِلُّ لِي قَالَ فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (مسند احمد) ۱

ترجمہ: بنی تمیم قبیلے کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں بہت زیادہ مالدار ہوں، اور میرے اہل و عیال اور افراد بھی بہت ہیں، تو مجھے یہ بتلائیں کہ میں کس طرح خرچ کروں اور کس طرح عمل کروں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنے مال کی زکاة نکالیں، کیونکہ وہ پاکی کا ذریعہ ہے، وہ آپ کو (گناہوں سے) پاک کر دے گا، اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی (اور نیک سلوک کریں اور سوال کرنے والے اور پڑوسی اور غریب کے حق کو پہچانیں، تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے لئے کچھ کم کر دیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) پڑھی کہ:

”فَاتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا“
(جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) پس ادا کیجئے! رشتہ دار کو، اُس کا حق اور مسکین کو اور مسافر

۱۔ رقم الحدیث ۲۳۹۴، واللفظ لہ، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۸۸۰۲، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۳۷۴۔

کو بھی، اور آپ فضول خرچی نہ کیجئے (مسند احمد)

اس حدیث کی سند درست ہے۔ ۱

اور بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲

۱۔ عن أنس بن مالك رضى الله عنه، ثنا أن رجلا قال: يا رسول الله، إني ذو مال كثير، وذو أهل وولد، فكيف يجب لى أن أصنع أو أنفق قال: أاد الزكاة المفروضة طهرة تطهرك وآت صلة الرحم، وأعرف حق السائل والجار والمسكين وابن السبيل قال: يا رسول الله، أقلل لى. قال: فآت ذا القربى حقه، والمسكين، وابن السبيل، ولا تبذر تبذيرا قال: يا رسول الله، إذا أديت الزكاة إلى رسول الله فقد أديتها إلى الله وإلى رسوله؟ قال: نعم، إذا أديتها إلى رسوله فقد أديتها، ولك أجرها، وعلى من بدلها إثمها (مسند ترك حاكم، رقم الحديث ۳۳۷۴)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه. وقال الذهبي فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم.

وقال المنذرى: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۰۴، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيده وجوبها) وقال الهيثمى: رواه أحمد، والطبرانى فى الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۳۲، باب فرض الزكاة)

وقال شعيب الارنؤوط: رجاله ثقات رجال الشيخين، لكن قيل فى رواية سعيد بن أبى هلال عن أنس: إنها مرسلة. لىث: هو ابن سعد، وخالد بن يزيد: هو الجمحى أبو عبد الرحيم المصرى. وأخرجه الحاكم (۳۶۰/۲ - ۳۶۱) من طريق أبى الوليد الطيالسى، عن الليث بن سعد، بهذا الإسناد. وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي (حاشية مسند احمد)

۲۔ چنانچہ جناب ناصر الدین البانى صاحب نے اس حدیث کو دو وجہ سے ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے بقول حضرت سعید بن ابی ہلال اور حضرت انس کے درمیان انقطاع پایا جاتا ہے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ ان کے بقول سعید بن ابی ہلال کو اختلاط ہو گیا تھا، جیسا کہ یحییٰ اور احمد بن حنبل نے فرمایا ہے۔

أد الزكاة المفروضة، فإنها طهرة تطهرك، وآت صلة الرحم، وأعرف حق السائل، والجار، والمسكين، وابن السبيل، ولا تبذر تبذيرا. "ضعيف.

أخرجه الحاكم (۳۶۰/۲) وأحمد (۱۳۶/۳) من طريق الليث بن سعد عن خالد بن يزيد عن سعيد بن أبى هلال عن أنس بن مالك رضى الله عنه:

"أن رجلا قال: يا رسول الله، إني ذو مال كثير، وذو أهل وولد، فكيف يجب لى أن أصنع أو أنفق؟ قال: "... فذكره. وقال الحاكم:

"صحيح على شرط الشيخين. "ووافقه الذهبي.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگانے سے ہمیں اتفاق نہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واقول : کلا، فإن (سعید بن ابی ہلال عن انس) ، منقطع، كما فی "التهذيب"، وكان مع ذلك قد اختلط، ولهذا قال ابن حزم فی "الفصل فی الملل والنحل (۹۵/۲) " : "ليس بالقوی، قد ذكره بالتخليط یحیی وأحمد بن حنبل " (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، تحت رقم الحدیث ۲۱۹۰)

۱۔ چنانچہ ہمیں البانی صاحب کی مذکورہ دونوں باتوں سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ سعید بن ابی ہلال امام اور حافظ الحدیث اور ثقہ ہیں، اور ان پر جو جرح کی گئی ہے، وہ غیر مستند و غیر موثر ہے، رہا ان کے حضرت انس سے سماعت کا معاملہ تو وہ بھی مختلف فیہ ہے، اور اس سے قطع نظر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال سن اکیانوے یا تیرانوے ہجری میں ہوا، جبکہ سعید بن ابی ہلال کی ولادت ابن یونس کے بقول سن ستر ہجری میں ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت ان کی عمر اکیس، بائیس یا تیس سال ہوگی، اور اتنی عمر میں سماعت ممکن ہے، اور سماعت کے لئے یہ امکان کافی ہے۔ اور اگر سماعت بھی ثابت نہ ہو تب بھی مرسل حدیث کئی فقہاء کے نزدیک حجت ہے، اور بعض کے نزدیک مخصوص شرائط کے ساتھ ہی حجت ہے۔

سعید بن ابی ہلال الامام الحافظ الفقیہ، أبو العلاء اللیثی، مولا ہم المصری أحد الثقات (سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۰۳)

سعید بن ابی ہلال اللیثی، أبو العلاء المصری، مولی عروة بن شیبم اللیثی، ویقال : أصله من المدینة..... قال أبو حاتم : لا بأس به. وذكره ابن حبان فی کتاب "الثقات" ذکر أبو سعید بن یونس، عن ابن لهیعة : أنه ولد بمصر سنة سبعین، ونشأ بالمدينة ثم رجع إلى مصر فی خلافة هشام. وقال أبو سعید : یقال : مات سنة خمس وثلاثین ومئة. وقال غیره : مات سنة ثلاث وثلاثین. وقال ابن حبان : مات سنة تسع وأربعین ومئة. روى له الجماعة. (تهذيب الكمال، جلد ۱۱، ص ۹۴)

(الستة) سعید بن ابی ہلال اللیثی مولا ہم أبو العلاء المصری یقال أصله من المدینة. روى عن جابر و انس مرسلا وزید بن أسلم وأبى الرجال محمد بن عبد الرحمن و ربیعة..... قال أبو حاتم لا بأس به وقال ابن یونس ولد بمصر سنة ۷۰ ونشأ بالمدينة ثم رجع إلى مصر فی خلافة هشام. قال ویقال توفي سنة خمس وثلاثین ومائة وقال غیره مات سنة ۳۳ وقال ابن حبان فی الثقات مات سنة ۱۴۹ قلت : وحديثه عن جابر أورده البخاری معلقا متابعه ووصله الترمذی وقال هذا مرسل سعید بن ابی ہلال لم یدرک جابرا وقال خلف فی الاطراف لم یسمع من جابر وقال ابن سعد كان ثقة إن شاء الله وقال الساجی صدوق كان احمد یقول ما ادری أى شیء یخلط فی الاحادیث وقال العجلی بصری ثقة وثقه ابن خزيمة والدارقطنی والبیہقی والخطیب وابن عبد البر وغیرهم وقال ابن ابی حاتم سمعت أبی یقول لم یسمع سعید من أبی سلمة بن عبد الرحمن وقال ابن حزم ليس بالقوی ولعله اعتمد على قول الامام أحمد فيه. وقرأت بخط السبکی الكبير أفادنا مسعود ﴿بقية حاشيا لکے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة انسان سے گناہوں کی پاکیزگی کا ذریعہ بھی ہے۔

زکاة ادا نہ کرنے سے دنیا میں بارش و فصل کی کمی کا عذاب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ
الْمُهَاجِرِينَ، خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحارثی أن اسم أبي هلال والد سعيد هذا مرزوق وكان مسعود يقول هو من خبايا الزوايا (تهذيب
التهذيب ج ۴، ص ۸۳)

سعيد بن أبي هلال الليثي مولاهم أبو العلاء المصري نزيل المدينة أحد المكثرين عن جابر مرسلًا
ثقة ثبت ضعفه بن حزم وحده (لسان الميزان، ج ۳، ص ۲۰۷)

سعيد بن أبي هلال الليثي من أهل المدينة سكن مصر وكان أحد المتقنين وأهل الفضل في الدين
مات سنة تسع وأربعين ومائة مشاهير علماء الأمصار، لابن حبان، ج ۱، ص ۳۰۱

ومن موالیه سعيد بن أبي هلال أبو العلاء مولى عروة بن شبيب - ذكر ذلك سعيد بن عفير، وقد لقي
أنس بن مالك وفي روايته عنه: سمعت، وقد روى عنه خالد بن يزيد وعمرو بن الحارث والليث
بن سعد وغيرهم، ويقال توفي سنة خمس وثلاثين ومائة (إكمال الكمال، الأمير الحافظ ابن
ماكولا، ج ۵، ص ۴۱)

سعيد بن أبي هلال أبو العلاء الليثي المدني أخرج البخاري في الوضوء والتفسير والحدود وغير
موضع عن خالد بن يزيد وعمرو بن الحارث عنه عن نافع وزيد بن أسلم ونعيم المجرم وربيعة
الرأي وهلال بن أسامة ولد بمصر سنة سبعين ونشأ بالمدينة ثم رجع إلى مصر وتوفي في سنة ثلاثين
ومائة قال أبو حاتم لا بأس به (التعديل والتجريح لمن خرج عنه البخاري في الجامع
الصحيح، ج ۳، ص ۲۴۲، للباजी)

سعيد بن أبي هلال المؤذن مولاهم أبو العلاء المصري قيل مدني الأصل وقال بن يونس بل نشأ بها
صديق لم أر لابن حزم في تضعيفه سلفاً إلا أن الساجي حكى عن أحمد أنه اختلط من السادسة مات
بعد الثلاثين وقيل قبلها وقيل قبل الخمسين بسنة (تقريب التهذيب، ج ۱، ص ۳۶۶)

واختلف في وقت وفاته (أي أنس بن مالك، ناقل) فقيل سنة إحدى وتسعين هذا قول الواقدي وقيل
أيضاً سنة اثنين وتسعين وقيل سنة ثلاث وتسعين قاله خليفة ابن خياط وغيره وقال خليفة مات أنس
بن مالك سنة ثلاث وتسعين وهو ابن مائة سنة وثلاث سنين وقيل كانت سنه إذ مات مائة سنة
وعشر سنين (الإستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر، ج ۱، ص ۳۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونَ
وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَصَّتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ
يَنْقُضُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أَخَذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمُؤُونَةِ
وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ
مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْ لَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمَطَّرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللَّهِ وَعَهْدَ
رَسُولِهِ، إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوا بِعُضِّ مَا فِي
أَيْدِيهِمْ. وَمَا لَمْ تَحْكَمْ أَيْمَتُهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ،
إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ (سنن ابن ماجه) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ اے
جماعتِ مہاجرین پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں
اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو، اول یہ کہ جس قوم میں فحش (و بے حیائی کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقول الترمذی: إن مولاہ المطلب بن عبد اللہ بن حنطب، لا يعرف له سماع من جابر، وقول
البخاری للترمذی: لا أعرف له سماعاً من أحد من الصحابة إلا قوله: حدثني من شهد خطبة رسول
الله صلى الله عليه وسلم، ليس في شيء من ذلك ما يقتضي رد روايته، لما قدمنا في سورة النساء
من أن التحقيق هو الاكتفاء بالمعاصرة. ولا يلزم ثبوت اللقي، وأخرى ثبوت السماع، كما أوضحه
الإمام مسلم بن الحجاج -رحمه الله تعالى- في مقدمة صحيحه، بما لا مزيد عليه..... ومذهب
مسلم بن الحجاج الذي ادعى في مقدمة صحيحه الإجماع فيه أنه لا يشترط في اتصال الحديث
اللقاء، بل يكفي بإمكانه، والإمكان حاصل قطعاً، ومذهب علي بن المديني، والبخاري، والأكثرين
اشتراط ثبوت اللقاء، فعلى مذهب مسلم الحديث متصل، وعلى مذهب الأكثرين يكون مراسلاً
لبعض كبار التابعين، وقد سبق أن مرسل التابعي الكبير يحتج به عندنا إذا اعتضد بقول الصحابة. أو
قول أكثر العلماء، أو غير ذلك مما سبق. وقد اعتضد هذا الحديث، فقال به من الصحابة رضي
الله عنهم (أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن، ج ۱، ص ۴۳۲، سورة المائدة، لمحمد الأمين
بن محمد المختار بن عبد القادر الجكني الشنقيطي "المتوفى ۱۳۹۳ھ")

۱۔ رقم الحديث ۴۰۱۹، ابواب الفتن، باب العقوبات.

قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية ابن ماجه)

کام اور باتیں) کھلے عام ہونے لگتی ہیں، تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط مصائب اور حکمرانوں کے ظلم و ستم میں مبتلا کر دی جاتی ہے اور جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکاة نہیں دیتی تو بارش روک دی جاتی ہے اور اگر چوپائے (وجانور) نہ ہوتے، تو ان پر بارش ہی نہ برستی اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ غیروں کو ان پر مسلط فرما دیتا ہے، جو اس قوم سے عداوت رکھتے ہیں، پھر وہ ان کے اموال چھین لیتے ہیں اور جب مسلمان حکمران، کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بلکہ اللہ کے نازل کردہ نظام میں (مرضی کے کچھ احکام) اختیار کر لیتے ہیں (اور باقی چھوڑ دیتے ہیں) تو اللہ اس قوم کو (خانہ جنگی اور) باہمی اختلافات میں مبتلا فرما دیتا ہے (ابن ماجہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبُهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا (مسند البزار) ۱

ترجمہ: اور جو لوگ بھی اپنے مالوں کی زکاة روک لیتے ہیں، تو ان سے آسمان کی بارش کو روک لیا جاتا ہے، اور اگر چوپائے (وجانور) نہ ہوں تو ان کو بالکل بھی بارش نہ دی جائے (بزار)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ بِخَمْسٍ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا خَمْسٌ بِخَمْسٍ؟ قَالَ: مَا نَقَضَ قَوْمُ الْعَهْدِ إِلَّا سُلْطَ

۱۔ رقم الحديث ۶۱۷۵، ج ۲ ص ۳۱۵، مسند ابن عباس رضی اللہ عنہما.

قال الهيثمي: رواه البزار ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۶۱۵، باب ما نهى عن قتله من النساء وغير ذلك)

عَلَيْهِمْ عَذُوبُهُمْ، وَمَا حَكَمُوا بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْفَقْرُ،
وَلَا ظَهَرَتْ فِيهِمُ الْفَاحِشَةُ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا طَفَّفُوا
الْمِكْيَالَ إِلَّا مِنْهُوَ النَّبَاتُ وَأَخَذُوا بِالسِّنِينَ، وَلَا مَنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا
حُبْسَ عَنْهُمْ الْفَطْرُ (المعجم الكبير للطبرانی) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے
بدلے میں آتی ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ کونسی پانچ چیزیں ہیں، جو پانچ
چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تو
یہ کہ جو لوگ بھی عہد توڑتے ہیں، تو اس کے بدلے میں اُن پر، ان کے دشمنوں کو
مسلط کر دیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ بھی اللہ کے نازل کردہ حکموں کو توڑتے ہیں تو اس کے
بدلے میں ان میں فقر و افلاس پھیل جاتا ہے۔

اور تیسرے یہ کہ جب بھی کسی قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے، تو اس کے بدلے
میں اُن میں موت عام ہو جاتی ہے۔

اور چوتھے یہ کہ جو لوگ بھی ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، تو اس کے بدلے میں یہ
لوگ پیداوار کی کمی اور قحط سالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور پانچویں یہ کہ جو لوگ بھی زکاة کو روکتے ہیں (یعنی ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کرتے)

۱۔ رقم الحديث ۱۰۹۹۲، ج ۱۱ ص ۴۵۔

قال المنذرى: رواه الطبرانی في الكبير وسنده قريب من الحسن وله شواهد. السنين جمع سنة
وهي العام المقطع الذي لم تنبت الأرض فيه شيئا سواء وقع قطر أو لم يقع (الترغيب والترهيب،
تحت رقم الحديث ۱۱۴۶، ج ۱ ص ۳۰۹، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيدها
وجوبها)

وقال الهيثمي: رواه الطبرانی في الكبير، وفيه إسحاق بن عبد الله بن كيسان المروزي، لينه
الحاكم، وبقية رجاله موثقون، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، ج ۳ ص ۲۵، رقم الحديث ۴۳۳۶،
كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

تو اس کے بدلے میں اُن سے بارش روک لی جاتی ہے (طبرانی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَضَ قَوْمٌ أَلْعَهْدَ قَطُّ إِلَّا كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ وَلَا ظَهَرَتْ أَلْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ وَلَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا حَبَسَ اللَّهُ عَنْهُمْ الْقَطَرَ (مستدرک حاکم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم بھی کبھی عہد توڑتی ہے، تو اُن کے درمیان قتل عام ہو جاتا ہے، اور جب بھی کسی قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے، تو اللہ اُن پر موت کو مسلط فرما دیتا ہے، اور جو قوم بھی زکاة کو روکتی ہے تو اللہ اُن سے بارش کو روک لیتا ہے (حاکم)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا ابْتَلَاهُمُ

۱۔ رقم الحديث ۲۵۷۷، ج ۲ ص ۱۳۶، کتاب الجہاد، شعب الایمان، رقم الحديث ۳۰۴۰، السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم الحديث ۶۳۹۷، مسند البزار، رقم الحديث ۴۴۶۳۔
قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه " وقال الذہبی: على شرط مسلم.

وقال الهیثمی: رواه البزار، ورجاله رجال الصصحیح غیر رجاء بن محمد وهو ثقة (مجمع الزوائد تحت رقم الحديث ۱۲۱۵۰، کتاب الفتن، باب فی ظهور المعاصی)

وقال الالبانی: ما نقض قوم العهد قط إلا كان القتل بينهم، وما ظهرت فاحشة في قوم قط إلا سلط الله عز وجل عليهم الموت، ولا منع قوم الزكاة إلا حبس الله عنهم القطر. "رواه الحاکم (۱۲۶/۲) والبیہقی (۳۴۶/۳) من طریق بشیر بن مہاجر عن عبد الله بن بريدة عن أبيه. وقال الحاکم: "صحيح على شرط مسلم"، ووافقه الذہبی. قلت: وهو كما قال، غير أن بشيرا هذا قد تكلم فيه من قبل حفظه، وفي "التقريب" أنه صدوق لين الحديث. وقد خولف في إسناده، فقال البيهقي عقبه:

"كذا رواه بشير بن المہاجر "..... وبالجملة فالحديث بهذه الطرق والشواهد صحيح بلا ريب، وتوقف الحافظ ابن حجر في ثبوته إنما هو باعتبار الطريق الأولى. والله أعلم. (سلسلة

الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۰۷، ملخصاً)

اللہُ بِالسَّيِّئِينَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۴۵۷۷) ۱
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے بھی زکاة کو روکا تو اللہ،
اس کو قحط سالی میں مبتلا فرمادیتا ہے (طبرانی)

اس طرح کی احادیث و روایات اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ۲
البتہ اس طرح کی بعض دوسری روایات سند کے اعتبار سے غیر معتبر بھی ہیں۔ ۳

۱۔ قال الطبرانی: لم يرو هذا الحديث عن فضيل بن مرزوق إلا سليمان بن موسى، تفرد به: مروان بن محمد الطاطري (المعجم الاوسط، حوالہ بالا)
وقال المنذري: رواه الطبراني في الاوسط ورواته ثقات (الترغيب والترهيب ج ۱ ص ۳۰۹، تحت رقم الحديث ۱۱۴۵، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيدها وجوبها)
وقال الهيثمي: رواه الطبراني في الاوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۵۰، ج ۳ ص ۶۶، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)
وقال الالباني: قلت: مروان ثقة، وسليمان بن موسى أبو داود الكوفي صويلح كما قال الذهبي، وفضيل إن كان ابن مرزوق ففيه ضعف، وإن كان ابن غزوان فهو ثقة احتج به الشيخان، فإن كان هو راوي الحديث فهو حسن إن شاء الله تعالى. وقد قال المنذري (۲۷۰/۱) بعد ما عزا للطبراني: "ورواته ثقات." وبالجمله فالحديث بهذه الطرق والشواهد صحيح بلا ريب، وتوقف الحافظ ابن حجر في ثبوته إنما هو باعتبار الطريق الأولى. والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۰۷)

۲۔ عن ابن عباس، قال " ما نقض قوم العهد إلا سلط الله عليهم عدوهم، ولا فشت الفاحشة في قوم إلا أخذهم الله بالموت، وما طفف قوم الميزان إلا أخذهم الله بالسنين، وما منع قوم الزكاة إلا منعهم الله القطر من السماء، وما جار قوم في حكم إلا كان البأس بينهم -أظنه قال- والقتل كذا " -قال: عن ابن عباس موقوفا (شعب الايمان، رقم الحديث ۳۰۳۹)

قال الالباني: عن عبد الله بن بريده عن ابن عباس قال " ما نقض قوم العهد إلا سلط الله عليهم عدوهم، ولا فشت الفاحشة في قوم إلا أخذهم الله بالموت، وما طفف قوم الميزان إلا أخذهم الله بالسنين، وما منع قوم الزكاة إلا منعهم الله القطر من السماء، وما جار قوم في حكم إلا كان البأس بينهم -أظنه قال- والقتل " -قلت: وإسناده صحيح وهو موقوف في حكم المرفوع، لأنه لا يقال من قبل الرأي (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۰۷)

۳۔ عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " إن السلطان ظل الله في الأرض، يأوى إليه كل مظلوم من عباده، فإذا عدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر، وإذا جار كان عليه الإصر وعلى الرعية الصبر، وإذا جارت الولاة قحطت السماء، وإذا

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة نہ دینے پر تہی ہوئی چٹانوں سے داغے جانے کا عذاب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ صَاحِبٍ كَنْزٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهُ، إِلَّا أُحْمِيَ عَلَيْهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُجْعَلُ صَفَائِحُ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبَاهُ، وَجَبِينُهُ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مَقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، ثُمَّ يَرَى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ

(مسلم، رقم الحديث ۹۸۷، ۲۶، کتاب الزکاة، باب الم منع الزکاة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی مال کا مالک جو کہ اس کی زکاة ادا نہیں کرتا، مگر اس کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، اور اس کو چٹانوں کی طرح بنا کر اس سے اس کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی کو داغا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ (بروز قیامت) اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے (اس وقت تک وہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا) اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پھر اس کو جنت یا جہنم کی طرف (جس طرح اللہ کو منظور ہوگا) راستہ دکھایا جائے گا (مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منعت الزکاة هلکت المواشی، وإذا ظهر الزنا ظهر الفقر والمسکنة، وإذا خفرت الذمة أذیل الکفار "رواه ابن خزيمة، عن یونس بن عبد الأعلى، عن بشر بن بکر، وأبو المهدی سعید بن سنان ضعيف عند أهل العلم بالحديث (شعب الایمان، رقم الحديث ۶۹۸۳، مسند البزار، رقم الحديث ۵۳۸۳)

قال الهیثمی: رواه البزار، وفيه سعید بن سنان أبو مهدی، وهو متروک (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۹۹۸، باب فی العدل والجور)

وقال الالبانی: موضوع (السلسلة الضعيفة مختصرة، تحت رقم الحديث ۶۰۴)

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- مَا مِنْ صَاحِبٍ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيُرَى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ (مسلم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی سونے کا مالک اور نہ چاندی کا مالک جو کہ اس میں سے اس کا حق (یعنی زکاة) ادا نہیں کرتا، مگر قیامت کے دن آگ کی چٹانیں اس کے لئے بچھائی جائیں گی، اور جہنم کی آگ سے انہیں گرم کر کے اس کے پہلو، پیشانی، اور سینہ پر داغ لگائے جائیں گے، جب یہ چٹانیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، تو پھر دوبارہ گرم کر لی جائیں گی، قیامت کے اس دن برابر یہ کام ہوتا رہے گا، جس دن کی مقدار کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، بالآخر جب بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا، تو اسے اُس کا یا تو جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا یا پھر جہنم کا (مسلم)

اس حدیث سے سونے چاندی وغیرہ کی زکاة ادا نہ کرنے پر قیامت کے دن شدید عذاب کا ہونا معلوم ہوا۔ ۲

یہ عذاب تو صرف قیامت کے دن سے متعلق ہے، جس کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے، اتنے عرصہ دراز تک عذاب میں مبتلا رہنا بھی کوئی کم عذاب نہیں ہے، اور اس کے بعد

۱۔ رقم الحديث "۹۸۷" ۲۴، کتاب الزکاة، باب اثم مانع الزکاة.

۲۔ (من نار) أى يجعل له صفائح من نار، أو يجعل الذهب والفضة صفائح من نار، أى يجعل صفائح كأنها نار، أو كأنها مأخوذة من نار، یعنی كأن الذهب والفضة لفرط إحمائها وشدة حرارتها صفائح النار، وهذا التأويل يوافق ما فى التنزيل، حيث قال تعالى: (يوم يحمى عليها فى نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لأنفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون) (مراقبة المفاتيح، ج ۲ ص ۲۶۲، کتاب الزکاة)

پتہ نہیں کہ کتنا عذاب ہو، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے، اگر زکاة میں کوتاہی کا گناہ زیادہ اور بڑا ہوگا، تو پھر عذاب کا سلسلہ آگے بھی بڑھ سکتا ہے۔

قیامت کے دن کی اس پچاس ہزار سال کی مقدار کا قرآن مجید میں بھی ذکر آیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (سورة المعارج، رقم الآية ۴)

ترجمہ: اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی (سورة معارج)

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر قیامت کے دن کی مقدار ہزار سال کے برابر بیان کی گئی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (سورة آلہ السجدة، رقم الآية ۵)

ترجمہ: اس دن کی مقدار تمہارے شمار کردہ دنوں کے حساب سے ایک ہزار سال

کے برابر ہے (سورة آلہ السجدة)

قیامت کے دن کی مختلف بیان کردہ مقداروں میں دراصل باہم کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ قیامت کے دن کا لمبا اور مختصر ہونا ہر شخص کے عمل کے اعتبار سے ہوگا، نیک لوگوں کے حق میں یہ دن مختصر ہوگا، اور بددینوں کے حق میں اپنے اپنے عمل کے حساب سے طویل اور لمبا ہوگا۔ ۱

۱۔ وجہ التطبيق بين الحديثين ان يوم القيامة يختلف طوله بالنسبة الى الاشخاص يكون ذلك اليوم على بعض الناس مقدار خمسين الف سنة وعلى بعضهم مقدار الف سنة وعلى بعضهم أخف من ايام الدنيا اخرج الحاكم والبيهقي عن ابى هريرة مرفوعا وموقوفا طول ذلك اليوم على المؤمنين كمقدار بين الظهر والعصر - وكذا ذكر البغوى قول ابراهيم التيمي واخرج ابو يعلى وابن حبان والبيهقي بسند حسن عن ابى سعيد قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يوم كان مقداره خمسين الف سنة ما أطول هذا اليوم فقال والذي نفسى بيده انه ليخفف على المؤمن حتى يكون أهون عليه من الصلاة المكتوبة يصلحها فى الدنيا (التفسير المظهرى، سورة آلہ السجدة، تحت رقم الآية ۵)

زکاۃ ادا نہ کئے جانے والا مال زہریلا ناگ بن جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ
مِثْلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ رَبِّبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ
يَأْخُذُ بِلَهْزِ مَتْنِهِ يَعْنِي شِدْقِيهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَكَلَّ
(لَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ) الْآيَةَ (بخاری) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کو اللہ نے مال عطا فرمایا،
پھر اس نے اس کی زکاۃ ادا نہیں کی تو وہ مال قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے
ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑے ہوئے ہوں
گے (جو کہ اس کے انتہائی زہریلے ہونے کی نشانی ہے) اور اس کی آنکھوں کے
اوپر دو سفید نقطے ہوں گے (یہ بھی انتہائی شدید زہریلے ہونے کی نشانی ہے) پھر وہ
سانپ اس (زکاۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی
اس کے گلے میں لپیٹ دیا جائے گا) پھر وہ اس کی دونوں باچھیں یعنی گلے پکڑے
گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا، کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا (جمع کیا ہوا) خزانہ ہوں،
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی (سورہ آل عمران کی) یہ آیت تلاوت
فرمائی کہ:

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ (آخر تک)

یعنی ”اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو (زکاۃ کی ادائیگی میں) بخل کرتے ہیں،
اس مال کے ساتھ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، کہ یہ بات ان

۱۔ رقم الحدیث ۱۴۰۳، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ، نسائی، رقم الحدیث ۲۴۸۲۔

کے لئے خیر والی ہے، بلکہ یہ بات ان کے لئے شروالی ہے، بہت جلد قیامت کے دن اس مال کا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا، طوق بنا کر ان کو پہنایا جائے گا، اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی میراث، اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے‘ (بخاری، نسائی)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّهُ، جُعِلَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لِفِيهِ زَبْيَتَانِ، يَتْبَعُهُ حَتَّى يَضَعَ يَدَهُ فِي فِيهِ، فَلَا يَزَالُ يَقْضِمُهَا حَتَّى يَقْضِيَ بَيْنَ الْعِبَادِ (مسند احمد، ۷۷۵۶) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور وہ اس کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرتا ہو، تو قیامت کے دن اس مال کو گنجا سانپ جس کے منہ میں دو نقطے ہوں گے، بنا دیا جائے گا اور وہ اپنے مالک کا پیچھا کرے گا، یہاں تک کہ اس کا ہاتھ اپنے منہ میں لے کر اسے چبائے گا، اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ نہ ہو جائے (مسند احمد) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَلَا مِنْ صَاحِبِ مَالٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهُ، إِلَّا تَحْوُلَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، يَتْبَعُ صَاحِبَهُ حَيْثُمَا ذَهَبَ، وَهُوَ يَفْرُ مِنْهُ، وَيُقَالُ: هَذَا مَالُكَ الَّذِي كُنْتَ تَبْخُلُ بِهِ، فَإِذَا رَأَى أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْهُ، أَذْخَلَ يَدَهُ فِي فِيهِ، فَجَعَلَ يَقْضِمُهَا كَمَا يَقْضِمُ الْفُحْلُ (مسلم) ۲

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی مال والا جو اس کی زکاۃ ادا نہ کرتا ہو، مگر قیامت کے دن

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

۲۔ رقم الحديث ۹۸۸، ۲۸، كتاب الزكاة، باب اثم مانع الزكاة.

اس کا مال (انتہائی زہریلا) گنجا سانپ بن جائے گا، جو مال والے کا پیچھا کرے گا، جہاں بھی وہ جائے گا، اور وہ مال والا اس سے بھاگے گا، اور (اللہ کی طرف سے) یہ کہا جائے گا کہ یہ تیرا وہ مال ہے، جس کے متعلق تو بخل کرتا تھا، پس جب وہ یہ دیکھ لے گا کہ اس سے کوئی چھٹکارے کا راستہ نہیں، تو اپنے ہاتھ کو اس سانپ کے منہ میں داخل کر دے گا، پھر وہ سانپ اس کے ہاتھ کو اس طریقہ سے چبائے گا، جس طریقہ سے اونٹ (کھانے کی چیز کو) چباتا ہے (مسلم)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّذِي لَا يُؤَدِّي زَكَاةَ مَالِهِ يُمَثِّلُ اللَّهُ عِزًّا وَجَلًّا لَهُ مَالَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبَيَّتَانِ، ثُمَّ يَلْزَمُهُ يَطْوِفُهُ يَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ، أَنَا كَنْزُكَ (مسند احمد) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کی زکاة ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کا مال گنجا سانپ کی شکل میں (انتہائی زہریلا بن کر) آئے گا، جس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو اس سانپ کے انتہائی زہر آلود اور بھیانک ہونے کی علامت ہے اور) وہ سانپ طوق بنا کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا، اور وہ اسے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں (مسند احمد، نسائی)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جس مال کی زکاة ادا نہ کی جائے، وہ مال قیامت کے دن خطرناک سانپ کی شکل اختیار کرے، بندہ کی تعذیب و تکلیف کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ زکاة کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کے جرم و گناہ سے سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

زکاة ادا نہ کرنے پر شدید عذاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَى أَغْنِيَاءِ الْمُسْلِمِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ الَّذِي يَسَعُ فَقَرَاءَهُمْ، وَلَنْ يُجْهَدَ الْفُقَرَاءُ إِذَا جَاعُوا وَعَرَوْا إِلَّا بِمَا يُضَيِّعُ أَغْنِيَاءُهُمْ، أَلَا وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحَاسِبُهُمْ حَسَابًا شَدِيدًا، ثُمَّ يُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (المعجم الصغير

للطبرانی، رقم الحديث ۴۵۳، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۳۵۷۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے مسلمانوں کے مالداروں پر ان کے مالوں میں اتنی زکاة فرض کی ہے کہ جو ان کے فقراء و غریبوں کے لئے کافی ہو جائے، اور فقراء و غریب بھوکے اور ننگے ہونے کی وجہ سے اسی وقت مشقت میں مبتلا ہوتے ہیں، جبکہ ان کے مالدار، ان کی زکاة کا حق ضائع کرتے ہیں، خبردار ہو جاؤ، کہ بے شک اللہ عزوجل ان مالداروں سے سخت حساب لے گا، پھر ان کو دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا (طبرانی)

ملفوظ رہے کہ اس حدیث کی سند کو محدثین و اہل علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ زکاة ادا نہ کرنا سخت عذاب اور وبال کا باعث ہے۔ ۱

۱۔ قال الطبرانی: لم يروه عن أبي جعفر إلا حرب بن سريج، ولا عنه إلا المحاربي تفرد به ثابت بن محمد وقد روى عن علي عليه السلام من وجوه غير مسندة (المعجم الصغير للطبرانی، حوالہ بالا)

وقال المنذرى: رواه الطبرانی في الأوسط والصغير وقال تفرد به ثابت بن محمد الزاهد قال الحافظ وثابت ثقة صدوق روى عنه البخارى وغيره وبقية رواه لا بأس بهم وروى موقوفا على رضى الله عنه وهو أشبه (التريغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۳۰، كتاب الصدقات التريغيب في أداء الزكاة وتأكيده وجوبها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی رات کا یہ قصہ مذکور ہے کہ:

ثُمَّ أَتَى عَلَى قَوْمٍ عَلَى أَقْبَالِهِمْ رِقَاعٌ وَعَلَى أَدْبَارِهِمْ رِقَاعٌ يَسْرَحُونَ
كَمَا تَسْرَحُ الْأَنْعَامُ، عَنِ الضَّرْبِ وَالزُّقُومِ وَرَضِفَ جَهَنَّمَ
وَحَجَّارُهَا قَالَ: مَا هَؤُلَاءِ يَا جَبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ لَا يُؤَدُّونَ
صَدَقَاتِ أَمْوَالِهِمْ (دلائل النبوة للبيهقي) ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الصغیر والأوسط، وقال: تفرد به ثابت بن محمد الزاهد. قلت: ثابت من رجال الصحيح، وبقية رجاله وثقوا، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۳۳۲۳، ج ۳، ص ۶۲، کتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

وقال الالبانی: روى الطبرانی فی "الأوسط" و "الصغير" عن علی کرم الله وجهه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: إن الله فرض علی أغنياء المسلمين فی أموالهم بقدر الذي يسع فقراءهم .. قال الطبرانی: تفرد به ثابت بن محمد الزاهد: قال الحافظ: وثابت ثقة صدوق روى عنه البخاری وغيره وبقية رواته لا بأس بهم "

قلت: فيه مؤاخذات: أولا: أطلق كلمة (الحافظ) فأوهم أنه الحافظ ابن حجر لأنه هو المقصود عند الإطلاق وليس به بل هو المنذرى فإن قوله المذكور هو كلامه بالحرف فی "الترغيب (۲۶۸/۱)" وقد مضى له مثل هذا الخطأ فی (صلاة التسيب ص ۲۶۰)

ثانيا: أن ما نقله من كلام المنذرى يوهم أن المنذرى يذهب إلى تقوية الحديث مرفوعا وليس كذلك بل تمام كلامه يوهنه فإنه قال عقب ذلك: "وروى موقوفا على علی رضی الله عنه وهو أشبه "قلت: وهذا هو الصواب لأنه روى من وجوه موقوفا عليه كما قال الطبرانی فی "المعجم الصغير (ص ۹۱)" وقد رواه كذلك أبو عبيد (رقم ۱۹۰۹) وسيأتى لفظه فی الكتاب فی آخر بحث (الزكاة) نقله المؤلف عن "المحلى لابن حزم

ثالثا: من رواه كما فی "الطبرانی الصغير" حارث بن سريج قال ابن معين: "ليس بشيء" ووثقه فی رواية. وقال النسائي: "ليس بثقة" وقال موسى بن هارون: "متهم فی الحديث" وقال ابن عدی: "ضعيف يسرق الحديث" فهذا الكلام من مثل هؤلاء الأئمة يسقط حديثه ويجعله واهيا ولا سيما أنه قد روى عن غيره موقوفا. رابعا: أن ثابت بن محمد الزاهد - وإن روى له البخاری - فقد ذكره هو نفسه فی الضعفاء وضعفه غيره من قبل حفظه ولذلك قال الحافظ فی "التقريب": "صدوق يخطئ" (تمام المنة فی التعليق علی فقه السنة، ص ۳۵۷، ۳۵۸)

۱ ج ۲، ص ۳۹۸، باب الإسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى، مسند البزار، رقم الحديث ۹۵۱۸.

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم کے پاس آئے کہ جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چھتھڑے لپٹے ہوئے تھے، اور وہ جانوروں کی طرح ضریح، زقوم، جہنم کے گرم پتھر، اور جہنم کے (کانٹے دار و خبیث و بدترین و بدبودار) درختوں سے چر (یعنی جانوروں کی طرح کھا) رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکاة نہیں دیتے تھے (بیہقی، بزار)

اس حدیث کی سند پر بھی بعض محدثین و اہل علم حضرات نے کلام کیا ہے۔ ۱۔ لیکن اس طرح کی چند احادیث و روایات کی سندوں کے ضعیف ہونے سے زکاة ادا نہ کرنے پر عذاب کی شدت میں کوئی کمی نہیں آتی، کیونکہ اس کا ثبوت بہت سی صحیح احادیث اور قرآن مجید سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام میں زکاة کی بڑی فضیلت و اہمیت اور تاکید ہے، قرآن مجید میں کئی مقامات پر زکاة کا ذکر نماز کے ساتھ کیا گیا ہے، اور زکاة اسلام کے پانچ اہم ارکان میں سے ایک مستقل رکن ہے، اور زکاة مالی عبادات میں سب سے بڑا فریضہ ہے۔ ۲۔

۱۔ قال البزار: وهذا لا نعلمه يروى إلا بهذا الإسناد من هذا الوجه. وقال الهيثمي: رواه البزار، ورجاله موثقون، إلا أن الربيع بن أنس قال: عن أبي العالية أو غيره. فتابعه مجهول (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۳۵، باب منه في الاسراء) وقال الالباني: منكر (ضعيف الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۲۱۲۲) ۲۔ فضل إيتاء الزكاة: يظهر فضل الزكاة من أوجه:

اقتربنا بالصلاة في كتاب الله تعالى، فحيثما ورد الأمر بالصلاة اقترن به الأمر بالزكاة، من ذلك قوله تعالى: (وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة وما تقدموا لأنفسكم من خير تجدوه عند الله). ومن هنا قال أبو بكر في قتال مانعي الزكاة: والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، إنها لقربنتها في كتاب الله. أنها ثالث أركان الإسلام الخمسة، لما في الحديث بنى الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت.

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہذا سب مسلمانوں کو زکاة وغیرہ کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہئے، اور اس میں غفلت و کوتاہی کرنے سے بچنا چاہئے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اور اسی کے ساتھ زکاة کی فرضیت اور اس کی ادائیگی کے احکام کا علم حاصل کرنا چاہئے، تاکہ اس فریضہ کو صحیح ادا کیا جاسکے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

انہا من حیث ہی فریضۃ افضل من سائر الصدقات لأنها تطوعية، وفي الحديث القدسی ما تقرب إلى عبدی بشيء أحب إلى مما افترضته علیه.

اما افضل إتياء الزكاة من حیث هی صدقة من الصدقات فیاتی فی مباحث: (صدقة التطوع) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۲۹، مادة "زكاة")

(حصہ اول)

مالِ نامی کی زکاة کے احکام

(یعنی سونے، چاندی، کرنسی و مالی تجارت کی زکاة سے متعلق احکام)

زکاة کی معروف و مشہور شکل، جس کا قرآن و سنت میں جا بجا ذکر آیا ہے، وہ مالِ نامی کی زکاة ہے، اور نامی کے معنی بڑھنے والے کے ہیں، اور فقہائے کرام کے نزدیک مالِ نامی سے مراد سونے، چاندی، مالی تجارت کی زکاة ہے، اور موجودہ دور کی کرنسی بھی اس میں داخل ہے، اور مخصوص جانور جن کو سائتمہ کہا جاتا ہے، وہ بھی مالِ نامی میں داخل ہیں، لیکن سائتمہ جانوروں کی زکاة کے احکام سونے، چاندی، کرنسی اور مالی تجارت کی زکاة کے احکام سے کچھ مختلف ہیں، اس لئے پہلے سونے، چاندی، کرنسی اور مالی تجارت کی زکاة کے احکام کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے بعد سائتمہ جانوروں کی زکاة کے احکام کا ان شاء اللہ تعالیٰ الگ سے ذکر کیا جائے گا۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ شریعت کی زبان میں کئی دوسرے مالی واجبات کو بھی زکاة سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، مثلاً کاشت یعنی زمینی پیداوار کی زکاة، اور زکاة فطر یعنی صدقہ فطر وغیرہ۔ ۱

۱۔ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق زکاة واجب ہونے کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے۔

اور کسی مال میں نمو کا تحقق یا تو خلقی طریقہ پر ہوتا ہے، یا فعلی طریقہ پر۔

خلق کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں یہ نمو خلقی و پیداؤشی طور پر موجود ہو، کسی فعل و عمل کی وجہ سے پیدا نہ ہو، اس طرح کے نمو کو فقہاء نے حقیقی نمو سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور فعلی کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں نمو خلقی و پیداؤشی طور پر تو موجود نہ ہو، البتہ کسی فعل و عمل کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، اس طرح کے نمو کو فقہاء نے تقدیری نمو سے تعبیر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

وفی الشرع: هو نوعان: حقیقی و تقدیری؛ فالحقیقی الزیادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقدیری تمکنه من الزیادة بكون المال فی یدہ أو ید نائبہ بحر (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۲۳، کتاب الزکاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مکران کے حقیقی یا معروف زکاة میں داخل نہ ہونے اور طوالت سے بچنے کے لئے ان چیزوں کے احکام کا ذکر ہم نے اپنی دوسری تصنیفات میں کر دیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قسم الفقهاء المال بالنظر إلى نمائه أو عدم نمائه إلى قسمين: نام، وقيمة. فالمال النامي: هو الذى يزداد ويكثر. من النماء الذى يعنى فى اللغة الزيادة والكثرة. وهو فى الشرع نوعان: حقيقى، وتقديرى. فالحقيقى: الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات. والتقديرى: تمكنه من الزيادة، بكون المال فى يده أو يد نائبه. ومال القيمة: هو الذى يتخذ الإنسان لنفسه لا للتجارة. قال الأزهري: القيمة: المال الذى يؤثله الرجل ويلزمه ولا يبيعه ليستغله.

ويظهر أثر التقسيم فى الزكاة، إذ إنها تجب فى المال النامي دون مال القيمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۳۹، مادة "مال")

ويشترط كون المال نامياً، لأن معنى الزكاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامي، وليس المقصود حقيقة النماء، وإنما كون المال معداً للاستئمان بالتجارة أو بالسوم أى الرعى عند الجمهور، لأن الإسامة سبب لحصول الدر والنسل والسمن، والتجارة سبب لحصول الربح، فيقام السبب مقام المسبب. (الفقه الاسلامى وادلته للزحلى، ج ۳، ص ۱۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانى)

باب زكاة أموال التجارة: أصل الباب ما ذكرنا أن المعتبر فى باب التجارة معنى المالية والقيمة دون العين لأن سبب وجوب الزكاة هو المال النامي الفاضل عن الحاجة والنماء فى مال التجارة بالاسترباح وذلك من حيث المالية إلا أن حقيقة النماء مما يعتذر اعتباره فأقيمت التجارة التى هى سبب النماء مع الحول الذى هو زمان النماء مقامه فمتى حال الحول على مال التجارة يكون نامياً فاضلاً عن الحاجة تقديراً (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱، ص ۲۷۱، باب زكاة أموال التجارة)

وقوله: نام، ولو تقديراً أى يشترط لوجوب الزكاة أن يكون نامياً حقيقة بالتوالد والتناسل وبالتجارات أو تقديراً بأن يتمكن من الاستئمان بكون المال فى يده أو يد نائبه لما ذكرنا أن السبب هو المال النامي فلا بد منه تحقيقاً أو تقديراً فإن لم يتمكن من الاستئمان فلا زكاة عليه لفقد شرطه (تبين الحقائق، ج ۱، ص ۲۵۵، ۲۵۶، كتاب الزكاة)

(ومنها كون النصاب نامياً) حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة أو تقديراً بأن يتمكن من الاستئمان بكون المال فى يده أو يد نائبه وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين خلقى، وفعلى هكذا فى التبيين فالخلقى الذهب والفضة، لأنهما لا يصلحان للارتفاع بأعيانهما فى دفع الحوائج الأصلية فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلاً أو نوى النفقة والفعلى ما سواهما ويكون الاستئمان فيه بنية التجارة أو الإسامة، ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة ثم نية التجارة قد تكون صريحاً وقد تكون دلالة (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۷۷، كتاب الزكاة، الباب الاول)

(باب نمبر ۱)

مالِ نامی کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات

مالِ نامی کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات میں ذکر آیا ہے، اور اہل علم حضرات نے ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے، تفصیلی احکام سے پہلے اس طرح کی احادیث و روایات اور متعلقہ تفصیلات کو الگ الگ فصلوں کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

(فصل نمبر ۱)

سونے، چاندی کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات

جن مالوں میں زکاة واجب ہے، ان میں سے ایک چیز سونا ہے، اور دوسری چیز چاندی ہے، اور تیسری چیز مالِ تجارت ہے، جن کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات میں ذکر آیا ہے۔ پہلے سونے، چاندی یا ان کے زیورات سے متعلق احادیث و روایات ذکر کی جاتی ہیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ مالِ تجارت کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات ذکر کی جائیں گی۔

سونے، چاندی کی زکاة نہ دینے پر وعیدیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَىٰ بِهَا
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لَا نَفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا

كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (سورة التوبة، رقم الآيات ۳۴، و ۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو، اور خرچ نہیں کرتے اس کو اللہ کے راستے میں، تو آپ ان کو خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، اس دن کہ تپایا جائے گا اس کو جہنم کی آگ میں، پھر داغا جائے گا اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو، یہ وہ ہے جس کو تم نے جمع کر کے رکھا تھا اپنے واسطے، پس تم مزہ چکھو اس کا جو تم جمع کر کے رکھتے ہو (سورہ توبہ)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھے، تو وہ مال اس کے لئے وبال ہے اور کنز میں داخل ہے، اور کئی احادیث میں ہے کہ جب سونے چاندی اور اس کے زیورات کی زکاة ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں رہتا، لہذا جمع کر کے رکھنے کا یہ وبال اسی صورت میں ہے، جبکہ اس کی زکاة ادا نہ کی جائے۔

اُمّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ الْبَّسِ أَوْ صَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكُنْزُ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدِّيَ زَكَاتَهُ فَرَكِي فَلَيْسَ بِكُنْزٍ (ابوداؤد) ۱

۱۔ رقم الحديث ۱۵۶۲، کتاب الزکاة، باب الكنز ما هو وزکاة الحلی، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۳۸، سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۱۹۵۰، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۱۳.

قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط البخاری، ولم يخرجاه. وقال ابن الملقن: رواه أبو داود والحاکم واللفظ له وقال صحيح على شرط البخاری وأما ابن حزم فقال فيه عتاب بن بشير وهو مجهول قلت لا قد روى عن جماعة وعنه جماعة ووثقه يحيى بن معين واحتج به البخاری فى صحيحه وقد تابعه محمد بن مهاجر كما رواه الحاکم من طريقه (تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج، تحت رقم الحديث ۹۲۹، باب زکاة النقد) وقال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره، وهذا سند رجاله ثقات إلا أن عطاء - وهو ابن أبى رباح - لم يسمع من أم سلمة فيما قاله على بن المدینی. ومع ذلك فقد صححه ابن القطان، وجود إسناده الحافظ العراقى فيما نقله عنهما الحافظ ابن حجر فى "الفتح ۳/۳۷۲" وأخرجه البيهقى ۱۴۰/۴ من طريق أبى داود، بهذا الإسناد.

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں سونے کا خاص زیور پہنتی تھی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ کیا یہ کنز ہے (جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عذاب کی وعید سنائی ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر اس کی مقدار اتنی ہو کہ جس کی زکاة دی جاتی ہے، اور پھر اس کی زکاة دے دی جائے، تو یہ (عذاب دینے جانے والا) کنز نہیں ہے (ابوداؤد، حاکم، دارقطنی، طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مال کی زکاة ادا نہ کی جائے، وہ کنز کہلاتا ہے، جس پر سخت وعید ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ۱

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غُلِظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهَا أُتْعِطِينَ زَكَاةَ هَذَا: قَالَتْ لَا، قَالَ أَيْسُرُكَ أَنْ يُسَوِّرَكَ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَارِينَ مِنْ نَارٍ، قَالَ فَخَلَعْتُهُمَا فَأَلْقَيْتُهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ هُمَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ (ابوداؤد) ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الطبرانی في "المعجم الكبير" (۶۱۳/۲۳) "والدارقطنی (۱۹۵۰) والحاكم في "المستدرک" (۳۹۰/۱) "والبيهقي ۴/۸۳ و ۴۰ من طريق محمد بن مهاجر عن ثابت بن عجلان، بهذا الإسناد.

ولہ شاهد من حدیث ابن عمر، عند البخاری (۱۴۰۴) وابن ماجہ (۱۷۸۷) وآخر من حدیث ابی ہریرۃ عند ابن ماجہ (۱۷۸۸) والترمذی (۶۲۳) وابن حبان (۳۲۱۶) (حاشیہ ابی داؤد) ۱. وقد حوى هذا الخبر معينين: أحدهما: وجوب زكاة الحلی، والآخر: ان الكنز ما لم تؤد زكاته (احکام القرآن للجصاص، تحت آیت ۳۳، ۳۴ من سورة البراءة) ۲. رقم الحديث ۱۵۶۳، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلی.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشیہ ابی داؤد)

وقال الحافظ العسقلانی: لفظ ابی داود أخرجه من حدیث حسین المعلم وهو ثقة (التلخیص الحبير، تحت رقم الحديث ۸۵۳، باب زكاة الذهب والفضة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، جس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی، اور اس بیٹی کے ہاتھ میں دو سونے کے موٹے کنگن تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تم ان کی زکاة دیتی ہو؟ اس عورت نے کہا کہ نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ان دو کنگنوں کی وجہ سے اللہ تم کو قیامت کے دن آگ کے دو کنگن پہنوادے، یہ سن کر اس عورت نے وہ دونوں کنگن (بچی کے ہاتھ سے) نکالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے اور کہا کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (آپ جہاں چاہیں اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیں) (ابوداؤد)

اور امام نسائی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ اپنی سند کے ساتھ اس واقعہ کو اس طرح روایت کرتے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده) : اعلم أن عمرا بن شعيب بن محمد بن عبد الله بن عمرو بن العاص أبو عبد الله على الصحيح، أحد علماء زمانه، روى عن البخاري أن أحمد وجماعة يحتجون بحديث عمرو، ولكن البخاري ما احتج به في جامعه. قال أبو زرعة : إنما أنكروا حديثه لكثرة روايته، وإنما سمع أحاديث بسرة، وأخذ صحيفة كانت عندها فرواها، وشعيب لا يعرفه، ولكن ما علمت أحدا وثقه، بل ذكره ابن حبان في تاريخ الثقات، وقال ابن عدي : عمرو بن شعيب ثقة إلا أنه إذا روى عن أبيه عن جده عن النبي - صلى الله عليه وسلم - يكون مرسلا. قلت : قد ثبت سماعه عن عبد الله، وهو الذي رباها حتى قيل إن محمدا مات في حياة أبيه عبد الله، وكفل شعيبا جده عبد الله كذا في الميزان للذهبي، وقال بعض المحققين : الصحيح أن الضمير في جده راجع إلى شعيب، وكثيرا ما وقع في رواية أبي داود، والنسائي، وغيرهما بلفظ : عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص، فحديثه لا طعن فيه. وقال الإمام النووي : أنكر بعضهم حديث عمرو، عن أبيه، عن جده باعتبار أن شعيبا سمع من محمد لا عن جده عبد الله، فيكون حديثه مرسلا، لكن الصحيح أنه عن جده عبد الله، فحديثه بهذا الطريق متصل لكن لاحتمال أن يراد بجده في الإسناد محمد لا عبد الله لم يدخل حديثه بهذا الإسناد في الصحاح، وإن احتجوا به. وقال الشيخ ابن حجر في شرح البخاري : ترجمة عمرو قوية على المختار حيث لا تعارض، والله أعلم. كذا حروره ميرك شاه - رحمه الله (مراقبة المفاتيح، ج ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶

ہیں کہ:

أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبُنْتُ لَهَا فِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسْكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ أَتَوْدَيْنِ زَكَاةَ هَذَا قَالَتْ لَا قَالَ أَيَسْرُكَ أَنْ يُسَوِّرَكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَ فَخَلَعْتُهُمَا فَأَلْفَتُهُمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ هُمَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نسائي) ۱ ترجمہ: اہل یمن کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، جس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی، اور اس بیٹی کے ہاتھ میں دو سونے کے موٹے کنگن تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تم ان کی زکاة دیتی ہو؟

اس عورت نے کہا کہ نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ان دو کنگنوں کی وجہ سے اللہ تم کو قیامت کے دن ان دونوں کنگنوں کے بدلہ میں آگ کے دو کنگن پہنا دے، یہ سن کر اس عورت نے وہ دونوں کنگن (بچی کے ہاتھ سے) نکالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے اور کہا کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں (آپ جہاں چاہیں اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیں) (نسائی، دارقطنی)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو اپنی سند سے روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح قرار دیا

ہے۔ ۲

۱۔ رقم الحدیث ۲۴۷۹، کتاب الزکاة، باب زکاة الحلی، دارقطنی، رقم الحدیث ۱۹۸۲۔ قال الالبانی: حسن (صحيح وضعيف سنن النسائي، تحت رقم الحدیث ۲۴۷۹)

۲۔ ہکذا رواه حسين المعلم، ورواه الحجاج بن أرطاة، كما أخبرنا أحمد بن محمد بن الحارث الفقيه، أخبرنا أبو محمد بن حيان الأصبهاني قال: حدثنا المروزي يعني محمد بن يحيى قال: حدثنا خلف بن هشام قال: حدثنا ابن شهاب، عن

﴿بقيہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، اور صحیح ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحجاج، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: جاءت امرأتان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليهما أسورة من ذهب، فقال لهما: أتحنان أن يحليكما الله أسورة من نار؟ قالتا: لا. قال: فأديا حقه، قال الحجاج: يرون أن حقه زكاته قال أحمد: حسين المعلم أولئق من الحجاج، غير أن الشافعي رحمه الله كان كالموقوف في روايات عمرو بن شعيب، إذا لم ينضم إليهما ما يؤكد ما قيل في رواياته، عن أبيه، عن جده: أنها من صحيفة كتبها عبد الله بن عمرو، وقد ذكرنا في كتاب الحج، وغيره ما يدل على صحة سماع عمرو من أبيه، من جده عبد الله بن عمرو بن العاص، والله أعلم. وقد انضم إلى حديثه هذا رواية ثابت بن عجلان، عن عطاء: عن أم سلمة قالت: كنت ألبس أوصاحا من ذهب، فقلت: يا رسول الله أكنز هو؟ فقال: ما بلغ أن يؤدي زكاته فزكي فليس بكنز، أخبرنا الحسين بن محمد الفقيه قال: أخبرنا أبو بكر بن داسة قال: حدثنا أبو داود قال: حدثنا محمد بن عيسى قال: حدثنا عتاب، عن ثابت بن عجلان، فذكره (معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الاحاديث ۸۲۹۲ إلى ۸۲۹۵)

أنبا إسماعيل بن مسعود قال حدثنا خالد عن حسين عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأة من أهل اليمن أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم وبنت لها في يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال أتؤدين زكاة هذا قالت لا قال أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار قال فخلعتهما فألقتهما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت هما لله ولرسوله (السنن الكبرى للنسائي، رقم الحديث ۲۲۷۰، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلبي)

۱. وأما حديث عبد الله بن عمرو، فينبغي -على أصل أبي محمد- أن يقبله ويصححه، فقد عهد يقبل حديث عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، إذا كان الرواي عنه ثقة. وقد ذكرنا له من ذلك أحاديث، والترمذي إنما ضعف حديث عبد الله بن عمرو، لأنه وقع له من رواية ابن لهيعة، والمثنى بن الصباح، عن عمرو، فضعفهما، وضعفه بهما، لا بعمرو بن شعيب. وللحديث إسناد صحيح إلى عمرو بن شعيب، قد احتج به أبو محمد. قال أبو داود: حدثنا أبو كامل، وحמיד بن مسعدة المعنى، أن خالد بن الحارث، حدثهم قال: حدثنا حسين (المعلم، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أن امرأة أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم)، ومعها ابنة لها، وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب، فقال لها: 'أتعطين زكاة هذا؟' قالت: لا، قال: 'أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار؟' قال: فخلعتهما، فألقتهما إلى النبي (صلى الله عليه وسلم)، وقالت: هما لله ولرسوله. وهذا إسناد صحيح إلى عمرو، وعمرو عن أبيه، عن جده من قد علم. وإنما ألزمته ما ألزم. والترمذي إنما ضعفه، لأنه لم يصل عنده إلى عمرو بن

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس طرح کی ایک حدیث حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے، جس کی سند پر اہل علم حضرات نے کلام کیا ہے۔ ۱۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى فِي يَدَيَّ فَتَحَاتٍ
مِنْ وَرَقٍ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ فَقُلْتُ صَنَعْتُهُنَّ أَتَزِينُ لَكَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ قَالَ أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ قُلْتُ لَا أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ قَالَ هُوَ حَسْبُكَ مِنَ
النَّارِ (ابوداؤد) ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شعیب إلا بضعیفین كما ذكرناه . والدارقطني أيضا الذي استوعب أحاديث هذا الباب ، إنما ساقه
من رواية حجاج بن أرطلة ، عن عمرو بن شعيب ، وذكره أيضا من رواية سفیان بن حسين بعد
الموضع الذي جمع فيه أحاديث الباب مفردا . وأبو محمد إنما نظر الحديث عند الدارقطني ،
وأغفل كتاب أبي داود (بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام، ج ۵ ص ۳۶۶، تحت رقم ۲۵۳۹)
۱۔ حدثنا علي بن عاصم، عن عبد الله بن عثمان بن خثيم، عن شهر بن حوشب، عن
أسماء بنت يزيد، قالت: دخلت أنا وخالتي على النبي صلى الله عليه وسلم وعليها
أسورة من ذهب، فقال لنا: "أتعطيان زكاته؟" قالت: بقلنا: لا، قال: "أما تخافان أن
يسوركما الله أسورة من نار؟ أديا زكاته" (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۶۱،
المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۴۳۱)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف لضعف علي بن عاصم الواسطي وشهر بن حوشب.
وأخرجه الطبراني في "الكبير (۴۳۱/۲۳)" من طريق علي بن عاصم، بهذا الإسناد.
وأورده الهيثمي في "مجمع الزوائد (۶۷/۳)" وقال: لأسماء حديث رواه أبو داود في الخاتم من
غير ذكر زكاة. ثم قال: رواه أحمد، وإسناده حسن (حاشية مسند احمد)
وقال المنذرى: رواه أحمد باسناده حسن (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۱۵۳، كتاب
الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)
وقال الهيثمي: رواه أحمد، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۵۵،
ج ۳ ص ۶۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلی)
وقال المبارك فوری: لا شك في أنه يصلح للاستشهاد (تحفة الاحوذی، كتاب الزكاة، باب
ما جاء زكاة الحلی)

۲۔ رقم الحديث ۱۵۶۵، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو زكاة الحلی.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن . يحيى بن أيوب صدوق حسن الحديث . وأخرجه الحاكم في
"المستدرک (۳۸۹/۱ - ۳۹۰)" والبيهقي ۳۹/۳ من طريق محمد بن إدريس، بهذا الإسناد.
﴿بقيہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو انہوں نے میرے ہاتھ میں چاندی کی بڑی بڑی انگوٹھیاں دیکھیں، تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ یہ کیا ہے؟

میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے یہ آپ کی خاطر زینت حاصل کرنے کے لئے بنوائی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ ان کی زکاة دیتی ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں، یا اسی سے ملتا جلتا جو اللہ کو منظور تھا (وہ جواب دیا)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الدارقطني (١٩٥١)، والبيهقي (١٣٩/٣) من طريق محمد بن هارون، عن عمرو بن الربيع، به. إلا أنهما قالا: أن محمد بن عطاء أخبره عن عبد الله بن شداد. وعليه فقد جهل الدارقطني محمد بن عطاء، وتبعه عبد الحق، فرد عليهما ابن القطان مبينا أنه هو محمد بن عمرو بن عطاء الثقة، وإنما نسب هنا لجده.

وله شاهد من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص، سلف برقم (١٥٦٣)

وآخر من حديث أم سلمة، سلف قبله (حاشية سنن أبي داود)

وقال الحافظ العسقلاني: اسنادُهُ على شرط الصحيح (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ٨٥٨، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

وقال المنذرى: رواه أبو داود والدارقطني وفي إسنادهما يحيى بن أيوب الغافقي وقد احتج به الشيخان وغيرهما ولا اعتبار بما ذكره الدارقطني من أن محمد بن عطاء مجهول فإنه محمد بن عمر بن عطاء نسب إلى جده وهو ثقة ثبت.

روى له أصحاب السنن واحتج به الشيخان في صحيحهما (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٥٢، كتاب الصدقات الترغيب في أداء الزكاة وتأكيدها وجوبها)

وقال الالباني: أخرجه أبو داود (١٥٦٥) والدارقطني (٢٠٥) والحاكم (٣٨٩/١-٣٩٠) والبيهقي

(١٣٩/٣) عن محمد بن عمرو بن عطاء عن عبد الله بن شداد. وقال الحاكم: "صحيح على

شرط الشيخين". ووافقه الذهبي وهو كما قالا. وكلام الشيخ ابن دقيق العيد في "الإمام" على

ما نقله الزيلعي (٣٤١/٢) يشعر أنه على شرط مسلم فقط فقد قال: "ويحيى بن أيوب (أحد

رواته) أخرجه له مسلم... والحديث على شرط مسلم". ويحيى بن أيوب هو الغافقي أبو العباس

المصري وقد أخرج له البخاري أيضا. وهذا ومحمد بن عمرو بن عطاء ثقة أيضا محتج به في

الصحيحين وقد وقع في سند الدارقطني (محمد بن عطاء) منسوباً إلى جده فقال فيه: "مجهول

"وتبعه على ذلك ابن الجوزي في "التحقيق (١٩٨/١)" وهو ذهول منهما رده الأئمة من

بعدهما كالزيلعي والعسقلاني وغيرهما (إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل تحت رقم

الحديث ٨١٤)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آپ کو آگ کے عذاب (میں لے جانے) کے لئے کافی ہے (ابوداؤد)

فائدہ: اگر شبہ کیا جائے کہ ان انگوٹھیوں کی مقدار تو نصاب کی مقدار سے کم ہوگی، پھر زکاة کا حکم کیسے فرمایا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں اس نوعیت سے بنی ہوئی ہوں کہ نصاب کی مقدار کے برابر ان کا وزن ہو یا دوسرے زیور یا سونے چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب کی مقدار بننے کی وجہ سے یہ حکم فرمایا ہو۔ ۱

اس طرح کا واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے، مگر اس کی سند کو اہل علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲

۱۔ حدثنا صفوان بن صالح، حدثنا الوليد بن مسلم، حدثنا سفيان، عن عمر بن يعلى، فذكر الحديث نحو حديث الخاتم، قيل لسفيان كيف تزكيه، قال: تضمنه إلى غيره (ابوداؤد، رقم الحديث ۱۵۶۶، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو زكاة الحلي)

۲۔ حدثنا إبراهيم بن أبي الليث، حدثنا الأشجعي، عن سفيان، عن عمرو بن يعلى بن مرة الثقفي عن أبيه، عن جده، قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل عليه خاتم من الذهب عظيم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "أتزكي هذا؟" فقال: يا رسول الله، فما زكاة هذا؟ فلما أدبر الرجل، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "جمرة عظيمة عليه" (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۷۵۵۶)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف جداً، إبراهيم بن أبي الليث كذب غير واحد، سلفت ترجمته تحت الحديث رقم (۴۱۹) وليس له في المسند غير هذين الحديثين، وقد توبع، وعمرو - وهو ابن عثمان بن يعلى - قال ابن القطان: لا يعرف حاله كوالده. الأشجعي: هو أبو عبد الرحمن عبيد الله بن عبيد الرحمن الكوفي، وسفيان: هو الثوري.

وأخرجه الخطيب في "تاريخه" (۱۹۱/۶) "من طريق عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن أبيه، بهذا الإسناد. وأخرجه البيهقي ۴/۳۵۱ من طريق إبراهيم بن أبي الليث، بهذا الإسناد. ووقع في إسناده عمر بدل عمرو. وإن يكن عمر، فهو عمر بن عبد الله بن يعلى بن مرة، وهو ضعيف.

وأخرجه ابن الجارود (۳۵۳) من طريق حفص بن عبد الرحمن، عن سفيان الثوري، عن عمرو بن يعلى، به. وحفص بن عبد الرحمن، قال فيه أبو حاتم: صدوق مضطرب الحديث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَوَقٍ فِيهِ سَبْعُونَ مِثْقَالًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، خُذْ مِنْهُ الْفَرِيضَةَ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ فِيهِ، قَالَتْ: فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْقَالًا وَثَلَاثَةَ أَرْبَاعٍ مِثْقَالٍ

(جزء فی فوائد ابن حبان، رقم الحدیث ۳۰، ج ۱ ص ۸۳) ۱

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سونے کا ہار لے کر حاضر ہوئی، جو کہ ستر مثقال کا تھا (جو کہ تقریباً پونے چھپیس تولہ کی مقدار بنتی ہے) اور میں نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وآخرجه البيهقي ۱۲۵/۲ من طريق الوليد بن مسلم، عن عمر بن يعلى، عن أبيه، عن جده، فقال: عمر بدل عمرو.

وآخرجه الطبراني (۶۷۷) من طريق الوليد بن مسلم، عن سفيان الثوري، عن ابن يعلى، عن أبيه. وآخرجه الطبراني أيضا (۶۷۸) من طريق يحيى بن يمان، عن سفيان الثوري، عن عمران الثقفي، عن أبيه، عن جده، ولعله تحرف عن عمرو.

وآخرجه ابن قانع في "معجم الصحابة ۳/۲۲۰" من طريق الوليد بن مسلم، عن سفيان، عن عمرو بن يعلى، عن أبيه. ولم يذكر جده (حاشية مسند احمد)

۱ قال الالباني: قلت: وهذا إسناد صحيح، رجاله كلهم ثقات من رجال "التهذيب" إلى (النعمان) وهو ابن عبد السلام الأصبهاني. وأما الراوى عنه محمد بن المغيرة فهو الأصبهاني صاحب النعمان، ترجمه أبو الشيخ في "طبقات الأصبهانيين (۱/۲۲۳ - ۲۲۴)" وأبو نعيم في "أخبار أصبهان (۲/۱۸۵ - ۱۸۶)" برواية جمع من الثقات عنه، وذكر أنه كان صاحب عبادة و تهجد، صاحب النعمان، و سمع عامة أصوله، توفي سنة (۲۳۱)، وذكره ابن حبان في "الثقات (۶/۱۰۵)" وأما شيخ أبي الشيخ (إبراهيم بن محمد بن الحارث)، فقد ترجمه أبو الشيخ في "الطبقات" أيضا (۲/۱۳۶) وكذا أبو نعيم (۱/۱۸۸ - ۱۸۹) حدث عنه أبو بكر البردعي ومحمد بن يحيى بن منده، سمع من سعيد بن منصور و ذهب سماعه، وكان عنده كتب النعمان عن محمد بن المغيرة. قال أبو الشيخ: "و حضرت مجلسه فجاء أبو بكر البزار، فأخرج إليه كتب النعمان، فانتخب عليه، و كتب عنه عن أبيه". قال: "و كتبنا عنه من الغرائب ما لم نكتب إلا عنه". ثم ساق له حديثا واحدا، وهو أبو إسحاق، يعرف بـ (ابن نائلة)، من أهل المدينة، و (نائلة) أمه، و ساق له أبو نعيم أحاديث أخرى، عن شيوخ سبعة له عنه، منهم الطبراني، و له في "المعجم الأوسط" أربعة أحاديث (۳۰۸۱ - ۳۰۸۳ بترقيمي) و آخر في "المعجم الصغير" رقم (۲۷۵ - الروض النضير). توفي سنة (۲۹۱) (السلسلة الصحيحة الكاملة تحت حديث رقم ۲۹۷۸)

عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس میں سے اس فریضہ کو نکال لیجئے، جو اللہ نے اس میں (زکاة کے طور) پر مقرر فرمایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک مثقال اور ایک مثقال کے چار میں سے تین حصے (یعنی $\frac{3}{4}$ اڑھائی فیصد کے حساب سے) نکال لئے (جزء امداد بن حیان)

حساب کے اعتبار سے اس حدیث میں مذکورہ مقدار اڑھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ بنتی ہے۔ اور اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے، جس کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔ ۱۔

سونے، چاندی کے نصاب کا احادیث و روایات میں ذکر سونے، چاندی یا اُن کے زیورات پر اس وقت زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہوں، جس کی تفصیل کئی احادیث میں آئی ہے۔

ذیل میں اس طرح کی چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف جو مکتوب لکھا، اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

وَفِي كُلِّ خُمْسٍ أَوْاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ خُمْسَةٌ دَرَاهِمٍ، فَمَا زَادَ فَفِي كُلِّ

۱۔ حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد، ثنا يعقوب بن يوسف بن زياد، ثنا نصر بن مزاحم، ثنا أبو بكر الهذلي، وح حدثنا أحمد بن محمد بن يونس بن مسعدة الفزاري، ثنا أسيد بن عاصم، ثنا محمد بن المغيرة، ثنا النعمان بن عبد السلام، عن أبي بكر، ثنا شعيب بن الحبحاب، عن الشعبي، قال: سمعت فاطمة بنت قيس، تقول: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم بطوق فيه سبعون مثقالاً من ذهب، فقلت: يا رسول الله خذ منه الفريضة فأخذ منه مثقالاً وثلاثة أرباع مثقال. أبو بكر الهذلي متروك، ولم يأت به غيره (سنن الدارقطني، رقم الحديث ۱۹۵۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلبي)

قلت: أخرجه أبو نعيم الاصفهاني في "تاريخ اصفهان في باب الشين" عن شيان بن زكريا عن عباد بن كثير عن شعيب بن الحبحاب به، سواء (نصب الراية في تخریج احادیث الهداية، ج ۲، ص ۳۷۳، كتاب الزكاة، فصل في الذهب)

أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ، وَلَيْسَ فِيمَا ذُوْنَ خَمْسٍ أَوَاقٍ شَيْءٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارٌ (صحیح ابن حبان) ۱

ترجمہ: چاندی کے پانچ اوقیہ میں پانچ درہم (زکاة میں واجب) ہوں گے، پس جو زیادہ ہوگا، تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہوگا، اور پانچ اوقیہ سے کم میں کچھ واجب نہیں ہوگا، اور ہر چالیس دینار میں ایک دینار ہوگا (ابن حبان، حاکم، بطبرانی، بیہقی)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو پانچ اوقیہ دو سو درہم کے ہوتے، جو کہ علماء کی تحقیق کے مطابق آج کل کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار بنتی ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ جب تک دو سو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) کے برابر چاندی نہ ہو، اس وقت تک زکاة واجب نہیں۔ ۲

۱۔ رقم الحدیث ۶۵۵۹، کتاب التاریخ، باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ذکر کتبیہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کتابہ إلى اهل الیمن، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۴۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم الحدیث ۷۲۵۵، الاحادیث الطوال للطبرانی، رقم الحدیث ۵۸۔

قال الالبانی: صحیح لغیرہ (حاشیۃ ابن حبان)

وقال شعب الأثرؤوط: إسناده ضعیف (حاشیۃ ابن حبان)

وقال الالبانی ایضاً: وأما حدیث عمرو بن حزم، فیرویه أبو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبیه عن جده أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کتب إلى اهل الیمن بکتاب فیہ الفرائض والسنن، وکتب فیہ " : ما سقت السماء أو کان سیحاً أو یعلا فیہ العشر إذا بلغ خمسة أوسق، وما سقی بالرشاء أو بالدالیۃ ففیہ نصف العشر إذا بلغ خمسة أوسق "۔

آخر جہ الطحاوی (۳۱۵/۱) والحاکم (۳۹۵/۱-۳۹۷) وصححه ووافقه الذہبی وفی " فیض الباری " للشیخ الکشمیری الحنفی (۳۶/۳) " وإسناده قوی " وفی ذلک نظر بیہ الحافظ فی " التهذیب " وفیہ زیادۃ عزیزۃ لیست فی شیء من الطرق الأخری، ولكن لها شواهد تقویہ، ویأتی بعضها قریباً (ارواء الغلیل، تحت رقم الحدیث ۷۹۹، باب زکاة الخارج من الأرض)

۲۔ قال الترمذی: ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ والاوقیۃ اربعون درهما وخمس اواق مائتا درهم (ترمذی، تحت رقم الحدیث ۶۲۷، ابواب الزکاة، باب ما جاء فی صدقۃ الزرع والتمر والحبوب)

قوله (لیس فیما دون خمسة اواق صدقة) وفيه بیان نصاب الفضة وهو خمسة اواق وهي مائتا درهم لأن كل أوقیۃ اربعون درهما (عمدة القاری، ج ۸، ص ۲۵۹، کتاب الزکاة، باب ما أدى زکاته فلیس بکنز)

اور دینار، سونے کا ہوتا ہے، تو چالیس دینار میں سے ایک دینار کا مطلب یہ ہے کہ زکاة میں چالیسواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔

اور محدث ابو عبیدہ قاسم بن سلام اپنی سند سے محمد بن عبد الرحمن انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ فِي كِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَفِي كِتَابِ عُمَرَ فِي الصَّدَقَةِ أَنَّ الذَّهَبَ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى يَبْلُغَ عِشْرِينَ دِينَارًا ، فَإِذَا بَلَغَ عِشْرِينَ دِينَارًا فَفِيهِ نِصْفُ دِينَارٍ ، وَالْوَرِقُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى يَبْلُغَ مِائَتِي دِرْهَمٍ ، فَإِذَا بَلَغَ مِائَتِي دِرْهَمٍ فَفِيهَا خُمُسُهُ دَرَاهِمٌ (كتاب الاموال للقاسم بن سلام) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ سے متعلق خط میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ سونے میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا، جب تک کہ اس کی مقدار بیس دینار تک نہ پہنچ جائے، پس جب بیس دینار کی مقدار ہوگی تو اس میں آدھا دینار واجب ہوگا، اور چاندی میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا، جب تک کہ اس کی مقدار دو سو درہم تک نہ پہنچ جائے، پس جب دو سو درہم کی مقدار ہوگی تو اس میں پانچ درہم واجب ہوں گے (کتاب الاموال)

فائدہ: اس حدیث میں صاف طور پر یہ صراحت ہے کہ سونے کی زکاة بیس دینار (یعنی

۱۔ رقم الحدیث ۱۱۰۶، کتاب الصدقة و احکامها و سننها، باب فروض زکاة الذهب و الورق، وما فیہما من السنن.

قال شعيب الارثووط: وعن محمد بن عبد الرحمن الأنصاري : أن في كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي كتاب عمر في الصدقة : أن الذهب لا يؤخذ منه شيء حتى يبلغ عشرين دينارًا، فإذا بلغ عشرين دينارًا ففيه نصف دينار ... أخرجه أبو عبيد القاسم بن سلام (۱۱۰۶) وهذا إسناد صحيح، وقد كان كتاب النبي صلى الله عليه وسلم وكتاب عمر عند محمد بن عبد الرحمن الأنصاري كما جاء موضحًا في كتاب "الأموال" لأبي عبيد عند الحديث (حاشية سنن ابن ماجه، تحت رقم الحديث ۱۷۹۱)

ساڑھے سات تولہ کی مقدار) سے کم پر واجب نہیں، اور چاندی کی زکاة دو سو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے کی مقدار) سے کم پر واجب نہیں۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور اگرچہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے مرسل ہے، لیکن یہ مسند کے حکم میں ہے، کیونکہ محمد بن عبد الرحمن الأنصاری ثقہ تابعی نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے حاصل کی ہے۔ ۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط اپنے صحابی حضرت عمرو بن حزم کی طرف لکھا تھا، اور اسی

۱۔ حدثنا يزيد بن هارون، قال: أخبرنا حبيب بن أبي حبيب، قال: حدثنا عمرو بن هرم، قال: حدثنا محمد بن عبد الرحمن الأنصاري، قال: لما استخلف عمر بن عبد العزيز أرسل إلى المدينة يلتمس كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصدقات، وكتاب عمرو بن الخطاب، فوجد عند آل عمرو بن حزم كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم في الصدقات، ووجد عند آل عمر كتاب عمر في الصدقات مثل كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: فنسخا له. قال: فحدثني عمرو بن هرم أنه طلب إلى محمد بن عبد الرحمن أن ينسخه ما في ذينك الكتابين، فنسخ له ما في هذا الكتاب من صدقة الإبل، والبقر، والغنم، والذهب، والورق، والتمر -أو الثمر- والحب، والزبيب (كتاب الأموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۹۳۳، كتاب الصدقة وأحكامها وسننها، باب فروض زكاة الذهب والورق، وما فيهما من السنن، كذا في الأموال لابن زنجويه، معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الحديث ۷۸۸۱)

وقال الألباني: قلت: وهذا سند صحيح مرسل، فإن الأنصاري هذا تابعي ثقة ولكنه في حكم المسند لأن الأنصاري أخذه عن كتاب النبي صلى الله عليه وسلم وكتاب عمر رضي الله عنه. ففي رواية لأبي عبيد (۹۳۳/۳۸۵) بهذا السند عن الأنصاري: "لما استخلف عمر بن عبد العزيز أرسل إلى المدينة يلتمس كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصدقات، وكتاب عمرو بن الخطاب، فوجد عند آل عمرو بن حزم كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم في الصدقات، ووجد عند آل عمر كتاب عمر في الصدقات مثل كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: فنسخا له. قال: فحدثني عمرو بن هرم أنه طلب إلى محمد بن عبد الرحمن أن ينسخه ما في ذينك الكتابين، فنسخ له ما في هذا الكتاب من صدقة الإبل والبقر والغنم والذهب والورق والتمر أو الثمر والحب والزبيب: أن الإبل... الحديث بطوله.

فالحديث صحيح من هذا الوجه لأن التابعي نقله عن كتاب النبي صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم المحفوظ عند آل عمرو، فهي وجادة من أقوى الوجادات وهي حجة (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

خط کی طرف صحابہ کرام اور تابعین زکاة کے اہم مسائل کے لئے رجوع فرمایا کرتے تھے۔ ۱
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی یہی حکم فرمایا تھا، جس کا ذکر آگے
آتا ہے۔

حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحش سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ حِينَ
بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارًا وَمِنْ كُلِّ
مِائَتَى دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ فِي الْخَضِرَاوَاتِ صَدَقَةٌ (سنن
الدارقطنی) ۲

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو
یمن کی طرف بھیجا، تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار اور ہر
دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکاة کے طور پر وصول کرنا، اور سبز یوں میں صدقہ

۱۔ وقال أبو بكر البيهقي: وقد أثنى على سليمان بن داود أبو زرعة، وأبو حاتم، وعثمان بن
سعيد، وجماعة من الحفاظ ورأوا هذا الحديث الذي رواه في "الصدقات" موصول الإسناد حسنا،
والله أعلم. وقال يعقوب بن سفيان: لا أعلم في جميع الكتب كتابا أصح من كتاب عمرو بن حزم
كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعون يرجعون إليه ويدعون آراءهم (تهذيب الكمال
ج ۱۱ ص ۳۱۹)

۲۔ رقم الحديث ۱۹۰۹، كتاب الزكاة، باب ليس في الخضراوات صدقة.

قال ابن حجر العسقلاني: إنساده حسن (إتحاف المهرة، تحت رقم الحديث ۱۶۵۰۶)
وقال الالباني: عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أنه أمر معاذ
بن جبل حين بعثه إلى اليمن أن يأخذ من كل أربعين دينارا دينارا، ومن كل مائة درهم خمسة
درهم، وليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، ولا فيما دون خمسة ذود صدقة، وليس في
الخضراوات صدقة." أخرجه الدارقطنی (۲۰۰) من طريق عبد الله بن شبيب حدثني عبد الجبار بن
سعيد حدثني حاتم بن إسماعيل عن محمد بن أبي يحيى عن أبي كثير مولى بني جحش عن محمد
بن عبد الله بن جحش.

قلت: وهذا سند رجاله كلهم ثقات غير عبد الله بن شبيب وهو واه، كما في "الميزان". وجملة
القول فالحديث صحيح لا شك فيه عندی (ارواء الغلیل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زکاة
الأثمان)

واجب نہیں (دارقطنی)

اس روایت میں اگرچہ چالیس دینار (یعنی تقریباً پندرہ تولہ سونے کی مقدار) کا ذکر ہے، اور بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ سونے کی مقدار) کا ذکر نہیں، لیکن اس سے بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ سونے) پر زکاة واجب ہونے کی نفی لازم نہیں آتی، بلکہ اس کا مقصود صرف اتنا ہے کہ اگر چالیس دینار کی مقدار ہو تو پورا ایک دینار واجب ہوتا ہے، اس سے کم مقدار میں پورا دینار واجب نہیں ہوتا۔

رہا یہ کہ بیس دینار میں بھی زکاة واجب ہوتی ہے یا نہیں، اور اگر ہوتی ہے تو کتنی زکاة واجب ہوتی ہے؟

تو اس کی صراحت دوسری روایات میں آئی ہے۔

لہذا یہ روایت دوسری روایات کے خلاف نہیں ہے۔ ۱

اور محدث ابو عبیدہ ہی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

وَلَا نَبِيَّ عَمْرُبْنُ الْخَطَابِ الصَّدَقَاتِ ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَخُذَ مِنْ كُلِّ عَشْرَيْنِ دِينَارًا نِصْفَ دِينَارٍ ، وَمَا زَادَ قَبْلَ أَنْ أَرْبَعَةَ دَنَانِيرَ ، فَفِيهِ دِرْهَمٌ ، وَأَنْ أَخُذَ مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمٍ ، فَمَا زَادَ قَبْلَ أَنْ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا ، فَفِيهِ دِرْهَمٌ (كتاب الاموال للقاسم بن سلام) ۲

ترجمہ: مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زکاة و صدقات وصول کرنے کا والی (و عامل یعنی زکاة وصول کرنے کا نمائندہ و ذمہ دار) بتایا، اور مجھے حکم فرمایا کہ

۱۔ لا دلالة فيه على نفى الوجوب عن العشرين مثقالاً، وانما يدل على وجوب دينار في اربعين ديناراً، وهذا مما لا ينكره احد (اعلاء السنن ج ۹ ص ۵۸، باب نصاب الذهب)

۲۔ رقم الحديث ۱۱۶۷، كتاب الصدقة واحكامها وسنها، باب فروض زكاة الذهب والورق، وما فيهما من السنن.

میں بیس دینار سونے سے آدھا دینار زکاة کے طور پر وصول کروں، اور جو اس سے زیادہ ہو جائیں اور چار دینار تک پہنچ جائیں، تو اس میں ایک درہم وصول کروں، اور دو سو درہم میں سے پانچ درہم وصول کروں، اور جو اس سے زیادہ ہو جائیں اور چالیس درہم کو پہنچ جائیں تو اس میں ایک درہم وصول کروں (کتاب الاموال)

ایک دینار سے چار دینار تک زیادہ ہونے کی صورت میں جو ایک درہم کو مقرر کیا گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ایک درہم دراصل چار دینار کا ڈھائی فیصد بنتا تھا، اور زکاة ڈھائی فیصد ہی واجب ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈھائی فیصد کا حساب سمجھانے کے لئے یہ بات فرمائی تھی۔ ۱۔
حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَلَا فِي أَقْلٍ مِنْ عَشْرَيْنَ مِثْقَالًا مِنَ الذَّهَبِ شَيْءٌ وَلَا فِي أَقْلٍ مِنْ مِائَتَيْنِ دِرْهَمٍ شَيْءٌ (سنن الدارقطنی) ۲۔

۱۔ قال أبو عبيد: وقد يحتمل قول عمر بن الخطاب: في كل أربعين درهما درهم، وفي كل أربعة دنانير درهم أن يكون إنما أراد أن يفهم الناس الحساب، وأن يعلمهم أن في كل أوقية درهما، وهو مع هذا يرى أن ما زاد على المائتين، وعلى عشرين ديناراً، ففيه الزكاة بالحساب. وأما القول الأول الذي قال به علي، وابن عمر، وإبراهيم، وعمر بن عبد العزيز، فإنه عندنا المعمول به، والذي عليه الجمهور الأعظم من المسلمين، وبه كان يقول ابن أبي ليلى، وسفيان، ومالك. ومع اجتماعهم عليه أنه موافق لتأويل الحديث المرفوع (كتاب الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب فروض زكاة الذهب والورق، وما فيهما من السنن)

۲۔ رقم الحديث ۱۹۰۲، كتاب الزكاة، باب وجوب زكاة الذهب والورق والماشية والثمار والحبوب.

قال الالباني: صحيح. وقد أخرجه الدارقطنی أيضا، وهو وإن كان سندہ ضعيفا، فهو صحيح باعتبار ما له من الشواهد، وقد سبق ذكرها قبل حديث (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۵، باب زكاة الأثمان)

ترجمہ: سونے کے بیس مثقال کی مقدار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور نہ ہی چاندی کے دوسو درہم کی مقدار سے کم میں کچھ واجب ہے (دارقطنی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وزن کے اعتبار سے ایک مثقال ایک دینار کے برابر شمار کیا جاتا تھا، اس لئے بیس مثقال کا مطلب بیس دینار کی مقدار ہی ہے۔ ۱

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمٍ وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي الدَّهَبِ حَتَّى يَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا فَإِذَا كَانَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ فَمَا زَادَ، فَبِحَسَابِ ذَلِكَ (ابوداؤد) ۲

۱۔ والدینار من الذهب هو المثلثال الذى وزنه درهمان عددا بدرهما لا كيلا وهذا أمر مجتمع عليه لا خلاف فيه إلا ما كان من اختلاف الأوزان بين أهل البلدان (التمهيد لمافى المؤطا من المعانى والاسانيد ج ۲۰ ص ۱۲۵، باب العين)

وہذا كله على تقدير كون الدينار والمثلثال مترادفين (فتح القدير، ج ۲ ص ۲۱۲، كتاب الزكاة، فصل فى الفضة)

فالمثلثال وهو الدينار عندهم مائة شعيرة (العناية شرح الهداية، ج ۲ ص ۲۱۵، كتاب الزكاة، فصل فى زكاة الذهب)

(قوله: والدینار) أى الذى هو المثلثال كما فى الزيلعى وغيره. قال فى الفتح: والظاهر أن المثلثال اسم للمقدار المقدر به، والدینار اسم للمقدر به بقيد ذهبية. اهـ. وحاصله أن الدينار اسم للقطعة من الذهب المضروبة المقدرة بالمثلثال، فاتحادهما من حيث الوزن (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۹۶، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

۲۔ رقم الحديث ۱۵۷۳، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة، السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ۷۵۳۳، كتاب الزكاة، باب نصاب الذهب وقدر الواجب فيه إذا حال عليه الحول.

قال شعيب الارنؤوط: اسناده حسن (حاشية ابى داؤد)

وقال الحافظ العسقلانى: رواه أبو داود، وهو حسن، وقد اختلف فى رفعه (بلوغ المرام، ج ۱، ص ۱۷۴، تحت رقم الحديث ۶۰۵)

وقال ابن حجر العسقلانى: ورواه أبو داود من حديث أبى إسحاق، عن الحارث، وعاصم بن ضمرة عن على، وفى رواية له: (وليس عليك شيء - يعنى فى الذهب - حتى يكون لك عشرون

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: جب آپ کے پاس دوسو درہم ہوں، اور ان پر سال گزر جائے، تو اس میں پانچ درہم واجب ہیں، اور سونے میں آپ پر کچھ واجب نہیں، جب تک کہ آپ کے پاس بیس دینار کی مقدار نہ ہو، اور جب آپ کے پاس بیس دینار کی مقدار ہو اور اس پر سال گزر جائے، تو اس میں آدھا دینار واجب ہے اور جتنی مقدار بھی اس سے زیادہ ہوگی، تو اسی طرح (ڈھائی فیصد کے) حساب سے زکاة واجب ہوگی (ابوداؤد، بیہقی)

اس طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ۱
اور محدث ابو عبیدہ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

فِي كُلِّ عَشْرِينَ دِينَارًا نِصْفُ دِينَارٍ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا، وَفِي كُلِّ مِائَتِي دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمٍ (کتاب الاموال للقاسم بن سلام) ۲
ترجمہ: ہر بیس دینار میں آدھا دینار واجب ہے، اور چالیس دینار میں ایک دینار واجب ہے، اور ہر دوسو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں (کتاب الاموال)

اور محدث ابو عبیدہ اپنی دوسری سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ دینارا، فیذا كانت لك عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار، فما زاد فبحسب ذلك. قال: لا أدرى أعلى يقول بحساب ذلك أو رفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم، وقال ابن حزم: هو عن الحارث، عن علي مرفوع، وعن عاصم بن ضمرة، عن علي موقوف، كذا رواه شعبة، وسفيان، ومعمّر، عن أبي إسحاق، عن عاصم موقوفاً، قال: وكذا كل ثقة رواه عن عاصم (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ۸۵۲)
۱ وقال علي: في كل اربعين ديناراً، وفي كل عشرين ديناراً نصف دينار (صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۲۸۴)

قال الأعظمي: إسناده حسن (حاشية صحيح ابن خزيمة)

۲ رقم الحديث ۱۱۰۷، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب فروض زكاة الذهب والورق، وما فيهما من السنن.

فِي كُلِّ عَشْرِينَ دِينَارًا نِصْفُ دِينَارٍ ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارٌ ،
وَفِي كُلِّ مِائَتِي دِرْهَمٍ خُمْسَةُ دَرَاهِمٍ ، وَمَا زَادَ فَالْحِسَابُ (کتاب
الاموال للقسام بن سلام) ۱

ترجمہ: ہر بیس دینار میں آدھا دینار واجب ہے، اور چالیس دینار میں ایک دینار
واجب ہے، اور ہر دوسو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں، اور جتنا بھی زیادہ ہوگا وہ
(ڈھائی فیصد کے) حساب سے واجب ہوگا (کتاب الاموال)

اور امام بزار رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ قَوْمًا أَتَوْا عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ فَقَالُوا لَا تُحَدِّثُنَا إِلَّا بِمَا فِي كِتَابِ
اللَّهِ فَغَضِبَ وَقَالَ مَنْ أَيْنَ تَجِدُونَ فِي كِتَابِ اللَّهِ الصَّلَاةَ الْخُمْسَ
وَفِي كُلِّ مِائَتَيْنِ خُمْسَةُ دَرَاهِمٍ وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارٌ وَفِي
كُلِّ عَشْرِينَ نِصْفُ دِينَارٍ أَشْيَاءٌ مِنْ هَذَا عَدَدُهَا وَلَكِنْ خُذُوا كَمَا
أَخَذْنَا (مسند البزار) ۲

ترجمہ: کچھ لوگ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور انہوں
نے کہا کہ آپ ہم سے صرف وہی بات بیان کریں، جو اللہ کی کتاب (یعنی

۱ رقم الحديث ۱۱۶۰، كتاب الصدقة واحكامها وسنها، باب فروض زكاة الذهب والورق،
وما فيهما من السنن، كتاب الاموال لابن زنجوية، رقم الحديث ۱۶۲۳، باب: فرض زكاة الذهب
والورق وما فيها من السنن.

۲ رقم الحديث ۳۵۷۶، واللفظ لهُ، تعظيم قدر الصلاة للمروزي، رقم الحديث ۱۰۸۱، عن
حبيب بن أبي فضالة المالكي.

قال البزار: وهذا الحديث لا نعلم أحداً يرويه عن الحسن عن عِمْرَانَ إِلَّا عَلَى بْنِ زَيْدٍ وَقَدْ اخْتَلَفَ عَنْ
عَلَى فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ الْحَسَنِ (مسند البزار، حوالہ بالا)

وقال المزی: قال عباس الدوري، عن يحيى بن معين: ليس بشيء. وقال في موضع آخر: ليس
بحجة. وقال في موضع آخر: على بن زيد أحب إلى من ابن عقيل، ومن عاصم بن عبيد الله. وقال
أحمد بن عبد الله العجلي: يكتب حديثه، وليس بالقوي. وقال في موضع آخر: كان يتشيع، لا
بأس به. وقال يعقوب بن شيبة: ثقة، صالح الحديث، وإلى الين ما هو (تهذيب الكمال
ج ۲۰ ص ۴۳۸، تحت رقم الترجمة ۴۰۷۰، ترجمة على بن زيد بن جعدان)

قرآن مجید) میں موجود ہے، تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان پر غصے ہوئے اور فرمایا کہ تم اللہ کی کتاب میں پانچ نمازوں کو اور ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکاة کو، اور ہر چالیس دینار میں ایک دینار اور بیس دینار میں آدھے دینار زکاة کی مقدار کو کہاں پاتے ہو؟ اس طرح کی اور چیزیں بھی انہوں نے شمار کرائیں (اور فرمایا کہ) تمہیں چاہئے کہ تم ان باتوں کو ہم سے اسی طرح سے لو، جس طرح سے ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) لیا ہے (مسند بزار)

حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِينَ دِينَارًا فَصَاعِدًا نِصْفَ دِينَارٍ وَمِنْ الْأَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارًا (سنن ابن ماجہ) ۱
ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار یا اس سے کچھ زیادہ میں سے آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار (زکاة کے طور پر) وصول فرمایا کرتے تھے (ابن ماجہ)

اور امام دارقطنی حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِينَ دِينَارًا نِصْفَ دِينَارٍ وَمِنْ الْأَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارًا (سنن دارقطنی) ۲

۱۔ رقم الحديث ۱۷۹۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الورق والذهب.

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف إبراهيم بن إسماعيل، وهو ابن مجتمّع الأنصارى (حاشية ابن ماجه)

وقال الالبانى: صحيح (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

۲۔ رقم الحديث ۱۸۹۶، كتاب الزكاة، باب وجوب زكاة الذهب والورق والماشية والثمار والحبوب.
قال البوصيرى: هذا إسناد فيه إبراهيم بن إسماعيل وهو ضعيف رواه الدارقطنى فى سننه من هذا الوجه (مصباح الزجاجة، تحت رقم الحديث ۶۴۶، باب زكاة الورق والذهب)

وقال الالبانى: لكن للحديث شواهد يقوى بها (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار میں سے آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار (زکاة کے طور پر) وصول فرمایا کرتے تھے (دارقطنی)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَيْسَ فِي أَقْلٍ مِنْ عِشْرِينَ دِينَارًا شَيْءٌ ، وَفِي عِشْرِينَ دِينَارًا نِصْفُ دِينَارٍ ، وَفِي أَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارٌ ، فَمَا زَادَ فَبِالْحِسَابِ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱

ترجمہ: بیس دینار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور بیس دینار میں آدھا دینار واجب ہے، اور چالیس دینار میں ایک دینار واجب ہے، پس جو اس سے زیادہ ہوگا وہ (ڈھائی فیصد کے) حساب سے واجب ہوگا (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَّةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةِ شَيْءٍ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خُمُسُهُ دَرَاهِمَ (سنن الترمذی) ۲

۱۔ رقم الحديث ۹۹۶۶، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الدنياير: ما يؤخذ منها في الزكاة. وقال الالباني: عن علي قال: "ليس في أقل من عشرين ديناراً شيء، وفي عشرين ديناراً نصف دينار، وفي أربعين ديناراً دينار، فما زاد فبالحساب." أخرجه ابن أبي شيبة (۸/۴) وكذا أبو داود (۱۵۷۳) وأبو عبيد (۱۰۷) والبيهقي من طرق عن أبي إسحاق عن عاصم بن ضمرة عن علي. وهذا سند جيد موقوف (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۸۱۳، باب زكاة الأثمان)

۲۔ رقم الحديث ۲۲۰، ابواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الذهب والورق، ابو داود، رقم الحديث ۱۵۷۴، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، ابن ماجه، رقم الحديث ۱۷۹۰، مسند احمد، رقم الحديث ۷۱۱.

قال الترمذی: وفي الباب عن أبي بكر الصديق، وعمر بن حزم: .روى هذا الحديث الأعمش، وأبو عوانة، وغيرهما، عن أبي إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، عن علي، وروى سفيان الثوري، وابن عيينة، وغير واحد، عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي. وسألت محمداً: عن هذا الحديث؟

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاندی کی زکاة میں ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم پیش کرو، اور ایک سو نوے درہم میں کچھ واجب نہیں، پس جب دو سو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کی مقدار ہو جائے، تو پانچ درہم واجب ہیں (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)

اور امام ابوداؤد اور امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح روایت فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ قَالَ هَاتُوا رُبْعَ الْعُشُورِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتَّى تَتِمَّ مِائَتِي دِرْهَمٍ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتِي دِرْهَمٍ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمٍ فَمَا زَادَ فَعَلَى حِسَابِ ذَلِكَ (ابوداؤد) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زکاة میں چالیسواں حصہ پیش کرو، ہر چالیس درہم سے ایک درہم، اور جب تک دو سو درہم (یعنی ساڑھے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فقال: كلاهما عندى صحيح عن أبى إسحاق، يحتمل أن يكون روى عنهما جميعا (ترمذی، حوالہ بالا)

وقال ابو داؤد: قال ابو داؤد: روى هذا الحديث الأعمش، عن أبى إسحاق، كما قال أبو عوانة، ورواه شيبان أبو معاوية، وإبراهيم بن طهمان، عن أبى إسحاق، عن الحارث، عن على، عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله، قال أبو داؤد: وروى حديث النفيلي، شعبة، وسفيان وغيرهما عن أبى إسحاق، عن عاصم، عن على لم يرفعه، أو قفوه على (ابو داؤد، حوالہ بالا)

وقال شعيب الارنؤوط: صحيح (حاشیة مسند احمد)

۱۔ رقم الحديث ۱۵۷۲، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة، واللفظ لهُ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۹۷، سنن دارقطنی، رقم الحديث ۱۸۹۸، كتاب الزكاة، باب وجوب زكاة الذهب والورق والماشية والثمار والحبوب.

قال شعيب الارنؤوط فى حاشية سنن أبى داؤد تحت هذا الحديث: إسناده حسن من جهة عاصم بن ضمرة فهو صدوق والحارث الأعور وإن كان ضعيفاً متابع، وقد حسنه الحافظ فى "الفتح" (۳/۳۷۷) "زهير: هو ابن معاوية الجعفی، وأبو إسحاق: هو عمرو بن عبد الله السبيعی.

وقال شعيب الارنؤوط تحت هذا الحديث: صحيح لغيره وهذا إسناده ضعيف (حاشیة مسند احمد)

باون تولہ) کی مقدار نہ ہو، اس وقت تک تمہارے اوپر کچھ واجب نہیں، پھر جب دوسو درہم کی مقدار ہو جائے، تو اس میں (ڈھائی فیصدی یا چالیسویں حصہ کے حساب سے) پانچ درہم واجب ہیں، پس جو (اس سے) زیادہ ہوگا وہ اسی (ڈھائی فیصد کے) حساب سے واجب ہوگا (ابوداؤد، مسند احمد، دارقطنی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا أَقَلُّ مِنْ خُمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلِّ مِنْ خُمْسَةِ مِّنَ الْإِبِلِ الدُّودِ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَقَلِّ مِنْ خُمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ (بخاری) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق کی مقدار سے کم (زراعت) میں صدقہ واجب نہیں، اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ واجب ہے، اور نہ ہی پانچ اوقیہ سے کم درہم میں زکاة واجب ہے (بخاری)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے ہوئے، اور مطلب وہی ہے کہ جب تک دوسو درہم کے برابر چاندی نہ ہو، اس وقت تک زکاة واجب نہیں۔ ۲

اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خُمْسِ أَوَاقٍ

۱۔ رقم الحديث ۱۳۸۴، كتاب الزكاة باب: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة.

۲۔ قال الترمذی: وليس فيما دون خمس أواق صدقة والأوقية أربعون درهما وخمس أواق مائتا درهم (ترمذی، تحت رقم الحديث ۶۲۷، أبواب الزكاة، باب ما جاء في صدقة الزرع والتمر والحبوب)

قولہ (ليس فيما دون خمسة أواق صدقة) وفيه بيان نصاب الفضة وهو خمسة أواق وهي مائتا درهم لأن كل أوقية أربعون درهما (عمدة القاری، ج ۸، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة، باب ما أدى زكاته فليس بكنز)

صَدَقَةٌ، وَكَانَتْ تُقَوِّمُ مِثْلَ دِرْهَمٍ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ واجب نہیں، اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) پانچ اوقیہ کی قیمت دو سو درہم کے برابر تھی (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ (مسلم) ۲
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکاۃ واجب نہیں (مسلم، ابن ماجہ)
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ إِلَّا تِسْعَةُ وَتِسْعِينَ وَمِئَةً، فَلَيْسَ فِيهَا زَكَاةٌ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۳

ترجمہ: اگر آپ کے پاس صرف ایک سو ننانوے درہم ہوں (پورے دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ کی مقدار کے برابر نہ ہوں، بلکہ اس سے کچھ کم ہوں) تو ان میں زکاۃ واجب نہیں (ابن ابی شیبہ)

مطلب یہ ہے کہ دو سو درہم سے کم کی مقدار چاندی ہو تو زکاۃ واجب نہیں۔
اس قسم کی اور بھی کئی احادیث و روایات آئی ہیں، جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم یا پانچ اوقیہ ہے، اور ان دونوں کی مقدار برابر ہے، اور اہل علم

۱۔ رقم الحدیث ۹۹۵۰، کتاب الزکاۃ، من قال لیس فی اقل من مِثْلَ دِرْهَمٍ زکاۃ۔
۲۔ رقم الحدیث ۶۹۸۰، کتاب الزکاۃ، باب لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة، واللفظ له، ابن ماجہ، رقم الحدیث ۱۷۹۳۔
۳۔ رقم الحدیث ۹۹۳۷، کتاب الزکاۃ، باب من قال لیس فی اقل من مِثْلَ دِرْهَمٍ زکاۃ۔

حضرات کے نزدیک آج کل کے رائج وزن کے اعتبار سے دو سو درہم یا پانچ اوقیہ کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی ہے۔

جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً ابْنِ مَسْعُودٍ سَأَلَتْهُ عَنْ طَوْقٍ لَهَا فِيهِ عِشْرُونَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَتْ أُرِيكِه قَالَ نَعَمْ قَالَتْ كَمْ قَالَ خَمْسَةُ دَرَاهِمٍ قَالَتْ أُعْطِيهَا فَلَا نَا ابْنِ أَخٍ لَهَا يَتِيمٌ فِي حَبْرٍهَا . قَالَ نَعَمْ إِنَّ شِئْبَ (سنن دار قطنی) ۱

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک ہار کے بارے میں سوال کیا، جس میں بیس مِثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) کے وزن کے برابر سونا تھا، اور کہا کہ کیا میں اس کی زکاة ادا کروں گی؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! انہوں نے سوال کیا کہ کتنی؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پانچ درہم (جو کہ بیس مِثقال کا اڑھائی فیصد تھا) انہوں نے عرض کیا کہ کیا میں اپنے بھائی کے فلاں بیٹے کو (زکاة) دے سکتی ہوں، جو کہ ان کی پرورش میں ہے اور یتیم ہے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو دے سکتی ہیں (دارقطنی)

اس وقت بیس مِثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) کی ڈھائی فیصد مالیت پانچ درہم کے برابر تھی، اس لئے آپ نے پانچ درہم زکاة میں ادا کرنے کا فتویٰ دیا، ورنہ آدھا مِثقال بھی زکاة میں دینا جائز تھا، جیسا کہ دیگر روایات میں آتا ہے۔

اور امام طبرانی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

۱۔ رقم الحديث ۱۹۶۳، كتاب الزكاة، باب ليس في مال المكاتب زكاة حتى يعتق.

قال الحافظ العسقلاني: هذا صحيح، وكلهم ثقات (اتحاف المهرة لابن حجر)، تحت رقم الحديث

ہیں کہ:

سَأَلْتُهُ امْرَأَةً عَنْ خُلِّيٍّ لَهَا أَفِيهِ زَكَاةٌ؟ قَالَ: إِذَا بَلَغَ مَائَتَى دِرْهَمٍ فَرَزِكْنِي، قَالَتْ: إِنَّ فِي حِجْرِي أَيْتَامًا فَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِمْ؟ قَالَ نَعَمْ (المعجم

الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۹۵۹۴) ۱

ترجمہ: ایک عورت نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اپنے زیور کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اس میں زکاة ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے) کی مقدار ہو تو اس کی زکاة ادا کرنی ہوگی۔

اس عورت نے سوال کیا کہ میری پرورش میں یتیم ہیں، کیا میں ان کو زکاة دے سکتی ہوں؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں دے سکتی ہو (طبرانی)

جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس زمانے میں درہم چاندی کے، اور دینار سونے کے ہوا کرتے تھے، لہذا دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے) زیور کی مقدار میں زکاة واجب ہونے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ زیور چاندی کا ہو، اور اگر زیور سونے کا ہو، تو اس کے نصاب کی مقدار بیس دینار یا بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) ہے، جس کا ذکر دیگر احادیث و روایات میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

اس سے پہلے روایت میں گزر چکا ہے کہ اس طرح کا سوال کرنے والی خاتون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ:

كَانَ لِمَرْأَةٍ عَبْدُ اللَّهِ طَوْقٌ فِيهِ عِشْرُونَ مِثْقَالًا، فَأَمَرَهَا أَنْ تُخْرِجَ مِنْهُ خُمُسَةَ دَرَاهِمٍ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۲

۱۔ قال الہیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر، ورجالہ ثقات، ولكن ابراہیم لم یسمع من ابن مسعود (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۵۸، ج ۳ ص ۶۷، کتاب الزکاة، باب زکاة الحلی)
۲۔ رقم الحديث ۹۹۷۴، کتاب الزکاة، باب ما قالوا فی الدنانیر ما یؤخذ منها فی الزکاة.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی کے پاس ایک ہارتھا، جس میں بیس مثقال (ساڑھے سات تولے کے وزن کے برابر) سونا تھا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کی پانچ درہم (یعنی اڑھائی فیصد مالیت سے) زکاة ادا کرنے کا حکم دیا (ابن ابی شیبہ)

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:
 أَنَّ امْرَأَةً ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَتْ لَهُ أَنَّ لِي حُلِيًّا أَفْعَلِي فِيهِ زَكَاةً؟ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ فَإِنْ جَعَلْتُهُ فِي ابْنِ أَخٍ لِي يَتِيمٌ أَيْجُزِيءُ ذَلِكَ عَنِّي قَالَ نَعَمْ وَقَالَ نِصْفُ مِثْقَالٍ مِنْ كُلِّ عِشْرِينَ مِثْقَالًا (الآثار لابن يوسف، رقم الحديث ۴۳۹، كتاب الزكاة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میرے پاس زیور ہے، کیا میرے اوپر اس کی زکاة لازم ہے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! آپ کی بیوی نے سوال کیا کہ میرا ایک یتیم بھتیجا ہے، کیا میری طرف سے یہ زکاة اس کو دینا جائز ہے؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولے) میں سے آدھا مثقال (یعنی اڑھائی فیصد، یا چالیسواں حصہ) زکاة میں دیا جائے گا (الآثار لابن یوسف)

اس روایت میں بیس مثقال کی زکاة آدھا مثقال ہونے کی وضاحت ہے، اور گزشتہ روایت میں آدھے مثقال کے بجائے پانچ درہم کا ذکر ہے۔

دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ زکاة میں اسی مال کا ڈھائی فیصد حصہ دینا بھی جائز ہے، اور اتنی مالیت کی دوسری چیز دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آج کل سونے چاندی کی زکاة عام طور پر روپیہ

پیسہ سے ادا کی جاتی ہے، اور اُس زمانہ میں آدھے مثقال کی مالیت پانچ درہم کے برابر تھی۔
حضرت شعیب بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَتَبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي مُوسَى: أَنْ مُرَّ مِنْ قِبَلِكَ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ
أَنْ يُصَدِّقْنَ حُلِيِّهِنَّ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف
لکھا کہ آپ اپنے علاقہ کی مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم فرمائیں کہ وہ اپنے
زیورات کی زکاۃ ادا کریں (ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

لَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْحُلِيِّ إِذَا أُعْطِيَ زَكَاَتُهُ (سنن الدارقطنی) ۲
ترجمہ: عورتوں کو زیور پہننے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کی زکاۃ ادا کر دی
جائے (دارقطنی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیور میں زکاۃ کے واجب ہونے کی
قائل ہیں، اور اس سے پہلے ایک حدیث کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو زیور کی زکاۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ۳

۱۔ رقم الحدیث ۱۰۲۵، کتاب الزکاۃ، باب فی الحلی.

قال البيهقي: روى مساور الوراق، عن شعيب، قال: كتب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى أن "مر
من قبلك من نساء المسلمين أن يصدقن حلين" وذلك فيما أجاز لي أبو عبد الله الحافظ روايته
عنه عن أبي الوليد ثنا الحسن بن سفيان، ثنا أبو بكر ثنا وكيع وعبد الرحيم عن مساور، فذكره.
وهذا مرسل، شعيب بن يسار لم يدرك عمر (السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ۵۴۳)، كتاب
الزكاة، باب من قال في الحلی زكاة)

۲۔ رقم الحدیث ۷۵۴۵، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الحلی.

۳۔ قال الحافظ العسقلانی: تنبيه: وروى الدارقطنی من حديث عمرو بن شعيب عن عروة عن
عائشة أنها قالت لا بأس بلبس الحلی إذا أعطی زكاته ويقويه ما رواه أبو داود والدارقطنی والحاكم
والبيهقي من حديث عائشة أنها دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأى في يدها فتيحات

﴿تقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ، أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ نِسَاءَهُ أَنْ يُزَكِّيْنَ حُلِيَّهِنَّ

(مُصَنَّف ابْن أَبِي شَيْبَةَ، رَقْم الْحَدِيث ۱۰۲۶۳، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَاب فِي الْحَلِيِّ)

ترجمہ: (ان کے پردادا) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی

عورتوں کو زیوروں کی زکاة کا حکم فرمایا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ إِلَى خَازِنِهِ سَالِمٍ أَنْ يُخْرِجَ زَكَاةَ حُلِيِّ بَنَاتِهِ كُلِّ سَنَةٍ

(سَنَنِ الدَّارِ قُطْنِي) ۱

ترجمہ: وہ اپنے خزانچی سالم کو یہ لکھا کرتے تھے کہ ان کی بیٹیوں کے زیور کی ہر

سال زکاة نکالا کریں (دارقطنی، بیہقی)

اس کے علاوہ کئی جلیل القدر تابعین سے بھی سونے، چاندی اور زیورات کی زکاة سے متعلق

متعدد روایات مروی ہیں۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من ورق فقال "ما هذا يا عائشة" فقالت صنعتهن أنزين لك بهن يا رسول الله قال "أتودين زكاتهن" قالت لا قال "هو حسبك من النار" وإسناده على شرط الصحيح وسيأتي عن عائشة أنها كانت لا تخرج زكاة الحلّ عن بناتي في حجرها ويمكن الجمع بينهما بأنها كانت ترى الزكاة فيها ولا ترى إخراج الزكاة مطلقاً عن مال الأيتام (التلخيص الحبير، تحت رقم الحديث ۸۵۸)

۱۔ رقم الحديث ۱۹۵۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلّ، السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ۵۴۵، كتاب الزكاة، باب من قال في الحلّ زكاة.

قال الحافظ العسقلاني: حديث (قط) : أنه كان يكتب إلى خازنه سالم أن يخرج زكاة حلّ بناته كل سنة. موقوف. قط في الزكاة : ثنا محمد بن إسماعيل الفارسي، ثنا يحيى بن أبي طالب، ثنا عبد الوهاب، ثنا حسين المعلم، عن عمرو بن شعيب، به. وقال : حسين المعلم ثقة (اتحاف المهرة لابن حجر، تحت رقم الحديث ۱۱۷۱۹)

۲۔ عن عمران، عن ابن سيرين، قال : في أربعين ديناراً دينار، وفي عشرين ديناراً نصف دينار (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الرواية ۹۹۶۸، باب ما قالوا في الدنانير ما يؤخذ منها في الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع احادیث اور خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ کی روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے سونے کا نصاب بیس دینار یا بیس مثقال ہے، اور چاندی کا نصاب دوسو درہم یا پانچ اوقیہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أشعث ، عن الحسن ، قال : ففی عشرين ديناراً نصف دينار ، و فی أربعين ديناراً ديناراً (ایضاً، رقم الروایة ۹۹۷۵)

عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال : ليس فی أقل من عشرين مثقالاً شيء ، و فی عشرين نصف مثقال ، و فی أربعين مثقالاً (ایضاً، رقم الروایة ۹۹۷۰)

عن علقمة بن مرثد ، عن الشعبي ، قال : ففی عشرين مثقالاً نصف مثقال ، و فی أربعين مثقالاً مثقالاً (ایضاً، رقم الروایة ۹۹۶۷)

عن ابن جريج ، قال : قال عطاء : لا يكون فی مال صدقة حتى يبلغ عشرين ديناراً ، فإذا بلغت عشرين ديناراً ففيها نصف دينار ، و فی كل أربعة دنانير يزيدھا المال درهم ، حتى تبلغ أربعين ديناراً ، و فی كل أربعين ديناراً دينار ، و فی كل أربعة وعشرين ديناراً نصف دينار و درهم (ایضاً، رقم الروایة ۹۹۷۷)

عن مجاهد، و عطاء، فی زکاة الحلی قالوا : إذا بلغ مائتي درهم، أو عشرين مثقالاً، ففيه الزکاة (الاموال للقسام بن سلام، رقم الحديث ۱۲۶۹، باب الصدقة فی الحلی من الذهب و الفضة، و ما فیهما من الاختلاف)

حدثنا وكيع ، عن مالك ، عن عطاء ، قال : ففی الحلی زکاة (مصنف ابن أبی شیبہ، رقم الحديث ۱۰۲۶۳، کتاب الزکاة، باب فی الحلی)

عن حسين ، عن عطاء ، قال : إذا بلغ الحلی ما تجب فیہ الزکاة ، ففيه الزکاة (ایضاً، رقم الروایة ۱۰۲۷۰)

عن ابن سيرين، فی الحلی قال : ففی عشرين مثقالاً نصف مثقال، و فی أربعين مثقالاً مثقال (الاموال للقسام بن سلام، رقم الروایة ۱۲۷۲، باب الصدقة فی الحلی من الذهب و الفضة، و ما فیهما من الاختلاف)

عن منصور ، عن إبراهيم ، قال : ففی الحلی زکاة (مصنف ابن أبی شیبہ، رقم الروایة ۱۰۲۶۰، کتاب الزکاة، باب فی الحلی)

عن أبی جعفر الفراء ، عن عبد الله بن شداد ، قال : ففی الحلی زکاة ، حتى فی الحاتم (ایضاً، رقم الروایة ۱۰۲۶۸)

عن أبی إسحاق ، عن عبد الله بن شداد ؛ أنه كان يرى فی الحلی زکاة (ایضاً، رقم الروایة ۱۰۲۵۹)

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور آج کل کے رائج وزن کے اعتبار سے اہل علم حضرات نے بیس دینار یا بیس مثقال سونے کی مقدار ساڑھے سات تولے بتلائی ہے۔

اور ساڑھے سات تولے سونے کی مقدار، گرام کے اعتبار سے بعض حضرات نے ۸۷.۴۷۹ گرام بتلائی ہے۔

اور دوسودرہم یا پانچ اوقیہ چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولے بتلائی ہے۔

اور ساڑھے باون تولے چاندی کی مقدار، گرام کے اعتبار سے بعض حضرات نے ۶۱۲.۳۵ گرام بتلائی ہے (ملاحظہ ہو، احسن الفتاویٰ، ج ۴، ص ۲۶۴، کتاب الزکاة)

جس کی مزید تفصیل آگے سونے چاندی کی زکاة کے احکام میں آتی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن سالم ، عن سعید بن جبیر ، قال : فی حلی الذهب والفضة زکاة . قال : وهو قول سفیان (ایضاً، رقم الروایة ۱۰۲۶۲)

عن زمعة ، عن ابن طاووس ، عن أبيه ، قال : فی الحلی زکاة (ایضاً، رقم الروایة ۱۰۲۶۵)
عن عمرو بن هرم ، قال : سئل جابر بن زید : هل فی الحلی زکاة ؟ قال : نعم ، إذا كان عشرين مثقالاً ، أو مئتي درهم (ایضاً، رقم الروایة ۱۰۲۶۶)

عن عمرو بن هرم ، عن جابر بن زید ، قال : فی الحلی زکاة کل سنة إذا بلغ عشرين مثقالاً ، أو مائتي درهم (الاموال للقسام بن سلام، رقم الروایة ۱۲۷۱، باب الصدقة فی الحلی من الذهب والفضة ، وما فیهما من الاختلاف)

عبد الرزاق عن بن جریج قال أخبرني عبد الحميد بن جبیر أنه سأل بن المسيب أفي الحلی الذهب والفضة زکاة قال نعم قال قلت إذن یفنی قال ولو (مصنف عبد الرزاق، رقم الروایة ۷۰۶۰، کتاب الزکاة، باب التبر والحلی)

عن عطاء ، والزهری ، ومکحول قالوا : فی الحلی زکاة . وقالوا : مضت السنة أن فی الحلی ، الذهب والفضة ، زکاة (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الروایة ۱۰۲۶۷، کتاب الزکاة، باب فی الحلی)

(فصل نمبر ۲)

مال تجارت کی زکاة سے متعلق احادیث و روایات

جن مالوں میں زکاة واجب ہے، ان میں سونے، چاندی کے علاوہ ایک مال ”مال تجارت“ کہلاتا ہے، مال تجارت کی زکاة کا بھی احادیث و روایات میں ذکر آیا ہے، جن میں سے چند احادیث و روایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نَعْدُو لِلْبَيْعِ (سنن ابی داؤد) ۱

ترجمہ: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس مال تجارت میں سے صدقہ (یعنی زکاة) نکالا کریں (ابوداؤد، بیہقی، طبرانی، دارقطنی)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲

۱۔ رقم الحدیث ۱۵۶۲، کتاب الزکاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۷۰۴۷، واللفظ له، ورقم الحدیث ۷۰۲۹، سنن دارقطنی، رقم الحدیث ۲۰۲۷، کتاب الزکاة، باب زکاة مال التجارة، السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحدیث ۷۵۹۷، باب زکاة التجارة.

۲۔ قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف . جعفر بن سعد بن سمرة ضعيف، وخبيب بن سليمان وأبوہ مجهولان . وقال الذهبي في الميزان: ۴۰۸/۱ وهذا إسناده مظلم لا ينهض بحكم . ومع ذلك فقد حسن إسناده ابن عبد البر في "الاستدكار!" (حاشية ابی داؤد)

قال الحافظ العسقلاني: حديث سمرة بن جندب كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا أن نخرج الزكاة مما يعد للبيع أبو داود والدارقطني والبخاري من حديث سليمان بن سمرة عن أبيه وفي إسناده جهالة (التلخيص الجبير، تحت رقم الحدیث ۸۶۱، باب زکاة التجارة)

وقال الهيثمي: رواه الطبرانی في الكبير - وروى أبو داود منه : كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي يعد للبيع فقط -، وفي إسناده ضعف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۴۳۷۷، باب صدقة الخيل والرقيق وغير ذلك)

اور بعض حضرات نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور اس کی تائید دیگر روایات و آثار سے بھی ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ اس حدیث کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول بھی حاصل ہے، یعنی جمہور امت کے نزدیک تجارت کے مال پر زکاة کا حکم ہے۔ ۱۔
اس لئے اس حدیث کی سند کے مقبول ہونے میں شبہ نہیں ہونا چاہئے، واللہ اعلم۔ ۲۔

۱۔ وبالحدیث استدلل العلماء أن المال الذى يعد للتجارة إذا بلغت قيمته نصابا تجب فيه الزكاة من أى صنف كان، والحدیث رواه المنذرى أيضا، وسكت عنه كما سكت أبو داود، وقال عبد الحق فى "أحكامه": "حبیب هذا ليس بمشهور، ولا يعلم روى عنه إلا جعفر بن سعد، وليس جعفر ممن يعتمد عليه، وقال أبو عمر بن عبد البر وقد ذكر هذا الحديث: رواه أبو داود وغيره بإسناد حسن، انتهى. ورواه الدارقطنى فى "سننه"، والطبرانى فى "معجمه"، عن سمرة، قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالرقيق الرجل والمرأة الذى هو بِلادته، وهم عملة لا نريد بيعهم أن لا نخرج عنهم الصدقة، وكان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع (شرح أبى داود للعینی، ج ۶ ص ۲۱۹، كتاب الزكاة، باب: الغروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة؟)

وهذا الحديث سكت عليه أبو داود رحمه الله، ومعلوم من عادته أنه لا يسكت إلا عن حديث صالح للاحتجاج عنده. وقد قال ابن حجر فى (التلخیص) فى هذا الحديث: رواه أبو داود والدارقطنى والبخارى، من حديث سليمان بن سمرة عن أبيه وفى إسناده جهالة، اهـ.

قال مقبده -عفا الله عنه- فى إسناده هذا الحديث، عند أبى داود حبیب بن سليمان بن سمرة بن جندب. وهو مجهول. وفيه جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب، وهو ليس بالقوى، وفيه سليمان بن موسى الزهرى أبو داود، وفيه لين، ولكنه يعتضد بما قدمنا من حديث أبى ذر (اضواء البيان فى إيضاح القرآن للشنقى، ج ۲ ص ۱۳۷، سورة التوبة، رقم الآية ۳۴)

۲۔ اس حدیث کو جعفر بن سعد اور حبیب بن سلیمان اور ابن کے والد سلیمان کی وجہ سے ضعیف کہا گیا ہے، اور جعفر بن سعد کا امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بغیر جرح کے ذکر فرمایا ہے، جبکہ حبیب بن سلیمان کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بغیر جرح کے تذکرہ فرمایا ہے، اور سلیمان بن سرہ کو بھی ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب الفزارى، أبو محمد السمرى، والد مروان بن جعفر. روى عن: ابن عمه حبیب بن سليمان بن سمرة بن جندب (د) عن أبيه، عن جده نسخة، وعن أبيه سعد بن سمرة بن جندب. روى عنه: سليمان بن موسى الزهرى (د)، وصالح بن أبى عتيقة الكاهلى، ومحمد بن إبراهيم بن حبیب بن سليمان ابن سمرة بن جندب، ويوسف بن خالد السمى. روى له أبو داود (تهذيب الكمال ج ۵ ص ۴۱)

جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب الفزارى عن حبیب بن سليمان روى عنه محمد بن ابراهيم بن حبیب (التاريخ الكبير للبخارى ج ۲ ص ۱۹۲)

حبیب بن سليمان بن سمرة بن جندب الفزارى، أبو سليمان الكوفى. روى عن: أبيه، عن جده

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فِي الْإِبِلِ صَدَقَتُهَا ،
وَفِي الْغَنَمِ صَدَقَتُهَا ، وَفِي الْبَقَرِ صَدَقَتُهَا ، وَفِي الْبُزْرِ صَدَقَتُهُ (مسند
أحمد رقم الحديث ۲۱۸۹۰)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اونٹ
میں زکاة ہے، اور بکری میں زکاة ہے، اور گائے میں زکاة ہے (یعنی جبکہ یہ تجارت
کے لئے ہوں، یا سائتم ہوں، جن کا ذکر اگلے حصہ میں آتا ہے) اور کپڑے (بیچنے
والے) کے مال (یعنی تجارت کے کپڑوں) میں زکاة ہے (مسند احمد)

اس حدیث کی سند کو بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نسخة (د) روی عنه : ابن عمه جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب (د) ذكره ابن حبان في كتاب
"الثقات" روى له أبو داود. (تهذيب الكمال ۸ ص ۲۲۲)

خبيب بن سليمان بن سمرة بن جندب الفزاري، عن أبيه عن سمرة، وهو أبو سليمان، روى عنه
جعفر بن سعد (التاريخ الكبير للبخاري ج ۳ ص ۳۰۸، باب خبيب)

سليمان بن سمرة بن جندب الفزاري والد خبيب بن سليمان. روى عن : أبيه سمرة بن جندب (د)
له عنه نسخة كبيرة. روى عنه : ابنه خبيب بن سليمان (د) ، وعلى بن ربيعة الوالبي. ذكره ابن حبان
في كتاب "الثقات" روى له أبو داود. وروى ابن ماجه من حديث نعيم بن أبي هند ، عن ابن سمرة ، عن
بن جندب ، عن أبيه حديث " : من قتل قتيلا فله السلب " وقيل : عن نعيم ، عن مولى لسمرة ، عن
سمرة. وقيل : عن نعيم ، عن سمرة ليس بينهما أحد ، فلا أدري هو هذا أو أخوه سعد بن سمرة أو
أخ لهما ثالث (تهذيب الكمال ج ۱۱ ص ۳۲۸)

۱۔ قال شعيب الارنؤوط : إسناده ضعيف لانقطاعه، فإن ابن جريج -وهو عبد الملك بن عبد
العزیز- قد صرح بأنه لم يسمعه من عمران بن أبي أنس وإنما بلغه عنه، ونقل الترمذی فی "العلل"
عن البخاری قوله : ابن جريج لم يسمع من عمران ابن أبي أنس يقول : حدثت عن عمران بن أبي
أنس.

وأخرجه الترمذی فی "العلل الكبير" (۳۰۷/۱) "والدارقطنی (۱۰۲/۲)، والحاكم (۳۸۸/۱)
والبيهقی (۱۲۷/۳) من طريق محمد بن بكر، بهذا الإسناد. ورواية الترمذی مختصرة، وسقط من
رواية البيهقی ذكر البقر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس کی تائید دوسری اسناد اور دوسری روایات سے ہوتی ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه مختصراً وضمن حديث مطول ابن أبي شيبة ۳/۲۱۳، والبخاري (۸۸۹۵) "و (۸۸۹۶) والدارقطني ۲/۱۰۰ — ۱۰۱ و ۱۰۱، والبيهقي ۴/۱۲۷ من طريق موسى بن عبيدة الربذي، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك ابن الحذثان، عن أبي ذر. وموسى بن عبيدة ضعيف، وقال ابن حجر في "إتحاف المهرة: ۱۸۲/۱۳" ومدار الحديث عليه.

وأخرجه الحاكم في "المستدرک ۱/۳۸۸" عن دعلج بن أحمد السجزي، حدثنا هشام بن علي السدوسي، حدثنا عبد الله بن رجاء، حدثنا سعيد بن سلمة بن أبي الحسام، حدثنا عمران بن أبي أنس، به. وقد سقط من إسناده بين سعيد بن سلمة وبين عمران بن أبي أنس موسى بن عبيدة الربذي، فقد رواه الدارقطني في "سننه ۲/۱۰۱" عن دعلج بن أحمد بإسناد الحاكم، فذكر فيه موسى بن عبيدة الربذي بين سعيد وعمران. ويؤيد رواية الدارقطني رواية البيهقي في "سننه" ۴/۱۲۷ من طريق أحمد بن عبيد الصفار، عن هشام بن علي، به.

وانظر تفصيل الصدقة في هذه الأشياء غير البز في حديث أبي بكر الصديق السالف برقم (۷۲) وحديث ابن عمر السالف برقم (۲۶۳۳) وحديث أبي بكر بن محمد بن حزم، عن أبيه، عن جده عند ابن حبان (۲۵۵۹) وحديث معاذ بن جبل الآتي ۵/۲۳۰ (حاشية مسند احمد) ۱۔ چنانچہ بعض محدثین نے اس حدیث کو دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔

حدثنا أبو بكر النيسابوري، ثنا أحمد بن منصور، ثنا أبو عاصم، عن موسى بن عبيدة، حدثنا عمران بن أبي أنس، عن مالك بن أوس بن الحذثان، قال: بينما أنا جالس عند عثمان جاءه أبو ذر فسلم عليه، فقال له عثمان: كيف أنت يا أبا ذر؟ قال: بخير ثم قام إلى سارية فقام الناس إليه فاحتشوه فكتف فيمن احتشوه، فقالوا: يا أبا ذر حدثنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في الإبل صدقتها، وفي الغنم صدقتها، وفي البقر صدقتها، وفي البز صدقته. قالها بالزاي (سنن دارقطني، رقم الحديث ۱۹۳۲)

حدثنا دعلج بن أحمد من أصل كتابه، ثنا هشام بن علي ثنا عبد الله بن رجاء، ثنا سعيد بن سلمة، ثنا موسى، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك بن أوس بن الحذثان، عن أبي ذر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: في الإبل صدقتها، وفي الغنم صدقتها، وفي البقر صدقتها، وفي البز صدقتها، ومن دفع دنائير أو دراهم أو تبراً أو فضة لا يعدها لغريم ولا ينفقها في سبيل الله فهو كنز يكره يوم القيامة. كتبه من الأصل العتيق وفي البز مقيد (سنن دارقطني، رقم الحديث ۱۹۳۳)

حدثنا أبو بكر النيسابوري، ثنا جعفر بن محمد بن الحجاج الرقي، ثنا عبد الله بن معاوية، ثنا محمد بن بكر، عن ابن جريج، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك بن أوس بن الحذثان، عن أبي ذر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في الإبل

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی وجہ سے بعض محدثین و اہل علم حضرات نے اس حدیث کو معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صدقتها، وفي الغنم صدقتها، وفي البقر صدقتها، وفي البز صدقتها (سنن دارقطنی، رقم الحديث ۱۹۳۳)

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أنبأ أبو قتيبة مسلم بن الفضل الآدمي بمكة، ثنا موسى بن هارون، ثنا زهير بن حرب، ثنا محمد بن بكر، عن ابن جريج، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك بن أوس بن الحدثان، عن أبي ذر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "في الإبل صدقتها وفي الغنم صدقتها وفي البز صدقتها" (سنن البيهقي، رقم الحديث ۷۵۹۸)

وأخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن عبدان أنبأ أحمد بن عبيد الصفار، ثنا هشام بن علي، ثنا ابن رجاء، ثنا سعيد هو ابن سلمة بن أبي الحسام حدثني موسى، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك بن الحدثان، عن أبي ذر، رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "في الإبل صدقتها وفي الغنم صدقتها وفي البز صدقتها ومن رفع دنائير أو دراهم أو تبراً أو فضة لا يعدها لغريم ولا ينفقها في سبيل الله فهو كنز يكرى به يوم القيامة". سقط من هذه الرواية ذكر البقر (سنن البيهقي، رقم الحديث ۷۵۹۹)

وأخبرنا أحمد بن محمد بن الحارث الفقيه، أنبأ علي بن عمر الحافظ، ثنا أبو بكر النيسابوري، ثنا أحمد بن منصور، ثنا أبو عاصم، عن موسى بن عبيدة، حدثني عمران بن أبي أنس، عن مالك بن أوس بن الحدثان قال: بينا أنا جالس عند عثمان جاءه أبو ذر فذكر الحديث، قال: فقالوا: يا أبا ذر حدثنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "في الإبل صدقتها وفي الغنم صدقتها وفي البقر صدقتها وفي البز صدقتها". قالها بالزاي (سنن البيهقي، رقم الحديث ۷۷۰۲)

۱۔ عن ابن جريج، عن عمران بن أبي أنس، عن مالك بن أوس بن الحدثان، عن أبي ذر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "في الإبل صدقتها، وفي الغنم صدقتها، وفي البز صدقتها كلاً إلا الإسنادين صحيحان على شرط الشيخين، ولم يخرجاه" (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۳۲)

(تجب الزکاة فی عروض التجارة لما روى أبو ذر رضي الله عنه إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (في الإبل صدقتها وفي البقر صدقتها وفي البز صدقتها) ولأن التجارة يطلب بها نماء المال فتعلقت بها الزكاة كالسوم في الماشية)

* (الشرح) هذا الحديث رواه الدارقطني في سننه والحاكم أبو عبد الله في المستدرک والبيهقي بأسانيدهم ذكره الحاكم بإسنادين ثم قال هذان الإسنادان صحيحان على شرط البخاري ومسلم (قوله) وفي البز صدقته هو بفتح الباء وبالزاي هكذا رواه جميع الرواة وصرح بالزاي الدارقطني

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ حِمَاسًا كَانَ يَبِيعُ الْأَدَمَ وَالْجِعَابَ ، وَأَنَّ عُمَرَ قَالَ لَهُ: يَا حِمَاسُ ، أَدْرَكَكَ مَالُكَ ، فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا لِي مَالٌ ، إِنَّمَا أُبِيعُ الْأَدَمَ وَالْجِعَابَ ، فَقَالَ : قَوْمُهُ وَأَدْرَكَكَ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱

ترجمہ: ان کے والد حضرت حماس چمڑا اور ترکش بیچا کرتے تھے، تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حماس! آپ اپنے مال کی زکاة ادا کرو۔

تو حضرت حماس نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم میرے پاس تو مال نہیں ہے، میں تو چمڑا اور ترکش بیچتا ہوں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والبیہقی (المجموع شرح المہذب للنووی ، ج ۶ ص ۷۷ ، کتاب الزکاة ، باب زکاة التجارة) سمعت العباس يقول سمعت أحمد بن حنبل وسئل وهو على باب أبي النضر هاشم بن القاسم ف قيل له يا أبا عبد الله ما تقول في موسى بن عبيدة الربذي وفي محمد بن إسحاق فقال أما محمد بن إسحاق فهو رجل تكتب عنه هذه الاحاديث كأنه يعني المغازي ونحوها وأما موسى بن عبيدة فلم يكن به بأس ولكنه حدث بأحاديث منكبر عن عبد الله بن دينار (تاريخ ابن معين ج ۱ ص ۵۰) وقال أبو الفضل العباس بن محمد الدوري: "سئل أحمد بن حنبل وهو على باب النضر بن هاشم بن القاسم ف قيل له: يا أبا عبد الله! ما تقول في موسى بن عبيدة ومحمد بن إسحاق؟ فقال: "أما موسى بن عبيدة فلم يكن به بأس، ولكن حدث بأحاديث منكبر عن عبد الله بن دينار. (النكت على كتاب ابن الصلاح، الباب الرابع: النص المحقق، النوع الثاني والعشرون: معرفة المقلوب) وقال أحمد عن ابن معين موسى بن عبيدة ليس بالكذب ولكنه روى عن عبد الله بن دينار أحاديث منكبر..... وقال ابن أبي خيثمة عن ابن معين إنما ضعف حديثه لأنه روى عن عبد الله بن دينار منكبر..... قلت: وقال أبو بكر البزار موسى بن عبيدة رجل مفيد وليس بالحافظ وأحسب إنما قصر به عن حفظ الحديث شغله بالعبادة.

وقال أبو أحمد الحاكم ليس بالقوي عندهم وقال الساجي منكر الحديث وكان رجلاً صالحاً وكان القبطان لا يحدث عنه وقد حدث عنه وكيع وقال كان ثقة وقد حدث عن عبد الله بن دينار أحاديث لم يتابع عليها. (تهذيب التهذيب ج ۱۰ ص ۳۱۸)

۱۔ رقم الحديث ۱۰۵۵۷ ، ورقم الحديث ۱۰۵۵۸ ، کتاب الزکاة ، باب ما قالوا في المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، السنن الصغرى للبيهقي ، رقم الحديث ۱۲۵۶ ، السنن الكبرى للبيهقي ، کتاب الزکاة ، باب زکاة التجارة ، مسند الشافعي ، رقم الحديث ۴۵۱ ورقم الحديث ۴۵۲ ، سنن الدارقطني رقم الحديث ۲۰۴۱ .

توان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مال کی قیمت لگاؤ اور (نصاب کے بقدر ہونے کی صورت میں) اس کی زکاة ادا کرو (ابن ابی شیبہ بیہقی، دارقطنی) اور حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَيْسَ فِي الْعُرُوضِ زَكَاةٌ إِلَّا فِي عَرْضٍ فِي تِجَارَةٍ فَإِنَّ فِيهِ زَكَاةً (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سامان میں زکاة نہیں ہے، مگر تجارت کے سامان میں زکاة ہے (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَيْسَ فِي الْعُرُوضِ زَكَاةٌ إِلَّا أَنْ يُرَادَ بِهِ التِّجَارَةُ (مسند الشافعی) ۲

ترجمہ: سامان میں زکاة نہیں ہے، مگر جب کہ وہ تجارت کی غرض سے ہو (مسند شافعی، ابن زنجویہ بیہقی)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد، حضرت عکرمہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَيْسَ فِي حَجَرِ اللَّؤْلُؤِ، وَلَا حَجَرِ الزُّمُرُودِ زَكَاةٌ، إِلَّا أَنْ يَكُونَا لِتِجَارَةٍ، فَإِنْ كَانَا لِتِجَارَةٍ فَفِيهِمَا زَكَاةٌ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۳

۱۔ رقم الروایة ۱۰۴۵۹، کتاب الزکاة، ما قالوا فی المتاع ینکون عند الرجل ینحول علیہ الحول۔
 ۲۔ ج ۱ ص ۹۷، کتاب الزکاة، مطبوعہ: دارالکتب العلمیة، بیروت، الأموال لابن زنجویہ، رقم الحدیث ۱۶۸۸ و رقم الحدیث ۱۶۹۰، السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث ۷۶۰۵۔
 قال الشیخ: و هذا قول عامة أهل العلم فالذی روى عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه قال: لا زکاة فی العرض، فقد قال الشافعی فی کتاب القديم: إسناده الحديث عن ابن عباس ضعيف فكان اتباع حديث ابن عمر لصحته والاحتياط فی الزکاة أحب إلی واللہ أعلم۔ قال الشیخ: وقد حکى ابن المنذر عن عائشة وابن عباس مثل ما روينا عن ابن عمر، ولم يحک خلافهم عن أحد فيحتمل أن يكون معنى قوله إن صح لا زکاة فی العرض أى إذا لم يرد به التجارة (السنن الکبری للبیہقی، تحت رقم الحدیث ۷۶۰۵)

۳۔ رقم الحدیث ۱۰۱۶۲، کتاب الزکاة، باب فی اللؤلؤ والزمرود، الأموال لابن زنجویہ رقم الحدیث ۱۶۹۲۔

ترجمہ: موتیوں کے پتھر میں اور زمرہ کے پتھر میں زکاة نہیں ہے، البتہ اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان میں زکاة ہے (ابن ابی شیبہ، ابن زنجویہ)

اور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:
لَيْسَ فِي الْخَرَزِ وَاللُّؤْلُؤِ زَكَاةٌ، إِلَّا أَنْ يَكُونَا لِتِجَارَةٍ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱

ترجمہ: نگوں میں اور موتیوں میں زکاة نہیں ہے، مگر جبکہ تجارت کے لئے ہوں (ابن ابی شیبہ، ابن زنجویہ)

اور حضرت ابنِ عمر سے روایت ہے کہ:

عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، وَالزُّهْرِيِّ، وَمَكْحُولٍ، قَالُوا: لَيْسَ فِي الْجَوْهَرِ شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِتِجَارَةٍ (مصنف ابن ابی شیبہ) ۲
ترجمہ: حضرت حجاج، حضرت عطاء، حضرت زہری اور حضرت مکحول ان سب نے فرمایا کہ قیمتی پتھر میں زکاة نہیں، مگر جبکہ تجارت کے لئے ہو (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت حماد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَيْسَ فِي الْجَوْهَرِ زَكَاةٌ إِلَّا لِلتِّجَارَةِ (الأموال لابن زنجویہ) ۳

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ قیمتی پتھر میں زکاة نہیں، مگر جبکہ تجارت کے لئے ہو (ابن زنجویہ)
اور حضرت ابراہیم نخعی سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

۱۔ رقم الحدیث ۱۰۱۶۳، کتاب الزکاة، باب فی اللؤلؤ والزمر، الأموال لابن زنجویہ، رقم الحدیث ۱۶۹۵۔

۲۔ رقم الحدیث ۱۰۱۶۶، کتاب الزکاة، باب فی اللؤلؤ والزمر۔

۳۔ رقم الحدیث ۱۶۹۲، کتاب الصدقة و احکامها و سننها، باب: الصدقة فی التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب۔

كُلُّ شَيْءٍ أُرِيدَ بِهِ التِّجَارَةُ فَفِيهِ الزَّكَاةُ ، وَإِنْ كَانَ لَبْنًا ، أَوْ طِينًا ، قَالَ : وَكَانَ الْحَكْمُ يَرَى ذَلِكَ . (مصنف ابن ابی شیبہ) ۱

ترجمہ: ہر وہ چیز جو تجارت کی غرض سے ہو، اس میں زکاة ہے، اگرچہ وہ دودھ ہو یا مٹی ہو، حکم کی بھی اس بارے میں یہی رائے تھی (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِذَا كَانَ الْبَزُّ لِلتِّجَارَةِ ، فَقَوْمُهُ قِيَمَةٌ ، ثُمَّ أَذْرَكَتْهُ الْأُمُوالُ لَابِنِ زَنْجُوِيَةٍ ۲
ترجمہ: جب کپڑا تجارت کے لئے ہو تو اس کی قیمت لگاؤ، پھر (نصاب کے بقدر ہونے پر) اس کی زکاة ادا کرو (ابن زنجویہ)

اور حضرت طاووس رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

كُلُّ دَيْنٍ يُرْجَى أَوْ عَرُضٍ أَوْ نَقْدٍ ، فَفِيهِ الزَّكَاةُ قَالَ سُفْيَانُ : يَعْنِي بِالْعَرُضِ مَا كَانَ لِلتِّجَارَةِ (الأموال لابن زنجویہ) ۳
ترجمہ: جس قرض و دین کے ملنے کی امید ہو یا سامان ہو، یا نقدی ہو، تو اس میں زکاة ہے۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ سامان، سے سامان تجارت مراد ہے (ابن زنجویہ)

اور حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

الْلُّوْءُ وَالْيَاقُوْثُ وَالْخَرْزُ وَالْعُرْضُ مِنَ الْبَزِّ ، مَا نَوَى فِيْهِ صَدَقَةً ، إِلَّا مَا يُدَارُ فِيْ تِجَارَةٍ ، فَإِنَّهُ يُخْرَجُ زَكَاةً بِقِيَمَةِ عَدْلِ (الأموال لابن زنجویہ) ۴

۱۔ رقم الحديث ۱۰۱۶۸، كتاب الزكاة، باب في اللؤلؤ والزمرّد.

۲۔ رقم الحديث ۱۷۰۰، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب: الصدقة في التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب

۳۔ رقم الحديث ۱۶۹۱، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب: الصدقة في التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب

۴۔ رقم الحديث ۱۶۹۳، كتاب الصدقة واحكامها وسننها، باب: الصدقة في التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب

ترجمہ: موتیوں میں، اور یا قوت اور گلوں میں، اور کپڑوں میں زکاۃ نہیں ہے، مگر جبکہ یہ تجارت کے لئے ہوں، تو پھر ان کی زکاۃ درمیانی قیمت لگا کر نکالی جائے گی (ابن زنجویہ)

اور حضرت ابن شہاب زہری کے ہی بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:
يُزَكَّى كُلُّ شَيْءٍ مِّمَّا يُدَارُ فِي التِّجَارَةِ مِنَ الطَّعَامِ ، وَلَا يُزَكَّى مَا يُرَادُ
لِلْأَكْلِ مِنْ ذَلِكَ وَإِنْ مَكَتِ (الأموال لابن زنجويه) ۱
ترجمہ: کھانے کی وہ تمام اشیاء (مثلاً گندم، مکئی، چاول وغیرہ) جو تجارت کے لئے ہوں، ان کی زکاۃ دی جائے گی۔

لیکن جو کھانے کے لئے ہوں (تجارت کے لئے نہ ہوں) ان کی زکاۃ نہیں دی جائے گی، اگرچہ وہ طویل وقت تک رکھی رہیں (ابن زنجویہ)
اور حضرت امام شعی رحمہ اللہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَيْسَ عَلَى الْبَيْمَةِ ، وَلَا عَلَى الْمَمْلُوكِ زَكَاةٌ ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ
لِلتِّجَارَةِ (مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ) ۲
ترجمہ: جانور پر اور غلام پر زکاۃ نہیں ہے، مگر جبکہ یہ تجارت کے لئے ہوں (ابن ابی شیبہ)

ان جلیل القدر تابعین و محدثین کے ارشادات اور ان سے پہلے مرفوع احادیث اور صحابہ کرام کی روایات سے معلوم ہوا کہ مال تجارت کی زکاۃ واجب ہے، اور خیر القرون کے دور میں مال تجارت کی زکاۃ ادا کی جاتی رہی ہے، اور اس کی خلاف ورزی ثابت نہیں ہے۔

۱۔ رقم الحديث ۱۶۹۴، کتاب الصدقة واحکامها وسننها، باب: الصدقة فی التجارات والديون وما يجب فيها وما لا يجب.

۲۔ رقم الحديث ۱۰۲۵۲، کتاب الزکاۃ، باب ما قالوا فی زکاۃ الخیل.

لہذا مالی تجارت کی زکاة کے واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ ۱
اور مالی تجارت کا نصاب سونے یا چاندی کے نصاب کے تابع ہے، جس کی مزید تفصیل آگے
مال تجارت کی زکاة کے احکام میں آتی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ وحدثننا مروان بن شجاع، عن خصيف، عن مجاهد، قال: ليس في الجواهر، واللؤلؤ،
وأشياء ذلك زكاة، إلا أن يكون اشترى للتجارة قال: حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، عن سفيان،
عن حماد، عن إبراهيم، وسالم، عن سعيد بن جبیر، أنهما قالا مثل ذلك. قال: حدثنا هشيم،
عن حجاج، عن عطاء، أنه قال مثل ذلك قال أبو عبيد: وبهذه الأحاديث كلها كان يأخذ سفيان
بن سعيد وأهل العراق في تقويم متاع التجارة، وضمه إلى سائر المال (الأموال للقاسم بن سلام،
رقم الحديث ۱۱۸۷ إلى ۱۱۹۰)

ولا يخفى أن مذهب الجمهور هو الظاهر، ولم نعلم بأحد من أهل العلم خالف في وجوب زكاة
عروض التجارة، إلا ما يروى عن داود الظاهري، وبعض أتباعه.

ودليل الجمهور، آية: وأحاديث: وآثار: وردت بذلك عن بعض الصحابة رضي الله عنهم. ولم
يعلم أن أحداً منهم خالف في ذلك، فهو إجماع سكوتي (اضواء البيان في إيضاح القرآن
للشنقيطي، ج ۲ ص ۱۳۵، سورة التوبة، رقم الآية ۳۴)

ولم يعلم له مخالف من الصحابة. وهذا النوع يسمى إجماعاً سكوتياً، وهو حجة عند أكثر العلماء
(اضواء البيان في إيضاح القرآن للشنقيطي، ج ۲ ص ۱۳۷، سورة التوبة، رقم الآية ۳۴)

ونصوص الشافعي رضي الله عنه القديمة والجديدة متظاهرة على وجوب زكاة التجارة قال
أصحابنا قال الشافعي رضي الله عنه في القديم اختلف الناس في زكاة التجارة فقال بعضهم لا زكاة
فيها وقال بعضهم فيها الزكاة وهذا أحب إلينا هذا نصه فقال القاضي أبو الطيب وآخرون هذا ترديد
قول فمنهم من قال في القديم قولان في وجوبها ومنهم من لم يثبت هذا القديم واتفق القاضي أبو
الطيب وكل من حكى هذا القديم على أن الصحيح في القديم أنها تجب كما نص عليه في الجديد
والمشهور للأصحاب الاتفاق على أن مذهب الشافعي رضي الله عنه وجوبها وليس في هذا
المنقول عن القديم إثبات قول بعدم وجوبها وإنما أخبر عن اختلاف الناس وبين أن مذهبه الوجوب
بقوله وهذا أحب إلى والصواب الجزم بالوجوب وبه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين
والفقهاء بعدهم أجمعين (المجموع شرح المهذب للنووي، ج ۶ ص ۴۷، كتاب الزكاة، باب زكاة
التجارة)

(فصل نمبر ۳)

روپیہ، پیسہ اور کرنسی Currency کی زکاة کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں کرنسی یا سکہ، سونے یا چاندی کے ہوتے تھے، جن کو دینار اور درہم کہا جاتا تھا۔

لیکن بعد میں سونے چاندی کی کرنسی کے سکوں کا رواج کم یا ختم ہو گیا، اور ان کے بجائے مختلف دھاتوں وغیرہ کے سکوں کا رواج ہو گیا، جن کو عربی میں فلوس کہا جاتا ہے۔

اور پھر بعد کے دور میں کاغذی کرنسی کا رواج ہو گیا، جن کو نوٹ کہا جاتا ہے، اور اب بھی کئی ممالک میں چھوٹی مالیت کے سکے یا کرنسی دھاتوں کی ہی ہوتی ہے۔

اور آج کے دور میں عموماً اور اکثر بیشتر اشیاء کی خرید و فروخت کا معاملہ سونے، چاندی کے بجائے مروجہ کرنسی سے انجام دیا جانے لگا ہے۔

کیونکہ مروجہ کرنسی کا رواج بہت بعد میں ہوا، اس لئے قرآن و سنت میں صراحۃً مروجہ کرنسی کی زکاة کا ذکر نہیں ملتا۔

اس لئے سونے، چاندی، درہم، دنانیر یا تجارت کے مال پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم حضرات نے مروجہ کرنسی پر بھی زکاة واجب ہونے کا حکم لگایا ہے۔

چنانچہ جدہ فقہ اکیڈمی نے اس سلسلہ میں یہ قرار داد منظور کی کہ:

کاغذی نوٹ فقہی اعتبار سے ”نقد اعتباریہ“ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں ثمنیت مکمل طور پر موجود ہے اور شریعت میں ربا، زکاة، سکم وغیرہ کے معاملے میں سونے اور چاندی کے جو احکام طے شدہ ہیں وہی احکام ان نوٹوں پر بھی جاری

ہوں گے (قراردادیں اور سفارشات صفحہ نمبر ۵۲ قرار داد نمبر (۳/۹/۲۱))

اور اسلامی فقہ اکیڈمی ہند نے اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا کہ:

نوٹوں میں زکاة کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا (اہم فقہی

فیصلہ ص ۱۵، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء، جدید فقہی مباحث جلد ۲ صفحہ نمبر ۵۷)

اور رابطہ عالم اسلامی نے اس سلسلہ میں یہ قرار داد منظور کی کہ:

کرنسی نوٹ کی قیمت سونے اور چاندی میں سے کسی ایک نصاب کے بقدر

ہو جائے یا نقد یا سامان تجارت کے ساتھ مل کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس

پر زکاة واجب ہوگی (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل، صفحہ نمبر ۱۰۲، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی)

اور ہیئۃ کبار العلماء مملکۃ العربیۃ السعودیۃ نے اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا کہ:

وَجُوبُ زَكَاتِهَا إِذَا بَلَغَتْ قِيَمَتُهَا أَذْنَى النَّصَابَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ

أَوْ كَانَتْ تَكْمِلُ النَّصَابَ مَعَ غَيْرِهَا مِنَ الْأَثْمَانِ وَالْعُرُوضِ الْمُعَدَّةِ

لِلتِّجَارَةِ إِذَا كَانَتْ مَمْلُوكَةً لِأَهْلِ وَجُوبِهَا (ابحاث ہیئۃ کبار العلماء المجلد

الاول صفحہ نمبر ۵۸، مطبوعہ مکتبۃ ابن خزیمة، الرياض، سعودی عرب)

ترجمہ: کرنسی نوٹوں میں زکاة واجب ہوگی جبکہ ان کی قیمت سونے یا چاندی میں

سے کسی ایک کے ادنیٰ نصاب کو پہنچ جائے یا سونے یا چاندی یا مملوکہ سامان تجارت

کے ساتھ مل کر قیمت سونے، یا چاندی میں سے کسی کے بھی ادنیٰ نصاب کو پہنچ

جائے (تب بھی زکاة واجب ہوگی) اس شخص پر جس میں کہ زکاة واجب ہونے کی

اہلیت پائی جاتی ہو (ابحاث ہیئۃ کبار العلماء)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے اتنے روپے کے مالک

کو صاحب نصاب (یعنی نصاب والا شخص) قرار دیا جائے گا (فتاویٰ رحیمیہ، کمپیوٹرائزیشن

جلد ۷، صفحہ نمبر ۵۲، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

اور ایک دوسرے مقام پر ہے کہ:

آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکاة واجب ہوگی (ایضاً صفحہ مذکورہ)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

وجوب زکاة کے مسئلے میں مروّجہ سکوں کا حکم سامان تجارت کی طرح ہے، یعنی جس طرح سامان تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکاة واجب ہو جاتی ہے، بعینہ یہی حکم مروّجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے (فقہی مقالات، جلد ۱ صفحہ نمبر ۳۳، ”کانڈی نوٹ اور کرنسی کا حکم“)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

نقد رقم پر زکاة کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نقد روپیہ ضروریاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو، اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو زکاة واجب ہو جاتی ہے، اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چونکہ بدلتی رہتی ہے، لہذا ہر زمانے کی قیمت کا اس زمانے میں اعتبار ہوگا (فتاویٰ عثمانی، جلد دوم، صفحہ ۵۸، کتاب الزکاة)

ملاحظہ رہے کہ کرنسی اور روپیہ پیسہ سے متعلق زکاة کے مسائل کی تفصیل آگے زکاة کے احکام کے بیان میں آتی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

(باب نمبر ۲)

زکاة سے متعلق بنیادی معلومات و احکام

زکاة کے تفصیلی احکامات ملاحظہ کرنے سے پہلے زکاة سے متعلق چند بنیادی معلومات و احکام ذکر کئے جاتے ہیں، تاکہ آنے والے تفصیلی مسائل و احکام کو سمجھنے میں سہولت رہے۔

زکاة کے معنی

زکاة کے لغت میں معنی ”بڑھوتری“ اور ”زیادتی“ کے آتے ہیں، اس کے علاوہ زکاة کے معنی ”پاکیزگی“ اور ”صلاح“ کے بھی آتے ہیں۔

شریعت کی زبان میں زکاة مال کے اُس مخصوص حصہ و حق کو کہا جاتا ہے، جس کے خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔

زکاة کا یہ عمل مال میں برکت اور مال و صاحب مال کی طہارت و پاکیزگی اور صلاح کا باعث بنتا ہے، اس مناسبت سے اس عمل کو زکاة کہا جاتا ہے۔ ۱

۱۔ الزکاة لغة: النماء والربيع والزيادة، من زكا يزكو زكاة وزكاء، ومنه قول علي رضي الله عنه: العلم يزكو بالإتفاق.

والزكاة أيضا الصلاح، قال الله تعالى (فاردنا أن يبدلهم ربهما خيرا منه زكاة). قال الفراء: أى صلاحا، وقال تعالى: (ولولا فضل الله عليكم ورحمته ما زكا منكم من أحد أبدا) أى ما صلح منكم (ولكن الله يزكى من يشاء) أى يصلح من يشاء. وقيل لما يخرج من حق الله في المال "زكاة"، لأنه تطهير للمال مما فيه من حق، وتسمير له، وإصلاح ونماء بالإخلاف من الله تعالى. وزكاة الفطر طهرة للأبدان.

وفي الاصطلاح: يطلق على أداء حق يجب في أموال مخصوصة، على وجه مخصوص ويعتبر في وجوبه الحول والنصاب. وتطلق الزكاة أيضا على المال المخرج نفسه، كما في قولهم: عزل زكاة ماله، والساعي يقبض الزكاة. ويقال: زكى ماله أى أخرج زكاته، والمزكى: من يخرج عن ماله الزكاة. والمزكى أيضا: من له ولاية جمع الزكاة.

﴿تقیہ حاشیہ گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور صدقہ اس عمل کو کہا جاتا ہے، جو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، خواہ وہ عمل فرض درجہ کا ہو یا واجب درجہ کا یا سنت و نفل درجہ کا۔

اور اسی وجہ سے صدقہ بول کر بعض اوقات زکاۃ اور بعض اوقات واجب صدقہ یا نفلی صدقہ مراد لیا جایا کرتا ہے۔ ۱

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

وقال ابن حجر: قال ابن العربي: إن الزكاة تطلق على الصدقة الواجبة والمندوبة، والنفقة والحق، والعفو. ثم ذكر تعريفها في الشرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٣، ص ٢٢٦، مادة "زكاة")
والزكاة في اللغة النماء يقال زكا الزرع إذا نما وترد أيضا في المال وترد أيضا بمعنى التطهير
وشرعا بالاعتبارين معا أما بالأول فلأن إخراجها سبب للنماء في المال أو بمعنى أن الأجر بسببها
يكثر أو بمعنى أن متعلقات الأموال ذات النماء كالتي تجارة والزراعة ودليل الأول ما نقص مال من
صدقة ولأنها يضاعف ثوابها كما جاء إن الله يربى الصدقة وأما بالثاني فلأنها طهرة للنفس من رذيلة
البخل وتطهير من الذنوب (فتح الباري لابن حجر، ج ٣، ص ٢٢٢، كتاب الزكاة)
وهي في اللغة: الزيادة، يقال: زكا المال: إذا نما وازداد، وتستعمل بمعنى الطهارة، يقال: فلان
زكى العرض: أى طاهره.

وفي الشرع: عبارة عن إيجاب طائفة من المال في مال مخصوص لمالك مخصوص، وفيها معنى اللغة لأنها وجبت طهارة عن الآثام. قال تعالى: (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها) (التوبة: ١٠٣) أو لأنها إنما تجب في المال النامي إما حقيقة أو تقديرًا (الاختيار لتعليل المختار، ج ١، ص ٩٩، كتاب الزكاة).

الزكوة وهى الطهيرة ومعناه أن الزكاة طهرة لهم من أذناسهم قال تعالى خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها. فإن الله تعالى جعل المال سببا لقوام معاشهم وخلقهم محتاجين مضطرين و المضطر مفزعه إلى من اضطر إلى نفسه فترك مفزعه وجعل الباب الذى صير سببا مفزعا لحاجته فمال بقلبه عن الله تعالى ولهذا سمي مالا لميل القلوب عن الله تعالى إليها فقد دس بذلك فقيل تصدقوا أى أعطوا من هذا المال ما يظهر صدق أفعالكم انا لله و ان الأموال منه فى أيدينا و سميت صدقة لأنه يظهر بالإعطاء صدق أفعالهم فتصير صدقاتهم طهرة لهم من أذناسهم إذا أصابه من الحلال يصير دنسا لميل قلبه عن الله تعالى فكيف بالحرام والشبهة فالحرام لا يظهرها شيء و الشبهة موقوفة و الحلال متقبل و قد أمر الله تعالى بالصدقة من مكاسب الحلال و الغنائم (نوادير الأصول فى أحاديث الرسول، للحكيم الترمذى، ج ٢، ص ١٢٦، الأصل الثانى والستون والمائة فى صفة الأولياء و حقيقة الولاية أو التحذير من إهانتهم)

١ الصدقة: تطلق بمعنيين: الأول: ما أعطيته من المال قاصداً به وجه الله تعالى فيشمل ما كان واجبا وهو الزكاة، وما كان تطوعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة کی فرضیت اور اس کی قطعیت

زکاة اسلام کے اہم ارکان میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کا اہم فریضہ ہے، جس کی فرضیت کو تسلیم کرنا ضروری ہے، اور عام حالات میں سرے سے اس کی فرضیت کا منکر اسلام سے اسی طرح خارج ہے، جس طرح نماز کا منکر اسلام سے خارج ہے۔

کیونکہ زکاة کی فرضیت قرآن و سنت کے بے شمار دلائل سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، جس کے انکار کرنے سے کفر لازم آجاتا ہے، اور اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والثانی : أن تكون بمعنى الزكاة، أي في الحق الواجب خاصة، ومنه الحديث : ليس فيما دون خمس ذود صدقة .

والمصدق -بفتح الصاد مخففة -هو الساعي الذي يأخذ الحق الواجب في الأنعام، يقال : جاء الساعي فصدق القوم، أي أخذ منهم زكاة أنعامهم .
والمصدق والمصدق -بتشديد الصاد -هو معطي الصدقة .
ب -العطية :

العطية :هي ما أعطاه الإنسان من ماله لغيره، سواء كان يريد بذلك وجه الله تعالى، أو يريد به التودد، أو غير ذلك، فهي أعم من كل من الزكاة والصدقة والهبة ونحو ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۷، مادة "زكاة")

وأطلق لفظ الصدقة على الزكاة كما في قوله تعالى إنما الصدقات للفقراء والمراد بها الزكاة (عمدة القاری، ج ۸، ص ۲۳۶، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة)

۱۔ الحكم التكليفي : الزكاة فريضة من فرائض الإسلام، وركن من أركان الدين . وقد دل على وجوبها الكتاب والسنة والإجماع .

فمن الكتاب قوله تعالى : (وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة) . وقوله : (فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فإخوانكم في الدين) وقوله : (والذين يكتزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعباد آليم يوم يحمي عليها في نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لأنفسكم فادفوا ما كنتم تكنزون) . وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم : ما أدبت زكاته فليس بكنز .

ومن السنة قول النبي صلى الله عليه وسلم : بنى الإسلام على خمس وذكر منها إيتاء الزكاة وكان النبي صلى الله عليه وسلم يرسل السعاة ليقبضوا الصدقات، وأرسل معاذاً إلى أهل اليمن، وقال له : أعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم . وقال صلى

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة عبادت ہے، ٹیکس نہیں

زکاة دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کا کوئی محصول یا ٹیکس نہیں ہے، بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے، کہ جو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے زکاة صرف مسلمان پر فرض کی گئی ہے، اور اس کی ادائیگی میں عبادت کی نیت کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس کی مقدار کو بھی شریعت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا زکاة میں عبادت اور شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ جبکہ ٹیکس عبادت نہیں، اور اسی وجہ سے یہ مسلمان کے ساتھ بھی خاص نہیں، اور اس کی شریعت کی طرف سے مقدار بھی مقرر نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے ٹیکس کو زکاة کا متبادل سمجھنا یا ٹیکس دے کر زکاة کی ادائیگی کو معتبر سمجھ لینا درست

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللہ علیہ وسلم: من آتاه الله مالا فلم يؤد زكاته مثل له يوم القيامة شجاعا أقرع له زبيبتان، يطوقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه - یعنی شدقیہ - ثم يقول: أنا مالک، أنا كنزک .
وَأَمَّا الإجماع فقد أجمع المسلمون في جميع الأعصار على وجوبها من حيث الجملة، واتفق الصحابة رضی اللہ عنہم على قتال مانعها .

فقد روى البخارى أن أبا هريرة رضى الله عنه قال: لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان أبو بكر رضى الله عنه، وكفر من كفر من العرب، فقال عمر رضى الله عنه: كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله. فمن قالها فقد عصم مني ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله .

فقال أبو بكر: والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال. والله لو منعوني عناقاً كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعها قال عمر: فوالله ما هو إلا أن قد شرح الله صدر أبي بكر رضى الله عنه، فعرفت أنه الحق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۲۸، مادة "زكاة")

وہی فریضۂ محکمہ لا یسع ترکها، ویکفر جاحدها، ثبت فرضیتها بالکتاب وهو قوله تعالى: (وآتوا الزكاة) وقوله: (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكهم بها) وبالسنۃ وهو ما روينا من الحديث في الصلاة، وعليه الإجماع (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱، ص ۹۹، کتاب الزکاة)

نہیں۔ ۱

زکاة کی حکمت

زکاة کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنا ہے، مگر اس کے علاوہ زکاة میں بہت سی دوسری حکمتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن میں سے ایک اہم حکمت یہ ہے کہ زکاة کے ذریعہ سے نفس میں پائے جانے والے مال کے بخل اور مال کی بے جا محبت کا علاج ہوتا ہے، اور معاشرہ کے غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت و حاجت پوری ہوتی ہے۔ ۲

۱۔ أما الخراج فليس بعبادة، بل مؤنة محضة (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۳۵۲، کتاب الخراج، الفصل السادس)

هل تجزء الضريبة المدفوعة للدولة عن الزكاة؟ لا تجزء أصلاً الضريبة عن الزكاة، لأن الزكاة عبادة مفروضة على المسلم شكراً لله تعالى وتقرباً إليه، والضريبة التزام مالي محض خال عن كل معنى للعبادة والقربة، ولذا شرطت النية في الزكاة ولم تشرط في الضريبة، ولأن الزكاة حق مقدر شرعاً، بخلاف الضريبة فإنها تخضع لتقدير السلطة، ولأن الزكاة حق ثابت دائم، والضريبة مؤقتة بحسب الحاجة، ولأن مصارف الزكاة هي الأصناف الثمانية: الفقراء والمساكين المسلمون إلخ، والضريبة تصرف لتغطية النفقات العامة للدولة. وللزكاة أهداف روحية وخلقية واجتماعية إنسانية، أما الضريبة فلا يقصد بها تحقيق شيء من تلك الأهداف (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الثاني)

۲۔ حکمتہ تشریع الزکاة:

أ - أن الصدقة وإنفاق المال في سبيل الله يطهران النفس من الشح والبخل، وسيطرة حب المال على مشاعر الإنسان، ويزكيه بتوليد مشاعر المواد، والمشاركة في إقالة العثرات، ودفع حاجة المحتاجين، أشار إلى ذلك قول الله تعالى.

(خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها) ، وفيها من المصالح للفرد والمجتمع ما يعرف في موضعه، ففرض الله تعالى من الصدقات حداً أدنى ألزم العباد به، وبين مقاديره، قال الدهلوي: إذ لولا التقدير لفرط المفرط ولا اعتدى المعتدى.

ب - الزكاة تدفع أصحاب الأموال المكنوزة دفعا إلى إخراجها لتشارك في زيادة الحركة الاقتصادية، يشير إلى ذلك قول النبي صلى الله عليه وسلم: ألا من ولي يتما له مال فليتجر فيه، ولا يتركه حتى تأكله الصدقة .

ج - الزكاة تسد حاجة جهات المصارف الثمانية وبذلك تنتفي المفاصل الاجتماعية والخلقية الناشئة عن بقاء هذه الحاجات دون كفاية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۲۹، مادة "زكاة")

امت محمدیہ پر زکاة کب فرض ہوئی؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ زکاة کس وقت اور کس سن میں فرض ہوئی؟ تو اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت کی نظر میں یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے بارے میں آخرت میں سوال ہو، اس لئے اگر کسی کو اس وقت کا علم نہ ہو کہ جس وقت میں زکاة فرض ہوئی، تو اس میں آخرت کا کوئی نقصان نہیں، اور اسی وجہ سے شریعت نے اس مسئلے پر کوئی حتمی و قطعی فیصلہ نہیں فرمایا۔

اور اہل علم حضرات کا بھی اس بارے میں اختلاف ہے۔

البتہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور سورتیں ایسی ہیں، کہ جن میں زکاة کا حکم ذکر ہے، اور وہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اور اسی طرح ایسی کئی احادیث بھی موجود ہیں، کہ جن میں ہجرت سے پہلے زکاة کا حکم دیا گیا ہے۔

مگر دوسری طرف بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ زکاة ہجرت کے بعد فرض ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات نے فرمایا کہ زکاة کا حکم تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہی نازل ہو گیا تھا، البتہ زکاة کے متعلق تفصیلی احکام ہجرت کے بعد آئے۔

اور جن روایات میں ہجرت کے بعد زکاة کے فرض ہونے کا ذکر ہے، تو وہ دراصل زکاة کے تفصیلی احکام کے ہی متعلق ہے۔ ۱۔

۱۔ وقوله تعالى: وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة أى أقيموا صلاتكم الواجبة عليكم وآتوا الزكاة المفروضة، وهذا يدل لمن قال إن فرض الزكاة نزل بمكة لكن مقادير النصب والمخرج لم تبين إلا بالمدينة والله أعلم (ابن كثير، سورة مزل، تحت رقم الآية ۲۰)

لا يبعد أن يكون أصل الزكاة الصدقة كان مأمورا به فى ابتداء البعثة، كقوله تعالى: (وآتوا حقه يوم حصاده) (الأنعام: ۱۴۱) فاما الزكاة ذات النصب والمقادير فإنما بين أمرها بالمدينة، ويكون هذا جمعا بين القولين، كما أن أصل الصلاة كان واجبا قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فى ابتداء البعثة، فلما كان ليلة الإسراء قبل الهجرة بسنة ونصف، فرض الله على رسوله (صلى الله عليه وسلم) ﴿لَقِيَهُ حَاشِيَا كُلِّ صَفْحَةٍ يَرَاهُ فَحَاطَهُمَا نِصْفُ﴾

جبکہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ زکاة کا حکم ہجرت کے بعد ہی نازل ہوا ہے، اور ہجرت سے پہلے جن آیات میں خرچ کرنے یا زکاة وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، اس سے صدقہ فطر وغیرہ مراد ہے۔

امت محمدیہ سے پہلے دوسری امتوں کو بھی زکاة کا حکم دیا گیا تھا، جس کا قرآن مجید کی آیات میں ذکر آیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم) الصلوات الخمس، وفصل شروطها وأركانها وما يتعلق بها بعد ذلك، شيتا فشيئا، واللہ أعلم (تفسير ابن كثير، سورة حم السجدة، تحت رقم الآية ۷) الصواب: أنها فرضت بمكة، إلا أن نصب النصب والمقادير كان بالمدينة، ونحوها صدقة الفطر، والجمعة، فكلها فرضت بمكة. ثم فصلت بالمدينة، لا كما في الدر المختار: أنها فرضت بعد الهجرة بالمدينة (فيض الباري للكشميري، ج ۳ ص ۸۹، باب وجوب الزكاة، باب البيعة على إيتاء الزكاة)

۱۔ أطوار فرضية الزكاة:

إيتاء الزكاة كان مشروعا في ملل الأنبياء السابقين، قال الله تعالى في حق إبراهيم وآله عليهم الصلاة والسلام: ((وجعلناهم أئمة يهدون بأمرنا وأوحينا إليهم فعل الخيرات وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وكانوا لنا عابدين)).

وشرع للمسلمين إيتاء الصدقة للفقراء، منذ العهد المكي، كما في قوله تعالى: (فلا اقتحم العقبة وما أدراك ما العقبة فك رقبة أو إطعام في يوم ذي مسغبة يتيما ذا مقربة أو مسكينا ذا متربة) وبعض الآيات المكية جعلت للفقراء في أموال المؤمنين حقا معلوما، كما في قوله تعالى: (والذين في أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم).

وقال ابن حجر: اختلف في أول فرض الزكاة فذهب الأكثرون إلى أنه وقع بعد الهجرة، وادعى ابن خزيمة في صحيحه أن فرضها كان قبل الهجرة. واحتج بقول جعفر للنجاشي: ويأمرنا بالصلاة والزكاة والصيام ويحمل على أنه كان يأمر بذلك في الجملة، ولا يلزم أن يكون المراد هذه الزكاة المخصوصة ذات النصاب والحوال.

قال: ومما يدل على أن فرض الزكاة وقع بعد الهجرة اتفاقهم على أن صيام رمضان إنما فرض بعد الهجرة، لأن الآية الدالة على فرضيته مدنية بلا خلاف، وثبت من حديث قيس بن سعد قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بصدقة الفطر قبل أن تنزل الزكاة، ثم نزلت فريضة الزكاة فلم يأمرنا ولم ينهنا، ونحن نفعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۲۸، و ۲۲۹، مادة "زكاة")

زکاة ادا نہ کرنے کا گناہ

جو شخص زکاة فرض ہونے کے باوجود زکاة ادا نہ کرے، تو وہ شریعت کی نظر میں حرام اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا سمجھا جاتا ہے، جس پر آخرت میں بڑے سخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔ ۱

زکاة ادا نہ کرنے والے کا حکم اور اس کی اسلامی قانون میں سزا

جو مسلمان زکاة فرض ہونے کے باوجود اس کو ادا نہ کرے، تو اسلامی قانون میں حکومت کی طرف سے اس سے جبراً زکاة وصول کی جاسکتی ہے۔ ۲

البتہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایسے شخص سے صرف اتنی مقدار وصول کی جائے گی، جو

۱۔ من منع الزکاة فقد ارتکب محرماً هو کبیرة من الکبائر، وورد فی القرآن والسنة ما یفید أن عقوبته فی الآخرة من نوع خاص، کما فی حدیث مسلم عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من صاحب کنز لا یؤدی زکاته إلا أحمی علیہ فی نار جهنم، فیجعل صفائح، فیکوی بها جنباه وجبینہ، حتی یحکم اللہ بین عبادہ فی یوم کان مقداره خمسين ألف سنة، ثم یری سبیلہ إما إلی الجنة وإما إلی النار، وما من صاحب إبل لا یؤدی زکاتها إلا بطح لها بقاع قرقر، کأوفر ما كانت تستن علیہ، کما مضی علیہ آخرها ردت علیہ أولاهما، حتی یحکم اللہ بین عبادہ، فی یوم کان مقداره خمسين ألف سنة، ثم یری سبیلہ إما إلی الجنة وإما إلی النار، وما من صاحب غنم لا یؤدی زکاتها، إلا بطح لها بقاع قرقر، کأوفر ما كانت، فتطؤه بأظلافها وتنطحه بقرونها، لیس فیها عقصاء ولا جلاء، کما مضی علیہ آخرها ردت علیہ أولاهما، حتی یحکم اللہ بین عبادہ، فی یوم کان مقداره خمسين ألف سنة مما تعدون، ثم یری سبیلہ إما إلی الجنة وإما إلی النار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۰، مادة "زکاة")

۲۔ العقوبة لمانع الزکاة:

من منع الزکاة وهو فی قبضة الإمام تؤخذ منه قهراً لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا: لا إله إلا اللہ محمد رسول اللہ، فإذا قالوها عصموا منی دماءهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم علی اللہ ومن حقها الزکاة، قال أبو بکر رضی اللہ عنہ بمحضر الصحابة: الزکاة حق المال "وقال رضی اللہ عنہ: واللہ لو منعونی عقلاً کانوا یؤدونه إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتهم علیہ. وأقره الصحابة علی ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زکاة")

زکاة میں دینا اس پر فرض تھا، اس سے زیادہ مقدار تعزیر و سزا کے طور پر وصول نہیں کی جائے گی۔ ۱۔

اور اگر کوئی (گروہ یا طبقہ) زکاة ادا کرنے میں عملی طور پر کوتاہی سے کام لے، اور اسلامی حکومت کے حکم پر بھی اپنی کوتاہی سے باز نہ آئے، تو اسلامی حکومت کو اس سے قتال کرنے کی بھی اجازت ہے۔ ۲۔

اور یہ حکم اس شخص کے متعلق ہے، جو زکاة کی فرضیت کو اپنے عقیدہ میں تسلیم کرتا ہو، لیکن مال کی محبت، بخل وغیرہ کی وجہ سے زکاة ادا کرنے میں سُستی و کوتاہی سے کام لیتا ہو۔ ۳۔

اور اگر کوئی شخص عقیدہ کے اعتبار سے زکاة کی فرضیت کا منکر ہو، تو وہ اگر ایسے علاقہ کا باشندہ ہو یا ایسی جگہ اسلام لایا ہو، جہاں زکاة کی فرضیت کا حکم نہ پہنچا ہو، تو اس کو زکاة کی فرضیت کے حکم سے متعارف کرایا جائے گا، لیکن اس کو کافر و مرتد قرار نہیں دیا جائے گا۔

۱۔ وقد ذهب جمهور الفقهاء إلى أن مانع الزكاة إذا أخذت منه قهرا لا يؤخذ معها من ماله شيء. وذهب الشافعي في القديم، وإسحاق بن راهويه، وأبو بكر عبد العزيز من أصحاب أحمد إلى أن مانع الزكاة يؤخذ شطر ماله عقوبة له، مع أخذ الزكاة منه. واحتجوا بقول النبي صلى الله عليه وسلم: في كل سائمة إبل في كل أربعين بنت لبون، لا تفرق إبل عن حسابها، من أعطاهم مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فإنما أخذوها وشرط ماله عزمة من عزمات ربنا، لا يحل لآل محمد منها شيء.

ويستدل لقول الجمهور بقول النبي صلى الله عليه وسلم: ليس في المال حق سوى الزكاة. وبأن الصحابة رضی اللہ عنہم لم يأخذوا نصف أموال الأعراب الذين منعوا الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

۲۔ فأما من كان خارجا عن قبضة الإمام ومنع الزكاة، فعلى الإمام أن يقاتله، لأن الصحابة قاتلوا الممتنعين من أدائها، فإن ظفر به أخذها منه من غير زيادة على قول الجمهور كما تقدم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

۳۔ وهذا فيمن كان مقرا بوجوب الزكاة لكن منعها بخلا أو تأولا، ولا يحكم بكفره، ولذا فإن مات في قتاله عليها ورثه المسلمون من أقاربه وصلى عليه. وفي رواية عن أحمد يحكم بكفره ولا يورث ولا يصلى عليه، لما روى أن أبا بكر لما قاتل مانعي الزكاة، وعصتهم الحرب قالوا: تؤذيها، قال: لا أقبلها حتى تشهدوا أن قتلنا في الجنة وقتلناكم في النار، ووافقه عمر. ولم ينقل إنكار ذلك عن أحد من الصحابة فدل على كفرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

اور اگر کوئی ایسی جگہ کا باشندہ ہو، یا ایسی جگہ اسلام لایا ہو، جہاں زکاة کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہو، یا اس کو زکاة کا حکم متعارف کرایا جا چکا ہو، تو پھر اس کو معذور قرار نہیں دیا جائے گا، اور اس عقیدہ کی وجہ سے اس کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔ ۱

زکاة کے احکام کا علم فرض ہے

زکاة چونکہ اسلام کا اہم رکن اور فریضہ ہے، اور بہت سی صورتوں میں مسلمان پر اس کی ادائیگی عملاً فرض اور اس سلسلہ میں شرعی احکام کی رعایت فرض ہو جاتی ہے، اس لئے زکاة کی فرضیت کا علم حاصل کرنا اور اس سلسلہ میں کوتاہی سے بچنا فرض ہے، تاکہ اس کی روشنی میں اپنے عقیدہ کو درست اور زکاة کو صحیح صحیح ادا کیا جاسکے۔ ۲

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ وأما من منع الزكاة منكراً لوجوبها، فإن كان جاهلاً ومثله يجهل ذلك لحدائثة عهده بالإسلام، أو لأنه نشأ ببادية بعيدة عن الأمصار، أو نحو ذلك، فإنه يعرف وجوبها ولا يحكم بكفره لأنه معذور، وإن كان مسلماً ناشئاً ببلاد الإسلام بين أهل العلم فيحكم بكفره، ويكون مرتداً، وتجري عليه أحكام المرتد، لكونه أنكر معلوماً من الدين بالضرورة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۱، مادة "زكاة")

۲۔ قوله: (طلب العلم فريضة) (قضى) المراد من العلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه، لمعرفة الصانع، والعلم بوجدانيته، ونبوة رسوله، وكيفية الصلاة؛ فإن تعلمه فرض عين، وعلى هذا كلام الشارحين (شرح المشكاة للطيبی، ج ۲، ص ۶۷۸، کتاب العلم)

وسئل الفضيل بن عياض عن قوله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم، فقال كل عمل كان عليلاً فرضاً فطلب علمه عليك فرض، وما لم يكن العمل به عليك فرضاً فليس طلب علمه عليك بواجب (معالم السنن للخطابی، ج ۳، ص ۱۸۶، کتاب العلم، ومن باب كراهية منع العلم)

وطلب العلم فريضة، قال -عليه الصلاة والسلام-: -طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة-. وهو أقسام: فرض، وهو مقدار ما يحتاج إليه لإقامة الفرائض ومعرفة الحق من الباطل، والحلال من الحرام، وهو محمل الحديث (الاختبار لتعليل المختار، ج ۳، ص ۱۷۱، کتاب الكراهية، فصل في الكسب)

(باب نمبر ۳)

زکاة واجب ہونے کی شرائط واحکام

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکاة واجب ہونے کے لئے کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اور جب تک وہ شرائط نہ پائی جائیں، اس وقت تک کسی شخص پر زکاة واجب نہیں ہوتی۔

پھر ان میں سے بعض شرائط تو وہ ہیں، جن کا تعلق انسان کے ساتھ ہے، مثلاً انسان کا عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ ۱

اور بعض شرائط کا تعلق انسان کے بجائے اس مال سے ہے، جس کی وجہ سے زکاة واجب ہوا کرتی ہے، مثلاً مال کا نصاب کے بقدر ہونا، سال گزرنا، مال پر ملکیت کا قائم ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ ۲

۱ من تجب فی مالہ الزکاة:

اتفق الفقهاء علی أن البالغ العاقل المسلم الحر العالم بكون الزکاة فريضة، رجلاً كان أو امرأة تجب فی مالہ الزکاة إذا بلغ نصاباً، وكان متمكناً من أداء الزکاة، وتمت الشروط فی المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۲، مادة "زکاة")

قال - رحمه الله -: (وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية، وملک نصاب حولی فارغ عن الدين وحاجته الأصلية نام، ولو تقديرًا) أى شرط لزوم الزکاة علماً، وعملاً، وأراد بالوجوب الفرضية؛ لأنها ثبتت بدليل مقطوع به، وهو الكتاب والسنة، وإجماع الأمة، وهذه الجملة شروطها أما العقل والبلوغ فلأن التكليف لا يتحقق دونهما (تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ص ۲۵۲ کتاب الزکاة)

۲ شروط المال الذى تجب فيه الزکاة:

يشترط فی المال الذى تجب فيه الزکاة من حيث الجملة شروط:

۱..... كونه مملوكاً لمعين.

۲..... وكون مملوكيته مطلقة (أى كونه مملوكاً رقبه ویداً).

۳..... وكونه نامياً.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر ان شرائط کے تحت بہت سے احکام و مسائل آتے ہیں، اور ان میں فقہائے کرام کے درمیان کچھ اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے۔

آگے اس قسم کی شرائط اور ان سے متعلق احکام کی تفصیل الگ الگ فصلوں میں ذکر کی جاتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ آنے والی فصلوں کے تحت زکاة واجب ہونے کی شرائط میں سے پہلی چھ فصلوں کے تحت مذکور شرائط کا تعلق انسان کے ساتھ ہے، اور اس کے بعد کی سات فصلوں کے تحت شرائط کا تعلق انسان کے بجائے مال کے ساتھ ہے، البتہ ان فصلوں کے تحت مذکور بعض مسائل ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق پہلی قسم کی شرائط سے ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۴.....وَأَنْ يَكُونَ زَائِدًا عَلَى الْحَاجَاتِ الْأَصْلِيَّةِ.

۵.....حَوْلَانِ الْحَوْلِ.

۶.....وَبُلُوغِهِ نَصَابًا، وَالنَّصَابُ فِي كُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْمَالِ بِحَسَبِهِ.

۷.....وَأَنْ يَسْلَمَ مِنْ وَجُودِ الْمَانِعِ، وَالْمَانِعُ أَنْ يَكُونَ عَلَى الْمَالِكِ دَيْنٌ يَنْقُصُ النَّصَابَ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۶، مادة ”زكاة“)

(فصل نمبر ۱)

مسلمان ہونا

(غیر مسلم اور مرتد ہونے پر زکاة کے احکام)

زکاة فرض ہونے کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کے احکام درج ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... زکاة کیونکہ عبادت ہے اور اسلام کے بغیر عبادت کا تصور ناممکن ہے، اس لئے زکاة فرض ہونے کی ایک شرط مسلمان ہونا ہے۔

اور جو شخص مسلمان نہ ہو، اگرچہ وہ کتنا ہی مال دار ہو، اس پر زکاة کا عملی طور پر ادا کرنا فرض نہیں ہوتا، اور اگر وہ ادا بھی کرنا چاہے، تب بھی اس کے حق میں یہ عمل عبادت شمار نہیں ہوتا، البتہ غیر مسلم کی طرف سے ضرورت مند کی امداد کرنے کو دنیاوی اعتبار سے ایک اچھا کام ضرور قرار دیا جاتا ہے، جس پر امید ہے کہ اللہ اس کو دنیا میں نعم البدل عطا فرمادے، لیکن آخرت کا اجر و ثواب حاصل ہونے کے لئے ایمان شرط ہے۔ ۱۔

۱۔ لا تجب الزکاة فی مال الکافر الاصلی اتفاقاً، حرباً کان أو ذمیاً، لأنه حق لم یلتزمه، ولأنها وجبت طهراً للمزکی، والکافر لا طهراً له ما دام علی کفره. وأخذ عمر رضی اللہ عنہ الزکاة مضاعفة من نصاری بنی تغلب عندما رفضوا دفع الجزية ورضوا بدفع الزکاة.

وقد ذهب الجمهور إلى أن ما يؤخذ منهم یصرف فی مصارف الفیء، لأنه فی حقیقته جزية، وذهب محمد بن الحسن إلى أنه یصرف فی مصارف الزکاة وهو قول أبی الخطاب من الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زکاة")

منها إسلامه حتی لا تجب علی الکافر فی حق أحكام الآخرة عندها؛ لأنها عبادة والکفار غیر مخاطبين بشرائع هی عبادات هو الصحيح من مذهب أصحابنا خلافاً للشافعی وهی من مسائل أصول الفقه.

وأما فی حق أحكام الدنيا فلا خلاف فی أنها لا تجب علی الکافر الاصلی حتی لا یخاطب بالأداء بعد الإسلام كالصوم والصلاة (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۴، کتاب الزکاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

مسئلہ نمبر ۳..... اگر کسی عاقل، بالغ مسلمان کے مال پر سال گزرنے کی وجہ سے زکاة فرض ہوگئی، اور پھر وہ زکاة ادا کرنے سے پہلے نعوذ باللہ مرتد یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے اس سال کی زکاة ساقط نہیں ہوتی، بلکہ اس کا ادا کرنا بدستور اس کے ذمہ فرض ہونا باقی رہتا ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں مرتد ہونے سے اس کی زکاة ساقط ہو جاتی ہے۔ ۱۔

۱۔ أما المرتد، فما وجب عليه من الزكاة في إسلامه، وذلك إذا ارتد بعد تمام الحول على النصاب لا يسقط في قول الشافعية والحنابلة، لأنه حق مال فلا يسقط بالردة كالدين، فيأخذه الإمام من ماله كما يأخذ الزكاة من المسلم الممتنع، فإن أسلم بعد ذلك لم يلزمه أداؤها. وذهب الحنفية إلى أنه تسقط بالردة الزكاة التي وجبت في مال المرتد قبل الردة، لأن من شرطها النية عند الأداء، ونيته العبادة وهو كافر غير معتبر، فتسقط بالردة كالصلاة، حتى ما كان منها زكاة الخارج من الأرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زكاة") فأما إن ارتد بعد الحول لم تسقط الزكاة عنه وبهذا قال الشافعي.

وقال أبو حنيفة تسقط لأن من شرطها النية فسقطت بالردة كالصلاة.

ولنا: أنه حق مال فلا يسقط بالردة كالدين وأما الصلاة فلا تسقط أيضا، لكن لا يطالب بفعلها لأنها لا تصح منه ولا تدخلها النيابة فإذا عاد وجبت عليه والزكاة تدخلها النيابة ولا تسقط بالردة كالدين وبأخذها الإمام من الممتنع وكذا ها هنا يأخذها الإمام من ماله كما يأخذها من المسلم الممتنع فإن أسلم بعد أخذها لم يلزمه أداؤها لأنها سقطت عنه بأخذها كما تسقط بأخذها من المسلم الممتنع. ويحتمل أن لا تسقط لأن الزكاة عبادة، فلا تحصل من غير نية وأصل هذا ما لو أخذها الإمام من المسلم الممتنع، وقد ذكر في غير هذا. وإن أخذها غير الإمام أو نائبه، لم تسقط عنه لأنه لا ولاية له عليه فلا يقوم مقامه بخلاف نائب الإمام وإن أداها في حال ردته لم تجزه لأنه كافر فلا تصح منه كالصلاة (المغنى لابن قدامة، ج ۳، ص ۷۴، ۷۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين والصدقة، فصل أسلم المرتد وقد حال على ماله الحول)

وأما المرتد فكذلك عندنا حتى إذا مضى عليه الحول وهو مرتد فلا زكاة عليه حتى لا يجب عليه أداؤها إذا أسلم، وعند الشافعي تجب عليه في حال الردة ويخاطب بأدائها بعد الإسلام وعلى هذا الخلاف الصلاة.

وجه قوله: أنه أهل للوجوب لقدرته على الأداء بواسطة الطهارة فكان ينبغي أن يخاطب الكافر الأصلي بالأداء بعد الإسلام إلا أنه سقط عنه الأداء رحمة عليه وتخفيفا له.

والمرتد لا يستحق التخفيف، لأنه رجع بعد ما عرف محاسن الإسلام فكان كفره أغلظ فلا يلحق به. (ولنا) قول النبي -صلى الله عليه وسلم-: الإسلام يهدم ما قبله، ولأن الزكاة عبادة والكافر ليس من أهل العبادة لعدم شرط الأهلية وهو الإسلام فلا يكون من أهل وجوبها كالكافر الأصلي، وقوله:

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸۰۰..... اگر کوئی عاقل، بالغ، صاحب نصاب مسلمان شخص، مال پر سال گزرنے سے پہلے نفوذ باللہ مرتد یعنی دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے، اور مرتد ہونے کی حالت میں اس کے مال پر سال گزرے، تو حنفیہ سمیت بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس پر اس سال کی زکاة فرض نہیں ہوتی، اور اسلام لانے کے بعد ہی اس کی زکاة کا سال شروع ہوتا ہے۔

البتہ اگر وہ سال پورا ہونے سے پہلے اسلام کی طرف لوٹ آئے، اور مسلمان ہونے کی حالت میں اس پر سال گزرے، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس پر اس سال کی زکاة کی ادائیگی لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنه قادر على الأداء بتقديم شرطه وهو الإيمان فاسد، لأن الإيمان أصل والعبادات توابع له بدليل أنه لا يتحقق الفعل عبادة بدون، والإيمان عبادة بنفسه.

وهذه آية التبعية، ولهذا لا يجوز أن يرتفع الإيمان عن الخلائق بحال من الأحوال في الدنيا والآخرة مع ارتفاع غيره من العبادات فكان هو عبادة بنفسه وغيره عبادة به فكان تبعاً له فالقول بوجوب الزكاة وغيرها من العبادات بناء على تقديم الإيمان جعل التبع متبوعاً والمتبوع تابعاً وهذا قلب الحقيقة، وتغيير الشريعة بخلاف الصلاة مع الطهارة، لأن الصلاة أصل والطهارة تابعة لها فكان إيجاب الأصل إيجاباً للتبع وهو الفرق (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۴، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

قوله: "مسلم" خرج الكافر ولو مرتداً بناء على أنه غير مخاطب بفروع الشريعة فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشيء من العبادات أيام رده ولو ارتد بعد وجوبها سقطت بحر (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۷۴، كتاب الزكاة)

(قوله وإسلام) فلا زكاة على كافر لعدم خطابه بالفروع سواء كان أصلياً أو مرتداً فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشيء من العبادات أيام رده ثم كما شرط للوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتى لو ارتد بعد وجوبها سقط كما في الموت بحر عن المعراج (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۵۹، كتاب الزكاة) ۱۔ وأما إذا ارتد قبل تمام الحول على النصاب فلا يثبت الوجوب عند الجمهور من الحنفية، والحنابلة، وهو قول عند الشافعية.

والأصح عند الشافعية أن ملكه لماله موقوف فإن عاد إلى الإسلام تبين بقاء ملكه وتجب فيه الزكاة وإلا فلا الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زكاة"

ذهب الحنفية والمالكية إلى أن الردة تسقط دين الله تعالى، سواء أكان بدنياً أم مالياً لقول الله تعالى: (قل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف) وقول النبي صلى الله عليه وسلم: الإسلام (بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

اور اس کو اس سال کی زکاة کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ۱
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمٌ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یہدم ما کان قبلہ .وعلى هذا فمن كان مسلماً ثم ارتد -والعیاذ باللہ -ثم أسلم فما كان من دیون اللہ تعالیٰ فی ذمته فقد بطل تعلقه بها وسقط عنه القضاء . وذهب الشافعية إلى أن الرد لا تسقط حقاً للہ تعالیٰ مالاً أو بدنیا .

وقد فصل ابن قدامة القول بالنسبة لمذهب الحنابلة فقال فی الزکاة :من ارتد قبل مضی الحول وحال الحول وهو مرتد فلا زکاة علیه نص علیہ، لأن الإسلام شرط لوجوب الزکاة فعدمه فی بعض الحول يسقط الزکاة کالملك والنصاب، وإن رجع إلى الإسلام قبل مضی الحول استأنف حولاً، أما إن ارتد بعد الحول لم تسقط الزکاة عنه.

وأما الصلاة فلا تسقط أيضاً لكن لا يطالب بفعليها لأنها لا تصح منه ولا تدخلها النيابة، فإذا عاد وجب علیه قضاؤها، والزکاة تدخلها النيابة ولا تسقط بالردة كالدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۵۱، ۱۵۲، مادة ”دين“)

۱۔ فصل: وإن ارتد قبل مضی الحول وحال الحول وهو مرتد فلا زکاة علیه نص علیہ لأن الإسلام شرط لوجوب الزکاة فعدمه فی بعض الحول يسقط الزکاة کالملك والنصاب وإن رجع إلى الإسلام قبل مضی الحول استأنف حولاً، لما ذكرنا.

قال أحمد: إذا أسلم المرتد وقد حال على ماله الحول فإن المال له ولا يزيكیه حتى يستأنف به الحول لأنه كان ممنوعاً منه (المغنی لابن قدامة، ج ۳ ص ۷۴، كتاب الزکاة، باب زکاة الدين والصدقة، فصل أسلم المرتد وقد حال على ماله الحول)

(وأما) زمن الردة فهل تجب علیه زکاة فيه طریقان حکاهما إمام الحرمين والرافعي وغيرهما (أحدهما) القطع بوجوب الزکاة وبه قال ابن سريج كالنفقات والغرامات (والطريق الثاني) وهو المشهور وبه قطع الجمهور فيه ثلاثة أقوال بناء على بقاء ملكه وزواله (أحدها) يزول ملكه فلا زکاة (والثاني) يبقى فتجب (وأصحها) أنه موقوف إن عاد إلى الإسلام تيسيراً بقاءه فتجب وإلا فلا (المجموع شرح المذهب، ج ۵ ص ۳۲۸، كتاب الزکاة)

(فصل نمبر ۲)

آزاد ہونا

(شرعی غلام اور باندی اور اُن پر زکاة کے احکام)

زکاة فرض ہونے کے لئے انسان کے آزاد یا غلام ہونے کی شرط کے احکام درج ذیل ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... زکاة فرض ہونے کے لئے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کا آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔

جو مرد شرعی اعتبار سے غلام ہو یا جو عورت شرعی اعتبار سے باندی ہو، اس پر زکاة فرض نہیں، کیونکہ شرعی غلام اور باندی کی مال پر ملکیت قائم نہیں ہوتی، بلکہ شرعاً اس کے آقا و مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔ ۱

۱ ثانیاً: الحرية عند جمهور الفقهاء خلافا للحنابلة، لأن العبد لا يملك، ومن لا يملك لا يملك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۷، مادة ”زكاة الفطر“)
الحرية: فلا تجب الزكاة اتفاقاً على العبد، لأنه لا يملك، والسيد مالك لما في يد عبده، والمكاتب ونحوه وإن ملك، إلا أن ملكه ليس تاماً (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳ ص ۱۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)
ومنها الحرية؛ لأن المملك من شرائط الوجوب لما نذكر، والمملوك لا ملك له حتى لا تجب الزكاة على العبد وإن كان مأذوناً له في التجارة (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۶، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

(قوله: وحرية) فلا تجب على عبده، ولو مكاتباً أو مستسعى لأن العبد لا ملك له، والمكاتب ونحوه وإن ملك إلا أن ملكه ليس تاماً نهر (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۵۹، كتاب الزكاة)
الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكاً تاماً وحال عليه الحال أما الوجوب فلقوله تعالى (وآتوا الزكاة) ولقوله صلى الله عليه وسلم أدوا زكاة أموالكم وعليه إجماع الأمة .

والمراد بالواجب الفرض لأنه لا شبهة فيه واشتراط الحرية لأن كمال الملك بها والعقل والبلوغ لما نذكره والإسلام لأن الزكاة عبادة ولا تحقق العبادة من الكافر ولا بد من ملك مقدار النصاب ﴿بقية حاشيا گلے صفے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... کسی شرعی غلام یا باندی کو جو مال جائز طریقہ پر حاصل ہو، مثلاً اس کو کوئی ہبہ کرے، تو اس مال کا مالک اس غلام یا باندی کا آقا سمجھا جاتا ہے، اور اگر غلام یا باندی کو ملا ہوا یہ مال نصاب کے برابر ہو، تو اس کی زکاة اس غلام یا باندی پر واجب نہیں ہوتی، بلکہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس طرح کے مال کی زکاة اس کے آقا پر واجب ہوتی ہے۔ ۱

تنبیہ: آج کل بہت سے لوگوں کو شرعی غلام یا باندی کی حقیقت یا ان کے احکام کا علم نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ان کو مختلف قسم کے سوالات بلکہ شکوک و شبہات پیش آیا کرتے ہیں، اس لئے اس موقع پر مختصر انداز میں غلام و باندی سے متعلق چند اہم احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۴..... جو غیر مسلم لوگ، محارب ہوں (یعنی جن غیر مسلموں سے مسلمانوں کا جنگ بندی وغیرہ کا معاہدہ نہ ہو) اُن سے شرعی اصولوں کے مطابق جہاد و قتال کے نتیجہ میں جو غیر مسلم گرفتار ہو کر ہاتھ آئیں، ان کے بارے میں مسلمانوں کے حکمران اعظم یا ان کے امیر مجاز کو حسبِ مصلحت کئی اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جن میں سے ایک اختیار یہ ہوتا ہے کہ ان پر احسان کر کے اور فدیہ (و معاوضہ) لے کر ان کو رہا کر دیا جائے، اور ایک اختیار یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کو غلام بنالیا جائے۔

مگر غلام بنانے کا معاملہ ایک مباح اور جائز درجہ کا عمل ہے، فرض و واجب درجہ کا عمل نہیں ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأنه صلى الله عليه وسلم قدر السبب به ولا بد من الحول لأنه لا بد من مدة يتحقق فيها النماء وقدرها الشرع بالحول لقوله صلى الله عليه وسلم لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول ولأنه المتمكن به من الاستنماء لاشتماله على الفصول المختلفة والغالب تفاوت الأسعار فيها فأدبر الحكم عليه (الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ۱ ص ۹۵، كتاب الزكاة)

۱۔ وإنما تجب الزكاة في رأى الجمهور على سيده لأنه مالك لمال عبده، فكانت زكاته عليه كالمال الذى فى يد الشريك المضارب والوكيل. وقال المالكية: لا زكاة في مال العبد لا على العبد ولا على سيده، لأن ملك العبد ناقص، والزكاة إنما تجب على تام الملك، ولأن السيد لا يملك مال العبد (الفقه الاسلامى وادلته للزحلى، ج ۳ ص ۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانى)

کہ اس کی خلاف ورزی میں گناہ ہو۔ ۱

۱۔ اگر وہ گرفتار شدہ افراد ایسے ہوں کہ جن کو شرعاً قتل کرنا جائز تھا، مثلاً نوجوان جنگجو، تو ان کو غلام بنانا واجب نہیں، بلکہ مباح و جائز ہے، اور احسان کر کے اور فدیہ لے کر چھوڑنے کا بھی جواز ہے، اور قتل کرنے کا بھی اختیار ہے، اور اگر وہ گرفتار شدہ افراد ایسے ہوں کہ جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ بچے اور عام عورتیں وغیرہ، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ان کو بھی غلام و باندی بنانا جائز و مباح ہے، واجب نہیں، اور دوسرے مذکورہ اختیارات بھی حاصل ہیں۔

اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک ان کو غلام بنانا واجب ہے، دوسرے اختیارات حاصل نہیں۔

اور یہ سب کچھ اس وقت ہے، جبکہ ان غیر مسلموں سے اس کے خلاف کسی مصلحت سے کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو، اور اگر غیر مسلموں سے یہ معاہدہ ہو کہ دونوں طرف میں سے کسی طرح کا بھی کوئی شخص قید و گرفتار ہو جائے، تو اس کو غلام نہیں بنایا جائے گا، تو مسلمانوں کو اس معاہدہ کی پاسداری ضروری ہوگی، اور دوسری طرف سے عہد شکنی کے بغیر خلاف ورزی جائز نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الاسترقاق لغة: الإدخال في الرق، والرق: كون الآدمي مملوكا مستعبدا. ولا يخرج الاستعمال الفقهي عن ذلك.

الألفاظ ذات الصلة: الأسر والسبي:

الأسر هو: الشد بالإسار، والإسار: ما يشد به، وقد يطلق الأسر على الأخذ ذاته. والسبي هو: الأسر أيضا، ولكن يغلب إطلاق السبي على أخذ النساء والذرائع. والأسر والسبي مرحلة متقدمة على الاسترقاق في الجملة. وقد يتبعها استرقاق أو لا يتبعها، إذ قد يؤخذ المحارب، ثم يمن عليه، أو يفدى، أو يقتل ولا يسترق. الحكم التكليفي للاسترقاق:

يختلف حكم الاسترقاق باختلاف المسترق (بافتتاح)، فإن كان الأسير ممن يجوز قتله في الحرب فلا يجب استرقاقه، بل يجوز، ويكون النظر فيه إلى الإمام، إن رأى في قتله مصلحة للمسلمين قتله، وإن رأى في استرقاقه مصلحة للمسلمين استرققه، كما يجوز المن والفداء أيضا. أما إن كان ممن لا يجوز قتله في الحرب فقد اختلف الفقهاء فيه على اتجاهين:

فذهب الشافعية والحنابلة إلى وجوب استرقاقه، بل إنهم قالوا: إنه يسترق بنفس الأسر.

وذهب الحنفية والمالكية إلى جواز استرقاقه، حيث يخير الإمام بين الاسترقاق وغيره، كجعلهم ذمة للمسلمين، أو المفاداة بهم، أو المن عليهم - كما فعل الرسول صلى الله عليه وسلم في فتح مكة - على ما يرى من المصلحة في ذلك. وللتفصيل (ر: أسرى) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۷، وص ۲۹۸، مادة "استرقاق")

حكم الإمام في الأسرى.

يرجع الأمر في أسرى الحربين إلى الإمام، أو من ينوب عنه.

وجعل جمهور الفقهاء مصائر الأسرى بعد ذلك، وقيل إجراء قسمة الغنائم بين الغانمين، في أحد أمور: فقد نص الشافعية والحنابلة على تخيير الإمام في الرجال البالغين من أسرى الكفار، بين

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... اسلام میں جس غلامی کا حکم و تصور ہے، وہ انتہائی پاکیزہ اور شفقت و کرم پر مبنی نظام ہے، اور مختلف طریقوں سے بندہ کے حق میں شرعی غلامی ایک عظیم رحمت و نعمت ہے، وہ اس طرح سے کہ ایک تو کفر کی حالت میں قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے، دوسرے غلام بنانے سے دل میں موجود کفر و شرک کی سرکشی ٹوٹتی ہے، اور کبر، تکبر اور غرور و دور ہو کر اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوتی اور اس کے نتیجے میں پھر آخرت کے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے، اور کفر و شرک کی ایک بڑی وجہ یہی تکبر و غرور ہے، جیسا کہ شرعی غلامی کا رحمت و نعمت ہونا تاریخ اسلام سے واضح ہے۔

تیسری اسلام میں غلام کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور بہت سی چیزوں کے فدیہ اور کفارہ میں غلام کو آزاد کرنے کا عمل تجویز کیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں ایک تو اس شخص کو آزادی حاصل ہو جاتی ہے، اور دوسرے وہ کفر سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر غلام کو آزاد نہ کیا جائے، تب بھی اسلام میں اس کے اتنے زیادہ حقوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ ان حقوق کا حصول اس کو غیر مسلموں کے معاشرہ میں آزاد رہ کر حاصل ہونا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قتلہم، أو استرقاقہم، أو المن علیہم، أو مفاد اتہم بمال أو نفس.

أما الحنفیة فقد قصروا التخییر علی ثلاثة أمور فقط: القتل، والاسترقاق، والمن علیہم بجعلہم أهل ذمة علی الجزیة، ولم یجوزوا المن علیہم دون قید، ولا الفداء بالمال إلا عند محمد بن الحسن بالنسبة للشیخ الکبیر، أو إذا کان المسلمون بحاجة للمال. وأما مفاد اتہم بأسرى المسلمین فموضع خلاف عندهم.

وذهب مالک إلى أن الإمام یخیر فی الأسرى بین خمسة أشياء: فإما أن یقتل، وإما أن یسترق، وإما أن یعق، وإما أن يأخذ فیہ الفداء، وإما أن یعقد علیہ الذمة ویضرب علیہ الجزیة، والإمام مقید فی اختیاره بما یحقق مصلحة الجماعة.

وینفق الفقهاء علی أن الأصل فی السبایا من النساء والصبیة أنهم لا یقتلون. ففی الشرح الکبیر للدردیر: وأما النساء والذراری فلیس فیہم إلا الاسترقاق أو الفداء وتفصیلہ فی (سی). كما یتفقون علی أن الأسیر الحربی الذی أعلن إسلامه قبل القسم، لا یحق للإمام قتله، لأن الإسلام عاصم لدمه علی ما سبأی.

ویقول الشافعیة: إن خفی علی الإمام أو أمیر الجیش الأحظ حبسہم حتی ینظر لہ، لأنه راجع إلى الاجتهاد، ویصرح ابن رشد بأن هذا ما لا خلاف فیہ بین المسلمین، إذا لم یکن یوجد تأمین لہم (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۴، ص ۲۰۰، ۲۰۱، مادة "أسرى")

بھی مشکل تھا۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۵..... غلام بنانے کا اختیار مسلمانوں کے حکمران اعظم کو حاصل ہوتا ہے، یا اس کو حاصل ہوتا ہے، جس کو مسلمانوں کا حکمران اعظم یہ اختیار تقویض و تحویل کرے۔

لہذا کسی عامی شخص کا، کسی غیر مسلم پر قبضہ و تسلط حاصل کر کے، یا کسی آزاد غیر مسلم مرد یا عورت یا بچہ کو خرید کر اُسے غلام و باندی تصور کرنا درست نہیں۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۶..... مسلمانوں سے جنگ میں جو غیر مسلم برسرِ پیکار ہوں، اور وہ گرفتار کر لئے جائیں، اور وہ اہل کتاب ہوں، تو ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

اور اگر وہ مشرک ہوں، اور اس کے ساتھ ہی عجمی یعنی غیر عربی ہوں، تو حنفیہ اور مالکیہ وغیرہ

۱۔ اور غلام و باندی ہونے کا جو شرعی جہاد و قتال کے موقع پر قیدی بنانے سے بھی ہو سکتا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، اور اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی بچہ ایسی باندی سے پیدا ہو، کہ اُس بچہ کا باپ اس باندی کا آقا و مالک نہ ہو، بلکہ کوئی غلام یا آزاد (مگر غیر آقا) شوہر ہو۔

حکمة تشريع الاسترقاق: قال محمد بن عبد الرحمن البخارى شيخ صاحب الهداية: "الرق إنما ثبت فى بنى آدم لاستنكافهم من عبوديتهم لله تعالى الذى خلقهم، وكلهم عبده وأرقاؤه، فإنه خلقهم وكونهم، فلما استنكفوا عن عبوديتهم لله تعالى جزاهم برقهم لعباده، فإذا اعتقه فقد أعاده المعتق إلى رقه حقا لله تعالى خالصا، فعسى يرى هذه المنة: أنه لو استنكف من عبوديته لله تعالى لا يتلى برق لعبيده، فيقر لله تعالى بالوحدانية، ويفتخر بعبوديته، قال الله تعالى: (لن يستنكف المسيح أن يكون عبدا لله)

وكان طريق التخلص من الرق الذى انتهجه الإسلام يتلخص فى أمرين: الأمر الأول: حصر مصادر الاسترقاق بمصدرين اثنين لا ثالث لهما، وإنكار أن يكون أى مصدر غيرهما مصدرا مشروعا للاسترقاق:

أحدهما: الأسرى والسبي من حرب لعدو كافر إذا رأى الإمام أن من المصلحة استرقاقهم. وثانيهما: ما ولد من أم رقيقة من غير سيدها، أما لو كان من سيدها فهو حر. الأمر الثانى: فتح أبواب تحرير الرقيق على مصاريعها، كالكفارات، والنذور، والعق تقربا إلى الله تعالى، والمكاتبة، والاستيلاد، والتدبير، والعق بملك المحارم، والعق بإساءة المعاملة، وغير ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۸، مادة "استرقاق")

۲۔ من له حق الاسترقاق:

اتفقت كلمة الفقهاء على أن الذى له حق الاسترقاق أو المن أو الفداء هو الإمام الأعظم للمسلمين، بحكم ولايته العامة، أو من ينوبه، ولذلك جعل إليه أمر الخيار فى الاسترقاق وعدمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۸، مادة "استرقاق")

کے نزدیک، ان کو بھی غلام بنانا جائز ہے۔

اور اگر وہ عربی ہوں، تو بعض فقہاء ان کے بھی غلام بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ان کو غلام بنانا جائز نہیں، بلکہ اُن سے یا تو اسلام قبول کرایا جائے گا، ورنہ ان کو قتل کرنے کا حکم ہوگا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۷..... اگر مسلمان مرتد لوگوں کے خلاف جنگ کر رہے ہوں، تو ان مرتد لوگوں کو غلام بنانا جائز نہیں، بلکہ اُن پر ارتداد والی سزا جاری کرنے کا حکم ہے، جس کے مستقل احکام ہیں۔ ۲

مسئلہ نمبر ۸..... اگر مسلمانوں سے جنگ کرنے والے لوگ مسلمان، مگر باغی ہوں، یعنی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر رہے ہوں، اور اس دوران ان کو گرفتار کر لیا جائے، تو ان کو بھی غلام بنانا جائز نہیں۔ ۳

۱۔ الأسرى من الذين اشترکوا في حرب المسلمين فعلا.

وهؤلاء إما أن يكونوا من أهل الكتاب، أو من المشركين، أو من المرتدين، أو من البغاة.

فإن كانوا من أهل الكتاب: جاز استرقاقهم بالاتفاق، والمجوس يعاملون مثلهم في هذا.

أما إن كانوا من المشركين: فإما أن يكونوا من العرب أو من غيرهم، فإن كانوا من غير العرب فقد قال الحنفية، والمالكية، وبعض الشافعية، وبعض الحنابلة: يجوز استرقاقهم. وقال بعض الشافعية، وبعض الحنابلة: لا يجوز.

أما إن كانوا من العرب: فقد ذهب المالكية، وبعض الشافعية، وبعض الحنابلة إلى جواز استرقاقهم. واستثنى المالكية من ذلك القرشيين، فقالوا: لا يجوز استرقاقهم.

وذهب الحنفية، وبعض الشافعية، وبعض الحنابلة إلى أنه لا يجوز استرقاقهم، بل لا يقبل منهم إلا الإسلام، فإن رفضوه قتلوا، وعلل الحنفية هذا التفريق في الحكم بين العربی وغیرہ من المشركين بأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نشأ بین أظهرهم، والقرآن نزل بلغتهم، فالمعجزة فی حقهم أظهر، فكان كفرهم -والحالة هذه -أغلظ من كفر العجم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

۲۔ وأما إن كانوا من المرتدين: فإنه لا يجوز استرقاقهم بالاتفاق، ولا يقبل منهم إلا الإسلام، فإن رفضوه قتلوا لغلظ كفرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

۳۔ وأما إن كانوا من البغاة: فإنه لا يجوز استرقاقهم بالاتفاق، لأنهم مسلمون، والإسلام يمنع ابتداء الرق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

مسئلہ نمبر ۹..... جنگ و قتال کے موقع پر اگر ایسے غیر مسلم افراد گرفتار کر لئے جائیں، کہ جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ عورتیں، بچے، تو ان کو غلام و باندی بنانے کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۰..... کسی عورت کو جنگ کے موقع پر اس وقت تک باندی بنانا جائز نہیں، جب تک کہ اس میں دو باتیں نہ پائی جائیں، ایک تو یہ کہ وہ غیر مسلم ہو، دوسرے یہ کہ وہ جنگی ہو، خواہ خود سے مسلمانوں کے مقابلے میں صف آراء ہو، یا کسی جنگجو کے ماتحت و تابع ہو۔

اور اگر وہ پہلے سے مسلمان ہو، یا کسی غیر مسلم جنگجو کے ماتحت و تابع نہ ہو، تو اس کو جس طرح قتل کرنا جائز نہیں، اسی طرح باندی بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۱۱..... اگر جنگ و قتال کے موقع پر کسی غیر مسلم شخص کو گرفتار کر لیا گیا، اور اس کے بعد وہ شخص باضابطہ غلام بنائے جانے سے پہلے مسلمان ہو گیا، تب بھی اس کو غلام بنانا جائز ہے، کیونکہ غلام بنائے جانے کا سبب اس میں جنگ و گرفتاری کے وقت موجود تھا۔ ۳

۱۔ الأسرى من الذين أخذوا في الحرب ممن لا يجوز قتلهم، كالنساء والدراري وغيرهم: وهؤلاء يجوز استرقاقهم بالاتفاق، إن كانوا من أهل الكتاب، أو من الوثنيين المشركين، سواء أكانوا من العرب أو من غيرهم. واستثنى المالكية من ذلك الرهبان المنقطعين عن الناس في الجبال، إن لم يكن لهم رأى في الحرب، وإنما كان الاسترقاق لهؤلاء دون القتل للتوصل إلى إسلامهم، لأنهم ليسوا من أهل الحرب. واستدلوا على جواز استرقاق أهل الكتاب باسترقاق رسول الله نساء بنى قريظة وذرايعهم، واستدلوا على جواز استرقاق سبي المرتدين باسترقاق أبي بكر الصديق نساء المرتدين من العرب، واستدلوا على جواز استرقاق سبي المشركين باسترقاق رسول الله نساء هوازن وذرايعهم، وهم من صميم العرب. أما من يؤخذ من نساء البغاة وذرايعهم، فلا يسترقون بالاتفاق، لأنهم مسلمون، والإسلام يمنع ضرب الرق ابتداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۹، و ص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

۲۔ أسباب الاسترقاق: أولاً - من يضرب عليه الرق:

لا يجوز ضرب الرق على النساء إلا إذا توفرت فيمن يسترقت صفتان: الصفة الأولى الكفر، والصفة الثانية الحرب، سواء أكان محارباً بنفسه، أم تابعاً لمحارب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۹۹، مادة "استرقاق")

۳۔ ج - استرقاق من أسلم من الأسرى أو السبي: من أسلم من الأسرى بعد الأخذ فيجوز استرقاقه، لأن الإسلام لا ينافي الرق جزاء على الكفر الأصلي، وقد وجد الإسلام بعد انعقاد سبب الملك، وهو الأخذ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

مسئلہ نمبر ۱۳..... اگر کوئی مسلمان عورت ”نعوذ باللہ“، مرتد یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے، اور وہ اس ارتداد پر قائم رہے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کو باندی بنانا جائز نہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۴..... اگر کوئی غیر مسلم ذمی ہو، یعنی عہد و معاہدہ کے تحت، مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہو، اور وہ اُس معاملہ و معاہدہ میں عہد شکنی کا ارتکاب کرے، جس کی بناء پر اس کو ذمی بنایا گیا تھا، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک بعض صورتوں میں اس کو غلام بنانا جائز ہو جاتا ہے۔ ۲

۱۔ البتہ جمہور کے مقابلہ میں بعض دیگر حضرات ایسی صورت میں مسلمان عکراں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ بوقت ضرورت و مصلحت ایسی عورت کے متعلق باندی ہونے کا حکم جاری کرے۔ محمد رضوان۔

المراة المرتدة فی بلاد الإسلام:

ذهب الجمهور إلى أن المرأة إذا ارتدت، وأصرت على ردتها لا تسترق، بل تقتل كالمرتدة، ما دامت في دار الإسلام. وعن الحسن، وعمر بن عبد العزيز، وأبي حنيفة في النواذر: تسترق في دار الإسلام أيضا. قيل: لو أفتى بهذه لا بأس به فيمن كانت ذات زوج، حسما لقصد لها السوء بالردة من إثبات الفرقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۰، مادة ”استرقاق“)

۲۔ إذا نقض الذمی العهد فهو بمنزلة المرتد في جميع أحكامه، ويحكم بموته باللاحق بدار الحرب، لأنه التحق بالأموال، وتبين منه زوجته الذمية التي خلفها في دار الإسلام، وتقسّم تركته، وإذا تاب ورجع تقبل توبته وتعود ذمته، إلا أنه لو غلب عليه المسلمون وأسر يسترق، بخلاف المرتد، وهذا كله عند الحنفية .

وفصل المالكية والشافعية في حكم ناقض العهد، حسب اختلاف أسباب النقص، فقال المالكية: قتل بسبب نبي بما لم يكفر به وجوبا، وبغصب مسلمة على الزنى، أو غرورها بإسلامه فتزوجه، وهو غير مسلم، وأبى الإسلام بعد ذلك، أما المطلق على عورات المسلمين فيرى الإمام فيه رأيه بقتل أو استرقاق. ومن التحق بدار الحرب ثم أسره المسلمون جاز استرقاقه، وإن خرج لظلم لحقه لا يسترق ويرد لجزيته .

وقال الشافعية: من انتقض عهده بقتال يقتل، وإن انتقض عهده بغيره لم يجب إبلاغه بأمنه في الأظهر، بل يختار الإمام فيه قتلا أو رقا أو فداء .

أما الحنابلة، فلم يفرقوا بين أسباب النقص في الرواية المشهورة، وقالوا: خير الإمام فيه بين أربعة أشياء: القتل والاسترقاق والفداء والمن، كالأسير الحربى؛ لأنه كافر قدرنا عليه في دارنا بغير عهد ولا عقد، فأشبهه اللص الحربى، ويحرم قتله بسبب نقض العهد إذا أسلم .

هذا، ولا يبطل أمان ذريتهم ونسائهم بنقض عهدهم عند جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) لأن النقص إنما وجد من الرجال البالغين دون الذرية، فيجب أن يختص حكمه بهم .

﴿بقيہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۴..... اگر کوئی غیر مسلم حربی شخص (یعنی جو خود بھی کافر ہو، اور کافروں کے ایسے ملک کا باشندہ بھی ہو، جن سے مسلمانوں کی جنگ بندی وغیرہ کی کوئی مصالحت و معاہدہ نہ ہو) بغیر امن طلب کیے (یعنی قانونی اجازت یا ویزہ وغیرہ حاصل کئے بغیر، ناجائز و غیر قانونی طریقہ پر) مسلمانوں کے ملک میں داخل ہو جائے، تو مسلمانوں کے حاکم وقت کو، اسے غلام بنانے کا حکم جاری کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص قاصد و سفیر بن کر یعنی غیر مسلموں کا کوئی پیغام لے کر مسلمانوں کے ملک میں آئے، تو اس کو غلام بنانا جائز نہیں ہوتا، خواہ وہ غیر قانونی طریقہ پر ہی مسلمانوں کے ملک میں کیوں نہ داخل ہو، البتہ اس قانون شکنی کی اسے اور کوئی مناسب تعزیر و سزا دی جاسکتی ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک اس شخص کو غلام بنانا بھی جائز نہیں، جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا کلام سننے اور شریعت اسلام پہنچانے کے لئے آیا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۵..... جو بچہ شرعی باندی سے پیدا ہو، تو وہ اپنی ماں کے تابع ہو کر، غلام شمار ہوتا ہے البتہ اگر کوئی بچہ ایسی باندی سے پیدا ہوا ہو کہ اس بچے کا باپ اُس باندی کا آقا و مالک ہو، تو وہ بچہ غلام تصور نہیں کیا جاتا، بلکہ آزاد سمجھا جاتا ہے، اور اس بچے کی ماں بھی آقا کے فوت ہونے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

و يفهم من كلام المالكية أنه تسترق ذريتهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۷، ص ۱۳۹، مادة "اهل الذمة")

إذا أتى الذمي ما يعتبر نقضا للذمة - على اختلاف الاجتهادات فيما يعتبر نقضا للذمة وما لا يعتبر (ر: ذمة) - فإنه يجوز استرقاقه وحده، دون نسائه وذرائه، لأنه بنقضه الذمة قد عاد حربيا، فيطبق عليه ما يطبق على الحربيين.

أما نسائه وذرائه فيبقون على الذمة، إن لم يظهر منهم نقض لها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

۱۔ و الحربى الذى دخل إلينا بغير أمان.

إذا دخل الحربى بلادنا بغير أمان، فمقتضى قول أبى حنيفة، والشافعية، والحنابلة فى الجملة: أنه يصير فينا بالدخول، ويجوز عندئذ استرقاقه، إلا الرسل فإنهم لا يرقون بالاتفاق (ر: رسول).

ويقول الشافعية: إن ادعى أنه إنما دخل لسمع كلام الله، وليتعرف على شريعة الإسلام فإنه لا يصير فينا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۰، مادة "استرقاق")

کے بعد آزاد تصور کی جاتی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۶..... اگر کسی غلام یا باندی کو اس کا آقا آزاد کر دے، خواہ ویسے ہی یا کسی کفارہ وغیرہ کے طور پر، یا کسی غلام و باندی کا ذی محرم رشتہ دار اس کا مالک ہو جائے، تو اس غلام یا باندی کو آزاد تصور کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام و باندی کے بارے میں یہ وصیت کر دے کہ وہ اس کے فوت ہونے کے بعد آزاد ہے، تو آقا کے فوت ہونے کے بعد یہ غلام یا باندی بھی آزاد کہلاتی ہے، اور ایسے غلام یا باندی شرعی زبان میں ”مدبّر یا مدبّره“ کہلاتے ہیں۔

یا کوئی آقا اپنی باندی سے صحبت کرے، اور اس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو جائے، تو آقا کے فوت ہونے کے بعد یہ باندی بھی آزاد کہلاتی ہے، اور ایسی باندی کو شرعی زبان میں ”اُمّ ولد“ کہا جاتا ہے۔

اور اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو، مکاتب بنادے، یعنی مخصوص رقم کسی بھی جائز طریقہ پر حاصل کر کے، آقا کے حوالے کرنے کے نتیجے میں، اس کے آزاد ہونے کا حکم لگا دے، جس کو غلام قبول کر لے، تو اتنی رقم آقا کو حوالے کرنے پر، وہ غلام آزاد شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آقا اپنے غلام کو، ناجائز ضرر پہنچاتا ہو، اور حاکم وقت تحقیق و تفتیش کے بعد اس غلام کے آزاد ہونے کا فیصلہ صادر کر دے، تب بھی وہ غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ ۲۔

۱۔ ز - التولد من الرقبة: من المقرر في الفقه الإسلامي أن الولد يتبع أمه في الحرية، فإذا كانت الأم حرة كان ولدها حراً، وإن كانت أمة كان ولدها رقيقاً، وهذا مما لا خلاف فيه بين الفقهاء. ويستثنى من ذلك ما لو كان التولد من سيد الأمة، إذ يولد حراً وينعتق لأمه سبب الحرية، فتصبح حرة بموت سيدها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۱، مادة ”استرقاق“)

۲۔ انتهاء الاسترقاق: ينتهي الاسترقاق بالعتق. والعتق قد يكون بحكم الشرع، كمن ولدت من سيدها تعتق بموته، وكمن ملك ذا رحم منه فإنه يعتق عليه بمجرد الملك. وقد يكون العتق بالإعتاق لمجرد التقرب إلى الله تعالى، أو لسبب موجب للعتق، كأن يعتقه في كفارة (ر: كفارة)، أو نذر (ر: نذر). كما تنتهي بالتدبير، وهو أن يجعله حراً دبر وفاته أي بعدها (ر: تدبير)، أو بالمكاتبة، أو إجبار ولي الأمر سيداً على إعتاق عبده لإضراره به (ر: عتق) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۱، مادة ”استرقاق“)

مسئلہ نمبر ۱..... جو فطر غلام ہو، تو اس کے بہت سے احکام میں شریعت کی طرف سے ڈھیل ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر وہ مسلمان ہو، تو اس پر مالی عبادات لازم نہیں رہتیں، مثلاً اس پر زکاة، صدقہ فطر اور حج وغیرہ لازم نہیں ہوتے۔

اور باجماعت نماز، جمعہ کی نماز میں شرکت اور عام حالات میں جہاد وغیرہ لازم نہیں ہوتے۔ ۱

اور اگر وہ کوئی قسم اٹھا کر، توڑ دے، تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ، مالی اعتبار سے واجب نہیں ہوتا، بلکہ بدنی اعتبار سے واجب ہوتا ہے، یعنی وہ قسم ٹوٹنے کا کفارہ روزے رکھ کر ادا کرتا ہے۔

اور غلام کو جو چیز، ہبہ، صدقہ اور وصیت وغیرہ میں حاصل ہو، تو وہ غلام بذاتِ خود اس کا مالک نہیں بنتا، بلکہ اس کا آقا مالک تصور کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ۲

۱ آثار الاسترقاق:

أ - یترب علی الاسترقاق آثار كثيرة، منها ما يتعلق بالعبادات البدنية المسنونة إذا كانت مخلة بحق السيد، كصلاة الجماعة مثلاً (ر: صلاة الجماعة)، أو الواجبات الكفائية، لإخلالها بحق السيد أيضاً، أو لأمر آخر كالجهاد، فإنه يخصص للعبد في تركها. ومنها جميع العبادات المالية، فإنها تسقط عن المراء باسترقاقه، لأن العبد لا يملك المال، كالزكاة، وصدق الفطر، والصدقات والحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۱، مادة "استرقاق")

ب - الواجبات المالية على من استرق إن كان لها بدل بدني، فإنه يصار إلى بدلها، كالكفارات، فالريق لا يكفر في الحنث في اليمين بالعق ولا بالإطعام ولا بالكسوة، ولكنه يكفر بالصيام.

أما إن لم يكن لهذه الواجبات المالية بدل بدني، فإنها تتعلق بعين المسترق، فإذا جنى العبد على يد إنسان فقطعها خطأ، وكانت ديته أكثر من قيمة العبد، لم يكلف المالك بأكثر من دفع العبد إلى المجنى عليه، كما يذكر في أبواب الجنایات. وكذا إذا استدان من شخص بغير إذن سيده، فإن هذا الدين يتعلق بعينه، ويبقى في ذمته، ولا يكلف سيده بوفائه. فإن استرق وعليه دين لمسلم أو ذمی لم يسقط الدين عنه، لأن شغل ذمته قد حصل، ولم يوجد ما يسقطه، بخلاف ما إذا كان الدين لحربي، فإنه يسقط، لعدم احترام الحربی.

ج - والاسترقاق يمنع المسترق من سائر التبرعات كالهبة، والصدقة، والوصية ونحو ذلك.

د - كما يمنع الاسترقاق من سائر الاستحقاقات المالية، فإن وقع شيء منها استحققه المالك لا

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸..... شرعی غلام و باندی، آزاد ہونے سے پہلے امیر اور قاضی بننے کا استحقاق نہیں رکھتے۔

اور اگر غلام و باندی کوئی جرم کرے، تو اس پر شرعی حدود آدھی مقدار میں جاری کی جاتی ہیں، بشرطیکہ وہ سزائیں ایسی ہوں کہ آدھے ہونے کو قبول کرتی ہوں، جیسا کہ شراب پینے کی سزا، وغیرہ وغیرہ۔ ۱

اس کے علاوہ اور بھی متعدد احکام میں غلام و باندی، آزاد مرد و عورت سے مختلف حکم رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرقیق، فالرقیق لا یرث، وما یستحقه من أرش الجنایة علیه فهو لسیده. وإن استرق وله دین علی مسلم أو ذمی، فإن سیده هو الذی یطالب بهذا الدین، أما إن کان الدین علی حربی فیسقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۱، و ص ۳۰۲، مادة "استرقاق") ۱ اور جو سزائیں تصنیف یعنی آدھے ہونے کو قبول نہیں کرتیں، مثلاً چوری کے نتیجہ میں ہاتھ کاٹے جانا، یا قصاص، تو وہاں پوری حدود سزا جاری ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وإذا سبى الصبى الصغير دون والديه، حکم بإسلامه تبعاً للسابی، لأن له علیه ولاية، وليس معه من هو أقرب إليه منه فیتبعه.

والاسترقاق يمنع الرجل من أن تكون له ولاية علی غیره، وعلی هذا فإن الرقیق لا یكون أمیراً ولا قاضیاً، لأنه لا ولاية له علی نفسه، فكیف تكون له الولاية علی غیره، وبناء علی ذلك فإنه لا یصح أمان الرقیق، ولا تقبل شهادته أيضاً، علی خلاف فی ذلك.

والاسترقاق مخفض للعقوبة، فننصف الحدود فی حق الرقیق، إن كانت قابلة للتصنيف. وللإسترقاق أثر فی النكاح، إذ العبد ليس بكفء للحرّة، ولا بد فيه من إذن السید، ولا یملك العبد نكاح أكثر من امرأتین، ولا تنكح أمة علی حرّة.

وله أثر فی الطلاق أيضاً، إذ لا یملك الرقیق من الطلاق أكثر من طلقین، وإذا نكح بغیر إذن سیده فالطلاق بید سیده.

وله أثر فی العدة، إذ عدة الأمة فی الطلاق حیضتان، لا ثلاث حیض، وفی ذلك خلاف وتفصیل ينظر فی مصطلحاته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۱، و ص ۳۰۲، مادة "استرقاق")

(فصل نمبر ۳)

بالغ ہونا

(بالغ کے مال پر زکاة کے احکام)

زکاة فرض ہونے کے لئے نابالغ یا بالغ ہونے کی شرط کے احکام درج ذیل ہیں۔
 مسئلہ نمبر ۱..... نابالغ بچہ اگر صاحب نصاب ہو، یعنی اس کی ملکیت میں زکاة واجب ہونے کی مقدار کے مطابق مال ہو، تو مالک کی شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے مال میں زکاة واجب ہوتی ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور اس بچہ کے مال کی زکاة، اس بچہ کے مال میں سے اس بچہ کا ولی یا سرپرست ادا کرے گا، اور وہ اس بچہ کی طرف سے زکاة کی نیت کرے گا، اور اگر بچہ کے ولی یا سرپرست نے زکاة ادا نہیں کی، تو اس بچہ کے بالغ ہونے کے بعد خود سے اس کو گزشتہ زمانہ کی زکاة ادا کرنا ضروری ہوگا۔ ۱

۱۔ و اختلفوا فيما عدا ذلك كما يلي:

أ- الزكاة في مال الصغير والمجنون:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن الزكاة تجب في مال كل من الصغير والمجنون ذكرًا كان أو أنثى، وهو مروى عن عمر، وابنه، وعلى وابنه الحسن، وعائشة، وجابر، وبه قال ابن سيرين ومجاهد، وربيع، وابن عيينة، وأبو عبيد وغيرهم. واستدلوا بقول النبي صلى الله عليه وسلم: ألا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه، ولا يتركه حتى تأكله الصدقة والمراد بالصدقة الزكاة المفروضة، لأن اليتيم لا يخرج من ماله صدقة تطوع، إذ ليس للولي أن يتبرع من مال اليتيم بشيء، ولأن الزكاة تراد لثواب المزمكي ومواساة الفقير، والصبي والمجنون من أهل الثواب وأهل المواساة على ما قال الشيرازی، وبأن الزكاة حق يتعلق بالمال، فأشبه نفقة الأقارب وأروش الجنایات وقيم المتلفات. وقال الدردير: إنما وجبت في مالهما لأنها من باب خطاب الوضع.

ويتولى الولي إخراج الزكاة من مالهما، لأن الولي يقوم مقامهما في أداء ما عليهما من الحقوق، كنفقة القريب، وعلى الولي أن ينوي أنها زكاة، فإن لم يخرجها الولي وجب على الصبي بعد البلوغ، والمجنون بعد الإفاقة، إخراج زكاة ما مضى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۲، مادة "زكاة")

یہ مذکورہ حکم تو دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک تھا، اور حنفیہ کے نزدیک زکاة فرض ہونے کے لئے انسان کا بالغ ہونا ضروری ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نابالغ لڑکا اور لڑکی زکاة اور نماز کے فریضہ کے مکلف نہیں، اس لئے اگر کوئی نابالغ بچہ ہے اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال ہے (خواہ اس کو کسی نے ہدیہ یا صدقہ وغیرہ کیا ہو، یا میراث میں ملا ہو، اور خواہ اس کے پاس ہو، یا بطور امانت اس کے سرپرست کے پاس ہو) تو حنفیہ کے نزدیک اس پر زکاة فرض نہیں ہوتی، بلکہ بالغ ہونے کے بعد ہی دوسری شرائط پائی جانے کی صورت میں اس پر زکاة فرض ہوتی ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... اگر کسی نابالغ بچہ کی ملکیت میں مال تھا، پھر وہ اسی حال میں بالغ ہوا، تو حنفیہ

۱۔ ومنها البلوغ عندنا فلا تجب علی الصبی وهو قول علی وابن عباس فإنهما قالا " : لا تجب الزکاة علی الصبی حتی تجب علیه الصلاة (بدائع الصنائع ، ج ۲ ص ۴، کتاب الزکاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

وروی عن ابن مسعود والغوری والأوزاعی أنهم قالوا : تجب الزکاة، ولا تخرج حتی يبلغ الصبی، أو یفیک المجنون، وذلك أن الولی لیس له ولاية الأداء، قال ابن مسعود : احص ما یجب فی مال الیتیم من الزکاة، فإذا بلغ فأعلمه، فإن شاء زکی وإن شاء لم یزک، أى لا إثم علی الولی بعدئذ إن لم یزک الصبی. وذهب ابن شبرمة إلى أن أمواله الظاهرة من نعم وزرع وثمر یزکی، وأما الباطنة فلا. وقال سعید بن المسیب : لا یزکی حتی یصلی ویصوم، وقال أبو وائل، والنخعی، وسعید بن جبیر والحسن البصری : لا زکاة فی مال الصبی.

وذهب أبو حنیفة وهو مروی عن علی وابن عباس إلى أن الزکاة لا تجب فی مال الصغیر والمجنون، إلا أنه یجب العشر فی زروعهما وثمارهما، وزکاة الفطر عنهما. واستدل لهذا القول بقول النبی صلی الله علیه وسلم : رفع القلم عن ثلاثة : عن المجنون المغلوب علی عقله حتی یفیک، وعن النائم حتی یتقیظ، وعن الصبی حتی یحتلم.

ولأنها عبادة، فلا تنادی إلا بالاختیار تحقیقا لمعنی الابتلاء، ولا اختیار للصبی والمجنون لعدم العقل، وقياسا علی عدم وجوبها علی الذمی لأنه لیس من أهل العبادة، وإنما وجب العشر فیما یتخرج من أرضهما لأنه فی معنى مؤنة الأرض، ومعنی العبادة فیہ تابع. ومما یتصل بهذا زکاة مال الجنین من إرث أو غیره، ذکر فیہ النووی عند الشافعية طریقین والمذهب أنها لا تجب، قال : وبذلك قطع الجمهور، لأن الجنین لا یتیقن حیاته ولا یوثق بها، فلا یحصل تمام الملك واستقراره، قال : فعلى هذا یتبدء حول ماله من حین ینفصل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۲، ۲۳۳، مادة "زکاة")

کے نزدیک زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے اس کے سال کا آغاز بالغ ہونے کے وقت سے شمار کیا جائے گا، یعنی جب وہ بچہ بالغ ہوگا، تو زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے ایسا سمجھا جائے گا، گویا کہ وہ اسی وقت صاحبِ نصاب بنا ہے یا مال دار ہوا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۴..... جو مال کسی کے فوت ہونے کے بعد نابالغ لڑکے یا لڑکی کو میراث میں ملا، یا نابالغ لڑکے یا لڑکی کو والدین یا کسی اجنبی نے ہبہ کیا، اور یہ مال زکاة کے قابل ہے، تو حنفیہ کے نزدیک نابالغ ہونے کی وجہ سے اس طرح کے کسی مال کی زکاة واجب نہیں ہوتی، جیسا کہ گزرا۔ ۲

لیکن اگر اس مال پر نابالغ بچہ کی ملکیت قائم نہیں ہوئی، بلکہ کسی بالغ شخص کی ملکیت قائم ہے، تو اس بالغ شخص پر اس مال کی زکاة واجب ہوگی، مثلاً کسی زیور، یا روپیہ پیسہ کے متعلق نابالغ لڑکے یا لڑکی کو مالک بنانے کی نیت ہے، مگر ابھی تک اس بچہ کو باقاعدہ مالک نہیں بنایا، تو صرف آئندہ کے لئے مالک بنانے کی نیت کر لینے سے یہ مال نابالغ کا نہیں کہلاتا۔

جیسا کہ بعض خواتین کوئی زیور اپنے لڑکے یا لڑکی کو شادی وغیرہ کے موقع پر دینے کی نیت

۱۔ اختلاف فی وجوب الزکاة علی من لم يبلغ. فذهب جمهور الفقهاء إلى وجوبها، لتعلق الوجوب بالمال.

وذهب الحنفية إلى أنها لا تجب، لأنها عبادة تلزم الشخص المكلف، والصبي ليس من أهل التكليف. فعلى هذا إذا بلغ الصبي: فعند الحنفية يبدأ حول زكاته من حين بلوغه، إن كان يملك نصاباً. أما عند غير الحنفية: فالحول الذي بدأ قبل البلوغ ممتد بعده. وعند غير الحنفية كذلك يلزم الصبي إذا بلغ راشداً أداء الزكاة، لما مضى من الأعوام، منذ دخل المال في ملكه، إن لم يكن وليه يخرج عنه الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۸، ص ۲۰۰، مادة "بلوغ")

۲۔ البتة نابالغ بچہ کی ملکیت میں اگر عشری زمین کی کاشت فصل ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر عشر واجب ہوتا ہے۔ الزکاة لا تجب فی مال الصغیر عندنا (جامع الفصولین، ج ۲، ص ۱۱۰، احکام الصبیان) اختلاف الفقهاء فی هذه المسألة:

فذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى وجوبها في مال الصغير مطلقاً.

وذهب الحنفية: إلى وجوبها في مال الصغير إذا كان المال زروعاً وثماراً وعدم وجوبها في بقية أمواله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۲۸، مادة "صغير")

کر لیتی ہیں، اور خود اس زیور کو استعمال کرتی رہتی ہیں یا اپنے لڑکے یا لڑکی کو آئینہ دینے کی نیت سے رکھ چھوڑتی ہیں، مگر بوقت ضرورت اس کا استعمال بھی کر لیتی ہیں، تو اس طرح کی نیت کر لینے سے وہ زیور نابالغ لڑکے یا لڑکی کی ملکیت میں داخل نہیں ہو جاتا۔

اور اگر حقیقت میں فی الحال اس نابالغ بچہ یا بچی کو مالک بنانا مقصود ہے، اور ابھی سے اس نابالغ بچہ یا بچی کو پوری طرح مالک بنا دیا ہے، تو پھر علیحدہ بات ہے، مگر پھر نابالغ کے مال کا خود استعمال کرنا یا کسی دوسرے کو استعمال میں لانے کی اجازت دینا جائز نہیں رہتا۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۴..... حنفیہ کے نزدیک کیونکہ نابالغ کے مال پر زکاة واجب نہیں، اس لئے اگر نابالغ، صاحب نصاب بچہ کا ولی (مثلاً والد) یا سرپرست اس بچہ کے مال سے اس کی طرف سے زکاة ادا کر دے، تو حنفیہ کے نزدیک اس زکاة ادا کرنے والے شخص پر اس بچہ کے اتنی مقدار کے مال کا تاوان لازم ہوتا ہے، کیونکہ جب بچہ کے مال پر زکاة واجب نہیں، تو یہ اس بچہ کے مال کو غیر ضروری مصرف میں خرچ کرنا ہوا۔ ۲۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ صورت میں اس ولی یا سرپرست پر تاوان لازم نہیں ہوتا، بلکہ اس بچہ کی زکاة ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک نابالغ کی

۱۔ اور حنفیہ وغیرہ کے نزدیک بہرہ، قبضہ سے تام ہوتا ہے، لیکن اگر بہرہ کرنے والا مثلاً والد ہو، اور جس کو بہرہ کیا جا رہا ہو، وہ اس کی نابالغ اولاد ہو، تو پھر قبضہ ضروری نہیں ہوتا، بلکہ ایجاب اور اپنا قبضہ ہی کافی ہوتا ہے۔

إذا تمت الهبة صحيحة بشروطها المتقدمة فإن الملك يثبت للموهوب له في الشيء الموهوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۲، ص ۱۳۷، مادة ”هبة“)

(قولہ و ہبۃ الأب لطفلة تتم بالعقد) لأن قبض الأب ينوب عنه وشمل كلامه ما إذا كانت في يد مودع الأب لأن يده كيدہ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۷ ص ۲۸۸، کتاب الهبة)

۲۔ ويرفع الوصي للحاكم الذي يرى زكاة المال في مال الصبي ليحكم بإخراجها، فيرتفع الخلاف خوفاً من رفع الصبي بعد رشده لقاض حنفى لا يرى الزكاة في مال الصبي فيضمن الوصى له ما أخرجته عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۸۹، مادة ”وصاية“)

ولو أدى من مال الصغير ضمن، لأنها زكاة في الشريعة كزكاة المال، فلا تجب على الصغير (البنية شرح الهداية، ج ۳، ص ۲۸۷، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

ملکیت میں اگر نصاب کے بقدر مال ہو، تو زکاة لازم ہوا کرتی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۵..... بچے اور بچی کی عمر قمری سالوں یعنی چاند کی تاریخوں کے حساب سے جب پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بہر حال بالغ سمجھے جاتے ہیں، اور اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے انزال و احتلام (یعنی سوتے وقت یا جاگنے کی حالت میں منی کا خروج) ہو جائے، یا بچی کو حیض یعنی ماہواری (Menses) آجائے، تو بھی وہ بالغ شمار کئے جاتے ہیں۔ ۲۔

۱۔ وأما بالنسبة للعبادات المالية كالزكاة فنظرا للأهلية يختلف الفقهاء في وجوب الزكاة على الصبي والمجنون، فعند الجمهور تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون، لأنه حق يتعلق بالمال، ويؤدي عنهما وليهما، وتعتبر نية الولي في الإخراج. وعند الحنفية لا يجب عليهما الزكاة، لأن الزكاة عبادة، وهما ليسا من أهلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۳۳۳، مادة "إداء")
۲۔ عن نافع، عن ابن عمر قال: عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في جيش وأنا ابن أربع عشرة فلم يقبلني، فعرضت عليه من قابل في جيش وأنا ابن خمس عشرة فقبلني قال نافع: وحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز، فقال: هذا حد ما بين الصغير والكبير، ثم كتب أن يفرض لمن يبلغ الخمس عشرة حدثنا ابن أبي عمر قال: حدثنا سفيان بن عيينة، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا، ولم يذكر فيه أن عمر بن عبد العزيز كتب أن هذا حد ما بين الصغير والكبير وذكر ابن عيينة في حديثه: حدثت به عمر بن عبد العزيز، فقال: هذا حد ما بين الدرية والمقاتلة: هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أهل العلم، وبه يقول سفيان الثوري، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق يرون أن الغلام إذا استكمل خمس عشرة سنة فحكمه حكم الرجال، وإن احتلم قبل خمس عشرة فحكمه حكم الرجال وقال أحمد، وإسحاق: البلوغ ثلاثة منازل بلوغ خمس عشرة، أو الاحتلام فإن لم يعرف سنه ولا احتلامه فالإنابات يعني العانة (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۳۶۱، أبواب الاحکام، باب ما جاء في حد بلوغ الرجل والمرأة)

والبلوغ يحصل إما بظهور علامة من علاماته الطبيعية كاحتلام الولد (أي الإنزال) ومجيء العادة الشهرية (الحیض) عند الأنثی، أو بتمام الخامسة عشرة عند جمهور الفقهاء غیر أبی حنیفة لكل من الفتی والفتاة، وعليه الفتوى والعمل، جاء في المادة (۹۸۵) مجلة: يشيت حد البلوغ بالاحتلام والإحبال والحیض والحبلى ونصت المادة (۹۸۶) مجلة: على أن منتهى البلوغ خمس عشرة سنة. وقدر أبو حنیفة سن البلوغ بثمانی عشرة سنة للفتی وسبع عشرة سنة للفتاة. وقدره الإمام مالک لهما بتمام ثمانی عشرة سنة، وقيل بتمام السابعة عشرة سنة والدخول في الثامنة عشرة (الفقه الاسلامی وادلتیہ للزحیلی، ج ۳، ص ۲۹۶۶، ۲۹۶۷، ادوار الاهلية، الدور الاول)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحیض والحبلى) ولم يذكر الإنزال صریحاً لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتی) (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج ۶، ص ۵۳، کتاب الحرج)

(فصل نمبر ۴)

عاقل ہونا

(مجنون و پاگل پر زکاة کے احکام)

زکاة فرض ہونے کے لئے عاقل ہونے کی شرط کے احکام درج ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... حنفیہ کے نزدیک زکاة فرض ہونے کے لئے عاقل ہونا بھی ضروری ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مجنون اور پاگل فرد خواہ عورت ہو یا مرد، زکاة کے فریضہ کا مکلف شمار نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی مجنون و پاگل ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر اس مال کی زکاة فرض نہیں، البتہ اگر اس کا جنون اور پاگل پن ختم ہو جائے اور وہ صحت یاب ہو کر عاقل ہو جائے، تو دوسری شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر زکاة فرض ہوتی ہے۔ ۱

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر کسی شخص میں زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، مثلاً وہ مسلمان ہو، آزاد ہو، اور نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو، لیکن وہ مجنون و پاگل ہو، تو اس کے مال میں زکاة واجب ہوتی ہے، جس کی ادائیگی کی ذمہ داری اس مجنون و پاگل کے ولی (مثلاً والد) و سرپرست پر عائد ہوتی ہے، اور اگر وہ ادانہ کرے، تو مجنون کے افاقد و صحت یاب ہونے کے بعد اس کو خود ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن اگر وہ صحت یاب نہ ہو، تو پھر وہ خود سے گناہ گار شمار نہیں ہوتا، بلکہ صرف اس کا ولی یا سرپرست گناہ گار شمار ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲

۱۔ (ومنها) العقل عندنا فلا تجب الزكاة في مال المجنون جنونا أصلياً (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۵، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

۲۔ وأما بالنسبة للعبادات المالية كالزكاة فنظرنا للأهلية يختلف الفقهاء في وجوب الزكاة على

﴿بقيہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲..... اگر کوئی مالدار و صاحبِ نصاب نابالغ بچہ، مجنون و پاگل تھا، اور اسی حالت میں وہ بالغ ہوا، اور پھر اسے صحت حاصل ہوگئی، تو حنفیہ کے نزدیک صحت یاب ہونے کے بعد سے اس پر زکاة کے احکام جاری ہوں گے، اور اسی صحت یابی کے وقت سے اس کی زکاة کا سال بھی شروع ہوگا، جیسا کہ نابالغ بچہ و بچی کا بھی یہی حکم پیچھے گزرا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصبی والمجنون، فعند الجمهور تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون، لأنه حق يتعلق بالمال، ويؤدى عنهما وليهما، وتعتبر نية الولي في الإخراج. وعند الحنفية لا يجب عليهما الزكاة، لأن الزكاة عبادة، وهما ليسا من أهلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۳۳۳، مادة "أداء") هـ - أثر الجنون في الزكاة:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أنه تجب الزكاة في مال المجنون ويخرجها الولي من ماله، فإن لم يخرج، أخرج المجنون بعد الإفاقة زكاة ما مضى، لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من ولي يتيماً له مال، فليتجر له، ولا يتركه حتى تاكله الصدقة وروى موقفاً على عمر رضي الله عنه، وإنما تاكله الصدقة بإخراجها، وإنما يجوز للولي إخراجها إذا كانت واجبة، لأنه ليس له أن يتبرع بمال اليتيم، ولأن الشارع جعل ملك النصاب سبباً في الزكاة والنصاب موجود، والخطاب بإخراجها يتعلق بالولي. والمجنون والصبي سواء في هذا الحكم.

ويروى ذلك عن جماعة من كبار الصحابة فيهم عمر، وعلي، وابن عمر، وعائشة، والحسن بن علي، وجابر رضي الله عنهم، وبه قال جابر بن زيد، وابن سيرين، وعطاء، ومجاهد، وابن أبي ليلى، وإسحاق وأبو ثور وغيرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۶، ص ۱۰۶، ۱۰۵، مادة "جنون") البلوغ والعقل: شرط عند الحنفية، فلا زكاة على صبي ومجنون في مالهما، لأنهما غير مخاطبين بأداء العبادة كالصلاة والصوم.

وقال الجمهور: لا يشترطان، وتجب الزكاة في مال الصبي والمجنون، ويخرجها الولي من مالهما لحديث من ولي يتيماً له مال فليتجر له، ولا يتركه حتى تاكله الصدقة وفي رواية: ابتغوا في مال اليتامى، لا تأكلها الزكاة ولأن الزكاة تتراد لثواب المزكى، ومواساة الفقير، والصبي والمجنون من أهل الثواب، ومن أهل المواساة، ولهذا يجب عليهما نفقة الأقارب. وهذا الرأي أولى لما فيه من تحقيق مصلحة الفقراء، وسد حاجتهم، وتحصين المال من تطلع المحتاجين إليه، وتزكية النفس، وتدريبها على خلق المعونة والوجود (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۷۹۸، ۷۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

۱۔ وجملہ الکلام فیہ أن الجنون نوعان أصلي وطارئ.

أما الأصلي وهو أن يبلغ مجنوناً فلا خلاف بين أصحابنا أنه يمنع انعقاد الحول على النصاب حتى لا يجب عليه أداء زكاة ما مضى من الأحوال بعد الإفاقة وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإفاقة؛ لأنه

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۰..... اگر کوئی فرد بالغ اور مالدار ہونے کی حالت میں مجنون و پاگل ہوا، تو اگر اس کا پاگل پن پورے ایک سال تک باقی رہا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر اس سال کی زکاة واجب نہیں ہوتی۔

اور اگر سال کے کسی حصہ میں وہ صحت یاب ہوا، خواہ تھوڑے سے وقت کے لئے ہو، تو پھر اس پر زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الآن صار أهلاً لأن ينعقد الحول على ماله كالصبي إذا بلغ أنه لا يجب عليه أداء زكاة ما مضى من زمان الصبا، وإنما يعتبر ابتداء الحول على ماله من وقت البلوغ عندنا كذا هذا ولهذا منع وجوب الصلاة والصوم كذا الزكاة (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۵، كتاب الزكاة، فصل واما شرائط الفرضية) ۱۔ حنفیہ کی ظاہر الروایہ یہی ہے، جبکہ امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق نصف سال سے زائد حصہ گُل کے ساتھ ملحق ہے، اور نصف یا اس سے کم حصہ اقل کے ساتھ ملحق ہے۔

ولا خلاف أنه في المجنون الأصلي يعتبر ابتداء الحول من وقت إفاقته كوقت بلوغه. أما العارضی، فإن استوعب كل الحول فكذلك في ظاهر الرواية وهو قول محمد ورواية عن الثاني وهو الأصح وإن لم يستوعبه لغا وعن الثاني: أنه يعتبر في وجوبها إفاقة أكثر الحول نهر (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۵۸، كتاب الزكاة)

وذهب الحنفية إلى أنه لا زكاة في مال المجنون، لأنه غير مخاطب بالعبادة، والزكاة من أعظم العبادات، فلا تجب عليه كالصلاة والحج لقوله صلى الله عليه وسلم: رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل. وقال علي رضي الله تعالى عنه: لا تجب عليه الزكاة حتى تجب عليه الصلاة، وإليه ذهب الحسن، وسعيد بن المسيب، وسعيد بن جبیر، وأبو وائل، والنخعي.

وحد امتداد الجنون في حق الزكاة عندهم أن يستغرق الحول، وروى هشام عن أبي يوسف أن امتداده في حق الزكاة بأكثر السنة ونصف السنة ملحق بالأقل، لأن كل وقتها الحول، إلا أنه مديد جداً، فقدر بأكثر الحول عملاً بالتيسير والتخفيف، فإن اعتبار أكثر السنة أيسر وأخف على المكلف، وإذا بلغ الصبي مجنوناً، وهو مالک لنصاب فزال جنونه بعد مضي ستة أشهر ثم تم الحول من وقت البلوغ وهو مفق، وجبت عليه الزكاة عند محمد، لأنه يفرق بين الجنون الأصلي والعارض، ولا تجب عند أبي يوسف، بل يستأنف الحول من وقت الإفاقة، لأنه بمنزلة الصبي الذي بلغ الآن عنده، ولو كان الجنون عارضاً فزال بعد ستة أشهر، تجب الزكاة بالإجماع، لأنه زال قبل الامتداد عند الكل. ويحكي عن ابن مسعود، والثوري، والأوزاعي أنهم قالوا: تجب الزكاة في الحال، لكنه لا يخرج حتى يفيق. وتفصيله في مصطلح: (إفاقة)

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کبھی کبھی پاگل پن کا دورہ پڑ جاتا ہو، تو زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حنفیہ کے نزدیک بھی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی شخص مجنون و پاگل تو نہ ہو، لیکن بیماری، کمزوری یا کسی حادثہ کی وجہ سے بے ہوش ہو، تو اس پر زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جانے کی صورت میں زکاة فرض ہو جاتی ہے، خواہ اس کی بے ہوشی پورے سال جاری رہے۔
اور ایسی صورت میں وہ شخص ہوش میں آنے کے بعد خود زکاة ادا کرنے کا مکلف و ذمہ دار ہوتا ہے۔

اسی طرح نشہ کی وجہ سے بے ہوش شخص پر بھی زکاة فرض ہو جاتی ہے، جبکہ اس میں زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ۲۔
مسئلہ نمبر ۵..... اگر کوئی شخص مجنون و پاگل نہ ہو، لیکن کم عقل یا بیوقوف ہو، اور وہ مال دار ہو،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما زكاة زرع المجنون فلا خلاف في وجوبها فيه، وكذلك صدقة الفطر عند الجمهور، وقال محمد وزفر من الحنفية: لا تجب صدقة الفطر في مال المجنون فيضمنها الولي والوصي لو أديها من ماله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۶، ص ۱۰۶، مادة "جنون")
۱۔ والذي يجن ويفيق بمنزلة الصحيح، وهو النائم والمغمى عليه (المحيط البرهاني، ج ۲ ص ۲۷۹، كتاب الزكاة، الفصل العاشر)
وأما الذي يجن ويفيق فهو كالصحيح وهو بمنزلة النائم والمغمى عليه (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۶، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)
۲۔ أثر الإغماء على الزكاة: المغمى عليه بالغ عاقل فتجب في ماله الزكاة، فإذا أغمى عليه بعد وجوبها فلا يتأتى منه الأداء، وعليه إذا أفاق قضاؤها ولو امتد به الإغماء، إذ امتداده نادر والناذر لا حكم له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۵، ص ۲۰۷، مادة "إغماء")
وتجب على المغمى عليه، وإن استوعب الإغماء حولا كاملا كذا في فتاوى قاضي خان (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول)
وأما المغمى عليه فهو كالصحيح (البناء شرح الهداية، ج ۳، ص ۲۹۹، كتاب الزكاة)
والمغمى عليه كالصحيح كما في المجتبى (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۱۸، كتاب الزكاة)
وتجب على المغمى عليه وإن استوعب الإغماء حولا كاملا (فتاوى قاضيان، ج ۱ ص ۱۷۹، كتاب الزكاة)

اور اس میں زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، تو اس پر زکاة فرض ہو جاتی ہے، کیونکہ کم عقل یا بے وقوف ہونا، جنون و پاگل پن میں داخل نہیں۔ ۱۔
البتہ کم عقل و بے وقوف شخص کے مال کی زکاة ادا کرنے کے طریقہ کار میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

بعض فقہائے کرام کے نزدیک تو ایسے شخص کے مال کی زکاة اس کا ولی و سرپرست ادا کرے گا، اور حنفیہ کے نزدیک وہ بے وقوف یا کم عقل شخص اپنے ولی یا سرپرست کی نگرانی میں خود سے ادا کرے گا، تاکہ اس کی طرف سے زکاة کی ادائیگی کی نیت بھی ادا ہو جائے۔ ۲۔
مسئلہ نمبر ۶..... اگر کوئی مجنون و پاگل تو نہ ہو، لیکن جسمانی اعتبار سے کسی اور طرح کی بیماری میں مبتلا ہو، مثلاً ہاتھ، پاؤں سے معذور ہو، تو دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر

۱۔ أثر السفه في الأحكام. المتعلقة بحقوق الله:

لا يوجب السفه خلافاً في أهلية الخطاب ولا يمنع شيئاً من أحكام الشرع من الوجوب على السفه أو له، فيكون مطالباً بالأحكام كلها.

ولهذا لا نعدم الأهلية بسبب السفه ولا يجعل السفه عذراً في إسقاط الخطاب عنه بشيء من الشرائع، ولا في إهدار عبارته فيما يقر به على نفسه من الأسباب الموجبة للعقوبة.

أثر السفه في الزكاة:

م - أجمع الفقهاء على وجوب الزكاة في مال السفه - فهو في وجوبها عليه كالرشيد، لأنها تصرف لا يحتمل الفسخ والنقض ولأن من عدا الحنفية أو جبوها في مال الصغير والمجنون فوجوبها على السفه من باب أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۵، ص ۵۹، مادة "سفه")

۲۔ ولكن حصل الخلاف في من يدفعها هل هو أم وليه؟

فذهب الجمهور إلى أنه يدفعها عنه وليه كسائر تصرفاته المالية، لأنها ولاية وتصرف مالي.

وصرح الشافعية بأنه لا يفرق الزكاة بنفسه لكن إن أذن له الولي وعين له المدفوع إليه صح صرفه، وذلك بحضرة الولي أو من ينوب عنه.

وذهب الحنفية: إلى أنه يدفعها إليه وليه ليصرفها بنفسه، لأنها عبادة فلا بد من النية فيها، ولكن يبعث معه أميناً كي لا يصرفها في غير وجهها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۵، ص ۵۹، مادة "سفه")

زکاة فرض ہو جاتی ہے، اور اس طرح کی جسمانی بیماری، اس پر زکاة فرض ہونے کے لئے مانع و رکاوٹ اور زکاة معاف ہونے کا سبب نہیں بنتی۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۷..... شرابی اور نشہ میں مبتلا شخص، جو ہوش و حواس میں نہ ہو، اگر صاحب نصاب ہو، اور اس میں زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، تو اس پر اپنے مال کی زکاة واجب ہوتی ہے، اور وہ شراب پینے اور نشہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زکاة فرض ہونے سے بری نہیں ہوتا۔ ۲۔

لیکن زکاة کا ادا کرنا کیونکہ عبادت ہے، جس کی ادائیگی صحیح ہونے کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، اس لئے اگر کوئی شخص نشہ میں مبتلا ہو، تو نشہ کی حالت میں اس کا زکاة ادا کرنا درست نہیں

۱۔ زکاة مال المريض: لا خلاف بين الفقهاء في أن المريض ليس مانعا من وجوب الزكاة، لأن الصحة ليست شرطاً لوجوب الزكاة بصفة عامة.

واختلفوا في وجوبه في مال المجنون، والمجنون أيضا مريض، بل من أصعب أمراض النفوس جنونها - كما ذكره ابن عابدين.

فذهب جمهور الفقهاء إلى أن الزكاة تجب في مال المجنون، وذلك لوجود الشرائط الثلاثة فيه وهي: الحرية والإسلام وتمام الملك.

وروى ذلك عن عمر وعلي وابن عمر وعائشة والحسن بن علي وجابر رضي الله عنهم

وبه قال جابر بن زيد وابن سيرين وعطاء ومجاهد وربيعه وإسحاق وأبو عبيد وأبو ثور وغيرهم من أهل العلم.

ويخرج الزكاة عن المجنون ولديه في ماله، لأن ذلك حق تدخله النيابة، فقام الولي فيه مقام المولى عليه كالنفقات والغرامات.

وذهب الحنفية إلى أنه لا تجب الزكاة في أموال المجنون ويجب العشر في زروعه، وصدقة الفطر عليه، وبه قال الحسن وسعيد بن المسيب وسعيد بن جبيرة وأبو وائل والنخعي وغيرهم.

وفيه قول ثالث حكاه ابن قدامة عن ابن مسعود رضي الله عنه والثوري والأوزاعي وهو أنه: تجب الزكاة ولا تخرج حتى يفريق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۳۶۷،

مادة "مرض")

۲۔ وحال السكران كحال ابن السبيل المنقطع عن ماله فإن الزكاة تجب في ماله وإن كانت يده لا تصل إليه بخلاف من هلك ماله حقيقة أو حكماً بأن غصبه غاصب وجحدته (شرح السير الكبير، ج ۵ ص ۲۲۰، باب ما يصدق فيه الرجل)

ہوتا (ملاحظہ ہو ہماری دوسری کتاب ”شراب و نشہ کے نتائج و احکام“) ۱۔
 اور نشہ کی وہ کیفیت کہ جس میں زکاة کی نیت کرنا درست نہیں ہوتا، یہ ہے کہ انسان کی عقل متاثر ہو جائے، اور انسان کی عقل میں اس طرح کا فتور پیدا ہو جائے، کہ اسے زبان سے کبھی ہوئی بات کے اچھے اور بُرے ہونے کا علم و امتیاز نہ رہے۔ ۲۔
 وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ۔

۱۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک زکاة کی ادائیگی کے لئے جس طرح زکاة ادا کرتے وقت نیت کا ہونا معتبر و کافی ہو جاتا ہے، اسی طرح زکاة کا مال دوسرے مال سے الگ کرتے وقت نیت کرنا بھی کافی ہو جاتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ہوش و حواس کی حالت میں زکاة ادا کرنے کے لئے الگ کر کے کوئی مال رکھا ہوا تھا، اور پھر اس نے نشہ کی حالت میں یہ مال کسی زکاة کے مستحق کو دے دیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاة ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
 النیۃ فی الزکاة:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النية شرط لصحة أداء الزكاة لحديث: إنما الأعمال بالنيات ...
 ولأنها عبادة من العبادات فوجبت فيها النية كسائر العبادات، ولأن إخراج المال لله يكون فرضاً أو نفلاً فافتقرت الزكاة إلى النية لتمييزها.

وحكى عن الأوزاعي أنه قال: لا تجب النية لأن الزكاة دين فلا تجب لها النية كسائر الديون، ولهذا يخرجها ولي الجييم، وولي الصبي والسلطان ينوبان عند الحاجة .
 وفي معنى النية اللازمة في أجزاء الزكاة عن المزكى أو عن غيره، وفي مقارنة النية لإخراج الزكاة وتفريقها على المستحقين، أو لعزلها عن المال المزكى، أو لدفعها إلى السلطان أو أخذه لها وغير ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳ ص ۱۰۲، مادة ”نية“)

(وشرط) لأدائها وضرورة المؤدى زكاة (النية) في الزكاة لأنها عبادة (وقت الأداء) أى المستحق، لأن الأصل في النية أن تقترب بالعبادة، (أو العزل) أى عزل المقدار الواجب من المال، لأن الزكاة عبادة، فلا تتأدى بلا إخلاص، قال الله تعالى: (وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين)، ولا إخلاص بلا نية، وقد صح حديث: إنما الأعمال بالنيات. والأصل اقتران النية بالأداء كما في الصلاة إلا أن الدفع ينفرد ظاهراً، فاكتمى بوجود النية عند العزل تيسيراً على المؤدى، كجواز تقديمها في الصوم للعجز عن اقترانها بأول الصبح (شرح النقاية، ج ۲ ص ۸۶، كتاب الزكاة) ۲۔ وقوله حتى تعلموا ما تقولون هذا أحسن ما يقال في حد السكران إنه الذى لا يدري ما يقول، فإن المخمور فيه تخطيط في القراءة وعدم تدبره وخشوعه فيها. وقد قال الإمام أحمد: حدثنا عبد الصمد، حدثنا أبى، حدثنا أيوب عن أبى قلابه، عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نفس أحدكم وهو يصلي فلينصرف فلينم حتى يعلم ما يقول انفراد بإخراجه البخارى دون مسلم، ورواه هو والنسائي من حديث أيوب به. وفي بعض ألفاظ الحديث فلعله يذهب يستغفر فيسب نفسه (تفسير ابن كثير، ج ۲ ص ۲۷۳، سورة النساء، تحت رقم الآية ۴۳)

(فصل نمبر ۵)

زکاة کا علم ہونا

(زکاة کی فرضیت کے علم سے متعلق احکام)

زکاة فرض ہونے کے لئے زکاة کی فرضیت کا علم ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کے احکام درج ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام زفر کے نزدیک زکاة فرض ہونے کے لئے زکاة کی فرضیت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ جب کسی شخص کے اندر زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، اور اس شخص کو زکاة فرض ہونے کا علم نہ ہو، تب بھی اس پر زکاة فرض ہو جاتی ہے، اور اس کو زکاة کی فرضیت کا علم حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور علم حاصل کرنے کے بعد اس پر لاعلمی کے زمانہ کی زکاة ادا کرنا بھی واجب ہوتی ہے، خواہ وہ ایسا شخص ہو، جو کافروں کے ایسے ملک میں اسلام لایا ہو، جہاں زکاة کی فرضیت کا حکم نہیں پہنچا۔ ۱

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک زکاة فرض ہونے کے لئے زکاة کی فرضیت کا علم ہونا ضروری ہے، لیکن یہ علم حقیقت میں ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کا علم حاصل ہونے کی قدرت کا ہونا کافی ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۲

۱۔ ذهب المالكية، والشافعية، والحنابلة، وابن المنذر، وزفر من الحنفية إلى أن العلم بكون الزكاة مفروضة ليس شرطاً لوجوبها، فتجب الزكاة على الحرابي إذا أسلم في دار الحرب وله سوائم ومكث هناك سنين ولا علم له بالشريعة الإسلامية، ويخاطب بأدائها إذا خرج إلى دار الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زكاة")

۲۔ وذهب أبو حنيفة وصاحباہ إلى أن العلم بكون الزكاة فريضة شرط لوجوب الزكاة فلا تجب الزكاة على الحرابي في الصورة المذكورة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اُس پر زکاۃ فرض ہونے کی شرائط پائی جانے پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے، اور اس کا مسلمانوں کے ملک میں ہونا زکاۃ کے فریضہ کے علم کی قدرت ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے زکاۃ کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر شمار نہیں ہوتا، کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں زکاۃ کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہوتا ہے، لہذا جس کو علم نہ ہو، اس کو معذور نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ اس کے لئے وہاں معلوم کرنے کے ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ البتہ جو شخص دار الحرب (یعنی غیر مسلموں و کافروں کے ملک) میں مسلمان ہوا، تو حنفیہ کے نزدیک اُس پر اُس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی، جب تک اُسے زکاۃ کی فرضیت کا علم نہ ہو۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله والعلم به) أى وبلافتراض ح وإنما لم يذكره المصنف لأنه شرط لكل عبادة. وقد يقال: إنه ذكر الشروط العامة هنا كالإسلام والتكليف فينبغى ذكره أيضا بحر (قوله ولو حكما إلخ) فلو أسلم الحربى ثم مكث سنين وله سوائم ولا علم له بالشرائع لا تجب عليه زكاتها، فلا يخاطب بأدائها إذا خرج إلى دارنا خلافا لفرق بدائع (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۵۹، كتاب الزكاة) ۱ (قوله: أو عالم بالوجوب) أى أو كائن فى غير دارنا عالم بالوجوب فالكون بدار الإسلام موجب للصوم، وإن لم يعلم بوجوبه إذ لا يعذر بالجهل فى دار الإسلام (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۱، كتاب الصوم) (قوله أو دليله) أى دليل العلم وهو الكون فى دار الإسلام لاشتتار الفرائض فيها، فمن أسلم فيها لزمه قضاء ما ترك (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۷۵، كتاب الصلاة) والعلم المذكور يثبت لمن فى دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية، أو لم يعلم ولا فرق فى ذلك بين أن يكون نشأ على الإسلام فيها، أو لا فيكون ذلك علما حكما (البحر الرائق، ج ۲ ص ۳۳۱، كتاب الحج) والعلم المذكور يثبت لمن فى دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية أو لم يعلم، ولا فرق فى ذلك بين أن يكون نشأ على الإسلام أو لا فيكون علما حكما (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الاول) ۲ ومنها العلم بكونها فريضة عند أصحابنا الثلاثة ولسنا نعى به حقيقة العلم بل السبب الموصول إليه وعند زفر ليس بشرط حتى أن الحربى لو أسلم فى دار الحرب ولم يهاجر إلينا ومكث

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دار الحرب وہ ملک کہلاتا ہے، جو کافروں کے زیر تسلط ہو، اور وہاں کفر کا دور دورہ ہو۔ ۱۔
دار الحرب میں چونکہ اسلامی ماحول نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی دار الحرب میں مسلمان ہوا، تو
اس کو جب تک زکاة کے حکم کا علم نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اس وقت تک اس پر زکاة فرض نہیں
ہوتی۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہناک سنین ولہ سوائم ولا علم لہ بالشرائع لا یجب علیہ زکاتها حتی لا یخاطب بأدائها إذا خرج
إلى دار الإسلام عندنا خلافا لفر (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۲، کتاب الزکاة، فصل شرائط فرضیة
الزکاة)

الحرابی إذا أسلم فی دار الحرب ولہ سوائم، وقد علم بوجوب الزکاة علیہ بسبب السوائم، ولم
یؤدها سنتین حتی خرج إلى دار الإسلام بسوائمه، فإنه لا ینبغی للإمام أن یأخذ منه زکاة ما مضی،
لأنه لم یکن فی حماية الإمام حال وجوب الزکاة، ویجب علیہ الأداء فیما بینہ وبين الله تعالى، وإن
لم یعلم بوجوب الزکاة لا یجب علیہ الأداء فیما بینہ وبين الله تعالى، وعلى هذا الصوم والصلاة
(المحیط البرهانی فی الفقه العثماني، ج ۲، ص ۳۲۲، کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)
۱۔ دار الحرب هی: کل بقعة تكون فیها أحكام الکفر ظاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية،
ج ۲۰ ص ۲۰۱، مادة "دار")

۲۔ فالعلم بوجوبها حال الفوات شرط لوجوب قضائها، حتی أن الحرابی إذا أسلم فی دار الحرب
ومکث فیها سنة ولم یعلم أن علیہ الصلاة فلم یصل ثم علم -لا یجب علیہ قضاؤها فی قول أصحابنا
الثلاثة وقال زفر: علیہ قضاؤها.
ولو کان هذا ذمیا أسلم فی دار الإسلام فعلیہ قضاؤها استحسانا، والقیاس أن لا قضاء علیہ، وهو
قول الحسن.

(وجه) قول زفر: أنه بالإسلام التزم أحكامه، ووجوب الصلاة من أحكام الإسلام فیلزمه، ولا یسقط
بالجهل، كما لو کان هذا فی دار الإسلام.

(ولنا) أن الذی أسلم فی دار الحرب منع عنه العلم لانعدام سبب العلم فی حقه، ولا وجوب علی من
منع عنه العلم كما لا وجوب علی من منع عنه القدرة بمنع سببها، بخلاف الذی أسلم فی دار
الإسلام، لأنه ضیع العلم حیث لم یسأل المسلمین عن شرائع الدین مع تمكنه من السؤال،
والوجوب متحقق فی حق من ضیع العلم كما یتحقق فی حق من ضیع القدرة، ولم یوجد التضييع
ههنا إذ لا یوجد فی الحرب من یسأله عن شرائع الإسلام، حتی لو وجد ولم یسأله یجب علیہ،
ویؤاخذ بالقضاء إذا علم بعد ذلك، لأنه ضیع العلم وما منع منه كالذی أسلم فی دار الإسلام.

وقد خرج الجواب عما قاله زفر أنه التزم أحكام الإسلام، لأننا نقول: نعم لكن حکما له سبیل
الوصول إليه ولم یوجد (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۱۳۵، کتاب الصلاة، فصل
شرائط ارکان الصلاة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... جو شخص دار الحرب میں اسلام لایا، اور اسے زکاة کی فرضیت کا علم نہیں تھا، پھر وہاں اس کو دو عام مرد حضرات یا ایک عام مرد اور دو عام عورتوں نے زکاة کی فرضیت کی خبر دے دی، یا ایک عادل وثقہ (یعنی ذمہ دار و معتبر) آدمی نے خبر دے دی، تب بھی حنفیہ کے نزدیک وہ زکاة کا مکلف ہو جاتا ہے۔

بلکہ بعض حنفیہ کے نزدیک اگر ایک عام فرد بھی اس کو یہ خبر دے دے، چاہے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ ثقہ اور عادل و ذمہ دار و دیانت دار شخص بھی ہے یا نہیں؟ اور خواہ وہ بالغ اور آزاد بھی نہ ہو، بلکہ غلام ہو، تب بھی وہ زکاة کا مکلف ہو جاتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحربی إذا أسلم في دار الحرب، ولم يعلم بفرضية رمضان ثم علم ليس عليه قضاء ما مضى (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۷۷، کتاب الصوم)
(ويعذر بالجهل حربى أسلم ثمة ومكث مدة فلا قضاء عليه) لأن الخطاب إنما يلزم بالعلم أو دليله ولم يوجد (كما لا يقضى مرتد ما فاته زمنها) ولا ما قبلها إلا الحج، لأنه بالردة يصير كالكافر الأصلي (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۷۵، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوات)
بخلاف من أسلم في دار الحرب ولم يعلم به فإنه لا يجب عليه ما لم يعلم فإذا علم ليس عليه قضاء ما مضى إذ لا تكليف بدون العلم ثمة للعذر بالجهل (رد المحتار ج ۲، ص ۳۷۱، کتاب الصوم)
۱۔ وقد ذكرنا المسألة في كتاب الصلاة وهل تجب عليه إذا بلغه رجل واحد في دار الحرب أو يحتاج فيه إلى العدد؟ وقد ذكرنا الاختلاف فيه في كتاب الصلاة (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۲، کتاب الزکاة، فصل شرائط فرضية الزکاة)

وإن علمه بذلك رجلان، أو رجل وامرأتان ممن هو عدل، ثم فرط في ذلك كان عليه أن يقضى ما فرط منه من وقت إعلامه في دار الحرب كان، أو في دار الإسلام، وإن كان إنما أعلمه بذلك، رجل واحد، أو ناس من أهل الذمة لم يكن عليه أن يقضى شيئاً فيما مضى، وقال أبو يوسف: إذا لم يبلغه، وهو في دار الحرب لم يقض، وإن كان في دار الإسلام قضى، والله أعلم بالصواب (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۲، ص ۳۲۲، کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)
قال في المنتقى: والعلم الذى به عليه الصلاة، والصوم أن يخبره بذلك رجلان عدلان، أو رجل وامرأتان في دار الحرب، أو في دار الإسلام.

وفي المنتقى: حربى أسلم في دار الحرب، ومكث سنين لا يعلم أن عليه صلاة، أو زکاة أو صياماً، وهو في دار الحرب، فليس عليه قضاء ما مضى (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۲، ص ۳۲۲، کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملفوظ رہے کہ آج کل دنیا کے مختلف اطراف سے فاصلے سمٹ جانے اور گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) ہو جانے کی وجہ سے اکثر دارالحربروں اور غیر اسلامی ملکوں میں سفر و اسفار اور ذرائع ابلاغ کے واسطے سے زکاة کا حکم پہنچ چکا ہے، بلکہ وہاں مختلف شکلوں میں تبلیغ و تدریس کے سلسلے و حلقے بھی قائم ہیں، نیز ذرائع ابلاغ کے واسطے سے دیگر علاقے کے اہل علم سے شریعت کے حکم کا علم حاصل کرنا بھی اس دور میں ممکن اور سہل ہو گیا ہے۔

جبکہ حنفیہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک، دو ثقہ و عادل (یعنی ذمہ دار و معتبر) اور بعض حضرات کے نزدیک عام افراد کی طرف سے بھی زکاة کی فرضیت کی خبر پہنچنا مکلف ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے اس طرح کے ممالک میں آج اگر کوئی غیر مسلم شخص اسلام لے آئے، تو وہ حنفیہ کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولمن فی دار الحرب بباخبار رجلین أو رجل وامرأتین، ولو مستورین أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحرية فيه (البحر الرائق، ج ۲، ص ۳۳۱، کتاب الحج)
ولمن فی دار الحرب بباخبار رجلین أو رجل وامرأتین، ولو مستورین أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحرية فيه كذا فی البحر الرائق (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۱ ص ۲۱۸، کتاب المناسک، الباب الاول)

فإن بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعليه القضاء فيما يترك بعد ذلك فی قول أبي يوسف ومحمد، وهو إحدى الروایتین عن أبي حنيفة، وفي رواية الحسن عنه لا يلزمه ما لم يخبره رجلان أو رجل وامرأتان.

(وجه) هذه الرواية أن هذا خبر ملزم، ومن أصله اشتراط العدد فی الخبر الملزم، كما فی الحجر علی المأذون، وعزل الوكيل، والإخبار بجناية العبد.

(وجه) الرواية الأخرى وهى الأصح أن كل واحد مأمور من صاحب الشرع بالتبليغ، قال النبی - صلى الله عليه وسلم -: ألا فليبلغ الشاهد الغائب وقال - صلى الله عليه وسلم -: نضر الله امرءاً سمع منا مقالة فوعاها كما سمعها ثم أداها إلى من لم يسمعها، فهذا المبلغ نظير الرسول من المولى والموكل، وخبر الرسول هناك ملزم فهنا كذلك والله أعلم (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۱۳۵، کتاب الصلاة، فصل شرائط ارکان الصلاة)

(قوله بالعلم) فإذا بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعليه قضاء ما تركه بعده عندهما، وهو إحدى الروایتین عن الإمام وفي رواية الحسن عنه لا يلزمه حتى يخبره رجلان عدلان مسلمان أو رجل وامرأتان، وأما العدالة ففي المبسوط أنها شرط عندهما. وروى أبو جعفر فی غريب الرواية أنها غير شرط عندهما، حتى إذا أخبره رجل فاسق أو صبی أو امرأة أو عبد فإن الصلاة تلزمه بتأخريته (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۷۵، کتاب الصلاة)

نزدیک دیگر شرائط پائی جانے پر زکاة کا مکلف ہو جائے گا۔
پھر مذکورہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک ہے، اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تو زکاة فرض ہونے کے لئے سرے سے اس شرط کا پایا جانا ہی ضروری نہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزرا۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۴..... جو شخص مسلمانوں کے ملک میں اسلام لایا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ اسلام لاتے ہی زکاة فرض ہونے کی شرائط پائے جانے کے بعد زکاة کا مکلف ہو جائے گا، اور اس کا زکاة کی فرضیت سے ناواقف ہونا عذر شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہاں زکاة کی فرضیت کے علم کے حصول پر اس کو قدرت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔ ۱
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ وزاد فی فتح القدیر العلم بالوجوب أو الکون فی دار الإسلام (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۷۷، کتاب الصوم)

ويعذر من أسلم في دار الحرب بجهل الشرائع من الأحكام الواجبة: كإقامة الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، مدة جهله، خلافاً للشافعي وأحمد وزفر. وأما في دار الإسلام، فلا يعذر بجهله لأنها دار علم وإعلام وشيوع أحكام، فلا يعذر في ترك تعلمه إجماعاً (شرح النقاية، ص ۴۳۲)

(فصل نمبر ۶)

قدرت کا ہونا

(زکاة کی ادائیگی کی قدرت سے متعلق احکام)

زکاة فرض ہونے کے لئے زکاة ادا کرنے کی قدرت ہونے کا حکم درج ذیل ہے۔
 مسئلہ نمبر ۱..... جس شخص میں زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، لیکن وہ زکاة ادا کرنے پر قادر نہ ہو، مثلاً کوئی شخص سفر میں ہو، اور اس کے پاس مال موجود نہ ہو، یا اس کو زکاة کا مصرف میسر نہ آئے، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر زکاة فرض ہو جاتی ہے، جس کی ادائیگی قادر ہونے کے بعد ضروری ہوتی ہے۔ ۱۔
 جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زکاة اس وقت تک فرض نہیں ہوتی، جب تک ادائیگی پر قادر نہ ہو۔ ۲۔

۱۔ ثالثاً - القدرة على أداء الزكاة:

ذهب مالک والشافعی إلى أن القدرة على الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة على الفور، وتحقق هذه القدرة بحضور المال وحضور المستحقين أو حضور الإمام أو الساعي، لأن الزكاة عبادة، فيشترط لوجوبها إمكان أدائها، كالصلاة والصوم .

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن القدرة على الأداء ليست شرطاً لوجوبها، لأن الزكاة عبادة مالية فيثبت وجوبها في الذمة مع عدم إمكان الأداء، كنبوت الديون في ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۳۲۸، مادة "قدرة")

۲۔ من لم يتمكن من الأداء :

ذهب مالک والشافعی إلى أن التمكن من الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة، فلو حال الحول ثم تلف المال قبل أن يتمكن صاحبه من الأداء فلا زكاة عليه، حتى لقد قال مالک : إن المالک لو ألتف المال بعد الحول قبل إمكان الأداء فلا زكاة عليه إذا لم يقصد الفرار من الزكاة.

واحتج لهذا القول بأن الزكاة عبادة فيشترط لوجوبها إمكان أدائها كالصلاة والصوم .
 وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن التمكن من الأداء ليس شرطاً لوجوبها، لمفهوم قول النبي صلى الله عليه وسلم : لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول فمفهومه وجوبها عليه إذا حال الحول،
 ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر زکاة فرض ہونے کے بعد وہ مال تلف و ضائع ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ زکاة ادا کرنے پر قادر نہ رہا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاة معاف ہو جاتی ہے۔
 اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک معاف نہیں ہوتی، جس کی تفصیل ”زکاة کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام“ کے ذیل میں آتی ہے۔
 وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأن الزكاة عبادة مالية، فيثبت وجوبها في الذمة مع عدم إمكان الأداء ، كنبوت الديون في ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة ”زكاة“)
 قال أصحابنا وليس المراد بإمكان الأداء مجرد إمكان الإخراج بل يشترط معه وجوب الإخراج بثلاثة شروط.

(أحدها) حضور المال عنده فإن غاب عنه لم يجب الإخراج من موضع آخر بالاتفاق وإن جوزنا نقل الزكاة.

(والثاني) أن يجد المصروف إليه وسيأتي في قسم الصدقات أن الأموال باطنة وظاهرة فالباطنة يجوز صرف زكاتها بنفسه وبوكيله وبالسلطان والساعي فيكون واجدا للمصروف إليه سواء وجد أهل السهمين أو السلطان أو نائبه (وأما) الظاهرة فكذلك إن قلنا بالأصح أنه له تفريقها بنفسه وإلا فلا إمكان حتى يجد السلطان أو نائبه ولو وجد من يجوز الصرف إليه فأخر لطلب الأفضل بأن وجد السلطان أو نائبه فأخر ليفرق بنفسه حيث جعلناه أفضل أو آخر لانتظار قريب أو جار أو من هو أحوج ففي جواز التأخير وجهان مشهوران (أصحهما) جوازه فإن لم نجوز التأخير فأخر أتم وضمن وإن جوزناه فتلّف المال فهل يضمن فيه وجهان مشهوران (أصحهما) يكون ضمانا لوجود التمكن (والثاني) لا لأنه مأذون له في التأخير قال إمام الحرمين للوجهين شرطان.

(أحدهما) أن يظهر استحقاق الحاضرين فإن تشكك في استحقاقهم فأخر ليزوي جاز بلا خلاف (والثاني) أن لا يستفحل ضرر الحاضرين وفاقتهم فإن تضرروا بالجوع ونحوه لم يجز التأخير للقريب وشبهه بلا خلاف قال الرافعي في هذا الشرط الثاني نظر لأن إشباعهم لا يتعين على هذا الشخص ولا من هذا المال ولا من مال الزكاة وهذا الذي قاله الرافعي باطل والصواب ما ذكره إمام الحرمين لأنه وإن لم يتعين هذا المال لهؤلاء المحتاجين فرفع ضرورتهم فرض كفاية فلا يجوز إهماله لانتظار فضيلة لو لم يعارضها شيء.

(الشرط الثالث) لا إمكان الاداء مشغلا بهم من أمر دينه أو دنياه كصلاة وأكل ونحوهما ذكره البغوي وغيره والله أعلم (المجموع شرح المذهب، ج ۵ ص ۳۳۳، ۳۳۴، كتاب الزكاة)

(فصل نمبر ۷)

مال کا نامی ہونا

(زکاة کونسے مالوں میں واجب ہے؟)

مسئلہ:..... شریعت کی طرف سے ہر قسم کے مال میں زکاة واجب نہیں، بلکہ صرف ان مالوں میں زکاة واجب ہے، جو شرعی اعتبار سے مالِ نامی کے مفہوم میں شامل ہوں۔ اور اس زکاة کے واجب ہونے کے اعتبار سے شرعاً درج ذیل چار قسم کے مال نامی کہلاتے ہیں:

(۲)..... چاندی

(۱)..... سونا

(۴)..... کرنسی

(۳)..... تجارت کا مال

یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھ لی جائے کہ زکاة صرف مذکورہ چار قسم کے مالوں میں ہی واجب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ کسی اور قسم کے مال میں زکاة واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنا ہی قیمتی ہو اور اپنے استعمال اور ضروریات کا ہو یا اپنی ضروریات سے فارغ ہو۔

البتہ مخصوص چوپائے و مویشی جن کو سائہ جانور کہا جاتا ہے، وہ بھی شرعاً مالِ نامی کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں، مگر ان کی زکاة کے احکام جدا ہیں، اس لئے ان جانوروں کے احکام اس کتاب میں آگے الگ حصہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ ۱

۱۔ الشرط الثالث: النماء:

ووجه اشتراطه على ما قال ابن الهمام، أن المقصود من شرعية الزكاة بالإضافة إلى الابتلاء مواساة الفقراء على وجه لا يصير به المزكى فقيراً، بأن يعطى من فضل ماله قليلاً من كثير، والإيجاب في المال الذي لا نماء له يؤدى إلى خلاف ذلك مع تكرار السنين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آگے سونے، چاندی، تجارت کے مال اور کرنسی پر زکاة واجب ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے ان کے الگ الگ تفصیلی احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

سونے، چاندی اور ان کے زیورات کی زکاة کے احکام

سونے اور چاندی پر شرعاً زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ سونایا چاندی نصاب کے بقدر ہو، اور زکاة واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں۔

البتہ بعض صورتوں میں سونے، چاندی کے زیورات کی زکاة واجب ہونے نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔^۱

مسئلہ نمبر ۱..... سونے یا چاندی کی زکاة اُس وقت بھی واجب ہوتی ہے، جبکہ اُس کو تجارت کی نیت سے رکھا ہو، اور اس وقت بھی واجب ہوتی ہے، جبکہ تجارت کی نیت سے نہ رکھا ہو، بلکہ ویسے ہی رکھا ہوا ہو، بشرطیکہ وہ نصاب کے بقدر ہو۔^۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قالوا: والنماء متحقق في السوائم بالدر والنسل، وفي الأموال المعدلة للتجارة، والأرض الزراعية العشرية، وسائر الأموال التي تجب فيها الزكاة، ولا يشترط تحقق النماء بالفعل بل تكفي القدرة على الاستئمان بكون المال في يده أو يد نائبه. وبهذا الشرط خرجت الثياب التي لا تتراد لتجارة سواء كان صاحبها محتاجاً إليها أو لا، وأثاث المنزل، والحوادث، والعقارات، والكتب لأهلها أو غير أهلها، وخرجت الأنعام التي لم تعد للدر والنسل، بل كانت معدة للحرث، أو الركوب، أو اللحم. والذهب والفضة لا يشترط فيهما النماء بالفعل، لأنهما للنماء خلقا، فتجب الزكاة فيهما، نوى التجارة أو لم ينو أصلاً، أو نوى النفقة. قالوا: وفقد النماء سبب آخر في عدم وجوب الزكاة في أموال الضمان بأنواعها المتقدمة، لأنه لا نماء إلا بالقدرة على التصرف، ومال الضمان لا قدرة عليه.

وهذا الشرط يصرح به الحنفية، ويراعيه غيرهم في تعليلاتهم دون تصريح به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۱، مادة "زكاة")

۱۔ زکاة الذهب والفضة: زکاة الذهب والفضة واجبة من حيث الجملة بإجماع الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۲، مادة "زكاة")

۲۔ يزكى المقتنى من الذهب والفضة مضروبها وتبرها وحليها وآبئتها، نوى التجارة أو لم ينو، إذا بلغ ذلك نصاباً. وهذا عند الحنفية، ووافقهم على ذلك المالكية والشافعية والحنابلة في الجملة، إلا في حلى النساء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص ۴۴، مادة "اقتنيات")

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲..... سونے، چاندی کے جو زیورات تجارت کے لئے ہوں، یعنی ان کو فروخت کرنا مقصود ہو، تو زکاة واجب ہونے کی دیگر شرائط پائے جانے پر ان زیورات کی زکاة بھی واجب ہوتی ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳..... سونے، چاندی کے جو زیورات استعمال نہ ہوں، بلکہ ویسے ہی رکھے ہوئے ہوں، تو تمام فقہائے کرام کے نزدیک ان کی زکاة بھی واجب ہوتی ہے، کیونکہ اس طرح کے زیورات ضرورت و حاجت میں مشغول نہیں کہلاتے۔

اور جو زیورات ناجائز طریقہ پر استعمال میں آ رہے ہوں، مثلاً سونے، چاندی کے زیور کو مرد استعمال کر رہا ہو (جیسا کہ بعض مرد حضرات، سونے، چاندی کی انگوٹھیاں اور گلے کے ہار، چین وغیرہ پہنتے ہیں) تو ان زیورات کی بھی زکاة واجب ہوتی ہے، مگر چونکہ مرد کو سونے، چاندی کے زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں، اس لئے زیورات کا یہ استعمال شرعاً غیر ضروری بلکہ گناہ ہے۔ ۲

اور اسی طرح سونے، چاندی کے جو استعمالی برتن ہوں، ان کی بھی زکاة واجب ہوتی ہے، کیونکہ سونے، چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا عورت یا مرد کسی کے لئے بھی جائز نہیں، اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اتفق الفقهاء على وجوب الزكاة في النقود سواء أكانت سبائك أم مضروبة أم آنية، أم كانت حلياً عند الحنفية، للأدلة السابقة من الكتاب والسنة والإجماع في وجوب الزكاة مطلقاً (الفقه الاسلامي وادلته للزحلي، ج ۳ ص ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس) كما اتفقوا على وجوبها في الحلى المكنوز المقتنى الذى لم يقصد به مقتنيه استعمالاً محرماً ولا مكروهاً ولا مباحاً، لأنه مرصود للنماء فصار كغير المصوغ، ولا يخرج عن التنمية إلا بالصياغة المباحة ونية اللبس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۸، ص ۱۱۵، مادة "حلى")

۱۔ جمهور الفقهاء على أن المفتى به هو وجوب الزكاة في عروض التجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۸، مادة "زكاة")

۲۔ زكاة الحلى: اتفق الفقهاء على وجوب الزكاة في الحلى المستعمل استعمالاً محرماً، كأن يتخذ الرجل حللى الذهب للاستعمال، لأنه عدل به عن أصله بفعل غير مباح فسقط حكم فعله وهو صياغته صياغة محرمة، وبقي على حكم الأصل من وجوب الزكاة فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۸، ص ۱۱۵، مادة "حلى")

لئے سونے، چاندی کا یہ استعمال شرعاً غیر ضروری و گناہ ہے۔ ۱۔
 اور جو زیورات جائز طریقہ پر استعمال میں آ رہے ہوں، مثلاً کسی عورت کے استعمالی زیورات
 ہوں، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے زیورات کی زکاة بھی واجب ہے، کیونکہ زیورات کا اس طرح
 کا استعمال ضرورت و حاجت میں نہیں آتا، بلکہ زینت میں آتا ہے۔
 اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے مفتی یہ قول کے مطابق ایسے زیورات کی زکاة
 واجب نہیں کہ جو جائز طریقہ پر کسی عورت کے زیر استعمال ہوں، کیونکہ ان کے نزدیک
 زیورات کا یہ استعمال لباس کی طرح جائز استعمال اور حاجت میں داخل ہوتا ہے۔ ۲۔

۱۔ آتية الذهب والفضة إذا بلغ كل منهما النصاب وحال الحول عليه وجبت فيه الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۲۳، مادة ”آتية“)

فصل: وإذا اتخذت المرأة حلياً ليس لها اتخاذها، كما إذا اتخذت حلية الرجال كحلية السيف والمنطقة، فهو محرم، وعليها الزكاة، كما لو اتخذ الرجل حلي المرأة (المغني لابن قدامة، ج ۳ ص ۴۲، كتاب الزكاة، فصل إذا اتخذت المرأة حلياً ليس لها اتخاذها)

۲۔ واختلفوا في الحلبي المستعمل استعمالاً مباحاً كحلي الذهب للمرأة وخاتم الفضة للرجل. فذهب المالكية والحنابلة والشافعي في القديم وأحد القولين في الجديد وهو المفتي به في المذهب إلى عدم وجوب الزكاة في الحلبي المباح المستعمل.

وروى هذا القول عن ابن عمر وجابر وعائشة وابن عباس وأنس بن مالك وأسماء -رضي الله عنهم -والقاسم والشعبي وقتادة ومحمد بن علي وعمرة وأبي عبيد وإسحاق وأبي ثور.

واستدلوا بما ورد من آثار عن عائشة وابن عمر وأسماء وجابر رضي الله عنهم، فقد روى عن عائشة رضي الله عنها أنها كانت تلي بنات أخيها في حجرها لهن الحلبي فلا تخرج منه الزكاة.

وروى عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يحلي بناته وجواريه الذهب ثم لا يخرج من حليهن الزكاة. وروى عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما أنها كانت تحلي ثيابها الذهب، ولا تزكيه نحواً من خمسين ألفاً.

وروى أن رجلاً سأل جابراً رضي الله عنه عن الحلبي أفیه زكاة؟ فقال جابر لا، فقال: وإن كان يبلغ ألف دينار فقال جابر كثير.

والمأثور عن عائشة رضي الله عنها يخالف ما روت عن الرسول صلى الله عليه وسلم فيحمل على أنها لم تخالفه إلا فيما علمته منسوخاً، فإنها زوجه وأعلم الناس به، وكذلك ابن عمر فإن أخته حفصة كانت زوج النبي صلى الله عليه وسلم وحكم حليها لا يخفى عليه ولا يخفى عنها حكمه فيه. كما استدلوا بقياس الحلبي المباح على ثياب البدن والأثاث وعوامل البقر في أنها مرصدة في استعمال مباح فسقط وجوب الزكاة فيها.

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ اگر زیورات کو کسی نے دوسروں کو عاریتاً (یعنی بغیر معاوضہ کے استعمال کے طور پر) دینے یا (معاوضہ کے ساتھ) کرایہ پر چلانے (نہ کہ فروخت کرنے) کے لئے رکھا ہوا ہے، تو ان حضرات کے نزدیک اس طرح کے زیورات کی بھی زکاة واجب نہیں ہوتی۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وذهب الحنفیة والشافعی فی القول الآخر فی الجدید
إلی وجوب الزکاة فی الحلی المباح المستعمل، وهو مروی عن عمر بن الخطاب وابن عمر، وابن عباس، وعبد اللہ بن عمرو بن العاص، وأبی موسی الأشعری، وسعید بن جبیر وعطاء، وطاوس، وابن مہران ومجاهد، وجابر بن زید، وعمر بن عبد العزیز، والزہری، وابن حبیب.
واستدلوا بحديث عبد الله بن عمرو أن امرأة أتت النبي صلى الله عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكنا غليظتان من ذهب فقال لها: أتعطين زكاة هذا؟ قالت: لا. قال: أيسرك أن يسورك الله بهما سوارين من نار؟ قال: فخلعتهما فألقتهما إلى النبي صلى الله عليه وسلم وقالت: هما لله ورسوله.

كما استدلوا بحديث عائشة رضي الله عنها قالت دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأى في يدي فتحات من ورق، فقال: ما هذا يا عائشة، فقلت: صنعتهن أنزين لك يا رسول الله. قال: أتؤتين زكاتهن؟ قلت: لا، أو ما شاء الله قال: هذا حسيك من النار.
والحلي مال نام ودليل النماء الإعداد للتجارة خلقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۸، ص ۱۱۵، مادة "حلي")

والمذهب لا تجب كما ذكرنا هذا إذا كان معدا لاستعمال مباح كما سبق (المجموع شرح المذهب، ج ۶ ص ۳۶، كتاب الزکاة)
وقال الشافعي: لا تجب في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال لأنه مبتذل في مباح فشابه ثياب البذلة (الهداية شرح بداية المبتدى، ج ۱ ص ۱۰۳، كتاب الزکاة، فصل في الذهب)
(وقال الشافعي: لا تجب الزکاة في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال) ش: وبه قال مالك وأحمد وفي رواية إسحاق، وقد كان الشافعي يقول هذا في العراق وتوقف بمصر، وقال: هذا مما أستخير الله فيه، وقال الليث: ما كان من حلي يلبس ويعار فلا زکاة فيه، وإن اتخذ للتحرز عن الزکاة ففيه الزکاة.

وقال أنس -رضي الله عنه-: يزكي عاما واحدا لا غير. وقال الحسن البصري، وعبد الله بن عتبة، وقتادة، وأحمد مرة: زكاته عاريته، ويروى ذلك عن ابن عمر وجابر إذا زكاه مرة ذكره النسائي م: (لأنه) ش: أي لأن الحلّي م: (مبتذل في مباح) ش: وهو الحلّي الذي يباح استعماله، وكل ما كان كذلك فلا زکاة فيه م: (فشابه) ش: أي الحلّي يباح استعماله ثيابه م: (ثياب البذلة) ش: وهي ثياب المهنة (البنية شرح الهداية، ج ۳ ص ۳۷۷، كتاب الزکاة، فصل في الذهب)

۱۔ الحلّي من الذهب والفضة الذي يعده مالكة لاستعماله في التحلي استعمالا مباحا. قال المالكية: ولو لإعارة أو إجارة، فلا يكون فيه زکاة عند الجمهور ومنهم الشافعية على المذهب، لأنه ﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... اگر کسی نے سونا چاندی (خواہ زیور کی شکل میں یا خالص شکل میں) مہینہ یا سال بھر کے نفقہ اور بنیادی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہو، تو اکثر فقہائے کرام اور حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق ان کی زکاة واجب ہوگی۔ ۱۔

اور حنفیہ میں سے ابن ملک کے قول کے مطابق اس پر زکاة واجب نہ ہوگی، جیسا کہ آگے ”مال کے حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونا“ کے بیان میں آتا ہے۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من باب المقتنی للاستعمال كالملابس الخاصة، وكالبقر العوامل.

وذهب الحنفية وهو قول مقابل للأظهر عند الشافعية: إلى وجوب الزكاة في الحل، كغيرها من أنواع الذهب والفضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۳، مادة ”زكاة“)

وهو قول الشافعي أيضا إلا في حلّ النساء إذا كان معدا للباس مباح أو للعارية للثواب فله فيه قولان:

في قول لا شيء فيه (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۱، كتاب الزكاة، فصل في صفة النصاب في الفضة)

ولو اتخذ حلّا وقصد كنزه فقط فالمذهب الذي قطع به الجمهور وجوب الزكاة فيه وإن قصد إجارتها لمن له استعماله فلا زكاة فيه على الأصح (كفاية الأخيار في حل غاية الاختصار، لتقى الدين الشافعي، ج ۱ ص ۱۸۱، كتاب الزكاة، باب أنصبة ما يجب فيه الزكاة)

فاتخذ حلّا مباحا في عينه، لم يقصد به استعمالا ولا كنزا، أو اتخذه ليؤجره ممن له استعماله، فلا زكاة على الأصح. كما لو اتخذه ليعيره. ولا اعتبار بالأجرة، كأجرة الماشية العوامل (روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووي، ج ۲ ص ۲۶۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

۱۔ وقد جعل ابن ملك من هذا النوع أن يكون لديه نصاب دراهم أمسكها بنية صرفها إلى الحاجة الأصلية فلا زكاة فيها إذا حال عليها الحال عنده، لكن اعترضه ابن نجيم في البحر الرائق، بأن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، ونقله عن المعراج والبدائع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳ ص ۲۳۲، مادة ”زكاة“)

بخلاف النقيدين فإنه تجب زكاتها في كل حول مضى عليهما سواء أعدا للتجارة بهما أم للنفقة لما علمت أنهما صالحان للنماء فهما ناميان بالقوة أو الفعل (الفتاوى الفقهية الكبرى، لأحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، ج ۲ ص ۴۱، كتاب الزكاة)

(والآنية، وما أعد للكرء أو النفقة ففيه الزكاة) تجب الزكاة في الحلّ المحرم، والآنية المحرمة، بلا خلاف أعلمه، وكذا ما أعد للنفقة. أو ما أعد للفقراء، أو القنية أو الادخار، وحلى الصيارف، فالصحيح من المذهب: وجوب الزكاة فيه. وعليه أكثر الأصحاب (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، لعلاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرادوى الحنبلي، ج ۳ ص ۱۳۹، كتاب الزكاة)

۲۔ فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج، صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق صرفه إلى العطش كان كالمعدومة، وجاز عنده التميم، ونازع بعض الحنفية ابن مالك

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... اگر سونے یا چاندی کے زیورات کو توڑ دیا جائے، تو حنفیہ کے نزدیک تب بھی اس سونے، چاندی کی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱۔

پس حنفیہ کے نزدیک سونا، چاندی جس شکل میں بھی ہو، اور جس غرض سے بھی ہو، تو نصاب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بناء علی ما فی بعض الكتب: أن الزکاة تجب فی النقد ولو أعد للنفقة ولكن ما ذهب إليه ابن مالک هو الموافق لظاهر عبارات المتون فی المذهب ولذا اختاره بعض علماء المذهب وقال: إنه الحق كما ورد فی رد المحتار (۸/۲) وهو المختار عندی لقوته من جهة النظر، وموافقه للأدلة التي ذکرناها فی شرط "الفصل عن الحوائج الأصلية" فی الفصل الأول من هذا الباب (فقہ الزکاة، للقرضاوی، ج ۱، ص ۲۴۳، شروط وجوب الزکاة فی النقود، الفصل عن الحاجة الأصلية)

۱۔ اور جو حضرات جائز استعمال میں آنے والے زیورات میں زکاة واجب ہونے کے قائل نہیں، ان کے نزدیک اس کی مختلف صورتیں بنتی ہیں، ایک یہ کہ ٹوٹنے کے بعد ان زیورات کا استعمال اور پہننا ممکن ہو، تو اس صورت میں شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک ان کی زکاة واجب نہیں ہوگی، اور حنبلیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس کے پہننے کی نیت ختم نہ ہوئی ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان زیورات کے ٹوٹنے کے بعد ان کا استعمال ممکن نہ رہے، تو اس صورت میں مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زکاة واجب ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے، جس کے مختلف احوال ہیں۔

مگر حنفیہ کے نزدیک سونے، چاندی کے زیورات کے استعمال اور غیر استعمالی ہونے کے اعتبار سے زکاة واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اس لئے ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک حکم برابر ہے، اور وہ حکم زکاة واجب ہونے کا ہے۔

حکم انکسار الحلی:

فصل القائلون بعدم وجوب الزکاة فی الحلی ما إذا انکسر الحلی، فله حينئذ احوال:

الأول: أن لا یمنع الانکسار استعماله ولبسه فلا أثر للانکسار ولا زکاة فيه. وهو مذهب الشافعية والحنابلة. وقيدته الحنابلة بأن لا ینوی ترک لبسه.

الثانی: أن یمنع الانکسار استعماله فیحتاج إلى سبک وصوغ.

فتجب زکاته، وأول الحول وقت الانکسار، وهو مذهب المالک والشافعية.

الثالث: أن یمنع الانکسار الاستعمال ولكن لا یحتاج إلى سبک وصوغ ویقبل الإصلاح بالإلحام وهذا علی أحوال:

أ - إن قصد جعله تبراً أو دراهم، أو کنزه وجبت زکاته وانعقد حوله من یوم الانکسار. وهو مذهب المالک والشافعية.

ب - أن یقصد إصلاحه فلا زکاة فيه وهو مذهب المالک والشافعية والحنابلة.

ج - إن لم یقصد شیئاً وجبت زکاته عند الشافعية ولا تجب عند المالک. والمذهب عند الحنابلة أن الانکسار إذا منع الاستعمال مطلقاً فلا زکاة فی الحلی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۸، ص ۱۱۵، مادة "حلی")

کے بقدر ہونے کی صورت میں اس کی زکاة واجب ہے۔

چنانچہ ذلی وغیرہ کی شکل میں خالص سونا یا چاندی ہو یا درہم و دینار کی شکل میں ہو، یا ان کا زیور بنا ہوا ہو، یا ان کے برتن وغیرہ ہوں، یا کسی اور شکل میں ہو، حنفیہ کے نزدیک ان سب کی زکاة واجب ہے۔

اور اسی طرح یہ سونا یا چاندی کسی غرض و ضرورت (مثلاً پہننے اور کاروبار، گھر کے اخراجات، گھر کی تعمیر یا شادی کی ضرورت وغیرہ) کے لئے رکھا ہوا ہو، تو اکثر حضرات کے نزدیک اس کی زکاة بھی واجب ہوتی ہے، جیسا کہ گزرا۔ ۱

۱۔ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر نصاب نقد میں سے ہے اُس میں زکاة مطلقاً واجب ہے، اور اگر دواب میں سے ہے اور سائنہ ہے تب بھی زکاة لازم ہے۔ اور اگر غیر نقد و سوائم ہو تو بیعت تجارت سے زکاة واجب ہے ورنہ نہیں..... البتہ اگر زر کر یا یہ یا مانع نقد میں سے ہو اور اس پر سال بھر بھی گزر جاوے اُس میں زکاة واجب ہے، لامر من وجوب الزکاة فی النقدین مطلقاً، واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳)

ویدل علیہ من جهة النظر أن الذهب والفضة يتعلق وجوب الزکاة فیہما بأعیانہما فی ملک من کان من أهل الزکاة لا بمعنى یضم إلیہما..... فوجب أن لا یختلف حکم المصوغ والمضروب..... فإن قیل الحلی کالنقر العوامل وثیاب البذلة قیل له قد بینا أن ما عدهما یعلق وجوب الزکاة فیہما بأن یكون مرصدا للنماء فما لم یوجد هذا المعنی لم تجب والذهب والفضة لأعیانہما بدلالة الدراهم والدنانیر والنقر والسبائك إذا أراد بهما القنیة والتبقیة لا طلب النماء وأیضا لما لم یکن للصنعة تأثیر فیہما ولم یغیر حکمہما فی حال وجب أن لا یختلف حکم بوجود الصنعة وعدمہا (احکام القرآن للجصاص، ج ۴ ص ۳۰۴، سورة التوبة، رقم الآية ۳۵)

اماصفة هذا النصاب فنقول لا یعتبر فی هذا النصاب صفة زائدة علی كونہ فضة فتجب الزکاة فیہا، سواء كانت دراهم مضروبة او نقرة او تبر او حلیا مصوغا او حلیة سیف او منطقة او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرہا اذا كانت تخلص عند الاذابة اذ بلغت مائتی درہم وسواء کان یمسکها للتجارة او للنفقة او للتعجیل او لم ینوشئ و هذا عندنا (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۷، کتاب الزکاة، فصل فی صفة النصاب فی الفضة)

فعلى أي وجه أمسکهما المالك للنفقة أو لغير النفقة تجب علیہ الزکاة ولو کان للابتذال فیہما عبرة لم یفتقر الحال، بین أن یكون محظوراً أو مباحاً كما فی السوائم اذا جعلها حمولة، ثم الابتذال ها هنا لمقصود الحمل زائد لا یعلق به حیاة النفس أو المال، فلا تنعدم به صفة التسمية الثابتة لهذین الجوهرین باعتبار الأصل (المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۱۹۲، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

﴿بیتہ حاشیا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶..... اگر سونا اور چاندی اپنی شکل میں خالص ہوں، ان کو تو سونے و چاندی کا حکم حاصل ہے ہی، لیکن اگر سونے میں یا چاندی میں، سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور چیز (مثلاً تانبہ وغیرہ) کی شکل میں میل اور کھوٹ ملا کر اس طرح شامل کر دیا گیا ہو، کہ وہ کھوٹ سونے یا چاندی کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہو، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس طرح کی اشیاء میں خالص سونے یا چاندی کی مقدار کے اعتبار سے زکاة کا حکم واجب ہوا کرتا ہے، اور اس میں کھوٹ کی مقدار کو شامل نہیں کیا جاتا، یعنی اس میں جتنی مقدار میں خالص سونا یا چاندی موجود ہو، صرف اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور آج کل مختلف ذرائع یا قرائن سے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس سونے یا چاندی کی چیز میں کتنی مقدار میل یا کھوٹ کی ملاوٹ ہے، بلکہ زیور تیار کرنے والے صراف بھی بعض اوقات اس کا اظہار کر دیتے ہیں، اور بتلا دیتے ہیں کہ اس زیور میں سونے یا چاندی کی خالص مقدار کتنی ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأما وجوب الزكاة في الذهب والفضة باعتبار عينها والعين لا تبدل بالصنعة، ولا بالاستعمال (المبسوط للسرخسي ج ۳ ص ۳۷، كتاب نوادر الزكاة)

(ويجب في تبرهما) بالكسر وهو ما يكون غير مضروب من الفضة والذهب وقد يطلق على غيرهما من المعادن كالنحاس والحديد إلا أنه بالذهب أكثر اختصاصاً وقيل فيه حقيقة وفي غيره مجاز (وحليهما) سواء كان للنساء أو لا أو قدر الحاجة أو فوقها أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئاً.

وقال مالك: المباح الاستعمال لا زكاة فيه وهو أظهر القولين عن الشافعي، لأنه مبتذل ومباح فشابه ثياب البذلة ولنا أن السبب كونهما مال نام والنماء موجود وهو الإعداد للتجارة خلقة، والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب وحلى المرأة معروف جمعه حلى بالضم والكسر ولا يدخل الجواهر واللؤلؤ وبخلافه في بحث الإيمان (وآنيتهما) جمع إناء (مجمع الانهراج ص ۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الزكاة، نصاب الفضة)

۱۔ اور اگر سونے یا چاندی کی خالص مقدار کا پتہ نہ چلے، تو غالب گمان کے مطابق احتیاط پر عمل کیا جائے گا۔

المغشوش من الذهب أو الفضة، وهو المسبوك مع غيره.

ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا زكاة فيه حتى يبلغ خالصه نصاباً، لما في الحديث المتقدم ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة.

فإذا بلغه أخرج الواجب خالصاً أو أخرج من المغشوش ما يعلم اشتماله على خالص بقدر الواجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالک کے نزدیک اگر وہ اشیاء اس طرح کی ہوں کہ عرف و رواج میں ان کے ساتھ خالص سونے، چاندی کی اشیاء جیسا برتاؤ کیا جاتا ہو، تو ان اشیاء میں زکاة واجب ہوگی، جبکہ ان اشیاء کا مجموعی وزن نصاب کے برابر ہو جائے۔

اور اگر عرف و رواج میں ان اشیاء کے ساتھ خالص سونے، چاندی کی اشیاء جیسا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو، تو پھر ان اشیاء میں موجود خالص سونے یا چاندی کی مقدار کے اعتبار سے زکاة کا حکم ہوگا، اور کھوٹ اور میل کو حساب میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مع مراعاة درجة الجودة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۳، مادة ”زکاة“)
وقال الشافعية والحنابلة: لا شيء في المغشوش حتى يبلغ خالصه نصاباً كاملاً، فمن ملك ذهباً أو فضة مغشوشة أو مختلطاً بغيره، فلا زكاة فيه حتى يبلغ قدر الذهب والفضة نصاباً، لقوله عليه السلام: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة.
فإن لم يعلم قدر ما فيه منهما، وشك هل بلغ نصاباً أو لا، عمل بالأظهر بحيث يتيقن أن ما أخرجه من الذهب محيط بقدر الزكاة، أو بسببهما (أي التمييز بينهما بالنار) ليعلم ما فيه منهما، ويخرج الزكاة ليسقط الفرض بيقين.

ولو اختلط إناء من الذهب والفضة، بأن أذيا وصيغ منهما الإناء، كأن كان وزنه ألف درهم، أحدهما ست مئة والآخر أربع مئة، وجعل أكثرهما، زكى كلاهما بفرضه، الأكثر ذهباً أو فضة، احتياطاً. ولا يجوز افتراض كله ذهباً، لأن أحد الجنسين لا يجوز عن الآخر، وإن كان أعلى منه، أو ميّز بينهما بالنار، ويحصل ذلك بسبك قدر يسير إذا تساوت أجزاؤه (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۲۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۱ وقال المالكية: إن كانت الدراهم والدنانير المغشوشة راتجة كرواج غير المغشوشة فإنها تعامل مثل الكاملة سواء، فتكون فيها الزكاة إن بلغ وزنها بما فيها من الغش نصاباً، أما إن كانت غير راتجة فالعبرة بما فيها من الذهب أو الفضة الخالصين على تقدير التصفية، فإن بلغ نصاباً زكى وإلا فلا. وهذا الذي تقدم فيما كان الغش فيه نحاساً أو غيره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۳، مادة ”زکاة“)

وقال المالكية: المعبر هو الرواج، فتجب الزكاة في الكاملة الوزن، والمغشوشة (المخلوطة بنحو نحاس)، وناقصة الوزن إن راجت كل منهما رواجاً كرواج الكاملة الوزن، فإن لم ترج حسب الخالص على تقدير التصفية في المغشوشة، واعتبر الكمال في الناقصة بزيادة دينار أو أكثر، فمتى كملت زكيت وإلا فلا. وعلى هذا فإن كانت الدراهم أو الدنانير مخلوطة بالنحاس أو غيره، أسقط وزكى عن الصافي (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۲۳، ۱۸۲۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

اور حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سونے یا چاندی کی مقدار، کھوٹ کی مقدار سے زیادہ ہو، تو ایسی صورت میں اس مجموعہ کو سونے یا چاندی کا حکم حاصل ہوگا۔ اور اگر اُس کھوٹ یا میل کی مقدار، سونے یا چاندی سے زیادہ ہو، تو پھر اس مجموعہ کو سونے یا چاندی کا حکم حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس دوسری چیز کا ہی حکم حاصل ہوگا۔ ۱۔

اور اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کسی اور چیز یا کھوٹ کو اس طرح شامل کیا گیا کہ وہ چیز سونے یا چاندی کے ساتھ مخلوط نہ ہوئی ہو، جیسا کہ الگ سے جزاؤ، ٹکینے، موتی، ڈوری وغیرہ، تو حنفیہ کے نزدیک جتنی مقدار سونے یا چاندی کی ہے، صرف اتنی مقدار کا اعتبار کرتے ہوئے زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۲۔

۱۔ ملحوظ رہے کہ کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا ہوا ہے، لیکن بندہ کے ناقص ذہن میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ مخلوط ہونے کی صورت میں خالص سونے یا چاندی کی اصل مقدار کا معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے تیسیر کے لئے غالب کا اعتبار کیا گیا، لیکن آج کل مختلف ذرائع و قرائن سے سونے یا چاندی کی خالص مقدار کا پتہ چلانا دشوار و ناممکن نہیں، صرافوں کے ذریعہ اس کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، اور آج کل صرف زیور تیار کرتے وقت بھی خالص مقدار کو بتلا دیتے ہیں، اور وہ اسی حساب سے زیور کو خریدتے وقت واپس لیتے ہیں، اس لئے جب مخلوط کا پتہ چلانا ناممکن ہو، تو حنفیہ کے نزدیک بھی شافعیہ وغیرہ کی طرح حکم ہونا چاہئے، جیسا کہ غیر مخلوط میں بھی یہی حکم ہے، اور وہ صورت آگے بیان ہوئی ہے، اور آج کل زکاة دیتے وقت قیمت فروخت کے اعتبار سے عوام کا تعامل اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے، جیسا کہ آگے مالی تجارت میں آتا ہے۔

وقال الحنفية: إذا كان الغالب على الورق المضروب الفضة فهو في حكم الفضة، فتجب فيه الزكاة كأنه كله فضة، ولا تنزكي زكاة العروض، ولو كان قد أعدها للتجارة، قالوا: لأن الدرهم لا تخلو من قليل الغش، لأنها لا تطبيع إلا به، والغلبة أن تزيد الفضة على النصف. أما إن كان الغش غالبا فلا يكون لها حكم الفضة بل حكم العروض، فلا زكاة فيها إلا إن نواها للتجارة، وبلغت نصابا بالقيمة، فإن لم ينوها للتجارة فإن كانت بحيث يخلص منها فضة تبلغ نصابا وجبت زكاتها، وإلا فلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۳، ۲۶۵، مادة "زكاة")

۲۔ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

”ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں۔ اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب وفضہ کی مقدار میں ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے، اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً بیع صرف و زکاة، صرف مقدار ذہب وفضہ میں معتبر ہوگی، مجموعہ میں نہ ہوگی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملفوظ رہے کہ اگر کوئی زیور سونے یا چاندی کے علاوہ کسی اور دھات وغیرہ سے تیار شدہ ہو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے تمیز نہ ہوں، اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو، اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے۔ یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب و فضہ کہا جائے گا، اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے، اس میں جس قدر ذہب و فضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب و فضہ کے جاری نہ ہوں گے، نہ اس پر زکاة ہوگی، نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے“ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۷، کتاب الزکاة و صدقات)

حکم المغشوش أو المخلوط بغیرہ: المغشوش: هو المخلوط بما هو أدون منه كذهب بفضة، وفضة بنحاس. وللفقهاء فی زکاته آراء ثلاثة:

قال الحنفية: غالب الفضة فضة، وغالب الذهب ذهب، وإذا كان الغالب عليهما الغش، فهي في حكم العروض التجارية، ولا بد من أن تبلغ قيمتها نصاباً، ولا بد فيها من نية التجارة كسائر العروض، إلا إذا كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً، لأنه لا تعتبر في عين الفضة القيمة، ولا نية التجارة. واختلف في الغش المساوي، والمختار: لزوم الزكاة احتياطاً (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

وحكم الذهب المغشوش كالفضة المغشوشة وقيد المصنف بالغالب لأن الغش والفضة لو استويا ففيه اختلاف واختار في الخاتمة والخلاصة الوجوب احتياطاً، وفي معراج الدراية وكذا لا اتباع إلا وزنا، وفي المجتبى المفهوم من كتاب الصرف أن للمساوي حكم الذهب والفضة، ومما ذكر في الزكاة أنه لا يكون له حكم الذهب والفضة (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۴۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(وغالب الورق ورق لا عكسه) یعنی إذا كان الغالب على الورق الفضة فهو فضة ولا يكون عكسه فضة وهو أن يكون الغالب عليه الغش وإنما هو عروض لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن يزيد على النصف اعتباراً للتحقیقة ثم إن كان الغالب فيه الفضة تجب فيه الزكاة كيفما كان لأنه فضة وإن كان الغالب فيه الغش ينظر فإن نواه للتجارة تعتبر قيمته مطلقاً وإن لم ينو للتجارة ينظر فإن كانت فضته تتخلص تعتبر فتجب فيها الزكاة إن بلغت نصاباً وحدها أو بالضم إلى غيرها لأن عين الفضة لا يشترط فيها نية التجارة ولا القيمة على ما تقدم وإن لم تتخلص منه فضته فلا شيء عليه لأن الفضة قد هلكت فيه إذ لم ينتفع بها لا حالاً ولا مآلاً فبقيت العبرة للغش وهو عروض فيشترط فيه نية التجارة فصارت كالتبايع الموهبة بماء الذهب. فإن قيل فما الفرق بين الفضة المغلوبة وبين الغش المغلوب حتى اعتبرتم الفضة المغلوبة وأجريت عليه أحكام الفضة إذا كانت تخلص منه ولم تعتبروا الغش المغلوب بل جعلتم كله فضة قلنا الفرق بينهما أن الفضة قائمة في كثير الغش حقيقة حالاً باللون ومآلاً بالإذابة بخلاف الغش المغلوب فإنه لا يظهر حالاً ولا يخلص مآلاً بل يحترق وعلى هذا التفصيل الذهب المغشوش وإنما لم يذكره الشيخ - رحمه الله تعالى - لأن حكمه يعرف ببيان حكم الفضة المغشوشة وإن كانت الفضة والغش سواء ذكر أبو النصر أنه تجب فيه الزكاة احتياطاً وقيل لا تجب (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۷۹، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(جس کو آرٹیفیشل Artificial زیور کہا جاتا ہے) تو اس کو سونے چاندی کا حکم حاصل نہیں، البتہ اگر کسی کے پاس اس طرح کا زیور تجارت کے مال کے طور پر خرید کر دے ہو، تو اس پر اس کی زکاة تجارت کے مال کی حیثیت سے واجب ہوگی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۷..... اگر کسی اور چیز (مثلاً تانبہ) کے بجائے سونے کے ساتھ چاندی یا چاندی کے ساتھ سونے کو شامل کر کے کسی چیز (مثلاً زیور، برتن) کو تیار کیا گیا ہو، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کو الگ الگ حکم حاصل ہوتا ہے، چنانچہ ان میں سے اگر ایک چیز کی مقدار بھی نصاب کے بقدر ہو، تو زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۲

اور حنفیہ کے نزدیک اگر باہم مخلوط سونے اور چاندی میں سونے کی مقدار زیادہ ہو، تو اس پورے مجموعہ کو سونے کا حکم حاصل ہوتا ہے، اور اس کا وزن سونے کے نصاب کے بقدر ہونے پر زکاة واجب ہوتی ہے۔

اور اگر اس میں چاندی کی مقدار زیادہ ہو، تو اس پورے مجموعے کو چاندی کا حکم حاصل ہوتا ہے پھر اگر اس میں موجود چاندی کی مقدار، چاندی کے نصاب کے برابر ہو، تو اس میں چاندی کے نصاب کے اعتبار سے زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۳

۱۔ ولا زکاة فی الحلی من غیر الذهب والفضة کالما س واللؤلؤ والیاقوت (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳ ص ۱۸۲۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۲۔ اور اسی طرح اگر دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اجزاء کے اعتبار سے ملا کر نصاب کی مقدار بن جاتی ہو، تو تب بھی ان حضرات کے نزدیک زکاة واجب ہوتی ہے، اور اجزاء کے حساب کا ذکر ”نصاب کے بیان“ میں آتا ہے۔
وہذا الذی تقدم فیما کان الغش فیہ نحاساً أو غیرہ۔

أما الذهب المغشوش بالفضة فيعتبر عند الشافعية والحنابلة كل جنس منهما، فإن كان أحدهما نصاباً زكى الجميع ولو لم يبلغ الآخر نصاباً، وكذا إن كانا بضم أحدهما إلى الآخر يكمل منهما نصاب، كأن يكون فيه ثلاثة أرباع نصاب ذهب وربع نصاب فضة، وإلا فلا زکاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۲، مادة ”زکاة“)

۳۔ وذهب الحنفية إلى أنه إن بلغ الذهب المخلوط بالفضة نصاب الذهب ففيه زکاة الذهب، وإن بلغت الفضة نصاب الفضة ففيها زکاة الفضة إن كانت الغلبة للفضة، أما إن كانت الغلبة للذهب فهو كله ذهب، لأنه أعز وأغلى قيمة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کوئی چیز سونے یا چاندی سے تیار شدہ ہو (مثلاً زیور، برتن وغیرہ) اور اس کی قیمتِ فروخت خالص سونے یا چاندی سے مختلف ہو، تو اس کے مالی تجارت ہونے یا مالی تجارت نہ ہونے کے اعتبار سے زکاة واجب اور ادا ہونے کا حکم مختلف ہے، جس کی تفصیل آگے ”مالی تجارت کی زکاة“ کے بیان میں آتی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

سکہ اور کرنسی کی زکاة کے احکام

مسئلہ نمبر ۱..... اگر سکہ خالص سونے کا ہو (جیسا کہ پہلے زمانہ میں دینار نام کا سکہ چلا کرتا تھا) یا وہ سکہ خالص چاندی کا ہو (جیسا کہ پہلے زمانہ میں درہم نام کا سکہ چلا کرتا تھا) تو ایسے سکے کو خالص سونے یا چاندی کا حکم حاصل ہے، اور یہ سکہ سونے یا چاندی جس چیز کا بھی ہو، اس کی زکاة اسی سونے یا چاندی کے اعتبار سے واجب ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر ۲..... جن سکوں میں سونے یا چاندی کے ساتھ کسی اور چیز (مثلاً تانبہ) کی ملاوٹ ہو، تو اگر ان میں سونے یا چاندی کی مقدار دوسری ملاوٹ شدہ چیز (مثلاً تانبہ) کی مقدار سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولم نجد للمالکۃ تعرضاً لهذه المسألة (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۲۶۲، ۲۶۵، مادة ”زکاة“)

وقیدنا المخالط للورق بأن یكون غشا، لأنه لو كان ذهباً فإن كانت الفضة مغلوبة فكله ذهب، لأنه أعز وأغلی قيمة، وإن كانت الفضة غالبية فإن بلغ الذهب نصابه ففيه زکاة الذهب، وإن بلغت الفضة نصابها فزکاة الفضة، وفي المغرب الغطریفة كانت من أعز النقود ببخاری منسوبة إلى غطریف بن عطاء الکندی أمير خراسان أيام الرشید (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۳۵، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

(قوله: وقیدنا المخالط للورق إلخ) فی البدائع وكذا حکم الدنانیر التي الغالب علیها الذهب والصوریة ونحوهما فحکمها وحکم الذهب الخالص سواء (منحة الخالق علی البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۳۵، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

والذهب المخلوط بالفضة إن بلغ الذهب نصاب الذهب وجبت فيه زکاة الذهب، وإن بلغت الفضة نصاب الفضة وجبت فيه زکاة الفضة، وهذا إذا كانت الفضة غالبية، وأما إذا كانت مغلوبة فهو كله ذهب، لأنه أعز، وأغلی قيمة كذا فی التبیین (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۷۹، کتاب الزکاة، الباب الثالث، الفصل الثالث)

زیادہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ان کو سونے یا چاندی کا حکم حاصل ہونے کی وجہ سے زکاة واجب ہوتی ہے، اور اگر ان میں سونے یا چاندی کے علاوہ کسی اور ملاوٹ شدہ چیز (مثلاً تانبہ وغیرہ) کی مقدار زیادہ ہو، تو پھر ان کی زکاة واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر انہیں تجارت کی نیت سے رکھا ہو، تو تجارت کا مال ہونے کی حیثیت سے ان کی زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہوں، اور اسی طرح اگر ان میں سونے یا چاندی کی اتنی مقدار موجود ہو کہ جو سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے، تو تب بھی سونا یا چاندی کا نصاب پائے جانے کی وجہ سے ان کی زکاة واجب ہوتی ہے، خواہ تجارت کی نیت نہ بھی ہو۔ ۱۔

۱۔ اور شافعیہ و حنبلیہ کے نزدیک ایسے سکوں میں اگر سونے یا چاندی کی مقدار نصاب کے برابر ہو، تو زکاة واجب ہوتی ہے، ورنہ واجب نہیں ہوتی، اور مالکیہ کے نزدیک عرف و رواج کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ پیچھے زیورات میں کھوٹ و میل شامل ہونے کے مسئلہ میں گزرا۔

اختلف الفقهاء في وجوب الزكاة في المغشوش.

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا تجب الزكاة في المغشوش من النقدين حتى يبلغ خالصه نصاباً، فإذا بلغه أخرج الواجب خالصاً، أو أخرج من المغشوش ما يعلم اشتماله على خالص بقدر الواجب مع مراعاة درجة الجودة.

وقال الحنفية: إذا كان الغالب على الورق المسكوك الفضة فهو في حكم المضروب، فتجب فيها الزكاة كأنه كله فضة، ولا تتركى زكاة العروض، أما إذا كان الغالب الغش فلا يكون لها حكم الفضية بل حكم العروض، فلا زكاة فيها إلا إن نواها للتجارة وبلغت نصاباً بالقيمة.

قال المالكية إن كانت مسكوك الدراهم والدنانير المغشوشة راتجة كرواج غير المغشوشة فإنها تعامل كالكاملة، فتكون فيها الزكاة إن بلغ وزنها بما فيها من الغش نصاباً، وإلا بأن لم ترج رواج الكاملة حسب الخالص فإن بلغ نصاباً زكى وإلا فلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳ ص ۲۹۵، ۲۹۶، مادة "مسكوك")

اختلف الفقهاء في وجوب الزكاة في الزیوف من الدراهم.

فقال الحنفية: إن كانت الفضة فيها هي الغالبة تجب فيها الزكاة، لأن الغش مستهلك مغمور، وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة: أنه قال: تجب الزكاة في الدراهم الجيدة، والزیوف، والنهرجة، والمزيفة، إذا كان الغالب فيها الفضة، لأن ما يغلب فضته على غشه يتناول اسم الدرهم مطلقاً، والشرع أوجب الزكاة باسم الدرهم، وإن كان الغالب فيها الغش والفضة مغلوقة، فإن كانت أثماناً راتجة، أو يمسكها للتجارة تعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي درهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة - وهي الغالب عليها الفضة - تجب فيها الزكاة. وإن لم تبلغ فلا تجب، وإن لم

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... جن سکوں میں سونا یا چاندی بالکل شامل نہ ہو، جیسا کہ تانبہ، پیتل، گلت، لوہے اور دھات وغیرہ کے وہ سکے اور پیسے جو حکومت کی طرف سے جاری کیے جاتے ہیں، اگر وہ سکے رائج الوقت ہوں، یعنی اُن کا بطور سکے اور پیسے کے رواج ہو، تو اُن کی بھی کرنسی ہونے کی حیثیت سے زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہوں۔

البتہ کئی فقہاء کے نزدیک اس قسم کے سکوں کو سامان کا حکم حاصل ہے، جن پر زکاة اس صورت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تکن ائمانا رائجة، ولا معدة للتجارة فلا زكاة فيها، لأن الصفر أى النحاس لا تجب فيه الزكاة إلا بنية التجارة، فإذا أعدها للتجارة اعتبرنا فى وجوب الزكاة فيها القيمة كمعروض التجارة، وإن لم تكن للتجارة، وليست ائمانا رائجة، اعتبرنا ما فيها من الفضة، وإلى هذا ذهب المالكية. وقال الشافعية والحنابلة: لا تجب الزكاة فى الزيوف من النقود حتى يبلغ خالصها نصابا. فإذا بلغ خالصها النصاب أخرج الواجب خالصا، أو أخرج من المغشوش ما يعلم اشتماله على خالص بقدر الواجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۹۳، ۹۴، مادة "زيوف")

النبرة من الدراهم المغشوشة، وهذا النوع من الدراهم: إن كان الغالب فيها هو الفضة فهي كالدراهم الخالصة، لأن الغش فيها مستهلك فتجرى فيها أحكام الدراهم الخالصة، فيجوز التعامل بها مغشوشة وإن جهل قدر غشها، وتجب فيها الزكاة عند بعض الفقهاء، لأن ما غلبت فضته على غشه تناوله اسم الدرهم مطلقا، والشرع أوجب الزكاة باسم الدراهم.

وإن غلب الغش فليس كالفضة فينظر فإن كانت رائجة أو نوى التجارة اعتبرت قيمتها، فإن بلغت نصابا من أدنى الدراهم التى تجب فيها الزكاة -وهى التى غلبت فضتها- وجبت فيها الزكاة وإلا فلا.

فإن لم تكن ائمانا رائجة لا منوية للتجارة فلا زكاة فيها إلا أن يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتى درهم وهو نصاب الفضة أو تكون منوية للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴، ص ۳۵، مادة "نبرة")

وإن كان الغالب هو الغش والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت ائمانا رائجة أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها فإن بلغت قيمتها مائتى درهم من أدنى الدراهم التى تجب فيها الزكاة وهى التى الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكاة وإلا فلا.

وإن لم تكن ائمانا رائجة ولا معدة للتجارة فلا زكاة فيها إلا أن يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتى درهم بأن كانت كبيرة، لأن الصفر لا تجب فيه الزكاة إلا بنية التجارة، والفضة لا يشترط فيها نية التجارة فإذا أعدها للتجارة اعتبر القيمة كمعروض التجارة وإذا لم تكن للتجارة ولا ئمانا رائجة اعتبرنا ما فيها من الفضة (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۷، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب الزكاة فى الفضة)

میں ہی واجب ہوتی ہے، جبکہ ان کو تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اور اگر ان کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا ہو، تو ان کی زکاة واجب نہیں ہوتی۔ ۱۔

۱۔ زکاة الفلوس: اختلف الفقهاء في زكاة الفلوس على اتجاهات: فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الفلوس كالعروض فلا تجب الزكاة فيها إلا إذا عرضت للتجارة. وذهب الحنفية، وهو قول عند المالكية إلى أن الفلوس الراتجة تجب فيها الزكاة مطلقا كالذهب والفضة، لأنها أثمان مطلقة، فإذا كسدت عدت عروضاً فلم تجب فيها الزكاة إلا إذا عرضت للتجارة.

والمذهب عند المالكية أنه لا زكاة في الفلوس النحاسية فلا تجب الزكاة في عينها لخروجها عما وجبت الزكاة في عينه من النعم والأصناف المخصوصة من العجوب والثمار والذهب والفضة، فمن كانت عنده فلوس قيمتها مائتا درهم فلا زكاة عليه فيها، إلا أن يكون مديراً (متاجراً بها) فيقومها كالعروض، أما المحتكر فعليه زكاة ثمنها، وحين تكون الفلوس للتجارة ثم أقامت - أي بقيت - عند مالكها سنين ثم باعها بذهب أو فضة فليس فيها إلا زكاة سنة واحدة كسائر عروض التجارة المحتكرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۵، مادة "فلوس")

قلت أرأيت الرجل يشتري الفلوس للنفقة والآنية من النحاس ليتجمل بها في بيته ويستعملها هل عليه في شيء من هذا زكاة قال لا (الأصل للشيباني، ج ۲، ص ۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال) وكذلك الفلوس يشتريها للنفقة فإنها صفر والصفر ليس بمال الزكاة باعتبار عينه بل باعتبار طلب النماء منه، وذلك غير موجود فيما إذا اشتراه للنفقة (المبسوط للسرخسي، ج ۲، ص ۱۹۸، كتاب الزكاة، زكاة الحلوى)

وأما الفلوس، فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة، وإن كانت للتجارة، فإن بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة لما ذكرنا (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۴۲، و ص ۲۴۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث) وأما الفلوس فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة وإن كانت للتجارة فإن بلغت مائتين وجبت الزكاة كذا في المحيط (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثاني) (فرع) الفلوس إن كانت أثماناً راتجة أو سلماً للتجارة تجب الزكاة في قيمتها وإلا فلا (درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱، ص ۱۸۲، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

في الشربلالية: الفلوس إن كانت أثماناً راتجة أو سلماً للتجارة تجب الزكاة في قيمتها وإلا فلا (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال) (فرع) الفلوس كعروض التجارة فيها إذا بلغت نصاباً زكاة

(فرع) الفلوس كعروض التجارة فيها إذا بلغت نصاباً (زكاة قيمة ما لم تكن) الفلوس (للفنقة) فإن كانت للفنقة (فلا) زكاة فيها (مطالب أولى النهى في فقه الحنابلة، ج ۲، ص ۸۹، كتاب الزكاة، باب زكاة الأثمان)

(قال المجد: وإن كانت) الفلوس (للفنقة فلا) زكاة فيها كعروض القنية (كشاف القناع عن معن الاقتناع في فقه الحنابلة، ج ۲، ص ۲۳۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

مسئلہ نمبر ۳..... کسی بھی ملک کی رائج نوٹوں کی کرنسی کو زکاة کے معاملہ میں رائج سکوں کا حکم حاصل ہوتا ہے، لہذا کرنسی جس ملک کی بھی ہو، اس کی بھی زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ وہ نصاب کے بقدر ہو، یا دوسرے زکاة کے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے بقدر بن رہی ہو، خواہ وہ تجارت کی نیت سے رکھی ہو، یا کسی اور وجہ سے رکھی ہو۔ ۱

۱۔ ملحوظ رہے کہ مروّجہ کاغذی نوٹوں کو بعض حضرات نے دیون کی سند کا درجہ، بعض نے سامان تجارت کا درجہ، بعض نے فلوس کا درجہ اور بعض نے نعمیت کے اعتبار سے سونے، چاندی کا درجہ دیا ہے، اور موجودہ دور کے کئی اہل علم حضرات نے آخری قول کو اختیار کیا ہے، جن میں بہر حال زکاة واجب ہے، خواہ تجارت کی نیت نہ بھی ہو۔

إن مما لا شك فيه أن الزكاة في الأوراق النقدية واجبة، نظرا لأنها عامة أموال الناس ورءوس أموال التجارات والشركات وغالب المدخرات، فلو قيل بعدم الزكاة فيها لأدى إلى ضياع الفقراء والمساكين، وقد قال الله تعالى: (وفي أموالهم حق للسائل والمحروم) ولا سيما أنها أصبحت عملة نقدية متواضعا عليها في جميع أنحاء العالم، وينبغي تقدير النصاب فيها بالذهب أو الفضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۷، مادة ”زكاة“)

هذه المسألة قد عرضت أمام مجلس الفكر الإسلامي في باكستان، فاتفق أعضاء المجلس من العلماء والاقتصاديين جميعا على أن ربط الديون بالأسعار لا مبرر له في الشريعة الإسلامية. وكذلك نوقش هذا الموضوع في ندوة مختصة لمدائلته أقامها البنك الإسلامي للتنمية بجدة باشتراك المعهد العالمي للاقتصاد الإسلامي بإسلام آباد وذلك في شعبان سنة ۱۴۰۷ هـ، وقد حضر هذه الندوة جماعة من العلماء والاقتصاديين من بلاد مختلفة، والقرار الذي اتفق عليه مشاركو هذه الندوة كما يلي.

توصيات:

إن النقود الورقية تقوم مقام النقدين (الدنانير والدرهم) في جريان الربا ووجوب الزكاة فيها وكونها رأس مال سلم ومضاربة وحصة في شركة، وإن قول أبي يوسف بوجوب رد قيمة الفلوس في حالة الغلاء والرخص بالنسبة للنقدين لا يجرى في الأوراق النقدية لأن هذه الأوراق النقدية تقوم مقام النقدين المتفق على عدم اعتبار الرخص والغلاء فيهما (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ج ۱، ص ۱۹۲، الباب الثاني مسألة تغير قيمة العملة وربطها بقائمة الأسعار)

الزكاة في الأوراق النقدية واجبة مطلقا كالذهب والفضة، سواء قصد بها التجارة أم لم يقصد، إذا بلغت النصاب، وحال عليها الحول، وكانت مملوكة له، لأنها مال اصطلاح الناس على تملكه، والتعامل به (موسوعة الفقه الاسلامي، ج ۳، ص ۳۰، كتاب الزكاة، زكاة الاوراق النقدية)

الخلاصة ومجمل القول:

أن الأوراق النقدية تحصل من وجهة نظر الفقهاء فيها أربعة أقوال:

القول الأول: أنها سندات ديون على جهة إصدارها.

﴿نقطة حاشية اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جن حضرات کے نزدیک سکّوں کو سامان کا حکم حاصل ہے، اُن کے نزدیک اس صورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القول الثانی: أنها عرض من عروض التجارة.

القول الثالث: أنها كالفلوس في طرء الثمنية عليها.

القول الرابع: أنها بدل عما تفرعت عنه من النقدين؛ الذهب والفضة.

وتقدم دليل كل قول وما يترتب عليه من الأحكام.

والذي يظهر لى والله أعلم أن أقرب هذا الأقوال إلى الصحة وأوفقها بالدليل واعتبار الأحكام المتعلقة بالأوراق النقدية من حيث التعامل والزكاة وغير ذلك، القول الرابع؛ وهو أن الأوراق النقدية قائمة فى الثمنية مقام ما تفرعت عنه، وبدل ما حلت محله من عملات الذهب والفضة، وما كان منها متفرعاً عن الذهب فله حكم الذهب، وما كان منها متفرعاً عن الفضة فله حكم الفضة، والأمور الشرعية بمقاصدها ومعانيها لا بألفاظها ومبانيها، وأنها إذا زالت عنها الثمنية أصبحت مجرد قصاصات ورق لا تساوى بعد إبطالها شيئاً مما كانت تساويه قبل إبطالها؛ إذن فلها حكم النقدين الذهب والفضة مطلقاً؛ لأن ما يثبت للمبدل عنه يثبت للمبدل (زكاة الأسهم والسندات والورق النقدى لدكتور صالح بن غانم بن عبد الله بن سليمان بن على السدلان، ص ۵۳، ۵۴، المبحث الثانى الأوراق النقدية، مطبوعة: دار بلنسية للنشر والتوزيع، الرياض - المملكة العربية السعودية)

والقول بأنها فلوس، تخرج عن الثمنية بالغلاء والرخص شأن الفلوس فى الأزمنة السالفة قول غير صحيح ويترتب عليه مفاسد كبيرة فى الدين والدنيا، ذلك أنه لا بدّ للناس من أثمان تقدر بها السلع والخدمات، وتكون واسطة للتبادل حتى تتيسر معاملاتهم، ولم يعد الذهب ولا الفضة نقداً أصلاً، وهذه الأوراق النقدية فيها خصائص الثمنية، وأصبح إصدارها مضبوطاً بضوابط معينة، وتعمل الدول على حماية نقدتها بالتدابير الاقتصادية، ومكافحة التزوير، وترقيم العملات، وسرية العلامات التى تضعها فى النقد ضماناً لعدم تزويره، إلى غير ذلك مما لا يخفى فى الحياة المعاصرة، وتستخدم هذه النقود فى المبادلات والحقوق البسيطة والكبيرة، وهذا يجعلها تختلف اختلافاً كبيراً عن الفلوس المعهودة فى الأزمنة السالفة، والتى لم تكن لها من الثمنية ما للذهب والفضة، وكانت تتعرض للكساد، ولإبطال الحاكم لها كثيراً، كما أنها فى كثير من الأحيان إنما تستعمل فى الأشياء الحقةرة النافهة، فلا وجه لقياسها على الفلوس المعهودة فيما مضى وإعطائها حكمها، بل هى أثمان يجرى فيها الربا وتجب فيها الزكاة وتصلح رأس مال فى السلم والشركات، وقد اقترح المانعون لربط الأجور بالمستوى العام لتغير الأسعار عدم إطالة مدة الإجارة حتى تكون هناك فرصة للاتفاق على الأجر المناسب الذى يتفق مع القيمة الحقيقية له، وإن تعذر الاتفاق على مدة قصيرة للإجارة فليتم الاتفاق أن تكون الأجرة بعملة نادرة التغير كالذهب أو الدولار مثلاً (واجبات العمال وحقوقهم فى الشريعة الإسلامية مقارنة مع قانون العمل الفلسطينى، لسمير محمد جمعة العواودة، ص ۲۱، الفصل الثالث، المبحث الثالث، المطلب الثانى، مطبوعة: جامعة القدس)

میں ہی زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ اُن کو تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اور اگر اُن کو اپنی بنیادی ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا ہو، تو اُن کی زکاة واجب نہیں ہوتی۔ ۱

۱۔ أما العروض فتضم قيمتها إلى الذهب أو الفضة ويكمل بها نصاب كل منهما. قال ابن قدامة: لا نعلم في ذلك خلافا. وفي هذا المعنى العملة النقدية المتداولة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۸، مادة "زكاة")

وحاصل ذلك أن هذا الوعد المكتوب لا يعبر اليوم إلا عن ضمان الحكومة لحامله بالحفاظ على قيمة الورق الاسمية (Face Value) وإن قيمته الاسمية عبارة عن عيار مخصوص لقوة الشراء، ولذلك لا يلتزم البنك بأداء الذهب أو الفضة أو العملة المعدنية الأخرى، بل ربما يفى بوعده بإبدال ذلك الورق بورق آخر يساويه في قيمته الاسمية، فليس ذلك أداء الدين، وإنما هو إبدال الثمن بثمن آخر، قد التزم به البنك الرئيسي، لا لأن الورق ليس ثمنا رمزياً، بل للحفاظ على ثقة الناس بهذا الثمن الرمزي.

فاتضح بما ذكرنا أن النقود الورقية لم تبق الآن سندات لديون في تخريجها الفقهية، وإنما صارت أثماناً رمزية يعبر عنها الفقهاء بكلمة "الفلوس النافقة" فإن الفلوس النافقة تكون قيمتها الاسمية أكثر بكثير من قيمتها الذاتية، فكل ذلك الأوراق النقدية تكون قيمتها الاسمية أضعاف قيمتها الذاتية، وجرى بها التعامل العام فيما بين الناس، دون أيما فرق بينهما وبين الفلوس النافقة، حتى لا توجد العملة المعدنية اليوم -ولو رمزية- إلا نزرًا قليلًا، فالحكم بعدم أداء الزكاة بهذه الأوراق، ومنع مبادلة بعضها ببعض على أساس كونه بيع بالكالء، ومنع شراء الذهب والفضة بها لفقدان التقابض، فيه حرج عظيم لا يتحمل، والمعهود من الشريعة السمحة في مثله السعة والسهولة، والعمل بالعرف العام المتفاهم بين الناس، دون التدقيق في أبحاث قد أصبحت اليوم فلسفة نظرية ليس لها في الحياة لعملية أثر، ولا يسمع لها خبر، والله سبحانه وتعالى أعلم، وعندما ثبت كون هذه الأوراق في حكم الفلوس، تنتقل إلى الأحكام المتعلقة بها، والله سبحانه المستعان.

الزكاة والأوراق المالية:

تجب الزكاة على الأوراق النقدية بالإجماع، وليس على قول من يقول بوجوب الزكاة على الدين فقط، لأنها ليست سندات دين، وإنما هي في حكم الفلوس النافقة، والفلوس النافقة في حق الزكاة كعروض التجارة تجب عليها الزكاة إذا بلغت قيمتها نصاب الفضة.

وكذلك يجوز أداء الأوراق النقدية إلى الفقير زكاة، وتنادى بها الزكاة فور ما يستلمها الفقير، دون انتظار أن يصرفها، أو يحولها إلى عملة معدنية، كما تنادى الزكاة بأداء الفلوس إلى الفقير، ولا يشترط لأداء الزكاة بها أن يصرفها الفقير، أو يأخذ بدلها شيئاً من الذهب أو الفضة (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، للمفتي محمد تقى العثماني، ج ۱، ص ۱۶۱، ۱۶۲، أحكام الأوراق النقدية) قدمنا أن النقود الورقية في حكم الفلوس سواء بسواء، فتجرى على مبادلتها أحكام بيع الفلوس بعضها ببعض. فلو بيعت هذه الأوراق على التساوي، بأن تكون قيمة البدلين متساوية، فهذا جائز

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہذا ان حضرات کے نزدیک کاغذی کرنسی پر بھی اُسی صورت میں زکاة واجب ہوگی جبکہ اسے تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اور اگر اُس کو اپنی ماہانہ یا سالانہ بنیادی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالإجماع، بشرط أن يتحقق قبض أحد البدلين في المجلس قبل أن ينفرد المتبايعان، فإن تفرقا ولم يقبض أحد شيئا، فسد العقد عند الحنفية وبعض المالكية؛ لأن الفلوس لا تعين بالتعيين عندهم، وإنما تعين بالقبض، فصارت دينا على كل أحد، والافتراق عن دين بدلين لا يجوز.

وأما بيعهما على التفاضل بأن تكون قيمة أحد البدلين أكثر من الآخر، كبيع الربة بالربيتين، والريال بالريالين، والدولار بالدولارين، فتجوز فيه أحكام الفلوس بالتفاضل، وفيه خلاف مشهور للفقهاء.

وذلك أن بيع الفلاس بالفلسين حرام مطلقا، وهو من الربا المحرم شرعا عند الإمام مالك بن أنس، ومحمد بن الحسن الشيباني من الحنفية، وهو أشهر الوجهين عند الحنابلة، وبه يقول الإمام أبو حنيفة وأبو يوسف، إذا كان البدلان غير متعينين. فأما الإمام مالك بن أنس رحمه الله، فلا يراه يعتبر الثمنية علة لتحريم التفاضل والنسيئة، سواء كانت الثمنية جوهرية، كما في الذهب والفضة، أو عريفية مصطلحة، كما في الفلوس، فلا يجوز التفاضل والنسيئة في مبادلتها بجنسها. وجاء في المدونة الكبرى للإمام مالك: "ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود، حتى يكون لها سكة وعين، لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة؛ لأن مالكا قال: لا يجوز فلس بفلسين، ولا تجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير نظرة.

وأما الحنفية فإن العلة عندهم، وإن كانت الوزن، ولا يوجد ذلك في الفلوس ولكنهم يقولون: إنها أمثال متساوية قطعاً، لا اصطلاح الناس بإهدار الجودة منها، فلو بيع فلس واحد بفلسين كان أحد الفلاس خالياً عن العوض مشروطاً في العقد، وهو الربا، وهذا مادامت ثمنيتها باقية بأن لا تعين بالتعيين، ثم يقول محمد بن الحسن رحمه الله: إنه لا سبيل إلى إسقاط ثمنيتها ما دامت رائجة؛ لأنها صارت ثمناً بالاصطلاح، فلا تبطل إلا باصطلاح الجميع، فليس للمتعاقدين إبطالها وتعيينها، فلا يجوز الفلاس بالفلسين بحال. ويقول أبو حنيفة وأبو يوسف: إن للمتعاقدين إبطال ثمنيتها بتعيينها، وحينئذ تصير عروضاً متعينة، ويجوز فيها التفاضل. وأما الإمام أحمد، فعنه في هذه المسألة روايتان: الأولى: أنه يجوز الفلاس بالفلسين؛ لأن علة الربا عنده الوزن، ولا يوجد في الفلوس لكونها عديدة. والثانية: لا يجوز، ويجزى فيها الربا؛ لأن أصله الوزن، فلا يخرج بالصناعة عنه كالخبز، وذكر ابن قدامة أن اختيار القاضي أن ما كان يقصد وزنه بعد عمله كالإسقاط ففيه الربا، وما لا فلا وقياس هذا التعليل أن يجوز عنده بيع الأوراق النقدية متفاضلة؛ لأن الورق ليس موزوناً من أصله، بخلاف الفلوس المعدنية، والله سبحانه أعلم.

والمذهب الثاني للفقهاء في هذا الباب: أنه يجوز بيع الفلاس بالفلسين، ويجوز التفاضل في مبادلة الفلوس بالغا ما بلغ، وهو مذهب الشافعي رحمه الله؛ وذلك لأن علة الربا عنده جوهرية الثمن، فتختص بالذهب والفضة، وليست الفلوس في حكمها، فلا ربا عنده في الفلوس وإن راجت، فيجوز عنده بيع بعضها ببعض متفاضلاً. وكذلك أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى يجوزان الفلاس بالفلسين، إذا كانا بأعيانهما،

﴿بقية حاشية الگے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا ہو، تو اُس کی زکاة واجب نہیں ہوگی، واللہ اعلم۔ ۱۔
مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے اہل علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ
موجودہ دور کی کاغذی کرنسی اور روپیہ پیسہ پر بہر حال زکاة واجب ہوتی ہے، خواہ وہ کسی بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعینہما العاقدان، لقوات ثمنیتہما حینئذ، وکونہما عروضاً محضۃ، کما قدمنا۔
الرأی الراجع فی هذا الباب : کان اختلاف الفقهاء هذا فی زمن یسود فیہ الذهب والفضۃ کعیار
للأثمان، وتداول فیہ النقود الذهبیۃ والفضیۃ بکل حریۃ، ولا تستعمل الفلوس إلا فی مبادلات
بسیطة. وأما الآن فقد فقدت النقود المعدنیۃ من الذهب والفضۃ، ولا یوجد الیوم منها شیء فی
العالم کلہ، واحتلت النقود الرمزیۃ محلہا فی سائر المعاملات کما بینا فی بدایۃ هذه المقالة۔
فیجب الآن - فیما أرى - أن یختار قول الإمام مالک أو الإمام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فی مسألة
بیع النقود الرمزیۃ بعضها ببعض؛ وذلك لأنه لو وقع الحکم الیوم بمذهب الإمام الشافعی، أو
الإمام أبی حنیفۃ وأبى یوسف رحمہم اللہ، لانفتح باب الربا علی مصراعیہ، وصارت کل معاملۃ
ربویۃ حالاً تحت هذا الستار، فإن المقرض أن أراد الربا باع نقودہ الرمزیۃ من الآخر بنقود رمزیۃ
أکثر من قیمۃ ما دفعہ، والذي یغلب علی الظن أن هؤلاء الفقهاء لو کانوا أحياء فی هذا الزمان،
وشاهدوا من تغیر أحوال النقود ما نشاہدہ، لأفتوا بحرمة الفلوس بالفلسین (بحوث فی قضایا فقہیۃ
معاصرۃ، للمفتی محمد تقی العثماني، ص ۲۳، ۱، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹

نیت سے رکھی ہو، یہاں تک کہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہی کیوں نہ رکھی ہو، اور اس وجہ سے جو رقم شادی بیاہ اور حج وغیرہ میں خرچ کرنے کے لئے رکھی ہو، اس پر بھی ان حضرات کے نزدیک زکاة واجب ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی کے پاس کرنسی اتنی مقدار میں ہو کہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے، لیکن ساڑھے سات تولہ سونے کے نصاب کو نہ پہنچے، تو اکثر اہل علم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما الفلوس، فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة، وإن كانت للتجارة، فإن بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة لما ذكرنا (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۴۲، وص ۲۴۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث) لا بد مع الحول من شيء آخر، وهو الثمنية كما في الثمنين: أي الذهب والفضة، أو السوم كما في الأنعام، أو نية التجارة في غير ما ذكرنا (شرح وقاية، صفحہ ۱۳۹، و صفحہ ۱۴۰، كتاب الزكاة) قوله: وهو الثمنية الخ؛ حاصله أن الزكاة لا تجب في مال وإن بلغ مقدار النصاب، وحال عليه الحول أيضا إلا إذا وجد ثلاثة أشياء؛ أحدها: الثمنية؛ وهو أن يكون المال ثمنًا خلقة بأن يكون مخلوقًا لأن يجعل ثمنًا وعوضًا في العقود والتجارات، وتشتري بها الأشياء، وهو الذهب والفضة فتلزم فيهما الزكاة كيفما أمسكهما، ولو للنفقة إذا حال عليهما الحول، وبلغ نصابًا واحترز بقوله خلقة عن الفلوس، فإنها أثمان عرفًا واصطلاحًا، لا خلقة، وثانيهما: السوم؛ وهو في الدواب التي تجب فيها الزكاة كالغنم والبقر والإبل على ما سيأتي ذكره في موضعه، وهو عبارة لغة عن الرعي، يقال شاة سائمة: أي راعية، وفي اصطلاح الشرع: هي المكفية بالرعي في أكثر السنة، فتلزم الدواب الزكاة إذا كانت سائمة، وإن كان يعلفها في بيته ويصرف عليها من عنده فلا زكاة عليها، وإن مضت عليه السنة وبلغت نصابًا، وثالثها: نية التجارة، وهو في غير الثمن الخلقى والدواب، فما عدا إذا كانت بنية التجارة تجب فيه الزكاة وإلا فلا (عمدة الرعية، ص ۱۳۹، و ۱۴۰، كتاب الزكاة)

۱۔ اور ابن ملک کے نزدیک جو مال اور دراہم و دنانیر مہینہ یا سال بھر کے نفقہ یا بنیادی ضروریات کے لئے رکھے ہوں، وہ زکاة سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، جیسا کہ پیچھے سونے، چاندی کی زکاة کے بیان میں گزر آئے مال کے حاجتِ اصل سے فارغ یا زائد ہونے کے بیان میں بھی آتا ہے، اور اگرچہ موجودہ دور میں حنفیہ کی عام کتب میں بنیادی ضرورت کے لئے رکھے ہوئے مال نامی پر مطلقاً وجوب زکاة کا حکم مذکور ہے، لیکن ہندہ کے نزدیک شدید ضرورت و مجبوری کی صورت میں عدم وجوب کے قول پر بھی عمل کر لینے کی گنجائش ہے، مثلاً ایک شخص کو واقعی ضروری آپریشن یا کسی اور علاج معالجہ کی ضرورت ہے، یا کوئی اور سخت مثلاً مہینہ بھر کے اخراجات کی ضرورت درپیش ہے، اور اس نے اس ضرورت کے لئے کچھ پیسہ رکھا ہوا ہے، یا اس کو کسی کی طرف سے بطور امداد حاصل ہوا ہے، اور وہ نصاب کے بقدر ہے، اور اس کے پاس دوسرا انتظام نہیں اور اس درپیش ضرورت میں خرچ کرنے کے بعد نصاب کے بقدر اس کے پاس مال نہیں رہتا، تو ایسی ضرورت و مجبوری میں عدم وجوب کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، جس کی مزید تفصیل آگے ”مال کے حاجتِ اصل سے فارغ یا زائد ہونے“ کے ذیل میں آتی ہے، واللہ اعلم۔

حضرات کے نزدیک ایسی کرنسی زکاة کا نصاب شمار ہوتی ہے اور اس کی زکاة واجب ہوتی ہے، اور عموماً فتویٰ بھی اسی قول کے مطابق ہے۔

البتہ بعض اہل علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ کرنسی کی زکاة اس وقت تک واجب نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت کے برابر نہ ہو جائے۔ ۱

مال تجارت کی زکاة کے احکام

شرعی اعتبار سے مال تجارت کی بھی زکاة واجب ہے، جس کے احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے

ہیں۔ ۲

۱۔ اگر کوئی انتہائی ضرورت مند ہو، اس کے لئے اس آخری قول پر بھی عمل کر لینے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔
و یقدر نصابها - كما أبت - بسعر صرف نصاب الذهب المقرر شرعاً وهو عشرون ديناراً أو مثقالاً، ونختار أن يكون وزنها ذهباً ۸۵ غراماً، ومن الفضة (۵۹۵ غراماً) عملاً بالدرهم العربي وهو (۹۵،۲ غم)، والأصح تقدير النصاب الورقي بالذهب، لأنه المعادل لنصاب الأنعام (الإبل والبقر والغنم)، ولا ارتفاع مستوى المعيشة وغلاء الحاجيات، وإن كان يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة، لأنه أنفع للفقراء، وللاحتياط في الدين، ولأن نصاب الفضة مجمع عليه، وثابت بالسنة الصحيحة، وكان يساوي في الماضي ستة وعشرين ريالاً مصرياً وتسعة قروش وثلاثي قرش، ونحو خمسين ريالاً في السعودية ودولة الإمارات، ونحو ۵۵ أو ۶۰ روبية في باكستان والهند.
ولا تجب الزكاة على الأوراق النقدية إلا ببلوغها النصاب الشرعي، وبحولان الحول، وبالفراغ من الدين وهو الحق والعدل، وزاد الحنفية: وبأن يكون النصاب فاضلاً عن الحاجات الأصلية لمالكه من نفقة وكسوة وأجرة سكنى وآلة حرب (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۳۳ الى ۱۸۳۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)
وإذن يكون نصاب الفضة بالوزن الحديث هو ۲۰۰ * ۲.۹۷۵ = ۵۹۵ من الجرامات، ويكون نصاب الذهب هو ۲۰۰ * ۳.۲۵ = ۸۵ جراماً من الذهب.

فمن ملك من الفضة الخالصة - نقوداً أو سبائك - ما يزن ۵۹۵ جراماً وجبت عليه فيه الزكاة ۲.۵ بالمائة (فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱، ص ۲۳۳، نصاب النقود)

۲۔ ثالثاً: زكاة عروض التجارة: التجارة تقلب المال بالبيع والشراء لغرض تحصيل الربح. والعرض بسكون الراء، هو كل مال سوى النقدين، قال الجوهرى: العرض المتاع، وكل شيء فهو عرض سوى الدراهم والدنانير فإنهما عين، وقال أبو عبيد: العروض الأمتعة التي لا يدخلها كيل ولا وزن ولا يكون حيواناً ولا عقاراً.

أما العرض بفتحيتين فهو شامل لكل أنواع المال، قل أو كثر، قال أبو عبيدة: جميع متاع الدنيا عرض. وفي الحديث: ليس الفنى عن كثرة العرض. ﴿بقيہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... اگر کسی کے پاس تجارت کا مال، سونے، چاندی کے علاوہ کسی اور چیز سے تیار شدہ زیورات کی شکل میں ہو، جس کو آج کل مصنوعی یا آرٹیفیشل (Artificial) زیور کہا جاتا ہے، تو وہ بھی تجارت کے مال میں شامل ہوگا، اور اس پر تجارت کے مال کے اعتبار سے زکاة واجب ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... اکثر فقہائے کرام یعنی حنفیہ میں سے امام محمد اور مالکیہ و شافعیہ کے نزدیک کسی مال کو تجارت کا حکم حاصل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مال کسی چیز (مثلاً روپیہ، پیسہ) کے عوض میں تجارت کی نیت سے خرید کر ملکیت میں داخل ہوا ہو، اور اگر وراثت، ہبہ (تحفہ و گفٹ) صدقہ، نکاح کے مہر وغیرہ کے طور پر وہ مال ملکیت میں آیا ہو، تو وہ تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوتا، خواہ ملکیت میں آتے وقت اس سے تجارت یعنی اس کو فروخت کرنے کی نیت کیوں نہ کی ہو۔

اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک جنگل سے لکڑیاں چننے یا خود رو گھاس کاٹنے، پرندے پکڑنے، یا پانی سے مچھلیاں پکڑنے پر، جبکہ ان چیزوں کو فروخت کرنے کی نیت سے حاصل کیا جائے، زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعروض التجارة جمع العرض بسكون الرءاء، وهى فى اصطلاح الفقهاء كل ما أعد للتجارة كائنة ما كانت سواء من جنس تجب فيه زكاة العين كالإبل والغنم والبقر، أو لا، كالثياب والحمير والبغال .
حكم الزكاة فى عروض التجارة : جمهور الفقهاء على أن المفتى به هو وجوب الزكاة فى عروض التجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۸، مادة "زكاة")
۱ (لا زكاة فى اللآلى والجواهر) وإن ساءت ألفا اتفاقا (إلا أن تكون للتجارة) والأصل أن ما عدا الحجرين والسواثم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدى إلى التنى وشرط مقارنتها لعقد التجارة (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۷۳، كتاب الزكاة)
۲ اور حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کے نزدیک تجارت کا مال بننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ شخص اس مال کا مالک کسی فعل کے نتیجے میں بنا ہو، خواہ وہ فعل معاوضہ کے طور پر ہو (جیسا کہ بیع و شراء) یا بغیر معاوضہ کے ہو (جیسا کہ ہبہ کو قبول کرنا) اور اگر وہ مال اس شخص کی ملکیت میں بغیر کسی فعل کے داخل ہوا ہو، جیسا کہ کسی فوت ہونے والے کی میراث کے ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۸..... زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے کسی مال کو تجارت کے مال کا حکم حاصل ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مال کو خریدتے یا مالک بنتے وقت تجارت یعنی فروخت کرنے کی نیت کی ہو، اور زکاة کا سال پورا ہونے تک یہ نیت باقی رہی ہو (خواہ منقولہ چیز ہو یا غیر منقولہ) پس اگر اس مال کو خریدتے یا مالک بنتے وقت تجارت یعنی فروخت کرنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بطور پر اس کو مال ملا ہو، تو اس طرح کا مال زکاة کے اعتبار سے تجارت کا شائبہ ہوگا، اور اس لئے ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا چیزوں (لکڑیوں، گھاس، پرندوں وغیرہ) پر زکاة واجب ہوگی، مگر بعض مشائخ حنفیہ نے مذکورہ قول امام ابو یوسف کے بجائے امام محمد کا قرار دیا ہے، اور امام ابو یوسف و امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکاة واجب نہ ہونے کی نسبت کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یشترط أن یکون قد تملك العرض بمعاوضة كسواء أو عرض أو بدین حال أو مؤجل، وكذا لو كان مهرا أو عوض خلع. وهذا مذهب المالكية والشافعية، ومحمد، فلو ملكه يارث أو بهبة أو احتطاب أو استرداد بعب و استغلال أرضه بالزراعة أو نحو ذلك فلا زكاة فيه.

قالوا: لأن التجارة كسب المال ببدل هو مال، وقبول الهبة مثلا اكتساب بغير بدل أصلا.

وعند الشافعية في مقابل الأصح أن المهر وعوض الخلع لا يزيكان زكاة التجارة.

وقال الحنابلة وأبو يوسف: الشرط أن يكون قد ملكه بفعله، سواء كان بمعاوضة أو غيرها من أفعاله، كالاحتطاب وقبول الهبة، فإن دخل في ملكه بغير فعله، كالمرورث، أو مضى حول التعريف في اللقطة، فلا زكاة فيه.

وفى رواية عن أحمد: لا يعتبر أن يملك العرض بفعله، ولا أن يكون في مقابلة عوض، بل أى عرض نواه للتجارة كان لها، لحديث سمرة: أمرنا النبي صلى الله عليه وسلم أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۱، مادة "زكاة")

ثم لا خلاف أن نية التجارة إذا اقترنت بالشراء أو الإعارة صار المال للتجارة، لأن النية اقترنت بعمل التجارة، ولو ورث مالا فنوى به التجارة لا يكون للتجارة، لأن النية تجردت عن العمل فالميراث يدخل في ملكه من غير صنعه ولو قبل الهبة والوصية في مال بنية التجارة عند أبي يوسف -رحمه الله تعالى- يكون للتجارة وعند محمد -رحمه الله تعالى- لا يكون للتجارة، وكذلك في المهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد فمحمد -رحمه الله تعالى- يقول: نية التجارة لا تعمل إلا مقرونة بعمل التجارة، وهذه الأسباب ليست بتجارة وأبو يوسف -رحمه الله تعالى- يقول: التجارة عقد اكتساب المال فما لا يدخل في ملكه إلا بقبوله فهو كسبه فيصح اقتران نية التجارة بفعله كالشراء والإعارة (المبسوط للسرخسي، ج ۲، ص ۹۸، كتاب الزكاة، زكاة الحل)

(وإن نوى التجارة فيما ملكه بهبة أو وصية أو نكاح أو خلع أو صلح عن قود كان لها) أى للتجارة (عند أبي يوسف خلافا لمحمد) وذلك أن السبب لا يجب أن يكون شراء عند أبي يوسف خلافا لمحمد. (وقيل: الخلاف بالعكس) يعنى ما نقل الإسيبجاني في شرح الطحاوى عن القاضى الشهيد أنه ذكر في مختلفه هذا الاختلاف على عكسه وهو أنه في قول الشيوخ لا يكون للتجارة وفي قول محمد يكون لها كما في العناية (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۹۶، و ص ۹۷، كتاب الزكاة)

کی نیت نہیں تھی، بلکہ کسی اور چیز کی نیت تھی، اور پھر بعد میں اس چیز کی تجارت یعنی اس کو فروخت کرنے کی نیت کر لی، تو اس نیت کی وجہ سے وہ مال زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوگا، اور اس لئے اس کی زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۱۔

اسی طرح اگر کسی چیز کو خریدتے وقت تو تجارت کی نیت تھی، مگر زکاة کا سال پورا ہونے سے

۱۔ البتہ مضارب جو مال خریدتا ہے، وہ حنفیہ کے نزدیک محض اس کے خریدنے کی وجہ سے تجارت کا مال بن جاتا ہے، کیونکہ مضارب تجارت کرنے میں دوسرے کا نمائندہ و امین ہوتا ہے، اور اس کو اس مال میں کوئی دوسرا تصرف و تغیر جائز نہیں ہوتا، اس لئے اس کا مال کو خریدنا تجارت کی نیت کو متضمن ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الشرط الثالث: نية التجارة:

اتفق الفقهاء على أنه يشترط في زكاة مال التجارة أن يكون قد نوى عند شرائه أو تملكه أنه للتجارة، والنية المعتبرة هي ما كانت مقارنة لدخوله في ملكه، لأن التجارة عمل فيحتاج إلى النية مع العمل، فلو ملكه للقتية ثم نواه للتجارة لم يصير لها، ولو ملك للتجارة ثم نواه للقتية وأن لا يكون للتجارة صار للقتية، وخرج عن أن يكون محلاً للزكاة ولو عاد فنواه للتجارة لأن ترك التجارة، من قبيل التروك، والترك يكفي فيه بالنية كالصوم. قال الدسوقي: ولأن النية سبب ضعيف تنقل إلى الأصل ولا تنقل عنه، والأصل في العروض القنية. وقال ابن الهمام: لما لم تكن العروض للتجارة خلقة فلا تصير لها إلا بقصدتها فيه.

واستثنى الحنفية مما يحتاج للنية ما يشتريه المضارب، فإنه يكون للتجارة مطلقاً، لأنه لا يملك بمال المضاربة غير المتاجرة به.

ولو أنه آجر داره المشتراة للتجارة بعرض، فعند بعض الحنفية لا يكون العرض للتجارة إلا بنيتها، وقال بعضهم: هو للتجارة بغير نية.

قال المالكية: ولو قرن بنية التجارة نية استغلال العرض، بأن ينوى عند شرائه أن يكرهه وإن وجد ربها باعه، ففيه الزكاة على المرجح عندهم، وكذا لو نوى مع التجارة القنية بأن ينوى الانتفاع بالشيء كركوب الدابة أو سكنى المنزل ثم إن وجد ربها باعه.

قالوا: فإن ملكه للقتية فقط، أو للغلة فقط أو لهما، أو بلا نية أصلاً فلا زكاة عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۱، ۲۷۲، مادة "زكاة")

نية التجارة حال الشراء: أن ينوى المالك بالعروض التجارة حالة شرائها، أما إذا كانت النية بعد الملك، فلا بد من اقتران عمل التجارة بنية، ويشترط أيضاً عند الحنفية أن يكون الشيء المتجر فيه صالحاً لنية التجارة، فلو اشترى أرضاً خراجية للتجارة، ففيها الخراج لا الزكاة، ولو اشترى أرضاً عشرية وزرعها، وجب في الزرع الناتج العشر، دون الزكاة.

واشترط الشافعية أن ينوى بالعروض التجارة حال المعاوضة في صلب العقد أو في مجلسه، فإن لم ينو على هذا الوجه فلا زكاة فيها. ويشترط تجديد نية التجارة عند كل معاوضة حتى يفرغ رأس المال (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

پہلے پہلے تجارت کی نیت ختم ہوگئی یا نیت ادلتی بدلتی رہی، تو یہ مال زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے زکاة کے مال میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے اس کی زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کسی چیز کو خریدتے وقت تجارت کی نیت نہیں ہے، بلکہ کسی اور کام میں استعمال کرنے کی نیت ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال ہے کہ اگر معقول نفع ملے گا، تو اس چیز کو فروخت بھی کر دوں گا، تب وہ چیز زکاة کے اعتبار سے مالی تجارت میں داخل نہ کہلائے گی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۵..... جو تاجر مال لے کر فوری فوری فروخت کر دیتا ہو، اور جو تاجر مال لے کر جمع رکھتا ہو، اور پھر بعد میں فروخت کرتا ہو، جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان دونوں قسم کے

۱۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تجارت کا مال صرف وہی ہوتا ہے، جس کی انسان باقاعدہ تجارت کرتا ہو، اور نفع کمانے کی نیت سے خرید و فروخت کرنے کا پیشہ و مشغلہ اختیار کرتا ہو۔

حالانکہ شرعاً کسی چیز کے مالی تجارت بننے کے لئے اس میں مذکورہ قید ضروری نہیں، بلکہ جو چیز بھی انسان فروخت کرنے کی نیت سے خریدے وہ تجارت کے مال میں شمار ہوتی ہے۔ البتہ خریدتے وقت، فروخت کرنے کی نیت نہ ہو تو بعد میں فروخت کرنے کی نیت کر لینے سے وہ چیز مالی تجارت میں داخل نہیں ہوتی، مگر تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی چیز میں صرف ترک تجارت کی نیت کر لینے سے وہ چیز مالی تجارت سے خارج ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں فقہاء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے، کہ تجارت ایک عمل فعل ہے، جو فعل و عمل بالنیۃ سے ہی، وجود میں آتا ہے، اور اس کے برعکس عدم تجارت کوئی فعل و عمل نہیں، بلکہ وہ باب التروک سے متعلق ہے، لہذا وہ صرف نیت سے وجود میں آ جاتا ہے، کالسفر والاقامة۔

ثم ما سوى الذهب والفضة إنما يصير للتجارة بالنية، والتجارة جميعا - حتى إنه إذا كان له عروض للبدلة والمهنة، ثم نوى أن تكون للتجارة بعد ذلك لا نصير للتجارة، ما لم يوجد منه الشراء بعد ذلك بذلك المال، فيكون بدله للتجارة. فأما إذا كان له مال للتجارة ونوى أن يكون للبدلة، يخرج عن التجارة، وإن لم يستعمله، لأن التجارة عمل معلوم، ولا يوجد بمجرد النية، فلا يعتبر مجرد النية، فأما إذا نوى الابتذال، فقد ترك التجارة للحال، فتكون النية مقارنة لعمل، هو ترك التجارة، فاعتبرت النية (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۲۷۲ باب زکاة اموال التجارة)

والأصل أن النية متى تجردت عن العمل لا تكون مؤثرة، فإذا نوى الإقامة في موضع الإقامة فقد اقترنت النية بعمل الإقامة فصار مقبما، وإذا نوى السفر فقد تجردت النية عن العمل ما لم يخرج فلا يصير مسافرا، وهو نظير ما لو نوى في عبد التجارة أن يكون للخدمة صار للخدمة، ولو نوى في عبد الخدمة أن يكون للتجارة لا يصير لها ما لم يتجر فيه (المبسوط للسرخسی، ج ۱ ص ۲۳۹، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

۲۔ اشترى شيئا للبقية ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۷۳، و ص ۲۷۴، کتاب الزکاة)

مالوں کا حکم زکاة کے اعتبار سے برابر ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۶..... جو جانور گھر میں پیدا ہوا، اگر مالک نے اس کو بیچنے کی نیت کر لی، تو وہ مال تجارت میں شامل نہ ہوگا، اس لیے کہ فقط نیت کرنے سے کوئی چیز تجارت کی نہیں بنتی، جب تک کہ نیت کے ساتھ خریدنے کا عمل نہ پایا جائے، جیسا کہ پہلے گزرا، اس لیے اس جانور میں مالی تجارت کی حیثیت سے زکاة فرض نہ ہوگی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۷..... عشری، خراجی زمین خواہ اپنی مملوکہ ہو یا کرائے پر لی ہو یا مستعار لی ہو، اس سے اُگنے والی فصل میں تجارت کی نیت کرنے سے وہ پیدا شدہ فصل مالی تجارت میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ اس پر حسب قاعدہ عشر یا خراج دینا ہی لازم ہوگا، جس کی تفصیل ہم نے عشر و خراج والی دوسری کتاب میں ذکر کر دی ہے۔ ۳۔

۱۔ مندرجہ بالا قول جہور کا ہے، جبکہ مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔
یرى المالکة أن التاجر إما أن يكون محتکراً أو مدیراً، والمحتکر هو الذى یرصد بسلعه الأسواق وارتفاع الأسعار، والمدير هو من یبيع بالسعر الحاضر ثم یخلفه بغيره وهکذا، کالقبال ونحوه.
فالمحتکر یشرط لوجوب الزکاة علیه أن یبيع بذهب أو فضة یبلغ نصاباً، ولو فی مرات، وبعد أن یکمل ما باع به نصاباً یزکیه ویزکی ما باع به بعد ذلك وإن قل، فلو أقام العرض عنده سنين فلم یبع ثم باعه فلیس علیه فيه إلا زکاة عام واحد یزکی ذلك المال الذى یقبضه. أما المدير فلا زکاة علیه حتى یبيع بشئ ولو قل، کدرهم، وعلى المدير الذى باع ولو بدرهم أن یقوم عروض تجارتہ آخر کل حول ویزکی القيمة، کما یزکی النقد. وإنما فرق مالک بین المدير والمحتکر لأن الزکاة شرعت فی الأموال النامية، فلو زکی السلعة کل عام -وقد تكون کاسدة- نقصت عن شرائها، فیتضرر، فإذا زکیت عند البیع فإن کانت ربحت فالربح کان کامناً فیها فیخرج زکاته، ولأنه لیس على المالك أن یخرج زکاة مال من مال آخر.
وبهذا یتبین أن تقویم السلع عند المالکة هو للتاجر المدير خاصة دون التاجر المحتکر، وأن المحتکر لیس علیه لكل حول زکاة فیما احتکره بل یزکیه لعام واحد عند بیعه وقبض ثمنه.
أما عند سائر العلماء فإن المحتکر کغیره، علیه لكل حول زکاة (الموسوعة الفقہیة الکویتية، ج ۲۳، ۲۷۳، ۲۷۴، مادة "زکاة")

۲۔ لو نوى التجارة فیما خرج من أرضه، فقد علمت أنها لا تصح بعدم العقد فلم یصر الخراج مال تجارة فلا زکاة فيه (ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۶۸، کتاب الزکاة)
۳۔ ولا تصح نية التجارة فیما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية أو المستأجرة أو المستعارة
ثلاً یجتمع الحقان (الدر المختار) ﴿بقیه حاشیہ الگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کسی نے اپنی یا کرایہ کی جگہ میں مرغی خانہ (یعنی پولٹری فارم) قائم کیا ہوا ہے، یا مچھلی خانہ (یعنی مچھلی کا فارم) قائم کیا ہوا ہے، جہاں پر مرغیاں اور مچھلیاں پال کر فروخت کی جاتی ہیں، تو ان چیزوں کی زکاة کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ مرغی خانہ اور مچھلی کے تالاب کی زمین اور متعلقہ ساز و سامان پر تو زکاة فرض نہیں۔

اور مرغیاں اور چوزے یا مچھلیاں یا ان کے بچے خریدتے وقت اگر ان ہی کو بیچنے کی نیت ہو، تو یہ مالی تجارت میں داخل ہوں گے، اور ان کی مالیت پر زکاة فرض ہوگی۔

البتہ اگر مرغیوں اور چوزوں کو بیچنے کے بجائے ان کے انڈے یا ان کے بچے بیچنے کی نیت ہے، تو ایسی مرغیوں پر زکاة فرض نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں ان مرغیوں اور چوزوں کو باقی رکھتے ہوئے، ان سے منفعت حاصل کرنا مقصود ہے۔

اس لیے یہ مالی تجارت میں داخل نہیں۔ ۱۔

اسی طرح اگر یہ مرغیاں اور چوزے خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی، بلکہ بعد میں نیت ہوئی، تو تب بھی ان کی مالیت پر زکاة فرض نہیں، البتہ ان کو یا ان کے بچوں، اور انڈوں کو بیچنے کے بعد ان سے حاصل شدہ رقم پر دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں بہر حال زکاة فرض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله: ولا تصح نية التجارة إلخ) لأنها لا تصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإثارت ونحوه كما سيأتي ومثله الخارج من أرضه، لأن الملك يثبت فيه بالنبات، ولا اختيار له فيه، ولذا قال في البحر: وخروج أي ببيع العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصاباً، ونوى أن يمسكها ويبيعها فأمسكها حولا لا تجب فيها الزكاة كما في الميراث وكذا لو اشترى بذر التجارة وزرعها في أرض عشر استأجرها كان فيها العشر لا غير كما لو اشترى أرض خراج أو عشر للتجارة لم يكن عليه زكاة التجارة إنما عليه حق الأرض من العشر أو الخراج (قوله أو المستأجر أو المستعارة) يعني وكانت الأرض عشرية، فإن العشر على المستعير اتفاقاً وعلى المستأجر على قولهما المأخوذ به. وأما إذا كانتا خراجيتين فإن الخراج على رب الأرض، فإذا نوى المستعير أو المستأجر في الخارج منهما التجارة يصح لعدم اجتماع الحقيقين أفاده ح. قلت: يتعين فرض المسألة فيما إذا اشترى بذرًا للتجارة وزرعه ليصح التعليل بعدم اجتماع الحقيقين، أما لو نوى التجارة فيما خرج من أرضه، فقد علمت أنها لا تصح بعدم العقد فلم يصر الخارج مال تجارة فلا زكاة فيه فافهم (قوله: لئلا يجتمع الحقان) علمت ما فيه (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۶۸، كتاب الزكاة) ۱۔ لان توليد البيضة والولد، ليس فعل التجارة.

ہوگی (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۱۰، کتاب الزکاة، مطبوعہ: ایچ ایم سعید، کراچی، و فتاویٰ عثمانی ج ۲ ص ۳۹، کتاب الزکاة، مکتبہ معارف القرآن، کراچی) ۱۔

مسئلہ نمبر ۹..... جو شخص انڈوں کو فروخت کرنے کے لیے کسی دوسرے سے انڈے خریدتا ہے، تو وہ انڈے مالی تجارت میں داخل ہوں گے، اور سال پورا ہونے کے وقت انڈوں کی شکل میں جو مالی تجارت (وشاک) موجود ہوگا، ان کی حسب قاعدہ زکاة واجب ہوگی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۱۰..... تجارت کے مال میں زکاة واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تجارت کا مال یا اس کے ساتھ زکاة کا دوسرا مال مل کر اتنی مالیت بن جائے کہ اس کی مقدار اس جگہ کے اعتبار سے کہ جہاں وہ مال موجود ہو، زکاة کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جائے، جس کی تفصیل آگے مسئلہ نمبر ۳۳ میں آتی ہے۔ ۳۔

اور تجارت کے مال میں زکاة واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس پر حوالانِ حول

۱۔ (لا زکاة فی اللآلء والجواهر) وإن ساءت ألفا اتفاقا (إلا أن تكون للتجارة) والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدى إلى التني وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض. ولو نوى التجارة بعد العقد أو اشترى شيئا للقنية ناويا أنه إن وجد ربحا بعه لا زكاة عليه (الدر المختار مع رد المحتار)

(قوله ما عدا الحجرين) هذا علم بالغلبة على الذهب والفضة ط وقوله: السوائم بالنصب عطفًا على الحجرين وما عدا ما ذكر كالجواهر والعقارات والمواشي العلوفة والبيد والثياب والأمتعة ونحو ذلك من العروض (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۷۳، و ص ۲۷۴، كتاب الزكاة) ۲۔

وأما صفة هذا النصاب فهي أن يكون معدا للتجارة وهو أن يمسكها للتجارة وذلك بنية التجارة مقارنة لعمل التجارة (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۲۱، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب التجارة)

م: (وإن اشترى شيئا ونواه للتجارة كان للتجارة لاتصال النية بالعمل) ش: وهو الشراء بنية التجارة (البنية شرح الهداية، ج ۳، ص ۳۱۰، كتاب الزكاة، حكم من اشترى جارية أو شيئا للتجارة ثم نواه للخدمة أو القنية)

۳۔ الشرط الرابع: بلوغ النصاب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۲، مادة "زكاة") بلوغ النصاب: أن تبلغ قيمة أموال التجارة نصاباً من الذهب أو الفضة المضروبين، وتعتبر في البلد الذى فيه المال، فإن كان فى مفازة اعتبرت قيمتها فى أقرب الأمصار إلى تلك المفازة (الفقه الاسلامى وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۶۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

ہو جائے، یعنی سال گزر جائے، جس کی تفصیل آگے سال گزرنے کے بیان میں آتی ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۱۱..... جس چیز کو تجارت کی نیت سے نہیں خریدا، مگر خریدنے کے بعد اس میں
تجارت کی نیت کر لی، یا تجارت کی نیت سے خریدا تھا، لیکن زکاۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے
تجارت کی نیت ختم کر دی، اور مثلاً اس کے خود برتنے اور اس کے خود استعمال کرنے کی نیت
کر لی، اگرچہ اس کے بعد پھر دوبارہ تجارت کی نیت کیوں نہ کر لی ہو، ان سب صورتوں میں
اس کی زکاۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ یہ چیز شرعاً تجارت کے مال میں داخل نہیں ہوگی۔

البتہ اگر کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی تھی، اور زکاۃ کا سال پورا ہونے تک یہ نیت برقرار
رہی، اور سال پورا ہونے کے بعد پھر تجارت کی نیت ختم کر دی تو اب پہلے سال کی زکاۃ
واجب ہوگی، آئندہ سال کی واجب نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی چیز میں یہ نیت ایک سے زیادہ سالوں تک
برقرار رہی اور پھر اس کے بعد تجارت کی نیت ختم ہوگئی، تو گزشتہ ان سب سالوں کی زکاۃ
واجب ہوگی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں وہ چیزیں شامل
ہوتی ہیں، جن کو بذات خود بیچنا مقصود ہو، جیسا کہ کپڑے کے تاجر کا کپڑا، جو تے فروش کے

۱۔ الشرط الخامس: الحول: والمراد أن يحول الحول على عروض التجارة، فما لم يحل عليها
الحول فلا زكاة فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۳، مادة ”زكاة“)

۲۔ ذهب جمهور الفقهاء إلى أن عرض التجارة يصير للقنية بنية القنية وتسقط الزكاة منه، لأن
القنية هي الأصل، ويكفي في الرد إلى الأصل مجرد النية، كما لو نوى المسافر الإقامة في مكان
صالح للإقامة يصير مقيماً في الحال بمجرد النية؛ ولأن نية التجارة شرط لوجوب الزكاة في
العروض، فإذا نوى القنية زالت نية التجارة ففات شرط الوجوب؛ ولأن القنية هي الجس للارتفاع
وقد وجد بالنية مع الإمساك، كما أن العرض إذا صار للقنية بالنية لا يصير للتجارة بالنية المجردة
ما لم يقتصر بها فعل التجارة؛ لأن التجارة هي تقليب العروض بقصد الإرباح، ولم يوجد ذلك
بمجرد النية؛ ولأن الأصل القنية، والتجارة عارض فلم يصير إليها بمجرد النية، كما لو نوى الحاضر
السفر لا يثبت له حكم السفر بمجرد النية، بل لا بد من الشروع فيه والخروج عن عمران
المصر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۳، ص ۶۹، مادة ”قنية“)

جوتے، عطر فروش کا عطر، اور وہ شیشیاں جن میں وہ عطر فروخت کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔
 اور جن چیزوں کو بیچنا مقصود نہ ہو، بلکہ اُن کو باقی رکھ کر اُن سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہو، خواہ وہ
 فائدہ تجارت کی ضرورت کے لئے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ کپڑے فروش کی گاڑی، ریڑھی،
 عطر فروش کی وہ شیشیاں جن میں وہ عطر کو اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے، اور عطر کو اُن میں سے نکال
 کر فروخت کرتا ہے، وغیرہ، وغیرہ، تو ایسی چیزیں زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت
 کے مال میں شامل نہیں ہوتیں۔ ۱۔

گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن چیزوں کو فروخت کرنا مقصود نہ ہو، اور ان کی ذات کو
 باقی رکھتے ہوئے ان سے کرایہ حاصل کرنا، یا کسی اور شکل میں، نفع کمانا یا فائدہ اُٹھانا مقصود ہو،
 وہ چیزیں مالی تجارت میں شمار نہیں ہوتیں۔

چنانچہ کارخانوں کا منجداغاشہ (پرینگ پر لیس، مشینری، پلانٹ وغیرہ) دوکان کا سامان رکھنے
 کے لیے الماریاں (شوکیس وغیرہ) استعمالی گاڑی، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کرائے پر چلانے کی

۱۔ کیفیۃ التقویم والحساب فی زکاة التجارة:

أ - ما يقوم من السلع وما لا يقوم:

الذى يقوم من العروض هو ما يرد بيعه دون ما لا يعد للبيع، فالرفوف التى يضع عليها السلع لا زكاة فيها.

ومما ذكره الحنفية من ذلك أن تاجر الدواب إن اشترى لها مقاد أو براذع، فإن كان يبيع هذه الأشياء معها ففيها الزكاة، وإن كانت لحفظ الدواب بها فلا زكاة فيها. وكذلك العطار لو اشترى قوارير، فما كان من القوارير لحفظ العطر عند التاجر فلا زكاة فيها، وما كان يوضع فيها العطر للمشتري ففيها الزكاة.

ومواد الوقود كالخشب، ونحوه، ومواد التنظيف كالصابون ونحوه التى أعدها الصانع ليستهلكها فى صناعته لا لبيعها فلا زكاة فيما لديه منها، والمواد التى لتغذية دواب التجارة لا تجب فيها الزكاة.

وذكر المالكية أنه لا زكاة فى الأوانى التى تدار فيها البضائع، ولا الآلات التى تصنع بها السلع، والإبل التى تحملها، إلا أن تجب الزكاة فى عينها.

وذكر الشافعية أن المواد التى للصبغة أو الدباغة، والدهن للجلود، فيها الزكاة، بخلاف الملح للمعجنين أو الصابون للغسل فلا زكاة فيهما لهلاك العين، وذكر الحنابلة نحو ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۵، ۲۷۶، مادة "زكاة")

نیت سے خریدی گئی گاڑی، رکشہ وغیرہ، رہنے یا کرائے پر دینے کی نیت سے خریدا یا بنایا ہوا مکان یا دوکان اور پلاٹ اور برتن وغیرہ، یہ چیزیں زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کا مال شمار نہیں ہوتیں، لہذا ان چیزوں یا ان کی مالیت پر زکاة واجب نہیں، کیونکہ ان چیزوں سے اگرچہ انسان کمائی تو کرتا ہے، یا نفع تو اٹھاتا ہے، مگر ان چیزوں کو فروخت کرنا مقصود نہیں ہوتا، اس لئے یہ چیزیں تجارت کے مال میں داخل نہیں کہلاتیں۔

البتہ ان میں سے کوئی چیز فروخت کرنے کی نیت سے خریدی تھی تو وہ تجارت کی چیز شمار ہوگی۔ ۱۔

۱۔ کتاب کی اشاعت کرنے کے بعد آئندہ کے لئے اشاعت کی غرض سے رکھی ہوئی چھاپائی کی پلیٹوں کی حیثیت بھی آلات کی طرح ہے، جن پر زکاة نہیں، البتہ جو شخص ان پلیٹوں کو فروخت کرنے کا کاروبار کرتا ہو، اس پر ان پلیٹوں کی بحیثیت تجارت کا مال ہونے کے زکاة واجب ہوگی۔

و كذلك آلات المحترفين إلا ما يبقى أثر عينه كالعصفور لدبيع الجلد ففيه الزكاة، بخلاف ما لا يبقى كصابون يساوي نصبا وإن حال الحول. وفي الأشباه: الفقيه لا يكون غنيا بكتبه المحتاج إليها إلا في دين العباد فتباع له (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۵، كتاب الزكاة)

(قوله: وكذلك آلات المحترفين) أي سواء كانت مما لا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك، لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه، كصابون وجرس الغسل، ومنه ما يبقى كعصفور وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة في الأولين لأن ما يأخذ من الأجرة بمقابلة العمل. وفي الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما في الفتح. قال: وقوارير العطارين، ولحم الخيل والحمير المشتراة للتجارة ومقاودها وجلالها إن كان من غرض المشتري بيعها بها ففيها الزكاة، وإلا فلا (قوله: كالعصفور) الأولى كالعفص كما في بعض النسخ لأنه المناسب لقوله لدبيع الجلد (قوله: وإن حال الحول) أي ولم يبق بها التجارة بل أمسكه لحرفته (قوله فتباع له) أي يجبره القاضى على بيعها لقضاء الدين، وإن أبى باعها عليه (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۵، و ص ۲۶۶، كتاب الزكاة)

(قوله: أثاث المنازل إلى آخره) أي ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال لا زكاة فيها وكذا الدور والحوانيت والجمال يؤجرها لا زكاة فيها. اهـ. غاية (قوله: وكتب الفقه لأهلها) أي ولغير أهلها إذا لم تكن للتجارة وكذا طعام أهلها وما يتجمل به من الأواني إذا لم تكن من الذهب والفضة وكذا اللؤلؤ والجوهر والياقوت والبلخش والزمرد ونحوها من الفصوص وغيرها إذا لم تكن للتجارة، وكذا آلات المحترفين كقدور الصباغين، وقوارير العطارين وظروف الأمتعة، وفي الذخيرة لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم يؤجرها فلا زكاة فيها (حاشية الشلبي على تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۲۵۳، كتاب الزكاة)

مسئلہ نمبر ۱۳..... مختلف پیشوں اور دستی و مشینی صنعت کاریوں سے منسلک ہنرمند و کاریگر جو مصنوعات (پروڈکٹس) کی تیاری میں ایک تو اپنی محنت و ہنر (یعنی فنی قابلیت) لگاتے ہیں، دوسرے اپنا میٹرل استعمال کر کے مصنوع کو وجود میں لاتے، یا تیار کرتے ہیں، اور پھر اپنی محنت و ہنر کی اجرت اور میٹرل کے اخراجات دونوں کو سامنے رکھ کر چیز (پروڈکٹ) کی قیمت طے کرتے ہیں، جیسے درزی، فرنیچر ساز (ترکھان، کارپینٹر) بائینڈر وغیرہ، کہ مثلاً درزی کپڑا سلوائی کی اجرت میں اپنی مزدوری کے ساتھ بکرم، دھاگے، بٹن وغیرہ کے اخراجات بھی شامل کرتے ہیں، اسی طرح بائینڈر اپنی محنت کے ساتھ جلد بندی کے میٹرل گتہ، ریکسین وغیرہ کے اخراجات شامل کرتے ہیں، تو اس میٹرل کے مالی تجارت میں شامل ہونے نہ ہونے کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ فروختگی کے وقت تک ان کا اثر باقی رہتا ہے، جیسے درزی کا بکرم، دھاگہ، بائینڈر کا گتہ، جلد وغیرہ، تو یہ چیزیں مالی تجارت میں شامل ہوں گی، اور اگر وہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا اثر باقی نہیں رہتا، جیسے دھوبی، ڈرائی کلینر کا سرف، صابن وغیرہ، تو یہ چیزیں مالی تجارت میں شامل نہیں ہوں گی۔ ۱۔

۱۔ وأما الأجراء الذين يعملون للناس نحو الصباغين والقصارين والديباغين إذا اشتروا الصبغ والصابون والدهن ونحو ذلك مما يحتاج إليه في عملهم ونووا عند الشراء أن ذلك للاستعمال في عملهم هل يصير ذلك مال التجارة؟ روى بشر بن الوليد عن أبي يوسف أن الصباغ إذا اشترى العصفور والزعفران ليصبغ ثياب الناس فعليه فيه الزكاة، والحاصل أن هذا على وجهين: إن كان شيئاً يبقى أثره في المعمول فيه كالصبغ والزعفران والشحم الذي يدبغ به الجلد فإنه يكون مال التجارة، لأن الأجر يكون مقابلة ذلك الأثر وذلك الأثر مال قائم فإنه من أجزاء الصبغ والشحم لكنه لطيف فيكون هذا تجارة، وإن كان شيئاً لا يبقى أثره في المعمول فيه مثل الصابون والأشنان والقلی والكبريت فلا يكون مال التجارة، لأن عينها ت تلف ولم ينتقل أثرها إلى الثوب المغسول حتى يكون له حصّة من العوض بل البياض أصلی للثوب يظهر عند زوال الدرن فما يأخذ من العوض يكون بدل عمله لا بدل هذه الآلات فلم يكن مال التجارة بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۳، کتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال) وأما إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفراً أو زعفراناً ليصبغ ثياب الناس ﴿بقية حاشية لکے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳..... اگر کوئی تاجر کسی قسم کا خام مال یا مواد (مثلاً دھاگہ، لکڑی، مشین کے پرزے وغیرہ) تیار کرتا اور رکھتا ہے، اور پھر اس سے کوئی چیز (مثلاً کپڑا، فرنیچر، یا کوئی مشین) تیار کر کے فروخت کرتا ہے، تو ایسا خام مال اور تیار شدہ مال بھی زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے تجارت کے مال میں شامل کہلائے گا، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔

پس تجارت کے مال میں وہ چیز تو شامل ہے ہی، جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی جاتی ہے، اور اسی کے ساتھ وہ چیز بھی تجارت کے مال میں شامل ہے، جو تاجر بعینہ تو فروخت نہ کرے، بلکہ اسے تیار کر کے فروخت کرے چنانچہ خام مال اور تیار کردہ مال برائے فروخت بھی تجارت کے مال میں شامل ہے۔

جیسا کہ بعض زیورات فروخت کرنے والے دوکانداروں کی ملکیت میں زیورات میں جڑاؤ کرنے کے لئے الگ نگینے وغیرہ ہوتے ہیں، جن کو وہ زیورات میں جڑا کر فروخت کرتے ہیں، تو وہ بھی تجارت کے مال میں شامل ہوں گے۔

اسی طرح جو چیزیں مال تجارت کے ساتھ برائے فروخت شامل کی جاتی ہیں، اور مال تجارت میں ان کی قیمت شامل کی جاتی ہے، اور مال تجارت کے ساتھ بذات خود وہ چیزیں یا ان کا اثر باقی رہتا ہے، مثلاً بوری، شاپنگ بیگ، رسی، گتہ وغیرہ کا ڈبہ اور رنگ وغیرہ کا ڈبہ (جو بہت سے تاجر لوگ رکھتے ہیں اور ان میں اپنا مال تجارت رکھ کر یا پیک کر کے فروخت کرتے ہیں) تو یہ چیزیں بھی مال تجارت میں شامل ہوں گی، اور تیار شدہ مال اور خام مال کے ساتھ ان اشیاء کی قیمت بھی لگا کر زکاة ادا کی جائے گی۔

اسی طرح آج کل بعض مستری اور مکینک (Mechanic) حضرات اپنے کام کاج کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

باجر و حال علیہ الحول کان علیہ الزکاة إذا بلغ نصاباً، وكذا كل من ابتاع عینا ليعمل به ویسقى أثره فی المعمول كالغصن والدھن لدیغ الجلد فحال علیہ الحول کان علیہ الزکاة، وإن لم یبق لذلك العین أثر فی المعمول كالصابون والحرض لا زکاة فیہ كذا فی الکفایة (الفتاویٰ الھندیة، ج ۱ ص ۷۲، کتاب الزکاة، الباب الاول)

اوزاروں کے ساتھ کچھ ایسی چیزیں بھی اپنے پاس خرید کر رکھتے ہیں کہ جو بوقت ضرورت گاہکوں کی مشینریوں وغیرہ میں نصب (یعنی فٹ) کر دیتے ہیں، اور ان چیزوں کی قیمت گاہکوں سے وصول کرتے ہیں، ایسی چیزیں بھی مالی تجارت میں داخل ہیں، کیونکہ ان چیزوں کو بھی فروخت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اگر مالی تجارت کے ساتھ ان چیزوں کا وجود یا اثر باقی نہیں رہتا، جیسا کہ بعض تاجر لوگوں کا فروخت کئے جانے والے کپڑے کو دھونے والا صابن، پٹیچ وغیرہ، جس سے تاجر کپڑا فروخت کرنے سے پہلے کپڑا دھوتے ہیں، تو اس طرح کی چیزیں مالی تجارت میں داخل نہیں ہوں گی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۵..... سونے اور چاندی کے نصاب کی مقدار چونکہ وزن کے اعتبار سے مقرر ہے، چنانچہ سونے کے نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولہ ہے، اور چاندی کے نصاب کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہے، لیکن بعض چیزیں جو سونے یا چاندی کی تیار شدہ ہوتی ہیں، مثلاً

۱۔ ان کان شیتا یبقی أثره فی المعمول فیہ كالصیغ والزعفران والشحم الذی یدبغ بہ الجلد فإنہ یكون مال التجارۃ، لأن الأجر یكون مقابله ذلک الأثر وذلک الأثر مال قائم فإنہ من أجزاء الصیغ والشحم لکنہ لطیف فیکون هذا تجارۃ، وإن کان شیتا لا یبقی أثره فی المعمول فیہ مثل الصابون والأشنان والقلی والكبریت فلا یكون مال التجارۃ، لأن عینہا تتلف ولم ینتقل أثرہا إلى الثوب المغسول حتی یكون له حصۃ من العوض بل البیاض أصلی للثوب یمثل عند زوال الدرن فما یأخذ من العوض یكون بدل عملہ لا بدل هذه الآلات فلم یکن مال التجارۃ (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۳، کتاب الزکاة، فصل الشرائط التی ترجع إلى المال)

و أما إذا کان یبقی أثرہا فی المعمول کما لو اشترى الصباغ عصفرا أو زعفرانا لیصنع ثیاب الناس بأجر وحال علیہ الحول کان علیہ الزکاة إذا بلغ نصابا، وكذا كل من ابتاع عینا لیعمل بہ ویبقی أثره فی المعمول كالعفص والدهن لدبغ الجلد فحال علیہ الحول کان علیہ الزکاة، وإن لم یبق لذلک العین أثر فی المعمول كالصابون والحرص لا زکاة فیہ کذا فی الکفاية (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۱، ص ۱۷۲، کتاب الزکاة، الباب الأول)

کالبقال یشتریه للبیع أو الصباغ اشترى آلات الصیغ كالقروظ والشث لصبغ ثیاب الناس حیث یشتریکہ مع مالہ لأنه تجارۃ حتی ملک حبس العین لأخذ الأجر، اشترى دواب للبیع واشترى معہ جلاجل وبراقع للبیع مع الدواب وجب الزکاة فی الكل وإن لم یقصد البیع معہ لا زکاة فیہن وكذا العطار یشترى قواریر (الفتاویٰ البزازیہ، ج ۱، ص ۳۰، کتاب الزکاة)

سونے کا تیار شدہ زیور یا کوئی برتن وغیرہ، ایسی صورت میں بعض اوقات اس سونے یا چاندی کے زیور یا برتن وغیرہ کی قیمت ہم وزن خالص سونے یا چاندی کی مالیت سے زیادہ ہو جاتی ہے، جیسا کہ سات تولہ سونے کی مقدار سے کوئی زیور تیار کیا گیا، اور اس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاة واجب نہیں ہوتی، مگر یہ کہ سونے یا چاندی کا یہ زیور یا برتن جو اپنے پاس ہے، وہ زکاة کے دوسرے مال (مثلاً کرنسی یا مالی تجارت) کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہو جائے۔ ۱

جبکہ حنابلہ کے نزدیک سونے یا چاندی کی اس قسم کی چیز کو تجارت کا مال تصور کرتے ہوئے سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے اعتبار سے زکاة واجب ہوتی ہے، یعنی اگر اس کی قیمت فروخت مالی تجارت کے نصاب کے بقدر ہو، خواہ اس کا وزن نصاب کے بقدر نہ ہو، تو اس کی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۲

۱ (والمعتبر وزنهما أداء وجوبا) (الدر المختار)

(قوله: وجوبا) أي من حيث الوجوب؛ يعني يعتبر في الوجوب أن يبلغ وزنهما نصابا نهرا، حتى لو كان له إبريق ذهب أو فضة وزنه عشرة مثاقيل أو مائة درهم وقيمته لصياغته عشرون أو مائتان لم يجب فيه شيء إجماعا قهستاني (ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وأما الثاني، وهو اعتبار الوزن في حق الوجوب دون العدد والقيمة فمجمع عليه حتى لو كان له إبريق فضة وزنها مائة وخمسون وقيمتها مائتان فلا زكاة فيها وكذا الذهب، وفي البدائع: ولو كانت الفضة مشتركة بين اثنين فإن كان يبلغ نصيب كل واحد مقدار النصاب تجب الزكاة، وإلا فلا، ويعتبر في حال الشركة ما يعتبر في حال الانفراد (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۳۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وأما الثاني وهو اعتبار الوزن في حق الوجوب فمجمع عليه حتى لو كان له إبريق فضة وزنها مائة وخمسون وقيمتها مائتان لا يجب فيها لما قلنا وعلى هذا الذهب (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۷۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

۲ البتہ حنابلہ کے نزدیک سونے، چاندی سے جو چیز تیار کی گئی ہو، اگر اس کا استعمال ناجائز ہو، مثلاً سونے، چاندی کے برتن ہوں، یا مردانہ زیور ہو، تو اس میں تجارت کا مال شمار ہونے کی حیثیت سے زکاة واجب نہیں ہوتی۔
أما المصوغات من الذهب والفضة إن كانت للتجارة، فقد ذهب المالكية إلى أنه ليس فيها زكاة إن ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶..... اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی سے تیارہ شدہ کوئی چیز (زیور، برتن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کانت اقل من نصاب بالوزن، ولو زادت قيمتها عن نصاب بسبب الجودة أو الصنعة، ويزكى على أساس القيمة الشاملة أيضا لما فيه من الجواهر المرصعة .

أما الحنابلة فقد صرحوا بأن الصناعة المحرمة لا تقوم لعدم الاعتداد بها شرعاً، أما الصنعة المباحة فتدخل في التقويم إن كان الحلي للتجارة، ويعتبر النصاب بالقيمة كسائر أموال التجارة، ويقوم بنقد آخر من غير جنسه، فإن كان من ذهب قوم بفضة، وبالعكس، إن كان تقويمه بنقد آخر أحظ للفقراء، أو نقص عن نصابه، كخواتم فضة لتجارة زنتها (مائة وتسعون درهماً) وقيمتها (عشرون) مثقالاً ذهباً، فيزكيها بربع عشر قيمتها، فإن كان وزنها (مائتي) درهم، وقيمتها تسعة عشر مثقالاً وجب أن لا تقوم، وأخرج ربع عشرها .

ويظهر من كلام ابن عابدين أن مذهب الحنفية أن العبرة في الحلي والمصوغ من النقيدين بالوزن من حيث النصاب ومن حيث قدر المخرج، وعند زفر المعتبر القيمة، وعند محمد الأنفع للفقراء .

وعند الشافعية في مصوغ الذهب والفضة الذي للتجارة هل يزكى زكاة العين أو زكاة القيمة قولان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۹، ۲۷۰، مادة "زكاة")

والمعتبر عند غير الشافعية في نصاب الحلي الذي تجب فيه الزكاة: الوزن لا القيمة، فلو ملك حلياً قيمته مئتا درهم، ووزنه دون المئتين، لم يكن عليه زكاة، وإن بلغ مئتين وزناً، ففيه الزكاة، وإن نقص في القيمة، للحديث المتقدم: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة.

واستثنى الحنابلة أن يكون الحلي للتجارة، فيقوم، فإذا بلغت قيمته بالذهب والفضة نصاباً، ففيه الزكاة؛ لأن الزكاة متعلقة بالقيمة، ومالم يكن للتجارة، فالزكاة في عينه، فيعتبر بلوغ قيمته ووزنه نصاباً، وهو مخير بين إخراج ربع عشر حلية مشاعاً أو دفع ما يساوي ربع عشرها من جنسها.

فإن كان في الحلي جوهر ولآلء مرصعة، فالزكاة في الحلي من الذهب والفضة دون الجوهر؛ لأنها لا زكاة فيها عند أحد من أهل العلم، كما أبنت، فإن كان الحلي للتجارة قومه بما فيه من الجواهر؛ لأن الجواهر لو كانت مفردة عن الذهب والفضة، وهي للتجارة، لقومت وزكيت، فكذلك إذا كانت في حلي التجارة (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۲۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الاول)

فصل: ويعتبر في النصاب في الحلي الذي تجب فيه الزكاة بالوزن، فلو ملك حلياً قيمته مائتا درهم، ووزنه دون المائتين، لم يكن عليه زكاة. وإن بلغ مائتين وزناً، ففيه الزكاة، وإن نقص في القيمة، لقوله عليه السلام: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة.

الهم إلا أن يكون الحلي للتجارة فيقوم، فإذا بلغت قيمته بالذهب والفضة نصاباً، ففيه الزكاة، لأن الزكاة متعلقة بالقيمة، وما لم يكن للتجارة فالزكاة في عينه، فيعتبر أن يبلغ بقيمته ووزنه نصاباً (المغنى لابن قدامة، ج ۳ ص ۴۴، كتاب الزكاة، فصل يعتبر في النصاب في الحلي الذي تجب فيه الزكاة)

وغیرہ) تجارت کے مال کی شکل میں ہے، یعنی وہ اس چیز کو فروخت کرتا ہے، اور اس کا وزن زکاۃ کے نصاب کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو زکاۃ ادا کرنے کے اعتبار سے یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی سونے یا چاندی سے تیار شدہ اس طرح کی چیزوں کی زکاۃ روپیہ پیسہ وغیرہ سے ادا کرے، تو ان چیزوں کی جو موجودہ قیمت فروخت ہوتی ہے، اس کے اعتبار سے ڈھائی فیصدی قیمت، زکاۃ میں ادا کی جائے گی۔

اور اگر اس چیز کی جنس (مثلاً زیور کی اسی طرح کے زیور) سے زکاۃ ادا کی جائے، تو پھر اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وزن کے حساب سے اس جنس کا ڈھائی فیصد دینا کافی ہوتا ہے، جس چیز کی زکاۃ ادا کی جا رہی ہے۔ ۱۔

۱۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وزن اور مالیت میں سے انفع للفقراء کا اعتبار ہوگا، اور امام زفر کے نزدیک زکاۃ کا حکم قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔

(والمعتبر وزنہما أداء ووجوباً لا قیمتہما مبتداً (فی مضروب کل) منہما (ومعمولہ ولو تبرأؤ حلیا) (الدر المختار)

(قولہ: والمعتبر وزنہما أداء) ای من حیث الأداء، یعنی يعتبر أن يكون المؤدی قدر الواجب وزناً عند الإمام والثانی۔

وقال زفر تعتبر القيمة. واعتبر محمد الأنفع للفقراء، فلو أدى عن خمسة جیدة زیوفا قیمتہا أربعة جیدة جاز عندهما وكره.

وقال محمد وزفر: لا يجوز حتى يؤدی الفضل، ولو أربعة جیدة قیمتہا خمسة ردینة لم یجز إلا عند زفر؛ ولو كان له إبریق فضة وزنه مائتان و قیمتہ ثلاثمائة إن أدى خمسة من عینہ فلا كلام أو من غیرہ جاز عندهما خلافاً لمحمد وزفر إلا أن يؤدی الفضل.

وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، حتى لو أدى من الذهب ما تبلغ قیمتہ خمسة دراهم من غیر الإناء لم یجز فی قولہم لتقوم الجودۃ عند المقابلة بخلاف الجنس، فإن أدى القيمة وقعت عن القدر المستحق، کذا فی المعراج نهر (قولہ: ووجوباً) ای من حیث الوجوب؛ یعنی يعتبر فی الوجوب أن یبلغ وزنہما نصاباً نهر، حتى لو كان له إبریق ذهب أو فضة وزنه عشرة مثاقیل أو مائة درهم و قیمتہ لصیاغته عشرون أو مائتان لم یجب فیہ شیء إجماعاً قهستانی (قولہ: لا قیمتہما) نفی لقول زفر باعتبار القيمة فی الأداء، وهذا إن لم يؤد من خلاف الجنس وإلا اعتبرت القيمة إجماعاً کما علمت، وكان علی الشارح أن یزید ولا الأنفع نفياً لقول محمد - رحمه الله - اه. ح.

(قولہ مضروب کل منہما) ای ما جعل دراهم یتعامل بها أو دنائیر ط (قولہ: ومعمولہ) ای ما یعمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... صراف اور سنار جو تیار زیورات فروخت کرتے ہیں، وہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں، بعض میں تانبہ یا دوسری کسی دھات کی شکل میں ٹانکے کی کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من نحو حلیۃ سیف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الکواکب فی المصاحف والأوانی وغیرہا إذا كانت تخلص بالإذابة بحر (قوله: ولو تبرأ) التبر: الذهب والفضة قبل أن یصاغا بحر عن ضیاء الحلوم، ولذا قال ح: لا یصح الإتيان به هنا؛ لأنه لا یصدق علیه المضروب ولا المعمول، بل كان علیه أن یقول بعد قوله مطلقا وتبره، بخلاف عبارة الكنز حیث قال: یجب فی مائتی درهم وعشرین دینارا ربع العشر ولو تبرأ فإنه داخل فیما قبله (قوله: أو حلیا) بضم الحاء وكسرها وتشدید الباء جمع حلی بفتح الحاء وإسكان اللام: ما تتحلی به المرأة من ذهب أو فضة نهر قلت: ولا یعین ضبط المتن بصیغة الجمع فإنه یحتمل المفرد بل هو الأنسب بقول الشارح مباح الاستعمال حیث ذكر الضمیر، إلا أن یقال إنه عائد إلى المذكور من المعمول والحلی (قوله: أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأوانی (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۹۷، ۲۹۸، كتاب الزکاة، باب زکاة المال)

فأما إذا كان المؤدی من جنس النصاب فقد اختلفوا فیہ على ثلاثة أقوال:

قال أبو حنیفة وأبو یوسف المعتبر هو القدر دون القيمة، وقال المعتبر هو القيمة دون القدر، وقال محمد المعتبر ما هو الأنفع للفقراء فإن كان اعتبار القيمة أنفع فقله مثل قول زفر وإن كان اعتبار القدر أنفع فقله مثل قول أبي حنیفة وأبی یوسف.

بیان ذلك أن من وجب علیه أداء خمسة أفقره من حنطة جيدة فی مائتی قفیز حنطة جيدة للتجارة بعد حولان الحول فأدى خمسة أفقره رديئة یجوز على قول أبي حنیفة وأبی یوسف اعتبارا للقدر ولا یضمن قيمة الجودة لأنه لا قيمة لها فی أموال الربا عند مقابلتها بجنسها وعلى قول محمد وزفر علیه أن یؤدی قيمة الجودة اعتبارا للقيمة عند زفر واعتبارا للأنفع فی حق الفقراء عند محمد وكذلك إذا كان له قلب فضة أو إناء مصبوغ من فضة وزنه مائتا درهم وقيمته لجودته وصیاغته ثلاثمائة درهم وأدى خمسة زیوفا أو نبهرجة أو فضة رديئة قيمتها أربعة دراهم فإنه یجوز وتسقط عنه الزکاة فی قول أبي حنیفة وأبی یوسف لوجود القدر وعند محمد وزفر علیه أن یؤدی سبعة دراهم ونصف درهم ویصرفه إلى تمام القيمة لما ذكرنا من الأصلین.

وأما إذا أدى زکاته من الذهب أو من مال ليس من جنس الفضة فإن علیه أن یؤدی قيمته بالغة ما بلغت وهی سبعة دراهم ونصف لأن الجودة متفوقة فی أموال الربا عند مقابلتها بخلاف الجنس بمنزلة الجودة فی غیر أموال الربا.

وإن وجب على رجل خمسة أفقره رديئة أو خمسة دراهم رديئة فأدى أربعة أفقره جيدة قيمتها خمسة أفقره رديئة وأربعة دراهم جيدة قيمتها خمسة دراهم رديئة فإنه یجوز عن أربعة دراهم وأربعة أفقره وعلیه قفیز واحد ودرهم آخر عند أبي حنیفة وأبی یوسف ومحمد.

أما عندهما فاعتبارا للقدر وهو ناقص وأما عند محمد فالن عنده المعتبر هو القدر إذا كان أنفع

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مقدار میں ہوتی ہے، اور بعض میں کم مقدار میں ہوتی ہے، جس کو آج کل کیرٹ (Carat) کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور عربی زبان میں اسے قیراط کہا جاتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للفقراء واعتبار القدر ههنا أنفع وعلى قول زفر يجوز عن الخمسة اعتبارا للقيمة (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۰۹، ۳۱۰، کتاب الزکاة، باب من یوضح فیہ الصدقة)
(قوله والمعتبر وزنهما أداء ووجوباً) أما الأول، وهو اعتبار الوزن فی الأداء فهو قول أبی حنیفة وأبی یوسف وقال زفر تعتبر القيمة وقال محمد يعتبر الأنفع للفقراء حتی لو أدى عن خمسة دراهم جیاد خمسة زیوفا قیمتھا أربعة جیاد جاز عند الإمامین خلافاً لمحمد وزفر ولو أدى أربعة جیادة قیمتھا خمسة ردية عن خمسة ردية لا يجوز إلا عند زفر ولو كان إبريق فضة وزنه مائتان و قیمتہ بصیاغته ثلاثمائة إن أدى من العین يؤدي ربع عشره، وهو خمسة قیمتھا سبعة ونصف، وإن أدى خمسة قیمتھا خمسة جاز عند هما، وقال محمد وزفر: لا يجوز إلا أن يؤدي الفضل فلو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۴۴، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

(والمعتبر وزنهما أداء ووجوباً) أى يعتبر فى الذهب والفضة أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً ولا تعتبر فى القيمة وكذا فى حق الوجوب يعتبر أن يبلغ وزنهما نصاباً ولا تعتبر فى القيمة أما الأول وهو اعتبار الوزن فى الأداء فهو قول أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله وقال زفر تعتبر القيمة وقال محمد يعتبر الأنفع للفقراء حتی لو أدى عن خمسة دراهم جیاد خمسة زیوفا قیمتھا أربعة دراهم جیاد جاز عندهما ويكره وقال محمد وزفر لا يجوز حتى يؤدي الفضل لأن زفر يعتبر القيمة ومحمد يعتبر الأنفع وهما يعتبران الوزن ولو أدى أربعة جیادة قیمتھا خمسة ردية عن خمسة ردية لا يجوز إلا عند زفر لما بينا ولو كان له إبريق فضة وزنه مائتان و قیمتہ لصناعته ثلاثمائة إن أدى من العین يؤدي ربع عشره وهو خمسة قیمتھا سبعة ونصف وإن أدى خمسة قیمتھا خمسة جاز عندهما وقال محمد وزفر لا يجوز إلا أن يؤدي الفضل ولو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع لئلا يفر أن العبرة للمالية كما إذا أدى من خلاف جنسه ولا يلزم الربا لأنه لا ربا بين المولى وعبدہ وكذا يقول محمد إلا أنه احتاط لجانب الفقراء فاعتبر الأنفع وهما يقولان الجودة فى الأموال الربوية لا قيمة لها إذا قربلت بجنسها وقوله لا ربا بين المولى وعبدہ قلنا عاملنا الله معامله المكاتبين حتى استقرض منا بل معاملة الأحرار حتى أجاز تصرفاتنا من التبرعات وغيرها ولا يقال فيه تضييع الجودة على الفقراء فوجب أن لا يجوز كالأب والوصى إذا باع المصوغ بوزنه من الدراهم وهو أقل من قیمتہ وكالمريض إذا أوصى بمصوغ وزنه قدر ثلث ماله و قیمتہ أكثر من الثلث لأننا نقول الأب والوصى تصرفهما مقيد بالنظر ولا نظر فيه والمريض محجور لحق الغرماء والورثة فلا يجوز تضييع الجودة عليهم (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۷۸، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

۱۔ ملحوظ رہے کہ آج کل سونے کے خالص ہونے کو قیراط کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے، جسے انگریزی زبان میں کیرٹ (Carat) کہا جاتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی کے ساتھ بعض زیورات میں نگینہ، موتی وغیرہ کا جڑاؤ ہوتا ہے، اور بعض زیورات ان چیزوں کے بغیر خالص ہوتے ہیں۔

اور آجکل ہمارے علاقوں میں رواج ہے، کہ جب صرافوں اور سناروں سے سونے چاندی کے زیورات خریدے جاتے ہیں، تو وہ زیورات کے وزن میں کھوٹ اور ملاوٹ کو بھی شامل کرتے ہیں اور نگینوں اور موتیوں کی قیمت اور زیورات تیار کرانے کی اجرت اور اخراجات کو بھی مجموعی قیمت میں شامل کر کے فروخت کرتے ہیں، اور اس کے برعکس عام استعمال کرنے والے لوگوں سے ان زیورات کو خریدتے وقت خالص سونے یا چاندی کے زیورات کی قیمت ہی ادا کرتے ہیں، اور کھوٹ و ملاوٹ اور زیورات کی بنوائی و تیاری کی اجرت کو قیمت میں شامل نہیں کرتے، بلکہ جتنی مقدار میں خالص سونا یا چاندی اس زیور میں موجود ہوتی ہے، اسی کا اعتبار کر کے بازاری حساب سے قیمت ادا کرتے ہیں۔

اہل علم حضرات کے نزدیک ایسی صورت میں زیورات کے تاجر اور استعمال کنندہ دونوں فریقوں کے حق میں زکاة کی ادائیگی کا مسئلہ بھی مختلف ہوگا۔

چنانچہ عام استعمال کرنے والے لوگ ان زیورات کی زکاة اسی قیمت کے حساب سے ادا کریں گے، جو قیمت انہیں فروخت کرنے کی صورت میں حاصل ہوگی۔

اور ان زیورات کے تاجر اس قیمت کے حساب سے زکاة ادا کریں گے، جس قیمت پر یہ زیورات گاہکوں کو فروخت کرتے ہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خالص ترین سونا 24 قیراط (Carat) ہوتا ہے، اور آج کل دس قیراط سے کم سونا قانونی طور پر سونا نہیں کہلاتا، اور بعض زیورات 22 قیراط سونے کے، بعض 20 قیراط سونے کے، بعض 18 قیراط سونے کے، اور بعض اس سے بھی کم قیراط سونے کے ہوتے ہیں، اور اسی اعتبار سے ان کی قیمتوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔

۱۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ اگر سنار یا صراف سے زیور خریدو تو وہ بنوائی لگا تا ہے، اور اگر اس کے ہاتھ بچو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸..... اگر کوئی چیز فروخت کرنے کی نیت سے خریدی تھی، مگر اسی کے ساتھ خریدنے والا اس چیز کو اپنی حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت) میں استعمال کرنے پر مجبور ہے، اور وہ زکاة کا سال پورا ہونے کے وقت اس چیز کو عملاً اپنی حاجتِ اصلیہ میں استعمال کر رہا ہے، مثلاً فروخت کرنے کی نیت سے کوئی لباس خریدا تھا، مگر دوسرا لباس نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پہن رہا ہے، یا فروخت کرنے کے لئے مکان خریدا تھا، مگر دوسرا مکان نہ ہونے کی وجہ سے اسی مکان میں رہ رہا ہے، یا فروخت کرنے کے لئے سواری خریدی تھی، مگر دوسری سواری نہ ہونے کی وجہ سے اسی سے اپنی ضرورت پوری کرنے پر مجبور ہے، یا اس کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنے گھر گھرستی کے ضروری اخراجات پورے کر رہا ہے، تو قواعد سے معلوم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تو نہیں لگاتا، پس اس بنا پر مقتضی قاعدے کا یہ ہے کہ ایسے دیار میں مالک زیورات کا، اگر تاجر زیورات کا ہے، جب تو وہ زکاة میں بنوائی بھی لگاوے، اگر تاجر نہیں ہے، محض استعمال میں لانے والا ہے، تو وہ نہ لگاوے، اگر کہیں عرف اس کے خلاف ہو تو وہاں ویسا ہی حکم ہوگا (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۹، کتاب الزکاة والصدقات)

اور فتاویٰ عثمانی میں ہے کہ:

دوکان کے سامان میں اعتبار اس کا ہے کہ اگر یہ پورا سامان آج فروخت کیا جائے، تو کیا قیمت لگے گی؟ قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں (فتاویٰ عثمانی ج ۲ ص ۶۸، کتاب الزکاة)

فصل: فإن كان في الحلبي جوهر و لآلء مرصعة، فالزكاة في الحلبي من الذهب والفضة دون الجوهر، لأنها لا زكاة فيها عند أحد من أهل العلم. فإن كان الحلبي للتجارة، فومه بما فيه من الجواهر، لأن الجواهر لو كانت مفردة وهي للتجارة، لقومت وزكيت، فكذلك إذا كانت في حلبي التجارة (المغنى لابن قدامة، ج ۳ ص ۴۳، كتاب الزكاة، فصل كان في الحلبي جوهر و لآلء مرصعة) سئل فضيلة الشيخ - رحمه الله تعالى - هل زكاة الحلبي تكون بسعر الشراء أم بسعره كل عام وقت إخراج زكاته؟

فأجاب فضيلته بقوله: زكاة الحلبي تجب كل سنة ولا تكون بسعر الشراء، وإنما تكون بسعره عند تمام الحول، فإذا قدر أن المرأة اشترت ذهباً بعشرة آلاف ريال، ولما دار عليه الحول صار لا يساوي إلا خمسة آلاف ريال، فإنها لا تزكي إلا خمسة آلاف ريال فقط، والعكس بالعكس، فإذا اشترت ذهباً بخمسة آلاف ريال، وصار عند تمام الحول يساوي عشرة آلاف ريال فإنها تزكي عشرة آلاف ريال، لأن ذلك هو وقت الوجوب. والله الموفق (مجموع فتاوى و رسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، ج ۱۸، ص ۱۳۲، كتاب الزكاة، باب زكاة النقدين)

ہوتا ہے کہ اس طرح کی چیز حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے مالی تجارت سے خارج ہو جائے گی، اور اس چیز کی زکاة واجب نہیں ہوگی، البتہ اس کو فروخت کر دیا جائے، تو اس سے حاصل شدہ رقم پر حسبِ قاعدہ و ضابطہ زکاة کے احکام لاگو ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱

اور اگر تجارت کی نیت سے خریدی ہوئی اس مذکورہ چیز کو حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت) میں عملاً استعمال کرنے پر مجبور نہیں ہے، لیکن تجارت کی نیت کے برقرار ہوتے ہوئے، اس کو ویسے ہی برت رہا اور استعمال کر رہا ہے، تو وہ چیز تجارت کے مال ہی میں داخل رہے گی۔ ۲

۱۔ ولو اشترى الرجل دار أو عبداً للتجارة لم أجره يخرج من أن يكون للتجارة لأنه لما أجره فقد قصد المنفعة (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الہندیۃ، جلد ۱ صفحہ ۲۵۱، کتاب الزکاة)

واجب عنه بانه يحتمل ان يشتري الطعام بنية التجارة ويكون محتاجاً إليها بنفسه و عياله فيصرف على عياله الى آخر السنة و يبقى الطعام فلا زكاة فيه وهكذا حال دار اشترىها بنية التجارة وهو محتاج إليها للسكنى (قوله يستعملها) فيه انه قيد مستدرک لان الاسلحة ان لم تكن للتجارة فلا زكاة فيها لعدم النماء و الا ففيها الزكاة، و يجب عنه بان هذا القيد لا فائدة ان من يحتاج الى استعمالها كالغزاة و المحاربين و غيرهم لا زكاة في اسلحتهم لعدم فراغها عن الحاجة الاصلية و ان كان اشترىها بنية التجارة. قوله و آلات المحترفة اى المحتاج إليها فى الحرفة مثل قدور الطباخين و الصباغين و آلات النجارين. قوله لا أهلهاى من يحتاج إليها لتعليم او تدريس او تعلم او تصحيح و غير ذلك و يرد عليه بانه مستدرک لانها لو لم تكن للتجارة لا تجب فيها الزكاة و ان لم تكن عند أهلها و ان كانت بنية التجارة تجب و ان كانت عند أهلها و انما يفيد ذكر هذا القيد فى مصرف الزكاة فانه اذا كانت له كتب تبلغ النصاب و هو محتاج إليها يجوز له اخذ الزكاة و الا لا كذا فى النهاية، و واجب عنه بان هذا القيد قائم مقام قوله لا للتجارة كما اشار اليه فى غاية البيان كقيد الركوب فى الدواب و الخدمة فى العبيد (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية ج ۱ ص ۲۶۸ و ۲۶۹، کتاب الزکاة)

ألا يقصد بالمال القينية (أى إمساکه للارتفاع به و عدم الاتجار به) : هذا شرط ذكره الشافعية و الحنابلة و المالكية، فإن قصد ذلك انقطع الحول، و إذا أراد التجارة بعدئذ، احتاج لتجديد نية التجارة (الفقه الاسلامى و ادلتها للزحلى، ج ۳ ص ۱۸۶۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۲۔ عبد التجارة إذا أراد أن يستخدمه سنين فيستخدمه فهو للتجارة على حاله إلا أن ينوى أن يخرج من التجارة و يجعله للخدمة (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الہندیۃ، جلد ۱ صفحہ ۲۳۵، و صفحہ ۲۳۶)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوئے مکان، دوکان، یا گاڑی وغیرہ سے اگر کچھ فائدہ اٹھا لیا جائے، لیکن وہ بنیادی ضرورت میں مشغول نہ ہو اور تجارت کی نیت برقرار رہے تو وہ تجارت کے مال سے خارج نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۱۹..... اگر کوئی زمین و جائیداد فروخت کرنے کی نیت سے خریدی، تو وہ بھی زکاة کے اعتبار سے تجارت کے مال میں داخل ہو جائے گی، اور زکاة واجب ہونے کی شرائط پائے جانے پر اس کی بھی زکاة واجب ہوگی۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۲۰..... اگر کسی نے کافی مقدار میں تجارت کی نیت سے اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ

۱۔ البتہ اگر کوئی زمین ایسی ہو کہ جس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہو، اور پھر کوئی ایسی زمین کو تجارت کی نیت سے خریدے، اور اس کی پیداوار میں سے اس پر عشر کا بھی حکم عائد ہو رہا ہے، تو کیا وہ تجارت کے مال میں داخل ہوگی، یا وہ زمین عشری ہی کہلائے گی، اور اس میں زکاة کے بجائے اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا؟
اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک وہ زمین تجارت کے مال میں شامل ہو جائے گی، جبکہ حنفیہ کے نزدیک وہ زمین عشری ہی کہلائے گی، اور اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، زکاة واجب نہیں ہوگی، اور اس بات پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ ایسی زمین پر زکاة اور پیداوار پر عشر دونوں اکٹھے واجب نہ ہوں گے، کیونکہ ایک مال پر بیک وقت دو قسم کے مالی وظائف واجب نہیں ہوا کرتے۔

ج - الأراضی الزراعية التي للتجارة وما يخرج منها:

ذهب الحنفية إلى أنه تجب الزكاة في الخارج من الأرض الزراعية من ثمر أو زرع، ولا يجب الزكاة في قيمة الأرض العشرية ولو كانت للتجارة، وهذا إن كان قد زرع الأرض العشرية فعلا ووجب فيها العشر، لئلا يجتمع حقان لله تعالى في مال واحد. فإن لم يزرعها تجب زكاة التجارة فيها لعدم وجوب العشر، فلم يوجد المانع، بخلاف الخراج الموظف فإنه يجب فيها ولو عطلت أي لأنه كالأجرة.

أما عند المالكية والشافعية والحنابلة فيجب زكاة رقة الأرض كسائر عروض التجارة بكل حال.

ثم اختلف الجمهور في كيفية تزكية الغلة.

فمذهب المالكية أن الناتج من الأرض الزراعية التي للتجارة لا زكاة في قيمته في عامه اتفاقا إن كانت قد وجبت فيه زكاة النبات، فإن لم تكن فيه لنقصه عن نصاب الزرع أو الثمر، تجب فيه زكاة التجارة، وكذا في عامه الثاني وما بعده.

وقال الشافعية على الأصح عندهم والقاضي من الحنابلة: يزكي الجميع زكاة القيمة، لأنه كله مال تجارة، فتجب فيه زكاة التجارة، كالسائمة المعدة للتجارة. قال الشافعية: يزكي الثبن أيضا والأغصان والأوراق وغيرها إن كان لها قيمة، كسائر مال التجارة.

وذهب الحنابلة وأبو ثور إلى أنه يجتمع في العشرية العشر وزكاة التجارة، لأن زكاة التجارة في القيمة، والعشر في الخارج، فلم يجتمعا في شيء واحد، ولأن زكاة العشر في الغلة أحظ للفقراء من زكاة التجارة فإنها ربع العشر، ومن هنا فارقت عندهم زكاة السائمة المتجر بها، فإن زكاة السوم أقل من زكاة التجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۱، مادة "زكاة")

کو خرید کر پالا ہوا ہے، تاکہ وقتاً فوقتاً ان کو فروخت کیا کرے، اور ساتھ ساتھ ان کے دودھ سے بھی فائدہ اٹھائے، اور ان کی نسل بھی بڑھائے، تو ایسی صورت میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ جانور مالی تجارت کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور مالی تجارت کے اعتبار سے ان کی زکاة واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاة سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی، جن کا ذکر اگلے حصہ کے مستقل بیان میں آتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲۱..... اگر کسی نے فروخت کرنے کی نیت سے گھوڑا، گدھا، اونٹ، بھینس، بکری، بھیڑ، مرغی، کبوتر، تیترا کوئی دوسرا جانور خریدا، تو وہ بھی تجارت کے مال میں شامل ہوگا، اور اس کی زکاة بھی تجارت کے مال کی طرح واجب ہوگی۔

اور اگر زندہ جانور بیچنے کی بجائے اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کرنے کے لئے کوئی جانور خریدا ہو، تو بھی یہ جانور مالی تجارت میں داخل ہوگا، اور اس کی زکاة بھی واجب ہوگی (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۸۶، کتاب الزکاة) ۲

۱۔ البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جانور سائمہ جانوروں کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور ان جانوروں کی زکاة سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاة مالی تجارت کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی۔ فلو کان لدیہ سوائم للتجارة بلغت نصابا، فلا تجتمع زکاتان إجماعا، لحديث: لا ثنی فی الصدقة بل یکون فیها زکاة العین عند المالکیة والشافعیة فی الجدید، کان کان عنده خمس من الإبل للتجارة ففيها شاة، ولا تعتبر القيمة، فإن كانت أقل من خمس فإنها تقوم فإن بلغت نصابا من الأثمان وجبت فیها زکاة القيمة.

وإنما قدموا زکاة العین علی زکاة التجارة لأن زکاة العین أقوى ثبوتا لانهقاد الإجماع علیها، واختصاص العین بها، فكانت أولى.

وذهب الحنفیة والحنابلة إلى أنها تزکی زکاة التجارة لأنها أحظ للمساكين، لأنها تجب فیما زاد بالحساب، لكن قال الحنابلة: إن بلغت عنده نصاب سائمة ولم تبلغ قيمته نصابا من الأثمان فلا تسقط الزکاة، بل تجب زکاة السائمة، کمن عنده خمس من الإبل للتجارة لم تبلغ قيمتها مائتی درهم، ففيها شاة.

ونظیر هذا عند الفقهاء غلة مال التجارة، کان يكون ثمرا مما تجب فیها الزکاة إن کان الشجر للتجارة (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۲۶۹، مادة "زکاة")

۲۔ مگر سائمہ جانوروں کی زکاة کے احکام الگ ہیں، جو اپنے مقام پر ذکر کر دیئے گئے ہیں، وہاں ملاحظہ کر لئے جائیں۔

اور اگر دودھ بیچنے، یا جانور کے جسم سے اون وغیرہ حاصل کرنے کی نیت سے کوئی جانور خریدا ہو تو اس جانور کی زکاة واجب نہیں ہوگی، البتہ دودھ یا اون بیچنے سے جو رقم حاصل ہوگی، اس پر حسب قاعدہ زکاة کا حکم ہوگا (احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۸، کتاب الزکاة) ۱۔

مسئلہ نمبر ۳۲..... قیمتی پتھر اور ہیرے و جواہرات (جو سونے، چاندی کے نہ ہوں ان) کو اگر فروخت کرنے کی نیت سے خریدا جائے تو وہ مالی تجارت میں داخل کہلاتے ہیں، اور ان کی زکاة واجب ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ ہیرے جواہرات کی تجارت کرتے ہیں، ان کو ان کی زکاة دوسرے مالی تجارت کی طرح ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

اسی طرح جو صرف زیورات میں ہیرے، جواہرات کے جڑاؤ کر کے زیورات فروخت کرتے ہیں، ان پر بھی ان ہیروں، جواہرات کی زکاة واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح جو لوگ باقاعدہ ہیرے جواہرات کی خرید و فروخت کا تو کاروبار نہیں کرتے، لیکن ان کو بیچنے کی نیت سے خریدتے ہیں، تو ان پر بھی زکاة واجب ہوتی ہے۔

کیونکہ ان سب صورتوں میں یہ ہیرے، جواہرات مالی تجارت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کو فروخت کرنے کی نیت سے نہ خریدا گیا ہو، تو پھر یہ مالی تجارت میں داخل نہیں ہوتے اور اس وجہ سے ان کی زکاة واجب نہیں ہوتی (ملاحظہ ہو فقہی مقالات، مسائل زکاة ص ۹۸، فیصلہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ، فتاویٰ دارالعلوم دہلی مکمل ج ۶ ص ۱۳۰) ۲۔

۱۔ السائمة إذا كانت أقل من النصاب اشترها بنية التجارة وتركها سائمة كما كانت للتجارة، تصح نية التجارة فيها، وتجب زكاة التجارة (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۲، ص ۳۲۲، کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)

۲۔ (لا زكاة في اللآلئ والجواهر) وإن ساوت ألفا اتفاقاً (إلا أن يكون التجارة) والاصل أن ما عدا الحجرين والسوائيم إنما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدى إلى الشئ، وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض (الدرا المختار) (قوله والجواهر) كاللؤلؤ والياقوت والزمرد وأمثالها درر عن الكافي (قوله وإن ساوت ألفاً) في نسخة ألفوفارد المحتار، ج ۲ ص ۲۷۳، کتاب الزکاة

وأما اليواقيت واللآلئ والجواهر فلا زكاة فيها وإن كانت حلياً إلا أن تكون للتجارة (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۲۳، کتاب الزکاة، باب زکاة الذهب) ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے جوہیرے، جواہرات پر زکاة واجب ہونے کا حکم لگایا ہے، جبکہ یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (لا زکاة فی اللآلی و الجواهر) کالعل و الیاقوت و الزمرد و أمثالها کذا فی الکافی (إلا أن يكون للتجارة) کذا فی التارخانیة (در الاحکام شرح غرر الحکام، ج ۱ ص ۷۵، کتاب الزکاة، شروط وجوب الزکاة) ولو كانت له أوان من الذهب والفضة للاستعمال لا للتجارة فعليه فيها الزکاة بخلاف اللؤلؤ والیاقوت و الجواهر إذا لم تكن للتجارة فإنه لا زکاة فيها؛ لأن وجوب الزکاة فيها باعتبار معنى النماء، ولا يتحقق ذلك إلا بنية التجارة فيها كسائر العروض فأما وجوب الزکاة فی الذهب والفضة باعتبار عينها والعین لا تبدل بالصنعة، ولا بالاستعمال (المبسوط للسرخسی، ج ۳ ص ۳۷، کتاب نوادر الزکاة)

وفی رحمة الامة اجمعوا على انه لا زکاة فی غیر الذهب والفضة من الجواهر والیاقوت و الزمرد (اعلاء السنن ج ۹ ص ۷۲، باب لا زکاة فی الحجر واللؤلؤ الا ان يكون للتجارة) زکاة اللؤلؤ: ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا زکاة فی لؤلؤ و سائر الجواهر - وإن ساوت ألوفا كما يقول الحنفية - لأنها معدة للاستعمال فأشبهت الماشية العاملة، إلا أن تكون للتجارة فيجب فيها ما يجب فی عروض التجارة. وقال النووي: لا زکاة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفیروزج و اللؤلؤ و المرجان و الزمرد و الزبرجد. وإن حسنت صنعتها وكثرت قيمتها. وقال الزهري: يجب الخمس فی اللؤلؤ. وعن أحمد رواية: أن فيه الزکاة، لأنه خارج عن معدن، فأشبهه الخارج عن معدن الأرض. قال ابن قدامة: والصحيح أنه لا شيء فيه، لأنه صيد فلم يجب فيه زکاة كصيد البر، ولأنه لا نص ولا إجماع على الوجوب فيه، ولا يصح قياسه على ما فيه الزکاة، فلا وجه لإيجابها فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۵، ص ۱۸۲، و ص ۱۸۳، مادة "لؤلؤ") زکاة المواد الثمينة الأخرى: لا زکاة فی المواد الثمينة المقتناة إذا كانت من غیر الذهب والفضة، وذلك كالجواهر من اللؤلؤ و المرجان و الزمرد و الفیروز و نحوها، وكذا ما صنع من التحف الثمينة من حديد أو نحاس أو صفر أو زجاج أو غیر ذلك، وإن حسنت صنعتها وكثرت قيمتها، فإن كانت عروض تجارة ففيها الزکاة على ما يأتي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۷، مادة "زکاة")

فصل: فإن كان فی الحلی جوهر و لآلء مرصعة، فالزکاة فی الحلی من الذهب والفضة دون الجواهر، لأنها لا زکاة فيها عند أحد من أهل العلم. فإن كان الحلی للتجارة، قومه بما فيه من الجواهر، لأن الجواهر لو كانت مفردة وهي للتجارة، لقومت وزکیت، فکذلك إذا كانت فی حلی التجارة (المعنى لابن قدامة، ج ۳ ص ۳۲، کتاب الزکاة، فصل كان فی الحلی جوهر و لآلء مرصعة) ويشترط كون المال نامياً، لأن معنى الزکاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامي، وليس المقصود حقيقة النماء، وإنما كون المال معداً للاستئمان بالتجارة أو بالسوم أى الرعى عند الجمهور، لأن الإسامة سبب لحصول الدر والنسل والسمن، والتجارة سبب لحصول الربح، فيقام السبب مقام المسبب. فلا زکاة فی الجواهر و اللآلء و المعادن غیر الذهب والفضة (الفقه الاسلامی وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۷۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

تجارت کے لئے بھی نہ ہوں، یہ ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہے۔ ۱۔

۱۔ جیسا کہ موجود دور کے بعض اہل علم نے ہیرے جواہرات پر اعداد المتجارة کے بغیر بھی وجوب زکاة کا حکم لگایا ہے اور کہا ہے، کہ بہت سے اصحاب سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں، اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے، کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت میں گویا ”زیر نقد“ ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے، اور اس کے نتیجے میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے کہ نقد رقم میں زکاة واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیش نظر واجب نہیں ہوتی..... اس لئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات حکماً مالی تجارت میں داخل ہیں اور ان پر زکاة واجب ہے (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلے ص ۵۱، مطبوعہ پانچویں فقہی سیمینار منعقدہ اعظم گڑھ کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء)

مگر دلائل کی رو سے اس سے اتفاق کیا جانا مشکل ہے، کیونکہ زکاة مالی نامی پر واجب ہے، خواہ غلٹی ہو یا فعلی، اب غیر ذہب و فضہ ہونے کی وجہ سے ان پر غلٹی نامی کا حکم لگانا تو کسی طرح درست نہیں، اور جب کہ تجارت کی نیت سے نہ خریدے گئے ہوں ان کو فعلی نامی میں بھی داخل نہیں کیا جاسکتا، تو پھر مالی تجارت میں داخل کرنے کے کیا معنی؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ زکاة کے اموال مخصوص نہیں، اور ان میں اضافے کی گنجائش ہے، حالانکہ اموال زکاة کی تعیین نصوص سے ثابت ہے۔ راہ وہ شبہ جو ان حضرات کی طرف سے پیش کیا گیا ہے، تو اگر خریدتے وقت فروخت کرنے کی نیت ہو، تو وہ خود ہی مالی تجارت میں داخل ہیں، اور ان پر زکاة واجب ہے۔ اور اگر یہ نیت نہ ہو، مگر فرار عن الزکاة کی نیت ہو، تو اس کا معاملہ دنیا بینہ و بین اللہ ہے، اور بصورت اظہار اس پر ملامت کا بھی حکم ہے، جس کی ان کو تبلیغ کرنے کی ضرورت ہے، اور اس طرح کی نیت تو غیر ہیرے جواہرات میں بھی کی جاسکتی ہے، اس کی ہیرے جواہرات کے ساتھ تخصیص نہیں تو کیا ان سب چیزوں میں بھی وجوب زکاة کا حکم عائد کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں، بلکہ فرار عن الزکاة کے حیلے سے بچنے کی تلقین کی جائے گی۔

علاوہ ازیں غیر ذہب و فضہ کے ہیرے جواہرات پر زکاة کا حکم عائد کرنا درج ذیل روایات و عبارات کے بھی خلاف ہے۔

عن عكرمة ، قال : ليس في حجر اللؤلؤ ، ولا حجر الزمرد زكاة ، إلا أن يكونا لتجارة ،

فلان كانا لتجارة ففيهما زكاة (مصنف ابن ابی شيبه ، رقم الحديث ۱۰۱۶۲ ، كتاب

الزكاة ، باب في اللؤلؤ والزمرد ، الأموال لابن زنجويه رقم الحديث ۱۶۹۲)

عن سعيد بن جبیر ، ليس في الخرز واللؤلؤ زكاة ، إلا أن يكونا لتجارة (مصنف ابن ابی

شيبه ، رقم الحديث ۱۰۱۶۳ ، كتاب الزكاة ، باب في اللؤلؤ والزمرد ، الأموال لابن

زنجويه ، رقم الحديث ۱۶۹۵)

عن حجاج ، عن عطاء ، والزهرى ، ومكحول ، قالوا : ليس في الجوهر شيء ، إلا أن

يكون لتجارة (ايضاً ، رقم الحديث ۱۰۱۶۶)

عن إبراهيم قال : ليس في الجوهر زكاة إلا للتجارة (الأموال لابن زنجويه ، رقم

الحديث ۱۶۹۲ ، كتاب الصدقة واحكامها وسنها ، باب : الصدقة في التجارات

والديون وما يجب فيها وما لا يجب)

عن ابن شهاب : اللؤلؤ والياقوت والخرز والعرض من البز ، ما نرى فيه صدقة ، إلا ما

يدار في تجارة ، فإنه يخرج زكاته بقيمة عدل (ايضاً ، رقم الحديث ۱۶۹۳)

مسئلہ نمبر ۳۳..... جو اسلحہ اپنی جان یا مال وغیرہ کی حفاظت کی غرض سے خریدا جائے، اس پر زکاة واجب نہیں، اور جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدا جائے، اس پر زکاة واجب ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳۴..... مالی تجارت کی زکاة اس قیمت کے اعتبار سے واجب ہوتی ہے، جو قیمت فروخت ہو، قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہوتا (خواہ وہ قیمت کم ہو یا زیادہ) لہذا سال پورا ہوتے وقت مال کی جو قیمت فروخت ہو، اس کا اعتبار کر کے زکاة ادا کی جائے گی (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲، واحسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰۹، کتاب الزکاة) ۲

مسئلہ نمبر ۳۵..... اگر کسی علاقہ و جگہ میں کسی چیز کی خرید و فروخت مختلف کرنسیوں سے ہوتی ہو، یعنی ایک ہی چیز مختلف کرنسیوں کے عوض فروخت ہوتی ہو، تو اس جگہ میں معروف و مشہور کرنسی کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائی جائے گی، جبکہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ

۱۔ ولس فی دور السكنی وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زکاة؛ لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية. (اھـ رد المحتار، ج ۲ ص ۲۶۲، کتاب الزکاة)

۲۔ يضم الربح الحاصل من عروض التجارة في أثناء الحول إلى الأصل، وذلك لأجل حساب الزکاة. فلو اشترى مثلاً عرضاً في شهر المحرم بمائتي درهم فصارت قيمته قبل آخر الحول ولو بلحظة ثلاثمائة درهم زكى الجميع آخر الحول، سواء حصل الربح في نفس العرض كسمن الحيوان، أم بارتفاع الأسواق، قياساً على النتائج مع الأمهات، ولأن المحافظة على حول كل زيادة مع اضطراب الأسواق مما يشق، ولأنه نماء جار في الحول تابع لأصله في الملك فكان مضموماً إليه في الحول، وهذا مذهب المالكية والشافعية في قول هو خلاف الأظهر والحنابلة وإسحاق وأبي يوسف، والأظهر عند الشافعية أنه يضم الربح إلى الأصل ما لم يكن هناك نقوض فإن كان فلا يضم بل يزكى الأصل لحولته ويستأنف للربح حولاً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۲، ص ۸۷، مادة "ربح")

تقويم العروض ومقدار الواجب في هذه الزکاة وطريقة التقويم: يقوم التاجر العروض أو البضائع التجارية في آخر كل عام بحسب سعرها في وقت إخراج الزکاة، لا بحسب سعر شرائها، ويخرج الزکاة المطلوبة، وتضم السلع التجارية بعضها إلى بعض عند التقويم ولو اختلفت أجناسها، كتياب وجلود ومواد تموينية، وتجب الزکاة بلا خلاف في قيمة العروض، لا في عينها، لأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزکاة منها، وواجب التجارة هو ربع عشر القيمة كالنقد باتفاق العلماء (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

مروی ہے کہ جس کرنسی کے عوض وہ چیز خریدی تھی اس کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔
اور اسی طرح اگر کسی چیز کی ادھار اور نقد فروخت کرنے کی قیمتوں میں فرق ہو، تو نقد والی
قیمت فروخت کا اعتبار کیا جائے گا۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۲۶..... مالی تجارت کی زکاة اصل اور نفع دونوں پر واجب ہوا کرتی ہے، پس اگر
تجارت کا مال خریدتے وقت اس کی مالیت کم تھی، اور سال پورا ہوتے وقت نفع وغیرہ شامل
ہونے سے اس کی مالیت میں اضافہ ہو گیا، تو اس پورے مجموعہ کی زکاة واجب ہوگی۔ ۲۔

۱۔ و ذکر محمد رحمہ اللہ فی الرقیات أنه یقوم فی البلد الذی حال الحول علی المتاع بما
یتعارفہ اهل ذلک البلد نقداً فیما بینہم، یعنی غالب نقد ذلک البلد، ولا ننظر إلی موضع الشراء،
ولا إلی موضع المالك وقت حو لان الحول؛ لأن هذا مال وجب تقویمہ، فیقوم بغالب نقد البلد
كما فی ضمان المتلفات إلا أنه یعتبر نقد البلد الذی حال الحول فیہ علی المال؛ لأن الزکاة تصرف
إلی فقراء البلدة التی فیہا المال، فالتقویم بنقد ذلک البلد أنفع فی حق الفقراء من حیث الرواج،
فیجب اعتباره. وروی عن أبی یوسف أنه یقوم ما اشتری به، وإن کان وهب له فقیل: ینوی به التجارة
أو اشتراہ بعض..... یقوم بغالب نقد البلد؛ لأن التقویم إنما احتیج إلیہ لأجل الزکاة والزکاة
وظیفۃ الملک، وهذا المال ملک بالثمن وکان وجوب الزکاة فیہ باعتبار الثمن، وکان التقویم به
أولی، وهکذا نقول فیما إذا اشتراہ بعض: إن هذا المال ملک بذلک العرض، إلا أن التقویم
بذلک العرض غیر ممکن؛ لأن العرض لا یصلح لتقویم الأشياء، فوجب التقدير فیہ بنقد
البلد (المحیط البرهانی، ج ۲، ص ۲۴۶، کتاب الزکاة، الفصل الثالث)

۲۔ حکم ضم الربح والنماء وما ل غیر التجارة إلی أصل المال: اتفق فقهاء المذاهب علی أنه
تضم أرباح التجارة إلی أصل رأس المال فی الحول، كما یضم أيضاً عند الحنفیة خلافاً لغيرهم
المال المستفاد من غیر التجارة كعطیة وإرث إلی أصل المال، ویوضح ذلک فیما یأتی:
قال الحنفیة: یضم الربح الناتج عن التجارة، والولد أو النماء فی الماشیة، والمال المستفاد من غیر
التجارة كالإرث والہبة إلی أصل رأس المال، إذا کان مالکاً للنصاب، فی أول الحول الذی ہو وقت
انعقاد سبب إيجاب الزکاة، وبقی فی أثناء الحول شیء من النصاب الذی انعقد علیہ الحول، لیضم
المستفاد إلیہ، وکان آخر الحول بمقدار النصاب، ویزکی الجميع فی تمام الحول، لأن المستفاد
من جنس الأصل وتبع له، لأنه زیادة علیہ، إذ الأصل یزاد به ویتکثر، والزیادة تبع للمزید علیہ،
والتبع لا یفرد بالحکم حتی لا ینقلب أصلاً. أما المستفاد بعد الحول، فلا یضم إلی الأصل فی حق
الماضی بلا خلاف. والسوائم المختلفة الجنس كالإبل والغنم لا تضم إلی بعضها. والنقدان كما
بینت سابقاً یضم أحدهما إلی الآخر فی تکمیل النصاب.

وقال المالکیة: یضم الربح الناتج عن التجارة، وغلة المکثری للتجارة لأصل المال الذی نتج عنه
فی أثناء الحول، ولو کان الأصل أقل من نصاب. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۷..... کوئی جائیداد (پلاٹ یا عمارت) فروخت کرنے کی نیت سے خریدی اور سال پورا ہوتے وقت اس کی بازاری قیمت (مارکیٹ ویلیو) زیادہ ہوگئی، یا کم ہوگئی، تو سال پورا ہونے کے وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اور اسی حساب سے زکاة واجب ہوگی، جیسا کہ پہلے گزرا (کذافی: احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰۵، کتاب الزکاة) ۱

مسئلہ نمبر ۲۸..... جس سامان تجارت کی زکاة واجب ہو، اگر زکاة دیتے وقت اس کی قیمت اور مالیت کا حساب لگا کر چالیسویں حصہ کے اعتبار سے نقد رقم دے دی جائے، تو ایسا کرنا تمام

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما المستفاد بدون تجارة كالإرث والهبة، فلا يضم إلى أصل رأس المال في الحول، ولو كان نصاباً، بل يبدأ به حولاً جديداً من يوم ملكه.

وأما الماشية المستفادة بإرث أو هبة ونحوهما فتضم إلى الماشية التي عنده إن كانت نصاباً، ولا تضم لها إن كانت أقل من نصاب.

ورأى الشافعية: في الأصح: أن الربح وولد العرض وثمره كثمر الشجرة وأغصانها وورقها وصوف الحيوان ووبره وشعره، هو مال تجارة يضم لأصل رأس المال، وأن حوله حول الأصل، ولو كان الأصل دون نصاب، لأن الربح ونحوه جزء من الأصل، فحوله حول الأصل تبعاً كنتاج الماشية السائمة.

وأما المال المستفاد من غير التجارة: فلا يضم إلى مال التجارة في الحول، وإنما له حول مستقل من يوم ملكه.

ومذهب الحنابلة كالشافعية تقريباً إلا في اشتراط كون الأصل نصاباً، فقالوا: إذا كان في ملك إنسان نصاب للزكاة، فاتجر فيه، فتمى، أدى زكاة الأصل مع النماء إذا حال الحول، فحول النماء مبني على حول الأصل، لأنه تابع له في الملك، فتبعه في الحول كنتاج الماشية. وأما المال المستفاد من غير التجارة فلا يضم إلى حول الأصل، بل له حول مستقل من يوم ملكه (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۷، ۱۸۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۱ العروض جمع عَرَض (بفتح الحاء): حطام الدنيا، وبسكون الراء: هي ما عدا النقدين (الدرهم الفضية والدنانير الذهبية) من الأمتعة والعقارات وأنواع الحيوان والزروع واليابس ونحو ذلك مما أعد للتجارة. ويدخل فيها عند المالكية الحلوى الذي اتخذ للتجارة. والعقار الذي يتجر فيه صاحبه بالبيع والشراء حكمه حكم السلع التجارية، ويزكى زكاة عروض التجارة. أما العقار الذي يسكنه صاحبه أو يكون مقر عمله كمحل للتجارة ومكان للصناعة، فلا زكاة فيه (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۷، ۱۸۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

اور اگر زکاة میں بعینہ اُسی سامان کا چالیسواں حصہ دیا جائے، مثلاً تجارت کے چالیس کتابوں کے نسخوں میں سے ایک نسخہ دے دیا جائے، تو بھی فقہائے حنفیہ کے نزدیک زکاة ادا ہو جاتی ہے، اور بعض دوسرے فقہائے کرام کا اس صورت میں کچھ تفصیل و اختلاف ہے، جیسا کہ آگے ”زکاة کی مقدار کے احکام“ میں آتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲۹..... کسی نے زمین اس نیت سے خریدی کہ وہ اس پر مکان یا دوکان تعمیر کر کے فروخت کرے گا، تو زکاة کا سال پورا ہوتے وقت اس نے اس زمین پر جس قدر تعمیر کر لی ہو، اس کی اس حالت میں بازاری قیمت اور مارکیٹ ویلیو (Market Value) کے

۱۔ فإن أخرج زكاة القيمة من أحد النقيدين أجزأ اتفاقاً.

وإن أخرج عروضاً عن العروض فقد اختلف الفقهاء في جواز ذلك.

فقال الحنابلة وهو ظاهر كلام المالكية وقول الشافعي في الجديد وعليه الفتوى: لا يجوز ذلك، واستدلوا بأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة من القيمة، كما إن البقر لما كان نصابها معتبراً بأعيانها، وجبت الزكاة من أعيانها، وكذا سائر الأموال غير التجارة. وأما عند الحنفية وهو قول ثان للشافعية قديم: يتخير المالك بين الإخراج من العرض أو من القيمة فيجزئ إخراج عرض بقيمة ما وجب عليه من زكاة العروض، قال الحنفية: وكذلك زكاة غيرها من الأموال حتى النقيدين والماشية ولو كانت للسوم لا للتجارة، ويأتي تفصيل ذلك إن شاء الله.

وفى قول ثالث للشافعية قديم: أن زكاة العروض تخرج منها لا من ثمنها، فلو أخرج من الثمن لم يجزء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۷، ۲۷۸، مادة ”زكاة“)

فقال الحنفية: يتخير التاجر بين العين أو القيمة، فللمالك الخيار عند حولان الحول بين الإخراج من قيمة التجارة، فيخرج ربع عشر القيمة، وبين الإخراج من عينها، فيخرج ربع عشر العين التجارية، لأن التجارة مال تجب فيه الزكاة، فجاز إخراجها من عينه كسائر الأموال، وعلى هذا يصح لتاجر القماش مثلاً إخراج الزكاة من أعيان الأقمشة على أن يراعى اختيار الوسط من كل نوع، ويدفع الزكاة من كل نوع، لا أن يخرج الكاسد أو يخرج نوعاً واحداً عن جميع الأنواع.

وقال الجمهور: يجب إخراج القيمة، ولا يجوز الإخراج من عين العروض التجارية، لأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة منها كالعين في سائر الأموال، ولا نسلم أن الزكاة تجب في المال، وإنما وجبت في قيمته (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۸۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

اعتبار سے زکاۃ واجب ہوگی، یعنی اگر اس عمارت، ڈھانچہ (یا سٹرپکھر) کو اسی حال میں فروخت کیا جائے، تو کتنی قیمت حاصل ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳..... جو صنعت کا ریانا جو شخص، مال کو تھوک کی قیمت کے اعتبار سے فروخت کرتا ہے، اس کے حق میں زکاۃ کے لئے یہی تھوک کی قیمت معتبر ہوگی۔

اور جو تاجر پر چون (پھٹکر) کی قیمت کے اعتبار سے مال فروخت کرتا ہے، اس کے حق میں زکاۃ کے لئے یہی پر چون کی قیمت معتبر ہوگی۔

اور اگر دونوں طرح سے مال کو فروخت کرتا ہو، تو جس طرح کا کاروبار غالب اور اکثر ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور اشیاء کی قیمتوں میں فرق ہوتا ہو، تو اکثر اور مشہور قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اس کے باوجود بھی کوئی شخص قیمت کا حساب لگانے میں مزید احتیاط سے کام لے تو زیادہ بہتر اور باعثِ ثواب ہے۔ لہٰذا نفع للفقراء۔ ۲

۱۔ تقویم العروض ومقدار الواجب فی هذه الزکاۃ وطريقة التقويم: یقوم التاجر العروض أو البضائع التجارية فی آخر کل عام بحسب سعرها فی وقت إخراج الزکاۃ، لا بحسب سعر شرائها، ویخرج الزکاۃ المطلوبة، وتضم السلع التجارية بعضها إلی بعض عند التقويم ولو اختلفت أجناسها، کتیب وجلود ومواد تموینیة، وتجب الزکاۃ بلا خلاف فی قيمة العروض، لا فی عینها، لأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزکاۃ منها، وواجب التجارة هو ربع عشر القيمة کالتقد باتفاق العلماء (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳ ص ۱۸۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

إن كان شیئا یبقى أثره فی المعمول فیہ كالصبغ والزعفران والشحم الذی یدبغ به الجلد فإنه یكون مال التجارة، لأن الأجر یكون مقابلة ذلك الأثر وذلك الأثر مال قائم فإنه من أجزاء الصبغ والشحم لكنه لطیف فیکون هذا تجارة (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۳، کتاب الزکاۃ، فصل الشرائط التی ترجع إلی المال)

۲۔ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاجر نہ قیمت کا تو اعتبار نہیں کیونکہ وہ مٹی ہے، تخفیف و رعایت و مصالح خاصہ پر، بلکہ متفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں، وہ معتبر ہے، اور اس میں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشرک اعتبار ہے، اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے، یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس قیمت پر فروخت کی جایا کرے (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲، کتاب الزکاۃ والصدقات)

مسئلہ نمبر ۳۱..... تجارت کے تمام مال کا ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر زکاة ادا کرنا چاہیے، لیکن اگر کسی کے مال کی نوعیت ایسی ہو کہ اسے سارے مال کا حساب لگانا ممکن نہ ہو، تو پھر اندازہ اور تخمینہ سے بھی حساب لگایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اتنی احتیاط شامل کر لی گئی ہو کہ اپنے گمان کے مطابق زکاة کا کوئی حصہ ذمہ میں باقی نہ رہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳۲..... اگر کوئی سامان، تجارت کی غرض سے خریدا گیا ہو، تو بعض حضرات کے نزدیک مال پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی زکاة خریدار کے ذمہ واجب ہوتی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک جب تک اس پر خریدار یا اس کا نمائندہ قبضہ نہ کرے، اس وقت تک اس کی زکاة خریدار کے ذمہ واجب نہیں ہوتی، جیسا کہ ”مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کے قائم ہونے کے“ بیان میں آتا ہے۔ ۲

۱۔ المظنة من الظن وهو في اللغة: اسم لما يحصل عن أمانة ومتى قويت أدت إلى العلم، والظن في الأصل خلاف اليقين، وقد يستعمل بمعنى اليقين كقوله تعالى: (الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم) والمظنة: بكسر الظاء للمعلم وهو حيث يعلم الشيء والجمع المظان ومظنة الشيء: موضعه ومآلفه. وفي الاصطلاح: المظنونات هي القضايا التي يحكم فيها حكما راجحا مع تجويز نقيضه. الأحكام المتعلقة بالمظنة:

المظنة تقوم مقام اليقين عند الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸ ص ۱۴۵، مادة ”مظنة“) طرق إزالة الاشتباه: من اشتبه عليه أمر ما فإن إزالة الاشتباه تكون عن طريق التحري، أو الأخذ بالقرائن، أو استصحاب الحال، أو الأخذ بالاحتياط، أو بإجراء القرعة ونحوها. وفيما يلي بيان ما تقدم.

أ - التحري: وهو عبارة عن طلب الشيء بغالب الرأي عند تعذر الوقوف على حقيقته، وقد جعل التحري حجة حال الاشتباه وفقد الأدلة، لضرورة العجز عن الوصول إلى المتحري عنه. وحكمه وقوع العمل صوابا في الشرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴ ص ۱۳۰، مادة ”اشتباه“)

ب - وخرج به أيضا كما في البحر المشتري للتجارة قبل القبض والابقى المعد للتجارة (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۶۰، كتاب الزكاة)

وقد منا أن المبيع قبل القبض لا تجب زكاته على المشتري وذكر في المحيط في بيان أقسام الدين أن المبيع قبل القبض، قيل: لا يكون نصابا؛ لأن الملك فيه ناقص بافتقاد اليد، والصحيح أنه يكون نصابا؛ لأنه عوض عن مال كانت يده ثابتة عليه، وقد أمكنه احتواء اليد على العوض فتعتبر يده باقية على النصاب باعتبار التمكن شرعا. فعلى هذا قولهم: لا تجب الزكاة معناه قبل قبضه، وأما بعد

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۳..... مال جس شخص کی ملکیت ہو، وہ کسی اور مقام پر ہو، اور اس کی زکاة کا مال کسی اور مقام پر ہو تو قیمت کا حساب، مال والے مقام کے اعتبار سے لگایا جائے گا، اور جہاں مال کا مالک موجود ہے، اس جگہ کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قبضہ فتجب زکاتہ فیما مضی کالدين القوی (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۵، کتاب الزکاة، شروط وجوب الزکاة)

واما المشتري قبل القبض فقد قال مشايخ العراق انه لا يكون نصابا قبل القبض عندهم جميعا، وفي المنتقى: انه لا يكون نصابا قبل القبض من غير ذكر الخلاف، على ما يأتي في آخر الفصل ان شاء الله تعالى، قال غيرهم من المشايخ: هو على الخلاف الذي ذكرنا في الثمن، قال بعضهم هو نصاب قبل القبض بلا خلاف (الفتاوى التارخانية، ج ۲، ص ۳۰۳، کتاب الزکاة، الفصل الثالث عشر في زکاة الديون)

الحاصل أن بالعقد يحصل أصل الملك، وتام ما هو المقصود لا يحصل إلا بالقبض، وصيرورته نصاب الزکاة يبنى على تمام المقصود لا على حصول أصل الملك بخلاف التصرف فإن نفوذه يبنى على ثبوت أصل الملك، وقد روى عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى- في المبيع قبل القبض أنه لا يكون نصاب الزکاة؛ لأن الملك فيه غير تام حتى لا يملك التصرف فيه (المبسوط، للسرخسي، ج ۲، ص ۱۶۸، کتاب الزکاة)

قوله: "ملكا تاما"، احترازاً عن البيع قبل القبض حيث لا زکاة فيه؛ لأن ملكه لم يتم، ولهذا لا يجوز تصرفه فيه، والملک: عبارة عن مطلق التصرف فيكون الملك فيه ناقصاً، فلا يلزم عليه مال ابن السبيل؛ لأن يده ثابتة (البنایة شرح الهدایة، ج ۳، ص ۲۸۹، کتاب الزکاة، حکم الزکاة وشروط وجوبها)

ولو تزوجها على خمس من الإبل السائمة أو عرض التجارة بعينها لا تجب فيها الزکاة في قول أبي حنيفة الثاني حتى قبضها ويحول عليها الحال بعد قبضها؛ لأنها بدل ما لا تجب فيه الزکاة كالدابة وبدل الكتابة قال أبو نصر في شرح القدوري وكالمبيع قبل القبض، وفي الحاوي المبيع قبل القبض لا تجب فيه الزکاة، وفي قياس قول أبي حنيفة كالمهر قال الفقيه أبو الليث هو قول الكل لأن المشتري لا يملك التصرف في المبيع قبل قبضه بخلاف المهر، وفي الجامع المبيع قبل القبض نصاب عندهما وكذا عند أبي حنيفة على الأصح، وفي المحيط والصحيح أنه نصاب؛ لأنه بدل مال بخلاف المهر؛ لأنه بدل ما ليس بمال. اهـ. غایة (حاشیة الشلبی على تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۲۵۷، کتاب الزکاة)

۱. السعر الذي تقوم به السلع:

صرح الحنفية أن عروض التجارة يقومها المالك على أساس سعر البلد الذي فيه المال، وليس الذي فيه المالك، أو غيره ممن له بالمال علاقة، ولو كان في مفازة تعتبر قيمته في أقرب الأماصار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۵، مادة "زکاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۳..... اگر تجارت کے مال کی زکاة تو کسی اور وقت واجب ہوئی تھی، یعنی کسی اور وقت میں زکاة کا سال پورا ہوا تھا، لیکن زکاة کی ادائیگی بعد میں کسی اور وقت کی جارہی ہے، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زکاة واجب ہونے والے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے زکاة واجب ہوگی۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زکاة ادا کرنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے زکاة واجب ہوگی۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

و يقوم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفاضة ففي أقرب الأمصار إليه، فتح (الدر المختار) (قوله: و يقوم في البلد الذي المال فيه) فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذي فيه العبد بحر (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم) و يقوم العرض بالمصر الذي هو فيه حتى لو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في ذلك الذي فيه العبد وإن كان في مفاضة تعتبر قيمته في أقرب الأمصار إلى ذلك الموضع كذا في فتح القدير، وهو أولى مما في التبیین من أنه إذا كان في المفاضة يقوم في المصر الذي يصير إليه ثم عند أبي حنيفة تعتبر القيمة يوم الوجوب، وعندهما يوم الأداء، وتماه في فتح القدير (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲، ص ۲۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

۱۔ حنفیہ کے مشہور قاعدہ کے مطابق اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح حاصل ہے، لیکن بعض حضرات نے صاحبین (یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کے قول کو اظہر و راجح قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کسی ایک قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے، بعض اوقات کوئی شخص بہت تاخیر سے زکاة دیتا ہے، اور اسے قیمتِ یوم واجب کا علم نہیں ہوتا، اس کو موجودہ قیمت سے ادا کرنا بھی جائز ہے، اور اندازہ سے قیمتِ یوم واجب نکالنا بھی جائز ہے، البتہ بعض مشائخ حنفیہ کے بقول سائنہ جانوروں کی زکاة میں یوم الاداء کی قیمت واجب ہونے پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب في قول أبي حنيفة لأنه في الأصل بالخيار بين الإخراج من العين وأداء القيمة، ويجبر المصدق على قبولها، فيستند إلى وقت ثبوت الخيار وهو وقت الوجوب. وقال الصحاح: المعتبر القيمة يوم الأداء، لأن الواجب عندهما جزء من العين، وله ولاية منعها إلى القيمة، فتعتبر يوم المنع كما في الوديع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۵، مادة "زكاة") رجل له مائتا قفيز من الحنطة للتجارة حال عليها الحول، وقيمتها مائتا درهم حتى وجب عليه الزكوة، فإن أدى من عينها أدى ربع العشر من عينها خمسة أقفزة حنطة، وإن أدى من قيمتها أدى ربع عشر القيمة أيضاً خمسة دراهم، فإن لم يؤد حتى تغير سعر الحنطة إلى زيادة، فصارت تساوى

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۵..... جو جائیداد یا اور کوئی چیز (مثلاً رکشہ، ٹیکسی، بس، سیڑھی، گھوڑی، شترنگ، لکڑیاں، دیکیں، برتن، لائیں، ٹینٹ کا سامان، اور کتابیں رسالے وغیرہ) کرائے پر چلانے کی غرض سے خریدی تو وہ مال تجارت میں داخل نہیں ہے، اس لئے اس پر زکاة واجب نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أربعمائة، فإن أدى من عين الحنطة أدى ربع العشر خمسة أقفزة بالاتفاق، وإن أدى من القيمة أدى خمسة دراهم قيمتها يوم حولان الحول الذي هو يوم الوجوب عند أبي حنيفة، وعندهما يؤدي عشرة دراهم قيمتها يوم الأداء.

وإن تغير به سعر الحنطة إلى نقصان، فصارت تساوى مائة إن أدى من عين الحنطة أدى خمسة أقفزة بلا خلاف، وإذا أدى من القيمة أدى خمسة دراهم قيمتها يوم حولان الحول الذي هو يوم الوجوب. وعندهما: أدى درهمين ونصف قيمتها يوم الأداء.

فالحاصل: أن أبا حنيفة يعتبر القيمة يوم الوجوب في جنس هذه المسائل، وهما يعتبران القيمة يوم الأداء، وهذه المسألة في الحاصل بناءً على معرفة الواجب في عروض التجارة يوم حولان الحول، فعندهما الواجب يوم حولان الحول جزء من النصاب عيناً، لكن للمالك ولاية نقل الواجب إلى القيمة بالأداء، فتراعى قيمته يوم النقل والدليل (على) أن الواجب ما قلنا، قوله عليه السلام: خذ من الإبل الإبل ومن البقر البقر والدليل عليه أن في نصاب السوائم تعتبر القيمة يوم الأداء، حتى إن من وجب في إبله بنت مخاض قيمته خمسة دراهم ثم تغير السعر، فصارت تساوى درهمين ونصفاً فأراد أن يؤدي القيمة أدى درهمين ونصفاً بالإجماع، فقياس عروض التجارة على السوائم أن تعتبر القيمة يوم الأداء (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۴۹، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

والخلاف في زكاة المال فتعتبر القيمة وقت الأداء في زكاة المال على قولهما وهو الأظهر وقال أبو حنيفة يوم الوجوب كما في البرهان وقال الكمال والخلاف مبنى على أن الواجب عندهما جزء من العين وله ولاية منعها إلى القيمة فيعتبر يوم المنع كما في منع رد الوديعة وعنده، الواجب أحدهما ابتداء ولذا يجبر المصدق على قبولها اهـ.

والقول بأن الواجب هو العين بناءً على ما ظنه بعض أصحابنا أن أداء القيمة بدل عن الواجب حتى لقب المسألة بالإبدال وليس كذلك، فإن المصير إلى البديل لا يجوز إلا عند عدم الأصل وأداء القيمة مع وجود المنصوص عليه جائز عندنا (حاشية الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱، ص ۱۸۱، کتاب الزكاة، باب زكاة المال)

قال الحنفية: تفرعاً على مبدئهم أن الواجب في الزكاة جزء من النصاب إما صورة ومعنى، أو معنى فقط: يجوز دفع القيمة في الزكاة، وكذا في العشر والخراج وزكاة الفطرة والنفقة والكفارة غير الاعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب عند الإمام أبي حنيفة، وعند الصاحبين: يوم الأداء، وفي السوائم يوم الأداء بالاتفاق بينهم (الفتاوى الاسلامیة وادلته للزحلی، ج ۳، ص ۱۹۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الخامس)

﴿بقیہ حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اس چیز سے جو آمدن روپیوں پیسوں کی شکل میں حاصل ہوگی، تو اس کا حکم عام روپیوں پیسوں کی طرح ہے، جن کی زکاة کا حکم پہلے گزر چکا۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۳۶..... آج کل مختلف کمپنیوں کے شیئرز (Shares) کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

اہل علم حضرات کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ ان شیئرز کی خرید و فروخت جائز ہے۔

نیز کمپنی کے ان شیئرز پر زکاة بھی واجب ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ ان کی مارکیٹ ویلیو کے حساب سے قیمت لگا کر ان کی زکاة ادا کی جائے۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويجوز عندهم دفع القيمة في الزكاة، والعشر، والخراج، والفقرة، والنذر، والكفارة غير الاعتاق. وتعتبر القيمة يوم الوجوب عند الإمام أبي حنيفة، وقال الصحابان: يوم الأداء. وفي السوائم: يوم الأداء باتفاقهم، ويقوم في البلد الذي فيه المال، أما في المفازة فيقوم في أقرب الأمصار إليه (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۹ ص ۱۵۶، الباب الثاني، الفصل الثالث، المبحث التاسع، المطلب الرابع كفارة الظهار)

وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يوم الوجوب في الزيادة والنقصان، وعندهما في الفصلين يعتبر يوم الأداء واختلف على قوله في السوائم فقول يوم الوجوب وقيل يوم الأداء حسب الاختلاف السابق وتماه فيه، وفي المحيط يعتبر في قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۳۸، كتاب الزكاة، زكاة الحملان والفصلان والعجائب)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالوا يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً، وهو الأصح (الدر المختار)

(قوله وهو الأصح) أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعاً هو الأصح فإنه ذكر في البدائع أنه قيل إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء. اهـ.

وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح اهـ فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندنا (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

۱۔ وإن كانت لحفظ الدواب فلا زكاة فيها كالقرد وغيرها من آلة الصباغين كما في الفتح والمعراج والجوالق المشترة للإجارة لا زكاة فيها كما في غاية البيان (حاشية الشرنبلالي على درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۱۷۳، كتاب الزكاة)

۲۔ بعض اہل علم حضرات کی تصریح کے مطابق اگر کمپنی کے شیئرز اس مقصد سے خریدے گئے کہ کمپنی میں اپنے شیئر کو باقی رکھتے ہوئے فقط منافع حاصل کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں ان شیئرز کی (مارکیٹ ریٹ کے لحاظ سے) قیمت کے اس حصے پر زکاة لازم ہوگی، جو کمپنی کے قابل زکاة اثاثوں (مثلاً خام مال، تیار مال اور نقد روپیہ) کے مقابلہ میں ہوگا، اور قیمت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... اگر کسی نے سامان تجارت کی زکاة ادا کرتے وقت اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے زکاة ادا کر دی، لیکن اس کے بعد جب سامان فروخت ہوا، تو حساب لگائی ہوئی قیمت سے کم و بیش قیمت میں فروخت ہوا، تو اس فرق کی وجہ سے پہلے سے دی ہوئی زکاة پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳۸..... جو تجارت کا سامان اپنی ملکیت نہ ہو، بلکہ کسی اور کی ملکیت ہو، اور دوسرا شخص مضاربیت کے طور پر اس میں کام کر رہا ہو، اور اس تجارت میں کچھ نفع ہوا ہو، تو اصل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

کا جو حصہ ناقابل زکاة اداؤں (مثلاً عمارت، مشینری وغیرہ) کے مقابلہ میں ہوگا، اس پر زکاة نہیں ہوگی۔
لیکن اگر کوئی شخص اس کی تحقیق نہ کر سکتا ہو، تو وہ احتیاطاً شیئ زکی پوری بازاری قیمت کی زکاة ادا کرے (ملاحظہ ہو فقہی مقالات ج ۳ ص ۱۵۲ ”زکاة کے احکام“ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۹۷، کتاب الزکاة)
آج کل شیئ زایک مستقل تجارت بن گئے ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی کل مالیت پر زکاة دی جائے (ملاحظہ ہو جلد فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۱۱، کتاب الزکاة)

وأما الأسهم: فتجب زكاتها أيضاً بحسب قيمتها الحقيقية في البيع والشراء، وكذا العروض التجارية، أي تؤدي زكاتها على رأس المال مع أرباحها في نهاية العام بنسبة (2.5% في المئة) إذا كان الأصل والربح نصاباً أو يكمل مع مال مالكتها نصاباً، ويعفى الحد الأدنى للمعيشة إذا لم يكن لصاحب الأسهم مورد رزق آخر سواها، كأرملة ویتیم ونحوهما. هذا في الشركات التجارية، أما في الشركات الصناعية كشركات السكر والنفط ونحوها كالمطابع والمصانع، فتقدر الأسهم بقيمتها الحالية مع حسم قيمة المباني والآلات وأدوات الإنتاج.

والخلاصة: أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي 2.5% من قيمتها مع ربحها في نهاية كل عام، على ما لكها الذي حال عليه الحول بعد تملكها. أو تؤدي الزكاة جملة واحدة عن غلة الشركة وإيرادها بمقدار العشر من صافي الأرباح قياساً على نصاب الزرع والشمار، باعتبار أن أموال الشركة نامية بالصناعة ونحوها. ففي الحالة الأولى نعتبر صاحب الأسهم له وصف التاجر، وفي الحالة الثانية نعتبر الشركة لها وصف المنتج (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۱۔ إن قوم سلعة لأجل الزكاة وأخرجه على أساس ذلك، فلما باعها زاد ثمنها على القيمة، فقد صرح المالكية بأنه لا زكاة في هذه الزيادة بل هي ملغاة، لاحتمال ارتفاع سعر السوق، أو لرغبة المشتري، أما لو تحقق أنه غلط في التقييم فإنها لا تلغى لظهور الخطأ قطعاً.

وكذا صرح الشافعية بأن الزيادة عن التقييم لا زكاة فيها عن الحول السابق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۵، مادة ”زكاة“)

رأس المال (یعنی اصل سرمایہ) کی زکاة تو مالک پر واجب ہوگی۔

جہاں تک اس طرح کے مالی تجارت یا سامان تجارت کے نفع کی زکاة کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک سال پورا ہوتے وقت جو نفع موجود ہے، مال کے مالک اور مضارب بت پر کام کرنے والے شخص، دونوں پر اپنے اپنے طے شدہ نفع کے حصہ کے اعتبار سے زکاة واجب ہوگی۔^۱ مسئلہ نمبر ۳۰۸..... اگر مالی تجارت اتنی مقدار میں ہو کہ مثلاً سونے کے نصاب کی مالیت کا حساب لگانے سے وہ مالی تجارت، زکاة کے نصاب کے برابر نہیں بنتا، اور چاندی کے نصاب کی مالیت کا حساب لگانے سے وہ مالی تجارت، زکاة کے نصاب کے برابر بن جاتا ہے، تو اس مالی تجارت کی زکاة کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کس کے ساتھ لگائی جائے؟

۱۔ زکاة مال التجارة الذى يبد المضارب:

من أعطى ماله مضاربة لإنسان فربح فزكاة رأس المال على رب المال اتفاقاً، أما الربح فقد اختلف فيه فظاهر كلام الحنفية أن على المضارب زكاة حصته من الربح إن ظهر فى المال ربح وتم نصيبه نصاباً.

وذهب المالكية إلى أن مال القراض يزكى منه رب المال رأس ماله وحصته من الربح كل عام، وهذا إن كان تاجراً مديراً، وكذا إن كان محتكراً وكان عامل القراض مديراً، وكان ما بيده من مال رب المال الأكثر، وما بيد ربه المحتكر الأقل.

وأما العامل فلا يجب عليه زكاة حصته إلا بعد المفاصلة فيزكيها إذا قبضها لسنة واحدة.

وذهب الشافعية على الأظهر إلى أن زكاة المال وربحه كلها على صاحب المال، فإن أخرجهما من مال القراض حسبت من الربح، لأنها من متونة المال وذلك لأن المال ملكه، ولا يملك العامل شيئاً ولو ظهر فى المال ربح حتى تتم القسمة.

هذا على القول بأن العامل لا يملك بالظهور، أما على القول بأنه يملك بالظهور فالمذهب أن على العامل زكاة حصته.

وذهب الحنابلة إلى أن على صاحب المال زكاة المال كله ما عدا نصيب العامل، لأن نصيب العامل ليس لرب المال ولا تجب على الإنسان زكاة مال غيره. ويخرج الزكاة من المال لأنه من متونته، وتحسب من الربح، لأنه وقاية لرأس المال. وأما العامل فليس عليه زكاة فى نصيبه ما لم يقتسما، فإذا اقتسما استأنف العامل حولاً من حينئذ. وقال أبو الخطاب من الحنابلة: يحتسب من حين ظهور الربح، ولا تجب عليه إخراج زكاته حتى يقبضه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۷، ۲۷۸، مادة "زكاة")

تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سونے یا چاندی کے نصاب میں سے جو نئے نصاب کے ساتھ حساب لگانے میں غریبوں کا زیادہ نفع اور فائدہ ہوگا، اس کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ اگر مالی تجارت کی قیمت چاندی کے نصاب کی مالیت کے بقدر بن جاتی ہو، تو زکاة واجب ہوگی، خواہ سونے کے نصاب کی مالیت کے بقدر نہ بنتی ہو، جیسا کہ آج کل عموماً ایسا ہی ہے کہ چاندی کے نصاب کی مالیت سونے کے نصاب کی مالیت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ ۱۔

۱۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق مالک کو اختیار ہے کہ وہ سونے یا چاندی جس کی مالیت کے ساتھ چاہے حساب لگا کر زکاة ادا کرے، تاہم بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے، جبکہ دونوں کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کے بقدر مالیت بن جاتی ہو، اور اگر ایک کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کے برابر مالیت بنتی ہے، اور دوسرے کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کی مالیت نہیں بنتی، تو پھر اختیار حاصل نہیں، بلکہ جس کے ساتھ حساب لگانے سے نصاب کے برابر مالیت بن جاتی ہے، اس کے حساب سے زکاة دینے کا حکم متعین ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واختلف الفقهاء فيما تقوم به عروض التجارة: بالذهب أم بالفضة.

فذهب الحنابلة وأبو حنيفة في رواية عنه عليها المذهب، إلى أنها تقوم بالأحظ للفقراء، فإن كان إذا قومها بأحدهما لا تبلغ نصاباً وبالأخر تبلغ نصاباً تعين عليه التقويم بما يبلغ نصاباً.

وقال أبو حنيفة في رواية عنه: يخير المالك فيما يقوم به لأن الثمين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء.

وقال الشافعية وأبو يوسف: يقومها بما اشترى به من النقدين، وإن اشترى بها عرض قومها بالنقد الغالب في البلد.

وقال محمد: يقومها بالنقد الغالب على كل حال كما في المغصوب والمستهلك.

ولم نجد عند المالكية تعرضاً لما تقوم به السلع، مع أنهم قالوا: إنها لا زكاة فيها ما لم تبلغ نصاباً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۲، مادة "زكاة")

ثم إذا تم الحول على مال التجارة فإنه ينبغي أن يقومها حتى يعرف مقدار مال الزكاة لكن عند أبي حنيفة يقوم بما هو أوفى القيمتين وأنظرهما للفقراء من الدراهم والدنانير كذا ذكر ههنا وذكر في كتاب الزكاة وقال إن شاء قومها بالدراهم وإن شاء قومها بالدنانير.

ومشايخنا حملوا رواية كتاب الزكاة على ما إذا كان لا يتفاوت النفع في حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان حتى يكون جمعا بين الروایتين.

ولكن كيفما كان ينبغي أن يقوم بأدنى ما ينطلق عليه اسم الدراهم والدنانير.

وروى محمد بن أبي يوسف أنه قال يقوم الثمن الذي اشترى به دراهم كان أو دنانير

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض دوسرے فقہائے کرام کا اس مسئلہ میں قول اس سے مختلف ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان الثمن من العروض يقوم بالنقد الغالب في ذلك الموضع. وذكر ابن سماعه عن محمد إنما يقوم بالنقد الغالب في ذلك الموضع (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۲، ۲۷۳، ۲۷۴، کتاب الزكاة، باب زكاة اموال التجارة) ۱۔ وطريقة تقويم العروض: هي عند الجمهور غير الشافعية أن تقوم السلع إذا حال الحول بالأحظ للمساكين من ذهب أو فضة احتياطاً لحق الفقراء، ولا تقوم بما اشترت به. فإذا حال الحول على العروض، وقيمتها بالفضة نصاب، ولا تبلغ نصاباً بالذهب، قومناها بالفضة ليحصل للفقراء منها حظ، ولو كانت قيمتها بالفضة دون النصاب، وبالذهب تبلغ نصاباً قومناها بالذهب لتجب الزكاة فيها، ولا فرق بين أن يكون اشتراؤها بذهب أو فضة أو عروض.

وقال الشافعية: تقوم العروض بما اشتراها التاجر به من ذهب أو فضة، لأن نصاب العروض مبني على ما اشتراه به، فيجب أن تجب الزكاة فيه، وتعتبر به، كما لو لم يشتري به شيئاً. وعلى هذا إن ملك العرض بنقد قوم به إن ملك بنصاب أو دونه في الأصح، سواء أكان ذلك النقد هو الغالب أم لا، وسواء أبطله السلطان أم لا، لأنه أصل ما بيده، فكان أولى من غيره. وإن ملك العرض بعرض آخر للقيمة أو بخلع أو نكاح أو صلح عن دم عمد، فيقوم بغالب نقد البلد، من الدراهم والدنانير، لأنه لما تعذر التقويم بالأصل، رجع إلى نقد البلد، على قاعدة التقويمات في الإلتلاف ونحوه. فإن حال الحول بمحل لا نقد فيه، كبلد يتعامل فيه بالفلوس أو نحوها، اعتبر أقرب البلاد إليه.

ولو ملك بدين في ذمة البائع أو بنحو سبائك، قوم بجنسه من النقد. فإن غلب نقدان على التساوي في التعامل بالبلد، وبلغ مال التجارة بأحدهما دون الآخر نصاباً، قوم به، لبلوغه نصاباً بنقد غالب. فإن بلغ نصاباً بكل من النقيدين الغالبين، قوم بالأنفع منهما للفقراء. وإن ملك العرض بنقد وعرض آخر، كأن اشترى بمئتي درهم وعرض قنية، قوم ما قابل النقد به، والباقي بغالب نقد البلد، كما لو انفرد الشراء بواحد منهما.

ورأى الجمهور أولى لسهولته ومراعاته مصالح الفقراء. وعلى هذا يجب على كل تاجر أن يجرد آخر كل عام ما لديه من بضائع، ويقدر قيمتها وقت الجرد عند الجمهور بالنقد الرائجة، فإن بلغت نصاباً، وجب عليه إخراج ربع عشر قيمة هذه الأموال 5%، ويضم الربح إلى رأس المال، ولا يقوم الأثاث وموجودات المحل وأدوات التجارة والصناعة والكسب وفروغ المحل (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۷، ۱۸۸، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی چیز (مثلاً مکان، گاڑی وغیرہ) خریدتے وقت اس کو بیچنے یا خود استعمال کرنے کی نیت میں ترڈ دے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک وہ چیز تجارت کے مال میں شامل نہیں ہوگی، اور اس کی زکاة واجب نہیں ہوگی، کیونکہ شک کی وجہ سے اس کو مالی تجارت میں داخل نہیں مانا جائے گا۔ ۱

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

۱ العین وإن كانت للتجارة لكن قد يقصد ببدل منافعتها المتفعة؛ فتؤجر الدابة لينفق عليها، والدار للعمارة فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية. اهـ. (ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۶۸، کتاب الزکاة)

قد يقصد ببدل منافعتها المتفعة فيؤجر الدابة لينفق عليها والدار للعمارة فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية (بدائع الصنائع، ج ۱۳۲، کتاب الزکاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال) فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۲۶، کتاب الزکاة، شروط وجوب الزکاة)

(فصل نمبر ۸)

مال کا نصاب کے بقدر ہونا

(زکاة کے مالی نصاب سے متعلق احکام)

زکاة واجب ہونے کے لئے مال کے نامی ہونے کے ساتھ (جس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے) یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مال نصاب کے بقدر ہو۔

کیونکہ زکاة اگر ہر شخص پر فرض کی جاتی، تو غریبوں پر بھی فرض ہو جاتی، اس وجہ سے اس کے لئے ایک معیار مقرر ہونا ضروری تھا، اسی کو زکاة کا ”مالی نصاب“ کہا جاتا ہے۔ ۱

بعض لوگ سرے سے زکاة کے نصاب سے ہی ناواقف ہوتے ہیں، اور وہ شرعی اعتبار سے صاحب نصاب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو غریب اور زکاة سے بری سمجھتے رہتے ہیں، اور زکاة کے شرعی نصاب سے واقفیت حاصل نہیں کرتے، جو کہ خطرناک طرزِ عمل ہے۔

شریعت کی طرف سے زکاة فرض ہونے کے لئے جو نصاب مقرر ہے، اس کا علم حاصل کرنا چاہئے۔

اس لئے اب زکاة واجب ہونے کے مالی نصاب سے متعلق احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱ الشرط السادس: أن يبلغ المال نصاباً:

والنصاب مقدار المال الذي لا تجب الزكاة في أقل منه، وهو يختلف باختلاف أجناس الأموال الزكوية، فنصاب الإبل خمس منها، ونصاب البقر ثلاثون. ونصاب الغنم أربعون، ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، ونصاب الفضة مائتا درهم، ونصاب الزروع والثمار خمسة أوسق. ونصاب عروض التجارة مقدر بنصاب الذهب أو الفضة. وفي بعض ما تقدم تفرعات وخلاف ينظر في مواضع مما يلي من هذا البحث.

والحكمة في اشتراط النصاب واضحة، وهي أن الزكاة وجبت مواساة، ومن كان فقيراً لا تجب عليه المواساة، بل تجب على الأغنياء إعانته، فإن الزكاة تؤخذ من الأغنياء لترد على الفقراء. وجعل الشرع النصاب أدنى حد الغنى، لأن الغالب في العادات أن من ملكه فهو غنى إلى تمام سنته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۳، مادة ”زكاة“)

مسئلہ نمبر ۱..... شریعت کی طرف سے زکاة واجب ہونے کے لئے سونے میں نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولہ مقرر ہے، اور چاندی میں نصاب کی مقدار ساڑھے باون تولہ مقرر ہے۔ ۱

اور تجارت کے مال اور کرنسی کے نصاب کی مقدار سونے و چاندی کے نصاب کے تابع ہے۔
مسئلہ نمبر ۲..... اگر کسی کے پاس کرنسی اتنی مقدار میں ہو کہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے، لیکن ساڑھے سات تولہ سونے کے نصاب کو نہ پہنچے، تو اکثر اہل علم حضرات کے نزدیک وہ زکاة کا نصاب شمار ہوتی ہے، اور اس کی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۲
مسئلہ نمبر ۳..... جمہور فقہائے کرام یعنی حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت

۱۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عشر میں بھی پانچ وسق (یعنی پچیس من سے کچھ زائد) کا نصاب مقرر ہے، جس کی تفصیل ہم نے عشر سے متعلق اپنی دوسری کتاب میں ذکر کر دی ہے، اور سائے جانوروں کے نصاب کا ذکر آگے اسی کتاب کے اگلے حصے میں آتا ہے۔

کون المال نصاباً أو مقداراً بقيمة نصاب: وهو ما نصبه الشرع علامة على توفر الغنى ووجوب الزكاة من المقادير الآتية. وسياق في بحث أنواع أموال الزكاة بيان الأنصبة الشرعية، وخلاصتها: نصاب الذهب عشرون مثقالاً أو ديناراً، ونصاب الفضة مائتا درهماً (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۷۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

مذہبنا ومذہب العلماء كافة أن الاعتبار في نصاب الذهب والفضة بالوزن لا بالعدد وحكي صاحب الحاوي وغيره من أصحابنا عن المغربي وبشر الميرسي المعتزلي أن الاعتبار بمائتي درهم عدداً وزناً حتى لو كان معه مائة درهم عدداً وزناً مائتان فلا شيء فيها وإن كانت مائتان عدداً وزناً مائة وجبت الزكاة قال أصحابنا وهذا غلط منهما لمخالفتهم النصوص والإجماع فهو مردود (المجموع شرح المذهب، ج ۲، ص ۱۸، ۱۹، باب زكاة الذهب والفضة)

۲۔ البتہ بعض اہل علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ کرنسی کی زکاة اس وقت تک واجب نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ ساڑھے سات تولہ سونے کے نصاب کے برابر نہ ہو جائے، جیسا کہ پہلے ”سکہ اور کرنسی کی زکاة کے احکام“ کے ذیل میں گزرا۔
والأصح تقدير النصاب الورقي بالذهب، لأنه المعادل لنصاب الأنعام (الإبل والبقر والغنم)، ولا ارتفاع مستوى المعيشة وغلاء الحاجيات، وإن كان يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة، لأنه أنفع للفقراء، وللاحتياط في الدين، ولأن نصاب الفضة مجمع عليه، وثابت بالسنة الصحيحة، وكان يساوي في الماضي ستة وعشرين ريالاً مصرياً وتسعة قروش وثلثي قرش، ونحو خمسين ريالاً في السعودية ودولة الإمارات، ونحو ۵۵ أو ۶۰ روبية في باكستان والهند (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

کے مطابق سونے اور چاندی کو نصاب مکمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی طرف ملایا جائے گا، پس اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی دونوں الگ الگ تو اتنی مقدار میں نہیں ہیں، کہ دونوں کا الگ الگ زکاة کا نصاب پورا ہو جائے، لیکن جب سونے اور چاندی دونوں کو ملایا جاتا ہے، تو ان دونوں کی مجموعی مالیت سے زکاة کا نصاب بن جاتا ہے، تو بھی زکاة واجب ہوتی ہے، اور اسی طرح اگر سونے چاندی میں سے ایک چیز کا نصاب تو مکمل ہے، اور دوسری چیز نصاب سے کم ہے، تو بھی دونوں کو ملا کر زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱

اور شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق سونے اور چاندی کو نصاب مکمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی طرف نہیں ملایا جائے گا، اور اسی صورت میں زکاة واجب ہوگی، جبکہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک چیز کا نصاب مکمل ہو۔ ۲

۱۔ ذهب الجمهور (الحنفية والمالكية وهو رواية عن أحمد وقول الثوري والأوزاعي) إلى أن الذهب والفضة يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب، فلو كان عنده خمسة عشر مثقالاً من الذهب، ومائة وخمسون درهماً، فعليه الزكاة فيهما، وكذا إن كان عنده من أحدهما نصاب، ومن الآخر مالا يبلغ النصاب يزيان جميعاً، واستدلوا بأن نفعهما متحد، من حيث إنهما ثمنان، فمنهما القيم وأروش الجنایات، ويتخذان للتحلی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۷، مادة "زكاة") ۲۔ وذهب الشافعية وهو رواية أخرى عن أحمد وقول أبي عبيد وابن أبي ليلى وأبي ثور إلى أنه لا تجب في أحد الجنسين الزكاة حتى يكمل وحده نصاباً، لعموم حديث: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۷، مادة "زكاة")

مذہبنا کہ نہ لا یکمل نصاب الدرہام بالذہب ولا عکسہ حتی لو ملک مائتین إلا درہما وعشرین مثقالاً إلا نصفاً أو غیرہ فلا زکاة فی واحد منهما وبہ قال جمهور العلماء حکاہ ابن المنذر عن ابن ابي ليلى والحسن بن صالح وشريك وأحمد وأبي ثور وأبي عبيد * قال ابن المنذر وقال الحسن وقنادة والأوزاعي والثوري ومالك وأبو حنيفة وسائر أصحاب الرأي يضم أحدهما إلى الآخر (المجموع شرح المذهب، ج ۲، ص ۱۸، ۱۹، باب زكاة الذهب والفضة)

ویضم عند الجمهور (غير الشافعية) أحد النقيدين إلى الآخر في تكميل النصاب، فيضم الذهب إلى الفضة وبالعكس بالقيمة، فمن له مئة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مئة، عليه زكاتها، لأن مقاصدها وزكاتها متفقة، فهما كنوع الجنس الواحد.

وقال الشافعية: لا يضم أحدهما إلى الآخر كالإبل والبقر، وإنما يكمل النوع بالنوع من الجنس الواحد وإن اختلفا جودة ورواءة، والرأى الأول هو الواجب الاتباع اليوم في العملات الورقية، وضم نوع منها إلى آخر أصبح ضرورياً ومتعيناً (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۸۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جو حضرات سونے اور چاندی کا نصاب مکمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی طرف ملانے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک اس کو ملانے کا طریقہ کیا ہوگا؟ تو اس سلسلہ میں امام مالک، اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا فرمانا یہ ہے کہ سونے اور چاندی کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا (قیمت کے اعتبار سے نہیں ملایا جائے گا) مثلاً اگر کسی کے پاس سونے کے نصاب کی نصف مقدار (مثلاً 3.75 تولہ) سونا ہے، اور چاندی کے نصاب کی نصف مقدار (مثلاً 26.25 تولہ) چاندی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے پاس دونوں نصابوں کی آدھی آدھی مقدار ہے، یعنی آدھی مقدار ایک نصاب کی اور آدھی مقدار دوسرے کی ملا کر نصاب مکمل ہو جاتا ہے، تو ان حضرات کے نزدیک اس صورت میں زکاة واجب ہوگی، اور اگر مثلاً مذکورہ صورت میں سونے، چاندی میں سے کسی ایک نصاب کی تو نصف مقدار موجود ہے، لیکن دوسرے کی نصف مقدار سے کم موجود ہے، تو زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۱

۱۔ والقائلون بالضمختلفوا فذهب مالك وأبو يوسف ومحمد وأحمد في رواية إلى أن الضم يكون بالأجزاء فلو كان عنده خمسة عشر مثقالاً ذهباً، وخمسون درهماً لوجب الزكاة، لأن الأول نصاب، والثاني 25 نصاب، فيكمل منهما نصاب، وكذا لو كان عنده ثلث نصاب من أحدهما وثلثان من الآخر ونحو ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۷، ۲۶۸، مادة "زكاة") فأما إن كان له من كل واحد من الذهب والفضة ما لا يبلغ نصاباً بمفرده، أو كان له نصاب من أحدهما وأقل من نصاب من الآخر، فقد توقف أحمد عن ضم أحدهما إلى الآخر، في رواية الأئمة وجماعة، وقطع في رواية حنبل، أنه لا زكاة عليه حتى يبلغ كل واحد منهما نصاباً. وذكر الخرق في روايةين في الباب قبله، إحداهما لا يضم.

وهو قول ابن أبي ليلى، والحسن بن صالح، وشريك، والشافعي، وأبي عبيد، وأبي ثور. واختاره أبو بكر عبد العزيز؛ لقوله -عليه السلام-: ليس فيما دون خمس أواق صدقة. ولأنهما مالا ن يختلف نصابهما، فلا يضم أحدهما إلى الآخر، كأجناس الماشية.

والثانية، يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب. وهو قول الحسن وقتادة، ومالك، والأوزاعي، والثوري، وأصحاب الرأي؛ لأن أحدهما يضم إلى ما يضم إليه الآخر، فيضم إلى الآخر كأنواع الجنس، ولأن نفعهما واحد، والمقصود منهما متحد. فإنهما قيم المتلفات، وأروش الجنيات، وأثمان البياعات، وحلى لمن يريدتهما لذلك، فأشبهها النوعين، والحديث مخصوص

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سونے اور چاندی کو ایک دوسرے کی طرف اس قیمت کے حساب سے ملایا جائے گا، جس میں فقراء و غرباء کا زیادہ فائدہ ہو (اور اجزاء کے اعتبار سے نہیں ملایا جائے گا)

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی کی ملکیت میں سونا اور چاندی جتنی بھی مقدار میں ہو، کم ہو یا زیادہ، ان دونوں کی قیمتوں کو جمع کر کے دیکھا جائے گا، اگر دونوں کی قیمتیں ملا کر اتنی مالیت بن رہی ہو کہ اس کے عوض میں ساڑھے سات تولہ سونایا ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو، تو زکاة واجب ہوگی، ورنہ زکاة واجب نہیں ہوگی۔

پس اگر کسی کی ملکیت میں چاندی کا آدھا نصاب (مثلاً 26.25 تولہ چاندی) ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعرض التجارة، فنقيس عليه. فإذا قلنا بالضم، فإن أحدهما يضم إلى الآخر بالأجزاء، يعني أن كل واحد منهما يحسب من نصابه، فإذا كملت أجزاؤهما نصاباً، وجبت الزكاة، مثل أن يكون عنده نصف نصاب من أحدهما، ونصف نصاب أو أكثر من الآخر، أو ثلث من أحدهما، وثلثان أو أكثر من الآخر. فلو ملك مائة درهم وعشرة دنانير، أو مائة وخمسين درهماً وخمسة دنانير، أو مائة وعشرين درهماً وثمانية دنانير، وجبت الزكاة فيهما.

وإن نقصت أجزاؤهما عن نصاب فلا زكاة فيهما. سئل أحمد، عن رجل عنده ثمانية دنانير ومائة درهم؟ فقال: إنما قال من قال فيها الزكاة، إذا كان عنده عشرة دنانير ومائة درهم. وهذا قول مالك، وأبي يوسف، ومحمد، والأوزاعي؛ لأن كل واحد منهما لا تعتبر قيمته في وجوب الزكاة إذا كان منفرداً، فلا تعتبر إذا كان عنده عشرة دنانير مضمونة كالحبوب والثمار وأنواع الأجناس كلها. وقال أبو الخطاب: ظاهر كلام أحمد، في رواية المروذي، أنها تضم بالأحوط من الأجزاء والقيمة. ومعناه أنه يقوم الغالي منهما بقيمة الرخيص، فإذا بلغت قيمتهما بالرخص منهما نصاباً وجبت الزكاة فيهما؛ فلو ملك مائة درهم وتسعة دنانير قيمتها مائة درهم، أو عشرة دنانير وتسعين درهماً قيمتها عشرة دنانير، وجبت الزكاة فيهما.

وهذا قول أبي حنيفة في تقويم الدنانير بالفضة؛ لأن كل نصاب وجب فيه ضم الذهب إلى الفضة، ضم بالقيمة، كنصاب القطع في السرقة، ولأن أصل الضم لتحصيل حظ الفقراء، فكذلك صفة الضم. والأول أصح؛ لأن الأثمان تجب الزكاة في أعيانها، فلا تعتبر قيمتها، كما لو انفردت. ويخالف نصاب القطع، فإن نصاب القطع فيه الورق خاصة في إحدى الروايتين، وفي الأخرى أنه لا يجب في الذهب حتى يبلغ ربع دينار. والله أعلم (المغنى لابن قدامة، ج ۳، ص ۳۶ و ۳۷، مسألة نصاب الفضة)

سونے کا چوتھائی نصاب (مثلاً 1.875 تولہ سونا) ہے، جس کی مالیت چاندی کے آدھے نصاب (یعنی 26.25 تولہ چاندی) کے برابر بنتی ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر زکاة واجب ہوگی، جبکہ مذکورہ دیگر فقہائے کرام (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ) کے نزدیک اس پر زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کسی کے پاس تجارت کا مال نصاب کی مالیت سے کم مقدار میں ہے، اور اس کے پاس کچھ مقدار میں سونا یا چاندی بھی ہے، جو کہ نصاب کی مقدار سے کم ہے، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی مجموعی مالیت اگر سونے یا چاندی کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے، تو زکاة واجب ہوگی، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ اجزاء کے اعتبار سے نصاب کو نہ پہنچیں۔

مثلاً کسی کے پاس تجارت کی گندم ہے، جس کی قیمت چاندی کے نصاب کی نصف مالیت (یعنی 26.25 تولہ چاندی) کے برابر ہے، اور اس کے پاس چوتھائی نصاب کے برابر (یعنی 1.875 تولہ) سونا ہے، جس کی قیمت چاندی کے نصاب کی نصف مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر زکاة واجب ہوگی، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۲۔

۱۔ وذهب أبو حنيفة إلى أنه يضم أحدهما إلى الآخر بالتقويم في أحدهما بالآخر بما هو أحظ للفقراء، أي يضم الأكثر إلى الأقل، فلو كان عنده نصف نصاب فضة، ورُب نصاب ذهب تساوى قيمته نصف نصاب فضة فعليه الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۸، مادة "زكاة")

۲۔ وكذلك إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة فإنه يضمها إلى العروض ويقوم جملة لكن على قول أبي حنيفة يضمها باعتبار القيمة إن شاء قوم العروض وضمها إلى الدراهم أو الدنانير وإن شاء قوم الذهب والفضة وضم قيمتهما إلى قيمة أعيان التجارة وعندهما يضم باعتبار الأجزاء فيقوم العروض ويضم قيمتها إلى ما عنده من الدراهم والدنانير فإن بلغت الجملة نصاباً تجب الزكاة وإلا فلا ولا يقوم الدراهم والدنانير عندهما أصلاً في باب الزكاة (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۲۷۳، كتاب الزكاة، باب زكاة أموال التجارة)

(وتضم قيمتها) أي العروض التي للتجارة (إليهما) أي الذهب والفضة (ليجم النصاب) فيزكى عن

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بہت سے اہل علم حضرات کے نزدیک موجودہ کرنسی و نقدی کو سونے، چاندی کا، جبکہ بعض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قفیز حنطة للتجارة وخمسة مثاقيل من ذهب قيمة كل مائتي درهم عند الإمام؛ لأن الوجوب في الكل باعتبار التجارة وإن افرقت جهة الإعداد وعندهما لا شيء فيه (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۰۷، کتاب الزکاة، باب زکاة الذهب والفضة والعروض)

(وقیمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنین) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنیة (قيمة) وقالا بالإجزاء، فلو له مائة درهم وعشرة دنائیر قيمتها مائة وأربعون تجب ستة عنده وخمسة عندهما (الدر المختار)

(قوله: قيمة العرض الخ) تقدم قریبا تقویم العرض إذا بلغ نصابا، وما هنا فی بیان ما إذا لم يبلغ. وعنده من الثمنین ما يتم به النصاب.

وفی النهر قال الزاهدی: وله أن يقوم أحد النقدین ويضمه إلى قيمة العروض عند الإمام. وقالا: لا يقوم النقدین بل العروض ويضمها. وفائدته تظهر فیمن له حنطة للتجارة قيمتها مائة درهم وله خمسة دنائیر قيمتها مائة تجب الزکاة عنده خلافا لها (قوله وضعا) راجع للثمنین، وقوله وجعلا راجع للعرض. والمعنی أن الله تعالى خلق الثمنین ووضعهما للتجارة والعبد يجعل العرض للتجارة. اهـ. ح. أى؛ لأنه لا يكون للتجارة إلا إذا نوى به العبد التجارة بخلاف النقود (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۰۳، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

وکذا يضم بعض أموال التجارة إلى البعض فی تکمیل النصاب لما قلنا.

وإذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب والفضة وهو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب والفضة فلا بد من التقویم حتى يعرف مقدار النصاب ثم بماذا تقوم؟ ذکر القدوری فی شرحه مختصر الکرخی أنه يقوم بأوفی القيمتین من الدراهم والدنائیر حتى إنها إذا بلغت بالتقویم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالدنائیر قومت بما تبلغ به النصاب.

وکذا روى عن أبی حنیفة فی الأمالی أنه يقومها بأنفع النقدین للفقراء.

وعن أبی یوسف أنه يقومها بما اشتراها به فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم وإن اشتراها بالدنائیر قومها بالدنائیر وإن اشتراها بغيرهما من العروض أو لم یکن اشتراها بأن كان وهب له فقبله ینوی به التجارة قومها بالنقد الغالب فی ذلك الموضع.

وعند محمد يقومها بالنقد الغالب على کل حال وذكر فی کتاب الزکاة أنه يقومها يوم حال الحول إن شاء بالدراهم وإن شاء بالدنائیر.

وجه قول محمد أن التقویم فی حق الله تعالى يعتبر بالتقویم فی حق العباد ثم إذا وقعت الحاجة إلى تقویم شيء من حقوق العباد كالمغصوب والمستهلك يقوم بالنقد الغالب فی البلدة کذا هذا.

وجه قول أبی یوسف أن المشتري بدل وحکم البدل يعتبر بأصله فإذا كان مشتري بأحد النقدین فتقویمه بما هو أصله أولى.

وجه رواية کتاب الزکاة أن وجوب الزکاة فی عروض التجارة باعتبار ماليتها دون أعيانها، والتقویم

﴿بقیة حاشیاء گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے نزدیک سامان تجارت کا حکم حاصل ہے، جیسا کہ پہلے سکہ وغیرہ کے بیان میں گزرا۔ ۱۔ مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی کی ملکیت میں صرف سونا ہے یا صرف چاندی ہے تو اس کا نصاب سونے یا چاندی ہی کے اعتبار سے ہوگا، اور اگر کسی کی ملکیت میں صرف تجارت کا مال یا صرف کرنسی ہے، تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر ہونا زکاة کا نصاب کہلائے گا۔ اور اگر کسی کی ملکیت میں مذکورہ چاروں یا ان میں سے ایک سے زیادہ چیزوں کی مجموعی مالیت سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر ہو جائے، تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاة کا نصاب مکمل سمجھا جائے گا (جبکہ صاحبین وغیرہ کے نزدیک مالیت کے بجائے ہر ایک چیز کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، جیسا کہ گزرا)

مذکورہ تفصیل کے بعد اب یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ نصاب کی مقدار کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زکاة مندرجہ ذیل پانچ قسم کے افراد پر واجب ہے:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لمعرفة مقدار المالية والنقدان في ذلك سياتي فكان الخيار إلى صاحب المال يقومه بأيهما شاء . ألا ترى أن في السوائيم عند الكثرة وهي ما إذا بلغت مائتين الخيار إلى صاحب المال إن شاء أدى أربع حقائق وإن شاء خمس بنات لبون؟ فكذا هذا . وجه قول أبي حنيفة أن الدراهم والدنانير وإن كانا في الثمنية والتقويم بهما سواء ، لكننا رجحنا أحدهما بمرجح وهو النظر للفقراء ، والأخذ بالاحتياط أولى ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب وبالأخر لا فإنه يقوم بما يتم به النصاب نظرا للفقراء واحتياطاً؟ كذا هذا . ومشايخنا حملوا رواية كتاب الزكاة على ما إذا كان لا يتفاوت النفع في حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان جمعا بين الروایتين .

و کیفما کان ینبغی أن یقوم بأدنی ما ینطلق علیہ اسم الدراهم أو الدنانیر وهی التي یكون الغالب فیها الذهب والفضة، وعلى هذا إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة فإنه يضمها إلى العروض ويقومه جملة؛ لأن معنى التجارة يشمل الكل لكن عند أبي حنيفة يضم باعتبار القيمة إن شاء قوم العروض وضمها إلى الذهب والفضة، وإن شاء قوم الذهب والفضة وضم قيمتهما إلى قيمة أعيان التجارة. وعندهما يضم باعتبار الأجزاء فتقوم العروض فیضم قيمتها إلى ما عنده من الذهب والفضة فإن بلغت الجملة نصاباً تجب الزكاة وإلا فلا .

ولا يقوم الذهب والفضة عندهما أصلاً في باب الزكاة على ما مر (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۲۱، کتاب الزكاة، فصل صفة الواجب في أموال التجارة)

۱۔ وفي هذا المعنى العملة التقليدية المتداولة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۸، مادة "زكاة")

(۱)..... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو۔ ۱

(۲)..... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو۔ ۲

(۳)..... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ صرف تجارت کا مال ہو۔ ۳

(۴)..... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ صرف کرنسی ہو۔ ۴

۱۔ فنبدأ بركة الذهب والفضة فنقول: لا يخلو إما أن يكون الإنسان له فضة مفردة، أو ذهب مفرد، أو من الصنفين جميعا. فإن كانت له فضة مفردة، إن كان نصابا، وهو مائتا درهم، وزنا، وزن سبعة، يجب عليه خمسة دراهم، ربع عشرها، اجتمع شرائط الوجوب. وإن كان ما دون ذلك لا يجب (تحفة الفقهاء، كتاب الزكاة، لعلاء الدين السمرقندی)

۲۔ ملحوظ رہے کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سونے اور چاندی کا نصاب مستقل ہے، اور ان میں سے کوئی نصاب دوسرے کے تابع نہیں، کیونکہ سونے اور چاندی کی زکاة کے دونوں نصاب اپنی اپنی جگہ نقل سے ثابت ہیں، لہذا جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ان دونوں نصابوں کی مالیت کے متفاوت ہونے سے اس مسئلے پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اور دونوں کی مستقل حیثیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے، جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

۳۔ (فصل): وأما أموال التجارة فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدراهم والدنانير فلا شيء فيها ما لم تبلغ قيمتها مائتي درهم أو عشرين مثقالا من ذهب فتجب فيها الزكاة، وهذا قول عامة العلماء (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل اموال التجارة)

ثم في تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم والدنانير إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصابا فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ نصابا هكذا في البحر الرائق (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۷۹، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثاني في العروض)

ومحل التخيير إذا استويا فقط. أما إذا اختلفا قوم بالأنفع اهـ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۹۹، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

۴۔ اور اکثر اہل علم حضرات اسی کے قائل ہیں، جبکہ بعض سونے کے ساتھ نصاب کی مالیت کو معیار بنانے کے قائل ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

و يجب أيضا اعتبار النصاب الحالي كما كان هو المقرر في أصل الشرع، دون النظر إلى تفاوت

﴿بقية حاشيا لگے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)..... جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی چاروں چیزیں یا ان چار میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ مالیت ہو جائے۔^۱

اور جب زکاة کا نصاب مکمل ہو جائے یا نصاب سے بھی زیادہ مال ہو جائے، تو سارے مال کی زکاة دی جاتی ہے، یہ نہیں کہ نصاب کے برابر الگ کر کے پھر جو مال باقی بچے، اس کی زکاة دی جائے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۶..... عام طور پر لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہو تو کسی حال میں زکاة واجب نہیں، حالانکہ وزن کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی ملکیت میں صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تجارت کا سامان ذرا سا بھی نہ ہو، اور نقدی بالکل بھی نہ ہو۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

السعر القائم الآن بين الذهب والفضة. وتقدر الأوراق النقدية في الأرجح دليلاً بسعر الذهب، لأنه هو الأصل في التعامل، ولأن غطاء النقود هو بالذهب، ولأن المثقال كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم وعند أهل مكة هو أساس العملة، وهو أساس تقدير الديات. ويسأل الصراف عن سعر الذهب بالعملة المحلية الرائجة في كل بلد، مثلاً يعادل الجنية المصرية ذهباً في وقت من الأوقات (2.5587) غم، ويساوي غرام الذهب في سوريا الآن حوالي ۵۰۰ ليرة سورية.

أما غرام الفضة فيساوي الآن حوالي عشر ليرات سورية. ويرى كثير من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتياطاً لمصلحة الفقراء، ولأن ذلك أنفع لهم. وأرى الأخذ بهذا الرأي، لأنه يفتى بما هو أنفع للفقراء (الفقه الاسلامي وادلتة للنزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۱، ۱۸۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۲ مگر امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک سونے اور چاندی کو ضم کر کے نصاب پورا نہیں کیا جاتا۔

نیز صاحبین کے نزدیک ضم نصاب قیمت و مالیت کے بجائے اجزاء کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، لہذا صاحبین کے نزدیک سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی کے اجزاء کے اعتبار سے اور مالی تجارت و کرنسی کو بھی چاندی کے اجزاء کے اعتبار سے جمع کر کے مجموعہ کو دیکھا جائے گا کہ اجزاء کے اعتبار سے نصاب مکمل ہو رہا ہے یا نہیں؟

و كذلك إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة، فإنه يضمها إلى العروض ويقوم جملة (تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ۱ ص ۲۷۳، كتاب الزكاة، باب زكاة اموال التجارة)

اور اگر کسی مرد یا عورت کی ملکیت میں دو یا زیادہ طرح کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کا علیحدہ نصاب پورا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سب کی مالیت (ویلیو) ملا کر دیکھی جائے گی، اگر سب کی مالیت ملا کر سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے تو زکاۃ واجب ہے، جیسا کہ خواتین کے پاس ساڑھے سات تولے سے کم سونا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ نقدی بھی عموماً واکثر ہوتی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۷..... ساڑھے سات تولے سونے اور اسی طرح ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت صرافوں سے معلوم کی جاسکتی ہے، چونکہ سونے اور چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، اس لئے کسی ایک دن کی قیمت لکھ دینے سے غلط فہمی ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۸..... جب تک مال، زکاۃ کے نصاب سے کم ہو، اس وقت تک زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اور جب نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، تو زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

پھر جمہور اور اکثر فقہائے کرام اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک نصاب سے جتنی مقدار بھی زیادہ ہو، اس کے حساب سے زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، مثلاً اگر نصاب سے چالیس روپے کی مقدار زیادہ ہے، تو اس چالیس روپے میں سے ایک روپیہ زکاۃ میں واجب ہوا کرتا ہے، اور آج کل اسی کے مطابق لوگوں کا عمل بھی ہے۔ ۲۔

۱۔ ونصاب العروض بالقيمة، ويقوم بذهب أو فضة، فلا زكاة في ما يملكه الإنسان من العروض إن كانت قيمتها أقل من نصاب الزكاة في الذهب أو الفضة، ما لم يكن عنده من الذهب أو الفضة نصاب أو تكملة نصاب.

وتتضمن العروض بعضها إلى بعض في تكميل النصاب وإن اختلفت أجناسها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۲، مادة "زكاة")

۲۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک چاندی کے نصاب پر کم از کم چالیس درہم اور سونے کے نصاب پر کم از کم چار درہم یعنی نصاب کا کم از کم پانچویں حصہ کا اضافہ نہ ہو جائے، اس وقت تک اس اضافی مقدار کی زکاۃ واجب نہیں ہوا کرتی، اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

ما نقص عن النصاب وما زاد عليه: تجب الزكاة كما عرفنا بالإجماع في الذهب إذا كان عشرين
﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹..... زکاة میں مقدار کے اعتبار سے اڑھائی فیصد، یا چالیسواں حصہ بطور زکاة واجب ہوا کرتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۰..... عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جس وقت انسان برسر روزگار اور کمائی کر رہا ہو، اس پر اسی وقت زکاة واجب ہوا کرتی ہے، اور اسی وجہ سے جب کوئی شخص کمائی کرنے سے معذور ہو جائے یا کسی وقت میں وہ برسر روزگار نہ ہو تو اس کو صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکاة سے بری الذمہ سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ شرعاً زکاة واجب ہونے کے لئے کسی شخص کا برسر روزگار ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہے تو اس پر بہر حال زکاة واجب ہے اگرچہ وہ برسر روزگار نہ ہو۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... بہت سے لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب تک انسان غیر شادی شدہ ہو تو اس پر زکاة واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ بالغ اور صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مثقالاً (دیناراً) قیمتھا متنا درہم. أما ما دون العشرین مثقالاً، فلا زکاة فیہ إلا أن یتیم بورق (فضة) أو عروض تجارة.

وأجمع العلماء علی أنه إذا کان أقل من عشرین مثقالاً، ولا یبلغ متنی درہم، فلا زکاة فیہ لعدم بلوغ النصاب، وقال عامة الفقهاء: نصاب الذهب عشرون مثقالاً من غیر اعتبار قیمتھا ولا تقدیرھا بالفضة، قال صلی اللہ علیہ وسلم: لیس فی أقل من عشرین مثقالاً من الذهب، ولا فی أقل من متنی درہم صدقة.

أما الزیادة علی النصاب: فلا شیء فیھا عند أبی حنیفة حتی تبلغ أربعین درہماً، فیکون فیھا درہم، ثم فی کل أربعین درہماً درہم، ولا شیء فیما بینھما.

کذلک لا زکاة فی زیادة الدنانیر حتی تبلغ أربعة دنانیر. وهذا هو الصحیح عند الحنفیة، لقول علیہ السلام: من کل أربعین درہماً درہم.

وقال الصحابان وجمهور الفقهاء: ما زاد علی المتین فزکاتہ بحسابہ، وإن قلت الزیادة، لقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ہاتوا ربع العشر من کل أربعین درہماً درہماً، ولس علیکم شیء حتی یتیم متین، فإذا كانت متنی درہم ففیھا خمسة درہم، فما زاد فبحساب ذلک وهذا هو المعقول (الفقه الاسلامی وادلئہ للزحیلہ، ج ۳ ص ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۱۔ تؤخذ الزکاة مما وجبت فیہ من الذهب والفضة بنسبة ربع العشر. وهكذا بالإجماع (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۲۶۵، مادة "زکاة")

حالانکہ زکاۃ واجب ہونے کے لئے مرد یا عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں، کنوارے بالغ لڑکے، بالغ لڑکی اور بیوہ عورت وغیرہ پر بھی زکاۃ واجب ہے جب کہ یہ نصاب کے مالک ہوں۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر میں خواہ کتنے ہی افراد الگ الگ صاحبِ نصاب اور مالدار ہوں، مگر زکاۃ ہر حال میں ایک ہی فرد یا گھر کے سرپرست کے ذمہ واجب ہوا کرتی ہے، اور اس کے زکاۃ ادا کرنے سے دوسرے افراد کی طرف سے زکاۃ کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، یا دوسرے صاحبِ نصاب اہل خانہ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ گھر کے جتنے افراد (والدین، بالغ اولاد، میاں بیوی وغیرہ) علیحدہ علیحدہ نصاب کے مالک ہوں تو ان پر الگ الگ اپنی زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، یعنی ہر عاقل بالغ شخص کی زکاۃ کا نصاب اس کے مال میں الگ الگ ہوا کرتا ہے۔

لہذا یہ سمجھ لینا کہ زکاۃ صرف گھر کے ایک فرد یا سربراہ پر ہی لازم ہوا کرتی ہے، یہ درست نہیں، بلکہ سنگین غلط فہمی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

(فصل نمبر ۹)

مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونا

(حاجت و ضرورت میں مشغول اور اضافی و زائد مال پر زکاة کے احکام)

فقہائے کرام نے احادیث کے پیش نظر زکاة واجب ہونے کے لئے مال کے حاجتِ اصلیہ سے فارغ یا زائد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَغُلَامِهِ صَدَقَةٌ (بخاری) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر اس کے گھوڑے (اور سواری) اور اس کے غلام پر صدقہ (زکاة واجب) نہیں (بخاری، مسلم، مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ زَكَاةٌ، إِلَّا زَكَاةُ الْفَطْرِ فِي الرَّقِيقِ (سنن ابی داود) ۲

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے (اور سواری) پر اور غلام پر زکاة واجب نہیں، مگر غلام کا صدقہ فطر ہے (ابوداؤد)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

۱۔ رقم الحديث ۱۴۶۳، كتاب الزكاة، باب: ليس على المسلم في فرسه صدقة، مسلم، رقم الحديث ۹۸۲ "۸" مسند أحمد، رقم الحديث ۷۹۵ (۷۹۵)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

۲۔ رقم الحديث ۱۵۹۴، كتاب الزكاة، باب صدقة الرقيق.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية ابی داؤد)

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَجَوَّزْتُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ (سنن ابن ماجه) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے گھوڑے (اور سواری) اور غلام کے صدقہ (وزکاة) کو درگزر کر دیا ہے (ابن ماجہ)

احادیث میں مذکورہ یہ چیزیں چونکہ انسان کی حاجت و ضرورت کی ہوتی ہیں، اس لئے ان چیزوں پر زکاة واجب نہ ہونے کا حکم لگایا گیا۔

اور ان جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ زکاة فرض ہونے کے لئے مال کا ضرورت و حاجت سے فارغ و زائد ہونا بھی ضروری ہے، اور ضرورت و حاجت سے مراد انسان کی بنیادی ضرورت و حاجت ہے۔

لہذا جو مال انسان کی بنیادی ضرورت و حاجت میں مشغول ہو، اس پر زکاة فرض نہیں ہوتی۔ ۲

۱۔ رقم الحديث ۱۸۱۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الخيل والرقيق.

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية ابن ماجه)

۲۔ الشرط الرابع: الزيادة على الحاجات الأصلية:

وهذا الشرط يذكره الحنفية . وبناء عليه قالوا : لا زكاة في كتب العلم المكتتة لأهلها وغير أهلها ولو كانت تساوى نصابا، وكذا دار السكنى وأثاث المنزل ودواب الركوب ونحو ذلك . قالوا : لأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم، وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كنيابه، أو تقديرا كدينه.

وقد جعل ابن ملك من هذا النوع أن يكون لديه نصاب دراهم أمسكها بنية صرفها إلى الحاجة الأصلية فلا زكاة فيها إذا حال عليها الحول عنده، لكن اعترضه ابن نجيم في البحر الرائق، بأن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، ونقله عن المعراج والبدائع .

ولم يذكر أى من أصحاب المذاهب هذا الشرط مستقلا، ولعله، لأن الزكاة أوجبها الشرع في أجناس معينة من المال إذا حال الحول على نصاب كامل منها، فإذا وجد ذلك وجبت الزكاة، واستغناء بشرط النماء والنتيجة واحدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۲، مادة "زكاة") ومنها كون المال فاضلا عن الحاجة الأصلية؛ لأن به يتحقق الغنى ومعنى النعمة وهو التمتع وبه يحصل الأداء عن طيب النفس إذ المال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون صاحبه غنيا عنه ولا يكون نعمة إذ التمتع لا يحصل بالقدر المحتاج إليه حاجة أصلية؛ لأنه من ضرورات حاجة البقاء وقوام البدن فكان شكره شكر نعمة البدن . ولا يحصل الأداء عن طيب نفس فلا يقع الأداء بالجهة المأمور بها (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۱، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

اور قرض و دین کی ادائیگی کو بھی بعض حضرات نے انسان کی حاجت اور ضرورت میں داخل کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے قرض و دین کی شرط کو حاجت و ضرورت کی اس شرط سے الگ کر کے بیان کیا ہے، اور کئی احکام ایک دوسرے سے مختلف بیان کئے ہیں، اس لئے قرض و دین کا ذکر آگے الگ بیان میں آتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱..... حاجت میں وہ چیزیں داخل ہیں، جو اپنی یا اپنے اہل و عیال کی بنیادی ضرورت و حاجت میں مشغول ہوں، مثلاً اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے اور لباس اور رہائش وغیرہ کی ضروریات اور سواری وغیرہ۔ ۲

۱۔ اور بعض حضرات نے قرض پر زکاة واجب نہ ہونے کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ جتنی مقدار کسی شخص پر قرض و دین ہو، اس کا وہ انسان مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مالک دوسرا شخص ہوتا ہے، یعنی جس کا یہ قرض ہے، اور زکاة واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مال اپنی ملکیت ہو۔

ثم لا يخفى ان الدين داخل تحت الحاجة الاصلية الا انه لما كان فيه تفصيل خصه بالذكر فهستاني (طحطاوى على الدرر ج ۱ ص ۳۹۱، كتاب الزكاة)

قد عللوا سقوط الزكاة بالدين بأن المدينون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة تأمل (رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۱، كتاب الزكاة)

وأما خلوه عن الدين فلأن المشغول بالدين مشغول بالحاجة الأصلية؛ لأن فراغ ذمته من الدين الحائل بينه وبين الجنة أهم الحوائج، فصار كالطعام والكسوة، ولأن الملك ناقص لأن للغريم أخذه منه بغير قضاء ولا رضا (الاختيار لتعليق المختار ج ۱ ص ۱۰۰، كتاب الزكاة)

لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية، لأن فيه تفرغ ذمته ورفع الحائل بينه وبين الجنة (تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۵، كتاب الاقرار، باب اقرار المريض)

(وفارغ) عن الدين لأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم (النهر الفائق ج ۱ ص ۴۱۴، كتاب الزكاة)

۲۔ (و) فارغ عن (حاجته الأصلية) أى عما يدفع عنه الهلاك تحقيقاً أو تقديراً كطعامه وطعام أهله وكسوتهم والمساكن والخدام والمركب وآلة الحرف لأهلها وكتب العلم لأهلها وغير ذلك مما لا بد منه في معاشه (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۳، كتاب الزكاة)

خصال الحاجة الأصلية ثلاث:

أ - نفقة عياله ومن تلزمه نفقتهم مدة ذهابه وإيابه عند الجمهور (خلافاً للملكية كما نوضح في الخصلة التالية)، لأن النفقة حق للآدميين، وحق العبد مقدم على حق الشرع. لما روى عبد الله بن (بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر ۳..... رہائشی مکان، ذاتی اور گھریلو ضرورت کا سامان، استعمالی کپڑے، جوتے، گھڑی وغیرہ، ضرورت کی سواری، صنعتی آلات و مشینیں (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان کی آری اور دوسری اشیاء وغیرہ) اور دوسرے وسائل رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کما رہا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) انسان کی اصلی، ضروری اور بنیادی حاجت میں داخل ہیں، اور ان پر زکاة واجب نہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال : کفی بالمرء إثماً أن یضیع من یقوت ب - ما یحتاج إلیه هو وأهله من مسکن، ومما لا بد لمثله كالخادم وأثاث البيت وثیابه بقدر الاعتدال المناسب له فی ذلك كله، عند الجمهور خلافاً للمالکیة أيضاً.
وقال المالکیة فی هاتین الخصلتین:

یبيع فی زاده داره النی تباع علی المفلس وغیرها مما یباع علی المفلس من ماشیة وثیاب ولو لجمعتہ إن کثرت قیمتها، وخادمه، وکتاب العلم ولو محتاجاً إلیها.
وإن کان یتربک ولده وزوجته لا مال لهم، فلا یراعی ما یؤول إلیه أمره وأمر أهله وأولاده فی المستقبل، وإن کان یصیر فقیراً لا یملک شیئاً، أو یتربک أولاده ونحوهم للصدقة، إن لم یخش هاکذا فیما ذکر أو شدید أذى"
وهذا لأن الحج عندهم واجب علی الفور کما قدمنا.

ج - قضاء الدین الذی علیہ، لأن الدین من حقوق العباد، وهو من حوائجہ الأصلیة، فهو أكد، وسواء کان الدین لآدمی أو لحق اللہ تعالیٰ زکاة فی ذمته أو کفارات ونحوها (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۷ ص ۳۱، مادة "حج")

۱۔ یرى الفقهاء أنه لا زکاة فی آلات العمل للمحترفين، لأنها من الحاجات الأصلیة النی لا تجب فیها الزکاة. یقول ابن عابدين : سبب وجوب الزکاة ملک نصاب فارغ عن دین وعن حاجته الأصلیة، لأن المشغول بها کالمعدوم، والحاجة الأصلیة هی ما یدفع الهلاک عن الإنسان تحقیقاً کالنفقة، ودور السکنی، وآلات الحرب، وآلات الحرفة، وکتاب العلم لأهلها. . هذا إذا كانت آلات الحرف لم تفتن بنية التجارة وإلا ففيها الزکاة کباقي عروض التجارة (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۷ ص ۱۷۸، مادة "حرفة")

لا زکاة فی آلات العمل للمحترفين، سواء کان مما لا تستهلك عینہ کالمنشار والقدم، أو مما تستهلك، إلا أن الآلات النی تشتري فتستعمل فیما یباع، کقواریر العطارین، إن کان من غرض المشتري بیعها بها ففيها الزکاة عند الحول (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۱ ص ۱۰۹، مادة "آلة")
(و) فارغ (عن حاجته الأصلیة) کدور السکنی وثیاب البذلة وأثاث المنازل وآلات المحترفين وکتاب الفقہ لأهلها، لأن المشغول بالحاجة الأصلیة کالمعدوم (شرح العینی علی الكنز ج ۱ ص ۱۶ و ۱۷، کتاب الزکاة)

مسئلہ نمبر ۳۸..... جو چیز نہ تو سونے چاندی کی ہو اور نہ وہ کرنسی (روپیہ پیسہ) ہو اور نہ ہی وہ تجارت کا مال ہو، تو خواہ وہ بنیادی ضروریات میں بھی استعمال نہ ہو رہی ہو، تب بھی اس پر زکاة واجب نہیں (لعدم النمو) ۱۔

۱۔ البتہ زکاة کا مصرف و مستحق ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے ضرورت سے زائد چیز کی مالیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جو چیزیں انسان کی بنیادی حاجات (مثلاً رہنے کا گھر، استعمالی کپڑے، گھر یلو سامان وغیرہ) میں شامل ہوں، وہ تو مال نامی میں ویسے ہی داخل نہیں، لعدم اعداد للتجارة، تو پھر ان کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ اس کا اہل علم حضرات نے ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ اس قید کا فائدہ زکاة کے مصرف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، کہ اگر فارغ عن الحاجات الاصلیہ ہو اور نامی بھی نہ ہو، تو نصاب بننے کی صورت میں وہ شخص زکاة کا مستحق نہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا ذکر بطور تمثیل کے صرف یہ بات بتلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ یہ اشیاء حاجات اصلیہ میں داخل ہیں، نہ یہ کہ اگر حاجات اصلیہ میں مشغول نہ ہوں، تو اعداد للتجارة کے بغیر بھی ان میں زکاة واجب ہے۔ جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر اعداد للتجارة بھی ہوں، لیکن حاجات اصلیہ میں مشغول و استعمال ہوں، مثلاً کوئی شخص ان کا محتاج ہو اور وہ ان کو بالفعل حاجات اصلیہ میں استعمال کر رہا ہو، تو وہ اس عمل کی وجہ سے نامی سے خارج ہو جاتی ہیں، اور ابن ملک کے قول کے مطابق اس قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر درہم و دینار کو ماہانہ یا سالانہ بنیادی ضرورت کے لئے رکھا ہو، تو وہ بھی زکاة سے مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وما فی النہایہ من أن التقیید بالأہل فی الکتب لیس بمفید لما أنه إن لم یکن من أہلہا ولیست ہی للتجارة لا تجب فیہا الزکاة وإن کثرت لعدم النماء، وإنما یفید ذکر الأہل فی حق مصرف الزکاة فإذا کانت له کتب تساوی مائتی درہم، وهو محتاج إلیہا للتدریس وغیرہ یجوز صرف الزکاة إلیہ، وأما إذا کان لا یحتاج إلیہا، وہی تساوی مائتی درہم لا یجوز صرف الزکاة إلیہ اھ۔

فغیر مفید؛ لأن کلامہم فی بیان ما هو من الحوائج الأصلیہ، ولا شک أن الکتب لغیر الأہل لیست منہا، وهو تقييد مفید کما لا یخفی، وشرط أن یکون النصاب نامیا (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۲، کتاب الزکاة)

لا بد مع الحول من شیء آخر وهو الثمنیہ کما فی الثمنین ای الذهب والفضة او السوم کما فی الانعام، او نية التجارة فی غیر ما ذکرنا حتی لو کان له عبد للخدمة او دار لاللسکنی ولم ینو التجارة لا تجب فیہما الزکاة وان حال علیہما الحول، ولا بد ان یکون فاضلا عن حاجتہ الاصلیہ کلا طعمہ والقیاب واثاث المنزل وداوب الركوب وعبید الخدمة ودور السکنی وسلاح یستعملہا وآلات المحترفة والکتب لاهلہا (شرح الوقایہ ج ۱ ص ۲۶۸، کتاب الزکاة)

قوله: وهو الثمنیہ الخ؛ حاصلہ أن الزکاة لا تجب فی مال وإن بلغ مقدار النصاب، وحال علیہ الحول أيضا إلا إذا وجد ثلاثة أشياء؛ أحدها: الثمنیہ؛ وهو أن یکون المال ثمنا خلقة بأن یکون مخلوقا لأن یجعل ثمنا وعوضا فی العقود والتجارات، وتشتري بها الأشياء، وهو الذهب والفضة فتلزم فیہما الزکاة کیفما أمسکهما، ولو للنفقة إذا حال علیہما الحول، وبلغ نصابا واحترز بقوله

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸۰۰..... اگر نصاب کے بقدر سونا، چاندی آئندہ ضرورت کے استعمال میں خرچ کرنے کے لیے رکھا ہوا ہے، تو حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق دیگر شرائط پائے جانے پر اس کی زکاة بھی واجب ہے، کیونکہ صرف آئندہ ضرورت میں خرچ کرنے کی نیت سے یہ سونا چاندی زکاة کے مال سے خارج نہیں ہوتے، البتہ اگر کسی پر قرض و دین ہو، تو وہ زکاة سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خلقة عن الفلوس، فإنها أثمان عرفا واصطلاحا، لا خلقة، وثانيهما: السوم؛ وهو في الدواب التي تجب فيها الزكاة كالغنم والبقر والإبل على ما سيأتي ذكره في موضعه، وهو عبارة لغة عن الرعي، يقال شاة سائمة: أي راعية، وفي اصطلاح الشرع: هي المكفية بالرعي في أكثر السنة، فتلزم الدواب الزكاة إذا كانت سائمة، وإن كان يعلفها في بيته ويصرف عليها من عنده فلا زكاة عليها، وإن مضت عليه السنة وبلغت نصابا، وثالثها: نية التجارة، وهو في غير الثمن الخلقى والدواب، فما عدا إذا كانت بنية التجارة تجب فيه الزكاة وإلا فلا.....

قوله: لا للخدمة؛ هذا القيد، وكذا قيد لا للسكنى إنما اعتبر ليظهر أن عدم وجوب الزكاة في مثل هذا العبد والدار إنما هو لعدم نية التجارة، فإنه إن كان للخدمة والسكنى فلعدم وجوبها فيهما، وجه آخر، وهو كونهما غير فاضلين عن الحاجة الأصلية.....

قوله: كالأطعمة؛ هذا وما بعده مثال للحاجة الأصلية، فهذه الحوائج الأصلية لا تجب فيها الزكاة وإن بلغت قيمتها نصابا، ولم يذكر مقدار الطعام المحتاج إليه وجنسه، وزمانه، وذكر شيخ الإسلام التفاتاً إلى أنهم قدروا في النفقة الخبز والإدام بالمعروف المناسب ليسار الزوج وعساره، وقد ذكر في (المحيط) إنه إذا اشترى طعاماً لقوته مقدار ما يكفي شهراً أو أكثر أو أقل، وهو يساوي مائتي درهم، إن كان قوت شهر أو أقل حل له أخذ الزكاة بلا خلاف؛ لأنه مشغول بحاجته الأصلية، وإن كان أكثر قال بعضهم: لا يحل، وقال بعضهم: يحل، فقد صح أن النبي - صلى الله عليه وسلم - ادخر لنفسه قوت سنة، ثم أورد على الشارح في تمثيله بالأطعمة أن الأطعمة إنما لم يحل عليها الحول فلا زكاة فيها؛ لفقدان الحول، وإن حال الحول فهي فارغة عن الحوائج الأصلية، فلا يصح التمثيل بها، وأجيب عنه بأنه يحتمل أن يشتري الطعام بنية التجارة ويكون محتاجاً إليها بنفسه وعياله، فيصرف على عياله إلى آخر السنة، ويبقى الطعام، فلا زكاة فيه، وهكذا حال دار اشتراها بنية التجارة وهو محتاج إليها للسكنى.....

قوله: يستعملها فيه؛ إنه قيد مستدرک؛ لأن الأسلحة إن لم تكن للتجارة فلا زكاة فيها لعدم النماء، وإلا ففيها الزكاة، ويجاب عنه بأن فيها القيد لإفادة أن من يحتاج إلى استعمالها كالغزاة والمحاربين وغيرهم لا زكاة في أسلحتهم؛ لعدم فراغها عن الحاجة الأصلية، وإن كان اشتراها بنية التجارة. قوله وآلات المحترفة أي المحتاج إليها في الحرفة مثل قدور الطباخين والصباغين وآلات التجارين.

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مستثنیٰ ہوتا ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التقید بأهلها غير معتبر المفهوم إلا أن يراد به إخراجها عن حاجته الأصلية، فالكتب لا زكاة فيها على الأهل وغيرهم من أي علم كانت لكونها غير نامية، وإنما الفرق بين الأهل وغيرهم في جواز أخذ الزكاة والمنع عنه فمن كان من أهلها إذا كان إذا كان محتاجاً إليها للتدريس والحفظ والتصحيح، فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة.

قوله لأهلها أي من يحتاج إليها لتعليم أو تدريس أو تعلم أو تصحيح وغير ذلك ويرد عليه بأنه مستدرک لانها لو لم تكن للتجارة لا تجب فيها الزكاة وان لم تكن عند أهلها وان كانت بنية التجارة تجب وان كانت عند أهلها وانما يفيد ذكر هذا التقيد في مصرف الزكاة فإنه إذا كانت له كتب تبلغ النصاب وهو محتاج إليها يجوز له أخذ الزكاة والا فلا كذا في النهاية، واجب عنه بان هذا التقيد قائم مقام قوله لا للتجارة كما أشار إليه في غاية البيان كقيد الرکوب في الدواب والخدمة في العبيد (عمدة الرعاية حاشية شرح الوفاية ج ۱ ص ۲۶۸ و ۲۶۹، کتاب الزکاة)

اس سے معلوم ہوا کہ جو مال تجارت کی غرض سے خرید کیا گیا ہو، لیکن وہ ساتھ ہی حاجاتِ اصلیہ میں مشغول ہو، اور اسی حال میں حوالانِ حول ہو جائے، تو اس پر زکاة فرض نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۔ البتہ ابنِ ملک نے حاجتِ اصلیہ کے لئے رکھے ہوئے دراہم و دنانیر کو زکاة سے مستثنیٰ کیا ہے، اور ابنِ ملک کے قول کی رُو سے ضرورت و حاجت کے لئے رکھا ہوا، سکہ اور روپیہ پیسہ بھی بدرجہ اولیٰ حاجت میں داخل ہے۔

الزيادة عن الحاجات الأصلية: اشترط الحنفية كون المال الواجب فيه الزكاة فارغاً عن الدين وعن الحاجة الأصلية لماله، لأن المشغول بها كالمعدوم، وفسر ابن ملك الحاجة الأصلية: بأنها ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالفقعة ودار السكنى وآلات الحرب والياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد، أو تقديراً كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضاء دينه بما في يده من النصاب، دفعاً عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك، وآلات الحرفة وأثاث المنزل، ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها، فإن الجهل عندهم كالهلاك، فإذا كانت له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج، صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق صرفه إلى العطش، كان كالمعدوم، وجاز عنده التيمم (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۰، ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

قوله "وعن حاجته الأصلية" كناية عن المحتاج إليها لدفع الحر والبرد و كالفقعة ودور السكنى وآلات الحرب والحرفة وأساس المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإذا كان عنده دراهم أعدها لهذه الأشياء وحال عليها الحال لا تجب فيها الزكاة وكتب العلم لغير أهلها ليست من الحوائج الأصلية وإن كانت الزكاة لا تجب على صاحبها بدون نية التجارة بحر بتصرف وقوله و كالفقعة لا زكاة فيها ولو حال عليها الحال قال فيه وهو مخالف لما في المعراج والبدائع أن الزكاة تجب في النقد كيف أمسكه للفقعة أو للنماء اهـ (حاشية الطحطاوى على المرقى، ص ۱۴، ۱۵، کتاب الزکاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی شخص کے پاس سال پورا ہونے کے وقت اتنی رقم موجود ہے کہ جس پر خود یا دوسرے مال کے ساتھ شامل کرنے سے زکاة واجب ہوتی ہے، لیکن وہ رقم مہینے بھر کی ضروریات کے لئے رکھی ہوئی ہے، تو اکثر اہل علم حضرات کے نزدیک وہ بھی حاجتِ اصلیه میں شمار کر کے زکاة سے منہا و مستثنیٰ نہیں ہوتی، بلکہ اس پر اس رقم کی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱۔ البتہ اگر اس شخص نے سال پورا ہونے سے پہلے اس رقم کو اپنی ضروریات میں استعمال کر لیا مثلاً گھر کا سودا سلف خرید لیا اور رقم زکاة کے نصاب کے برابر نہیں بچی یا ادھا ضروریات کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة أو تبرأ أو حليا يحل استعمالها أو لا أمسكها للنفقة أو لا نوى التجارة أو لم ينو (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۲۶۳، کتاب الزکاة) إلا أن الإعداد للتجارة في الأثمان المطلقة من الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة؛ لأنها لا تصلح للارتفاع بأعيانها في دفع الحوائج الأصلية فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية، إذ النية للتعيين وهي متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة إلى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيها، نوى التجارة أو لم ينو أصلاً أو نوى النفقة.

وأما فيما سوى الأثمان من العروض فإنما يكون الإعداد فيها للتجارة بالنية؛ لأنها كما تصلح للتجارة تصلح للارتفاع بأعيانها بل المقصود الأصلي منها ذلك فلا بد من التعيين للتجارة وذلك بالنية (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱، کتاب الزکاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال) وقال المالكية: الفقير من يملك شيئاً لا يكفيه لقوت عامه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۲، ۳۱۳، مادة "زكاة")

۱۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

فقہائے کرام کی بیان کردہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے، کہ حاجتِ اصلیه میں مشغول ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ مال خود حاجتِ اصلیه میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً رہائشی مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کا جانور، گاڑی، گھر بیلو استعمال کا سامان وغیرہ کہ یہ چیزیں حاجتِ اصلیه میں خود یعنی ان کی ذات استعمال ہوتی ہے، برخلاف درہم و دنانیر کے (روپیہ بھی انہی کے حکم میں ہے) کہ یہ خود یعنی ان کی ذات کسی حاجتِ اصلیه میں استعمال نہیں ہوتی کیونکہ نہ ان میں رہائش ہو سکتی ہے نہ انہیں پہنا جاسکتا ہے، نہ کھایا پیا جاسکتا ہے، نہ ان پر سواری ہو سکتی ہے البتہ ان کو خرچ کر کے ان کے عوض ایسی چیزیں ضرور خریدی جاسکتی ہیں، جو حاجتِ اصلیه میں استعمال ہوں، پس جب تک یہ چیزیں خرچ نہ ہوں حاجتِ اصلیه میں مشغول نہیں، لہذا ان پر زکاة فرض ہوگی (نوادیر الفقہ جلد اول صفحہ ۳۸۳ بعنوان "رہائشی مکان کے لئے جمع شدہ رقم پر زکاة یا حج کی فرضیت")

چیزیں خرید لیں اور اس کے ذمہ اتنی رقم لازم ہوگئی کہ اگر اس کو ادا کیا جائے تو رقم نصاب کے برابر نہیں بچتی تو اس پر زکاة واجب نہیں ہوگی (کذابی احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰۱، کتاب الزکاة)

البتہ جو حضرات موجودہ کرنسی کو پہلے زمانہ کے فلوس و سکوں یا تجارت کے مال کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک حاجتِ اصلیہ میں استعمال ہونے کے لئے رکھی ہوئی رقم زکاة سے مستثنیٰ ہوگی، اور اسی طرح حنفیہ میں سے ابنِ ملک کے قول کے مطابق مہینہ یا سال بھر کے نفقہ یا بنیادی ضرورت کے لئے رکھی ہوئی رقم زکاة سے مستثنیٰ ہوتی ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ۱

۱۔ قلت أرأيت الرجل يشتري الفلوس للنفقة والآنية من النحاس ليتجمل بها في بيته ويستعملها هل عليه في شيء من هذا زكاة قال لا (الاصول للشيباني، ج ۲، ص ۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

ذكر القدوري في كتابه: روى الحسن عن أبي حنيفة أن الزكاة تجب في الدراهم السبهرجة والزيوف، وما كان الغالب فيه الفضة إذا كانت مائتي درهم، لأن اسم الدرهم ينطلق على ما كانت الفضة فيه غالبية، فيتناولها النص الموجب باسم الدرهم، وإن كانت ستوقه ليست للتجارة لم تجب الزكاة فيها حتى يبلغ ما يكون فيها من الفضة مائتين، لأن الغالب فيها الفش فلا يتناولها اسم الدرهم، فينظر إلى ما فيها من الفضة، وهذا إذا لم تكن للتجارة، فإن كانت للتجارة، وقد بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة، لأنه إذا لم ينطلق عليها اسم الدرهم لم تكن بمنزلة الأثمان، فتكون بمنزلة العروض، وفي العروض تجب الزكاة إذا كانت للتجارة وقد بلغت قيمتها مائتين، كذا هنا.

وأما الفلوس، فلا زكاة فيها إذا لم تكن للتجارة، وإن كانت للتجارة، فإن بلغت قيمتها مائتين وجبت الزكاة لما ذكرنا (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۴۲، و ص ۲۴۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث)

لا بد مع الحول من شيء آخر، وهو الثمنية كما في الثمينين: أي الذهب والفضة، أو السوم كما في الأنعام، أو نية التجارة في غير ما ذكرنا (شرح الوقاية، صفحہ ۱۳۹، و صفحہ ۱۴۰، كتاب الزكاة)

قوله: وهو الثمنية الخ؛ حاصله أن الزكاة لا تجب في مال وإن بلغ مقدار النصاب، وحال عليه الحول أيضا إلا إذا وجد ثلاثة أشياء؛ أحدها: الثمنية؛ وهو أن يكون المال ثمنا خلقه بأن يكون مخلوقا لأن يجعل ثمنا وعرضا في العقود والتجارات، وتشتري بها الأشياء، وهو الذهب والفضة فتلزم فيهما الزكاة كيفما أمسكهما، ولو للنفقة إذا حال عليهما الحول، وبلغ نصابا واحترز بقوله خلقه عن الفلوس، فإنها أثمان عرفا واصطلاحا، لا خلقه، وثانيهما: السوم؛ وهو في الدواب التي تجب فيها الزكاة كالغنم (بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر ۶..... بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو سامان ضرورت سے زائد ہو، اس پر بھی زکاة واجب ہوا کرتی ہے۔

حالانکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ زکاة صرف سونے، چاندی، کرنسی اور تجارت کے مال میں واجب ہوتی ہے۔

اور جو سامان ان چار قسم کے مالوں کے علاوہ ہو، اس پر زکاة واجب نہیں ہوتی، البتہ زکاة کا مستحق ہونے کے اعتبار سے غیر ضروری سامان کی مالیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جس کا ذکر ہم نے آگے زکاة کے مصارف کے بیان میں کر دیا ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والبقر والإبل على ما سيأتى ذكره في موضعه، وهو عبارة لغة عن الرعى، يقال شاة سائمة: أى راعية، وفي اصطلاح الشرع: هى المكنتية بالرعى فى أكثر السنة، فتلزم الدواب الزكاة إذا كانت سائمة، وإن كان يعلفها فى بيته ويصرف عليها من عنده فلا زكاة عليها، وإن مضت عليه السنة وبلغت نصابا، وثالثها: نية التجارة، وهو فى غير الثمن الخلقى والدواب، فما عدا إذا كانت بنية التجارة تجب فيه الزكاة وإلا فلا (عمدة الرعاية، صفحہ ۱۳۹، وصفحہ ۱۴۰، کتاب الزکاة)

فیذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج، صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق صرفه إلى العطش كان كالمعدومة، وجاز عنده التيمم ونزع بعض الحنفية ابن مالك بناء على ما فى بعض الكتب: أن الزكاة تجب فى النقد ولو أعد للنفقة ولكن ما ذهب إليه ابن مالك هو الموافق لظاهر عبارات المتون فى المذهب ولذا اختاره بعض علماء المذهب وقال: إنه الحق كما ورد فى رد المحتار (۸/۲) وهو المختار عندى لقوته من جهة النظر، وموافقته للأدلة التى ذكرناها فى شرط "الفضل عن الحوائج الأصلية" فى الفصل الأول من هذا الباب (فقه الزكاة، للقرضاوى، ج ۱، ص ۲۴۳، شروط وجوب الزكاة فى النقود، الفضل عن الحاجة الأصلية)

(فصل نمبر ۱۰)

مال کا دین و قرض سے فارغ ہونا

(قرض پر زکاة واجب ہونے نہ ہونے کے احکام)

اگر کسی شخص پر دوسرے کا قرض و دین ہو، تو وہ قرض و دین بھی زکاة سے مستثنیٰ ہوتا ہے، قرض و دین کے زکاة سے مستثنیٰ ہونے سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۱..... جو مال دوسرے سے اس طور پر لیا ہو، کہ اس کو واپس دینا یا واپس کرنا ضروری ہو، اس کو قرض کہا جاتا ہے۔ ۲۔

۱۔ الشرط السابع: الفراغ من الدين:

وهذا الشرط معتبر من حيث الجملة عند جمهور الفقهاء ومنهم الشافعي في قديم قوليه، وعبر بعضهم بأن الدين مانع من وجوب الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۶، مادة "زكاة")

أخبرنا مالك أخبرنا الزهري عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضى الله عنه كان يقول : هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة . قال محمد : وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة وتلك مائتا درهم أو عشرون مثقالا ذهباً فصاعداً وإن كان الذى بقي أقل من ذلك بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة وهو قول أبى حنيفة رحمه الله (الموطأ للإمام محمد، رقم الحديث ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

۲۔ القرض : فى اللغة مصدر قرض الشيء يقرضه : إذا قطعه .

والقرض : اسم مصدر بمعنى الإقراض . يقال : قرضت الشيء بالمقرض ، والقرض : ما تعطيه الإنسان من مالك لتقضاه ، وكأنه شيء قد قطعه من مالك ، ويقال : إن فلانا وفلانا يتقارضان الشيء ، إذا أتى كل واحد منهما على صاحبه ، وكان معنى هذا أن كل واحد منهما أقرض صاحبه ثناءً ، كقرض المال .

وفى الاصطلاح : دفع مال إرفاقاً لمن ينتفع به ويرد بدله قالوا : ويسمى نفس المال المدفوع على الوجه المذكور قرضاً ، والدافع للمال مقرضاً ، والآخذ : مقترضاً ومستقرضاً ويسمى المال الذى يردّه المقترض إلى المقرض عوضاً عن القرض : بدل القرض ، وأخذ المال على جهة القرض : اقتراضاً .

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی دوسرے کی طرف سے کوئی مال کسی بھی طور پر اپنے ذمہ میں لازم ہوا ہو، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی چیز خریدی ہو، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہو، یا اس وجہ سے کہ کسی کے مکان، دوکان یا کسی اور چیز کو کرائے پر حاصل کرنے کے بعد اس کا کرایہ ادا کرنا ذمہ میں باقی ہو، یا اس وجہ سے کہ کسی سے کوئی محنت، مزدوری پر کام کرایا ہو، اور اس کی محنت، مزدوری کا ادا کرنا ذمہ میں باقی ہو، تو اس طرح کے تمام مالی واجبات دین کہلاتے ہیں۔ ۱۔

اور اس حیثیت سے قرض بھی دین ہی کی ایک صورت یا قسم ہے، اور اسی وجہ سے قرض کو دین بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۲..... انسان پر جو دین ہوتا ہے، اس کا مطالبہ بعض اوقات انسانوں کی طرف سے ہوتا ہے، جیسا کہ کسی انسان کا عام قرض یا کسی انسان سے خریدی ہوئی چیز کی ذمہ میں بقایا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والقرض بهذا المعنى عند الفقهاء هو القرض الحقيقي، وقد تفرد الشافعية فجعلوا له قسيما سموه: القرض الحكمي، ووضعوا له أحكاما تخصه، ومثلوا له بالإئناق على اللقيط المحتاج، وإطعام الجائع، وكسوة العاري، إذا لم يكونا فقراء بنية القرض، وبمن أمر غيره بإعطاء مال لغرض الأمر. كإعطاء شاعر أو ظالم، أو إطعام فقير أو فداء أسير، وكعب هذا وأنفق على نفسك بنية القرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۳، ص ۱۱۱، مادة "قرض")

۱۔ الدين في اللغة: يقال دان الرجل يدين ديناً من المدائنة. ويقال: داينت فلاناً إذا عاملته ديناً، إما أخذاً أو عطاءً. من أدنت: أقرضت وأعطيت ديناً.

ب - معنى الدين في اصطلاح الفقهاء: قيل في معناه أقوال متعددة أو ضحها ما قاله ابن نجيم: "الدين لزوم حق في الذمة".

فيشمل المال والحقوق غير المالية كصلاة فائنة وزكاة وصيام وغير ذلك، كما يشمل ما ثبت بسبب قرض أو بيع أو إجارة أو إتلاف أو جناية أو غير ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۰۲، مادة "دين")

۲۔ القرض عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله. ويطلق عليه أحياناً اسم "دين" فيقال: دان فلان يدين ديناً: استقرض. ودنت الرجل: أقرضته. والقرض أخص من الدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۰۳، مادة "دين")

الدين ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاك، وما صار في ذمته ديناً باستقراضه فهو أعم من القرض، كذا في الكفاية (رد المحتار، ج ۵ ص ۱۵۷، كتاب البيوع، باب الاقالة، مطلب في بيان براءة الاستيفاء وبراءة الاسقاط)

قیمت وغیرہ، ایسے ذمہ میں واجب شدہ شخص کو فقہی زبان میں مدیون و مقروض کہا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کا مطالبہ، اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، جیسا کہ صدقہ فطر، کوئی مالی نذر و منت وغیرہ جو ذمہ میں لازم ہو، اور اس کی ادائیگی کرنا باقی ہو۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۳۸..... جس دین کا مطالبہ انسانوں کی طرف سے ہو، خواہ وہ دین، اللہ کے لئے ہو، جیسا کہ زکاة، یا وہ دین انسانوں کے لئے ہو، جیسا کہ عام قرض، اور خواہ اس کی ادائیگی فی الحال کرنا ذمہ میں لازم ہو، جس کو دین محجل کہا جاتا ہے، یا اس کو بعد میں کسی مقرر و طے شدہ وقت میں ادا کرنا ضروری ہو، جس کو دین مؤجل کہا جاتا ہے، جس میں بیوی کا مہر مؤجل بھی داخل ہے، تو وہ حنفیہ کے نزدیک زکاة سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔

اور جس دین کا مطالبہ انسانوں کی طرف سے نہیں ہوتا، جیسا کہ حج کا فریضہ، صدقہ فطر، نذر اور کفارہ، وغیرہ، حنفیہ کے نزدیک ایسا دین زکاة سے مستثنیٰ نہیں ہوا کرتا۔ ۲۔

۱۔ وینقسم الدين باعتبار الدائن إلى قسمين:

أ - دين الله: وهو كل دين ليس له من العباد من يطالب به على أنه حق له، وهو نوعان: نوع يظهر فيه وجه العباداة والتقرب إلى الله تعالى، وهو ما لا مقابل له من المنافع الدنيوية، كصدقہ الفطر، وفدية الصيام، وديون النذور، والكفارات ونحو ذلك، فإنها عبادات يؤديها المسلم امتثالاً لأمر الله تعالى وتقرباً إليه.

ونوع يفرض لتمكين الدولة من القيام بأعباء المصالح العامة للأمة، وهو ما يقابل - في الغالب - بمنفعة دنيوية للمكلف كخمس الغنائم وما أفاء الله على المؤمنين من أعدائهم من غير قتال، وما يفرضه الإمام على القادرين من أفراد الأمة للوفاء بالمصالح التي يعجز بيت المال عن الوفاء بها. وتفصيل ذلك في مصطلح: (دين الله)

ب - دين العبد: وهو كل دين له من العباد من يطالب به على أنه حق له كنمن مبيع وأجرة دار وبدل قرض وإتلاف وأرض جناية ونحو ذلك. ولصاحب هذا الدين أن يطالب به المدين، وأن يرفع أمره إلى القاضى إذا امتنع عن الأداء ليجبره عليه بالطرق المشروعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۱۷، ص ۱۱۸، مادة "دين")

۲۔ ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے بعض اموال کو اموال ظاہرہ اور بعض کو اموال باطنہ قرار دیا ہے، اور اموال ظاہرہ سے مراد سائمتہ جانور اور عشر واجب ہونے والی فصل اور وہ مال تجارت ہے، جو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عاشر کے سامنے سے گزرے، اور اموال باطنہ سے مراد سونا، چاندی اور اپنے مقام (مثلاً دوکان، گودام وغیرہ) پر موجود مال تجارت ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک تھی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور حنفیہ کے نزدیک دین، صرف اموالِ باطنی کی وجوب زکاة میں مانع یا وجوب زکاة سے مستثنیٰ ہوتا ہے، لیکن اموالِ ظاہرہ کی وجوب زکاة کے لئے مانع نہیں ہوتا۔

اور دین زکاة کا زکاة میں مانع ہونا طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک دین زکاة، مانع وجوب زکاة نہیں، جیسا کہ آگے مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے۔

مال الزکاة نوعان: ظاہر، وهو الموالی والزروع والمال الذی یمربہ التاجر علی العاشر، وباطن: وهو الذهب والفضة، وأموال التجارة فی مواضعها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴، ص ۱۴۹، مادة "استيفاء")

ذهب الحنفية إلى أن الدين الذى يمنع وجوب الزكاة هو ما كان له مطالب من جهة العباد سواء كان ديناً لله كزكاة وخراج، أو كان للعباد، وسواء كان حالاً أو مؤجلاً، ولو صدق زوجته المؤجل للفرق، أو نفقة لزوجته، أو لقريب لزمته بقضاء أو تراض، وكذا عندهم دين الكفالة، قالوا: لأن الكفيل محتاج إلى ما بيده ليقضى عنه دفعا للملازمة أو الحبس.

أما ما لم يكن له مطالب من جهة العباد فلا يمنع وجوب الزكاة، قالوا: كدين النذر والكفارة والحج، ومثلها الأضحية، وهدي المتعة، ودين صدقة الفطر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۷، مادة "زكاة")

عدم الدين: شرط عند الحنفية فى زكاة ماعدا الحرث (الزروع والثمار)، وعند الحنابلة فى كل الأموال، وعند المالكية فى زكاة العين (الذهب والفضة) دون زكاة الحرث والمالكية والمعادن. وليس بشرط عند الشافعية. وتفصيل الآراء فيما يأتى:

قال الحنفية: الدين الذى له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء أكان لله كزكاة وخراج (ضريبة الأرض)، أم كان لإنسان، ولو دين كفالة، لأن للدائن المكفول له أخذ الدين من أيهم شاء من المدين أو الكفيل، ولو ديناً مؤجلاً، ولو صدق زوجته المؤجل للفرق، أو كان نفقة لزمته بقضاء القاضى أو بالتراضى.

أما الدين الذى ليس له مطالب من جهة العباد كدين النذر والكفارة والحج، فلا يمنع وجوب الزكاة.

ولا يمنع الدين وجوب العشر (زكاة الزروع والثمار) والخراج، والكفارة، أى أن الدين لا يمنع وجوب التكفير بالمال على الأصح (الفقه الإسلامى وادلته للزحلى، ج ۳ ص ۱۸۰، ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانى)

الأموال الباطنة وهى النقود وعروض التجارة فإن الجمهور القائلين بأن الدين يمنع الزكاة ذهبوا إلى أن الدين يمنع الزكاة فيها، ولو كان من غير جنسها على ما صرح به المالكية.

وأما الأموال الظاهرة وهى السائمة والحبوب والثمار والمعادن فذهب الجمهور (المالكية والشافعية على قول والحنابلة فى الرواية المعتمدة فى المذهب) إلى أن الدين لا يمنع وجوب

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الزکاة فیہا، روی عن أحمد أنه قال: لأن المصدق إذا جاء فوجد إبلا أو بقرا أو غنما لم يسأل: أي شيء على صاحبها من الدين، وليس المال -يعني الأثمان- هكذا. والفرق بين الأموال الظاهرة والباطنة أن تعلق الزکاة بالظاهرة أكد؛ لظهورها وتعلق قلوب الفقراء بها؛ ولأن الحاجة إلى حفظها أوفر، فتكون الزکاة فیہا أكد.

واستثنى الحنابلة على الرواية المشهورة الدين الذي استدانه المذكي للإتفاق على الزرع والتمر، فإنه يسقطه لما روی عن ابن عمر: يخرج ما استدان أو أنفق على ثمرته وأهله يترك ما بقي. وذهب الحنفية إلى أن الدين يمنع الزکاة في الأموال الباطنة وفي السوائم، أما ما وجب في الخارج من الأرض فلا يمنعه الدين، كما لا يمنع الخراج، وذلك لأن العشر والخراج مؤنة الأرض، ولذا يجبان في الأرض الموقوفة وأرض المكاتب وإن لم تجب فيهما الزکاة.

وذهب الحنابلة في رواية إلى أن الدين يمنع الزکاة في الأموال الظاهرة والباطنة، ونقله ابن قدامة عن النوري وإسحاق والليث والنخعي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۶، وص ۲۴۷، مادة "زکاة")

۱۔ چنانچہ مالک کے نزدیک دین، اموال باطن کی زکاة سے مانع ہے، اگرچہ وہ دین زکاة ہو، یا زکاة فطر ہو، یا بندوں کا دین ہو، اور خواہ وہ دین حالی ہو، یا مؤجل، اور یا زوجہ کا مہر ہو، یا زوجہ کا نفقہ ہو، یا اولاد یا والدین کا وہ نفقہ ہو، جس کا قاضی نے حکم صادر کر دیا ہو۔

اور حنابلہ کے نزدیک انسان کا دین مطلقاً وجوب زکاة میں مانع ہے، اور اللہ کے دین میں دو قول ہیں۔

اور امام شافعی کے نزدیک دین، وجوب زکاة کے لئے مانع نہیں، لہذا جو دین زکاة کے اموال پر عاقل آجائے، یا مال کو نصاب سے کم کر دے، تو وہ وجوب زکاة کے لئے مانع نہیں، کیونکہ زکاة، عین کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، اور دین ذمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، لہذا ان میں سے ایک چیز دوسرے کے لئے مانع نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وذهب المالكية إلى أن زکاة المال الباطن يسقطها الدين ولو كان دين زکاة، أو زکاة فطر، أو كان للعباد حالا كان أو مؤجلا، أو كان مہر زوجة أو نفقة زوجة مطلقا، أو نفقة ولد أو والد إن كان قد حکم بها القاضي. واختلف قول المالكية في مثل دين الكفارة والهدى الواجب فاختار منها خليل وابن راشد القفصی أنه لا يمنع وجوب الزکاة لعدم المطالب من العباد، واختار ابن عتاب أنه يمنع لأن الإمام يطالب الممتنع بإخراج ما عليه من مثل هذه الديون.

وذهب الحنابلة إلى أن دين الأدمی مطلقاً يمنع وجوب الزکاة، أما دين الله ففي قول: يمنع وفي قول: لا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۷، مادة "زکاة")

وذهب الشافعي في الجديد، وحماد، وربيعة إلى أن الدين لا يمنع الزکاة أصلاً؛ لأن الحر المسلم إذا ملك نصاباً حولاً وجبت عليه الزکاة فيه لإطلاق الأدلة الموجبة للزکاة في المال المملوك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۶، مادة "زکاة")

(والتفصيل في: الفقه الاسلامی وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۰۶ الى ۱۸۰۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

مسئلہ نمبر ۴..... جو شخص مقرض و مدیون ہو، تو اگر قابل زکاة مال سے قرض و دین منہا کرنے کے بعد اس کی ملکیت میں نصاب سے کم مال بچتا ہے، تو اس پر زکاة واجب نہیں، اور اگر نصاب کے برابر یا نصاب سے زیادہ بچتا ہے، تو قرض و دین منہا اور الگ کرنے کے بعد باقی مال کی زکاة واجب ہے، اور اس کے حساب لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ملکیت میں موجود سونا، چاندی، تجارت کا مال، نقدی (یا ان میں سے جو بھی چیز ملکیت میں ہو) کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض و دین کی مقدار کو علیحدہ کرے، قرض و دین کی مقدار نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر بچتا ہے، تو صرف اتنے مال پر زکاة واجب ہے اور اگر قرض و دین منہا کرنے کے بعد مال نصاب کے برابر نہیں بچتا تو زکاة واجب نہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی کے اوپر قرض و دین ہے، اور اس کے پاس زکاة کے مال کے علاوہ ضرورت سے زائد کچھ ایسا مال ہے کہ جس پر زکاة واجب نہیں ہوتی، اور قرض و دین کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ اگر زکاة والا مال اور ضرورت سے زائد تمام سامان قرض و دین میں ادا کیا جائے، تو تب بھی قرض و دین ادا نہیں ہوتا، یا قرض و دین ادا ہونے کے بعد نصاب کے بقدر مال نہیں بچتا، تو اس صورت میں بلاشبہ زکاة واجب نہیں ہوتی۔

لیکن اگر کسی پر قرض و دین اتنی مقدار میں ہے کہ اگر ضرورت سے زائد سامان سے قرض یا دین ادا کیا جائے، تو وہ ادا ہو جاتا ہے، اور زکاة والا مال نصاب کے بقدر بچتا ہے، تو ایسی

۱۔ فإن زاد الدين الذي على المالك عما بيده فلا زكاة عليه، وكذا إن لم يبق بيده بعدما يسد به دينه نصاب فاكثر. واحتجوا بقول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان لرجل ألف درهم وعليه ألف درهم فلا زكاة عليه.

وقوله: أمرت أن آخذ الصدقة من أغنيائكم فأردوها على فقرائكم. ومن عليه ألف ومعه ألف فليس غنيا، ولقول عثمان رضي الله عنه: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده وليزك بقية ماله. ولا يعتبر الدين مانعا إلا إن استقر في الذمة قبل وجوب الزكاة، فإما إن وجب بعد وجوب الزكاة لم تسقط، لأنها وجبت في ذمته، فلا يسقطها ما لحقه من الدين بعد ثبوتها.

وذهب الشافعي في الجديد، وحماد، وربيعة إلى أن الدين لا يمنع الزكاة أصلا، لأن الحر المسلم إذا ملك نصا حولا وجبت عليه الزكاة فيه لإطلاق الأدلة الموجبة للزكاة في المال المملوك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۶، مادة "زكاة")

صورت میں بھی حنفیہ کے نزدیک اس کا قرض و دین، زکاة کے مال سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ ۱۔ جبکہ حنفیہ میں سے امام زفر اور دوسرے بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کا قرض و دین زکاة کے مالوں (یعنی سونے، چاندی، روپیہ پیسہ اور تجارت کے مال) کے علاوہ دوسرے ضرورت سے زائد سامان کی مالیت سے پورا کیا جائے گا، اور پھر اگر زکاة کا مال نصاب کے بقدر ہو، تو اس کی زکاة واجب ہوگی۔ ۲۔

۱۔ ثم إذا كان على الرجل دين وله مال الزكاة وغيره من عبيد الخدمة، وثياب البذلة، ودور السكنى فإن الدين يصرف إلى مال الزكاة عندنا سواء كان من جنس الدين أو لا ولا يصرف إلى غير مال الزكاة، وإن كان من جنس الدين، وقال زفر " : يصرف الدين إلى الجنس وإن لم يكن مال الزكاة حتى أنه لو تزوج امرأة على خادم بغير عينه وله مائتا درهم وخادم فدين المهر يصرف إلى المائتين دون الخادم عندنا وعنده يصرف إلى الخادم.

وجه قول زفر أن قضاء الدين من الجنس أيسر فكان الصرف إليه أولى، ولنا أن عين مال الزكاة مستحق كسائر الحوائج، ومال الزكاة فاضل عنها فكان الصرف إليه أيسر وأنظر بأرباب الأموال، ولهذا لا يصرف إلى ثياب بدنه وقوته وقوت عياله، وإن كان من جنس الدين لما قلنا وذكر محمد في الأصل "أرأيت لو تصدق عليه؟ لم يكن موضعا للصدقة" ومعنى هذا الكلام أن مال الزكاة مشغول بحاجة الدين فكان ملحقا بالعدم، وملك الدار والخادم لا يحرم عليه أخذ الصدقة فكان فقيرا، ولا زكاة على الفقير ولو كان في يده من أموال الزكاة أنواع مختلفة من الدراهم والدنانير وأموال التجارة والسوائم فإنه يصرف الدين إلى الدراهم والدنانير وأموال التجارة دون السوائم؛ لأن زكاة هذه الجملة يؤديها أرباب الأموال، وزكاة السوائم يأخذها الإمام.

وربما يقصرون في الصرف إلى الفقراء ضنا بما لهم فكان صرف الدين إلى الأموال الباطنة ليأخذ السلطان زكاة السوائم نظرا للفقراء. وهذا أيضا عندنا (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۸، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

۲۔ وعلى قول زفر يصرف الدين إلى الجنس وإن كان من السوائم حتى إن من تزوج امرأة على خمس من الإبل السائمة بغير أعيانها وله أموال التجارة وإبل سائمة فإن عنده يصرف المهر إلى الإبل وعندنا يصرف إلى مال التجارة لما مر (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۸، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

شروط إسقاط الزكاة بالدين:

القائلون بأن الدين يسقط الزكاة في قدره من المال الزكوى، اشترط أكثرهم أن لا يجد المزكى ما لا يقضى منه الدين سوى ما وجبت فيه. فلو كان له مال آخر فائض عن حاجاته الأساسية، فإنه يجعله في مقابلة الدين، لكي يسلم المال الزكوى فيخرج زكاته.

ثم قد قال المالكية والحنابلة: إنه يعمل بذلك سواء كان ما يقضى منه من جنس الدين أو غير

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶..... انسان کے ذمہ جو قرض و دین ثابت اور واجب ہوتا ہے، اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، مثلاً بعض اوقات کسی چیز کو خریدنے پر قیمت ذمہ میں لازم ہو جانے کی وجہ سے وہ قیمت قرض و دین کا حکم حاصل کر لیتی ہے، اور بعض اوقات کسی کی اجرت و مزدوری یا کرایہ ذمہ میں لازم ہو جانے کی وجہ سے قرض و دین واجب ہو جایا کرتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جنسہ .فلو کان علیہ دین مائتا درهم وعنده عروض قنية تساوی مائتی درهم فأكثر وعنده مائتا درهم، جعل العروض فی مقابلة الدين لأنه أحظ للفقراء .

وکذا إن کان علیہ دین ولہ مالان زکویان، لو جعل أحدهما فی مقابل الدين لم یکن علیہ زکاة، ولو جعل الآخر فی مقابلة الدين کان علیہ زکاة، فإنه یجعل فی مقابلة الدين ما هو أحظ للفقراء ، کمن علیہ دین مائتہ درهم ولہ مائتا درهم وتسع من الإبل ، فإذا جعلنا فی مقابلة الدين الأربعة من الإبل الزائدة عن النصاب لكون الأربعة تساوی المائة من الدراهم أو أكثر منها وجب ذلک رعاۃ لحظ الفقراء ، لأننا لو جعلنا مما معه من الدراهم مائتہ فی مقابلة الدين سقطت زکاة الدراهم .

وذكر المالکة أيضا مما یمكن أن یجعل فی مقابلة الدين فیمنع سقوط الزکاة :الدين الحال المرجو، والأموال الزکویة الأخری ولو جرت تزکیتها، وأن العرض یقوم وقت الوجوب، وأخرجوا من ذلک نحو البعیر الشارد، والمال الضائع، والدين المؤجل أو غیر المرجو لعدم صلاحیة جعله فی مقابلة الدين الذی علیہ .

ومذهب الحنفیة -ومثله حکى عن اللیث بن سعد علی ما نقله صاحب المغنی وهو رواية عن أحمد علی ما ذکره صاحب الفروع -أن من کان عنده مال زکوی ومال غیر زکوی فائض عن حاجته الأساسیة وعلیہ دین فله أن یجعل فی مقابلة الدين المال الزکوی، ولو من غیر جنسہ، فإن بقى منه نصاب فأكثر زکاه وإلا فلا زکاة علیہ، قالوا :لأن غیر مال الزکاة یتستحق للحوائج، ومال الزکاة فاضل عنها، فكان الصرف إلیہ أیسر، وأنظر بأرباب الأموال.

قالوا :ولو کان له مالان زکویان من جنسین أو أكثر جاز له أن یجعل أبا منهما أو بعضه فی مقابلة الدين والنخار له .فلو کان عنده دراهم ودنانیر وعروض تجارة وسوائم یصرف الدين لأیسرها قضاء، ولو کان عنده نصاب بقر ونصاب إبل وعلیہ شاة دینا، جاز جعلها فی مقابلة شیء من البقر لئلا یجب علیہ التبیع، لأن التبیع فوق الشاة (الموسوعة الفقهیة الکریتیة، ج ۲۳، ص ۲۳۸، مادة "زکاة")

۱۔ والباحث فی کتب الفقه یجد أن أسباب وجوب الدين عدیة متنوعة، غیر أنه یمكن حصرها فی تسعة أسباب:

أحدها :الالتزام بالمال :سواء أکان فی عقد یتیم بین طرفین کالبیع، والسلم، والقرض، والإجارة، والزواج، والطلاق علی مال، والحوالة، والكفالة بالمال، والاستصناع ونحوها، أو کان فی النزام

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷..... اگر خدا نخواستہ کسی دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کر دیا، جس کی دیت اپنے ذمہ میں قانونی طور پر ثابت اور واجب ہوگئی، یا مثلاً کسی کا مال تلف و ضائع کر دیا، اور اس کا تاوان (یعنی ڈنڈ) ذمہ میں لازم ہو گیا، یا کسی کی اپنے پاس موجود امانت کی حفاظت میں کوتاہی کے نتیجہ میں وہ ضائع ہوگئی، اور اس کا تاوان ذمہ میں لازم ہو گیا، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کسی کے ذمہ میں لازم شدہ واجبات بھی قرض و دین میں شامل ہو کر زکاة سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کسی کی کوئی چیز غصب یا چوری کی، اور پھر اس چیز کو غصب یا چوری کرنے والے نے تلف کر دیا، جس کی وجہ سے اس کے ذمہ میں اس چیز کا تاوان لازم ہو گیا، تو یہ بھی قرض و دین میں شامل ہو کر زکاة سے مستثنیٰ ہوگا۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فردی يتم بإرادة واحدة كنذر المال عند جميع الفقهاء، والتزام المعروف عند المالكية. ففى القرض مثلاً يلزم المقرض أن يرد للمقرض مبلغاً من النقود، أو قدره من أموال مثلية يكون قد اقتصرها منه، وثبت ديناً في ذمته. على أن جميع الديون التي تثبت في عقود المعاوضات المالية لا تستقر في الذمة بعد لزومها إلا بقبض البدل المقابل لها، إذ به يحصل الأمن من فسخ العقد بسبب تعذر تسليمه إلا ديناً واحداً وهو دين السلم، فإنه وإن كان لازماً فهو غير مستقر لاحتمال طروء انقطاع السلم فيه، مما يؤدي إلى انفساخ العقد وسقوط الدين.

وتعليل ذلك أن استقرار الدين في أى عقد من عقود المعاوضات إنما يعنى الأمن من فسخ العقد بسبب تعذر حصول الدين المذكور؛ لعدم وجود جنسه وامتناع الاعتياض عنه. وذلك مخصوص بدين السلم دون بقية الديون؛ لجواز الاعتياض عنها عند انقطاع جنسها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۰۹، ۱۱۰، مادة "دين")

۱. والثانى: العمل غير المشروع المقتضى لثبوت دين على الفاعل: كالقتل الموجب للدية والجنايات الموجبة للأرض، وإتلاف مال الغير، وكتعدى يد الأمانة أو تفریطها فى المحافظة على ما بحوزته من أموال، كتعمد الأجير الخاص إتلاف الأعيان الموجودة تحت يده أو إهماله فى حفظها. ويعد من هذا القليل ما لو "أُتلف على شخص وثيقة تتضمن ديناً له على إنسان، ولزم من إتلافها ضياع ذلك الدين، فيلزمه الدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۱۰، ۱۱۱، مادة "دين")

۲. والثالث: هلاك المال فى يد الحائز إذا كانت يد ضمان، مهما كان سبب الهلاك، كتلف المغصوب فى يد الغاصب وهلاك المتاع فى يد الأجير المشترك أو القابض على سوم الشراء ونحو ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۱۱۱، مادة "دين")

مسئلہ نمبر ۹..... حنفیہ کے نزدیک جو زکاة ذمہ میں باقی ہے، وہ بھی قرض و دین میں شامل ہوتی ہے، اس لئے اگر کسی مال کی ایک سال یا ایک سے زیادہ سالوں کی زکاة ادا نہیں کی، اور اس مال میں اگلے سالوں کی زکاة بھی واجب ہوگئی، تو اگلے سالوں میں اس پورے مال کی زکاة واجب نہیں ہوگی، بلکہ پہلے سالوں میں واجب شدہ زکاة کی مقدار منہا اور الگ کرنے کے بعد جو مال بچے گا، اس کی زکاة واجب ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے گزشتہ سال کی پوری زکاة یا اس کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا، اور وہ ذمہ میں باقی ہے، تو آئندہ سال کی زکاة سے وہ مقدار منہا و مستثنیٰ ہوگی (کذا فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۴، ۳۵، کتاب الزکاة والصدقات) ۱۔

۱۔ مندرجہ بالا حکم طرین (یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد) کے نزدیک ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک گزشتہ دین زکاة موجودہ وجوب زکاة کے لئے نافع نہیں۔

والرابع: تحقیق ما جعله الشارع مناطا لثبوت حق مالی: كحولان الحول على النصاب في الزكاة، واحتباس المرأة في نفقة الزوجية، وحاجة القريب في نفقة الأقارب، ونحو ذلك. فإذا وجد سبب من ذلك وجب الدين في ذمة من قضى الشارع بإلزامه به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۱، مادة ”دين“)

أما من كان في ذمته زكاة سنوات مضت فإن الحكم يختلف بالنسبة للزكاة الحاضرة. فعند المالكية وأبي حنيفة ومحمد دين الزكاة يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الظاهرة.

وقال أبو يوسف: دين الزكاة لا يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الباطنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۲۸، مادة ”دين“)

فأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أُلْف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة عندهما.

وقال زفر لا يمنع كلاهما وقال أبو يوسف وجوب الزكاة في النصاب يمنع ودين الزكاة لا يمنع (تحفة الفقهاء، للسمرقندی، ج ۱ ص ۲۷۵، کتاب الزکاة، باب زکاة أموال التجارة)

واختلفوا في دين الزكاة. قال زفر: لا يمنع في الأموال الباطنة؛ لأنه لا مطالب له من جهة العباد لأن الأداء للمالك. وقال أبو يوسف: إن كان الدين في الذمة بأن استهلك مال الزكاة بعد الحول، وبقي في ذمته، وملك مالا آخر، فإنه تجب عليه الزكاة، ولا يمنع ما في ذمته من الوجوب، ولو كان الدين في العين كمن له نصاب فمضى عليه سنون، فإنه لا تجب عليه الزكاة لجميع ما مضى من السنين خلافا لزفر؛ وعندهما لا تجب الزكاة في الفصلين (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱، ص ۱۰۰، کتاب الزکاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... اپنے ذمہ بیوی کا واجب الاداء مہر بھی زکاة سے مستثنیٰ ہوگا، کیونکہ وہ بیوی کی طرف سے اپنے ذمہ میں قرض ہے، اور شوہر کے ذمہ بیوی کا یہ مہر ادا کرنا فرض ہے۔ ۱۔
اور بیوی یا قریبی رشتہ دار کا نان نفقہ جو آپس کی مصالحت یا قانونی فیصلہ کے ذریعہ سے ذمہ میں لازم ہو گیا ہو، اور ابھی تک ادا نہ کیا ہو، وہ بھی دین میں شامل ہو کر زکاة سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أُلِف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة في قول أبي حنيفة ومحمد سواء كان في الأموال الظاهرة أو الباطنة.

وقال زفر " لا يمنع كلاهما "، وقال أبو يوسف " وجوب الزكاة في النصاب يمنع فأما دين الزكاة فلا يمنع (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۷، كتاب الزكاة، فصل سبب فرضية الزكاة)
۱۔ بعض حضرات نے مؤجل اور مؤجل ہر قسم کے مہر کو مانع وجوب زکاة قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے صرف مؤجل کو مانع اور بعض نے غیر مانع قرار دیا ہے، اور بعض نے زوج کے ادائے مہر کا عزم رکھنے کی صورت میں مانع قرار دیا ہے۔

ولو صدق زوجته المؤجل للفرق (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۱، كتاب الزكاة)
أطلقه فشمّل الحال والمؤجل، ولو صدق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت وقيل المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل وقيل إن كان الزوج على عزم الأداء منع، وإلا فلا؛ لأنه لا يعد ديناً كذا في غاية البيان (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۱۹، كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة)

وقيل في دين المهر: أنه يمنع وجوب الزكاة كسائر الديون، وقيل: إن كان من نية الزوج: أنها متى طالبتة تلقاها بلطف، ويقرها أنه متى صادف مالاً لا يبطل حقها يمنع وجوب الزكاة كسائر الديون، وإن كان من حقه أنه متى طالبتة ضربها، وتلقاها بالإنكار لا يمنع وجوب الزكاة (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۹۷، كتاب الزكاة، الفصل العاشر)

(عن الدين) والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أو لله تعالى وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان فينتظم الدين المؤجل ولو صدق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت وقيل: لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل وقيل: إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه يعد ديناً (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۱۹۳، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

۲۔ نفقة المرأة إذا صارت ديناً على الزوج إما بالصلح أو بالقضاء ونفقة الأقارب إذا صارت ديناً عليه إما بالصلح أو بالقضاء عليه يمنع كذا في معراج الدراية وقيد نفقة الأقارب في البدائع بقيد آخر، وهو قليل المسلة فإن المدة إذا كانت طويلة فإنها تسقط، ولا تصير ديناً وشمل كلامه كل دين (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۱۹، ۲۲۰، كتاب الزكاة، شرط وجوب الزكاة)

مسئلہ نمبر ۱۱..... اگر حکومت کی طرف سے بیٹ المال اور ملکی خزانہ میں کمی کے باعث عمومی ضرورت (مثلاً کسی زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے حادثہ میں مبتلا لوگوں، ملکی حفاظت و دفاع) یا مصالح عامہ کے تحت جو واجبات یا ٹیکس لازم کئے جائیں اور کسی کے ذمہ ان کی ادائیگی باقی ہو، تو بعض شرائط کے ساتھ وہ بھی قرض و دین میں شامل ہوتے ہیں۔ ۱۔

۱۔ حکومت کو عوام پر اس طرح کے واجبات یا ٹیکس عائد کرنے کی کئی شرائط ہیں، جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱)..... بیٹ المال سے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام نہ ہو۔

(۲)..... اس طرح کے واجبات لوگوں پر عائد کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے، اور اسراف سے کام نہ لیا جائے، اور جو واجبات مستحق لوگوں کی ضرورت کے لئے وصول کئے جائیں، انہیں مستحقین پر ہی خرچ کیا جائے، اور غیر مستحقین پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے، اور مستحقین پر بھی بقدر استحقاق خرچ کیا جائے۔

(۳)..... جو واجبات مصالح عامہ کے تحت وصول کئے جائیں، ان کو انہیں مصالح کے تحت خرچ کیا جائے، اپنی خواہش اور اغراض کے مطابق خرچ نہ کیا جائے۔

(۴)..... اس طرح کے واجبات صرف انہی لوگوں پر عائد کئے جائیں، جو ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، اور ادائیگی کے نتیجہ میں غیر معمولی ضرر کا شکار نہ ہوں۔

(۵)..... اس طرح کے واجبات بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت عائد کئے جائیں، اور جب ضرورت نہ رہے، تو پھر اس طرح کے واجبات عائد کرنے سے گریز کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

والخامس: إيجاب الإمام لبعض التكالييف المالية على القادرين عليها للوفاء بالمصالح العامة للأمة إذا عجز بيت المال عن الوفاء بها، أو للمساهمة في إغاثة المنكوبين وإعانة المتضررين بزلزال مدمر أو حريق شامل أو حرب مهلكة، ونحو ذلك مما يفجأ الناس ولا يتسع بيت المال لتحمله أو التعويض عنه.

لكن لا يجوز هذا إلا بشروط:

الشرط الأول: أن تعين الحاجة. فلو كان في بيت المال ما يقوم به لم يجز أن يفرض عليهم شيء. الشرط الثاني: أن يتصرف فيه بالعدل. ولا يجوز أن يستأثر به دون المسلمين، ولا أن ينفقه في سرف، ولا أن يعطى من لا يستحق، ولا يعطى أحدا أكثر مما يستحق.

الشرط الثالث: أن يصرف مصرفه بحسب المصلحة والحاجة لا بحسب الغرض.

الشرط الرابع: أن يكون الغرم على من كان قادرا من غير ضرر ولا إجحاف، ومن لا شيء له، أو له شيء قليل فلا يفرم شيئا.

الشرط الخامس: أن يتفقد هذا في كل وقت، فربما جاء وقت لا يفترق فيه لزيادة على ما في بيت المال، فلا يوزع. وكما يعين المال في التوزيع، فكذلك إذا تعينت الضرورة للمعونة بالأبدان ولم يكف المال، فإن الناس يجبرون على التعاون على الأمر الداعي للمعونة بشرط القدرة وتعين

﴿بقيہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۲..... اگر کسی شخص کو اپنے ذمہ میں کسی کا دین و قرض ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو، تو وہ بھی قرض و دین میں شامل ہوتا ہے، اگرچہ فی الواقع ایسا نہ ہو، کیونکہ انسان اپنے یقین و گمان کے مطابق ہی مکلف ہوا کرتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۳..... اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنے ذمہ میں لازم قرض ادا کرنے کا حکم دیا کہ تم فلاں کو میری طرف سے قرض ادا کر دو، پھر اس دوسرے شخص نے اپنے مال میں سے اس پہلے شخص کا قرض ادا کر دیا، تو اب اس حکم دینے والے پہلے شخص پر یہ مال اس دوسرے شخص کا قرض بن جائے گا، اور یہ پہلا شخص اس مال کا مقروض و مدیون شمار ہوگا، اور اتنا مال اس پہلے شخص کی زکاة سے مستثنیٰ اور علیحدہ ہوگا۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المصلحة والافتقار إلى ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۱، ۱۱۲، مادة "دين")
أماخراج فلأنه دين له مطالب من جهة العباد فصار كسائر الديون، وهذا؛ لأنه يجب حقا للمقاتلة بدلا عن الذب والاستحفاظ والمحاماة عن بيضة الإسلام فكان بمنزلة الأجرة (تبيين الحقائق، ج ۴ ص ۲۵، كتاب الكفالة، فصل أعطى المطلوب الكفيل قبل أن يعطى الكفيل الطالب)
۱ السبب السادس من أسباب ثبوت الدين: أداء ما يظن أنه واجب عليه، ثم يبين براءة ذمته منه: كمن دفع إلى شخص مالا يظنه ديناً واجبا عليه، وليس بدين واجب في الحقيقة ونفس الأمر، فله أن يرجع على القابض بما أخذه منه بغير حق، ويكون ذلك ديناً في ذمته، وذلك لأن من أخذ من غيره مالا حق له فيه فيجب عليه رده إليه. وقد نصت م ۲۰ من مرشد الحيران "من دفع شيئا ظاناً أنه واجب عليه، فتبين عدم وجوبه، فله الرجوع به على من قبضه منه بغير حق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۲، مادة "دين")

۲ والسابع: أداء واجب مالي يلزم الغير عنه بناء على طلبه: كما إذا أمر شخص غيره بأداء دينه، فأداه المأمور من ماله عنه، فإن ما دفعه يكون ديناً في ذمة الأمر للمأمور يرجع عليه به، سواء شرط الأمر رجوعه - بأن قال له: أد ديني على أن أؤديه لك بعد - أو لم يشرط ذلك، بأن قال له: أد ديني - فقط - فأداه.

ومثل ذلك ما لو أمر شخص آخر بشراء شيء له، أو ببناء دار أو دكان أو غير ذلك، ففعل المأمور ذلك، فإنه يرجع على الأمر بما دفعه، سواء اشترط عليه الرجوع أو لم يشترط. وكذا لو أمر شخص آخر بأن يكفله بالمال فكفله، ثم أدى الكفيل ما كفل به، فإنه يرجع على المكفول بما أدى عنه. وكذا إذا أحال مدین دائنه على شخص غیر مدین للمحیل، فرضی المحال عليه، وأدى عنه الدين المحال به بناء على طلبه، فإن المحال عليه يرجع على المحیل بما أدى عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۲، مادة "دين")

مسئلہ نمبر ۱۴..... اگر ایک شخص نے اضطراری حالت میں ہلاکت سے بچنے کے لئے دوسرے کا کھانا اس کی اجازت کے بغیر کھا لیا، تو جب تک مالک معاف نہ کرے، اس وقت تک یہ کھایا ہوا کھانا (یعنی اتنی مالیت کا مال) بھی اس کھانے والے کے ذمہ میں قرض و دین شمار ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اتنی مقدار زکاة واجب ہونے سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۵..... اگر ایک شخص دوسرے شخص کے ذمہ میں کوئی واجب شدہ مالی حق اس دوسرے شخص کی اجازت کے بغیر ادا کر دے، مثلاً کسی مقروض کا قرض اس مقروض کی اجازت کے بغیر ادا کر دے، تو حنفیہ کے نزدیک اس طرح دوسرے کا مالی حق یا قرض ادا کرنے والا اس دوسرے شخص سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا، اور اس طرح کرنے والا شخص متبرع شمار ہوتا ہے، لہذا اس طرح کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کرنے والا، اتنے مال کا اس دوسرے شخص سے مطالبہ نہیں کرے گا، اور اس کی وجہ سے وہ دوسرا شخص مقروض شمار نہیں ہوگا۔ ۲

۱۔ والثامن: الفعل المشروع حالة الضرورة إذا ترتب عليه إتلاف مال الغير: كمن أكل طعام غيره بدون إذنه مضطراً لدفع الهلاك عن نفسه، فإن ترخيص الشارع وإباحته استهلاك مال الغير بدون إذنه لداعى الضرورة لا يسقط عن الفاعل المسؤولية المالية، ولا يعفيه من ثبوت مثل ما أتلفه أو قيمته ديناً في ذمته لمالكة، فلا عذر الشرعية لا تنافي عصمة المحل، والإباحة للاضطرار لا تنافي الضمان؛ ولأن إذن الشارع العام بالنصرف إنما ينفي الإثم والمؤاخذه بالعقاب، ولا يعفى من تحمل تبعه الإتلاف، بخلاف إذن المالك، وللقاعدة الفقهية الكلية "الاضطرار لا يبطل حق الغير" (م ۳۳) من المجلة العدلية، وبهذا قال جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة والمالكية في المشهور عندهم وغيرهم.

وخالف في ذلك بعض المالكية فقالوا: لا ضمان عليه في هذه الحالة؛ لأن دفع الهلاك عنه كان واجبا على المالك، والواجب لا يؤخذ له عوض.

وهناك رأى ثالث عند المالكية، وهو أن المضطر إلى طعام الغير لدفع الهلاك عن نفسه إنما يضمن قيمته لصاحبه إن كانت معه - أى بأن كان معه مال حاضر - وإلا فلا شيء عليه لوجوب بذل ربه له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۲، ۱۱۳، مادة "دين")

۲۔ والتاسع: القيام بعمل نافع للغير بدون إذنه: وهو نوعان:

النوع الأول: أن يأتى بعمل يلزم الغير أو يحتاجه بدون إذنه، كمن أنفق عن غيره نفقة واجبة عليه، أو قضى عنه ديناً ثابتاً في ذمته، ولم ينبو المنفق بذلك التبرع، فإن ما دفعه يكون ديناً في ذمة المنفق عنه. وعلى ذلك نص المالكية والحنابلة. خلافاً للشافعية والحنفية. فقد جاء في مرشد الحيران (م)

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

- مسئلہ نمبر ۱۶..... جو چیز کسی سے اُدھار خریدی، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہے، تو وہ قیمت بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اور اس کی قیمت بھی زکاة سے مستثنیٰ و منہا ہوتی ہے۔ ۱
- مسئلہ نمبر ۱۷..... سال پورا ہونے کے وقت مکان، دکان کا کرایہ جو ذمہ میں لازم ہو چکا وہ بھی زکاة سے مستثنیٰ و منہا ہوگا، کیونکہ یہ کرایہ اپنے ذمہ قرض و دین کا حکم رکھتا ہے۔ ۲
- مسئلہ نمبر ۱۸..... ملازم اور نوکر کی وہ تنخواہ جو سال پورا ہونے کے وقت اپنے ذمے واجب الاداء ہو چکی ہے، وہ بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اور وہ بھی زکاة سے مستثنیٰ و منہا ہوتی ہے۔ ۳
- مسئلہ نمبر ۱۹..... غیر سرکاری اور پرائیویٹ واجبات کی طرح سرکاری و نیم سرکاری واجبات مثلاً فون، بجلی، گیس وغیرہ کے یوٹیلیٹی بلز جو سال پورا ہونے کے وقت اپنے ذمہ میں لازم اور واجب الاداء ہو چکے ہیں، وہ بھی قرض کا حکم رکھتے ہیں اور زکاة سے مستثنیٰ و منہا ہوں گے۔ ۴
- مسئلہ نمبر ۲۰..... آجکل جو میسجی ڈالی جاتی ہے، جس میں جتنی قسطیں ادا کی جاتی ہیں، اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(۲۰۵) إذا قضی أحد دین غیرہ بلا أمرہ سقط الدین عن المدیون، سواء أقبل أم لم یقبل، ویكون الدافع متبرعاً لا رجوع له علی المدیون بشیء مما دفعه بلا أمره، ولا رجوع له علی رب الدین القابض لاسترداد ما دفعه إلیه ."

و حجتهم علی ذلک : أن من أذى عن غیره واجبا علیه من دین أو نفقة علی قریب أو زوجة من غیر إذنہ، فهو إما فضولی، وهو جدیر بأن یفوت علیه ما فوته علی نفسه، أو متفضل فعوضه علی الله دون من تفضل علیه، فلا یستحق مطالبته (الموسوعة الفقہیة الکویتیة، ج ۲۱ ص ۱۱۳، ۱۱۴، مادة " دین")

۱۔ الدیون علی ضربین دین یطالب به ویحبس من جهة العباد کدیون العباد حالة كانت أو مؤجلة وهو یمنع لما ذکرنا من المعنی (تحفة الفقہاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۲۷۴، کتاب الزکاة، باب زکاة اموال التجارة)

۲۔ أما الخراج فلائنه دین له مطالب من جهة العباد فصار کسائر الدیون، وهذا؛ لأنه یجب حقاً للمقاتلة بدلاً عن الذب والاستحفاظ والمحاماة عن بیضة الإسلام فكان بمنزلة الأجرة (تبيين الحقائق، ج ۳ ص ۱۶۵، کتاب الکفالة، فصل أعطی المطلوب الکفیل قبل أن یعطى الکفیل الطالب)

۳۔ ودین الأجرة کسائر الدیون (المبسوط للسرخسی، ج ۳ ص ۲۱۷، باب الاجارة)

۴۔ إذا تراکمت الأجرة وصارت دیناً تطبق علیها أحكام الدیون (قرارات و توصیات مجمع الفقہ الاسلامی، ج ۱ ص ۱۲۱، قرار رقم ۷۵/۸/۶)

کے مطابق ہی رقم ہر فریق کو ملا کرتی ہے، اور جس کسی کے نام پر مکمل قسطیں جمع کرانے سے پہلے کمیٹی نکل جاتی ہے، اسے بقیہ اقساط جمع کرانا پڑتی ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کے حق میں کمیٹی آچکی ہے، اور سال پورا ہونے کے وقت اس کی کچھ قسطوں کی ادائیگی باقی ہے، تو یہ قسطیں بھی اپنے ذمہ میں قرض ہیں، اور اتنی رقم زکاة سے مستثنیٰ ومنہا ہے۔

اور اگر سال پورا ہونے کے وقت کچھ قسطیں جمع کرائی جا چکی ہیں، لیکن ابھی تک یہ کمیٹی حاصل نہیں ہوئی، تو جتنی قسطیں جمع کرائی جا چکی ہیں وہ زکاة سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی، اور ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ اس کا اتنا قرض کسی دوسرے کے ذمہ ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۲۱..... اصولی اعتبار سے تو حنفیہ کے نزدیک ایسے قرضوں کو بھی زکاة سے مستثنیٰ و منہا کیا جانا چاہئے کہ جن کا تعلق زکاة کے مال سے ہو، اور ان کی ادائیگی جلد کرنا ذمہ میں لازم ہو، مثلاً تجارت کا مال اُدھا خریدا ہوا ہے، اور اس کی قیمت کی ادائیگی ذمہ میں باقی ہے، اور ایسے قرضوں کو بھی زکاة سے مستثنیٰ و منہا کیا جانا چاہئے کہ جن کا تعلق زکاة کے مال سے نہ

۱۔ ثم إذا كان على الرجل دين وله مال الزكاة وغيره من عبيد الخدمة، وثياب البذلة، ودور السكنى فإن الدين يصرف إلى مال الزكاة عندنا سواء كان من جنس الدين أو لا ولا يصرف إلى غير مال الزكاة، وإن كان من جنس الدين، وقال زفر " :يصرف الدين إلى الجنس وإن لم يكن مال الزكاة حتى أنه لو تزوج امرأة على خادم بغير عينه وله مائتا درهم وخادم فدين المهر يصرف إلى المائتين دون الخادم عندنا وعنده يصرف إلى الخادم.

وجہ قول زفر أن قضاء الدين من الجنس أيسر فكان الصرف إليه أولى، ولنا أن عين مال الزكاة مستحق كسائر الحوائج، ومال الزكاة فاضل عنها فكان الصرف إليه أيسر وأنظر بأرباب الأموال؛ ولهذا لا يصرف إلى ثياب بدنه وقوته وقوت عياله، وإن كان من جنس الدين لما قلنا وذكر محمد في الأصل "أرايت لو تصدق عليه لم يكن موضعا للصدقة " ومعنى هذا الكلام أن مال الزكاة مشغول بحاجة الدين فكان ملحقا بالعدم، وملك الدار والخادم لا يحرم عليه أخذ الصدقة فكان فقيرا، ولا زكاة على الفقير ولو كان في يده من أموال الزكاة أنواع مختلفة من الدراهم والدنانير وأموال التجارة والسوائم فإنه يصرف الدين إلى الدراهم والدنانير وأموال التجارة دون السوائم؛ لأن زكاة هذه الجملة يؤديها أرباب الأموال، وزكاة السوائم يأخذها الإمام.

وربما يقصرون في الصرف إلى الفقراء ضنا بما لهم فكان صرف الدين إلى الأموال الباطنة ليأخذ السلطان زكاة السوائم نظرا للفقراء . وهذا أيضا عندنا (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۸، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

ہو، بلکہ ایسے قرضے سے ہو، کہ کوئی مشینری خریدی ہو، جس کو بیچنا مقصود نہ ہو، اور اس کی قیمت ذمہ میں باقی ہو۔

مگر امام شافعی کے نزدیک اس طرح کے کسی قرض کو بھی زکاة سے منہا نہیں کیا جاتا۔ ۱۔
اور آج کل کیونکہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بڑے بڑے مالداروں کا یہ وطیرہ ہو گیا ہے، کہ قابل زکاة مال جتنا بڑھتا جاتا ہے، اس سے زیادہ قرض لیتے جاتے ہیں، اور نئی نئی ملیں، کارخانے کھولتے جاتے ہیں، اور ان قرضوں کی ادائیگی بھی یکمشت ان پر لازم نہیں ہوتی، بلکہ بینکوں اور مالیاتی اداروں سے کئے گئے معاہدوں کے تحت ماہانہ یا سالانہ معمولی قسط کی شکل میں ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔

۱۔ ومنہا أن لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره حالا كان أو مؤجلا، وعند الشافعي هذا ليس بشرط، والدين لا يمنع وجوب الزكاة كيفما كان احتج الشافعي بعمومات الزكاة من غير فصل، ولأن سبب وجوب الزكاة ملك النصاب، وشرطه أن يكون معدا للتجارة، أو للإسامة وقد وجد.
أما الملك فظاهر؛ لأن المديون مالك لماله؛ لأن دين الحر الصحيح يجب في ذمته ولا يتعلق بماله ولهذا يملك التصرف فيه كيف شاء.
وأما الإعداد للتجارة أو الإسامة؛ فلأن الدين لا ينافي ذلك، والدليل عليه أنه لا يمنع وجوب العشر.

(ولنا) ما روى عن عثمان أنه خطب في شهر رمضان وقال في خطبته: ألا إن شهر زكاتكم قد حضر فمن كان له مال وعليه دين فليحسب ماله بما عليه ثم ليزك بقية ماله، وكان بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه أحد منهم فكان ذلك إجماعا منهم على أنه لا تجب الزكاة في القدر المشغول بالدين، وبه تبين أن مال المديون خارج عن عمومات الزكاة؛ ولأنه محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية؛ لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية.

والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة؛ لأنه لا يتحقق به الغنى، ولا صدقة إلا عن ظهر غنى على لسان رسول الله، - صلى الله عليه وسلم - وقد خرج الجواب عن قوله أنه وجد سبب الوجوب وشرطه؛ لأن صفة الغنى مع ذلك شرط، ولا يتحقق مع الدين مع ما أن ملكه في النصاب ناقص بدليل أن لصاحب الدين إذا ظفر بجنس حقه أن يأخذه من غير قضاء ولا إرضاء، وعند الشافعي له ذلك في الجنس وخلاف الجنس وذا آية عدم الملك كما في الوديعة والمغصوب، فلأن يكون دليل نقصان الملك أولى (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۶، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة، الشرائط التي ترجع على من عليه المال)

موجودہ دور میں ایسے لوگوں کے قرضوں کے متعلق بعض حنفی اہل علم حضرات کی رائے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے یہ ہے کہ اگر قرض لینے والے نے اس قرض کو ایسی اشیاء کے خریدنے میں استعمال کیا جو زکاۃ کے اموال میں شامل نہیں (مثلاً مشینری، پلانٹ یا عمارت، جس کو بیچنا مقصود نہ ہو) تو اس قسم کی چیزوں میں مشغول قرضوں کو تو مجموعی مالیت سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا، لیکن جو قرض قابل زکاۃ اموال میں استعمال کیا ہے، مثلاً اس سے خام مال، یا مالی تجارت خرید تو اس قرض کو مستثنیٰ کیا جائے گا (نوادر الفقہ ج ۲ ص ۱۶ اوص ۱۷) ”زکاۃ آرڈیننس سے پیدا شدہ مسائل“، فتاویٰ عثمانی، جلد ۲، ص ۸۳، کتاب الزکاۃ)

جب کہ بعض اہل علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اس قسم کے طویل المیعاد قرضوں میں ہر سال کی جو قسط قرض لینے والے کے ذمہ ادا کرنا لازم ہوتی ہے، صرف اتنی مقدار زکاۃ سے مستثنیٰ ہوگی اور باقی کو مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا (ملاحظہ ہوا، ہم فقہی فیصلے ص ۴۹، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء) ۱۔

مسئلہ نمبر ۲۲..... اگر کسی شخص پر زکاۃ واجب ہو چکی تھی، اور اس نے زکاۃ ادا نہیں کی، پھر اس پر قرض ہو گیا، تو یہ بعد کا قرض پہلے سے واجب شدہ زکاۃ کے لئے مانع نہیں ہوگا۔ ۲۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ مگر حنفیہ کے قواعد کے مطابق اصولی اعتبار سے یہ تمام قرضے زکاۃ سے مستثنیٰ ہوں گے، اور مندرجہ بالا اہل علم حضرات نے یہ رائے موجودہ دور کے سرمایہ کاروں کے طریقہ عمل کی بنیاد پر قائم کی ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔

۲۔ ولا يعتبر الدين مانعا إلا إن استقر في الذمة قبل وجوب الزكاة، فأما إن وجب بعد وجوب الزكاة لم تسقط؛ لأنها وجبت في ذمته، فلا يسقطها ما لحقه من الدين بعد ثبوتها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۶، مادة ”زکاۃ“)

(فصل نمبر ۱۱)

مال پر متعین ملکیت کا قائم ہونا

(سرکاری اور وقف وغیرہ کے مال پر زکاة کے احکام)

حنفیہ سمیت بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک کسی مال پر زکاة واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس مال پر کسی کی متعین ملکیت قائم ہو۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱..... جو مال، کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہو، اس کی زکاة واجب نہیں، کیونکہ اس پر کسی کی متعین ملکیت قائم نہیں ہوتی۔ ۲

مسئلہ نمبر ۲..... جو روپیہ پیسہ مسجد یا مدرسہ وغیرہ کے لئے لوگ بطور تعاون کے دیتے ہیں، وہ اگر نصاب کے بقدر ہو، اور ایک سال سے زیادہ تک جمع رہے، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس

۱۔ وأما الشرائط التي ترجع إلى المال فمنها: الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۹، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع إلى المال)
۲۔ الشرط الأول: كون المال مملوكا لمعين:

فلا زكاة فيما ليس له مالك معين، ومن هنا ذهب الحنفية إلى أن الزكاة لا تجب في سوائم الوقف، والخيل المسبلة، لأنها غير مملوكة. قالوا: لأن في الزكاة تمليكاً، والتمليك في غير الملك لا يتصور، قالوا: ولا تجب الزكاة في ما استولى عليه العدو، وأحرزوه بدارهم، لأنهم ملكوه بالإحراز، فزال ملك المسلم عنه. وقال المالكية: لا زكاة في الموصى به لغير معينين. وتجب في الموقوف ولو على غير معين كمساجد، أو بني تميم، لأن الوقف عندهم لا يخرج عن ملك الواقف، فلو وقف نقوداً للسلف يزيكها الواقف أو المتولى عليها منها كلما مر عليها حول من يوم ملكها، أو زكاها إن كانت نصاباً، وهذا إن لم يتسلفها أحد، فإن تسلفها أحد زكيت بعد قبضها منه لعام واحد. وفصل الشافعية والحنابلة فقالوا: إذا كان الوقف على غير معين، كالفقراء، أو كان على مسجد، أو مدرسة، أو رباط ونحوه مما لا يتعين له مالك لا زكاة فيه. وكذا النقد الموصى به في وجوه البر، أو ليشترى به وقف لغير معين، بخلاف الموقوف على معين فإنه يملكه فتجب فيه الزكاة عند الحنابلة، وهو قول عند الشافعية، وقيل عندهم: لا تجب، لأن ملكه ينتقل إلى الله تعالى لا إلى الموقوف عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۶، مادة "زكاة")

فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة)

کی زکاة بھی واجب نہیں ہوتی، یعنی مساجد و مدارس کے مصالح و ضروریات کے لئے فراہم کردہ چندہ و فنڈ پر زکاة واجب نہیں، کیونکہ یہ کسی کی شخصی اور متعین ملکیت نہیں ہوتے (کذا فی امداد الاحکام، ج ۳، ص ۲۲۰، کتاب الوقف، احکام المساجد و المدارس، واحسن الفتاویٰ، ج ۱، ص ۴۳۱، الکلام البدیع فی احکام التوزیع، کتاب العلم والعلماء) ۱۔

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کوئی ادارہ یا کارخانہ غریبوں، ضرورت مندوں یا بیماروں وغیرہ کے لئے

۱۔ البتہ اگر موقوف علیہم متعین افراد یا فرد ہوں، تو پھر بعض فقہاء کے نزدیک ان پر زکاة واجب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔
زکاة العین الموقوفة یبنی علی اختلاف الفقہاء فی ملک رقبۃ العین الموقوفۃ۔
فعند الحنفیۃ والشافعیۃ فی الأصح لا زکاة فیہا، یقول الحنفیۃ: لا تجب الزکاة فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک لأن فی الزکاة تملیکا والتملیک فی غیر الملک لا یتصور۔
ویقول الشافعیۃ: إذا كانت الماشیۃ موقوفۃ علی جہۃ عامۃ کالفقراء أو المساجد أو الغزاة أو الیاسمی أو شبہ ذلک فلا زکاة فیہا بلا خلاف، لأنه لیس لها مالک معین۔ وإن كانت موقوفۃ علی معین -سواء کان واحداً أو جماعۃ- فبناء علی الأصح من أن الملک فی رقبۃ الموقوف للہ تعالی لا زکاة فیہا کالوقف علی جہۃ عامۃ۔ ومقابل الأصح -وهو أن الملک فی رقبۃ الموقوف تكون للموقوف علیہ- ففی وجوب زکاتہ علی الموقوف علیہ وجہان: أصحہما لا تجب، لأن ملکہ ملک ضعیف بدلیل أنه لا یملک التصرف فی رقبۃ، والثانی أنها تجب علیہ، لأنه یملکہ ملکاً تاماً مستقراً فأشبهہ غیر الموقوف۔ وعند المالکیۃ یكون الموقوف علی ملک الواقف وعلی ذلک فزکاتہ علی الواقف، جاء فی حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: من وقف عیناً للسلف یاخذها المحتاج ویرد مثلہا، یجب علی الواقف زکاتها، لأنها علی ملکہ فتزکی کل عام ولو بانضمامہا لمالہ، وإن مکثت عند الممدین أعواماً فإنہا تزکی بعد قبضہا لعام واحد۔ وكذلك من وقف أنعاماً لتفرقة لبنہا أو صوفہا أو الحمل علیہا أو لتفرقة نسلہا فإن الجمیع یزکی علی ملک الواقف إن کان فیہا نصاب ولو بالانضمام لمالہ، ولا فرق بین کون الموقوف علیہم معینین أو غیر معینین ویقوم الناظر مقام الواقف إلا أن الناظر یزکیہا إذا بلغت نصاباً ولا یتأتی الضم لمالہ، لأنه لیس مالکاً۔ وقال الحنبلیۃ: إن الملک فی الموقوف یكون للموقوف علیہ فإن کان الموقوف علیہ معیناً کزید مثلاً فإنه یجب علیہ زکاة الموقوف من إبل أو بقر أو غنم سائمت، لأن الملک ینتقل للموقوف علیہ علی المذهب أشبہ سائر أملاکہ۔ واختار بعض الحنبلیۃ عدم وجوب الزکاة لضعف الملک۔
وإن کان الموقوف علیہ غیر معین کالفقراء مثلاً فلا تجب الزکاة فی الموقوف (الموسوعة الفقہیۃ الکویتیۃ، ج ۴، ص ۱۷۲، ص ۱۷۳، مادة ”وقف“)

رجل أعطی درہما فی عمارۃ المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح؛ لأنه وإن کان لا یمکن تصحیحہ تملیکاً بالہبۃ للمسجد فإثبات الملک للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیم بالقبض، کذا فی الوقعات الحسامیۃ (الفتاویٰ الہندیۃ، ج ۲، ص ۴۶۰، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف وتصرف القیم وغیرہ فی مال الوقف علیہ)

وقف ہے، اور اس وقف کے فنڈ سے اس کی آمدنی میں اضافہ کے لئے کوئی تجارت کی جاتی ہے، تو اس طرح کے مالی تجارت پر بھی زکاة واجب نہیں۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۴..... جو اموال سرکاری خزانہ یا بیت المال میں جمع یا سرکاری مال شمار ہوتے ہیں، جب تک وہ باضابطہ کسی کی ذاتی ملکیت نہ بنیں، اس وقت تک ان پر بھی زکاة واجب نہیں ہوتی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۵..... دینی مدارس یا کسی اور وقف شدہ رفاہی ادارہ میں، جو مختلف لوگ مالی زکاة

۱۔ سنل شیخ الإسلام أبو الحسن عن رجل قال :وقفت داری علی مسجد کذا، ولم یزد علی هذا وسلمها إلی المتولی صح، ولم یشرط التأبید ولم یجعل آخره للفقراء، قال :وهذا یكون تملیکا للمسجد وهبة، فیتیم بالقبض وإثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه یصح، فإن المتولی إذا اشتری من غلة دار المسجد یصح، وكذا من أعطی دراهم فی عمارة المسجد ونفقة المسجد أو مصالح المسجد یصح، وكذا إذا اشتری المتولی عبدا لخدمة المسجد یصح کل ذلك، فیصح هذا بطریق التملیک بالهبة، وإن كان لا یصح بطریق الوقف (المحیط البرهانی، ج ۶، ص ۲۱۳، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون)

اتفق الجمهور غیر الحنفیة علی جواز وقف المنقول مطلقا، كآلات المسجد كالقندیل والحصیر، وأنواع السلاح والثیاب والأثاث، سواء أكان الموقوف مستقلا بذاته، ورد به النص أو جرى به العرف، أم تبعا لغيره من العقار، إذ لم یشرطوا التأبید لصحة الوقف، فیصح كونه مؤبدا أو مؤقتا، خیریا أو أهلیا. وأخذ القانون المصری (م 8) بهذا الرأی، فأجاز وقف العقار والمنقول.

(ولم یجز الحنفیة) وقف المنقول منه عندهم البناء والغراس إلا إذا كان تبعا للعقار، أو ورد به النص كالسلاح والخیل، أو جرى به العرف كوقف الكتب والمصاحف والفأس والقنود والقنود (الأواني) وأدوات الجنائزة وثیابها، والدنانیر والدراهم، والمکیل والموزون، والسفینة بالمتاع، لتعامل الناس به، والتعامل - وهو الأكثر استعمالا - یترك به القیاس، لخبر ابن مسعود : ما رآه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن ولأن الثابت بالعرف ثابت بالنص، هذا مع العلم أن وقف البناء صار متعارفا، بخلاف ما لا تعامل فيه كشیاب ومتاع، وهذا قول محمد، المفتی به. ویباع المکیل والموزون ویدفع ثمنه مضاربة أو مباحضة، كما یفعل فی وقف النقود، وما خرج من الربح یتصدق به فی جهة الوقف (الفقه الاسلامی وادلته للزحلی، ج ۱۰، ص ۷۱۰، القسم السادس: الأحوال الشخصية، الباب الخامس الوقف، الفصل الثانی: أنواع الوقف ومحلّه)

متولی المسجد اذا اشترا من غلته دارا او حانوتا فهذه الدار او هذا الحانوت، هل یتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد ومعناه هل یصیر وقفا؟ اختلف المشائخ فیہ، قال الصدر الشہید: المختار انه لا یتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد ولكن یصیر مستقلا للمسجد (الفتاوی التتار خانیة، ج ۵، ص ۸۶۲، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قیم المسجد)

۲۔ الزکوة فی المال العام (أموال بیت المال) : نص الحنابلة علی أن مال الفیء، وخمس الغنیمة، وكل ما هو تحت ید الإمام مما یرجع إلی الصرف فی مصالح المسلمین لا زکاة فیہ. ولم نجد لدى غیرهم تعرضا لهذه المسألة مع مراعاتها فی التطبيق، إذ لم یعهد علما ولا عملا أخذ الزکاة من الأموال العامة (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۲۳۵، مادة "زکاة")

جمع کراتے ہیں، اور وہ مال ان اداروں کے مہتمم یا متولی وغیرہ کے حوالے کر دیتے ہیں، تو اس عمل کے نتیجے میں اس مال سے معطین (یعنی یہ رقم و مال دینے والوں) کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد ان مدارس اور اداروں کے ذمہ داران پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس طرح کی رقم کو، غریب مستحقین کی شرعی تملیک کے بعد استعمال کریں، اور جب تک اس رقم کی تملیک نہ ہو، یا شرعی طریقہ پر خرچ نہ ہو، تب بھی اگر کسی زکاۃ دینے والے، شخص کا انتقال ہو جائے، تو اس کے ورثاء کو، اس مال کا واپس لینا، جائز نہیں ہوتا، اور اگر اس رقم میں مدارس یا ادارہ کے ذمہ داران کوئی خیانت کریں، تو وہی اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اور ان پر اس کا تاوان بھی لازم ہوتا ہے، لیکن زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ پھر بھی ادا ہو جاتی ہے۔ ۱۔

۱۔ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

”مد عطیہ کی رقم مہتمم کی تحویل میں دے دینے کے بعد مدعی کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں۔

قال فی الہندیۃ: جل أعطی درہما فی عمارۃ المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح؛ لأنه وإن کان لا یمکن تصحیحه تملیکا بالہیۃ للمسجد فإنبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض، کذا فی الوقفات الحسامیۃ (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، باب ۱۱، فصل ۲، ص ۴۶۰، ج ۲)

وفیہا ایضاً: متولی المسجد إذا اشتري بمال المسجد حانوتا أو داراً ثم باعها جاز إذا كانت له ولاية الشراء، هذه المسألة بناء علی مسألة أخرى إن متولی المسجد إذا اشتري من غلة المسجد داراً أو حانوتا فهذه الدار وهذا الحانوت هل تلتحق بالحنانیت الموقوفة علی المسجد؟ ومعناه أنه هل تصیر وقفاً؟ اختلف المشایخ رحمهم اللہ تعالیٰ قال الصدر الشہید: المختار أنه لا تلتحق ولكن تصیر مستغلاً للمسجد کذا فی المضمورات (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، باب ۵، ص ۴۱۸، ج ۲)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ عطیہ کی رقم مدعی کی ملک سے خارج ہو کر مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے، یہاں ملک بمعنی مختص ہے، ورنہ حقیقت ملک، غیر ذوی العقول کے لئے غیر معقول ہے، ان رقم کی نظیر غلۃ الوقف ہے، پس رقم عطیہ پر تو کوئی اشکال نہ رہا، جب مدعی کی ملک ختم ہو گئی، تو نہ وجوب زکاۃ کا سوال رہا، نہ استرداد کا، اور نہ ہی موت مدعی کی صورت میں پیدا ہونے والے اشکالات رہے، جس طرح مدعی پر اس کی زکاۃ واجب نہیں، اسی طرح مہتمم مدرسہ پر بھی اس سے زکاۃ نکالنا واجب نہیں، لہذا وہاں بمنزلۃ غلۃ الوقف۔

اب صرف رقم صدقہ میں استرداد اور موت مصدق پر وارد ہونے والے اشکالات رہ جاتے ہیں، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم بھی مہتمم مدرسہ کی تحویل میں آنے کے بعد اصل مالک کی ملک سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶..... جو زمین عشری ہو، اور وہ مخصوص لوگوں پر وقف ہو، تو اس کی پیداوار پر بعض شرائط کے ساتھ عشر واجب ہوا کرتا ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنی عشر والی دوسری مستقل کتاب میں ذکر کر دی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ ۱

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا قیہ حاشیہ﴾ خارج ہوجاتی ہیں، اس لئے کہ اس حکم میں عطیہ و صدقہ میں کوئی فارق ظاہر نہیں (احسن الفتاویٰ، ج ۱ ص ۴۳۲، رسالہ: الکلام البدیع فی احکام التوزیع، کتاب العلم والعلماء) غزائے مدرسہ حکم بیت المال ہے، اس میں مال زکاة داخل ہونے سے زکاة ادا ہوجاتی ہے، معہذا تملیک طلبہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں لگانا جائز نہیں، تفصیل تہذیب میں ہے (ایضاً ص ۴۳۳)

اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کی قرارداد میں ہے کہ:

زکاة کی وصولی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفر و محصل) طلبہ کا وکیل ہے، مہتمم یا اس کے نائب (سفر و محصل) کو دے دینے سے زکاة ادا ہو جائے گی، مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکاة کی رقم حسب احکام شرع طلبہ پر صرف کرے، زکاة کی جو رقم مدارس یا بیٹ المال میں اکٹھی ہوتی ہے، ان کا کوئی مالک متعین نہیں، اسی طرح جو رقم از قسیم عطا یا صدقات نافلہ اداروں کو منطبق وجوہ خیر میں صرف کرنے کے لئے دی جاتی ہے، وہ دینے والوں کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے، اس لئے بیٹ المال، مدارس یا دیگر فرائی اداروں میں جمع شدہ رقم پر زکاة واجب نہیں ہوگی (اہم فقہی فیصلے ص ۵۴، ۵۵، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء)

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک جو حکم مدارس کا ہے، وہی حکم دیگر وقف شدہ اور فرائی اداروں کا بھی ہے۔

۱ غلة الأرض الموقوفة وثمار الأشجار إن كان الوقف على قوم بأعيانهم فحصل لبعضهم من الثمرة أو الحب نصاب ففيه الزكاة، لأن الموقوف عليهم يملكون الثمار والغلة ملكاً تاماً ويتصرفون فيه بجميع أنواع التصرف فمتى حصل لأحدهم نصاب وجبت عليه زكاته، وهذا عند الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة، وروى عن طاووس ومكحول أنه لا زكاة في ذلك لأن الأرض ليست مملوكة لهم فلم تجب عليهم زكاة في الخارج منه كالمساكين.

وإن كان الوقف على جهة عامة كالمساجد والفقراء فعند الحنفية والمالكية -وهو ما حكاہ ابن المنذر عن الشافعي- تجب الزكاة إذا بلغت نصاباً لعموم قوله تعالى: (وَأَنزَلْنَا لَهُ يَوْمَ حَصَادِهِ) ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة، كما يقول الحنفية. وعلى ذلك فإن الزكاة تخرج أولاً بمعرفة من يلي الوقف ثم يفرق الباقي على الموقوف عليهم بالاكتفاء كما يقول المالكية. وعند الحنابلة وهو الصحيح المشهور من نصوص الشافعي أنه لا زكاة في غلة الموقوف على غير معين كالفقراء ولا فيما يحصل في أيديهم، سواء حصل في يد بعضهم نصاب من الحبوب والثمار أو لم يحصل، لأن الوقف على الفقراء والمساكين لا يتعين لواحد منهم بدليل أن كل واحد منهم يجوز حرمانه والدفع إلى غيره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴، ص ۱۷۳، ص ۱۷۴، مادة ”وقف“)

(فصل نمبر ۱۲)

مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کا قائم ہونا

(مال کا مالک ہونے، واجب الوصول اور غصب شدہ مال کی زکاة کے احکام)

کسی مال میں زکاة واجب ہونے کے لئے حنفیہ وغیرہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس مال پر مطلق یا مکمل ملکیت قائم ہو، اور جس مال پر ملکیت قائم نہ ہو، یا اس پر ناقص ملکیت ہو، اس کی زکاة واجب نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں چند مسائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ ۱۔ مسئلہ نمبر ۱..... مال پر مطلق یا مکمل ملکیت قائم ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اس مال پر ملکیت بھی قائم ہو، اور اس مال پر اس طرح کا قبضہ یا تسلط بھی ہو کہ اس میں اسے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

اسی وجہ سے جو مال گم ہو گیا، یا مثلاً دریا میں ڈوب گیا، تو اگرچہ وہ انسان کی ملکیت میں ہے، لیکن اس پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت کامل نہیں بلکہ ناقص ہے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاة واجب نہیں۔

۱۔ اہل علم کے لیے اس موقع پر یہ بات فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ بعض حضرات نے ملک مطلق اور ملک تام کی شرط کو الگ الگ ذکر کیا ہے، جبکہ بعض نے مال کے حلال ہونے کی شرط کو مستقل طور پر بیان کیا ہے، اور انہوں نے ملک مطلق یا ملک تام کسی ایک شرط یا دونوں شرطوں کا مستقل طور پر ذکر نہیں کیا، ان سب میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ملک حلال میں ملک مطلق بھی شامل ہے، اور ملک مطلق میں ملک حلال بھی داخل ہے، اور اسی طرح ملک تام کی قید میں ملک مطلق بھی داخل ہے۔ بعض نے اختصار کے پیش نظر تداخل کو ترجیح دی، اور بعض نے بوجہ استقلال کو ترجیح دی، اور اس قسم کا تداخل وعدم تداخل فقہائے کرام کی عبارات میں شائع اور رائج ہے۔

ومنها الملك المطلق وهو أن يكون مملوكا له رقة وبدا وهذا قول أصحابنا الثلاثة، وقال زفر: "اليد ليست بشرط" وهو قول الشافعي فلا تجب الزكاة في المال الضمار عندنا خلافا لهما (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۹، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع الى المال)

الشرط الثاني: أن يكون ملكية المال مطلقة: وهذه عبارة الحنفية، وعبر غيرهم بالملك التام: وهو ما كان في يد مالكة ينتفع به ويتصرف فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۷، مادة، "زكاة")

اسی طرح اگر کسی کا مال دوسرے نے چوری کر لیا یا لوٹ لیا اور چوری کرنے یا لوٹنے والے کا علم بھی ہے کہ وہ کون شخص ہے لیکن وہ اقرار جرم نہیں کرتا یا اب وہ کسی وجہ سے مال لوٹانے پر قادر نہیں، تو حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاة بھی واجب نہیں۔

اسی طرح اگر مال دوسرے کو قرض دیا اور اب اس قرض کے واپس ملنے کی امید نہیں، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاة بھی واجب نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ایسا مال فقہی زبان میں ”مال ضار“ کہلاتا ہے، البتہ ان میں سے جس صورت میں بھی مال واپس مل جائے، تو آئندہ سالوں میں دوسری شرائط پائی جانے پر اس کی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱

۱۔ الملک التام للمال: واختلف الفقهاء فی المراد بالملک، أھو ملک الید (الحیازة) أم ملک التصرف أم أصل الملک؟

فقال الحنفیة: المقصود أصل الملک و ملک الید، بأن یكون مملوڪاً، فلا زکاة فی سوائهم الوقف و الخیل الموقوفة، لعدم الملک، ولا تجب الزکاة فی المال الذی استوی علیه العدو و أحرزه بداره، لأن الأعداء فی رأى الحنفیة مملوڪه بالإحراز، فزال ملک المسلم عنه، ولا فی الزرع النابت فی أرض مباحة لعدم الملک، ولا علی المدين الذی فی یدہ مال للغير لعدم الملک، وإنما زکاة هذا المال علی المالك الأصلي. وأيضاً أن یكون مملوڪاً فی الید أى مقبوضاً، فلو ملک شیئاً ولم یقبضه، کصدق المرأة قبل قبضه، فلا زکاة علیها فيه. ولا زکاة فی المال الضمار: وهو کل مال غیر مقدور الانتفاع به، مع قیام أصل الملک، کالحيوان الضال، و المال المفقود و المال الساقط فی البحر، و المال الذی أخذه السلطان مصادرة، و الدين المبحور إذا لم یکن للمالك بینة و حال الحول ثم صار له بینة، بأن أقر عند الناس، و المال المدفون فی الصحراء إذا خفی علی المالك مكانه، فإن كان مدفوناً فی البیت تجب فيه الزکاة بالإجماع. وعلی هذا لا زکاة فی رأى الحنفیة علی ما یقابل الدين من مال المزکی، لأن مقدار الدين هو فی الواقع مملوڪ للدائن لا للمدين (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحلی، ج ۳ ص ۱۸۰، ۱۸۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني) الشرط الثاني: أن یكون ملكیة المال مطلقة:

و هذه عبارة الحنفیة، و عبر غیرهم بالملک التام: وهو ما كان فی ید مالکة ینتفع به و یتصرف فيه. و الملک الناقص یكون فی أنواع من المال معینة.

منها: مال الضمار: وهو کل مال مالکہ غیر قادر علی الانتفاع به لكون یدہ لیست علیه، فمذهب أبی حنیفة، و صاحبیه، وهو مقابل الأظهر عند الشافعیة، وروایة عند الحنابلة أنه لا زکاة علیه فيه، کالبعیر الضال، و المال المفقود، و المال الساقط فی البحر، و المال الذی أخذه السلطان مصادرة، و الدين المبحور إذا لم یکن للمالك بینة، و المال المغصوب الذی لا یقدر صاحبه علی أخذه،

﴿بقیہ حاشیاء گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالک کے نزدیک مذکورہ مالوں اور اسی طرح جو مال گم یا غائب ہو گیا، جیسے کہ جنگل میں دفن شدہ مال، جس کی جگہ معلوم نہیں، تو اس طرح کا مال اگر دستیاب ہو جائے، تو پھر ان کے نزدیک گزشتہ ایک سال کی زکاة واجب ہوگی، خواہ وہ کئی سالوں کے بعد دستیاب ہوا ہو، اور جب تک وہ مال دستیاب نہ ہو، تو اس کی زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۱۔

اور شافعیہ و حنابلہ کے رائج قول کے مطابق اس طرح کے مذکورہ مالوں کی زکاة اس وقت تک تو واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ مال دستیاب نہ ہوں، لیکن دستیاب ہونے کے بعد ان کی گزشتہ تمام سالوں کی زکاة واجب ہوگی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۴..... جس شخص کا دوسرے پر دین و قرض ہو، تو یہ مال قرض و دین کے مالک یعنی قرض خواہ کی ملکیت ہوتا ہے، دین دار یا مقروض کی ملکیت نہیں ہوتا۔

اور اس طرح کے مال کی مالک پر زکاة واجب ہونے، نہ ہونے کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کچھ تفصیل ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک تو مالک پر اس مال کی زکاة واجب نہیں، خواہ وہ کسی بھی طرح کا

﴿گزشتہ صفحے کا قیہ حاشیہ﴾ والمسرورق الذی لا یدری من سرقة، والمال المدفون فی الصحراء إذا خفی علی المالك مكانه، فإن كان مدفوناً فی البیت تجب فیہ الزکاة عند الحنفیة، اى لأنه فی مكان محدود. واحتجوا بما روی عن علی رضی اللہ عنہ أنه قال: لیس فی مال الضمار زکاة. ولأن المال إذا لم یکن الانتفاع به والتصرف فیہ مقدوراً لا یكون المالك به غنيا. قالوا: وهذا بخلاف ابن السبیل (أى المسافر عن وطنه) فإن الزکاة تجب فی ماله، لأن مالک به یقدر علی الانتفاع به، وكذا الدین المقر به إذا كان علی ملىء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۷، مادة ”زکاة“)

۱۔ وذهب مالک إلى أن المال الضائع ونحوه كالمدفون فی صحراء إذا ضل صاحبه عنه أو كان بمحل لا يحاط به، فإنه یزکی لعام واحد إذا وجده صاحبه ولو بقى غائباً عنه سنين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۷، مادة ”زکاة“)

۲۔ وذهب الشافعية فی الأظهر وهو رواية عند الحنابلة إلى أن الزکاة تجب فی المال الضائع ولكن لا یجب دفعها حتى یعود المال. فإن عاد یخرجها صاحبه عن السنوات الماضية كلها، لأن السبب الملك، وهو ثابت. قالوا: لكن لو تلف المال، أو ذهب ولم یعد سقطت الزکاة. وكذا عندهم المال الذی لا یقدر علیه صاحبه لانقطاع خبره، أو انقطاع الطریق إلیه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۷، مادة ”زکاة“)

دین و قرض ہو۔ ۱

اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس دین و قرض کے ملنے کی امید ہو، اس پر ہر سال زکاة واجب ہوتی ہے، مگر اس کی زکاة کا ادا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے، جب وہ واپس مل جائے۔ اور واپس ملنے کے بعد گزشتہ اس تمام عرصہ کی زکاة واجب ہوتی ہے، جتنا عرصہ مدیون و مقرض نے وہ مال واپس نہیں کیا۔ ۲

اور امام شافعی کے رائج قول کے مطابق جس دین اور قرض کے ملنے کی امید ہو، مالک پر اس کی زکاة ہر سال ادا کرنا اسی طرح واجب ہوتا ہے، جس طرح سے اپنے پاس موجود مال کی زکاة دینا واجب ہوا کرتا ہے۔ ۳

۱ زکاة الدین: الدین مملوک للدائن، ولكنه لكونه ليس تحت يد صاحبه فقد اختلفت فيه أقوال الفقهاء: فذهب ابن عمر، وعائشة، وعكرمة مولى ابن عباس رضى الله عنهم، إلى أنه لا زكاة في الدين، وجهه أنه غير نام، فلم تجب زكاته، كعروض القنية (وهي العروض التي تقتضى لأجل الانتفاع الشخصي) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۸، مادة "زكاة")

۲ وذهب جمهور العلماء إلى أن الدين الحال قسمان: دين حال مرجو الأداء، ودين حال غير مرجو الأداء. فالدين الحال المرجو الأداء: هو ما كان على مقر به باذل له، وفيه أقوال: فمذهب الحنفية، والحنابلة، وهو قول الثوري: أن زكاته تجب على صاحبه كل عام لأنه مال مملوك له، إلا أنه لا يجب عليه إخراج الزكاة منه ما لم يقبضه، فإذا قبضه زكاه لكل ما مضى من السنين. ووجه هذا القول: أنه دين ثابت في الذمة فلم يلزمه الإخراج قبل قبضه، ولأنه لا ينتفع به في الحال، وليس من المواساة أن يخرج زكاة مال لا ينتفع به. على أن الوديعة التي يقدر صاحبها أن يأخذها في أي وقت ليست من هذا النوع، بل يجب إخراج زكاتها عند الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۸، مادة "زكاة")

۳ اور مالک کے نزدیک بعض دیون کی زکاة ہر سال واجب ہے، اور بعض کی قبضہ کرنے کے بعد واجب ہے، اور بعض کی سرے سے واجب نہیں۔

ومذهب الشافعي في الأظهر، وحماذ بن أبي سليمان، وإسحاق، وأبي عبيد أنه يجب إخراج زكاة الدين المرجو الأداء في نهاية كل حول، كالمال الذي هو بيده، لأنه قادر على أخذه والتصرف فيه. وجعل المالكية الدين أنواعا: فبعض الديون يزكى كل عام وهي دين التاجر المدير عن ثمن بضاعة تجارية باعها، وبعضها يزكى لحول من أصله لسنة واحدة عند قبضه ولو أقام عند المدين سنين، وهو ما أقرضه لغيره من نقد، وكذا ثمن بضاعة باعها محتكر، وبعض الديون لا زكاة فيه، وهو ما لم يقبض من نحوه أو مهر أو عوض جنابة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۹، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۳..... اگر کسی شخص کا دوسرے پر ایسا دین و قرض ہو، جس کے واپس ملنے کی امید نہ ہو، اور وہ ایک طرح سے ڈوب گیا ہو، مثلاً مدیون و مقروض اس دین یا قرض کا منکر ہو، یا مثال منول سے کام لیتا ہو، جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ دین و قرض ادا نہیں کرے گا، یا مدیون و مقروض کی تنگدستی کی حالت کے پیش نظر معلوم ہوتا ہو کہ وہ قرض و دین ادا نہیں کر سکے گا، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے قرض و دین کی زکاة نہ فی الحال واجب ہوتی، اور نہ ہی اس طرح کے قرض و دین کے واپس ملنے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکاة واجب ہوتی۔ ۱

اور شافعیہ کے رائج قول کے مطابق اس طرح کے قرض و دین کی بھی زکاة واجب ہوتی ہے، مگر اس وقت جبکہ وہ واپس ملے، اور واپس ملنے کے بعد گزشتہ تمام اس عرصہ کی زکاة واجب ہوتی ہے، جتنا عرصہ مدیون و مقروض نے وہ مال واپس نہیں کیا۔

اور یہی حکم اس دین اور قرض کا بھی ہے، جس کی واپسی کا ابھی زمانہ نہ آیا ہو۔ اور مالکیہ کے نزدیک اس طرح کے دین و قرض کے ملنے کے بعد صرف ایک سال کی زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۲

۱۔ وأما الدين غير المرجو الأداء، فهو ما كان على معسر أو جاحد أو ماطل، وفيه مذاهب: فمذهب الحنفية فيه كما تقدم، وهو قول قتادة وإسحاق، وأبي ثور، ورواية عن أحمد، وقول مقابل للأظهر للشافعي: أنه لا زكاة فيه لعدم تمام الملك، لأنه غير مقدور على الانتفاع به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۹، مادة "زكاة")

۲۔ والقول الثاني وهو قول الثوري، وأبي عبيد ورواية عن أحمد، وقول للشافعي هو الأظهر: أنه يزكيه إذا قبضه لما مضى من السنين، لما روى عن علي رضي الله عنه في الدين المظنون "إن كان صادقاً فليزكه إذا قبضه لما مضى. وذهب مالك إلى أنه إن كان مما فيه الزكاة يزكيه إذا قبضه لعام واحد وإن أقام عند المدين أعواماً. وهو قول عمر بن عبد العزيز، والحسن والليث، والأوزاعي. واستثنى الشافعية والحنابلة ما كان من الدين ماشية فلا زكاة فيه، لأن شرط الزكاة في الماشية عندهم السوم، وما في الئمة لا يتصف بالسوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۹، مادة "زكاة") ذهب الحنابلة وهو الأظهر من قول الشافعية: إلى أن الدين المؤجل بمنزلة الدين على المعسر، لأن صاحبه غير متمكن من قبضه في الحال فيجب إخراج زكاته إذا قبضه عن جميع السنوات السابقة. ومقابل الأظهر عند الشافعية: أنه يجب دفع زكاته عند الحول ولو لم يقبضه. ولم نجد عند الحنفية والمالكية تفريقاً بين المؤجل والحال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۹، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۴..... جس قرض یا دین کے واپس ملنے کی امید ہو، زکاة واجب ہونے، نہ ہونے کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی مجموعی طور پر تین قسمیں ہیں۔ جن کا الگ الگ شقوں میں خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱)..... جو قرض دوسرے کو نقدی یعنی سونے، چاندی یا روپیہ، پیسہ کی شکل میں دیا ہو، یا تجارت کا مال فروخت کیا ہو، اور اس کی قیمت کا وصول کرنا باقی ہو، اور اس کے وصول ہونے کی امید ہو، تو اس طرح کا دین یا قرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ”دین قوی“ کہلاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح کے دین و قرض کی زکاة واجب ہوتی ہے۔
(۲)..... اگر دوسرے کو نہ تو نقدی یعنی روپیہ پیسہ، سونا، چاندی، کی شکل میں قرض دیا ہو، اور نہ ہی مالی تجارت فروخت کرنے کے نتیجہ میں اس کی قیمت کا وصول کرنا باقی ہو، بلکہ کوئی ایسا مال فروخت کیا، جو زکاة کا مال نہیں تھا (یعنی غیر نامی چیز تھی) مثلاً گھریلو سامان کو فروخت کیا تھا، اور اس کی قیمت کا وصول کرنا باقی ہو، اور اس کے وصول ہونے کی امید ہو، تو اس طرح کا دین یا قرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ”دین متوسط“ کہلاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح کے دین و قرض کی زکاة بھی واجب ہوتی ہے
(۳)..... اگر دوسرے کو نہ تو نقدی یعنی روپیہ پیسہ، سونا، چاندی، کی شکل میں قرض دیا ہو، اور نہ ہی مالی تجارت یا کسی اور طرح کا مال فروخت کیا ہو، بلکہ ان کے علاوہ کسی اور سبب سے دوسرے کے ذمہ دین لازم ہوا ہو، مثلاً نکاح کے نتیجہ میں عورت کا وہ مہر جو شوہر کے ذمہ ہو، اور ابھی عورت کو وصول نہ ہوا ہو، یا بدل خلع (یعنی بیوی سے خلع کرنے کے نتیجہ میں معاہدہ کے تحت لازم شدہ مال) جو عورت کے ذمہ ہو، اور ابھی شوہر کو وصول نہ ہوا ہو، یا کسی چیز کی دیت جو دوسرے نے ادا کرنی ہو، یا اس نے کسی کا کوئی کام اجرت و مزدوری یا تنخواہ پر کیا ہو، اور وہ اجرت،

مزدوری یا تنخواہ وصول کرنا باقی ہو، تو اس طرح کا دین یا قرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ”دینِ ضعیف“ کہلاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح کے دین و قرض کی زکاة واجب نہیں ہوا کرتی۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ان تینوں قسم کے قرض و دین کی زکاة واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اور ان حضرات کے نزدیک جب بھی ان میں سے کسی قسم کا قرض واپس وصول ہو، اس کی زکاة واجب ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ نصاب کے بقدر ہو، یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو۔ ا

۱۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دینِ قوی کی زکاة کا ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا، جبکہ چالیس درہم یا ان کی مالیت کے بقدر (یعنی نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہو، اور دینِ متوسط کی زکاة کا ادا کرنا، اصح قول کے مطابق، اس وقت واجب ہوگا، جبکہ دو سو درہم یا ان کی مالیت کے بقدر (یعنی پورا نصاب) وصول ہو، اور دینِ ضعیف میں گزشتہ سالوں کی زکاة واجب نہیں، اور وصول ہونے کے بعد آئندہ سالوں کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ وہ اگر دو سو درہم کے بقدر ہو، یا دوسرے مالی زکاة کے ساتھ مل کر دو سو درہم کے بقدر ہو، تو حوالانِ حول پر زکاة واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

ذهب الصحابان إلى أن الديون كلها نوع واحد، فكلما قبض شيئا منها زكاه إن كان الدين نصاباً أو بلغ بضمه إلى ما عنده نصاباً.

وذهب أبو حنيفة إلى أن الدين ثلاثة أقسام: الأول: الدين القوي : وهو ما كان بدل مال زكوى، كقرض نقد، أو ثمن مال سائمة، أو عرض تجارة. فهذا كلما قبض شيئا منه زكاه ولو قليلا (مع ملاحظة مذهبه في الوقف في الذهب والفضة، فلا زكاة في المقبوض من دين دراهم مثلاً إلا إذا بلغت ٢٠ درهما ويكون فيها درهم) وحوله حول أصله، لأن أصله زكوى فيبني على حول أصله رواية واحدة. الثاني: الدين الضعيف : وهو ما لم يكن ثمن مبيع ولا بدلاً لقرض نقد، ومثاله المهر والدية وبدل الكتابة والخلع، فهذا متى قبض منه شيئا وكان عنده نصاب غيره قد انعقد حوله يزكاه معه كالمال المستفاد، وإن لم يكن عنده من غيره نصاب فإنه لا تجب فيه الزكاة إلا إذا قبض منه نصاباً وحال عليه الحول عنده منذ قبضه، لأنه بقبضه أصبح مالا زكواً. الثالث: الدين المتوسط : وهو ما كان ثمن عرض قنية مما لا تجب فيه الزكاة، كثمن داره أو متاعه المستغرق بالحاجة الأصلية. ففي رواية، يعتبر مالا زكواً من حين باع ما باعه فثبت فيه الزكاة لما مضى من الوقت، ولا يجب الأداء إلا بعد أن يتم ما يقبضه منه نصاباً، وفي رواية أخرى : لا يبدأ حوله إلا من حين يقبض منه نصاباً، لأنه حينئذ أصبح زكواً، فصار كالحادث ابتداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٣، ص ٢٢٠، مادة ”زكاة“)

زكاة الدين: المال البالغ نصاباً والذي هو دين لإنسان في ذمة آخر، وحال عليه الحول، تجب

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... جو چیز دوسرے کو فروخت کی ہو اور اس کی قیمت یا اس کا کچھ حصہ تو پیشگی (یعنی ایڈوانس) وصول کر لیا، لیکن اس فروخت کی جانے والی چیز پر دوسرے کو قبضہ نہیں دیا، تو اس قبضہ کی ہوئی رقم یا قیمت کی زکاة بائع (یعنی فروخت کنندہ) کے ذمہ واجب ہوتی ہے، کیونکہ قیمت پر قبضہ کرنے سے اس پر ملکیت مکمل طور پر قائم ہو جاتی ہے (ملاحظہ ہو: اہم فقہی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ زکاتہ بشرط مفصلة فی المذاہب. قال الحنفیة: الدین عند الإمام ابی حنیفہ ثلاثۃ أنواع: قوی، ومتوسط، وضعیف. فالقوی: هو بدل القرض ومال التجارة کمن العروض التجاریة، إذا کان علی مقرّ به ولو مفلساً، أو علی جاحد علیہ بینة، تجب فیہ الزکاة إذا قبضہ، لما مضی من الأعوام، كلما قبض أربعین درهماً، ففیہ درهم واحد؛ لأن مادون الخمس من النصاب عفو لا زکاة فیہ، وما زاد عن ذلك فزکاتہ بحسابہ. والمتوسط: هو بدل ما لیس للتجارة أى ما لیس دین تجارة کمن دار السکنی وثن الثیاب المحتاج إليها، لا یجب فیہ الزکاة إلا إذا قبض منه نصاباً (مثنی درهم) فإن قبض مثنی درهم زکی لما مضی، ويعتبر الماضی من الحول من وقت لزومه للذمة المشتري، فی صحیح الروایة. فالدين المتوسط مثل الدين القوی فی حوّلان الحول علیہ، فيعتبر حوله من وقت التزام المدين به، لا من وقت القبض فی الأصح. والضعیف: هو بدل ما لیس بمال، كالمهر والميراث والوصية وبدل الخلع والصلح عن دم العمد، والدية، فإن المهر لیس بدلاً عن مال أخذه الزوج من زوجته، وكذا بدل الخلع لیس بدلاً عن مال تدفعه الزوجة لزوجها. ومثله دين الوصية، والدية وبدل الصلح، والميراث. لا تجب فیہ الزکاة ما لم يقبض نصاباً ويحول علیہ الحول بعد القبض. والخلاصة: أن الزکاة تجب فی کل أنواع الدين المذكورة، لكن الأداء يكون عند القبض، قبض خُمُس النصاب فی القوی، وقبض كامل النصاب فی المتوسط والضعیف، وبما أن الدين الضعیف کسب جدید، فيجب حوّلان الحول. وقال الصحابان: الديون كلها سواء، وكلها قویة، تجب الزکاة فیها قبل القبض إلا الدية علی العاقلة (العصبة)، فإنه لا تجب الزکاة فیها أصلاً ما لم تقبض ويحول علیها الحول، لأن تلك الديون ما عدا الدية ملک لصاحبها، لكن لا يطالب بالأداء للحال، وإنما عند القبض (الفقه الاسلامی وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۸۳۰، و ص ۱۸۳۱، القسم الاول، الباب الرابع، الفصل الاول)

(و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوی، ومتوسط، وضعیف؛ (فتجب) زکاتها إذا تم نصاباً وحال الحول، لكن لا فوراً بل (عند قبض أربعین درهماً من الدين) القوی کقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعین درهماً يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط کمن سائمة وعبید خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجہ الأصلية كطعام وشراب وأملاك.

ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض فی الأصح، ومثله ما لو ورث دیناً علی رجل (و) عند قبض (مائتين مع حوّلان الحول بعده) أى بعد القبض (من) دين ضعيف وهو (بدل غير مال) كمهر ودية وبدل كتابة وخلع، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعیف كما مر (الدرا المختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۳۰۵، الى ۳۰۷، كتاب الزکاة، باب زکاة المال)

فیصلے ص ۴۹، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: ستمبر ۱۹۹۷ء) ۱۔
مسئلہ نمبر ۶..... اگر کوئی سامان، تجارت کی غرض سے خرید لیا گیا، مگر ابھی تک اس مالی تجارت پر خریدار یا اس کے نمائندہ کا قبضہ نہیں ہوا، تو بعض حنفیہ کے نزدیک اس مالی تجارت پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار کے ذمہ گزشتہ سالوں کی زکاة واجب ہوتی ہے، کیونکہ اس طرح کا سامان دوسرے پر دین قوی ہوتا ہے، اور بعض حنفیہ کے نزدیک اس مالی تجارت کی زکاة خریدار کے ذمہ واجب نہیں ہوتی، کیونکہ قبضہ سے پہلے خریدار کی ملکیت سودے پر مکمل نہیں ہوتی۔ ۲۔

۱۔ زکاة الثمن فی السلم علی البائع (المسلم إلیه) ويعتبر الحول من تاریخ قبضه الثمن، وأما المبيع (المسلم فیہ) فزکاته قبل قبضه زکاة الدیون، وبعد القبض یزکی زکاة عروض تجارة إذا کان للتجارة (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۱ ص ۹۶۶، القسم السادس، الباب السادس)
زکاة الثمن المقبوض عن بضائع لم یجر تسلیمها: إذا اشتري مالا بنصاب دراهم، أو أسلم نصاباً فی شیء فحال الحول قبل أن یقبض المشتري المبيع، أو یقبض المسلم فیہ، والعقد باق لم یجر فسخه، قال الحنابلة: زکاة الثمن علی البائع، لأن ملکه ثابت فیہ. ثم لو فسخ العقد لتلف المبيع، أو تعذر المسلم فیہ، وجب رد الثمن کاملاً. وصرح الشافعية بما هو قریب من ذلك وهو أن البضاعة المشتراة إذا حال علیها الحول من حین لزوم العقد تجب زکاتها علی المشتري وإن لم یقبضها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۱، مادة "زکاة")

۲۔ جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۱۸، وج ۲ ص ۴۳، میں قبضہ سے پہلے گرج کے بعد مالی تجارت کی مشتری پر مطلقاً عدم وجوب زکاة کا حکم مذکور ہے، اور فقہی مقالات، جلد ۳ صفحہ ۱۶۹، تاریخ اشاعت: جنوری ۱۹۹۹ء، مطبوعہ: مین اسلامک پبلشرز، کراچی، میں مطلقاً وجوب زکاة کا حکم مذکور ہے، اور اس کی بظاہر وجہ اس سلسلہ میں حنفیہ کے دو قسم کے اقوال ہیں، چنانچہ بعض حنفیہ نے قبضہ سے پہلے مشتری کے ملک تام یا ملک مطلق نہ ہونے کی وجہ سے عدم وجوب کا حکم لگایا ہے، جبکہ بعض نے بیع مکمل ہونے کے بعد اس کے نصاب اور دوسرے پر دین ہونے کی وجہ سے قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکاة کے وجوب کا حکم لگایا ہے، اور اس کو اصح یا صحیح قرار دیا ہے، اور عدم وجوب زکاة کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبضہ اور وصولی سے پہلے زکاة کا ادا کرنا واجب نہیں۔

فالقوی: هو بدل القرض ومال التجارة کضمن العروض التجارية، إذا کان علی مقرّ به ولو مفلساً، أو علی جاحد علیہ بینة، تجب فیہ الزکاة إذا قبضه، لما مضى من الأعوام، کلما قبض أربعین درهماً، فیہ درهم واحد؛ لأن مادون الخمس من النصاب عفو لا زکاة فیہ، وما زاد عن ذلك فزکاته بحسابه (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳، ص ۱۸۳۰، الباب الرابع، الفصل الاول)

ولا فیما اشتراه لتجارة قبل قبضه (الدر المختار)

(قوله قبل قبضه) أما بعده فیزکیه عما مضى كما فهمه فی البحر ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷..... اگر کسی نے قابل زکاة مال مثلاً زیور دوسرے کے پاس رہیں رکھوا کر قرض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ من عبارة المحيط فراجعہ، لكن في الخانية: رجل له سائمة اشتراها رجل للسيامة ولم يقبضها حتى حال الحول ثم قبضها لا زكاة على المشتري فيما مضى لأنها كانت مضمونة على البائع باليمن. اهـ. ومقتضى التعليل عدم الفرق بين ما اشتراها للسيامة أو للتجارة فتأمل (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۶۳، كتاب الزكاة)

واما المشتري قبل القبض فقد قال مشايخ العراق انه لا يكون نصابا قبل القبض عندهم جميعا، وفي المنتقى: انه لا يكون نصابا قبل القبض من غير ذكر الخلاف، على ما يأتي في آخر الفصل ان شاء الله تعالى، قال غيرهم من المشايخ: هو على الخلاف الذي ذكرنا في اليمن، قال بعضهم هو نصاب قبل القبض بلا خلاف (الفتاوى التارخانية، ج ۲ ص ۳۰۳، كتاب الزكاة، الفصل الثالث عشر في زكاة الديون)

وقد منا أن المبيع قبل القبض لا تجب زكاته على المشتري وذكر في المحيط في بيان أقسام الدين أن المبيع قبل القبض، قيل: لا يكون نصابا؛ لأن الملك فيه ناقص بافتقاد اليد، والصحيح أنه يكون نصابا؛ لأنه عوض عن مال كانت يده ثابتة عليه، وقد أمكنه احتواء اليد على العوض فتعتبر يده باقية على النصاب باعتبار التمكن شرعا اهـ فعلى هذا قولهم: لا تجب الزكاة معناه قبل قبضه، وأما بعد قبضه فتجب زكاته فيما مضى كالدين القوي (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۲۵، كتاب الزكاة)

(قوله ملكا تاما) يحترز عن ملك المكاتب والمديون والمبيع قبل القبض لأن الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كملك المبيع قبل القبض والصدقات قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكاة (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۱۲، كتاب الزكاة)

الحاصل أن بالعقد يحصل أصل الملك، وتام ما هو المقصود لا يحصل إلا بالقبض، وصيرورته نصاب الزكاة يبنى على تمام المقصود لا على حصول أصل الملك بخلاف التصرف فإن نفوذه يبنى على ثبوت أصل الملك، وقد روى عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى- في المبيع قبل القبض أنه لا يكون نصاب الزكاة؛ لأن الملك فيه غير تام حتى لا يملك التصرف فيه (المبسوط، للسرخسي، ج ۲ ص ۱۶۸، كتاب الزكاة)

قوله: "ملك تاما"، احترازا عن البيع قبل القبض حيث لا زكاة فيه؛ لأن ملكه لم يتم، ولهذا لا يجوز تصرفه فيه، والملك: عبارة عن مطلق التصرف فيكون الملك فيه ناقصا، فلا يلزم عليه مال ابن السبيل؛ لأن يده ثابتة (البنية شرح الهداية، ج ۳ ص ۲۸۹، كتاب الزكاة، حكم الزكاة وشروط وجوبها) ولو تزوجها على خمس من الإبل السائمة أو عرض التجارة بعينها لا تجب فيها الزكاة في قول أبي حنيفة الثاني حتى تقبضها ويحول عليها الحول بعد قبضها؛ لأنها بدل ما لا تجب فيه الزكاة كالدابة وبدل الكتابة قال أبو نصر في شرح القدوري وكالمبيع قبل القبض، وفي الحاوي المبيع قبل القبض لا تجب فيه الزكاة، وفي قياس قول أبي حنيفة كالمهر قال الفقيه أبو الليث هو قول الكل لأن المشتري لا يملك التصرف في المبيع قبل قبضه بخلاف المهر، وفي الجامع المبيع قبل القبض نصاب عندهما وكذا عند أبي حنيفة على الأصح، وفي المحيط والصحيح أنه نصاب؛ لأنه بدل مال بخلاف المهر؛ لأنه بدل ما ليس بمال. اهـ. غايه (حاشية الشلبي على تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۵۷، كتاب الزكاة)

لیا، اور پھر قرض ادا کر کے وہ رہن واپس لے لیا، تو بعض حضرات کے نزدیک اس رہن رکھے ہوئے زیور کی زکاة اس عرصہ کی کسی پر واجب نہیں ہوگی، جتنے عرصہ تک وہ دوسرے کے پاس رہن رکھا رہا، جبکہ بعض کے نزدیک رہن کی وہ چیز ملنے کے بعد مالک پر گزشتہ عرصہ کی زکاة واجب ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... اگر ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ ایسا قرض و دین تھا، جس کے واپس ملنے کی امید تھی، اور اس کی زکاة بھی واجب تھی، پھر اس مال کے مالک یعنی قرض خواہ نے اس مدیون و مقرض کو معاف کر دیا، تو بہت سے حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاة بھی ساقط ہو جائے گی، خواہ وہ زکاة ساقط ہونے کی نیت سے اپنا وہ دین و قرض معاف کرے، یا کسی اور وجہ سے معاف

۱۔ جہاں تک اس قرض کی زکاة کا تعلق ہے، جو قرض دہندہ نے رہن اپنے پاس رکھ کر دوسرے کو دیا ہے، تو یہ دین قوی میں داخل ہے، جس کے وصول ہونے کے بعد اس کے ذمہ گزشتہ عرصہ کی زکاة واجب ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

ولا فی مرهون بعد قبضه (الدر المختار)

(قوله: ولا فی مرهون) أى لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد، وإذا استرده الراهن لا يزكى عن السنين الماضية، وهو معنى قول الشارح بعد قبضه، ويدل عليه قول البحر ومن موانع الوجوب الرهن ح وظاهره ولو كان الرهن أزيد من الدين ط.

قلت: لكن أرجع شيخ مشايخنا السانحاني الضمير في قول الشارح بعد قبضه إلى المرتهن كما رأيت بخطه في هامش نسخته، ويؤيده أن عبارة البحر هكذا: ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد اهـ وليس فيها ما يدل على أنه لا يزكيه بعد الاسترداد، لكن قال في الخانية: السائمة إذا غصبها ومنعها عن المالك وهو مقرئم ردّها عليه لا زكاة على المالك فيما مضى، وكذا لو رهنها بألف وله مائة ألف فحال الحول على الرهن في يد المرتهن يزكي الراهن ما عنده من المال إلا ألف الدين، ولا زكاة في غنم الرهن لأنها كانت مضمونة بالدين فرق بين الدراهم المغصوبة والسائمة فإنه يزكي الدراهم إذا قبضها دون السائمة ولو الغاصب مقرا اهـ. وظاهره أنه لا فرق بين السائمة والدراهم فليتأمل (ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۶۳، كتاب الزكاة)

(قوله وظاهره أنه لا فرق (الخ) فان ما ذكره من العلة دال على أن الدارهم الرهن لا تجب زكاتها بعد الاسترداد (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، ص ۱۲۷، كتاب الزكاة، مشموله: ردالمحتار، ج ۲)

ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد بخلاف العشر حيث يجب فيه كذا في العناية (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۱۸، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

العين كانت محبوسة عند الحق المرتهن فإذا، وصلت يده إليه أدى الزكاة لما مضى، وليس عليه في الألف زكاة؛ لأنه كان عليه مثلها ديناً، والمستغرق بالدين لا يكون نصاب الزكاة (المبسوط للسرخسي، ج ۲ ص ۱۲۲، كتاب الرهن، باب رهن الفضة بالفضة والكيل والوزن)

کرے، اور اگر پورا قرض و دین معاف نہیں کیا، بلکہ کچھ حصہ معاف کر دیا، تو جتنا حصہ معاف کیا، صرف اتنے حصہ کی زکاة ساقط ہو جائے گی۔ ۱

اور بعض حنفی مشائخ نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر قرض خواہ نے مقروض کو زکاة کا سال پورا ہونے (یعنی زکاة کی تاریخ آنے) سے پہلے ہی معاف کر دیا تو اس کی زکاة واجب نہیں۔

اور اگر سال پورا ہونے (یعنی زکاة کی تاریخ آنے) کے بعد معاف کیا (جبکہ اس کی زکاة اپنے اوپر واجب ہو چکی تھی) تو دیکھا جائے گا کہ جس کو قرض معاف کیا، وہ مالدار ہے یا غریب مستحق زکاة؟

اگر وہ مالدار ہے تو اس کی زکاة واجب ہوگی، اور معاف نہیں ہوگی (البتہ اس صورت میں آئندہ اس قرض کی زکاة واجب نہ ہوگی)

اور اگر وہ غریب زکاة کا مستحق ہے، تو پھر اس سال کی زکاة معاف ہو جائے گی (لان فسی

الصورة الاولى صار استهلاكاً، وفي الصورة الثانية هلاكاً) ۲

۱۔ ثم اعلم أن هذا كله فيما إذا لم يبرء صاحب الدين منه أما إذا أبرأ المدينون منه بعد الحول فإنه لا زكاة عليه فيه سواء كان ثمن مبيع أو قرضاً أو غير ذلك، صرح به قاضي خان في فتاويه لكن قيده في المحيط بكون المدينون معسراً أما لو كان موسراً فهو استهلاك، وهو تقييد حسن يجب حفظه، وذكر في القنية أن فيه روايتين (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۵، كتاب الزكاة)

رجل له على رجل ألف درهم فحال الحول عليه ثم أبرأ المدينون من الدين سقطت عنه الزكاة وكذلك رجل له ألف فحال عليه الحول فاستهلكها رجل ثم إن صاحب الألف أبرأ المستهلك سقطت عنه الزكاة وكذلك رجل أقرض ألفها رجلاً بعدما حال الحول ثم أبرأ المستقرض عن القرض سقطت عنه الزكاة وكذلك رجل عنده متاع للتجارة وحال عليه الحول فباعه من رجل ثم أبرأ المشتري عن الثمن سقطت عنه الزكاة لأن من عليه الزكاة له أن يبيع ماله بمال الزكاة ويقرضه بعد الحول إذا صار مال الزكاة ديناً (فتاوى قاضي خان، ج ۱، ص ۱۸۰، كتاب الزكاة)

ولو كان له دين على فقير فأبرأه عنه سقط عنه زكاته نوى به عن الزكاة أو لا؛ لأنه كالهلاك، ولو أبرأه عن البعض سقط زكاة ذلك البعض لما قلنا وزكاة الباقي لا تسقط، ولو نوى به إلا الأداء عن الباقي كذا في التبيين (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

۲۔ ولو أبرأ رب الدين المدينون بعد الحول فلا زكاة سواء كان الدين قرضاً أو لا خاتمة، وقيده في المحيط بالمعسر. أما الموسر فهو استهلاك فليحفظ بحر قال في النهر: وهذا ظاهر في أنه تقييد للإطلاق وهو غير صحيح في الضعيف كما لا يخفى (الدر المختار) ﴿بتيه حاشياً لکے صفی پر لا حظ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹..... جس مال پر جس فرد کی ملکیت قائم ہو، زکاۃ اسی پر واجب ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جو مال مرد کی ملکیت ہے، اس مال کی زکاۃ مرد کے ذمہ ہے، اور جس مال کی عورت مالک ہے، اس کی زکاۃ عورت کے ذمہ ہے، اور جس مال کے والدین مالک ہیں، اس مال کی زکاۃ ان کے ذمہ ہے، اور جس مال کی بالغ اولاد مالک ہے، اس مال کی زکاۃ اسی اولاد کے ذمہ ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (قوله: وقيدہ) أى قيد عدم الزكاة فيما إذا أبرأ الدائن المديون ط (قوله: بالمعسر) أى بالمديون المعسر فكان الإبراء بمنزلة الهلاك ط. (قوله: فهو استهلاك) أى فتجب زكاته ط. (قوله: وهذا ظاهر إلخ) أى قوله البحر، وقيدہ إلخ ظاهر فى أن مراده أنه تقييد للإطلاق المذكور فى قوله سواء كان الدين قويا أو لا الشامل لأقسام الدين الثلاثة: أى أن سقوط الزكاة بإبراء المومر عنه بعد الحول فى الديون الثلاثة مقيد بالمعسر احترازاً عن المومر، فإن المديون إذا كان مومراً أو أبرأه الدائن لا تسقط الزكاة؛ لأنه استهلاك، وهذا غير صحيح فى الدين الضعيف؛ لأنه لا تجب زكاته إلا بعد قبض نصاب وحولان الحول عليه بعد القبض قبله لا تجب، فيكون إبراءه استهلاكاً قبل الوجوب فلا يضمن زكاته ومثله الدين المتوسط على ما قدمناه من تصحيح البدائع وغاية البيان. وكان الأوضح فى التعبير أن يقول وهذا ظاهر فى أن إبراء المديون المومر استهلاك مطلقاً وهو غير صحيح إلخ. ثم إن عبارة المحيط لا غبار عليها؛ لأنها فى الدين القوى ونصها ولو باع عرض التجارة بعد الحول بالدراهم ثم أبرأه من ثمنه والمشتري مومر يضمن الزكاة؛ لأنه صار مستهلكاً، وإن كان معسراً أو لا يدري فلا زكاة عليه؛ لأنه صار ديناً عليه وهو فقير فصار كأنه وهبه منه، ولو وهب الدين ممن عليه وهو فقير تسقط عنه زكاة. اهـ.

وفيه ولو كان له ألف على معسر فاشترى منه بها ديناراً ثم وهبه منه فعليه زكاة لألف؛ لأنه صار قابضاً لها بالدينار (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۰۷، كتاب الزكاة، باب زكاة المال) ۱۔ لیکن کو جو زیور مہر میں حاصل ہوتا ہے، اس کی وہ مالک ہوتی ہے، اور جو زیور مہر کے علاوہ ہوتا ہے، اس میں دینے والوں کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، کہ دینے والوں نے کس کو مالک بنانے کی نیت سے دیا ہے؟ اگر دینے والوں نے دینے وقت ملکیت کی وضاحت کر دی کہ یہ کس کی ملکیت ہے؟ آیا شوہر کی یا بیوی کی تب تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، اور اگر وضاحت نہیں کی، تو پھر اس کا دار و مدار عرف و رواج پر ہوگا۔

کہ عرف و رواج میں اس طرح دینے کو کس کی ملکیت سمجھا جاتا ہے؟ ہمارے عرف و رواج میں مہر کے علاوہ جو زیور دلہا یا اس کے رشتہ داروں کی طرف سے عورت کو دیا جاتا ہے، اس کا مالک شوہر کہلاتا ہے، اور جو زیور عورت کے والدین وغیرہ کی طرف سے دیا جاتا ہے، اس کا عورت کو مالک سمجھا جاتا ہے۔ تو ایسے عرف و رواج میں زکاۃ واجب ہونے کا حکم بھی مالک ہونے کی حیثیت سے مذکورہ تفصیل کے مطابق ہوگا۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... اگر کسی شخص کی اولاد کمائی یا محنت مزدوری کر کے رقم اپنے والد یا والدہ کو دے دیتی ہے، تو وہ اگر والد یا والدہ کو اس رقم کا مالک بنا کر دے، تو اس کی زکاۃ والد یا والدہ پر ہی ہوگی، جس کو بھی مالک بنا کر یہ رقم دی ہے، اور اگر مالک بنا کر نہیں دی، بلکہ ان کے پاس امانتاً جمع کرائی ہے، تو پھر اس کی مالک وہ اولاد ہی ہے، اور اس کی زکاۃ اسی پر واجب ہے، کیونکہ زکاۃ مال کے مالک پر واجب ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... بعض خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ ان کے مملوکہ مال (اور زیور وغیرہ) کی زکاۃ ان کے شوہروں کے ذمہ ہے اور اگر ان کے شوہران کی طرف سے ادا نہ کریں تو وہ خود بھی اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتیں۔

اور اس صورتِ حال کے نتیجہ میں نہ عورت اپنے مال کی زکاۃ ادا کرتی، اور نہ ہی اس کی طرف سے شوہر زکاۃ ادا کرتا۔

جب کہ عورت کے مملوکہ مال کی زکاۃ شوہر پر لازم نہیں، بلکہ خود اس عورت پر ادا کرنا لازم ہے، خواہ اس کے لئے زیور وغیرہ کیوں نہ بیچنا پڑے۔

البتہ اگر کسی عورت کا شوہر اپنی رقم سے بیوی کی طرف سے زکاۃ ادا کر دے تو جائز ہے (جبکہ بیوی کی طرف سے صراحۃً یا دلالتاً اجازت ہو، جیسا کہ قربانی کا مسئلہ ہے) ۱۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البتہ اگر شوہر یا والدین عورت کے زیور کی زکاۃ اس کی اجازت سے ادا کر دیں تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، جس کا ذکر آگے زکاۃ کی ادائیگی کے احکام میں آ رہا ہے۔

اسی طرح مشترکہ کاروبار اور گھرداری میں بھی دیکھا جائے گا کہ مال کس کی ملکیت ہے؟ اگر ایک سے زیادہ افراد کی ملکیت ہو تو ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار کر کے اس کے صاحبِ نصاب ہونے کو دیکھا جائے گا، جو جو بھی صاحبِ نصاب ہوگا، وہ اپنے اپنے حصہ کے بقدر زکاۃ ادا کرے گا۔

۱۔ ولو ضحی عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم. وعن الثاني أنه يجوز استحساناً بلا إذنهم بزازية. قال في الذخيرة: ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنته أبو يوسف مستحسن (رد المحتار على الدر المختار، ج ۵ ص ۳۱۵، کتاب الاضحیہ)

بعض خواتین یہ عذر کیا کرتی ہیں کہ وہ خود سے مال نہیں کماتیں، اس لئے ان کے مال کی زکاۃ خود ان کے ذمہ ادا کرنا لازم نہیں۔

مگر ان کا یہ عذر شرعاً قابل قبول نہیں، کیونکہ جس پر زکاۃ فرض ہو، اس کا کمائی کرنا ضروری نہیں، اگر کوئی مرد بھی صاحب نصاب ہو اور وہ مال نہ کماتا ہو، تو اس پر بھی زکاۃ واجب ہوا کرتی ہے، پس اسی طرح عورتوں پر بھی اپنے مال کی زکاۃ واجب ہے۔

پھر شریعت نے زیور وغیرہ میں زکاۃ واجب ہونے کے بعد اس کی زکاۃ ادا کرنے کے لئے الگ سے کسی اور مال کے ہونے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ جس مال میں زکاۃ واجب ہے، اس کے ہونے کو ہی کافی سمجھا ہے، کیونکہ دراصل زکاۃ اس ہی مال کے ڈھائی فیصد حصہ میں لازم ہوتی ہے، اسے چاہئے کہ جس مال میں زکاۃ واجب ہوئی ہے، اسی کا ڈھائی فیصد حصہ زکاۃ میں ادا کرے، البتہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک کسی دوسرے مال سے زکاۃ ادا کرنے کی آسانی بھی موجود ہے، لہذا زیور وغیرہ کی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے الگ سے کسی مال کے ہونے کو ضروری سمجھنا غلط ہے۔

پھر اگر موجودہ زمانہ کی خواتین کی حالت پر غور کیا جائے تو ان کا یہ عذر لنگ زکاۃ وغیرہ کے بارے میں ہی سامنے آتا ہے، اور اس کے علاوہ جو اپنی خواہشات اور ذاتی، دنیاوی مقاصد ہوتے ہیں، ان میں خرچ کرنے کے لئے بھی تو وہ کسی نہ کسی طرح سے انتظام کرتی ہی ہیں۔

چنانچہ اپنی من پسند کالباس، جوتے، اور زیورات کا بھی تو مال ہی سے انتظام ہوتا ہے، پس اگر ان کے دلوں میں زکاۃ کے فریضے کی اہمیت ہو، تو وہ اپنی دوسری ضروریات کی طرح اس کی ادائیگی کا بھی یقیناً انتظام کر سکتی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... زکاۃ فرض ہونے کے لئے قابل زکاۃ مال کو خود اپنی کمائی (مثلاً تجارت یا ملازمت) کر کے حاصل کرنا ضروری نہیں، بلکہ قابل زکاۃ مال کسی بھی طریقہ سے کامل ملکیت میں داخل ہو جائے (مثلاً سونا، چاندی یا روپیہ، پیسہ، ہدیہ، صدقہ یا میراث میں حاصل

ہو جائے) اس پر بھی دیگر شرائط پائے جانے کے بعد زکاۃ فرض ہوتی ہے، البتہ کسی سامان کے تجارت کا مال بننے کے لئے مخصوص طریقہ پر (یعنی خرید کر یا کوئی معاملہ کر کے) ملکیت میں آنا ضروری ہے، جس کی وضاحت تجارت کے مال کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۳..... جو مال اپنی جائز ملکیت میں ہے، اور اس پر ملکیت بھی مکمل قائم ہے، اس کی زکاۃ بہر حال واجب ہوتی ہے، خواہ وہ مال ظاہری اعتبار سے اپنے پاس نہ ہو۔ چنانچہ جو یورپ یا رقم دوسرے کے پاس امانت رکھوائی ہوئی ہو، یا بینک وغیرہ میں جمع کرائی ہوئی ہو، اس کی زکاۃ بھی مال کے مالک پر واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۴..... نقد پذیر مالی دستاویزات جیسے ڈرافٹ، چیک، بل آف ایکس چینج، بچت سٹیفکیٹ، انعامی بانڈ (Bond) وغیرہ کی شکل میں جو جو مال اپنی مکمل ملکیت ہوں، ان کی زکاۃ بھی واجب ہے۔

یہ حکم زکاۃ واجب ہونے کے اعتبار سے ہے، ورنہ انعامی بانڈ پر ملنے والی انعام کے نام سے رقم اور قومی بچت اسکیم کا بونس وغیرہ، جائز معاملات میں داخل نہیں (فتاویٰ دارالعلوم، ج ۶، ص ۱۳۷، فتاویٰ عثمانی، ج ۲، ص ۵۲، جدید فقہی مسائل، ج ۲، ص ۶۸)

اور اسی طرح شیئر ز (Shares) کی زکاۃ بھی واجب ہے۔ ۲۔

۱۔ والملک التام الذی یکمل جمیع آثار الملک، واحترز به عن مال المدیون، والمکاتب، ومال الضمان، وبدل الخلع، والمهر قبل القبض (البنایۃ شرح الہدایۃ، ج ۳، ص ۲۸۹، کتاب الزکاۃ، حکم الزکاۃ وشروط وجوبها)

۲۔ والسندات جمع سند، والسند تعهد مکتوب بمبلغ من الدین (القرض) لحاملہ فی تاریخ معین، نظیر فائدۃ مقدرۃ. والسهم: النصیب فی رأس المال. والسهم یمثل جزءاً من رأس مال الشركة، وصاحبه مساهم، والسند یمثل جزءاً من قرض علی شركة أو دولة، وحامله مقرض أو دائن.

والتعامل بالأسهم جائز شرعاً، أما التعامل بالسندات فحرام لاشتغالها علی الفائدة الربویۃ. وبالرغم من تحریم السندات، فإنه تجب زکاتها، لأنها تمثل دیناً لصاحبها، وتؤدی زکاتها عن کل عام، عملاً برأی جمهور الفقهاء غیر المالکیۃ، لأن الدین المرجو (وهو ما کان علی مقر موسر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵..... اگر کسی نے کسی چیز کی اجرت یا مزدوری پیشگی (وائڈوانس) وصول کر لی، مثلاً اپنی کسی دوکان یا مکان کو کرایہ پر دیا، اور اس کا پیشگی (وائڈوانس) کرایہ وصول کر لیا، یا کسی کا کوئی کام کرنے کا معاملہ طے کر کے اس کام کی مزدوری پیشگی وصول کر لی، تو اس طرح کی اجرت یا مزدوری میں وصول کردہ رقم کی زکاۃ واجب ہونے کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاۃ پیشگی وصول کرنے والے پر واجب ہوتی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک دینے والے پر واجب ہوتی ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجب زكاته في كل عام. وأما سندات الاستثمار فالأولى أن تزكي كزكاة النقود أي بنسبة (2.5%) من قيمتها.

وأما الأسهم: فتجب زكاتها أيضاً بحسب قيمتها الحقيقية في البيع والشراء، كزكاة العروض التجارية، أي تؤدي زكاتها على رأس المال مع أرباحها في نهاية العام بنسبة (2.5% في المئة) إذا كان الأصل والربح نصاباً أو يكمل مع مال مالكتها نصاباً، ويعفى الحد الأدنى للمعيشة إذا لم يكن لصاحب الأسهم مورد رزق آخر سواها، كآرملة ویتیم ونحوها. هذا في الشركات التجارية، أما في الشركات الصناعية كشركات السكر والنفط ونحوها كالمطابع والمصانع، فتقدر الأسهم بقيمتها الحالية مع حسم قيمة المباني والآلات وأدوات الإنتاج.

والخلاصة: أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي (2.5%) من قيمتها مع ربحها في نهاية كل عام، على ما لكتها الذي حال عليه الحول بعد تملكها. أو تؤدي الزكاة جملة واحدة عن غلة الشركة وإيرادها بمقدار العشر من صافي الأرباح قياساً على نصاب الزرع والثمار، باعتبار أن أموال الشركة نامية بالصناعة ونحوها. ففي الحالة الأولى نعتبر صاحب الأسهم له وصف التاجر، وفي الحالة الثانية نعتبر الشركة لها وصف المنتج (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس)

۱۔ جبکہ بعض حضرات نے احتیاطاً دونوں پر واجب ہونے کا حکم لگایا ہے، اور بعض نے مدار، عرف پر رکھا ہے، اور فرمایا کہ اگر عرف میں معاملہ ہونے کے باوجود بھی اس پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی کا حکم نہ ہوتا ہو، تو اس کی زکاۃ اجرت لینے والے پر واجب ہوگی، ورنہ اجرت دینے والے پر واجب ہوگی، جو کہ مقول قول ہے۔ واللہ اعلم۔

الأجور المقبوضة سلفاً: مذهب الحنابلة، ونقله الكاساني عن محمد بن الفضل البخاري الحنفی، وهو قول عند الشافعية: إن الأجرة المعجلة لسنتين إذا حال عليها الحول تجب على المؤجر زكاتها كلها، لأنه يملكها ملكاً تاماً من حين العقد. بدليل جواز تصرفه فيها، وإن كان ربما يلحقه دين بعد الحول بالفسخ الطارئ. وعند المالكية لا زكاة على المؤجر فيما قبضه مقدماً إلا بتمام ملكه، فلو آجر نفسه ثلاث سنين بستين ديناراً، كل سنة بعشرين، وقبض الستين معجلة ولا شيء له غيرها،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بیٹگی یعنی ایڈوانس لی گئی تنخواہ بھی چونکہ اجرت کا حکم رکھتی ہے، اس لئے اگر کوئی ملازم کچھ مہینوں کی تنخواہ ایڈوانس وصول کر لے، جبکہ ابھی وہ مہینے آئے ہی نہیں، جن میں اس نے اس لی ہوئی تنخواہ کے عوض کام کرنا ہے، تو اس کا حکم بھی گزشتہ تفصیل کے مطابق اجرت ہی کا ہوگا۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا مر على ذلك حول فلا زكاة عليه، لأن العشرين التي هي أجرة السنة الأولى لم يتحقق ملكه لها إلا بانقضائها، لأنها كانت عنده بمشابة الوديعة، فلم يملكها حولا كاملا، فإذا مر الحول الثاني زكى عشرين، وإذا مر الثالث زكى أربعين إلا ما أنقصته الزكاة، فإذا مر الرابع زكى الجميع. وفي قول عند المالكية وهو الأظهر للشافعية: لا تجب إلا زكاة ما استقر، لأن ما لم يستقر معرض للسقوط، فتجب زكاة العشرين الأولى بتمام الحول الأول، لأن الغيب كشف أنه ملكها من أول الحول. وإذا تم الحول الثاني فعليه زكاة عشرين لسنة وهي التي زكاها في آخر السنة الأولى، وزكاة عشرين لستين، وهي التي استقر عليها ملكه الآن، وهكذا. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۰، ۲۳۱، مادة، "زكاة")

زكاة المعجلة على الأجر لتملكه بالقبض وعند الانفساخ لا يلزمه رد عين المقبوض بل يرد مثله وكأنه دين حادث بعد الحلول * وعلى المستأجر زكاة المؤجلة في السنين التي الأجرة بيده لأنه دين في العرف فلا يزول الواجب فيه قبل القضاء وذكر السيد أبو شجاع رحمه الهل أنه لا يجب على المستأجر والاحتياط أن يزكى كل واحد (الفتاوى البزازية، ج ۱ ص ۳۹، كتاب الزكاة) وذكر الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل البخاري في الإجارة الطويلة التي تعارفها أهل بخارى أن الزكاة في الأجرة المعجلة تجب على الآجر؛ لأنه ملكه قبل الفسخ، وإن كان يلحقه دين بعد الحول بالفسخ. وقال بعض مشايخنا: إنه يجب على المستأجر أيضا؛ لأنه بعد ذلك مالا موضوعا عند الآجر، وقالوا في البيع الذي اعتاده أهل سمرقند وهو بيع الوفاء: إن الزكاة على البائع في ثمنه إن بقى حولا؛ لأنه ملكه، وبعض مشايخنا قالوا: يجب أن يلزم المشتري أيضا؛ لأنه يعده مالا موضوعا عند البائع فيؤاخذ بما عنده، وقالوا فيمن ضمن الدرك فاستحق المبيع: إنه إن كان في الحول يمنع لأن المانع قارن الموجب فيمنع الوجوب فاما إذا استحق بعد الحول لا يسقط الزكاة؛ لأنه دين حادث؛ لأن الوجوب مقتصر على حالة الاستحقاق، وإن كان الضمان سببا حتى اعتبر من جميع المال، وإذا اقتصر وجوب الدين لم يمنع وجوب الزكاة قبله (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۷۶، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

۱۔ وأما زكاة الأجرة المعجلة عن سنين في الإجارة الطويلة التي يفعلها بعض الناس عقودا ويشترطون الخيار ثلاثة أيام في رأس كل شهر فتجب على الآجر لأنه ملكها بالقبض وعند الانفساخ لا يجب عليه رد عين المقبوض بل قدره فكان كدين لحقه بعد الحول. وقال الشيخ الإمام الزاهد علي بن محمد البزدوى ومجد الأئمة السرخسكى: يجب على المستأجر أيضا لأن الناس يعدلون مال هذه الإجارة دينا على الآجر، وفي بيع الوفاء يجب زكاة الثمن على البائع، وعلى قول الزاهد

﴿بقية حاشية گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ جو اجرت و مزدوری یا تنخواہ ابھی تک وصول نہیں ہوئی، خواہ دوسرے کے ذمہ لازم ہو چکی ہو، تو وصول ہونے سے پہلے اس کی زکاة واجب نہیں ہوتی، کیونکہ وصول ہونے سے پہلے اس پر ملکیت مکمل طور پر قائم نہیں ہوتی (جیسا کہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکاة کے مسئلہ میں ذکر آتا ہے) ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والسر خکتی یجب علی المشتري أيضا، وصرح السيد أبو شجاع بعدم الوجوب علی المستأجر. وفي الخلاصة قال: الاحتياط أن يزكى كل منهما. وفي فتاوى قاضی خان استشكل قول السر خکتی بأنه لو اعتبر ديننا عند الناس وهو اعتبار معتبر شرعا ينبغي أن لا تجب. علی الآجر والبائع لأنه مشغول بالدين، ولا علی المستأجر والمشتري أيضا لأنه وإن اعتبر ديننا لهما فليس بمنفعة به لأنه لا يمكنه المطالبة قبل الفسخ ولا يملكه حقيقة فكان بمنزلة الدين علی الجاحد، ولم لا يجب ما لم يحل الحول بعد القبض انتهى: یعنی فيكون في معنى الضمار. وفي الكافي: لو استأجر دارا عشر سنين بألف وعجلها إلى المؤجر ثم لم يقبضها حتى انقضت العشر سنين ولا مال لهما سوى الألف كان علی المؤجر في السنة الأولى زکاة تسعمائة لظهور الدين بمائة بسبب انفساخ الإجارة في حق تلك السنة، وفي السنة الثانية في ثمانمائة إلا قدر ما وجب من الزکاة في السنة الأولى وهو اثنان وعشرون ونصف، وهكذا في كل سنة تنقص عنه زکاة مائة وقدر ما وجب إلى أن يصير الباقي خالصا من دين الانفساخ أقل من مائتين. وأما المستأجر فإنما تجب عليه في السنة الثالثة زکاة ثلاثمائة لأنه ملك ديننا علی المؤجر في السنة الأولى مائة، وفي الثانية مائتين لم يحل حولها، وفي الثالثة حال حول المائتين، واستفاد مائة في آخر الحول فيضهما إلى النصاب، ثم تزيد زکاته في كل سنة مائة للانفساخ إذ به يملك مائة ديننا فعليه في الرابعة زکاة أربعمائة وهلم جرا إلى العاشرة فعليه زکاة الألف فيها. ولو كانت الأجرة أمة للتجارة فحين عجلها للمؤجر نوى فيها التجارة والباقي بحاله لا زکاة علی المؤجر لشيء فيها لاستحقاق تمام عين الأجرة، بخلاف الأولى لأن المستحق بالانفساخ مائة ديننا في الذمة لا يتعين في المقبوض، وعلی المستأجر في السنة الثالثة زکاة ثلاثة أعشارها تزيد كل سنة عشرا ولا يخفى وجهه. ولو كان المسألة علی القلب: أعنى قبض المستأجر الدار ولم يعجل الأجرة فالمؤجر هنا كالمستأجر والمستأجر كالمؤجر فعلى المستأجر أن يزكى للسنة الأولى تسعمائة وللثانية بمائتين فتتقص في كل سنة مائة إلا زکاة ما مضى لأن الملك في الأجرة يثبت ساعة فساعة، والمؤجر يزكى في السنة الثالثة ثلاثمائة والرابعة أربعمائة إلا قدر زکاة ما مضى، ولو كانا تقابضا في الأجرة والدار فظاهر أنه لا زکاة علی المستأجر لزوال ملكه بالتعجيل ولم تعد لعدم الانفساخ (قوله علی هذا الاختلاف) عندنا لا فطرة عليه، وعنده عليه (فتح القدير، ج ۲ ص ۱۶۵، ۱۶۶، كتاب الزکاة)

۱۔ قال صدر الشريعة في شرحه فان المستأجر اذا عجل الأجرة فالمعجل هو الأجرة الواجبة بمعنى ان لا يكون له حق الاسترداد انتهى. وفي الفصل الثاني من اجارات المحيط البرهاني يجب أن ﴿بقية حاشيا﴾

مسئلہ نمبر ۱۶..... آجکل زر ضمانت (Security Deposit) کے نام سے مختلف رقوم، اداروں یا اشخاص کی طرف سے اجارہ و کرایہ داری وغیرہ کے معاملات طے کیے جانے کے وقت جمع کرائی جاتی ہیں، اور ان کی واپسی کا کوئی ایک لگا بندھا معیار مقرر نہیں ہوتا، اس سلسلے میں بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اگر واپس ملنے کی امید ہو، تو اس کی زکاۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب ہوگی، کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور بعض کے نزدیک کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی، جبکہ بعض حضرات اس رقم کو جمع کر کے رکھنے والے شخص پر زکاۃ کو واجب قرار دیتے ہیں، اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس کی زکاۃ کسی فریق پر بھی واجب نہیں ہوگی (ملاحظہ ہو: اہم فقہی فیصلہ اسلامک فقہ اکیڈمی ہند، ص ۵۰، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء، آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج ۳ ص ۳۵۳)

مسئلہ نمبر ۱۷..... سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے، اور سرکاری ملازمین کے نام سے وہ محکمہ اس رقم کو اپنی تحویل میں جمع رکھتا ہے اور اس پر کچھ اضافہ بھی کرتا رہتا ہے، تو اہل علم حضرات کی تحقیق کے مطابق اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے مکمل ملکیت قائم نہیں ہوتی، اس لئے ملازم پر، اس فنڈ کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔ البتہ ملازم کو اس رقم کے ملنے کے بعد اس پر مکمل ملکیت قائم ہو جاتی ہے، اس لئے اس رقم کے وصول ہونے کے بعد زکاۃ کا سال پورا ہوتے وقت اگر یہ رقم موجود ہو تو اس کو اب زکاۃ کے حساب میں شمار کیا جائے گا (ملاحظہ ہو ضمیمہ رسالہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ اور سود کا مسئلہ، مجلس تحقیق مسائل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یعلم أن الأجرة لا تملك بنفس العقد ولا يجب إيفاؤها إلا بعد استيفاء المنفعة إذا لم يشترط التعجيل في الأجرة سواء كانت الأجرة عينا أو دينا هكذا ذكر محمد في الجامع وفي كتاب التحري وذكر في الاجارات أن الأجرة إذا كانت عينا لا تملك بنفس العقد وإذا كانت دينا تملك بنفس العقد فتكون بمنزلة الدين المؤجل عامة المشايخ على أن الصحيح ما ذكر في الجامع وكتاب التحري وبعضهم قالوا ما ذكر في الاجارات قول محمد أولا وما ذكر في الجامع والتحري قوله آخر انتهى (حاشية سعدی چلبی بر هامش فتح القدیر، جلد ۸ صفحہ ۱۰، کتاب الزکاۃ)

حاضرہ ص ۲۶۶ (۲۷)

اور مذکورہ حکم اس وقت ہے، جب کہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم متعلقہ محکمہ سے اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اور اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر متعلقہ محکمہ سے کسی شخص یا بینک، بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے خود یہ رقم اپنے قبضہ میں لے لی ہو، کیونکہ جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی ہو، وہ کمپنی اس ملازم کی وکیل ہوگئی اور اس کا قبضہ کرنا شرعاً ملازم کے قبضہ کرنے کے حکم میں ہو گیا، لہذا اس صورت میں جب سے یہ رقم اس شخص یا کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگی اس وقت سے ملازم کے حق میں اس پر زکاۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے، اور ہر سال کی زکاۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی۔

اسی طرح اگر ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی ادارہ و کمپنی کو اس شرط پر دلوادی کہ وہ اسے تجارت میں لگائے اور ملازم اس کے نفع و نقصان میں شریک ہو تو جس وقت سے یہ رقم اس کمپنی کو منتقل ہوگی، اس وقت سے ملازم کے حق میں اس پر زکاۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے، اور ہر سال کی زکاۃ ملازم پر ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی، اور جب اس پر نفع ملنا شروع ہوگا تو نفع پر بھی زکاۃ کے احکام جاری ہوں گے (ایضاً رسالہ بالا ص ۲۷)

مسئلہ نمبر ۱۸..... بعض غیر سرکاری محکموں میں ملازمین کی تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے کاٹ کر ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دے دی جاتی ہے، جس میں ان ملازمین کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہوتی ہے، اس لئے اس کمپنی کا پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر قبضہ کرنا، دراصل ملازم کا قبضہ کرنا ہوتا ہے۔

اس لئے اس رقم پر ملازم کی ملکیت کامل قائم ہو جاتی ہے، اس لئے ہر سال زکاۃ کے حساب

۱۔ البتہ اس کے باوجود اگر کوئی تقوے پر عمل کرتے ہوئے گزشتہ سالوں کی بھی حساب کر کے زکاۃ ادا کر دے تو یہ زیادہ احتیاط اور تقوے کی بات ہے، اگرچہ ایسا کرنا لازم نہیں (ملاحظہ ہو رسالہ بالا ص ۱۸)

کے وقت اس رقم پر بھی زکاۃ واجب ہوگی (ایضاً ص ۲۷ رسالہ بالا، احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۷۰، کتاب الزکاۃ) مسئلہ نمبر ۱۹..... اگر کسی شخص نے اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لیا تو وہ چونکہ اس کی اپنی رقم ہے، اور اس رقم کو قرض کے عنوان سے لینے کے بعد اس کی مکمل ملکیت قائم ہو چکی ہے، اس لئے زکاۃ ادا کرتے وقت اس رقم کو قرض میں شمار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس رقم کو زکاۃ کے حساب میں شامل کر کے زکاۃ ادا کی جائے گی (رسالہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ اور سود کا مسئلہ ص ۲۹ فقہی مقالات ج ۳ ص ۱۷۳، تبصرہ: مطبوعہ: بین اسلامک پبلشرز، کراچی)

مسئلہ نمبر ۲۰..... حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمین اور افسران کو ریٹائرڈ ہونے یا فوت ہونے کی صورت میں مختلف طرح کے فنڈز دیے جاتے ہیں، ان فنڈز میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، یا نہیں؟ اس بارے میں اصول و قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ جو فنڈز ملازم کی ملکیت اور قبضے میں آ جاتے ہوں، ان میں تو زکاۃ فرض ہوگی، اور جو فنڈز ملازم کی ملکیت میں نہ آتے ہوں، یا ملکیت میں آ جاتے ہوں لیکن قبضے میں نہ آتے ہوں، تو ان میں زکاۃ فرض نہیں ہوگی، جیسا کہ پراویڈنٹ فنڈ، کا معاملہ ہے۔

اسی طرح بینوولنٹ فنڈ (بنولہ فنڈ) جو ہر ملازم کی تنخواہ سے جبراً کاٹا جاتا ہے، اور ملازم اس کو اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر سکتا، چاہے ریٹائرڈ ہی کیوں نہ ہو جائے، اس فنڈ میں بھی زکاۃ لازم نہیں ہوتی۔

اور اسی طرح گریجویٹ فنڈ جو اگرچہ ملازم کی تنخواہ سے نہیں کاٹا جاتا، بلکہ پنشن کا ایک حصہ ہوتا ہے، اس میں بھی ملازم کی ملکیت و قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے زکاۃ فرض نہیں ہوتی۔

گروپ انشورنس کی رقم ملازم کی تنخواہ سے جبراً کاٹی جاتی ہے، اور ملازم کے ریٹائرڈ ہونے کی صورت میں اس کی زندگی میں یہ رقم اسے ملتی ہے، اس رقم پر بھی وصولی سے پہلے زکاۃ لازم نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر ۲۱..... جس شخص کی ملکیت میں زکاۃ کے نصاب کے بقدر مال تو ہو، لیکن وہ اپنے

مال میں تصرف کرنے پر قادر نہ ہو، اور اس کو اپنے مال سے انتفاع حاصل کرنے کا اختیار نہ ہو، مثلاً وہ کسی جگہ محبوس اور قید میں ہو، یا وطن سے دور سفر میں ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس پر زکاة تو واجب ہو جاتی ہے، لیکن زکاة کی ادائیگی اس وقت لازم ہوتی ہے، جب وہ زکاة ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔ ۱

۱۔ وذهب الحنفیة والحنابلة إلى أن القدرة على الأداء ليست شرطاً لوجوبها، لأن الزكاة عبادة مالية فيثبت وجوبها في الذمة مع عدم إمكان الأداء، كثبتت الديون في ذمة المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۳۲۸، مادة "قدرة")

من كان مأسوراً أو مسجوناً قد حيل بينه وبين التصرف في ماله والانتفاع به، ذكر ابن قدامة أن ذلك لا يمنع وجوب الزكاة عليه، لأنه لو تصرف في ماله ببيع وهبة ونحوهما نفذ، وكذا لو وكل في ماله نفدت الوكالة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۸، مادة، زكاة)

(قوله وابن السبيل) وفي جوامع الفقه هو الغريب الذي ليس في يده شيء وإن كان له مال في بلده ومن له ديون على الناس ولا يقدر على أخذها لغيتهم أو لعدم البينة أو لإعساره أو لتأجيله يحل له أخذها وقوله في الكتاب وهو في مكان لا شيء فيه وقول العتابي هو الغريب الذي ليس في يده شيء ليس نفى الشيء على إطلاقه أو عموم بل المراد شيء لا يكفيه لرجوعه إلى وطنه يؤيده ما ذكره في قنية السنية ابن السبيل له ما يكفيه في معيشته وزاد يكفيه إلى وطنه لا يجوز دفع الزكاة إليه. اهـ. غايمة حاشية الشلبى على التبيين، ج ۱ ص ۲۹۸، كتاب الزكاة، باب المصروف)

(قوله وابن السبيل) هو المنقطع عن ماله لبعده عنه والسبيل الطريق فكل من يكون مسافراً يسمى ابن السبيل، وهو غنى بمكانه حتى تجب الزكاة في ماله، ويؤمر بالأداء إذا وصلت إليه يده، وهو فقير يدا حتى تصرف إليه الصدقة في الحال لحاجته كذا في الكافي (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۶۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

ملاحظ رہے کہ مندرجہ بالا حکم ملکیت میں موجود مال پر وجوب زکاة کا ہے، جہاں تک ایسے شخص کو زکاة لینے یا ایسے شخص کے زکاة کا مستحق ہونے کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو بقدر ضرورت زکاة کا لینا جائز ہے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی پر زکاة واجب ہو، تو وہ زکاة کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

بذات خود مسافر ہونا اخذ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں بلکہ اس کا محتاج اور مال پر قادر نہ ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو، مگر بقدر حاجت مال اس کے پاس موجود ہو، اس کے لئے اخذ صدقہ جائز نہیں، معلوم ہوا کہ بذات خود مسافر ہونا اخذ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں، بلکہ اس کا ضرورت مند ہونا اصل سبب ہے، ورنہ مسافر ہونا بذات خود اخذ جواز صدقہ کو مستلزم ہوتا، لہذا غنی مسافر پر صدقہ فطر واجب ہے اور ضرورت مند مسافر کے حق میں وجوب صدقہ و حرمت اخذ صدقہ کے عدم اجتماع کا شبہ درست نہیں۔

بخلاف الزكاة، لأن الزكاة لا يتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمر وقتها فكان جميع

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۲..... جو تجارت کا سامان کسی شخص کی اپنی ملکیت نہ ہو، بلکہ کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہو، اور یہ شخص مضاربہ کے طور پر اس میں کام کر رہا ہو، اور اس تجارت میں کچھ نفع ہوا ہو، تو اصل راس المال کی زکاة تو مال کے مالک پر واجب ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأوقات وقتاً لأدائها، فإن لم يكن في يده شيء للحال يؤديها إذا وصل إلى المال، وكذا تنأدى بكل مال فإيجابها عليه لا يوقعه في الحرج، وكذلك صدقة الفطر لأنها تجب وجوباً موسعاً كالزكاة، وهو الصحيح. وعند بعضهم وإن كانت تتوقف بيوم الفطر لكنها تنأدى بكل مال فلا يكون في الوجوب عليه حرج (بدائع والصنائع، ج ۵ ص ۶۳، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب الاضحية)

وقال الكاكي: وعلى هذا الخلاف وجوب صدقة الفطر بسبب العبد الآبق والضال والمفقود والمغضوب إذا لم يكن للمالك بذلك بينة وحلف. وذكر التمرتاشي - رحمه الله - ولم يذكر وجوب الاضحية على قول أبي حنيفة - رضى الله عنه - وينبغي أن لا يجب، لأن نفس الملك لا يدفع إمكان الوصول، لا يكفي لوجوب الاضحية كما في ابن السبيل بخلاف الزكاة، فإن الملك مع إمكان الوصول يكفي لوجوبها (البنية شرح الهداية، ج ۳ ص ۳۰۹، ۳۰۸، كتاب الزكاة) أما عند المالكية فإن كون الرجل مفقوداً أو أسيراً يسقط الزكاة في حقه من أمواله الباطنة، لأنه بذلك يكون مغلوباً على عدم التنمية فيكون ماله حينئذ كالمال الضائع، ولذا يزكها إذا أطلق لسنة واحداً كالأموال الضائعة. وفي قول الأجهوري والزرقلاني: لا زكاة عليه فيها أصلاً. وفي قول البنانى: لا تسقط الزكاة عن الأسير والمفقود، بل تجب الزكاة عليهما كل عام، لكن لا يجب الإخراج من مالهما بل يتوقف مخافة حدوث الموت.

أما المال الظاهر فقد اتفقت كلمة المالكية أن الفقد والأسر لا يسقطان زكاته، لأنهما محمولان على الحياة، ويجوز أخذ الزكاة من مالهما الظاهر وتجزء، ولا يضر عدم النية، لأن نية المخرج تقوم مقام نيته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۸، مادة، زكاة)

ذهب مالك والشافعي إلى أن التمكن من الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة، فلو حال الحول ثم تلف المال قبل أن يتمكن صاحبه من الأداء فلا زكاة عليه، حتى لقد قال مالك: إن المالک لو أتلّف المال بعد الحول قبل إمكان الأداء فلا زكاة عليه إذا لم يقصد الفرار من الزكاة.

واحتج لهذا القول بأن الزكاة عبادة فيشترط لوجوبها إمكان أدائها كالصلاة والصوم.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن التمكن من الأداء ليس شرطاً لوجوبها، لمفهوم قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول فمفهومه وجوبها عليه إذا حال الحول، ولأن الزكاة عبادة مالية، فيثبت وجوبها في الذمة مع عدم إمكان الأداء، كثبت الدين في ذمة

المفلس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة "زكاة")

ذهب مالك والشافعي إلى أن القدرة على الأداء شرط لوجوب أداء الزكاة على الفور، وتتحقق

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک اس طرح کے مالی تجارت یا سامان تجارت کے نفع کی زکاة کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک مال کے مالک اور مضارب پر کام کرنے والے شخص، دونوں پر اپنے اپنے طے شدہ نفع کے حصہ کے اعتبار سے زکاة واجب ہوگی۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذه القدرة بحضور المال وحضور المستحقين أو حضور الإمام أو الساعي، لأن الزكاة عبادة، فيشترط لوجوبها إمكان أدائها، كالصلاة والصوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۳۲۸، مادة "قدرة")
قال أصحابنا وليس المراد بإمكان الأداء مجرد إمكان الإخراج بل يشترط معه وجوب الإخراج بثلاثة شروط.

(أحدها) حضور المال عنده فإن غاب عنه لم يجب الإخراج من موضع آخر بالاتفاق وإن جوزنا نقل الزكاة

(والثاني) أن يجد المصروف إليه وسيأتي في قسم الصدقات أن الأموال باطنة وظاهرة فالباطنة يجوز صرف زكاتها بنفسه وبوكيله وبالسلطان والساعي فيكون واجدا للمصروف إليه سواء وجد أهل السهمين أو السلطان أو نائبه (وأما الظاهرة فكذلك إن قلنا بالأصح أنه له تفريقها بنفسه وإلا فلا إمكان حتى يجد السلطان أو نائبه ولو وجد من يجوز الصرف إليه فأخر لطلب الأفضل بأن وجد السلطان أو نائبه فأخر ليفرق بنفسه حيث جعلناه أفضل أو آخر لانتظار قريب أو جار أو من هو أحوج ففي جواز التأخير وجهان مشهوران (أصحهما) جواز له لم يجوز التأخير فأخر أتم وضمن وإن جوزناه فلفظ المال فهل يضمن فيه وجهان مشهوران (أصحهما) يكون ضمانا لوجود التمكن (والثاني) لا لأنه ماذون له في التأخير قال إمام الحرمين للوجهين شرطان:

(أحدهما) أن يظهر استحقاق الحاضرين فإن تشكك في استحقاقهم فأخر ليتروى جاز بلا خلاف (والثاني) أن لا يستفحل ضرر الحاضرين وفاقته فإن تضرروا بالجوع ونحوه لم يجز التأخير للقريب وشبهه بلا خلاف قال الرافعي في هذا الشرط الثاني نظر لأن إشباعهم لا يتعين على هذا الشخص ولا من هذا المال ولا من مال الزكاة وهذا الذي قاله الرافعي باطل والصواب ما ذكره إمام الحرمين لأنه وإن لم يتعين هذا المال لهؤلاء المحتاجين فرفع ضرورتهم فرض كفاية فلا يجوز إهماله لانتظار فضيلة لو لم يعارضها شيء.

(الشرط الثالث) لا إمكان الأداء مشغلا بهم من أمر دينه أو دنياه كصلاة وأكل ونحوهما ذكره البهوي وغيره والله أعلم (المجموع شرح المذهب، ج ۵ ص ۳۳۳، ۳۳۴، كتاب الزكاة)
۱ من أعطى ماله مضاربة لإنسان فربح فزكاة رأس المال على رب المال اتفاقا، أما الربح فقد اختلف فيه فظاهر كلام الحنفية أن على المضارب زكاة حصته من الربح إن ظهر في المال ربح وتم نصيبه نصابا.

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۳۴..... اگر کسی شخص نے ایسے طریقہ پر حرام مال حاصل کیا ہو، جس میں مالک کی رضا مندی شامل نہ ہو (مثلاً چوری، ڈاکے اور لوٹ مار کے ذریعہ سے) تو ایسے مال پر غاصب، ڈاکو اور چور کی ملکیت قائم نہیں ہوتی اور اس کی وجہ سے ایسا انسان صاحبِ نصاب نہیں بنتا، اور بذاتِ خود اس مال پر زکاة بھی واجب نہیں ہوتی، بلکہ ایسی صورت میں اس پر فرض ہوتا ہے کہ اس حرام مال کو اس کے اصل مالک یا اس کے وارثوں کو واپس کرے، اور اگر اصل مالک یا اس کے وارثوں کا علم نہ ہو تو مالک کی طرف سے غریبوں کو صدقہ کرے، ورنہ سخت گناہ گار ہوگا، اور آخرت میں اس کا وبال بڑا سخت ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب المالكية إلى أن مال القراض يزكي منه رب المال رأس ماله وحصته من الربح كل عام، وهذا إن كان تاجرا مديرا، وكذا إن كان محتكرا وكان عامل القراض مديرا، وكان ما بيده من مال رب المال الأكثر، وما بيد ربه المحتكر الأقل.

وأما العامل فلا يجب عليه زكاة حصته إلا بعد المفاصلة فيزكيها إذا قبضها لسنة واحدة.

وذهب الشافعية على الأظهر إلى أن زكاة المال وربحه كلها على صاحب المال، فإن أخرجهما من مال القراض حسب من الربح، لأنها من متونة المال وذلك لأن المال ملكه، ولا يملك العامل شيئا ولو ظهر في المال ربح حتى تتم القسمة.

هذا على القول بأن العامل لا يملك بالظهور، أما على القول بأنه يملك بالظهور فالمذهب أن على العامل زكاة حصته.

وذهب الحنابلة إلى أن على صاحب المال زكاة المال كله ما عدا نصيب العامل، لأن نصيب العامل ليس لرب المال ولا تجب على الإنسان زكاة مال غيره. ويخرج الزكاة من المال لأنه من متونته، وتحسب من الربح، لأنه وقاية لرأس المال. وأما العامل فليس عليه زكاة في نصيبه ما لم يقتسما، فإذا اقتسما استأنف العامل حولا من حينئذ. وقال أبو الخطاب من الحنابلة: يحسب من حين ظهور الربح، ولا تجب عليه إخراج زكاته حتى يقبضه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۷، ۲۷۸، مادة "زكاة")

(وكذا في: الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۷، ۱۸۸، الباب الرابع، الفصل الأول، المبحث الخامس)

۱۔ المال الحرام كالمأخوذ غصبا أو سرقة أو رشوة أو ربا أو نحو ذلك ليس مملوكا لمن هو بيده، فلا تجب عليه زكاته، لأن الزكاة تمليك، وغير المالك لا يكون منه تمليك، ولأن الزكاة تطهر المذكي وتطهر المال المذكي لقوله تعالى: (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها)

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر مال تو ناجائز و حرام طریقے پر حاصل کیا، لیکن اس میں مالک کی رضا مندی شامل ہو (مثلاً جوا، سود، اور رشوت یا شراب، خنزیر وغیرہ کی فروخت کے ذریعہ سے مال حاصل کرے) تو ایسے مال پر بھی انسان کی حلال ملکیت قائم نہیں ہوتی، بلکہ شریعت کی نظر میں وہ ملکیت خبیث ہوتی ہے، اور اس صورت میں بھی اصل مالک یا اس کے وارثوں تک اس مال کا پہنچنا اور مالک یا اس کا وارث معلوم نہ ہو تو اس کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے (امداد الاحکام

ج ۲ ص ۳، کتاب الزکاة، واحسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۹۳، کتاب الزکاة) ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا یقبل اللہ صدقة من غلول. والمال الحرام كله خبیث لا یتطهر، والواجب فی المال الحرام رده إلى أصحابه إن أمکن معرفتهم والا وجب إخراجہ عن ملكه على سبیل التخلّص منه لا على سبیل التصدق به، وهذا متفق علیہ بین أصحاب المذاهب. قال الحنفیة: لو كان المال الخبیث نصابا لا یلزم من هو بیده الزکاة، لأنه یجب إخراجہ كله فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه.

وفی الشرح الصغیر للدردیر من المالکیة: تجب الزکاة على مالک النصاب فلا تجب على غیر مالک کفایص ومودع.

وقال الشافعیة كما نقله النووی عن الغزالی وأقره: إذا لم یکن فی یدہ إلا مال حرام محض فلا حج علیہ ولا زکاة، ولا تلزمه کفارة مالیه.

وقال الحنابلہ: التصرفات الحکمیة للغاصب فی المال المغصوب تحرم ولا تصح، وذلك كالوضوء من ماء مغصوب والصلاة بثوب مغصوب أو فی مکان مغصوب، وكإخراج زکاة المال المغصوب، والحج منه، والعقود الواردة علیہ كالبیع والإجارة (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۲۴۹، مادة "زکاة")

(قولہ: کما لو كان الكل خبیثا) فی القنیة لو كان الخبیث نصابا لا یلزمه الزکاة؛ لأن الكل واجب التصدق علیہ فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه. اهـ. (رد المحتار، ج ۲ ص ۹۱، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم)

(وملک نصاب) عدہ شرطاً موافقة للکنز وإن عد فی الكتب الأصولیة سبباً..... والمتبادر أن یكون النصاب مالاً حلالاً فإن كان حراماً وكان له خصم حاضر فواجب الرد وإلا فواجب التصدق إلى الفقیر ولا یحل له منه شیء فلا زکاة فی المغصوب والمملوک شراء فاسداً کما فی القهستانی (معجم الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، ج ۱ ص ۱۹۱، ۱۹۲، کتاب الزکاة، شرط وجوب الزکاة) ۱۔ المال الحرام: هو كل مال حظر الشارع اقتناءه أو الانتفاع به سواء كان لحرمة لذاته، بما فیہ من ضرر أو خبیث كالمتیة والخمر، أم لحرمة لغيره، لوقوع خلل فی طریق اكتسابه، لأخذه من مالکة بغير إذنہ كالغصب، أو لأخذه منه بأسلوب لا یقره الشرع ولو بالرضا كالربا والرشوة.

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۴..... اگر کسی کی ملکیت میں حلال اور حرام دونوں قسم کے مال ہوں، اور حلال و حرام دونوں قسم کے مال ایک دوسرے سے بالکل جدا و ممتاز ہوں، اس صورت میں حرام مال کی تو زکاة واجب نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اور ایسے مال کو مالک یا اس کے وارثوں تک پہنچانا، اور مالک اور اس کے وارث معلوم نہ ہوں، تو اس کو ان کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اور اگر حلال اور حرام دونوں قسم کے مال آپس میں اس طرح سے مخلوط ہو گئے ہوں کہ ان میں باہم امتیاز نہیں ہو سکتا، جیسا کہ آجکل عام طور پر حلال و حرام رقم ایک ساتھ ہونے سے اس طرح مخلوط ہو جاتی ہے تو سارے مال کی زکاة ادا کرنا بھی ضروری ہے، بشرطیکہ وہ مال خود یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہو جاتا ہو، اور اصل مال کو یا ان کے وارثوں کو ان کا مال واپس کرنا بھی ضروری ہے۔

البتہ اگر مالک یا ان کے وارث معلوم نہ ہوں تو سارے مال کی زکاة ادا کرنے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا، کہ حلال کا اڑھائی فیصد تو زکاة ہے، اور حرام کا اڑھائی فیصد وہ صدقہ ہے جو کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ۲۔ حائز المال الحرام لخلل فی طریقۃ اکتسابہ لا یملکہ مہما طال الزمن، ویجب علیہ ردہ إلی مالکہ أو وارثہ إن عرفہ، فإن یشس من معرفتہ وجب علیہ صرفہ فی وجوہ الخیر للتخلص منه بقصد الصدقة عن صاحبه.

إذا أخذ المال أجرة عن عمل محرم فإن الآخذ بصرفہ فی وجوہ الخیر ولا یردہ إلی من أخذہ منه. لا یرد المال الحرام إلی من أخذ منه إن کان مصراً علی التعامل غیر المشروع الذی أدى إلی حرمة المال کالفوائد الربویة بل یصرف فی وجوہ الخیر ایضاً.

إذا تعذر رد المال الحرام بعینہ وجب علی حائزہ رد مثله أو قیمته إلی صاحبه إن عرفہ وإلا صرف المثل أو القیمۃ فی وجوہ الخیر وبقصد الصدقة عن صاحبه.

۳۔ المال الحرام لذاتہ لیس محلاً للزکاة، لأنه لیس مالاً متقوماً فی نظر الشرع، ویجب التخلص منه بالطريقة المقررة شرعاً بالنسبة لذلك المال.

۴۔ المال الحرام لغيرہ الذی وقع خلل شرعی فی کسبه، لا تجب الزکاة فیہ علی حائزہ، لانقضاء تمام الملك المشترط لوجوب الزکاة، فإذا عاد مالکہ وجب علیہ أن یرکبہ لعام واحد ولو مضی علیہ سنین علی الرأی المختار (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۱ ص ۹۴۵، ۹۴۶، الباب السادس، الفصل التاسع عشر، ملحق: فتاوی و توصیات مؤتمر الزکاة الاول)

اس کے ذمہ لازم تھا (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴، کتاب الزکاة والصدقات، واداء الاحکام ج ۲ ص ۴، کتاب الزکاة) ۱۔ اور اگر ملکیت میں کچھ حرام مال ہو، تو اس کو مالک کو واپس کرنا اور بصورت دیگر صدقہ وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکالنا ضروری ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ چنانچہ اہم فقہی فیصلے میں ہے کہ:

”استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ پورے کے پورے مال کی زکاة ادا کر دی جائے تاکہ یقینی اور اطمینان بخش طریقہ پر زکاة ادا کرنے والا فریضہ زکاة سے بری الذمہ ہو جائے، اور غالمانہ اور حرام طریقوں سے لوگوں کے مال سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو، نیز ایسا نہ ہو، کہ مال حرام کھانے والا دوطرفہ فائدہ اٹھائے۔ اس طرح ایک طرف مال حرام سے انتفاع کرے اور زکاة سے بھی بچ جائے“ (اہم فقہی فیصلے ص ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳

(فصل نمبر ۱۳)

مال پر سال گزرنا

(مال پر سال گزرنے کے احکام)

زکاة کی ادائیگی اس وقت تک واجب نہیں ہوتی، جب تک کہ مال پر سال نہ گزر جائے، جس کو عربی میں ”حولانِ حول“ کہا جاتا ہے، البتہ زکاة پیشگی دینے سے بھی بعض صورتوں میں ادا ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث و روایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ (ابوداؤد) ۱

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سال پورا ہونے سے پہلے صدقہ (وزکاة) ادا کرنے کے متعلق سوال کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی (ابوداؤد)

اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکاة ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے سے پہلے پیشگی زکاة دینا جائز ہے۔ ۲

۱۔ رقم الحديث ۱۶۲۳، كتاب الزكاة، باب في تعجيل الزكاة.

قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية ابي داؤد)

۲۔ (وعن علي -رضي الله عنه -أن العباس سأل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -في تعجيل صدقته قبل أن تحل) بكسر الحاء أى تجب الزكاة، وقيل: قبل أن تصير حالا بمضى الحول، وأما قول ابن حجر: قبل أن يتم حولها فهو حاصل المعنى لا تحقيق المبنى (فرخص له) أى العباس (في ذلك) قال ابن الملك: وهذا يدل على جواز تعجيل الصدقة بعد حصول النصاب قبل تمام الحول. اهـ (مرواة المفاتيح، ج ۴ ص ۱۷۵، كتاب الزكاة)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ (سنن الترمذی) ۱
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مال حاصل کیا، تو اس پر زکاة نہیں ہے، یہاں تک کہ اس (مال) کے مالک کے پاس (مال پر) سال گزر جائے (ترمذی، دارقطنی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ (ابن ماجہ) ۲
ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مال پر زکاة نہیں ہے، یہاں تک کہ اس (مال) پر سال گزر جائے (ابن ماجہ)

۱۔ رقم الحديث ۶۳۱، ابواب الزكاة، باب ما جاء لا زكاة على المال المستفاد حتى يحول عليه الحول، سنن الدارقطني، رقم الحديث ۱۸۸۷، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة بالحول.
قال الالباني: وجدت للحديث طريقا أخرى بسند صحيح عن علي رضي الله عنه خرجته في "صحيح أبي داود" (۱۴۰۳) "فصح الحديث والحمد لله (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۷۸۷)
۲۔ رقم الحديث ۱۷۹۲، كتاب الزكاة، باب من استفاد مالا.

قال شعيب الارنؤوط: صحيحٌ لغيره، وهذا إسنادٌ ضعيفٌ لضعف حارثة بن محمد، وهو ابن أبي الرجال. عمرة: هي بنت عبد الرحمن.

وأخرجه الدارقطني (۱۸۹۳) والبيهقي ۵/۴ و ۱۰۳ من طريق شجاع بن الوليد أبي بدر، بهذا الإسناد. وفي الباب عن علي بن أبي طالب عند أبي داود (۱۵۷۲) و (۱۵۷۳) ولفظه في الموضع الأول: "الصدقة في كل عام"، ولفظه في الموضع الثاني: "ليس في مال زكاة حتى يحول عليه الحول" وهذا إسناد حسن.

وقال الحافظ ابن حجر في "التلخيص الجبير" ۲/۵۶: "حديث علي لا بأس بإسناده، والآثار تعضده فيصلح للحجة، وحسنه الحافظ الزيلعي في "نصب الراية" ۲/۳۲۸، ونقل عن النووي قوله في "خلاصة الأحكام": "وهو حديث صحيح أو حسن."

وعن ابن عمر موقوفًا عند الترمذی (۶۳۷) وغيره، وإسناده صحيح. وقد روى مرفوعًا عنه ولا يصح (حاشية سنن ابن ماجه)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَيْسَ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ (مسند احمد) ۱
ترجمہ: کسی مال پر زکاة نہیں ہے، یہاں تک کہ اس (مال) پر سال گزر جائے
(مسند احمد)

مذکورہ احادیث و روایات سے معلوم ہوا کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکاة واجب نہیں ہوتی۔
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: لَا تَنَّا فِي الصَّدَقَةِ (مصنف ابن ابی
شبیہ، رقم الحديث ۱۰۸۳۷، کتاب الزکاة، باب من قال لا تؤخذ فی السنة إلا مرة)
ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ (زکاة) میں دوہرا حکم نہیں ہے
(ابن ابی شیبہ)

مطلب یہ ہے کہ ایک سال اور ایک مال میں دو مرتبہ یا دو طرح کی زکاة واجب نہیں ہوتی۔
اس طرح کی روایات و آثار اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ۲

۱۔ رقم الحديث ۱۲۶۵، ابو داؤد رقم الحديث ۱۵۷۳، کتاب الزکاة، باب فی زکاة السائمة.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، شريك -وان كان سيء الحفظ -متابع، ونقل الزيلعي في
"نصب الراية ۳۲۸/۲" عن النووي أنه قال في "الخلاصة": "هو حديث صحيح أو حسن."
وقال ابن حجر في "التمليح الجبير ۱۵۶/۲" "بعد أن نسب إلى البيهقي: حديث على لا بأس
بإسناده، والآثار تعضده فيصلح للحجة، والله أعلم (حاشية مسند احمد)

۲۔ عن الأعمش، عن رجل، عن جابر، عن أبي بكر، قال: ليس عليه زكاة حتى
يحول عليه الحول (مصنف بن ابی شیبہ، رقم الحديث ۱۰۳۱۷)
عن عمرة بنت عبد الرحمن، عن عائشة، قالت: ليس في مال زكاة حتى يحول عليه
الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۲)
عن نافع، عن ابن عمر، قال: ليس عليه زكاة حتى يحول عليه حول، من حين
يستفيده (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۳)

عن ابن أبي ذئب، عن الزهري، قال لم يبلغنا أن أحدا من ولاة هذه الأمة الذين كانوا
بالمدينة، أبو بكر، وعمر، وعثمان، أنهم كانوا يثنون الصدقة، لكن يعثون عليها كل
﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے ”حولانِ حول“ یعنی سال پورا ہونے کے متعلق چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... فقہائے کرام کے نزدیک زکاة کی ادائیگی واجب یا فرض ہونے کے لئے مال پر سال گزرنا بھی ضروری ہے، جس کو شریعت کی زبان میں ”حولانِ حول“ کہا جاتا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عام فی الخصب والجذب لأن أخذها سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۸۳۵، باب من قال لا تؤخذ في السنة إلا مرة)

عن حميد، قال: كتب عمر بن عبد العزيز: أيمار رجل أفاد مالا فلا زكاة عليه، حتى يعود عليه الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۱۸)

عن يحيى بن سعيد، عن سالم، قال: ليس فيه زكاة حتى يحول عليه الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۱۹)

عن هشام، عن الحسن، قال: ليس في مال زكاة، حتى يحول عليه الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۰)

عن سفيان، عن منصور، أو غيره، عن إبراهيم قال: لا زكاة فيه حتى يحول عليه الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۱)

عن إسرائيل، عن جابر، عن أبي جعفر، قال: ليس فيه زكاة حتى يحول عليه الحول (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۳۲۳)

عن ابن جريج، قال: أخبرني سليمان الأحول، عن طاووس، أنه قال إذ تداركت الصدقتان فلا يؤخذ الأولى كالجزية (ايضاً، رقم الحديث ۱۰۸۳۲، باب من قال لا

تؤخذ في السنة إلا مرة)

۱۔ اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط وجوب ادا کے لئے ہے نہ کہ نفس وجوب کے لئے، اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اصول فقہ کے اعتبار سے نفس وجوب یا وجوب زکاة اور وجوب اداء دو الگ الگ چیزیں ہیں، کسی کے حق میں نفس وجوب یا وجوب زکاة ثابت ہونے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر زکاة اداء کرنا بھی واجب ہو، مثلاً نصاب کا مالک ہونے سے وجوب زکاة تو ہو جاتا ہے، مگر اس کا اداء کرنا اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک کہ حولانِ حول نہ ہو جائے، کیونکہ حولانِ حول وجوب ادا کا حکم رکھتا ہے۔ پس نصاب کا مالک ہونے پر جب زکاة ذمہ میں واجب ہو جائے، اس کو تو نفس وجوب کہتے ہیں اور اس کے بعد حولانِ حول بھی ہو جائے تو اس کو وجوب اداء کہتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص نصاب کا مالک ہو گیا تو زکاة چونکہ اس کے ذمہ میں واجب ہو گئی یعنی نفس وجوب ہو گیا اس لئے اگر وہ پیشگی زکاة دے دے تو زکاة اداء ہو جائے گی، بلکہ اگر وہ موجودہ مال کے علاوہ مزید مال کی زکاة مال آنے سے پہلے دے دے، تب بھی اس غیر موجود مال کی زکاة بھی اداء ہو جاتی ہے، جس کی شرائط و تفصیل اور فقہی اختلاف اسی فصل میں آگے آتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... سال پورا ہونے میں چاند کے حساب کا اعتبار کیا جاتا ہے، یعنی جب قمری اعتبار سے سال پورا ہو، اس وقت زکاة واجب ہوتی ہے، اور قمری حساب کے علاوہ کسی اور مثلاً انگریزی تاریخ کے حساب کا اعتبار نہیں ہوتا، اس لئے زکاة کا سال شروع اور پورا ہونے میں چاند کی تاریخ کے معلوم ہونے اور اس کے یاد رکھنے کی بڑی اہمیت ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشرط الخامس: الحول:

المراد بالحول أن يتم على المال بيد صاحبه سنة كاملة قمرية، فإن لم تتم فلا زكاة فيه، إلا أن يكون بيده مال آخر بلغ نصاباً قد انعقد حوله، وكان المالكان مما يضم أحدهما إلى الآخر، فيرى بعض الفقهاء، أن الثاني يزكى مع الأول عند تمام حول الأول، كما يأتي بيانه تفصيلاً. ودليل اعتبار الحول قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول. ويستثنى من اشتراط الحول في الأموال الزكوية الخارج من الأرض من الغلال الزراعية، والمعادن، والركاز، فتجب الزكاة في هذين النوعين ولو لم يحل الحول، لقوله تعالى في الزروع (وآتوا حقه يوم حصاده) ولأنها نماء بنفسها فلم يشترط فيها الحول، إذ أنها تعود بعد ذلك إلى النقص، بخلاف ما يشترط فيه الحول فهو مرصد للنماء. وسيأتي تفصيل ذلك في النوعين في موضعه. والحكمة في أن ما أُرصد للنماء اعتبر له الحول، ليكون إخراج الزكاة من النماء لأنه أسير، لأن الزكاة إنما وجبت مواساة، ولم يعتبر حقيقة النماء، لأنه لا ضابط له، ولا بد من ضابط، فاعتبر الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۲، مادة "زكاة") ومنها الحول في بعض الأموال دون بعض (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۳، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية)

۱۔ اسلامی سال اور مرجع عیسوی یعنی انگریزی سال کے دنوں میں فرق ہوتا ہے، اور اسلامی سال چند دن چھوٹا ہوتا ہے، اور مرجع عیسوی سال اس کے مقابلے میں چند دن بڑا ہوتا ہے۔

مگر آج کل عام طور پر لوگوں میں نہ تو اسلامی سال و تاریخوں کے استعمال کا رواج ہے، اور نہ ہی ان سے واقفیت۔

المراد بالحول أن يتم على المال بيد صاحبه سنة كاملة قمرية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۲، مادة "زكاة")

(قوله: نسبة للحول) أى الحول القمري لا الشمسي كما سيأتي متنا قبيل زكاة المال (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة)

وفى القنية العبرة فى الزكاة للحول القمري (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۱۹، كتاب الزكاة) مضى عام أو حوّلان حول قمرى على ملك النصاب: لقوله صلى الله عليه وسلم: لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول ولا جماع التابعين والفقهاء. وحول الزكاة قمرى لا شمسي بالاتفاق كباقي أحكام الإسلام من صوم وحج (الفقه الاسلامى وادلتاه للزحلى، ج ۳، ص ۱۸۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانى)

مسئلہ نمبر ۳۸..... نصاب پورا ہونے کا اعتبار کس وقت کا کیا جاتا ہے؟ اس کے متعلق فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، حنفیہ کے نزدیک سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک سال کے آخر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اور حنبلیہ و شافعیہ کے نزدیک پورے سال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ۱۔
مذکورہ تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اگر کسی نے تجارت کا مال خریدا، اور اس کی ملکیت میں اس تجارت کے مال کے علاوہ اور کوئی زکاة کا مال نہیں ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اگر سال کے شروع اور آخر میں اس کی قیمت زکاة کے نصاب کے بقدر ہوگی، تو اس کی زکاة واجب ہوگی، خواہ سال کے درمیان میں اس کی قیمت نصاب سے کم کیوں نہ ہوگی ہو۔

۱۔ الوقت الذى يعتبر وجود النصاب فيه:

ذهب الشافعية والحنابلة على المعتمد في المذهب، إلى أن من شرط وجوب الزكاة وجود النصاب في جميع الحول من أوله إلى آخره، فلو نقص في بعضه ولو يسيرا انقطع الحول فلم تجب الزكاة في آخره. قالوا: فلو كان له أربعون شاة فماتت في الحول واحدة ثم ولدت واحدة انقطع الحول. فإن كان الموت والنتاج في لحظة واحدة لم ينقطع، كما لو تقدم النتاج على الموت، واحتجوا بعموم حديث لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول.

وذهب الحنفية إلى أن المعتبر طرفا الحول، فإن تم النصاب في أوله وآخره وجبت الزكاة ولو نقص المال عن النصاب في أثنائه، ما لم ينعدم المال كلية، فإن انعدم لم ينقطع الحول إلا عند تمام النصاب، وسواء انعدم لتلفه، أو لخروجه عن أن يكون محلا للزكاة، كما لو كان له نصاب سائمة فجعلها في الحول علوفة.

وفي قول عند الحنابلة: إذا وجد النصاب لحول كامل إلا أنه نقص نقصا يسيرا كساعة أو ساعتين وجبت الزكاة. ولو زال ملك المالك للنصاب في الحول ببيع أو غيره ثم عاد بشراء أو غيره استأنف الحول لانقطاع الحول الأول بما فعله، لكن إن فعل ذلك حيلة ففي انقطاع الحول خلاف ينظر في ما سبق تحت عنوان (الحيل لإسقاطها)

وذهب المالكية إلى أن الشرط أن يحول الحول على ملك النصاب أو ملك أصله، فالأول كما لو كان يملك أربعين شاة تمام الحول، والثاني كما لو ملك عشرين شاة من أول الحول فحملت وولدت فتمت بذلك أربعين قبل تمام الحول، فتجب الزكاة في النوعين عند حول الأصل.

ومثاله أيضا، أن يكون عنده دينار ذهب فيشتري به سلعة للتجارة فيبيعها بعشرين دينارا قبل تمام الحول، ففيها الزكاة عندما يحول الحول على ملكه للدينار، والذي يضم إلى أصله فيتم به النصاب هو نتاج السائمة وريح التجارة، بخلاف المال المستفاد بطريق آخر كالعطية والميراث فإنه يستقبل بها حولها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۴۵، مادة "زكاة")

اور مالک کے نزدیک اگر ملکیت میں داخل ہوتے وقت اس تجارت کے مال کی قیمت نصاب سے کم تھی، لیکن سال پورا ہونے کے وقت نصاب کے بقدر تھی، تو اس کی زکاة واجب ہوگی۔

اور حنابلہ و شافعیہ کے نزدیک اسی صورت میں زکاة واجب ہوگی، جبکہ پورے سال اس کی قیمت نصاب کے بقدر رہی ہو، اور اگر سال کے درمیان یا کسی بھی وقت اس کی قیمت نصاب سے کم ہوگئی، تو ”حولانِ حول“ نہ ہونے کی وجہ سے زکاة واجب نہیں ہوگی۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۴۰۰۰..... سال گزرنے یا حولانِ حول کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس مہینے اور جس تاریخ میں کوئی شخص ایک مرتبہ صاحبِ نصاب بنا تو حنفیہ کے نزدیک آئندہ سال اسی مہینے اور تاریخ میں اس کا سال پورا ہوگا۔

مثلاً کوئی شخص شعبان کی پانچ تاریخ کو نصاب کا مالک بنا تھا تو آنے والے شعبان کی پانچ تاریخ میں جو مال (سونا، چاندی، روپیہ پیسہ اور تجارت کا سامان) اس کی ملکیت میں ہوگا اس سب کی زکاة اس پر لازم ہوگی۔

پس جس اسلامی مہینے کی جس تاریخ کو کوئی شخص پہلی مرتبہ صاحبِ نصاب ہوا، اس تاریخ کو یاد

۱۔ نقص قيمة التجارة في الحول عن النصاب:

ذهب المالكية والشافعية على القول المنصوص إلى أن المعتبر في وجوب الزكاة القيمة في آخر الحول، فلو كانت قيمة العروض في أول الحول أقل من نصاب ثم بلغت في آخر الحول نصاباً وجبت فيها الزكاة، وهذا خلافاً لزكاة العين فلا بد فيها عندهم من وجود النصاب في الحول كله . قالوا : لأن الاعتبار في العروض بالقيمة، ويعسر مراعاتها كل وقت لاضطراب الأسعار ارتفاعاً وانخفاضاً فاكثفت باعتبارها في وقت الوجوب، قال الشافعية : فلو تم الحول وقيمة العرض أقل من نصاب فإنه يبطل الحول الأول وابتداء حول جديد.

وقال الحنفية وهو قول ثان للشافعية : المعتبر طرفا الحول، لأن التقويم يشق في جميع الحول فاعتبر أوله للاتعقاد وتحقق الغنى، وآخره للوجوب، ولو انعدم بهلاك الكل في أثناء الحول بطل حكم الحول.

وقال الحنابلة وهو قول ثالث للشافعية : المعتبر كل الحول كما في النقدين، فلو نقصت القيمة في أثناء الحول لم تجب الزكاة، ولو كانت قيمة العرض من حين ملكه أقل من نصاب فلا ينعقد الحول عليه حتى تتم قيمته نصاباً، والزيادة معتبرة سواء كانت بارتفاع الأسعار، أو بنماء العرض، أو بأن باعها بنصاب، أو ملك عرضاً آخر أو أثماناً كمل بها النصاب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۲، ۲۷۳، مادة ”زكاة“)

رکھنا بہت ضروری ہے، ایک سال گزرنے کے بعد اسی مہینے کی اسی تاریخ کو زکاۃ واجب ہوگی۔

اس لئے اس تاریخ کو مال کا حساب بھی محفوظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ لاکھوں روپے ذمہ میں واجب رہ سکتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص پر شعبان کی پہلی تاریخ میں زکاۃ فرض ہوگئی تھی یعنی اس تاریخ میں اس کا سال پورا ہو گیا تھا اور اس وقت اس کی ملکیت میں پچاس لاکھ کی مالیت کے برابر مال تھا، لیکن اس نے (مذکورہ تاریخ گزرنے کے بعد) اس مال کی زکاۃ ادا کرنے سے پہلے اس میں سے کچھ مال خرچ کر لیا (مثلاً مکان تعمیر کر لیا یا کسی کو ہدیہ دے دیا وغیرہ) اور اب اس کے پاس اس کے بعد مثلاً پچاس لاکھ سے کم ہو کر چالیس لاکھ کی مالیت کا مال رہ گیا اور اس نے صرف چالیس لاکھ کی زکاۃ ادا کر دی۔

تو اس صورت میں اس کے ذمہ دس لاکھ روپے کی زکاۃ باقی رہ گئی، کیونکہ درحقیقت اس پر پچاس لاکھ کی زکاۃ ادا کرنا ضروری تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر شخص کا سال اپنی اپنی مالی نوعیت کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے، سب کے لئے رجب یا رمضان کا مہینہ متعین کرنا (جیسا کہ بعض لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے) صحیح نہیں۔

آج کل بہت سے مسلمان اسلامی مہینوں اور تاریخوں کے یاد رکھنے اور ان کے استعمال کرنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے، اور اس کے بجائے انگریزی تاریخوں اور مہینوں کے حساب اور شمار پر اکتفاء کرتے ہیں، اور زکاۃ کا سال پورا ہونے میں بھی اسی کو معتبر سمجھتے ہیں۔

حالانکہ شرعی احکام میں اسلامی تاریخوں اور مہینوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اس لئے زکاۃ کے مال پر سال گزرنے کے بارے میں اسلامی ماہ و تاریخ کا اعتبار کرنا چاہئے، اور اس کو یاد رکھنے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہئے۔

اسلامی سال اور عیسوی سال میں چند دنوں کے فرق کی وجہ سے بعض اوقات زکاۃ کی مقدار اور حکم میں بڑی غلطی ہو سکتی ہے، جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ نمبر ۵..... بہت سے لوگ اپنی زکاۃ کا سال پورا ہونے کے حساب پر عمل کرنے کے بجائے کسی مخصوص مہینہ کو زکاۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں، اور اسی مہینے میں زکاۃ کے فرض ہونے اور حساب کرنے اور زکاۃ کے ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

چنانچہ بہت سے لوگ تو اپنا سال پورا ہونے کا حساب کرنے کے بجائے رمضان کو اور کچھ لوگ کسی دوسرے مہینے (مثلاً رجب) کو متعین سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اس طریقہ عمل میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں مثلاً:

(۱)..... اگر کسی کے زکاۃ کا سال رمضان سے پہلے پورا ہو رہا ہے، لیکن وہ اس وقت زکاۃ ادا نہیں کرتا اور رمضان کے انتظار میں رہتا ہے، لیکن رمضان المبارک کے آنے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ گنہگار ہو کر فوت ہوگا اور اس کے ذمہ زکاۃ کا فریضہ باقی رہے گا۔

(۲)..... اگر زکاۃ کا سال پہلے پورا ہو رہا ہے، لیکن اس وقت زکاۃ ادا نہیں کی اور رمضان کے مہینہ میں اس کا مال کسی اختیاری عمل کے نتیجے میں کم ہو گیا، مثلاً اس نے خرچ کر لیا، اور پھر جب رمضان میں حساب کر کے زکاۃ ادا کی تو کم مال کی زکاۃ ادا کی اور جتنا مال سال پورا ہونے کے بعد خرچ کر لیا، اس کی زکاۃ ذمہ میں باقی رہی، اسی طرح اگر مال میں اضافہ ہو گیا تو زیادہ مال کی زکاۃ دینی پڑے گی، جو کہ اس کے ذمہ واجب نہیں تھی، اور اگر کوئی ہمیشہ اسی طرح کرتا رہا تو اس خرابی کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

(۳)..... ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا جو ثواب ہے اس سے محرومی ہوتی ہے۔

اور شرعاً ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا عظیم ثواب ہے۔ ۱۔
اور جب سال پورا ہونے کے بجائے اس کو کسی دوسرے مہینے کے لئے مؤخر کیا جائے گا، تو اس فضیلت سے محرومی ہوگی۔

(۴)..... جب سب لوگ رمضان میں زکاة ادا کریں گے اور دوسرے دنوں میں ادا نہیں کریں گے تو سال کے گیارہ مہینے غریبوں کو اپنی ضروریات کا پورا کرنا مشکل ہوگا، اور سال کے گیارہ مہینوں میں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔

(۵)..... رمضان المبارک کو زکاة کے لئے خاص کر لینے کی وجہ سے ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ ہر شخص کو رمضان ہی میں جلد از جلد اپنی زکاة ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے اور جب کوئی صحیح مصرف سامنے نہیں آتا تو کسی نہ کسی کو زکاة دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے، خواہ وہ صحیح مستحق بھی نہ ہو۔

(۶)..... اس مہینے میں رسمی غریبوں اور بھکاریوں کا ایک سیلاب اُٹھتا ہے اور پھر لوگ ان ہی پیشہوروں کو اپنی زکاة دیتے ہیں اور اس طرح اصل مستحق نظروں سے پوشیدہ اور محروم رہتے ہیں (ماخذ: اشرف الجواب ص ۲۶ اللہ تبارک و تعالیٰ رحمہ اللہ)

(۷)..... اس کے علاوہ سال بھر میں مستحقوں کو تلاش کرنا بھی آسان ہے اور صحیح وقت پر ادا نیکی کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور جب ہر شخص اپنے اپنے سال کے پورا ہونے کے اعتبار سے زکاة ادا کرے گا، تو سارا سال غریبوں کی ضروریات کا لحاظ ہوتا رہے گا۔

لہذا زکاة کے لئے ہر شخص کو رمضان یا رجب کی تخصیص کرنا غلط ہے، اور ہر شخص کو

۱۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ، أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ“ (سورة الواقعة، رقم الآية ۱۰، ۱۱)

نیز ارشاد ہے کہ:

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۲۱)

اپنا سال پورا ہونے پر زکاة صحیح صحیح مصرف میں خرچ کرنی چاہئے، اور اپنا سال پورا ہونے کی قمری تاریخ کو محفوظ رکھنا چاہیے، البتہ اگر کسی کا سال رمضان ہی میں پورا ہو رہا ہو تو پھر رمضان میں دینے میں بھی حرج نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنے تفصیلی حالات اہل علم کے سامنے رکھ کر شرعی حکم معلوم کر لیا جائے۔

(ماخذ: بتقریر: ”ماہ رمضان کے فضائل و احکام“ مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

مسئلہ نمبر ۶..... ایک شخص کسی وقت نصاب کا مالک بنا اور درمیان سال میں اس مال کے اندر کمی زیادتی ہوتی رہی (خواہ یہ کمی زیادتی نصاب سے زیادہ مقدار میں ہوتی رہی ہو یا نصاب سے کم ہو کر ہوتی رہی ہو) تو حنفیہ کے نزدیک اس مال میں کمی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا، اور سال پورا ہونے کے وقت اس کی ملکیت میں جتنا مال ہوگا اس سب کا حساب کر کے زکاة دینی ہوگی، خواہ مال کا کوئی حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو۔

البتہ اگر نصاب کا مالک بننے کے بعد (سال پورا ہونے سے پہلے ہی) اس کی ملکیت میں سے سارا مال نکل گیا (یعنی سونا، چاندی، تجارت کا مال، کرنسی، چاروں چیزوں میں سے کسی بھی چیز کی تھوڑی سی مقدار نہ رہی، سب چیزیں بالکل ختم ہو گئیں) تو اب اس کا صاحب نصاب ہونا ختم ہو جائے گا۔

پھر اس کے بعد اگر یہ شخص کسی وقت صاحب نصاب بنے گا، تو اس وقت سے اس کا سال شروع ہوگا اور مذکورہ تفصیل کے اعتبار سے حکم ہوگا۔ ۱

۱۔ نقصان النصاب فی أثناء الحول لا یقطع حکم الحول (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۳۹، کتاب الزکاة)

ولفقهاء المذاهب آراء متقاربة فی حولان الحول۔

فقال الحنفیة يشترط كون النصاب كاملاً فی طرفی الحول، سواء بقى فی أثنائه كاملاً لا، فإذا ملك إنسان نصاباً فی بدء الحول، ثم استمر كاملاً لنهاية الحول، من غير أن ينقطع تماماً فی الأثناء، أو يذهب كله فی أثناء العام، وجبت الزکاة، وتجب أيضاً إن نقص فی أثناء الحول، ثم تم فی آخره، فنقصان النصاب فی الحول لا یضر إن كمل فی طرفیه (الفقه الاسلامی وادلته للزحلی، ج ۳ ص ۱۸۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

مسئلہ نمبر ۷..... اگر کسی شخص کی ملکیت میں زکاة کا مال بالکل بھی نہیں تھا، پھر اس کی ملکیت میں زکاة کا مال آ گیا، لیکن وہ مال نصاب کے برابر نہیں ہے، بلکہ نصاب سے کم ہے، تو نہ تو اس پر زکاة واجب ہوتی ہے، اور نہ ہی اس حالت میں اس پر سال گزرنے کا اعتبار ہوتا ہے۔ پھر اگر کسی وقت وہ نصاب کے بقدر زکاة کے مال کا مالک ہو گیا، تو اس وقت سے اس کا سال شروع ہو جائے گا، پھر سال پورا ہونے کے وقت اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال ہوگا، تو زکاة واجب ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کوئی زکاة کے نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو گیا، پھر سال پورا ہونے سے پہلے اس کی ملکیت میں مزید زکاة کا مال آ گیا، یا اسی مال میں نفع ہونے یا قیمت چڑھنے سے اضافہ ہو گیا، مثلاً سال کے شروع میں آٹھ تولہ سونے کی مالیت کے بقدر تجارت کا مال تھا، اور سال کے آخر میں اس کی ملکیت میں دس تولہ سونے کی مالیت کے بقدر تجارت کا مال ہو گیا، تو اس پر اس پورے مال کی (ڈھائی فیصد کے اعتبار سے) زکاة واجب ہوگی۔ ۲

۱۔ المال المستفاد أثناء الحول:

إن لم يكن عند المكلف مال فاستفاد مالا زكويًا لم يبلغ نصاباً فلا زكاة فيه ولا ينقصد حوله. فإن تم عنده نصاب انعقد الحول من يوم تم النصاب، وتجب عليه زكاته إن بقي إلى تمام الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، مادة ”زكاة“)

۲۔ البتہ شافعیہ وغیرہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ملاحظہ رہے کہ زکاة کے مال میں اگر اضافہ پہلے مال کے اندر ہی ہوا ہو، جیسا کہ سائمہ جانور کے بچے پیدا ہوا، یا مالی تجارت میں نفع ہوا، تو سال پورا ہونے پر اس پورے مال کی زکاة واجب ہونے پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے، اور اگر وہ اضافہ پہلے زکاة والے مال کی جنس کے علاوہ کسی اور جنس میں ہوا ہو، جیسا کہ سائمہ جانوروں کے نصاب کے ہوتے ہوئے کچھ تجارت کا مال یا سونا، یا چاندی حاصل ہوا، تو اس کو پہلے نصاب کے ساتھ ملا کر حولانِ حول یا سال پورا ہونے کا حکم نہیں ہوگا، اور اگر درمیان سال میں کوئی مال پہلے سے موجود مال کی جنس سے حاصل ہوا ہو، لیکن وہ اسی مال میں اضافہ کے طور پر نہ ہو، مثلاً پہلے سے نصاب کے برابر سونا تھا، اور پھر کچھ سونا حاصل ہوا، تو حنفیہ کے نزدیک پہلے مال کے تابع ہو کر یہ حولانِ حول میں شامل ہوگا، مگر شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک یہ حولانِ حول کے اعتبار سے پہلے مال کے تابع نہ ہوگا، بلکہ اس کا حولانِ حول الگ سے ہوگا۔ مثلاً کسی کی ملکیت میں یکم محرم کو دس تولہ سونا تھا، پھر دس ذی الحجہ کو اس کے پاس کسی جگہ سے مزید دس تولہ سونا آ گیا، تو شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک یکم محرم والے مال کا سال یکم محرم کو اور دس ذی الحجہ والے مال کا سال دس ذی الحجہ کو پورا ہونا سمجھا جائے گا۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کوئی شخص مثلاً محرم کی یکم تاریخ کو صاحبِ نصاب بنا، اور پھر چند دنوں تک اُس کی ملکیت میں نصاب سے کم مال رہا، پھر اس کے بعد مثلاً صفر کی یکم تاریخ کو اس کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان عنده نصاب، وقبل أن يحول عليه الحول استفاد مالا من جنس ذلك النصاب أو مما يضم إليه، فله ثلاثة أقسام:

الأول: أن تكون الزيادة من نماء المال الأول. كبيع التجارة، ونتاج السائمة، فهذا يزكى مع الأصل عند تمام الحول. قال ابن قدامة: لا نعلم في ذلك خلافاً، لأنه تبع للنصاب من جنسه، فأشبهه النماء المتصل.

القسم الثاني: أن يكون المستفاد من غير جنس المال الذي عنده، كأن يكون ماله إبلاً فيستفيد ذهباً أو فضة. فهذا النوع لا يزكى عند حول الأصل. بل ينقصد حوله يوم استفادته إن كان نصاباً، اتفاقاً، ما عدا قولاً شاذاً أنه يزكيه حين يستفيده.

ولم يعرج على هذا القول أحد من العلماء، ولا قال به أحد من أئمة الفتيا.

القسم الثالث: أن يستفيد مالا من جنس نصاب عنده قد انعقد حوله وليس المستفاد من نماء المال الأول. كأن يكون عنده عشرون مثقالاً ذهباً ملكها في أول المحرم، ثم يستفيد ألف مثقال في أول ذي الحجة، فقد اختلف العلماء في ذلك:

فذهب الشافعية والحنابلة، إلى أنه يضم إلى الأول في النصاب دون الحول، فيزكى الأول عند حوله أي في أول المحرم في المثال المتقدم، ويزكى الثاني لحوله أي في أول ذي الحجة ولو كان أقل من نصاب، لأنه بلغ بضمه إلى الأول نصاباً. واستدلوا بعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول. وبقوله: من استفاد مالا فلا زكاة عليه حتى يحول عليه الحول عند ربه.

وذهب الحنفية إلى أنه يضم كل ما يأتي في الحول إلى النصاب الذي عنده فيزكيهما جميعاً عند تمام حول الأول، قالوا: لأنه يضم إلى جنسه في النصاب فوجب ضمه إليه في الحول كالنصاب، ولأن النصاب سبب، والحول شرط، فإذا ضم في النصاب الذي هو سبب، فضمه إليه في الحول الذي هو شرط أولى، ولأن أفراد كل مال استفاد بحول يفضي إلى تشقيص الواجب في السائمة، واختلاف أوقات الواجب، والحاجة إلى ضبط مواقيت التملك، ووجوب القدر اليسير الذي لا يتمكن من إخراج، وفي ذلك حرج، وإنما شرع الحول للتيسير، وقد قال الله تعالى (وما جعل عليكم في الدين من حرج) وقياساً على نتائج السائمة وبيع التجارة. واستثنى أبو حنيفة ما كان ثمن مال قد زكى فلا يضم، لئلا يؤدي إلى التضييق.

وذهب المالكية إلى التفريق في ذلك بين السائمة وبين النقود، فقالوا في السائمة كقول أبي حنيفة، قالوا: لأن زكاة السائمة موكولة إلى الساعي، فلو لم تضم لأدى ذلك إلى خروجه أكثر من مرة، بخلاف الأثمان فلا تضم، فإنها موكولة إلى أربابها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۳، ۲۳۴، مادة "زكاة")

ملکیت میں نصاب کے برابر مال آ گیا، اور آئندہ سال یکم محرم کو وہ صاحب نصاب نہیں تھا، لیکن صفر کی یکم تاریخ کو وہ صاحب نصاب تھا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر یکم صفر کو زکاة واجب نہ ہوگی، لہذا اس سال کی زکاة اس سے ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اس کا حوالانِ حول یکم محرم کو ہو رہا ہے، لیکن اس تاریخ میں نصاب پورا نہیں، اور جس تاریخ کو نصاب پورا ہے، وہ اس کے زکاة کی تاریخ نہیں۔ ۱

۱۔ پہلے ایڈیشن میں یہ مسئلہ لکھنے میں خطا سرزد ہو گئی تھی، اس مرتبہ کی اشاعت میں اس مسئلہ کی متن میں اصلاح کی گئی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک زکاة کا سبب وجوب مال نامی کا ہونا ہے، اور حوالانِ حول وجوبِ اداء کی شرط ہے۔

المال النامي سبب، لوجوب الزكاة، والحلول شرط لوجوب الأداء، فإذا وجد السبب يصح الأداء مع أنه لم يجب (شرح الوقاية، ج ۳، ص ۱۸۹، کتاب الزکاة)

قوله: مع أنه لم يجب، قد يستشكل ظاهره بأنه لما وجد سبب الوجوب وجبت لا محالة، وإلا لزم الفصل بين سبب الوجوب والوجوب، فكيف يصح قوله: مع أنه لم يجب، ويجاب عنه: بأن الضمير راجع إلى الأداء، والغرض منه نفى وجوب الأداء لا نفى أصل الوجوب، والحاصل أن يتحقق سبب الوجوب يجب الشيء في الذمة فإذا وجد المال النصاب وجبت في الذمة، وتعلقت بالزكاة، وأما وجوب الأداء الموقوف على مطالبة الشارع فهو إنما يتعلق بعد حوالانِ حول (عمدة الرعاية، بتحشية شرح الوقاية، ج ۳، ص ۱۸۹، کتاب الزکاة)

وسبب وجوب الزكاة المال بصفة أن يكون نصابا ناميا ألا ترى أنه يضاف إلى المال وأنه يتضاعف بتضاعف النصب في وقت واحد ولكن الوجوب بواسطة غنى المالك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صدقة إلا عن ظهر غنى والغنى لا يحصل بأصل المال ما لم يبلغ مقدارا وذلك في النصاب شرعا والوجوب بصفة اليسر ولا يتم ذلك إلا إذا كان المال ناميا ولهذا يضاف إلى سبب النماء أيضا فيقال زكاة السائمة وزكاة التجارة فأما مضى الحول فهو شرط لوجوب الأداء من حيث إن النماء لا يحصل إلا بمضى الزمان ولهذا جاز الأداء بعد كمال النصاب قبل حوالانِ حول وجواز الأداء لا يكون قبل تقرر سبب الوجوب حتى لو أدى قبل كمال النصاب لم يجز

فإن قيل الزكاة يتكرر وجوبها في مال واحد باعتبار الأحوال ويتكرر الشرط لا يتجدد الواجب قلنا ليس كذلك بل يتكرر الوجوب بتجدد النماء الذي هو وصف للمال وباعتباره يكون المال سببا للوجوب فإن لمضى كل حول تأثيرا في حصول النماء المطلوب من عين السائمة بالدر والنسل والمطلوب من ربح عروض التجارة زيادة القيمة (أصول السرخسي، ج ۱، ص ۱۰۶، ۱۰۷، فصل في بيان اسباب الشرائع)

اور فقہائے احناف نے زکاة کے سبب وجوب منعقد ہونے کے لئے نصاب کے کامل ہونے کا اعتبار

ابتداءً حول کی حالت کا کیا ہے، اور زکاة کے وجوب اداء یا تا کد وجوب کے لئے آخر حول کی حالت کا

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... اگر سال کے دوران مال کی نوعیت بدلتی رہی، لیکن وہ قابل زکاة مال میں داخل رہا، مثلاً نصاب کے بقدر سونے یا چاندی سے تجارت کا مال خرید لیا، تو بھی حنفیہ کے نزدیک سال کا حساب جاری رہتا ہے، اور اس طرح مال کے تبدیل ہونے سے سال کا حساب تبدیل نہیں ہوتا، البتہ اگر کسی نے سال پورا ہونے سے پہلے اس مال کو ایسے مال سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اعتبار کیا ہے، اور ان دونوں کے مابین کا زمانہ نہ تو انعقاد و سبب کی حالت ہے، اور نہ وجوب اداء کی حالت ہے بلکہ حالت بقاء ہے، اس لئے اس کو (نصاب کے زیادہ اور کم ہونے میں) غیر معتبر قرار دیا ہے۔ اور حالت بقاء کے غیر معتبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے اعتبار کرنے میں حرج عظیم لازم آتا ہے، کیونکہ حالت بقاء میں مال کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

ثم لا بد من اعتبار كمال النصاب في أول الحول للانعقاد، وفي آخره لوجوب الأداء، وما بينهما حالة البقاء فلا اعتبار بها؛ لأن في اعتبارها حرجاً عظيماً، فإن بالتصرفات في النفقات يتناقص ويزداد في كل وقت، فيسقط اعتباره دفعا لهذا الحرج (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۰۱، كتاب الزكاة)

المعتبر كمال النصاب في طرفي الحول؛ ولأن سبب الوجوب هو النصاب فأحد الطرفين حال انعقاد السبب والطرف الآخر حال الوجوب، أو حال تأكد الوجوب بالسبب وما بين ذلك ليس بحال الانعقاد ولا حال الوجوب إذ تأكد الوجوب بالسبب فلا معنى لاشتراط النصاب عنده ولأن في اعتبار كمال النصاب فيما بين ذلك حرجاً؛ لأن التجار يحتاجون إلى النظر في ذلك كل يوم وكل ساعة وفيه من الحرج ما لا يخفى ولا حرج في مراعاة الكمال في أول الحول وآخره وكذلك جرت عادة التجار بتعرف رءوس أموالهم في أول الحول وآخره ولا يلتفتون إلى ذلك في أثناء الحول إلا أنه لا بد من بقاء شيء من النصاب وإن قل في أثناء الحول ليضم المستفاد إليه ولأنه إذا هلك النصاب الأول كله فقد انقطع حكم الحول (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۵۱، كتاب الزكاة، فصل شرائط جواز النصاب)

(ونقصان النصاب) أطلقه ليتناول كل نصاب تجب فيه الزكاة كالنقدين وعروض التجارة والسوائم (في أثناء الحول لا يضر إن كمل في طرفيه)؛ لأن في اعتبار كمال النصاب في جميع الحول حرجاً فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد.

وفي آخره للوجوب وفيه إشارة إلى أنه لا بد من بقاء شيء من النصاب حتى لو هلك كله في أثناء الحول لا تجب وإن تم آخر الحول على النصاب (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض)

(ونقصانه) أي نقصان مقدار النصاب (في الحول هدر) أي ساقط غير مانع من الزكاة، لأن في اعتبار كمال النصاب في جميع الحول حرجاً، فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد، وفي (بقية حاشیا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں) ﴿

تبدیل کر لیا کہ جس پر زکاة واجب نہیں ہوتی، مثلاً نقدی یا سونے یا چاندی یا تجارت کے مال کے عوض میں رہائش کے لئے مکان یا کسی اور طرح کا سامان خرید لیا، جس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں تھا، تو ایسی صورت میں چونکہ یہ مال نامی نہیں رہتا، اس لئے سال پورا ہونے کے وقت اس کی زکاة بھی واجب نہیں ہوتی۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

آخرہ للوجوب، کالیمین یشرط فیہا الملک حالة الانعقاد وحالة نزول الجزاء، وفیما بین ذلک لا یشرط (شرح النقایہ، ج ۲، ص ۱۲۲، کتاب الزکاة)

اور سال کے آخر کی حالت کے وجوب اداء یا تا کید وجوب ہونے کی وجہ سے درمیان سال میں جو ہم جنس مال مستفاد ہو، اُس پر بھی اصل کے تابع ہونے کی وجہ سے زکاة کو واجب قرار دیا ہے۔

المستفاد من جنس الأصل تبع له؛ لأنه زیادة علیه، إذ الأصل یزاد به یتکفر و الزیادة تبع للمزید علیه و التبع لا یفرد بالشرط کما لا یفرد بالسبب لثلا ینقلب التبع أصلا فتجب الزکاة فیہا بحول الأصل کالأولاد والأرباح بخلاف المستفاد بخلاف الجنس؛ لأنه لیس بتابع بل هو أصل بنفسه (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۲، ص ۱۴، کتاب الزکاة، فصل الشرائط التي ترجع الى المال)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ کسی کے حق میں نصاب کے بقدر مالی نامی ہونے کی وجہ سے سبب وجوب متحقق ہو گیا، تو جب تک ملکیت میں مالی نامی ہے، خواہ وہ نصاب سے کم ہو، اُس وقت تک اُس کا سبب وجوب ساقط نہ ہوگا، اور یہ آخر سال تک ممتد ہوگا، پھر سال کے آخر میں وجوب اداء یا تا کید وجوب پائے جانے کی صورت میں زکاة کی ادائیگی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور سال کے درمیان کا زمانہ (جو کہ حالت بقاء ہے) بدر ہوگا، نہ تو اُس کے ذریعے سے سبب وجوب کا انعقاد ہوگا، اور نہ وجوب اداء یا تا کید وجوب کا۔

إلا یہ کہ سبب وجوب کے بعد مال کے پوری طرح جاتے رہنے کی وجہ سے یہ سبب ختم ہو جائے۔

پھر اس کے بعد دوبارہ سبب وجوب متحقق ہونے پر اُس کے حوالان حول کا آغاز ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہ ممتد نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

(نقصان النصاب أثناء الحول هدر)؛ لأن الحول لا ینعقد إلا علی النصاب ولا تجب الزکاة إلا فی النصاب فلا بد منه فی البداية والنهاية ولا عبرة لما بینهما إذ قلما یبقی الحال حولاً علی حاله لکن لا بد من بقاء شیء من النصاب لیضم المستفاد إلیه؛ لأن هلاک الكل یطل انقضاء الحول إذ لا یمکن اعتباره بلا مال (درر الحکام شرح غرر الأحکام، ج ۱، ص ۸۲، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

۱۔ أجمع أهل العلم علی أن بیع النصاب من عروض التجارة بمثله أثناء الحول لا یقطع الحول، لأن الزکاة تجب فی قيمة العروض لا فی نفسها.

وذهب المالکیة والحنابلة إلی أنه إذا باع نصاباً للزکاة مما یمتد فیہ الحول بجنسه کالابل بالإبل،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱..... اگر کسی کو صاحبِ نصاب بننے کا انگریزی مہینہ و تاریخ تو یاد ہے، مگر اسلامی مہینہ و تاریخ یاد نہیں تو اسے اسلامی مہینہ و تاریخ کا حساب نکالنا چاہئے۔

اور اگر اس کے باوجود ٹھیک ٹھیک حساب نہ نکالا جاسکے تو پھر غالب گمان پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۲..... صاحبِ نصاب شخص کو ہر سال میں ایک مرتبہ ڈھائی فیصد زکاة ادا کرنا لازم ہے، اور اگر وہ ایک سال سے زیادہ سالوں تک (خواہ عمر بھر) صاحبِ نصاب رہے تو ہر سال زکاة واجب ہوگی۔

اور جس سال صاحبِ نصاب نہیں ہوگا، اس سال کی زکاة واجب نہیں ہوگی۔ اور بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ مالِ زکاة کی عمر بھر میں ایک مرتبہ زکاة دینا کافی ہوتا ہے، خواہ وہ مال کتنے ہی سال اپنے پاس کیوں نہ رہے، یہ سراسر شرعی حکم سے ناواقفی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳..... زکاة کی ادائیگی واجب و لازم ہونے کے بعد جلد از جلد زکاة ادا کرنے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أو البقر بالبقر، أو الغنم بالغنم، أو الذهب بالذهب، أو الفضة بالفضة، لم ينقطع الحول وبنى حول البدل على حول النصاب الأول (المبدل منه) لأنه نصاب يضم نماؤه في الحول، فبنى حول بدله من جنسه على حوله كالعروض.

وذهب الشافعية إلى أن الحول ينقطع بهذه المبادلة ما لم تكن للتجارة، فلا ينقطع الحول إلا في الصرف فينقطع، ويستأنف حول جديد. لقوله صلى الله عليه وسلم: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول.

أما الحنفية، فقد وافقوا المالكية والحنابلة في الأثمان، ووافقوا الشافعية فيما سواها، لأن الزكاة إنما وجبت في الأثمان عندهم، لكونها ثمنًا، بخلاف غيرها من الأموال الأخرى.

أما إذا باع نصابًا للزكاة بغير جنسه، كإبل ببقر، فقد اتفقوا على انقطاع الحول واستئناف حول جديد، إذا لم يكن هذا فرارًا من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۳، ص ۷۴، مادة "تغيير")

۱۔ المظنة من الظن وهو في اللغة: اسم لما يحصل عن أمانة ومتى قويت أدت إلى العلم، والظن في الأصل خلاف اليقين، وقد يستعمل بمعنى اليقين كقوله تعالى: (الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم) والمظنة: بكسر الظاء للمعلم وهو حيث يعلم الشيء والجمع المظان ومظنة الشيء موضعه ومألفه. وفي الاصطلاح: المظنونات هي القضايا التي يحكم فيها حكمًا راجحًا مع تجويز نقيضه.

الأحكام المتعلقة بالمظنة:

المظنة تقوم مقام اليقين عند الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸، ص ۱۴۵، مادة "مظنة")

اہتمام کرنا چاہئے، اور بغیر کسی معقول عذر کے اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے، کہ شاید اچانک موت آجائے اور یہ فریضہ اپنی گردن پر رہ جائے، یا اور کوئی وجہ بن جائے۔

اگر سال گزرنے پر زکاۃ نہیں دی، یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گزر گیا، تو بلا عذر یہ تاخیر کرنا گناہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہئے، اور گزشتہ مکمل عرصہ کی زکاۃ ادا کرنی چاہئے۔

اگر کوئی بروقت زکاۃ ادا نہیں کرتا، تو خواہ کتنا بھی وقت گزر جائے، زکاۃ اس کے ذمہ میں لازم ہی رہتی ہے، معاف نہیں ہوتی، اور تاخیر کا گناہ الگ ہوتا ہے، اور گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا کرنے کا طریقہ آگے ”زکاۃ کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام“ میں آتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۳..... اگر زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جانے اور سال گزرنے کے بعد وہ مال اپنے اختیار کے بغیر ہلاک ہو جائے، جس پر کہ زکاۃ واجب تھی، مثلاً وہ مال چوری ہو جائے، یا آگ میں جل کر راکھ یا تلف ہو جائے، یا سیلاب وغیرہ کی نذر ہو جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاۃ ساقط ہو جاتی ہے، یعنی اس کی زکاۃ واجب نہیں رہتی، کیونکہ جس مال میں زکاۃ واجب تھی، اس کی ذات ہی باقی نہیں رہی۔

اور اگر سارا مال تو ہلاک نہ ہو، البتہ کچھ مال ہلاک ہو جائے، تو جتنا مال ہلاک ہو، اس کی زکاۃ ساقط ہو جاتی ہے۔

البتہ اگر کوئی جان بوجھ کر اس مال کو ہلاک کر دے، مثلاً اسے کسی جگہ خرچ کر دے، تو پھر اس کی

۱۔ ذهب المالکۃ والشافعیۃ والحنابلۃ والحنفیۃ فی المفتی بہ عندهم إلی أن أداء الزکاۃ یجب علی الفور، حین التمكن من أدائها، ویأثم المکلف بتأخیرها بعد التمكن، حتی عند الذین یرون أن الأمر المطلق لا یقتضی الفور ولا التراخی، بل مجرد طلب المأمور به، لأن الأمر بالصرف إلی الفقیر معه قرینۃ إرادة الفور منه، ولأنه حق لزوم المزکی وقدر علی أدائه، ودلت القرینۃ علی طلبه، وهی حاجۃ الأصناف، وهی معجلۃ، فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الإیجاب علی الوجه المطلوب.

والقول الثانی عند الحنفیۃ، وعلیه عامۃ علمائهم: أنها علی التراخی وأن الفتراضها عمری، لما قلنا: من أن مطلق الأمر لا یقتضی الفور فیجوز للمکلف تأخیرہ، وهو قول عند الحنابلۃ (الموسوعة الفقهیۃ الكويتیۃ، ج ۳۲، ص ۲۲۳، مادة ”فور“)

زکاة ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اپنی کوتاہی و اختیار کا دخل پایا جاتا ہے۔ ۱۔
 اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جب کسی مال پر زکاة واجب ہونے کی تمام
 شرائط پائی جائیں، اور سال گزرنے کے بعد زکاة ادا کرنے پر قدرت ہونے کے باوجود
 کوتاہی کرے، اور پھر وہ مال اختیاری یا غیر اختیاری طور پر ہلاک ہو جائے، تو اس کی زکاة
 معاف نہیں ہوتی، کیونکہ وقت پر زکاة ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ کوتاہی کا مرتکب شمار ہوتا ہے،
 اور جب کوئی چیز ذمہ میں واجب ہو جائے، تو وہ ساقط نہیں ہوا کرتی۔ ۲۔

۱۔ اور اگر زکاة دینے کے بجائے وہ مال صدقہ کر دے، جس پر کہ زکاة واجب تھی، تو حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں
 صدقہ کے ضمن میں زکاة ادا ہو جاتی ہے، جیسا کہ آگے ”زکاة کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام“ میں آتا ہے۔
 من وجبت علیہ الزکاة فلم یخرجها ثم ضاع المال کله أو بعضه، أو تلف بغير فعل المزکی فقد
 اختلف الفقهاء فی ذلك: فقال الحنفیة: إن تلف المال سقطت الزکاة، لأن الواجب جزء من
 النصاب فیسقط بهلاک محله، لكن إن کان هلاکة بعد طلب الساعی فقيل: یضمن، وقيل: لا
 یضمن. قالوا: وإذا هلك بعض المال یسقط من الزکاة بقدره أى بنسبة ما هلك.
 وقالوا: إن تلف من مال الزکاة بعد الحول ما کان به الباقی أقل من نصاب قبل إمكان الأداء بلا
 تفريط سقطت الزکاة، فإن أمکن الأداء وفراط ضمن (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳،
 ص ۳۰۳، مادة ”زکاة“)

۲۔ وقال المالکیة والشافعیة: إن کان ضیاعه بتفريطه فی حفظه وجبت علیہ زکاة کل المال،
 وكذا إن فراط فی الإخراج بعد التمكن، بأن وجد المستحق، سواء طلب الزکاة أم لم یطلبها،
 لتقصيره بحبس الحق عن مستحقه. ثم قال الشافعیة: إن لم یکن فراط زکی الباقی فقط بقسطه، ولو
 کان أقل من نصاب، علی الأظهر عندهم، فلو ملک خمساً من الإبل فتلفت واحدة منه قبل التمكن
 ففي الباقی ۴/۵ شاة علی الأظهر، ولا شیء علی الثانی. وقال المالکیة -وهو قول آخر للشافعیة: إن
 کان الباقی أقل من نصاب سقطت الزکاة. وقال الحنابلة: یجب علیہ زکاة کل المال، حتی لو ضاع
 کله بعد الحول فالزکاة فی ذمته لا تسقط إلا بالأداء، لأنها حق للفقراء ومن معهم لم یصل إلیهم،
 کدین الادی (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۳۰۳، مادة ”زکاة“)

قال الجمهور: إن هلك المال بعد وجوب الزکاة لم تسقط الزکاة، وإنما یضمنها، فیکون إمكان
 الأداء شرطاً فی الضمان لا فی الوجوب، لأن من تقرر علیہ الواجب لا یرأ عنه بالعجز عن الأداء
 كما فی صدقة الفطر والحج وديون الناس، والزکاة حق متعین علی رب المال، فإن تلف قبل وصوله
 إلی مستحقه لم یرأ منه بذلك، کدین الادی. ولو عزل قدر الزکاة، فنوی أنه زکاة فتلف، فهو فی
 ضمان رب المال، ولا تسقط الزکاة عنه بذلك، سواء قدر علی أن یدفعها إلیه أو لم یقدر.

واستثنی المالکیة زکاة الماشیة، لأن وجوبها عندهم إنما یتیم بشرط خروج الساعی، مع الحول،
 فإن تلفت فلا تضمن زکاتها. ﴿بقیہ حاشیہ الگل صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵..... سال پورا ہونے سے پہلے اگرچہ زکاة ادا کرنا لازم نہیں، لیکن اگر کوئی پیشگی زکاة دے، تو اگر اس نے ایسے وقت زکاة دی، جب اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال نہیں تھا، تو زکاة ادا نہیں ہوئی۔

اور اگر نصاب کے بقدر مال تھا، تو پھر حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک زکاة دینا درست ہوتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا وقد ذكر ابن رشد خمسة أقوال فيما إذا أخرج الزكاة فضاغت كأن تسرق أو تحترق: وهي قول: إنه لا يضمن بإطلاق، وقول: إنه يضمن بإطلاق، وقول: وما بعدها. إن فرط ضمن وإن لم يفرط لم يضمن، وهو مشهور مذهب مالك، وقول: إن فرط ضمن، وإن لم يفرط زكى ما بقى، وبه قال أبو ثور والشافعي.

والقول الخامس: يعبد الذاهب من الجميع ويكون المساكين ورب المال شريكين في الباقي بقدر حظهما من حظ رب المال (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الرابع)

۱ البتہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک پیشگی زکاة کی ادائیگی کے جائز ہونے کے باوجود اختلاف سے بچنے کے لئے افضل و بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت پیشگی زکاة نہ دے، تاہم اگر کسی ضرورت کی وجہ سے پیشگی زکاة دے، تو حرج نہیں، اور اگر نصاب کا مالک بننے سے پہلی پیشگی زکاة ادا کرے، تو پھر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاة ادا نہیں ہوگی۔

ذهب جمهور الفقهاء: إلى جواز تعجيل إخراج الزكاة قبل الحول في الجملة، وذلك لأن العباس رضي الله عنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرفض له في ذلك، ولأنه حق مالي جعل له أجل للرفق، فجاز تعجيله قبل أجله، كالدين ولأنه - كما قال الشافعية - وجب بسببين، وهما: النصاب، والحول. فجاز تقديمه على أحدهما، كتقديم كفارة اليمين على الحنث.

ومنع ابن المنذر، وابن خزيمة من الشافعية، وأشهب من المالكية، وقال: لا تجزئ قبل محله كالصلاة، ورواه عن مالك، ورواه كذلك ابن وهب. قال ابن يونس: وهو الأقرب، وغيره استحسان.

ونص الحنفية والمالكية والحنابلة: على أن تركه أفضل، خروجاً من الخلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۲۶، مادة "تعجيل")

الفقهاء يختلفون في جواز تعجيل الأداء عن وقت وجوبها أو عن أسبابها: ففي الزكاة مثلاً يجوز تعجيل الأداء قبل الحول متى تم النصاب، وذلك عند جمهور الفقهاء، لأن النبي صلى الله عليه وسلم تسلف من العباس رضي الله عنه زكاة عامين؛ ولأنه حق مال أجل للرفق، فجاز تعجيله قبل

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جس صورت میں پیشگی زکاة دینا جائز ہے، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک ایک سے زیادہ سالوں کی پیشگی زکاة دینا بھی جائز ہے۔

اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک ایک سال سے زیادہ کی پیشگی زکاة دینا جائز نہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محله، کالدين المؤجل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۳۳۳، مادة "اداء")
اتفق العلماء على أنه لا يجوز تعجيل الزكاة قبل ملك النصاب، لأنه لم يوجد سبب وجوبها، فلم
يجز تقديمها كأداء الثمن قبل البيع، والدية قبل القتل.

أما تعجيل الزكاة متى وجد سبب وجوب الزكاة، وهو النصاب الكامل، ففيه رأيان للفقهاء .
۱۔ قال الجمهور: يجوز تطوعاً تقديم الزكاة على الحول، وهو مالک للنصاب، لأنه أدى بعد سبب
الوجوب، ولما روى على كرم الله وجهه أن العباس رضى الله عنه سأل رسول الله صلى الله عليه
وسلم ليعجل زكاة ماله قبل محلها، فرخص له في ذلك، ولأنه حق مال أجل للرفق، فجاز تعجيله
قبل أجله أو محله، كالدين المؤجل ودية الخطأ، فهي تشبه الحقوق المالية المؤجلة.

وذكر الشافعية أن شرط إجزاء المعجل: أن يبقى المالك أهلاً للوجوب إلى آخر الحول في
الحول، ودخول شوال في الفطرة، وأن يكون القابض في آخر الحول أو عند دخول شوال مستحقاً.
وإذا لم يجزئه المعجل لفوات أحد هذين الشرطين، استرد من القابض إن علم القابض أنها زكاة
معجلة. وإن مات المالك أو القابض قبل ذلك أو ارتد القابض أو غاب أو استغنى بمال غير
المعجل كزكاة أخرى ولو معجلة، أو نقص النصاب أو زال عن ملكه وليس مال تجارة، لم يجزئه
المعجل لخروجه عن الأهلية عند الوجوب.

۲۔ وقال الظاهرية والمالكية: لا يجوز إخراج الزكاة قبل الحول، لأنها عبادة تشبه الصلاة، فلم يجز
إخراجها قبل الوقت، ولأن الحول أحد شرطى الزكاة، فلم يجز تقديم الزكاة عليه، كالنصاب (الفقه
الاسلامى وادلته للزحلى، ج ۳ ص ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثالث)
۱۔ اور مالکیہ کے نزدیک سال پورا ہونے سے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ قبل تو زکاة دینا جائز ہے، اس سے زیادہ مدت پہلے
دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

واختلف الفقهاء في المدة التي يجوز تعجيل الزكاة فيها:

فذهب الحنفية: إلى جواز تعجيل الزكاة لسنين، لوجود سبب الوجوب، وهو: ملك النصاب
النامى. وقيده الحنابلة بحولين فقط، اقتصاراً على ما ورد. فقد روى على رضى الله عنه أن النبی
صلى الله عليه وسلم تعجل من العباس رضى الله عنه صدقة سنتين لقلوله صلى الله عليه وسلم: أما
العباس فهي على ومثلها معها ولما روى أبو داود من أن النبی صلى الله عليه وسلم تسلف من
العباس صدقة عامين وهو وجه عند الشافعية، صححه الإسنى وغيره، وعزوه للنص.

وذهب الشافعية: إلى عدم جواز تعجيل الزكاة لأكثر من عام، وذلك: لأن زكاة غير العام الأول لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶..... زکاة واجب ہونے سے بچنے کی غرض سے حیلہ اختیار کرنا، مثلاً جب زکاة کے مال پر سال پورا ہونے والا ہو، تو اس سے پہلے اس مال کو اپنے کسی عزیز مثلاً بیوی یا بیٹے کو ہبہ کر دینا اور سال گزرنے کے بعد اس ہبہ کو واپس لے لینا یا اس پورے مال کو یا مال کی اتنی مقدار کو کہ اس کے بعد مال زکاة کے نصاب کے بقدر باقی نہ رہے، کسی ایسے مال سے بدل دینا کہ جس پر زکاة واجب نہیں ہوتی، تو ایسا حیلہ اختیار کرنا مکروہ و ممنوع ہے، البتہ بعض حضرات کے نزدیک بضرورت جائز ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ینعقد حولها، والتعجيل قبل انعقاد الحول لا يجوز، كالتعجيل قبل كمال النصاب في الزكاة العينية. أما المالكية: فلم يجيزوا تعجيل الزكاة لأكثر من شهر قبل الحول على المعتمد، وتكره عندهم بشهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۲۶، مادة ”تعجيل“)

۱۔ ولو احتال بشيء من ذلك فرارا من وجوب الزكاة عليه هل يكره له ذلك؟ قال محمد: يكره. وقال أبو يوسف: لا يكره.

وهو على الاختلاف في الحيلة لمنع وجوب الشفعة، ولا خلاف في الحيلة لإسقاط الزكاة بعد وجوبها مكروهة كالحيلة لإسقاط الشفعة بعد وجوبها (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۵، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التي ترجع الى المال)

(وتكره الحيلة لإسقاطها) أى الزكاة (عند محمد) لأن الزكاة لنفع الفقراء وفي الحيلة إضرار بهم وهو المختار عند المصنف لأنه قدمه وعليه الفتوى (خلافا لأبي يوسف) لأنها امتناع عن الوجوب لا إبطال لحق الغير لأنه ربما يخاف أن لا يمثل الأمر فيكون عاصيا والفرار من المعصية طاعة قيل: وهذا أصح (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شرط صحة اداء الزكاة)

وفى المعراج ولو باع السوائم قبل تمام الحول بيوم فرارا عن الوجوب قال محمد يكره، وقال أبو يوسف لا يكره، وهو الأصح ولو باعها للنفقة لا يكره بالإجماع ولو احتال لإسقاط الواجب يكره بالإجماع، ولو فر من الوجوب بخلا لا تأثيما يكره بالإجماع. (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۳۶، ۲۳۷، كتاب الزكاة)

ومنها أن يهبه لطفله قبل التمام بيوم (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲ ص ۳۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(قوله: وهى من الحيل) أى هذه المسألة من حيل إسقاط الزكاة بأن يهب النصاب قبل الحول بيوم مثلاً ثم يرجع فى هبته بعد تمام الحول والظاهر أنه لو رجع قبل تمام الحول تسقط عنه الزكاة أيضا لبطان الحول بزوال الملك تأمل وقدما الاختلاف فى كراهة الحيلة عند قوله: ولا فى هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلك (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۰۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

بعض مرد اور خاص کر خواتین زکاة سے بچنے کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتی ہیں کہ سال کے کچھ دنوں کے لئے زیورات وغیرہ میں اپنے نابالغ بچوں یا شوہر کی ملکیت تصور اور فرض کر لیتی ہیں، اور کچھ دنوں کے لئے اپنی ملکیت تصور کر لیتی ہیں، اور اس طرح یہ سمجھ بیٹھتی ہیں کہ زکاة کے مال پر سال گزرنے کی شرط کسی فرد کے حق میں بھی ثابت نہیں ہوئی، لہذا اس مال کی زکاة کسی پر بھی واجب نہیں ہوئی۔

حالانکہ اولاً تو اس قسم کے تصور کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، اور یہ صرف تصور ہی کے درجہ کی چیز ہے۔

دوسرے اگر کوئی حقیقت میں کسی دوسرے کو مال ہبہ کر دے تو اس ہبہ کے صحیح اور مکمل ہونے کے لئے کچھ شرائط مقرر ہیں، اور پھر دوسرے کا مال اپنی ذات کے لئے ہبہ ہونے کے لئے دوسرے کی طرف سے بھی ان شرائط کے ساتھ ہبہ ہونا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ وہ عاقل بالغ ہو، اور نابالغ بچہ کی طرف سے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

تیسرے اگر دونوں طرف سے ہبہ کی تمام شرائط موجود ہوں، تب بھی زکاة سے بچنے کے لئے اس قسم کے حیلوں کو اختیار کرنا بہت سے فقہاء کرام کی نظر میں مکروہ اور برا فعل ہے۔ اور پھر یہ سب کچھ مال میں کمی ہونے کے ڈر سے کیا جاتا ہے، جبکہ شریعت کی رو سے زکاة سے مال میں برکت ہوتی ہے۔

لہذا یہ طرزِ عمل ایمان اور یقین کی کمزوری کی بھی دلیل ہے۔ ۱۔

۱۔ وکذلك يحرم التصرف في المال بهبة أو غيرها قبل الحول للفرار من الزكاة عند المالكية والحنابلة. وقد اختلف الحنفية في ذلك.

فقال أبو يوسف: لا يكره ذلك، لأنه امتناع عن الوجوب لإبطال حق الغير. وفي المحيط أنه الأصح.

وقال محمد: يكره. واختاره الشيخ حميد الدين الضرير، لأن فيه إضراراً بالفقراء، وإبطال حقهم مآلاً. وقيل: الفتوى على قول محمد،

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم اس طرح صحیح طریقہ پر ہبہ کا عمل کر کے زکاة سے بچنے کا حیلہ اختیار کرنے کے بعد حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بظاہر زکاة واجب نہیں ہوتی، کیونکہ زکاة واجب ہونے کی جو ایک شرط سال گزرنایا حوالان حول ہے، وہ نہیں پائی جاتی، جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے، تو ممکن ہے کہ آخرت میں اس طرز عمل پر مواخذہ ہو، جبکہ زکاة سے بچنے کی خاطر اور بلا ضرورت ایسا کیا گیا ہو۔ ۱

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کذلک الأمر بالنسبة للشافعية، ففي نهاية المحتاج والشروانی: يكره تنزيها إن قصد به الفرار من الزكاة. وقال الشروانی: وفي الوجيز يحرم. زاد في الإحياء: ولا تبرأ به الذمة باطنا، وأن هذا من الفقه الضار، وقال ابن الصلاح يأنم بقصده لا بفعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۰۲، مادة "احتیال")

۱۔ اور مالکیہ و حنبلیہ کے نزدیک یہ حیلہ ناقابل اعتبار شمار ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے زکاة ساقط نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔
اختلف الفقهاء في حكم الفرار من الزكاة، فقال المالكية والحنابلة ومحمد بن الحسن من الحنفية والأوزاعي وإسحاق وأبو عبيد: إنه يحرم الاحتیال لسقوط الزكاة، وتجب مع الحيلة، كمن كانت عنده ماشية فباعها قبل الحول بدراهم فرارا من الزكاة، أو أبدل النصاب بغير جنسه ليقطع الحول ويستأنف حولا آخر، أو أئلف جزءا من النصاب قصدا لنقص النصاب لتسقط عنه الزكاة، بل تجب عليه الزكاة سواء كان المبدل ماشية أو غيرها من النصب، بدليل قوله تعالى: (إنا بلوناكم كما بلونا أصحاب الجنة إذ أقسموا ليصرمنها مصبحين ولا يستثنون فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون فأصبحت كالصريم) فتنادوا مصبحين. فعاقبهم الله تعالى بذلك لفرارهم من الصدقة، لأنهم لما قصدوا قصدا فاسدا اقتضت الحكمة معاقبتهم بنقيض قصدهم، كمن قتل مورثه لاستعجال ميراثه عاقبه الشرع بالحرمان.

وهذا إذا كانت الحيلة عند قرب الوجوب، ولو فعل ذلك في أول الحول لم تجب فيه الزكاة، لأن ذلك ليس بمظنة للفرار، وكذلك لا تجب الزكاة لو أئلفه لحاجته.

وقال الشافعية والشيخان من الحنفية بسقوط الزكاة مع الكراهة، لأنه نقص قبل تمام حوله، فلم تجب فيه الزكاة كما إذا أئلفه لحاجته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۷۵، مادة "فرار")
اختلف الفقهاء في التحيل على إسقاط الزكاة بإبدال النصاب بغير جنسه قبل نهاية الحول فذهب الحنفية والشافعية إلى سقوط الزكاة لأن النصاب نقص قبل تمام حوله فلم تجب فيه كما لو أئلفه لحاجته.

وذهب المالكية والحنابلة والأوزاعي وإسحاق وأبو عبيد إلى تحريم التحيل لإسقاط الزكاة وأنه لا تسقط عنه الزكاة سواء كان المبدل ماشية أو غيرها من النصب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۲۴۴، مادة "مخارج الحيل")

(باب نمبر ۴)

زکاة کے مصارف اور ادائیگی کے احکام

(زکاة کے مستحقین اور زکاة کی ادائیگی سے متعلق احکام)

قرآن مجید میں جگہ جگہ زکاة کا حکم دیتے وقت ”آتوا الزکاة“ یعنی زکاة ادا کرو، کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زکاة دے کر بے فکر ہو جانا کافی نہیں، بلکہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ زکاة اداء ہوئی بھی ہے یا نہیں؟

پس زکاة فرض اور واجب ہونے کے بعد شریعت کا حکم پورا نہیں ہو جاتا، بلکہ زکاة کو مستحقین تک پہنچانا اور زکاة کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے شریعت کی طرف سے زکاة کے مختلف مصارف متعین کئے گئے ہیں، جہاں زکاة کو خرچ کرنے کا حکم ہے، اور بعض مقامات یا اشخاص کو زکاة دینا جائز قرار نہیں دیا گیا۔

اور اسی طرح زکاة کی ادائیگی کے لئے مخصوص شرائط بھی مقرر کی گئی ہیں، ان کا علم حاصل کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

اس لئے اب اس باب میں الگ الگ فصلوں کے ذیل میں زکاة کے مصارف و مستحقین اور زکاة کی ادائیگی کے احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(فصل نمبر ۱)

زکاة کے آٹھ قرآنی مصارف اور ان کے احکام

قرآن مجید میں زکاة کے آٹھ مصارف و مواقع بیان کیے گئے ہیں۔

چنانچہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (سورة التوبة، رقم الآية ۶۰)

ترجمہ: بس صدقات ہیں فقیروں کے لئے، اور مسکینوں کے لیے، اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے، اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے، اور گردنیں چھڑانے میں، اور قرض داروں کے لئے، اور اللہ کے راستہ میں، اور مسافر کے لئے، فریضہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علیم ہے، حکیم ہے (سورہ توبہ)

فائدہ: صدقات کے مفہوم میں زکاة بھی داخل ہے، اور زکاة درحقیقت فرض درجہ کا صدقہ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زکاة اور صدقات کے بنیادی طور پر آٹھ مصارف ہیں، جو مذکورہ

آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ ۱۔

۱۔ مصارف الزکاة محصورة فی ثمانية أصناف. والأصناف الثمانية قد نص عليها القرآن الكريم في قوله تعالى: (إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم) و "إنما" التي صدرت بها الآية أدلة حصر، فلا يجوز صرف الزكاة لأحد أو في وجه غير داخل في هذه الأصناف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۲، مادة "زكاة")

نصت الآية القرآنية من سورة التوبة على أصناف ثمانية تستحق الزكاة وهي قوله تعالى: (إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل، فريضة من الله، والله عليم حكيم) فدللت على أنه تصرف الزكاة إلى الأصناف الثمانية (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۹۴۹، ۱۹۵۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

آگے زکاۃ و صدقات کے مذکورہ آٹھ قرآنی مصارف کی بالترتیب تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۲،۱)..... فقراء و مساکین (یعنی فقیر اور مسکین کو زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا پہلا مصرف فقراء اور دوسرا مصرف مساکین کو بیان کیا گیا ہے۔ فقراء، فقیر کی جمع ہے، اور مساکین، مسکین کی جمع ہے، آگے زکاۃ کے ان دونوں مصارف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کا ایک مصرف فقیر ہے، اور دوسرا مصرف مسکین ہے۔

فقیر اور مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جو ایسے ضرورت مند ہوں کہ ان کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کا انتظام نہ ہو، اور فقیر و مسکین کے معنی ایک دوسرے کے قریب قریب آتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے کبھی یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں، البتہ جب یہ الفاظ ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوں، تو ان کے متعین معنی فقہائے کرام کی آراء میں مختلف ہوتے ہیں۔ ۱

چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر شخص، مسکین شخص کے مقابلہ میں زیادہ حاجت مند شمار ہوتا ہے۔ ۲

۱۔ الصنفان الأول والثانی: الفقراء والمساكين:

الفقراء والمساكين هم أهل الحاجة الذين لا يجدون ما يكفيهم، وإذا أطلق لفظ (الفقراء) وانفرد دخل فيهم (المساكين)، وكذلك عكسه، وإذا جمع بينهما في كلام واحد، كما في آية مصارف الزكاة، تميز كل منهما بمعنى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۲، مادة "زكاة")

۲۔ وقد اختلف الفقهاء في أيهما أشد حاجة، فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الفقير أشد حاجة من المسكين، واحتجوا بأن الله تعالى قدم ذكرهم في الآية، وذلك يدل على أنهم أهم وبقره تعالى: (أما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر). فأثبت لهم وصف المسكنة مع كونهم يملكون سفينة ويحصلون نولا، واستأنسوا لذلك أيضا بالاشتقاق، فالفقير لغة: فاعيل بمعنى مفعول، وهو من نزع بعض فقار صلبه، فانقطع ظهره، والمسكين مفعيل من السكون، ومن كسر صلبه أشد حالا من الساكن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۲، مادة "زكاة")

اور اس کے بالکل برعکس حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مسکین شخص، فقیر کے مقابلہ میں زیادہ حاجت مند شمار ہوتا ہے۔ ۱

کیونکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر وہ کہلاتا ہے کہ جس پاس نہ تو مال ہو، اور نہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کمائی کا موقع میسر ہو، یا اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کا، آدھے سے کم انتظام ہو، یعنی جتنی اس کی بنیادی (کھانے پینے، پہننے وغیرہ کی) ضرورت ہو، اس کو پورا کرنے کے لئے اس کو آدھے سے زیادہ مال درکار ہو۔

اور اگر اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کا آدھا یا اس سے زیادہ انتظام ہو، لیکن ضرورت پوری کرنے کا مکمل انتظام نہ ہو، تو وہ ان حضرات کے نزدیک مسکین کہلاتا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مسکین وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس ذرا سا بھی مال نہ ہو، جس کی وجہ سے اس کو لوگوں سے سوال کرنے اور مانگنے کی ضرورت ہو، اور اس کو سوال کرنا اور مانگنا حلال بھی ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک فقیر وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس مال تو ہو، لیکن وہ مال نہ تو زکاة کے نصاب کے بقدر ہو، اور نہ ہی اس کی مالیت نصاب کے بقدر ہو، اور اگر اس کے پاس زیادہ مالیت کا مال ہو، تو وہ اس کی حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک فقیر وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس اتنا مال ہو، جو اس کے سال بھر کی

۱۔ وذهب الحنفیة والمالکیة إلى أن المسکین أشد حاجة من الفقیر، واحتجوا بأن الله تعالى قال: (أو مسکینا ذا متربة) وهو المطروح على التراب لشدة جوعه، وبأن أئمة اللغة قالوا ذلك، منهم الفراء وثعلب وابن قتيبة، وبلا اشتقاق أيضاً، فهو من السکون، كأنه عجز عن الحركة فلا یبرح.

ونقل الدسوقي قولاً أن الفقیر والمسکین صنف واحد، وهو من لا یملک قوت عامه، سواء كان لا یملک شیئاً أو یملک أقل من قوت العام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۳، مادة "زکاة")

کھانے پینے اور خوراک و غذا وغیرہ کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۴..... مالدار شخص جس کو عربی میں ”غنی“ کہا جاتا ہے، اس کو زکاة دینا جائز نہیں،
البتہ بعض صورتوں میں غنی کو زکاة دینا جائز ہوتا ہے، جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيِّ إِلَّا

۱۔ واختلف الفقهاء في حد كل من الصنفين:

فقال الشافعية والحنابلة: الفقير من لا مال له ولا كسب يقع موقعاً من حاجته، كمن حاجته عشرة فلا يجد شيئاً أصلاً، أو يقدر بماله وكسبه وما يأتيه من غلة وغيرها على أقل من نصف كفايته. فإن كان يجد النصف أو أكثر ولا يجد كل العشرة فمسكين.

وقال الحنفية والمالكية: المسكين من لا يجد شيئاً أصلاً فيحتاج للمسألة وتحل له.

واختلف قولهم في الفقير:

فقال الحنفية: الفقير من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب، فإذا ملك نصاباً من أى مال ذكرى فهو غنى لا يستحق شيئاً من الزكاة، فإن ملك أقل من نصاب فهو غير مستحق، وكذا لو ملك نصاباً غير نام وهو مستغرق في الحاجة الأصلية، فإن لم يكن مستغرقاً منع، كمن عنده ثياب تساوى نصاباً لا يحتاجها، فإن الزكاة تكون حراماً عليه، ولو بلغت قيمة ما يملكه نصاباً فلا يمنع ذلك كونه من المستحقين للزكاة إن كانت مستغرقة بالحاجة الأصلية كمن عنده كتب يحتاجها للتدريس، أو آلات حرفة، أو نحو ذلك.

وقال المالكية: الفقير من يملك شيئاً لا يكفيه لقوت عامه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۲، ۳۱۳، مادة ”زكاة“)

الفقير في اللغة ضد الغنى، وهو من قل ماله، والفقير ضد الغنى.

وفي الاصطلاح عرفه الشافعية، والحنابلة بأنه: من لا يملك شيئاً ألبتة، أو يجد شيئاً يسيراً من مال أو كسب لا يقع موقعاً من كفايته.

وعرفه الحنفية: بأنه من يملك دون نصاب، من المال النامي، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في حاجته.

وعرفه المالكية: بأنه من يملك شيئاً لا يكفيه قوت عامه.

الألفاظ ذات الصلة: المسكين:

المسكين عند الحنفية، والمالكية: من لا يملك شيئاً، وعند الشافعية: من قدر على مال أو كسب يقع موقعاً من كفايته ولا يكفيه، وقال قوم: إن الفقير والمسكين صنف واحد.

وعند الحنابلة: من يجد معظم الكفاية أو نصفها من كسب أو غيره.

والصلة بينهما أن كلا من الفقير والمسكين اسم ينبئ عن الحاجة، وأن كليهما من مصارف الزكاة والصدقات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۰، مادة ”فقير“)

لِحَمْسَةٍ: لِعَازٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِعَارِمٍ، أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مُسْكِينٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمُسْكِينِ، فَأَهْدَاهَا الْمُسْكِينُ لِلْغَنِيِّ (سنن ابی داؤد) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مالدار کو حلال نہیں، مگر پانچ افراد کو، ایک تو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کو، دوسرے زکاة کے عامل (یعنی اسلامی حکومت کی طرف سے زکاة وصول کرنے والے نمائندہ) کو، تیسرے مقروض کو (یعنی جس پر دوسروں کا قرض چڑھا ہوا ہو) چوتھے اس آدمی کو جس نے اس (زکاة والے مال) کو اپنے مال کے عوض میں (غریب سے) خرید لیا (تو اس کے لئے یہ زکاة کا خریدا ہوا مال حلال ہو گیا) پانچویں اس آدمی کو جس کا پڑوسی غریب ہو، پھر غریب کو صدقہ کیا جائے، تو وہ مسکین اس صدقہ کا غنی (یعنی مالدار) کو ہدیہ کر دے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

بعض روایات میں مسافر کا بھی ذکر آیا ہے۔ ۲

اس جیسی احادیث کے پیش نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ جس شخص کو زکاة دی جائے، اس

۱۔ رقم الحديث ۱۶۳۵، کتاب الزکاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث ۱۸۴۱، باب من حل له الصدقة.

قال شعيب الارنؤوط: اسنادہ صحيح (حاشیہ ابی داؤد)

۲۔ عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - " لا تحل الصدقة لغني، إلا في سبيل الله، أو ابن السبيل، أو جارٍ فقيرٍ يُصَدَّقُ عليه، فيُهدى لك أو يدعوك " (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۱۶۳۷)

فیہدی لك او يدعوك ای یضیفك ویطعمك وانت غنی، والحاصل ان الفقیر اذا تصدق علیہ فیہدی للغنی وبملکہ او یضیف الغنی ویطعمہ علی سبیل الاباحۃ یحل للغنی علی الحالین، قال ابو داؤد رواہ فراس وابن ابی لیلی محمد عن عطیہ مثله، اثبت ابو داؤد بهذا التعليق ان عمران البارقي ليس بمتفرد بهذا الحديث، بل رواہ فراس وابن ابی لیلی ایضا كما رواہ عمران البارقي، فلفظ ابن السبيل فی هذا الحديث صحيح (بذل المجہود شرح ابی داؤد، ج ۳ ص ۴۵، باب من يجوز له اخذ الصدقة وهو غني)

کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقیر و غریب ہو، مالدار اور امیر آدمی کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔ البتہ اگر کوئی مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ کی وصولی کے لئے بطور عامل کے مقرر ہو، تو اس کو زکاۃ کی مد سے معاوضہ دینا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ”عاملین“ کے مصرف کے بیان میں آتی ہے۔

اسی طرح سے اگر کوئی شخص سفر میں ہو، اور اس کے وطن میں مال موجود ہو، لیکن وہ مال اس کے ساتھ نہ ہو، تب بھی اس کو سفری ضروریات کے لئے زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ”ابن السبیل“ کے مصرف کے بیان میں آتی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۸..... زکاۃ کا مصرف نہ ہونے کے اعتبار سے فقیر و مسکین کے مقابلہ میں مالدار یا غنی شخص حنفیہ کے نزدیک وہ شمار ہوتا ہے، جس پر یا تو زکاۃ واجب ہو، یا زکاۃ تو واجب نہ ہو، لیکن اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی حاجت و ضرورت سے زائد اتنا مال ہو کہ جو

۱۔ اور اسی طرح بعض فقہائے کرام کے نزدیک مجاہد کو جہادی ضروریات کے لئے مالدار ہونے کے باوجود، اور اسی طرح مؤلفہ قلوبہ کو مالدار ہونے کے باوجود زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے ”وفی سبیل اللہ“ اور ”مؤلفہ قلوبہ“ کے مصارف کے بیان میں آتی ہے۔

أَنْ يَكُونَ فَقِيرًا إِلَّا الْعَامِلُ فَإِنَّهُ يُعْطَى وَلَوْ كَانَ غَنِيًّا لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّ أَجْرَهُ وَلِأَنَّهُ فَرَّغَ نَفْسَهُ لِهَذَا الْعَمَلِ، فَيَحْتَاجُ إِلَى الْكِفَايَةِ، وَالْأَبْنُ السَّبِيلِ إِذَا كَانَ لَهُ فِي وَطْنِهِ مَالٌ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْفَقِيرِ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ هِيَ الْمَعْتَبَرَةُ، وَهُوَ الْآنَ فَقِيرٌ يَدَأُ، وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا ظَاهِرًا، وَإِلَّا الْمُؤَلَّفَ وَالْغَازِي فِي رَأْيِ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ.

والفقر شرط عام لصرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة كالعشور والكفارات والتدوير وصدقة الفطر، لمعوم قوله تعالى: (إنما الصدقات للفقراء)

وعليه لا يجوز صرف الزكاة وغيرها من الواجبات لغني، لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغني، ولا ذى مِرَّة سوى وجاز دفع الزكاة لأربعة أو خمسة من الأغنياء: وهم العامل، والمؤلف، والغازی، والغارم لإصلاح ذات البين عند الشافعية والحنابلة، لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لعامل، أو رجل اشتراها بماله، أو غاز في سبيل الله، أو لغارم، أو مسكين تُصَدَّق عليه منها فأهدى منها لغني (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۹۶۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

نصاب کی مالیت کے بقدر ہو جائے۔ ۱

مگر حنفیہ کے نزدیک جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک و ضروریات کا انتظام ہو، اس کو زکاة وغیرہ کا سوال کرنا جائز نہیں ہوتا، ہاں کوئی دوسرا شخص خود سے بغیر سوال کئے ہوئے اسے زکاة و صدقہ دے، تو اسے لینا جائز ہوتا ہے۔ ۲

اور مالکیہ کے نزدیک جس شخص کے قبضہ میں اتنا مال ہو کہ وہ اس کے سال بھر کی (کھانے پینے وغیرہ کی بنیادی) ضروریات کے لئے کافی ہو، تو وہ مالدار شمار ہوتا ہے، اور جس کی ملکیت میں اس سے کم مال ہو، وہ غریب شمار ہوتا ہے۔ ۳

۱۔ والغنی عند الحنفیة: هو من ملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال. فيعطى من الزكاة من كان يملك أقل من نصاب شرعى، ولو كان صحيحاً قوياً قادراً على الكسب، لأنه فقير والفقراء هم المصارف، ولأن حقيقة الحاجة لا يوقف عليها، فأدبر الحكم على دليلها وهو فقد النصاب، فلا بأس أن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأث به فى منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن، وكتب العلم إن كان من أهله، لأن هذه الأشياء من الحوائج الأصلية اللازمة التى لا بد منها للإنسان، فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مئتي درهم، حرم عليه أخذ الصدقة. ويجوز أداء الزكاة للمكاتب وإن حصل نصاباً زائداً عن بدل الكتابة، ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً من أى مال كان، لأن الغنى الشرعى مقدر به (الفقه الاسلامى وادلتة للزحلى، ج ۳ ص ۱۹۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۲۔ فرق الحنفية بين مستحقى الزكاة من الفقراء من حيث جواز طلبهم الزكاة بالرغم من استحقاقهم، فقالوا: إن الذى يحل له طلب الزكاة هو من لا شيء له ليومه وليلته فيحتاج للسؤال لقوته، أو ما يوارى بدنه، وهو فى اصطلاحهم المسمى مسكيناً، وكذا لا يحل السؤال لمن لا يملك قوت يومه وليلته لكنه قادر على الكسب، أما الفقير وهو فى اصطلاحهم من يملك قوته ليومه وليلته، فلا يحل له سؤال الصدقة، وإن كان يحل له أخذها إن لم يكن مالكا لخمسين درهماً على ما تقدم. وعند الحنابلة على المذهب: من أبيح له أخذ الزكاة أبيح له طلبها، وفى رواية: يحرم طلبها على من له قوت يومه وليلته، وقال ابن الجوزى: إن علم أنه يجد من يسأله كل يوم لم يجز أن يسأل أكثر من قوت يومه وليلته، وإن خاف أن لا يجد من يعطيه أبيح له السؤال أكثر من ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۵، مادة "زكاة")

۳۔ والغنى عند المالكية: هو من ملك كفايته لمدة سنة، والفقير: هو من ملك من المال أقل من كفاية السنة، فيعطى من الزكاة ولو ملك نصاباً فأكثر لكنه لا يكفيه لعامه، ولو كان قوياً قادراً على الكسب أى كسب ما يكفيه بصنعة تارك لها وغير مشغول بها، ولو كان تركه التكسب بها اختياراً على المشهور. ومن لم يجد كفاية سنة ويقوم بالإئفاق عليه نحو والد أو بيت مال بمرتب لا

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ و حنابلہ کا قول اس سے مختلف ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۴..... امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکاة کا مستحق وہ مسلمان شخص ہے کہ جس پر نہ تو خود

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یکفیه من اکل و کسوة، أو من صنعة لا تکفیه، فیعطی من الزکاة (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج ۳ ص ۱۹۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)
الفقیر و هو من له بلغة لا تکفیه لعیش عامة (حاشیة العدوی علی کفایة الطالب الربانی، ج ۱ ص ۵۰۹، باب فی الزکاة، باب فی زکاة الماشیة)
۱۔ والغنی عند الشافعیة: من كانت عنده الکفایة فی عمره الغالب و هو اثنان وستون سنة، إلا إذا کان له مال یتجر فیہ، فیعتبر ربحه فی کل یوم، فإن کان أقل من نصف الکفایة فی ذلک الیوم، فهو فقیر. وکذا إذا جاوز العمر الغالب فالعبرة بکل یوم علی حدة، فإن کان له مال أو کسب لا یکفیه فی نصف الیوم فهو فقیر.

والفقیر: هو من لا مال له أصلاً ولا کسب حلال، وله مال أو کسب حلال لا یکفیه بأن کان أقل من نصف الکفایة، ولم یکن له منفق یعطیه ما یکفیه کالزوج بالنسبة للزوجة. والمعتبر: کسب یلحق بحاله و مروعته، وأما ما لا یلحق به فهو کالمعدوم. وتحل الزکاة لطالب العلوم الشرعیة، لأن تحصیل العلم فرض کفایة، ویخاف من الإقبال علی الکسب الانقطاع عن التحصیل.
والمسکین: هو من قدر علی مال أو کسب حلال یسایو نصف ما یکفیه فی العمر الغالب.
ولا یعطى الفقیر أو المسکین من الزکاة إذا کان قادراً علی الکسب، للحديث السابق عند أبی داود بإسناد صحیح: لا حظ فیها لغنی، ولا لقوی مکتسب.
لکن تعطى الزکاة للبعد المکاتب ولو مع القدرة والکسب.

والخلاصة: لا یمنع الفقیر مسکنه و ثیابه و ماله الغائب فی مسافة مرحلتین (مسافة القصر) و دینہ المؤجل و کسب لا یلحق به، ولا یشتط فیہ الزمانة ولا التعفف عن المسألة فی الجدید، و المکفی بنفقة قریب أو زوج لیس فقیراً فی الأصح. ولو اشتغل بعلم و الکسب یمنعه من اشتغاله بذلك، فهو فقیر. والغنی عند الحنابلة فی أظهر الروایتین عن أحمد: هو من ملک خمسين درهماً أو قیمتها من الذهب، أو وجود ما تحصل به الکفایة علی الدوام من کسب أو تجارة أو عقار أو نحو ذلک، لحديث أبی داود و الترمذی: الغنی: خمسون درهماً أو قیمتها من الذهب و الفقیر: من لا یجد شیئاً البتة (أی قطعاً)، أو یجد شیئاً یسیراً من الکفایة دون نصفها من کسب أو غیره، مما لا یقع موقعاً من کفایتہ، کدرهمین من عشرة. و المسکین: من یجد معظم الکفایة أو نصفها من کسب أو غیره. فیعطى کل منهما کفایتہ مع عائلته سنة. ولا یعطى کل منهما من الزکاة إذا کان قادراً علی الاکتساب إذ إنه لا حظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسب، كما روی أبو داود. لکن إذا تفرغ القادر علی التکسب لطلب العلم، و تعذر الجمع بین طلب العلم و التکسب، یعطى من الزکاة، ولا یعطى إذا تفرغ للعبادة، لقصور نفهها (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج ۳ ص ۱۹۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

زکاۃ فرض ہو (جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)

اور نہ ہی اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ (یعنی بنیادی ضرورت و حاجت کی چیزوں) سے زیادہ اتنا سامان ہو کہ تنہا اس کی مالیت یا اس کے ساتھ زکاۃ کے مال (یعنی سونا، چاندی، سامانِ تجارت اور کرنسی) یا ان چار میں سے کسی ایک مال کے ملانے سے سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت بنتی ہو۔

اب ہم آسانی کے طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاۃ کا مستحق ہونے نہ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ قسم کی چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(نمبر ایک) سونا (نمبر دو) چاندی (نمبر تین) کرنسی یعنی روپیہ پیسہ (نمبر چار)

تجارت کا مال (نمبر پانچ) ضرورت سے زیادہ سامان۔

پس زکاۃ کے واجب ہونے کے نصاب میں تو صرف چار قسم کے مالوں (یعنی سونا، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت) کا اعتبار کیا جاتا ہے، لیکن زکاۃ کا مستحق ہونے کے لئے ان چار چیزوں کے علاوہ پانچویں چیز (ضرورت سے زیادہ سامان) کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو افراد مالدار شمار ہوتے ہیں، اور جن افراد کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہوتا، وہ درج ذیل ہیں:

(۱)..... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو۔

(۲)..... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف

چاندی ہو۔

(۳)..... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر

صرف کرنسی یعنی روپیہ پیسہ ہو۔ ۱

(۴)..... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف

۱۔ اکثر حضرات کا یہی موقف ہے، جبکہ بعض حضرات کرنسی کو سونے کے نصاب کی مالیت کے ساتھ معتبر مانتے ہیں، جیسا کہ سکہ و کرنسی کی زکاۃ کے بیان میں گزرا۔

تجارت کا مال ہو۔

(۵)..... جس کی ملکیت میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے برابر صرف ضرورت سے زیادہ کسی بھی قسم کی کوئی چیز ہو۔

(۶)..... جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی پانچوں چیزیں یا ان پانچ میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جائیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۵..... جو چیزیں نہ تو سونے کی شکل میں ہوں، اور نہ چاندی کی شکل میں ہوں، نہ کرنسی یعنی روپیہ پیسہ کی شکل میں ہوں، اور نہ ہی تجارت کے مال کی شکل میں ہوں، بلکہ ان چاروں چیزوں کے علاوہ ہوں، ان میں اعتبار حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت میں استعمال و مشغول ہونے، نہ ہونے کا ہوگا۔

پس جو چیزیں اس شخص کی حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں استعمال و مشغول ہوں گی، ان کی مالیت کا حساب نہیں لگایا جائے گا، اور جو چیزیں حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوں گی، ان کی مالیت کا حساب لگایا جائے گا۔ ۲

۱۔ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما نصاب کے مسئلہ میں مالیت کے بجائے اجزاء کے نصاب کے ساتھ فہم کے قائل ہیں، جیسا کہ ”مال کا نصاب کے بقدر ہونا“ کے بیان میں تفصیل گزری۔

(قولہ ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً من أي مال كان) سواء كان النصاب نامياً أو غير نام حتى لو كان له بيت لا يسكنه يساوي مائتي درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه وهذا النصاب المعتبر في وجوب الفطرة والأضحية قال في المرغيناني إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتي درهم يحل له الزكاة وتجب عليه ولهذا يظهر أن المعتبر نصاب النقد من أي مال كان بلغ نصاباً من جنسه أو لم يبلغ وقوله إلى من يملك نصاباً بشرط أن يكون النصاب فاضلاً عن حوائجہ الأصلية (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

۲۔ ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثت به في منزله وخادم و فرس وسلاح وثياب البدن و كتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصري أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶..... رہائشی مکان، پہننے اور ہننے کے کپڑے، کھانے پینے کے برتن، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان جو عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے، مثلاً کپڑے سینے اور دھلائی کرنے کی مشین، فریج، ڈیپ فریژ وغیرہ۔ یہ چیزیں ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اور ان کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں کہلاتا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقوله : كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وهذا، لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۴۸، كتاب الزكاة، فصل شرائط ركن الزكاة) فقہائے کرام نے حاجتِ اصلہ کی جو قید لاکر اس کے ساتھ مختلف مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت و حاجت کی بنیاد مباح الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت و حاجت کی تعین میں علاقہ، مقام، احوالِ زمانہ، لوگوں کی قوتِ برداشت وغیرہ کے لحاظ سے فرق واقع ہو سکتا ہے، کسی دور میں وقت دیکھنے کے لئے موجودہ گھڑی ضرورت میں داخل نہیں تھی، ایک زمانے میں روشنی کے لئے معمولی چراغ کافی تھے، مگر آج کے دور میں عموماً گھڑی، بلب اور بجلی ضرورت میں داخل ہو چکی ہے، کسی دور میں ہاتھ کے پچھے گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے، مگر آج ان کے بجائے بجلی کے پچھے ضرورت و حاجت میں داخل ہیں (اذا كان يستعمل) (لہذا حوائجِ اصلہ کی تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات کی روشنی میں ہوگا، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی کام ہے اور حیثیات و حالات سے حکم مختلف ہو جاتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی حالت کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا۔ ۱ اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک جو لباس زینت کے لئے رکھا ہو، اس کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا، اور ایسے غیر صاحبِ نصاب کو بھی زکاة لینا ناجائز ہوتا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک زینت کا لباس حاجت میں داخل نہیں، اور اس مسئلہ کی تفصیل آگے تحقیقِ مسائل کے ضمن میں، چوتھے جوڑے کے زائد از حاجت ہونے نہ ہونے کے بیان میں آتی ہے۔

وفى هذه الآية دلالة على أن من له ثياب الكسوة ذات قيمة كبيرة لا تمنعه إعطاء الزكاة، ؛ لأن الله تعالى قد أمرنا بإعطاء الزكاة من ظاهر حال مشبه لأحوال الأغنياء (احکام القرآن جصاص، ج ۱ ص ۵۶۰، سورة البقرة)

ولا يمنع الفقر :مسكن الفقير وثيابه وإن كانت للتجمل، وخادمه الذى يحتاج إليه، وماله الغائب فى مرحلتين، وكسب لا يلبق به، وكتب العلم إن كان من أهله، لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها.

وطالب العلم الذى يمنعه الكسب عن طلب العلم فقير، فتعطى له الزكاة، ويترك الكسب لتعدي نفعه وعمومه، بخلاف من تفرغ للعبادة والنوافل، فلا تعطى له الزكاة لقصور نفعها عليه، فيجب عليه الاكتساب وتركها. وتفصيل ذلك فى مصطلح : (طالب علم ف ۴، زكاة ف ۱۶۲) ولا يشترط فى الفقير ليعطى الزكاة : الزمانة، ولا التعفف عن المسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۱، مادة "فقير")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح آلاتِ صنعت و حرفت (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان یعنی بڑھئی کی آری وغیرہ، قصاب کی چھری، مزدور کی مزدوری کا سامان، صنعت و کارخانے کی مشینری وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کما رہا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) یہ چیزیں بھی انسان کی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں، اور ان کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۷..... فضول چیزیں جو اپنی ضرورت و حاجت کی نہ ہوں، بلکہ صرف زیب و زینت یا نمود و نمائش کی ہوں، اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں اور استعمال میں نہیں آتیں، وہ ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

اسی طرح جو چیزیں پرانی یا خراب ہو جانے کے بعد یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی گھروں میں ایک طرف پڑی رہتی ہیں، اور ان کی عام طور پر ضرورت پیش نہیں آتی اور ان کی طرف مدتوں دھیان بھی نہیں جاتا (مثلاً فالتو مشینری، فرنیچر، غیر ضروری لباس وغیرہ، جو زیرِ استعمال نہ ہو) اس قسم کی تمام چیزیں غیر ضروری ہیں، فقہائے کرام کے نزدیک ان کی مالیت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا یمنع الفقر مسکنه وثیابه ولو للتجمل ورقیقہ المحتاج له لخدمته وماله الغائب فی مرحلتین (غایۃ البیان شرح زید ابن رسلان للرملی، ج ۱ ص ۱۴۸، کتاب الزکاة)
ولا یمنع الفقر مسکنه وثیابه وإن کانت للتجمل، وماله الغائب فی مرحلتین (الغرر البھیة فی شرح البهجة الوردیة، ج ۴ ص ۷۰، کتاب الزکاة، باب قسم الصدقات)
۱ (قوله: وفارغ عن حاجته الأصلية) أشار إلى أنه معطوف على قوله عن دين (قوله وفارغ عن حاجته الأصلية) أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرهما، وذلك حيث قال: وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقدير الكالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعاً عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۲۶۲، کتاب الزکاة، دار الفکر، بیروت)

کو بھی حساب میں شمار کیا جائے گا، اور جو چیز بالکل ناکارہ ہوگئی ہو اور اس کی کچھ بھی مالیت نہ ہو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... جو غلہ (گندم، چاول، مکی، آٹا، چینی، دال وغیرہ) کسی شخص کی سال بھر کی کھانے پینے کی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہے، اور اس غلہ کی مالیت زکاة کے نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہے؛ تو رائج یہ ہے کہ یہ غلہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، اور اس کی وجہ سے وہ شخص مالدار شمار نہیں ہوتا کہ اس کو زکاة دینا جائز نہ ہو، لہذا ایسے شخص کو زکاة لینا جائز ہے، اور بہت سے فقہائے کرام کا فتویٰ اسی پر ہے کہ ایسے شخص کو زکاة لینا جائز ہے، کیونکہ یہ غلہ اس کی ضرورت (وحاجتِ اصلیہ) میں داخل ہے۔ ۲

۱۔ والذی یتظهر مما مر أن ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأواني الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية وما زاد على ذلك من الحلوى والأواني والأمتعة التي يقصد بها الزينة إذا بلغ نصاباً تصير به غنية، ثم رأيت في التارخانية في باب صدقة الفطر: سئل الحسن بن علي عن لها جواهر ولآلى تلبسها في الأعياد وتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر؟ قال: نعم إذا بلغت نصاباً. وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا يجب عليها شيء. اهـ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۳۸، باب مصرف الزكاة والعشر)

ومحل الصدقات الفقراء وإنما يعتبر في المسكن والكسوة وأثاث البيت مقدار الكفاية، بدليل ما روى هشام عن محمد أنه سئل عن له فضل عن كسوته، أو عن متاع يده بنفسه، أو فضل عن مسكنه قدر مائتي درهم، يعطى من الزكاة؟ قال: لا إذا كان مستغنياً عنه. يعني عن فضل الكسوة والمتاع (المحيط البرهاني، ج ۲ ص ۲۱۵، ۲۱۶، كتاب الزكاة، الفصل الثامن)

الحلى مال فاضل عن الحاجة الأصلية إذ الإعداد للتجمل والتزين دليل الفضل عن الحاجة الأصلية فكان نعمة لحصول التمتع به فبإلزامه شكرها بإخراج جزء منها للفقراء (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۷۷، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب الزكاة في الفضة)

۲۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اگر اس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں پہنچتا تو مانع اخذ زکاة واجب فطر و اضیہ نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۰، کتاب الزکاة)

وقال الحنفية: يجوز دفع الزكاة إلى من عنده دخل سنوي أو شهري أو يومي من عقار أو نحو ذلك، إن لم يملك نصاباً زكواً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۴، مادة "زكاة") ويحل لمن له دور وحوانيت تساوى نصاباً، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله على خلاف فيه (فتاویٰ حاشیاء گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان موجود ہے، لیکن اس نے بلا ضرورت مزید کچھ سامان رکھ رکھا ہے، مثلاً ایک سواری سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، مگر اس نے زیادہ سواریاں اپنی ملکیت میں رکھی ہوئی ہیں، یا ایک مکان سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، مگر اس نے ایک سے زیادہ مکان اپنی ملکیت میں رکھے ہوئے ہیں، تو اس ضرورت سے زیادہ سامان کی مالیت کا مالدار ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔

البتہ اگر ان میں سے کچھ سامان تو اپنی ذاتی ضرورت کے استعمال میں آ رہا ہے، اور کچھ سامان (گاڑی وغیرہ) یا جگہ کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنی روزی اور بنیادی ضروریات کا انتظام کر رہا ہے، کہ اگر یہ انتظام نہ ہو، تو اس کے ضروری اخراجات متاثر ہوتے ہیں، تو پھر یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولمن عنده طعام سنة تساوى نصابا لعلاله على ما هو الظاهر بخلاف قضاء الدين فإنه يجب عليه بيع قوته إلا قوت يومه كما فى القية من الحبس (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۶۳، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة)

وذكر فى الفتاوى فىمن له حوائت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد، وعند أبى يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته؛ ولو عنده طعام للقوت يساوى مائتى درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام- لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها فى الصيف يحل ذكر هذه الجملة فى الفتاوى. اهـ.

وظاهر تعليله للقول الثانى فى مسألة الطعام اعتماده. وفى التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة فى الصحيح وفيها سئل محمد عن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفى لنفقتة ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزکاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۳۸، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة والعشر)

وذكر فى الفتاوى فىمن له حوائت ودور الغلة لكن غلتها لا تكفيه ولعلاله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد وزفر، وعند أبى يوسف لا يحل وعلى هذا إذا كان له أرض وكرم لكن غلته لا تكفيه ولعلاله، ولو كان عنده طعام للقوت يساوى مائتى درهم فإن كان كفاية شهر تحل له الصدقة وإن كان كفاية سنة، قال بعضهم: لا تحل، وقال بعضهم: تحل؛ لأن ذلك مستحق الصرف إلى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۸، کتاب الزکاة، فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه)

سامان (گاڑی وغیرہ) اور جگہ (مکان، دوکان وغیرہ) بھی ضرورت میں داخل سمجھا جائے گا، اور ان چیزوں اور سامان کو مالدار ہونے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۱۰..... جو شخص ویسے تو فقیر و غریب ہو، لیکن وہ کمانے پر قادر ہو، اور وہ کمائی کر کے اپنی ضروریات کا انتظام کر سکتا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے فقیر و غریب شخص کو زکاة دینا جائز ہے، کیونکہ وہ فقیر یا غریب ہونے کی وجہ سے زکاة کا مستحق ہے، اور اس کا کمائی نہ کرنا، ایک الگ مسئلہ ہے۔

پس حنفیہ کے نزدیک زکاة کا مصرف ہونے کے لئے صرف مستحق ہونا کافی ہے، مریض یا معذور یا اpanچ یا عورت کا بیوہ یا کسی کا بے روزگار ہونا ضروری نہیں۔ ۲۔

۱۔ الفرق بين الأهل وغيرهم في جواز أخذ الزكاة والمنع عنه، فمن كان من أهلها إذا كان محتاجا إليها للتدريس والحفظ والتصحيح فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة إن كانت فقها أو حديثا أو تفسيراً ولم يفضل عن حاجته نسخ تساوى نصاباً، كأن يكون عنده من كل تصنيف نسختان، وقبل ثلاث لأن النسختين يحتاج إليهما لتصحيح كل من الأخرى والمختار الأول: أي كون الزائد على الواحدة فاضلاً عن الحاجة، وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكاة لتعلق الحرمان بملك قدر نصاب غير محتاج إليه، وإن لم يكن نامياً. وأما كتب الطب والنحو والنجوم فمعتبرة في المنع مطلقاً ونص في الخلاصة على أن كتب الأدب والمصحف الواحد ككتب الفقه، لكن اضطرب كلامه في كتب الأدب فصرح في باب صدقة الفطر بأنها كالتعبير والطب والنجوم. والذي يقتضيه النظر أن نسخة من النحو أو نسختين على الخلاف لا تعتبر من النصاب، وكذا من أصول الفقه، والكلام غير المخلوط بالآراء بل مقصور على تحقيق الحق من مذهب أهل السنة إلا أن لا يوجد غير المخلوط لأن هذه من الحوائج الأصلية أفاده في فتح القدير. قلت: والذي يقتضيه النظر أيضاً أنه إن أريد بالأدب الظرافة كما في القاموس وذلك ككتب الشعر والعروض والتاريخ ونحوه تمتع الأخذ، وإن أريد به آداب النفس كما في المغرب وهو المسمى بعلم الأخلاق كالإحياء للغزالي ونحوه فهو كالفقه لا يمنع، وإن كتب الطب لطبيب يحتاج إلى مطالعتها ومراجعتها لا تمتع لأنها من الحوائج الأصلية كالات المحترفين، وإن الأهل إذا كان غير محتاج إليها فهو كثير الأهل كما يعلم مما مر، وكذا حافظ قرآن له مصحف لا يحتاجه لأن المناط هو الحاجة (قوله أو تزيد على نسختين) صوابه على نسخة لأن المختار هو كون الزائد على نسخة واحدة فاضلاً عن الحاجة كما قدمناه عن الفتح. ومثله في النهر (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۲۶۵، كتاب الزكاة)

۲۔ ويدل على أن الصحيح الجسم جائز أن يعطى من الزكاة، لأن الله تعالى أمر بإعطاء هؤلاء القوم، وكانوا من المهاجرين الذين كانوا يقاتلون مع النبي صلى الله عليه وسلم المشركين ولم يكونوا مرضى ولا عمياناً (احکام القرآن للجصاص، ج ۳ ص ۱۸۰، سورة البقرة، رقم الآية ۲۷۳)

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو شخص ویسے تو فقیر و غریب ہو، لیکن وہ کمانے پر قادر ہو، اور اس کو کمائی کا ذریعہ بھی میسر ہو، جس سے کمائی کر کے وہ اپنی ضروریات کا انتظام کر سکتا ہو، تو ان کے نزدیک ایسے شخص کو زکاة دینا جائز نہیں ہوتا۔ ۱

البتہ اگر کوئی فقیر و غریب علم دین کا طالب علم ہو، اور وہ کمائی پر قادر ہو، تو ان حضرات کے نزدیک اس کو زکاة دینا جائز ہوتا ہے۔ ۲

ملاحظہ رہے کہ آج کل بعض لوگ زکاة و صدقہ کا مستحق ہونے کے لئے معذور و اپاہج ہونے کو بنیاد بناتے اور زکاة کے لئے معذور انسان کی تلاش کرتے ہیں، حالانکہ زکاة و صدقہ کا مستحق ہونے کے لئے بنیادی طور پر غریب و مسکین ہونا ضروری ہے۔

اگر کوئی انسان معذور و اپاہج ہے مگر غریب نہیں تو اس کو زکاة و صدقہ کا مستحق سمجھنا غلط ہے، دنیا میں بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جو معذور و اپاہج تو ہیں مگر غریب نہیں ہیں، اس لئے وہ زکاة و صدقہ

۱۔ من كان من الفقراء والمساكين قادرا على كسب كفايته وكفاية من يموئه، أو تمام الكفاية، لم يحل له الأخذ من الزكاة، ولا يحل للمزكى إعطاؤه منها، ولا تجزئه لو أعطاه وهو يعلم بحاله، لقول النبي في الصدقة: لا حظ فيها لغنى ولا لقوى مكتسب وفي لفظ لا تحل الصدقة لغنى ولا لذي مرة سوى. وهذا مذهب الشافعية والحنابلة.

وقال الحنفية: يجوز دفع الزكاة إلى من يملك أقل من نصاب، وإن كان صحيحا مكتسبا، لأنه فقير أو مسكين، وهما من مصارف الزكاة، ولأن حقيقة الحاجة لا يوقف عليها، فأدبر الحكم على دليلها، وهو فقد النصاب. واحتجوا بما في قصة الحديث المذكور سابقا، وهي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقسم الصدقات فقام إليه رجلان يسألانه، فنظر إليهما فرأهما جلدتين فقال: إنه لا حق لكما فيه وإن شئتما أعطيتكما لأنه أجاز إعطاءهما، وقوله: لا حق لكما فيه معناه لا حق لكما في السؤال.

ومثله قول المالكية المعتمد عندهم، إلا أن الحد الأدنى الذي يمنع الاستحقاق عندهم هو ملك الكفاية لا ملك النصاب، كما عند الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۵، ۳۱۶، مادة "زكاة")

۲۔ استحقاق طالب العلم للزكاة:

اتفق الفقهاء على جواز إعطاء الزكاة لطالب العلم، وقد صرح بذلك الحنفية والشافعية والحنابلة، وهو ما يفهم من مذهب المالكية، إذ أنهم يجوزون إعطاء الزكاة للصحيح القادر على الكسب، ولو كان تركه التكسب اختيارا على المشهور (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۸، ص ۳۳۷، مادة "طالب العلم")

کے حقدار نہیں ہیں، اور کیونکہ معذور لوگوں کو زکاۃ و صدقہ کا مستحق سمجھ کر آج کل لوگ خود ہی زکاۃ و صدقہ وغیرہ دیتے رہتے ہیں اور اس کے برخلاف جو سفید پوش اور غیر معذور غریب ہوتے ہیں ان کو زکاۃ و صدقہ نہیں دیتے۔

اس لئے ہمارے معاشرے میں آج کل معذور لوگ کم ہی غریب اور زکاۃ و صدقہ کے مستحق ہوتے ہیں، جبکہ سفید پوش غریب زیادہ مستحق ہوتے ہیں، پس جب زکاۃ و صدقہ دیں تو معذوری، بیماری اور اپانچ ہونے وغیرہ کو اصل بنیاد بنانے کے بجائے اصل مستحق وغریب ہونے کی جستجو کریں اور پھر مستحق وغریب معلوم ہونے کی صورت میں زکاۃ و صدقہ ادا کریں۔

اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... جس شخص کی ملکیت میں مال تو ہو، لیکن وہ مال اس کے پاس نہ ہو، اور وہ اس سے نفع اٹھانے پر قادر نہ ہو (مثلاً وہ خود سفر میں ہو، اور مال اس کے وطن میں ہو، یا دوسرے پر قرض ہو، مگر مقروض ادا کرنے سے قاصر ہو، یا اسی طرح کوئی اور صورت ہو) تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک کھانے پینے اور رہنے سہنے اور اس کے علاوہ تمام ضرورت و حاجت کی چیزیں ہر جگہ یا افراد کے عرف و عادت کے مطابق درمیانہ درجہ کے اعتبار سے معتبر ہوتی ہیں، جن میں نہ بخل ہو، اور نہ اسراف و فضول خرچی، ایسی درمیانہ درجہ کی چیزیں انسان کی ضرورت و حاجت میں داخل ہوتی ہیں۔ ۲۔

۱۔ إعطاء الزكاة لمن له مال أو كسب و امتنع عنه ماله أو كسبه:

من كان عنده مال يكفيه فلا يستحق من الزكاة، لكن إن كان ماله غائباً أو كان ديناً مؤجلاً، فقد صرح الشافعية بأنه لا يمنع ذلك من إعطائه ما يكفيه إلى أن يصل إلى ماله أو يحل الأجل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۶، مادة "زكاة")

۲۔ الكفاية المعبرة عند الجمهور هي للمطعم والمشرب والمسكن وسائر ما لا بد منه على ما يليق بالحال من غير إسراف ولا تقتير، للشخص نفسه ولمن هو في نفقته.

و صرح المالكية وغيرهم بأن مال الزكاة إن كان فيه سعة يجوز الإعانة به لمن أراد الزواج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۶، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۱۳..... حنفیہ کے نزدیک ایک شخص کو ایک وقت میں زکاة کا مال بہت زیادہ مقدار میں دے دیا جائے کہ اس کی وجہ سے زکاة لینے والا شخص مالدار ہو جائے اور صاحبِ نصاب بن جائے، تب بھی زکاة ادا ہو جاتی ہے، البتہ بلا ضرورت کسی شخص کو اتنی مقدار میں زکاة دینا مکروہ ہوتا ہے، اور اگر ضرورت کی وجہ سے دیا جائے، مثلاً وہ شخص غیر معمولی مقروض ہو، تو پھر مکروہ نہیں ہوتا۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک زکاة بقدر ضرورت دینی چاہئے، جس سے اس غریب اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت پوری ہو سکے، اور بعض کے نزدیک زیادہ سے زیادہ ایک سال کے کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت پوری ہو سکے، جس کی مزید تفصیل آگے ”زکاة کی مقدار کے احکام“ میں آتی ہے۔ ۱

۱۔ القدر الذى يعطاه الفقير والمسكين من الزكاة:

ذهب الجمهور (المالكية وهو قول عند الشافعية وهو المذهب عند الحنابلة) إلى أن الواحد من أهل الحاجة المستحق للزكاة بالفقر أو المسكنة يعطى من الزكاة الكفاية أو تمامها له وللمن يعوله عاما كاملا، ولا يزداد عليه، إنما حددوا العام لأن الزكاة تتكرر كل عام غالبا، ولأن النبي صلى الله عليه وسلم أذخر لأهله قوت سنة. وسواء كان ما يكفيه يساوى نصابا أو نصبا. وإن كان يملك أو يحصل له بعض الكفاية أعطى تمام الكفاية لعام. وذهب الشافعية فى قول منصوص والحنابلة فى رواية إلى أن الفقير والمسكين يعطيان ما يخرجهما من الفاقة إلى الغنى وهو ما تحصل به الكفاية على الدوام، لحديث قبيصة مرفوعا إن المسألة لا تحل إلا لثلاثة: رجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلّت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال: سدادا من عيش. . الحديث.

قالوا: فإن كان من عادته الاحتراف أعطى ما يشتري به أدوات حرفته قلت قيمتها أو كثرت بحيث يحصل له من ربحه ما يفي بكفايته غالبا تقريبا، وإن كان تاجرا أعطى بنسبة ذلك، وإن كان من أهل الضياع يشتري له ضيعة تكفيه غلتها على الدوام. قال بعضهم: يشتريها له الإمام ويلزمه بعدم إخراجها عن ملكه.

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصابا زكويا كاملا يجوز أن يدفع إليه أقل من مائتى درهم أو تمامها. ويكره أكثر من ذلك، وقال زفر لا يجوز تمام المائتين أو أكثر.

وهذا عند الحنفية لمن لم يكن له عيال ولا دين عليه، فإن كان له عيال فلكل منهم مائتا درهم، والمدین يعطى لدينه ولو فوق المائتين كما يأتى فى الغارمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۶، ۳۱۷، مادة ”زكاة“)

﴿بقية حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

القدر المعطى للفقير:

مسئلہ نمبر ۱۴..... جو شخص صحیح، سالم اور طاقت ور ہو، اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ غریب ہے، اور اس کو کمائی کا کوئی ذریعہ میسر نہیں، اور اس کی ظاہری حالت سے اس کے دعویٰ کی نفی بھی نہیں ہوتی، تو اس کے دعوے کے مطابق اس کو زکاة دینا جائز ہوتا ہے، خواہ پھر وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہو، ایسی صورت میں اس کا وہ خود ذمہ دار شمار ہوتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۵..... اگر کسی انسان کا غریب و فقیر ہونا معلوم ہو، تو اس کو تو زکاة دینے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر کسی کا غریب و فقیر ہونا معلوم نہ ہو، اور غور و فکر کرنے سے دل اس کے غریب و فقیر ہونے کی گواہی دے، تب بھی اس کو زکاة دینا جائز ہوتا ہے، اور اس سے کوئی دلیل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذهب المالک والحنابلة في المذهب وهو قول عند الشافعية إلى أن الفقير يعطى من الزكاة الكفاية له ولمن يعوله عاما كاملا.

وذهب الشافعية في الأصح المنصوص والحنابلة في رواية إلى أن الفقير يعطى ما تحصل به الكفاية على الدوام.

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصا با زكوا يدفع إليه أقل من مائتي درهم أو تمامها، ويكره إعطاؤه أكثر من ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۱، مادة "فقير")

۱۔ البتہ بعض فقہائے کرام اس کے دعوے پر شہادت دینے کے بغیر زکاة دینے کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

إذا ادعى رجل صحيح قوى أنه لا يجد مكسبا يجوز أن يعطى من الزكاة إن كان مستور الحال، ويقبل قوله بغير يمين، لقول النبي صلى الله عليه وسلم كما في الحديث المتقدم: إن شئت ما أعطيتكم لكن من علم كذبه بيقين لم يصدق ولم يعز إعطاؤه من الزكاة.

وإن ادعى أن له عيالا وطلب من الزكاة لأجلهم، فعند الشافعية والحنابلة لا يقبل قوله إلا ببينة، لأن الأصل عدم العيال، ولا تتعد إقامه البينة على ذلك.

وكذا من كان معروفا باليسار لا يعطى من الزكاة، لكن إن ادعى أن ماله تلف أو فقد كلف البينة على ذلك. واختلف قول الحنابلة في عدد البينة، فقيل: لا بد من ثلاثة، لما ورد في حديث قبيصة أن النبي قال له: أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لك بها. ثم قال: يا قبيصة: إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة . . وذكر منهم: رجل أصابته فاقة حتى يقوم له ثلاثة من ذوى الحجا من قومه، لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش أو قال: سدادا من عيش.

وقيل عندهم: يقبل قول اثنين فقط كسائر الحقوق، والحديث وارد في المسألة، لا في الإعطاء دون مسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۸، ۳۱۹، مادة "زكاة")

حاصل کرنا یا قسم لینا ضروری نہیں ہوتا۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۶..... اگر کسی عورت کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال نہیں ہے، لیکن اس کا اپنے شوہر سے ابھی مہر کا مال لینا باقی ہے، اور وہ مہر کا مال نصاب کے بقدر ہے، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اگر مہر اس نوعیت کا ہے کہ وہ عورت اپنے شوہر سے مطالبہ کرے، تو اسے وہ مہر حاصل ہو جائے گا، تو ایسی عورت کو زکاة دینا جائز نہیں، اور اگر اس کے مطالبہ کرنے پر مہر حاصل نہ ہوتا ہو، تو پھر اس کو زکاة دینا جائز ہے۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۱۷..... بچہ (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) کو زکاة دینے کے حکم کے بارے میں حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی بچہ بالغ ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال نہیں ہے، مگر اس کا والد یا والدہ مالدار اور صاحبِ نصاب ہے، تو اس بچہ کو زکاة دینا جائز ہے، اسی طرح اگر وہ بچہ نابالغ ہے، لیکن اس کا والد مالدار اور صاحبِ نصاب نہیں، بلکہ غریب ہے، تو اس بچہ کو زکاة دینا جائز ہے، خواہ اس کی والدہ مالدار اور صاحبِ نصاب ہی کیوں نہ ہو، اور اگر اس نابالغ بچہ کا والد زندہ اور مالدار و صاحبِ نصاب ہے، تو اس بچہ کو زکاة دینا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی شخص یا عورت کی اولاد تو مالدار اور صاحبِ نصاب ہے، مگر خود وہ شخص یا عورت

۱۔ إن علم حال الإنسان، وأنه فقير صرف له الزكاة، وإن لم يعلم تحري دفع الزكاة في أمره، فإن لم يعلم بحاله، وادعى فقرا وهو ممن لا يعرف بالغنى قبل قوله، ويصرف له الزكاة بلا بينة ولا يمين، لأن الأصل استصحاب الحال السابقة، والظاهر صدقه، ولعسر إقامة البينة على ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۰۲، مادة "فقير")

۲۔ والمراد من الدين ما يبلغ نصابا كما لا يخفى، وفي فتح القدير: ولو دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصابا، وهو موسر بحيث لو طلبت أعطاه لا يجوز، وإن كان بحيث لا يعطى لو طلبت جازا له۔

وہو مفید لعموم ما فی الخانیة والمراد من المہر ما تعرف تعجیلہ؛ لأن ما تعرف تأجیلہ فهو دين مؤجل لا يمنع أخذ الزكاة، ويكون في الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره ويفرق بينه وبين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضي مما لا ينبغي للمرأة بخلاف غيره لكن في البزازیة، وإن كان موسرا أو المعجل قدر النصاب لا يجوز عندهما وبه يفتى للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقا وسيأتي بيان النصب الثلاثة آخر الباب إن شاء الله - تعالى (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

(یعنی اس اولاد کا والد یا والدہ) مالدار اور صاحبِ نصاب نہیں، بلکہ غریب ہے، تو اس شخص یا عورت کو بھی زکاۃ دینا جائز ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۸..... اگر کوئی عورت فقیر و غریب ہو، اور اس کا شوہر غنی و مالدار ہو، تو اس عورت کو تو زکاۃ دینا جائز ہے، لیکن اس کے شوہر کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔ ۲۔

(۳)..... عالمین (یعنی زکاۃ کی وصولی پر حکومتی نمائندوں کو زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا تیسرا مصرف ”عالمین“ کو بیان کیا گیا ہے۔

عالمین، عامل کی جمع ہے، آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

۱۔ ويجوز دفعها إلى الولد الذي أبوه غني إن كان الولد كبيرا فقيرا، سواء كان ذكرا أو أنثى، لأنه لا يعد غنيا بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه، أما الولد الصغير الذي أبوه غني فلا تدفع إليه الزكاة لأنه يعد غنيا بيسار أبيه، وسواء كان الصغير في عيال أبيه أم لا. وكذا قال أبو حنيفة ومحمد: يجوز دفع الزكاة إلى رجل فقير له ابن موسر. وقال أبو يوسف: إن كان الأب في عيال الابن الموسر لا يجوز، وإن لم يكن جازا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۵، مادة ”زكاة“)

وَأما ولد الغني فإن كان صغيرا لم يحز الدفع إليه وإن كان فقيرا لا مال له؛ لأن الولد الصغير يعد غنيا بغنى أبيه وإن كان كبيرا فقيرا يجوز؛ لأنه لا يعد غنيا بمال أبيه فكان كالأجنبي وكذا يجوز الدفع إلى فقير له ابن غني وإن كان يجب عليه نفقته لما قلنا: إن تقدر النفقة لا يصير غنيا فيجوز الدفع إليه بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه)

۲۔ مندرجہ بالا قول امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے، اور امام ابو یوسف کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، البتہ امام ابو یوسف کی دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔

قالوا: وكذلك المرأة الفقيرة إن كان لها زوج غني يجوز إعطاؤها من الزكاة، لأنها لا تعد غنية بيسار زوجها، وبقدر النفقة لا تصير موسرة، واستيجابها النفقة بمنزلة الأجرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۵، مادة ”زكاة“)

ولو دفع إلى امرأة فقيرة وزوجها غني جاز في قول أبي حنيفة ومحمد وهو إحدى الروایتين عن أبي يوسف. وروى عنه أنها لا تعطى إذا قضى لها بالنفقة.

وجه هذه الرواية أن نفقة المرأة تجب على زوجها فتصير غنية بغنى الزوج كالولد الصغير، وإنما شرط القضاء لها بالنفقة؛ لأن النفقة لا تصير ديناً بدون القضاء.

وجه ظاهر الرواية أن المرأة الفقيرة لا تعد غنية بغنى زوجها؛ لأنها لا تستحق على زوجها إلا مقدار النفقة فلا تعد بذلك القدر غنية بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه)

مسئلہ نمبر ۱..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ زکاۃ کے عاملین کو بھی زکاۃ دینا جائز ہے۔

اور زکاۃ کے عامل کو زکاۃ دینے کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ غریب ہو، بلکہ امیر ہونے کی صورت میں بھی اس کو زکاۃ کا عامل ہونے کی وجہ سے، اس کے کام کے بقدر بطور معاوضہ زکاۃ دینا جائز ہے۔

کیونکہ حدیث میں عامل کے امیر ہونے کے باوجود اس کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ ۱

اور زکاۃ کے آٹھ مصارف میں سے صرف یہ ایک مصرف ہی ایسا ہے کہ جس میں معاوضہ واجرت کے طور پر زکاۃ میں سے دینا جائز ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۲..... زکاۃ کا عامل وہ شخص اور زکاۃ کے عاملین وہ اشخاص کہلاتے ہیں کہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکاۃ، صدقات اور عشر وغیرہ حاصل کر کے بیت المال میں جمع کرنے

۱۔ الصنف الثالث: العاملون على الزكاة: يجوز إعطاء العاملين على الزكاة منها. ويشترط في العامل الذي يعطى من الزكاة شروط تقدم بيانها. ولا يشترط فيمن يأخذ من العاملين من الزكاة الفقر، لأنه يأخذ بعمله لا لفقره.

وقد قال النبي: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة. فذكر منهم العامل عليها.

قال الحنفية: يدفع إلى العامل بقدر عمله فيعطيه ما يسعه ويسع أعوانه غير مقدر بالثمن، ولا يزداد على نصف الزكاة التي يجمعها وإن كان عمله أكثر.

وقال الشافعية والحنابلة: للإمام أن يستأجر العامل إجارة صحيحة بأجر معلوم، إما على مدة معلومة، أو عمل معلوم.

ثم قال الشافعية: لا يعطى العامل من الزكاة أكثر من ثمن الزكاة، فإن زاد أجره على الثمن أثم له من بيت المال. وقيل من باقي السهام. ويجوز للإمام أن يعطيه أجره من بيت المال. وله أن يبعثه بغير إجارة ثم يعطيه أجر المثل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۸، مادة "زكاة")

۲۔ اس سلسلہ میں معارف القرآن میں ہے کہ:

عاملین صدقہ کو جو رقم زکاۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکاۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکاۃ کی آٹھ مدت میں سے صرف ایک یہی مدد ہے جس میں رقم زکاۃ بطور معاوضہ خدمت دی جاتی

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔

اور بعض اوقات یہ عاملین، مستحقین تک زکاۃ پہنچانے کی خدمت پر بھی مامور ہوتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ہے، ورنہ زکاۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مالی زکاۃ دیا گیا، تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی لئے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکاۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مالدار کے لئے یہ مال زکاۃ حلال کیسے ہوا؟ ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ عاملین صدقہ کی اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنادے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کر دے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بڑی ہو جاتا ہے، تو جب رقم زکاۃ عاملین صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو ان کی زکاۃ ادا ہو گئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے، جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دے دیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غریبوں کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، امیر مملکت جس جس کو صدقات کی وصول یابی پر عامل بنادے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکاۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکاۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بناوے اور اس کا حق الخدمت زکاۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کر دے تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکاۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکاۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

فائدہ: تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات، زکاۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے، کہ زکاۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جدا گانہ تنخواہ دینا ضروری ہے، زکاۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی (معارف

القرآن ج ۴، ص ۳۹۸ و ۳۹۹، سورہ توبہ، آیت ۶۰، پارہ ۱۰)

یہ لوگ چونکہ اپنے اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، اور ان کا حق الخدمت زکاة سے دینا جائز ہے۔ ۱۔

۱۔ اور اسلامی حکومت کی طرف سے راستوں اور بازاروں سے گزرنے والے تجارت کے اموال سے زکاة وصول کرنے کے لئے جن عاملین کو مقرر کیا جاتا ہے، ان کو مخصوص اصطلاح میں ”عاشر“ یا ”عاشرین“ کہا جاتا ہے، اور ہماری زیر بحث مندرجہ بالا عامل کی اصطلاح عاشر کو بھی شامل ہے۔

العامل فی اللغة بوزن فاعل من عمل، يقال: عملت علی الصدقة: سعیت فی جمعها. ویطلق العامل ویراد به: الوالی، والجمع عمال وعاملون، ویتعبدی إلى المفعول الثانی بالهمزة، فیقال: أعملته كذا، واستعملته أی: جعلته عاملا، أو سألته أن یعمل، وعملته علی البلد بالتشديد: ولیته عمله. والعمالة -بضم العين-: أجرة العامل، والكسر لغة. وفی الاصطلاح: العامل علی الزکاة هو: المتولی علی الصدقة والساعی لجمعها من أرباب المال، والمفرق علی أصنافها إذا فوضه الإمام بذلك.

والعامل بمعنى الوالی: هو من یقلده الخلیفة أمیرا علی إقليم أو بلد، أو یستعمله فی عمل معین. وأحكام هذا المصطلح خاصة بعامل الزکاة، أما العامل بمعنى الوالی فتتظر أحكامه فی: (إمارة، وولاية)

الألفاظ ذات الصلة: العاشر:

العاشر: هو من نصبه الإمام علی الطريق لیاخذ الصدقات من التجار مما یمرون به علیه عند اجتماع شرائط الوجوب، وهو مأخوذ من: عشرت المال عشرا -من باب قتل -وعشورا: أخذت عشره واسم الفاعل عاشر وعشار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۲۶، ۲۲۷، مادة ”عامل“) أجمع الفقهاء علی أن العامل علی الزکاة مصرف من مصارفها الثمانية لقوله تعالى: (والعاملین علیها)

وقالوا: إنه یدخل فی اسم العامل: الساعی: وهو الذی یجیب الزکاة ویسعی فی القبال لجمعها. والعاشر: وهو اثنان، أحدهما: من یجمع أرباب الأموال. وثانیهما: من یجمع ذوی السهام من الأصناف.

والعریف: وهو كالنقیب للقبيلة، وهو الذی یعرف الساعی أهل الصدقات إذا لم یعرفهم. والکاتب: وهو الذی یدفَع ما أعطاه أرباب الصدقات من المال، ویکتب لهم براءة بالأداء، ویکتب كذلك ما یدفع للمستحقین.

والقاسم: وهو الذی یقسم أموال الزکاة بین مستحقیها.

ویدخل فی اسم العامل كذلك: الحاسب، والخازن، وحافظ المال، والعداد، والکیال، والوزان، والراعی لمواشی الصدقة، والحمال، وکل من یحتاج إلیه فی شأن الصدقة، حتی إذا لم تقع الکفاية بساع واحد، أو کاتب واحد، أو حاسب واحد، أو حاشر أو نحوه زید فی العدد بقدر الحاجة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۲۷، ۲۲۸، مادة ”عامل“)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۸..... اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ لوگوں سے زکاة و عشر وغیرہ حاصل کرنے کے لئے عامل و نمائندہ مقرر کرے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳۹..... جن اموال کی زکاة واجب ہوتی ہے، وہ دو قسم کے اموال ہیں، ایک اموال ظاہرہ کہلاتے ہیں، جس سے مراد سائہ جانور اور فصل اور کھیتی کا عشر اور وہ تجارت کا مال ہے، جو ان راستوں سے لے جایا جائے، جہاں اسلامی حکومت کی طرف سے زکاة وصول کرنے کے لئے عامل و نمائندہ مقرر ہوتا ہے۔

ایسے اموال کی زکاة حاصل یا وصول کرنے کا اسلامی حکومت کو استحقاق ہوتا ہے۔ اور دوسرے اموال باطنہ کہلاتے ہیں، جس سے مراد سونا، چاندی اور کرنسی اور اپنے مقام پر رکھا ہوا تجارت کا مال ہے، اسلامی حکومت کو ایسے اموال کی زکاة وصول کرنے کا استحقاق نہیں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والصنف الثالث - العاملون عليها : وهم السعاة لجباية الصدقة، ويشترط فيهم العدالة والمعرفة بفقہ الزكاة، ويدخل العاشر والکاتب وقاسم الزكاة بين مستحقيها وحافظ المال، والحاشر : الذي يجمع أرباب الأموال، والعريف : الذي يعرف أرباب الاستحقاق. وعداد المواشي والکیال والوزان والراعى، وكل من يحتاج إليه في الزكاة لدخولهم في مستمى العامل غير قاض ووال لاستغناهما بمالهما في بيت المال. أما أجرية الكيل والوزن في حال تسليم الزكاة من المالك ومؤنة دفعها، فعلى المالك، لأن تسليمها عليه، فذلك مؤنته. أما مؤنة ذلك حال الدفع إلى جباة الزكاة، فمن سهم العمال (الفقه الاسلامی وادلته للزحلی، ج ۳ ص ۹۵۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ يجب على الإمام أن يرسل السعاة لقبض الزكاة وتفرقيها على مستحقيها، وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يولى العمال ذلك ويبعثهم إلى أصحاب الأموال، فقد استعمل عمر بن الخطاب رضى الله عنه عليها، وورد أنه استعمل ابن اللبية.

وكذلك الخلفاء الراشدون كانوا يرسلون سعاتهم لقبضها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۶، مادة "زكاة")

تعيين العمال لقبض الزكاة وتفرقيها على مستحقيها واجب على الإمام، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يولى العمال ذلك، ويبعثهم إلى أصحاب الأموال، وقد استعمل عمر بن الخطاب رضى الله عنه عليها وكذلك الخلفاء الراشدون كانوا يرسلون عمالهم لقبضها، ولأن في الناس من يملك المال ولا يعرف ما يجب عليه فيه، ومنهم من يبخل بالزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۲۷، مادة "عامل")

ہوتا، اور ان اموال کی زکاة میں مال کے مالکان کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ جو مناسب مستحق سمجھیں، وہ خود سے اس کو زکاة ادا کریں، البتہ اگر کوئی اس طرح کے اموال کی زکاة خود سے اسلامی حکومت کو سپرد کرے، تو بھی حرج کی بات نہیں۔ ۱

۱۔ مال الزکاة نوعان: ظاہر، وهو الموالى والزروع والمال الذى يمر به التاجر على العاشر، وباطن: وهو الذهب والفضة، وأموال التجارة فى مواضعها. وولاية أخذ الزكاة فى الأموال الظاهرة للإمام فى مذاهب: الحنفية، والمالكية، وأحد قولى الشافعية.

ودليل ذلك قول الله تعالى: (خذ من أموالهم صدقة) والذى عليه عامة أهل التأويل أن المراد بالصدقة الزكاة، وكذلك قوله تعالى: (إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها) فقد جعل الله تعالى للعاملين عليها حقا ولو لم يكن للإمام أن يطالب أرباب الأموال بصدقات الأنعام والزروع فى أماكنها، وكان أداؤها إلى أرباب الأموال، لم يكن لذكر العاملين وجه. وكان الرسول عليه الصلاة والسلام والأئمة بعده يبعثون المصدقين إلى أحياء العرب والبلدان والأفاق، لأخذ الصدقات من الأنعام والمواشى فى أماكنها.

وقال الحنفية: إنه يلحق بالأموال الظاهرة المال الباطن إذا مر به التاجر على العاشر، فله أن يأخذ منه الزكاة فى الجملة، لأنه لما سافر به وأخرجه من العمران صار ظاهرا والتحق بالسوائم، وهذا لأن الإمام إنما كان له المطالبة بزكاة المواشى فى أماكنها لمكان الحماية، لأن المواشى فى البرارى لا تصير محفوظة إلا بحفظ السلطان وحمايته، وهذا المعنى موجود فى مال يمر به التاجر على العاشر فكان كالسوائم. وعليه إجماع الصحابة رضى الله عنهم.

وهذا الحكم (دفع زكاة الأموال الظاهرة إلى الأئمة) إذا كان الأئمة عدولا فى أخذها وصرها. وإن كانوا غير عدول فى غير ذلك، وذلك مذهب المالكية، فإن طلبها الإمام العدل فادعى المزكى إخراجها لم يصدق، والذى فى كتب الحنفية أن السلاطين الذين لا يضعون الزكاة مواضعها إذا أخذوا الزكاة أجزأت عن المزكين، لأن ولاية الأخذ لهم، فلا تعاد. وقال بعضهم: يسقط الخراج ولا تسقط الزكوات. ومؤدى هذا أنه إذا كان الإمام غير عادل فللمزكى إخراج زكاته. والمنصوص عليه فى مذهب الشافعية. أنه إذا كان الإمام عدلا ففيها قولان: أحدهما أنه محمول على الإيجاب، وليس لهم التفرد بإخراجها، ولا تجزئهم إن أخرجوها ومذهب الحنابلة لا يختلف عن الجمهور فى الأموال الظاهرة، أما فى الأموال الباطنة فقد صرح أبو يعلى بأنه ليس لوالى الصدقات نظر فى زكاتها، وأربابها أحق منه بإخراجها إلا أن يبذل رب المال زكاتها طوعا، والمذهب أن للإمام طلب زكاة الأموال الباطنة أيضا.

وإذا تأكد الإمام أن أرباب الأموال لا يؤدون زكاتها أجبرهم على إيتائها ولو بالقتال، كما فعل أبو بكر رضى الله عنه بما يقبض الزكاة، وهذا إن كان الإمام يضعها موضعها، وإلا فلا يقاتلهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴، ص ۱۴۹، و ص ۱۵۰، مادة "استيفاء")

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاة حاصل کرنے کے لئے جو عامل مقرر کیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن كان مال الزكاة خفياً أو باطناً: وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، جاز للمالك أن يفرقها بنفسه، أو أن يدفعها إلى الإمام، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم طالب بزكاته، وتبعه في ذلك أبو بكر وعمر، ثم طالب بها عثمان لمدة، ولما كثرت أموال الناس ورأى أن في تتبعها حرجاً على الأمة، فوض الأداء إلى أربابها. ودفعها إلى الإمام لأنه نائب عن الفقراء، فجاز الدفع إليه كولي اليتيم، ولأن الإمام أعلم بمصارفها، ودفعها إليه يرثه ظاهراً وباطناً، لاحتمال أن يكون غير مستحق لها، ولأنه يخرج من الخلاف وتزول التهمة عنه.

ب۔ وإن كان مال الزكاة ظاهراً: وهو الماشي والزروع والثمار والمال الذي يمر به التاجر على العاشر، فيجب عند الجمهور منهم الحنفية والمالكية دفعها إلى الإمام، فإن فرقها بنفسه، لم يحتسب له ما أدى، لقوله تعالى: (خذ من أموالهم صدقة) أمر الله نبيه بأخذ الزكاة، فدل أن للإمام المطالبة بذلك والأخذ. ودل ذكر العاملين عليها في المصارف على أن للإمام مطالبة أرباب الأموال بالصدقات.

وكان النبي يبعث المصطفين (الجباة) إلى أحياء العرب والبلدان والآفاق لأخذ الصدقات من الأنعام والماشى في أماكنها.

وتابعه على ذلك الخلفاء الراشدون، وقال أبو بكر رضي الله عنه لما امتنعت العرب عن أداء الزكاة: والله لو منعوني عقلاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، لحاربهم عليه. لكن المالكية قالوا: إذا كان الإمام عدلاً، وجب دفع الزكاة إليه، وإن كان غير عدل، فإن لم يتمكن المزكى صرفها عنه، دفعت إليه وأجزأت. وإن تمكن صرفها عنه دفعها صاحبها لمستحقها. ويستحب ألا يتولى دفعها بنفسه خوف النشأ.

وقال الشافعي في الجديد: يجوز للمزكى أن يفرق زكاة الأموال الظاهرة بنفسه كزكاة الباطن، لأنها زكاة، فجاز أن يفرقها بنفسه كزكاة المال الباطن.

وقال الحنابلة: يستحب للإنسان أن يلي تفرقة الزكاة بنفسه، ليكون على يقين من وصولها إلى مستحقها، سواء أكانت من الأموال الظاهرة أم الباطنة. قال أحمد: أعجب إلى أن يخرجها، وإن دفعها إلى السلطان فهو جائز. ودليلهم أن المزكى دفع الحق إلى مستحقه الجائز تصرفه، فجازاه، كما لو دفع الدين إلى غريمه، وكزكاة الأموال الباطنة، ولأن المال الظاهر أحد نوعي الزكاة، فأشبه النوع الآخر، ولتوفير أجر العَمالة (رزق العامل)

ولكن للإمام أخذها، وهذا لا خلاف فيه، لدلالة الآية: (خذ من أموالهم صدقة) ومطالبة أبي بكر لهم بها بكونهم لم يؤدوها إلى أهلها، ولو أدوها إلى أهلها لم يقاتلهم عليها.

وعلى كل حال فالواقع أن إخراج الزكاة أصبح منوطاً بأرباب الأموال، ويطلب اليوم سن تشريعات فريضة الزكاة، وقيام الدولة بجبايتها، بسبب تقصير الكثير عن أدائها، على أن تصرف في المصارف الشرعية، وأن يكون الحاكم عادلاً أميناً على مصالح المسلمين (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۷، ج ۱ ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

جائے، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، مرد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، دیانت دار ہو، سنتا ہو (بہر انہ ہو) اور زکاة کے مسائل سے واقف ہو۔ ۱
اور عامل کے آزاد ہونے اور ہاشمی نہ ہونے کی شرط میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات آزاد ہونے کو ضروری اور بعض غیر ضروری قرار دیتے ہیں، اور بعض ہاشمی نہ ہونے کو بھی ضروری اور بعض غیر ضروری قرار دیتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ ۲

۱۔ يشترط في العامل أن يكون مسلماً عاقلاً بالغاً عادلاً سمياً ذكراً، وأن يكون عالماً بأبواب الزكاة، ليعلم ما يأخذ، ومن يأخذ منه، ولئلا يأخذ غير الواجب، أو يسقط الواجب، ولئلا يدفع لغير مستحق، أو يمنع عن مستحق، وهذا إذا كان مفوضاً من الإمام لعموم أمر الزكاة، أي: أخذها من أرباب الأموال وتوزيعها على مستحقيها وغير ذلك مما تدعو إليه الحاجة في جمع الزكاة، أما إذا لم يكن مفوضاً تفويضاً عاماً، كان يكون منفذاً فقط، عين له الإمام ما يأخذ، ومن يعطيه، فلا يشترط أن يكون عالماً بأبواب الزكاة، لأن النبي كان يبعث العمال ويكتب لهم ما يأخذون، وكذلك فعل أبو بكر رضي الله عنه لعماله، ولأن هذه رسالة لا ولاية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۲۸، مادة ”عامل“)

۲۔ واختلف الفقهاء في شرطين:

أحدهما: الحرية، فقد ذهب الجمهور إلى اشتراط الحرية، فلا يصح عندهم أن يكون العامل عبداً، لعدم الولاية.

وذهب الحنابلة إلى عدم اشتراط الحرية، لقوله صلى الله عليه وسلم: اسمعوا وأطيعوا وإن استعمل عليكم عبد الحديث.

ثانيهما: أن لا يكون هاشمياً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۲۹، مادة ”عامل“)

ويشترط في الساعي ما يلي:

۱..... أن يكون مسلماً، فلا يستعمل عليها كافراً لأنها ولاية، وفيها تعظيم للوالم.

۲..... وأن يكون عادلاً، أي ثقة مأموناً، لا يخون ولا يجور في الجمع، ولا يحابي في القسمة.

۳..... وأن يكون فقيهاً في أمور الزكاة، لأنه يحتاج إلى معرفة ما يؤخذ وما لا يؤخذ، ومحتاج إلى الاجتهاد فيما يعرض له من وقائع الزكاة.

۴..... وأن يكون فيه الكفاية، وهي القدرة على القيام بالعمل وضبطه على الوجه المعتبر.

۵..... وأن لا يكون من آل البيت، وفي هذا الشرط اختلاف بين الفقهاء.

ومعنى اشتراطه هنا عدم استحقاقه للأخذ منها مقابل عمله فيها، فلو عمل بلا أجر أو أعطى أجره من مال الفئ أو غيره جاز، و (ر: آل، جباية).

والسعاة على الزكاة أنواع فمنهم الجابي:

وهو القابض للزكاة، والمفرق: وهو القاسم، والحاشر: وهو الذي يجمع أرباب الأموال لتؤخذ منهم الزكاة، والكااتب لها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۶، ۳۰۷، مادة ”زكاة“)

مسئلہ نمبر ۶..... اگر کہیں اسلامی حکومت نہ ہو، یا اس کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے کا مناسب انتظام نہ ہو، تو پھر مال دار لوگوں پر خود سے زکاۃ کا مستحقین تک پہنچانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۷..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے جن عاملوں اور نمائندوں کو مقرر کیا جائے، ان میں مستحب یہ ہے کہ جن اموال کی زکاۃ سال کے بعد واجب ہوتی ہے، ان اموال کی زکاۃ وصول کرنے کے لئے ایک مہینہ لوگوں کے پاس عاملوں کو بھیجنے کا مقرر کر دیا جائے، اور اس مقررہ وقت کی وہاں کے لوگوں کو اطلاع کر دی جائے۔ اور جن اموال کی زکاۃ واجب ہونے کے لئے سال کا گزرنا ضروری نہیں، جیسا کہ فصل اور غلہ کا عشر تو ان چیزوں کی زکاۃ وصول کرنے کے لئے اس وقت عاملوں کو بھیجا جائے، جب فصل تیار ہونے کا وقت ہو۔ ۲

۱ وإن لم يكن هناك إمام، أو كان الإمام لا يرسل السعاة لجبي الزكاة فيجب على أهل الأموال إخراجها وتفريقها على المستحقين، لأنهم أهل الحق فيها والإمام نائب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۷، مادة "زكاة")

۲ يستحب للإمام أو العامل أن يعين للناس شهرا يأتيهم فيه لأخذ الزكاة من أموالهم التي يشترط في وجوب الزكاة فيها حولان الحول عليها، كالمواشي والنقود وعروض التجارة ونحوها. ويستحب أن يكون ذلك الشهر من السنة هو شهر المحرم، لقوله صلى الله عليه وسلم: هذا شهر زكاتكم ولأنه أول السنة القمرية، وليتهيأ أرباب الأموال لدفع زكاة أموالهم، وينتهي المستحقون لأخذ الزكاة، والأفضل أن يخرج إليهم قبل شهر المحرم، ليصل إليهم في أوله. أما فيما لا يعتبر فيه الحول من أموال الزكاة كالزروع والثمار، فيبعث الإمام العمال لأخذ زكواتها وقت وجوبها، وهو وقت الجذاذ والحصاد.

ويستحب للساعي كذلك: أن يعد الماشية على الماء إن كانت ترد الماء، وفي أفنيهم إن لم تكن ترد الماء، لقوله صلى الله عليه وسلم: تؤخذ صدقات المسلمين عند مياههم أو عند أفنيهم. فإن أخبره صاحب المال بعددها - وهو ثقة - فله أن يصدقه ويعمل بقوله؛ لأنه أمين، وإن لم يصدقه، أو أراد الاحتياط بعدها عدّها.

فإن اختلفا في العد بعد العد، وكان الفرض يختلف بذلك، أعاد العد ثانية.

وإن اختلف الساعي ورب المال في حولان الحول كأن يقول المالك: لم يحل الحول بعد، ويقول الساعي: بل حال الحول، أو قال المالك: هذه السنخال تولدت بعد الحول، وقال الساعي: بل

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... مسلمان حکومت کی طرف سے تجارت کے مال کی زکاة وصول کرنے کے لئے ایسے راستوں اور چوراہوں پر بھی عاملوں کو مقرر کیا جاتا ہے، جہاں سے لوگ تجارت کا مال لے کر گزرتے ہوں، تاکہ تجارت کا مال لے جانے والے لوگوں سے تجارت کے مال کی زکاة وصول کی جائے۔

پھر مسلمان تاجروں کے مال سے حاصل کردہ یہ مال اس تجارت کے مال کی زکاة کہلاتا ہے، جس پر مالی تجارت کی زکاة کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تولدت قبلہ، أو قال الساعی : كانت ماشيتك نصاباً ثم تولدت، وقال المالك : بل ماشيتي تمت نصاباً بالتوليد، فالقول قول المالك في جميع هذه الصور ونظائرها مما لا يخالف الظاهر، لأن الأصل براءته، ولأن الزكاة موضوعة على الرفق.

وإن رأى الساعی -المفوض في قبض الزكاة وتفريقها - المصلحة في أن يوكل من يأخذها من المزكي عند حلولها ويفرقها على أهلها فعل.

وإن وثق بصاحب المال، ورأى أن يفوض إليه تفريقها على المستحقين فعل أيضاً، لأن المالك يجوز له أن يفرق زكاته على المستحقين بغير إذن العامل، فمع إذنه أولى.

ويستحب أن يخرج مع الساعی -لأخذ زكاة الزروع والثمار - من يحرص ما يحتاج إلى خرصه، وينبغي أن يكون معه خارصان ذكران حران.

كما يستحب للإمام -أو العامل إن كان مفوضاً للقسمه - أن يكون عارفاً بعدد المستحقين وقدر حاجتهم، ليتعجل حقوقهم، وليأمن هلاك المال عنده.

ويبدأ في القسمه بالعاملين، لأن استحقاقهم أقوى، لكونهم يأخذون على وجه العوض، وغيرهم يأخذ على وجه المواساة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۳۱ إلى ۲۳۳، مادة "عامل")

موعد إرسال السعاة:

الأموال قسمان: فما كان منها لا يشترط لزكاته الحول كالزروع والثمار والمعادن، فهذا يرسل الإمام سعاته وقت وجوبها، ففي الزروع والثمار عند إدراكها بحيث يصلهم وقت الجذاذ والحصاد.

وهذا في غير الخرص، أما الخارص فيرسل عند بدء ظهور الصلاح كما تقدم (وانظر مصطلح: خرص)

وما كان يشترط فيه الحول كالمواشي: فذهب الشافعية إلى أنه يجب أن يعين لهم شهراً معيناً من السنة القمرية يرسل إليهم فيه الساعی كل عام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۷، مادة "زكاة")

جبکہ غیر مسلموں کے مال سے حاصل کردہ یہ مال ”جزیہ“ ٹیکس کہلاتا ہے۔ ۱۔
 مسئلہ نمبر ۹..... مسلمان حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کی جو
 زکاة حاصل کرے، اس کو بیٹ المال میں محفوظ رکھ کر زکاة کے صحیح مستحقین کو یہ زکاة کا مال
 پہنچائے، اور اس سلسلہ میں پوری دیانت و ذمہ داری سے کام لے۔ ۲۔
 مسئلہ نمبر ۱۰..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاة حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ زکاة
 کے عامل کو زکاة کے مال میں سے اتنی مقدار، اس کے معاوضہ و تنخواہ میں دی جائے گی، جو اس
 کی محنت و عمل کی حیثیت کے مطابق ہو، نہ تو اس سلسلہ میں کوتاہی سے کام لیا جائے گا اور نہ ہی
 زیادتی سے کام لیا جائے گا۔ ۳۔

۱۔ ينصب الإمام على المعابر في طرق الأسفار عشارين للجباية ممن يمر عليهم بالمال من المسلمين وأهل الذمة وأهل الحرب إذا أتوا بأموالهم إلى بلاد الإسلام، فيأخذ من أهل الإسلام ما يجب عليهم من زكاة، ويأخذ من أهل الذمة نصف العشر، ويأخذ من أهل الحرب العشر. والذي يأخذه من أهل الذمة وأهل الحرب فيء حكمه حكم الجزية يصرف في مصارف الفئ، وينظر تفصيله في مصطلح: (عشر).

أما ما يأخذه من أهل الإسلام فهو زكاة يشترط له ما يشترط في سائر الأموال الزكوية ويصرف في مصارف الزكاة، إلا أن هذا النوع من المال وإن كان في الأصل مالا باطنا لكنه لما انتقل صاحبه به في البلاد أصبح في حكم المال الظاهر على ما صرح به ابن عابدين، ولذا كانت ولاية قبض زكاته إلى الإمام، كالسوائم والزروع.

وصرح الحنفية بتحليف من يمر على العاشر إن أنكر تمام الحول على ما بيده، أو ادعى أن عليه ديناً يسقط الزكاة، فإن حلف فالقول قوله، وكذا إن قال أدبتها إلى عاشر آخر وأخرج براءة (أيصالاً رسمياً بها)، وكذا إن قال أدبتها بنفسى إلى الفقراء في المصر.

ويشترط أن يكون ما معه نصاباً فاکثر حتى يجب الأخذ منه، فإن كان معه أقل من نصاب وله في المصر ما يكمل به النصاب فلا ولاية للعاشر على الأخذ منه، لأن ولايته على الظاهر فقط.

ويشترط في العاشر ما يشترط في الساعى كما تقدم وأن يأمن المسافرين بحمايته من اللصوص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۱، ۳۱۲، مادة ”زكاة“).

۲۔ على الإمام أن يتخذ بيتاً لأموال الزكاة تحفظ فيه وتضبط إلى أن يتمكن من صرفها لأهلها. وتفصيل ذلك في مصطلح: بيت المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۰، مادة ”زكاة“).

۳۔ والذي يعطى للعامل: هو بمثابة الأجرة على العمل، فيعطاه ولو كان غنياً، أما لو اعتبرت زكاة أو صدقة لما حلت للفقير (الفقه الاسلامى وادلته للزحلى، ج ۳، ص ۵۴، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع).

مسئلہ نمبر ۱۱..... مسلمان حکمران یا اسلامی حکومت کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ پہلے زکاة وصول کرنے کے لئے کسی کو عامل مقرر کر دے، اور بھیج دے، اور اس سے کوئی اجرت وغیرہ متعین و طے نہ کرے، اور بعد میں اس کو اجرت مثل یعنی اس جیسے کام اور محنت پر بازار اور مارکیٹ کے حساب سے ملنے والا معاوضہ ادا کر دے۔

اور یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ عامل کے لئے بھیجے سے پہلے ہی کام کی اجرت و معاوضہ یا تنخواہ وغیرہ مقرر و متعین اور طے کر دے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ عاملین کی تنخواہیں وصول شدہ زکاة کی نصف مقدار سے بڑھنے نہ پائیں، اور اگر زکاة کی وصول یا بی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر وصول شدہ زکاة کا نصف بھی باقی نہیں رہتا تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی۔ ۲۔

۱۔ والإمام مخیر فی العامل، إن شاء أرسله لأخذ الزکاة من غیر عقد ولا تسمیة شیء، بل یدفع إلیه أجرة مثله، لما رواه ابن الساعدی قال: استعملنی عمر بن الخطاب رضی الله عنه علی الصدقة، فلما فرغت منها وأدیتها إلیه أمر لی بعمالة، فقلت: إنما عملت لله وأجرى علی الله، قال: خذ ما أعطیت، فبانی عملت علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فعملنی، فقلت مثل قولک، فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا أعطیت شیئا من غیر أن تسأل فکل وتصدق. وإن شاء عقد له عقدا واستأجره إجارة صحیحة سمي له فیها قدر أجرته، ثم دفع إلیه ما سمي له من أموال الزکاة (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۹، ص ۲۲۹، مادة "عامل")

۲۔ (قوله: فیحتاج إلی الکفاية) لكن لا یزاد علی نصف ما قبضه کما یأتی (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۳۰، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة والعشر)

وإذا زاد سهم العاملین علی أجرته رد الفاضل علی سائر الأصناف، وقسم علی سهامهم. أما إن کان سهم العاملین أقل من أجرته، فقد اختلف الفقهاء فی ذلك فذهب الحنفیة إلی أنه یکمل له من أموال الزکاة التي بیده، بشرط ألا یزید علی نصف ما قبضه؛ لأن التصیف هو عین الإنصاف، ولا یعطى من بیت المال شیئا. وذهب المالکیة إلی أنه یتمم له من أموال الزکاة وإن استغرق جمیع أموال الزکاة التي بیده لأنها أجرة عمله.

وذهب الشافعیة إلی أنه یتمم له، ولكنهم اختلفوا من أين یتمم له؟ فالمذهب عندهم: أنه یتمم من حق سائر الأصناف، لأنه یعمل لهم، فكانت أجرته علیهم، وقیل: یتمم من سهم المصالح؛ لأن الله تعالی جعل لكل صنف سهما، فلو قسمنا ذلك علی الأصناف ونقصنا حقهم فضلنا العامل علیهم.

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاة حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو جو تنخواہ یا معاوضہ دیا جاتا ہے، وہ اس کی جمع کردہ زکاة کے علاوہ بیٹ المال میں موجود دوسرے مال سے بھی دیا جاسکتا ہے، بطور خاص جب کوئی عامل زکاة کا مال لینے کا اہل نہ ہو، تو پھر بیٹ المال کے دوسرے اموال سے دینا ہی متعین ہو جاتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۴..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاة حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کے ذمہ زکاة کے مال کی حفاظت و نگرانی ضروری ہوتی ہے، اور لوگوں سے زکاة کی مد میں حاصل شدہ اموال اس کے قبضہ میں امانت ہوتے ہیں۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقیل: الإمام بالخيار، إن شاء تممه من سهم المصالح وإن شاء تممه من سهام الأصناف الأخرى، لأنه يشبه الحاكم حيث يستوفي به حق الغير على وجه الأمانة، ويشبه الأجير، فخير بين حقيهما.

وقیل: إن كان الإمام بدأ بنصيب العامل، فوجدته ينقص تمم من سهام الأصناف الأخرى، وإن كان بدأ بسهم الأصناف الأخرى فأعطاهم، ثم وجد سهم العامل ينقص تممه من سهم المصالح؛ لأنه يشق عليه استرجاع ما دفع إليهم. وقیل: إن فضل عن قدر حاجة الأصناف شيء تمم من الفضل، فإن لم يفضل عنهم شيء تمم من سهم المصالح.

قال النووي: والخلاف في جواز التكميل من أموال الزكاة، ولكنهم اتفقوا على جواز التكميل من سهم المصالح مطلقا، بل لو رأى الإمام أن يجعل أجره العامل كلها في بيت المال، ويقسم الزكاة على سائر الأصناف جاز، لأن بيت المال لمصالح المسلمين، وهذا من المصالح.

وذهب الحنابلة إلى أنه يتم له من أموال الزكاة وإن كانت أجرته أكثر من ثمن أموال الزكاة؛ لأن ما يأخذه العامل أجره، إلا أن الإمام إذا رأى إعطاء العامل أجرته من بيت المال، ويوفر الزكاة على باقي الأصناف جاز له، وإن رأى أن يجعل له رزقا ثابتا في بيت المال نظير عمالته، ولا يعطيه من أموال الزكاة شيئا جاز كذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۳۰، مادة "عامل")

۱۔ العامل على الزكاة يجوز إعطاؤه حقه من الزكاة نفسها بالشروط المتقدمة في الساعی.

ويجوز إعطاؤه من بيت المال. ويتعين ذلك إن لم يكن من أهل الزكاة، كان يكون من آل البيت على ما صرح به المالكية، أو يكون العمل مما لا يحتاج إليه غالبا كالراعي والحارس والسائق على ما صرح به المالكية والشافعية، وقال الحنابلة: يعطى الراعي والحارس ونحوهما من الزكاة كغيرهم من العاملين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۸، مادة "زكاة")

۲۔ على الساعی المحافظة على مال الزكاة. وهو أمانة في يده حتى يوصله إلى مستحقه، أو يوصله إلى الإمام إن فضل منه شيء، وله في سبيل ذلك أن يتخذ حارسا أو راعيا ونحوهما.

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو یہ بات جائز نہیں کہ وہ اپنے معاوضہ و اجرت یا تنخواہ کے علاوہ زکاۃ کے مال میں سے مزید کچھ مال اپنے لئے حاصل کرے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۶..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو حلال نہیں کہ وہ زکاۃ دینے والے لوگوں سے ہدیہ، تحفہ وغیرہ کے عنوان سے کوئی چیز اپنے لئے حاصل کرے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۱۷..... اگر زکاۃ کا مال عامل کے ہاتھ میں آنے کے بعد ضائع ہو جائے، اور اس میں اس عامل کی کوئی غفلت و کوتاہی شامل نہ ہو، تو عامل پر اس کا تاوان (یا ڈنڈ) لازم نہیں آتا، البتہ اگر عامل کی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے مال ضائع ہو، مثلاً وہ اس کی حفاظت میں غفلت و کوتاہی سے کام لے، تو پھر عامل پر اس کا تاوان (یا ڈنڈ) لازم آتا ہے، اور وہ اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومما ذكره الفقهاء من وسائل الحفظ وسم بهائم الصدقة من الإبل والبقر والغنم للتميز عن غيرها، ولئلا تضيع، ويسمها بالنار بعلامة خاصة، كأن تكون علامة الوسم (لله) لما ورد في الصحيحين عن أنس رضي الله عنه أنه قال: أوفيت النبي صلى الله عليه وسلم وبيده الميسم يسم إبل الصدقة ولأثار وردت من فعل عمر وغيره من الصحابة رضوان الله عليهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۹، ۳۱۰، مادة "زكاة")

۱۔ وليس للساعي أن يأخذ من الزكاة لنفسه شيئا غير الأجر الذي يعطيه إياه الإمام، لما في حديث عدی بن عميرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى يقول: من استعملناه منكم على عمل فكتمنا مخيطا فما فوقه، كان غلولا يأتي به يوم القيامة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۸، مادة "زكاة")

۲۔ وليس للساعي أن يأخذ شيئا من أهل الأموال باسم الهدية بسبب ولايته، وإن أخذه لم يحل له أن يكتمه ويستأثر به، لما ورد في حديث أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال: استعمل النبي صلى الله عليه وسلم رجلا من الأزد يقال له ابن اللتبية على الصدقة، فلما قدم قال: هذا لكم، وهذا أهدي لي. قال: فهلا جلس في بيت أبيه - أو بيت أمه، فينظر أبيه إلى أم لا؟ والذي نفسي بيده، لا يأخذ أحد منكم شيئا إلا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبتيه، إن كان بعيرا له رغاء، أو بقرة لها خوار، أو شاة تيعر - ثم رفع بيده حتى رأينا عفرة إبطيه - اللهم هل بلغت، اللهم هل بلغت، ثلاثا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۸، مادة "زكاة")

ضائع شدہ زکاۃ کے مال کے جمع کرنے کے معاوضہ و تنخواہ سے بھی محروم قرار پاتا ہے۔ ۱۔
لیکن زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ بہر حال ادا ہو جاتی ہے، جیسا کہ ”زکاۃ دینے کا وکیل بنانے کے احکام“ میں آتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۸..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کی غفلت و کوتاہی کے بغیر اگر عامل سے زکاۃ کا مال ضائع ہو جائے، تو اس پر تاوان (یا ڈنڈ) لازم نہیں آتا، جیسا کہ گزرا، اور بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں عامل اپنی تنخواہ و معاوضہ کا مستحق قرار پاتا ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں عامل اپنی تنخواہ و معاوضہ کے استحقاق سے محروم ہو جاتا ہے۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۱۹..... مسلمان حکومت کی طرف سے زکاۃ حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ عامل کو زکاۃ کی مد میں حاصل کردہ مال کا بغیر سخت ضرورت کے بیچنا جائز نہیں ہوتا، البتہ سخت ضرورت میں بیچنے کی گنجائش ہوتی ہے، مثلاً راستہ میں اس مال کی حفاظت مشکل ہو، تو اسے ایسی چیز کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہوتا ہے کہ جس کی حفاظت آسان ہو۔ ۳۔

۱۔ لو تلف مال الزکاۃ فی يد العامل بلا تفریط أو تقصیر لم یضمن؛ لأنه أمين کالوکیل: و ناظر مال الیتیم إذا تلف فی یدہ شیء بلا تفریط لم یضمن.

اما إذا تلف المال بتفریط منه، بأن قصر فی حفظه أو عرف المستحقین وأمكنه التفریق علیهم فأخبر من غیر عذر ضمنه؛ لأنه متعبد بذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۳۰، مادة ”عامل“)
۲۔ واختلفوا فی دفع أجرته إذا تلف المال بدون تفریط منه.

فذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يستحق أجرته، وتعطى من بیت المال؛ لأنه أجبر، ولأن بیت المال لمصالح المسلمين، وهذا منها. وعندهم أيضا: يستحق العامل الزکاۃ بعمله على سبیل الأجرة، وإلى هذا ذهب كل من المالكية والشافعية والحنابلة.

وذهب الحنفية إلى أن حقه يسقط، كنفقة المضارب تكون فی مال المضاربة، فإذا هلك سقطت نفقته؛ لأن العامل عندهم يستحق الزکاۃ بعمله على سبیل الكفاية لاشتغاله بها، لا على سبیل الأجرة؛ لأن الأجرة مجهولة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۳۱، مادة ”عامل“)

۳۔ قال الفقهاء: لا يجوز للساعي بيع شيء من مال الزکاۃ من غیر ضرورة، بل یوصلها إلى المستحقین بأعيانها إذا كان مفوضا للتفریق علیهم؛ لأن أهل الزکاۃ أهل رشد لا ولاية علیهم، فلم یبق حاشية على صفیة پر ملاحظہ فرمائیں ﴿

مسئلہ نمبر ۴۰..... جب مسلمانوں کی کسی حکومت کے حکمران دیانت دار و ذمہ دار ہوں، تو اپنے اموال کی زکاة ان کو حوالہ کرنا، تاکہ وہ مستحقین تک پہنچائیں، بلاشبہ جائز ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۴۱..... اگر حکومت کی طرف سے زکاة وصول کرنے اور اس کا انتظام کرنے والے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ یجز بیع مالہم بدون إذنہم، أو یوصلہا إلى الإمام إذا لم یکن مفوضا للتفریق علیہم، وإن باع بلا ضرورة ضمن.

فإن وقعت ضرورة البیع، كان خاف هلاک بعض الماشیة، أو كان فی الطريق خطر، أو احتاج إلى رد جبران، أو إلى مؤنة النقل، أو ما أشبه ذلك جاز البیع للضرورة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۳۱، مادة "عامل")

۱۔ حکم دفع الزکاة إلى الإمام العادل: المراد بالإمام العادل هنا من يأخذ الزکاة بحقها، ويعطيها لمستحقها، ولو كان جائرا فی غیر ذلك علی ما صرح به المالکية.

ومن دفع زکاة ماله إلى الإمام العادل جاز، وأجزأت عنه اتفاقا.

ولو كان بإمكانه دفعها إلى الإمام وتفریقها بنفسه فقد اختلف الفقهاء فی ذلك:

فذهب مالک وأبو حنیفة وأبو عبيد، وهو القديم من قولی الشافعی، إلى التفریق بین الأموال الظاهرة، وهي الزروع، والمواشی، والمعادن، ونحوها، و بین الأموال الباطنة وهي الذهب والفضة والتجارات. فأما الظاهرة فيجب دفعها إلى الإمام، لأن أبا بكر طالبهم بالزکاة وقاتلهم عليها، ووافقهم الصحابة على هذا، فليس للمزکی إخراجها بنفسه، حتى لقد صرح الشافعية بأنه لو أخرجهما كذلك لم تجزئته. ولأن ما للإمام قبضه بحکم الولاية لا يجوز دفعه إلى المولى عليه، كولی الیتیم.

وأما زکاة الأموال الباطنة فقال الحنفية: للإمام طلبها، وحقه ثابت فی أخذ الزکاة من كل مال تجب فيه الزکاة، للآية. وما فعله عثمان رضی الله عنه أنه فوض إلى الملاك زکاة المال الباطن، فهم نوابه فی ذلك، وهذا لا يسقط طلب الإمام أصلا، ولهذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدون زکاتهم طالبهم بها. فأما إذا لم يطلبها لم يجب الدفع إليه.

وقال المالکية والشافعية: زکاة الأموال الباطنة مفوضة لأربابها، فلرب المال أن یوصلها إلى الفقراء وسائر المستحقين بنفسه. وذهب الحنابلة، وهو الجديد المعتمد من قولی الشافعی: إلى أن الدفع إلى الإمام غیر واجب فی الأموال الظاهرة والباطنة على السواء، فيجوز للمالك صرفها إلى المستحقين مباشرة، قیاسا للظاهرة على الباطنة، ولأن فی ذلك إيصال الحق إلى مستحقه الجائز تصرفه، فيجزئته، كما لو دفع الدين إلى غريمه مباشرة، وأخذ الإمام لها إنما هو بحکم النيابة عن مستحقها، فإذا دفعها إليهم جاز، لأنهم أهل رشد.

ثم قال الشافعية فی الأظهر: الصرف إلى الإمام أفضل من تفریقها بنفسه، لأنه أعرّف بالمستحقين، وأقدر على التفریق بينهم، وبه یبرأ ظاهرا وباطنا. ثم قال الحنابلة: تفرقتها بنفسه، أولى وأفضل من دفعها إلى الإمام، لأنه إيصال للحق إلى مستحقه، فيسلم عن خطر الخيانة من الإمام أو عماله، ولأن فيه مباشرة تفریق كربة من يستحقها، وفيه توفير لأجر العمالة، مع تمكنه من إعطاء محابيح أقربائه، وذوی رحمہ، وصلتهم بها، إلا أنه إن لم یبق ﴿بقية حاشیة الگے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لوگ مسلمان، مگر غیر ذمہ دار اور ظالم ہوں، یا وہ جبراً و قہراً مسلمانوں کی حکومت پر قابض ہو جائیں، اور وہ زبردستی لوگوں کے مال کی زکاۃ وصول کر لیں، تو بھی بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور اس زکاۃ کے مال کو صحیح مصرف میں لگانا ان حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور اگر وہ اس میں غفلت و کوتاہی اختیار کریں، تو وہ خود اس کے ذمہ دار شمار ہوتے ہیں۔ ۱۔

البتہ اس صورت میں زکاۃ ادا ہونے کے متعلق بعض اہل علم کا اختلاف ہے، اس لئے اگر اللہ نے حیثیت دی ہو، تو خود سے صحیح مصرف میں دوبارہ زکاۃ خرچ کرنا افضل ہوتا ہے۔ اور اگر حکومت کی طرف سے مال والے لوگوں کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ خود سے کسی صحیح مصرف میں زکاۃ خرچ کریں، اور وہ ظالم حکمرانوں کو زکاۃ حوالہ نہ کریں، تو پھر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ایسے حکمرانوں کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہوتا، بلکہ خود سے زکاۃ کو صحیح مصرف میں لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ۲۔

اور حکومت کی طرف سے بینک سے زکاۃ کاٹے جانے کا حکم ”زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام“ میں ذکر کر دیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأمانة نفسه فالأفضل له دفعها إلى الساعي، لئلا يمنعه الشح من إخراجها. أما لو طلب الإمام العادل الزكاة فإنه يجب الدفع إليه اتفاقاً، وسواء كان المال ظاهراً أو باطناً، والخلاف في استحقاقه جمع زكاة المال الباطن لا يبيح معصيته في ذلك إن طلبه، لأن الموضوع موضع اجتهاد، وأمر الإمام يرفع الخلاف كحكم القاضي، كما هو معلوم من قواعد الشريعة. وصرح المالكية بأن الإمام العدل إن طلبها فادعى المالك إخراجها لم يصدق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۴، ۳۰۵، مادة ”زكاة“)

۱۔ السلطان الجائر إذا أخذ صدقات الأموال الظاهرة يجوز وسقط في الصحيح ولا يؤمر بالآداء ثانياً (الفتاوى البنزانية، ج ۱ ص ۴۰، كتاب الزكاة)

۲۔ دفع الزكاة إلى الأئمة الجائرين، وإلى البغاة:

إن أخذ الإمام الجائر الزكاة قهراً أجزأت عن صاحبها.

وكذا إن أكره الإمام المزكى فخاف الضرر إن لم يدفعها إليه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)..... مؤلفۃ قلوبہم (یعنی دلوں میں الفت ڈالنے کے لئے زکاة دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاة کا چوتھا مصرف ”مؤلفۃ قلوبہم“ کو بیان کیا گیا ہے۔
یعنی جن لوگوں کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے۔
آگے زکاة کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف الفقهاء فيمن كان قادرا على الامتناع عن دفعها إلى الإمام الجائر، أو على إخفاء ماله، أو إنكار وجوبها عليه، أو نحو ذلك:
فذهب الجمهور من الحنفية والمالكية إلى عدم جواز دفعها إلى الإمام حينئذ، وأنها لا تجزئ عن دفعها على التفصيل التالي:

فقال الحنفية: إذا أخذ الخوارج والساطين الجائرون زكاة الأموال الظاهرة كزكاة السوائم والزرع وما يأخذه العاشر، فإن صرفوه في مصارفه المشروعة فلا إعادة على المزكي، وإلا فعلى المزكي فيما بينه وبين الله تعالى إعادة إخراجها. وفي حالة كون الآخذ لها البغاة ليس للإمام أن يطالب أصحاب الأموال بها، لأنه لم يحمهم من البغاة، والعجاية بالحماية، ويفتي البغاة بأن يعيدوا ما أخذوه من الزكاة.

وأما الأموال الباطنة فلا يصح دفعها إلى السلطان الجائر.

وقال المالكية: إن دفعها إلى السلطان الجائر اختياراً، فدفعها السلطان لمستحقها أجزأت عنه، وإلا لم تجزئه. فإن طلبها الجائر فعلى ربها جحدتها والهرب بها ما أمكن، فإن أكرهه جاز. وهذا إن كان جائراً في أخذها أو صرفها، وسواء كانت من الأموال الظاهرة أو الباطنة. أما إن كان عادلاً فيها وجائراً في غيرها، فيجوز الدفع إليه مع الكراهة.

أما الشافعية فذهبوا إلى أنه إن طلب الإمام الجائر زكاة المال الباطن، فصرفها إليه أفضل، وكذا زكاة المال الظاهر سواء لم يطلبها أو طلبها، وفي التحفة إن طلبها وجب الدفع إليه. وذهب الحنابلة إلى أن دفع الزكاة إلى الإمام الجائر والبغاة والخوارج إذا غلبوا على البلد جائز سواء كانت من الأموال الظاهرة أو الباطنة.

ويرأى المزكي بدفعها إليهم، سواء صرفها الإمام في مصارفها أو لا. واحتجوا بما ورد في ذلك عن بعض الصحابة، منهم سعد بن أبي وقاص وجابر وأبو هريرة وابن عمر وغيرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۶، مادة ”زكاة“)

أخذ البغاة والخوارج الزكاة: إذا تغلبت فئة الخوارج والبغاة على بلد إسلامي، فأخذوا زكواتهم وعشور أراضيهم وخراجها، ثم استعاضوا الإمام منهم أو أخذ السلطان الجائر الزكاة، أجزأ المدفوع عن أصحابه ولا يلتفت إليهم، وأجزأ دفع الخراج عن المكلف به، سواء عدل الآخذ فيما أخذ أو

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... قرآن مجید میں زکاة کا ایک مصرف ”الْمَوْلَفَةُ قُلُوبُهُمْ“ بیان کیا گیا ہے، یعنی ایسے لوگ جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے۔

اور اس سے ایسے لوگ مراد ہیں، جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے اور ان کا شر دور کرنے اور ان پر احسان کرنے کے لئے زکاة دی جائے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جار، و سواہ أخذھا قهراً أو دفعت إليه اختياراً. وذلك عملاً بفعل الصحابة، ولأن المعطى دفعها إلى أهل الولاية، ولأن حق الأخذ للإمام لأجل الحفظ والحماية، ولم يوجد ذلك منه، فجاز دفعها لغيره. لكن قال الحنفية: إلا أن المعطين يفتون فيما بينهم وبين ربهم أن يؤدوا الزكاة والعشور ثانياً. وقالوا أيضاً: لو أخذ السلطان الصدقات أو الجبايات أو أخذ مالا مصادرة إن نوى المأخوذ منه الصدقة عند الدفع، جاز وبه يفتى، أو إذا دفع إلى كل جائر بنية الصدقة بجزء، والأحوط الإعادة (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۹۷۸، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

فصل ومن امتنع من أداء الزكاة أخذها الإمام كرها ووضعها موضعها، لقوله تعالى: (خذ من أموالهم) وقوله -عليه الصلاة والسلام-: -خذها من أغنيائهم وهذا لأن حق الأخذ كان للإمام في الأموال الظاهرة والباطنة إلى زمان عثمان -رضي الله عنه -بهذه النصوص، ففوضها في الأموال الباطنة إلى أربابها مخافة تفتيش الظلمة إلى أموال الناس، فصار أرباب الأموال كالوكلاء عن الإمام، فإذا علم أنهم لا يؤدون طالبهم بها؛ وما أخذ الخوارج والبغاة من الزكاة لا يثنى عليهم لأنه عجز عن حمايتهم، والجباية بالحماية، ويفتى أهلها بالإعادة فيما بينهم وبين الله تعالى لعلنا أنهم لم يأخذوها بطريق الصدقة ولا يصرفونها مصارفها.

واختلف المتأخرون فيما يأخذ الظلمة من السلاطين في زماننا. قال مشايخ بلخ: يفتون بالإعادة كالمسألة الأولى. وقال أبو بكر الأعمش: يفتون بإعادة الصدقة لأنها حق الفقراء ولا يصرفونها إليهم (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۰۴، كتاب الزكاة)

۱۔ المؤلف في اللغة: جمع مؤلف، وهو اسم مفعول من الألف، يقال: ألفت بينهم تأليفاً إذا جمعت بينهم بعد تفرق، والمراد بتأليف قلوبهم: استمالة قلوبهم بالإحسان والمودة. والمؤلفة قلوبهم في الاصطلاح: هم الذين يراد تأليف قلوبهم بالاستمالة إلى الإسلام، أو تقريراً لهم على الإسلام، أو كف شرهم عن المسلمين، أو نصرهم على عدو لهم، ونحو ذلك.

حكمة تأليف القلوب:

حث الإسلام أتباعه بالإحسان إلى خصومهم وأعدائهم، وبذلك يفتح الإسلام القلوب بالإحسان، كما يفتح العقول بالحجة والبرهان، قال الله تعالى: (ولا تستوى الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي أحسن)

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... حنفیہ کے علاوہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک موجودہ دور میں بھی ضرورت پڑنے پر ایسے لوگوں کو زکاة دینا جائز ہے، جو ”مؤلفۃ قلوبہم“ میں داخل ہوں۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک یا تو ان کو غربت کی بنیاد پر زکاة دی جاتی تھی، یا پھر ایسے لوگوں کو زکاة دینے کا حکم اس وقت تھا، جب اسلام کو تقویت حاصل نہیں ہوئی تھی، بعد میں جب اسلام کو تقویت حاصل ہوگئی، تو یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا، لہذا حنفیہ کے نزدیک اب صرف دلوں میں الفت ڈالنے کی بنیاد پر کسی کو زکاة دینا جائز نہیں، تا آنکہ وہ دیگر شرائط پائے جانے مثلاً مسلمان اور غریب وغیرہ ہونے کی وجہ سے زکاة کا مستحق و مصرف نہ ہو۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولذلك شرع الإسلام نصيباً من مال الزكاة لتأليف القلوب، قال القرطبي: قال بعض المتأخرين: اختلف في صفة المؤلفة قلوبهم فقيل: هم صنف من الكفار يعطون ليتألفوا على الإسلام، وكانوا لا يسلّمون بالقهر والسيف، ولكن يسلّمون بالعطاء والإحسان، وقيل: هم قوم من عظماء المشركين لهم أتباع يعطون ليتألفوا أتباعهم على الإسلام، قال: هذه الأقوال متقاربة، والقصد بجمعها الإعطاء لمن لا يتمكن إسلامه حقيقة إلا بالعطاء فكانه ضرب من الجهاد. وقال: المشركون ثلاثة أصناف: صنف يرجع بإقامة البرهان، وصنف بالقهر، وصنف بالإحسان، والإمام الناظر للمسلمين يستعمل مع كل صنف ما يراه سبباً لنجاته وتخليصه من الكفر، وقد فقه الرسول -صلى الله عليه وسلم- أمته في تأليف الناس على الإسلام بقوله: إني لأعطي الرجل وغيره أحب إلى منه خشية أن يكسب في النار على وجهه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۱۲ و ۱۳، مادة ”المؤلفة قلوبهم“)

۱۔ الصنف الرابع: المؤلفة قلوبهم:

اختلف الفقهاء في صنف المؤلفة قلوبهم: فالمعتمد عند كل من المالكية والشافعية والحنابلة أن سهم المؤلفة قلوبهم باق لم يسقط.

وفى قول عند كل من المالكية والشافعية ورواية عند الحنابلة: أن سهمهم انقطع لعز الإسلام، فلا يعطون الآن، لكن إن احتيج لاستئلافهم في بعض الأوقات أعطوا.

قال ابن قدامة: لعل معنى قول أحمد: انقطع سهمهم، أي لا يحتاج إليهم في الغالب، أو أراد أن الأئمة لا يعطونهم اليوم شيئاً، فأما إن احتيج إلى إعطائهم جاز الدفع إليهم، فلا يجوز الدفع إليهم إلا مع الحاجة.

وقال الحنفية: انعقد الإجماع على سقوط سهمهم من الزكاة لما ورد أن الأقرع بن حابس وعيينة بن حصن جاءا يطلبان من أبي بكر أرضاً، فكتب لهما بذلك، فمرا على عمر، فرأى الكتاب

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... جو حضرات موجودہ دور میں بھی ”مؤلفۃ قلوبہم“ کے زکاة کا مصرف ہونے کے قائل ہیں، ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک یہ حکم صرف مسلمان افراد کے ساتھ خاص ہے، یعنی جو لوگ نو مسلم ہوں، نیا نیا اسلام لائے ہوں، اور انہیں ابھی تک اسلام سے معتدبہ اُنسیت پیدا نہ ہوئی ہو، ان کو اُنسیت پیدا کرنے کے لئے زکاة دینا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فمزه، وقال: هذا شيء كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيكموه ليتألفكم، والآن قد أعز الله الإسلام وأغنى عنكم، فإن نتم على الإسلام، وإلا فيننا وبينكم السيف، فرجعا إلى أبي بكر، فقالا، ما ندرى: الخليفة أنت أم عمر؟ فقال: هو إن شاء، ووافق. ولم ينكر أحد من الصحابة ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۹، مادة ”زكاة“)

اختلف الفقهاء في سهم الزكاة المخصص للمؤلفۃ قلوبہم فجمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة على أن سهمهم باق.

وذهب به بعضهم إلى أن سهمهم منقطع لعز الإسلام، لكن إذا احتيج إلى تألفهم أعطوا.

وقال الحنفية بسقوط سهم المؤلفۃ قلوبہم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۱۳، مادة ”المؤلفۃ قلوبہم“)

وسكت عن المؤلفۃ قلوبہم لسقوطهم إما بزوال العلة أو نسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -لمعاذ في آخر الأمر خذها من أغنيائهم وردّها في فقرائهم (الدر المختار)

(قوله وسكت عن المؤلفۃ قلوبہم) كانوا ثلاثة أقسام: قسم كفار كان -عليه الصلاة والسلام - يعطيهم ليتألفهم على الإسلام.

وقسم كان يعطيهم ليدفع شرهم. وقسم أسلموا وفيهم ضعف في الإسلام، فكان يتألفهم ليثبتوا وكان ذلك حكما مشروعا ثابتا بالنص، فلا حاجة إلى الجواب عما يقال كيف يجوز صرفها إلى الكفار بأنه كان من جهاد الفقراء في ذلك الوقت أو من الجهاد؛ لأنه تارة باللسان وتارة بالإحسان أفاذه في الفتح.

(قوله: لسقوطهم) أى في خلافة الصديق لما منعهم عمر -رضى الله تعالى عنهما -وانعقد عليه إجماع الصحابة، نعم على القول بأنه لا إجماع إلا عن مستند يجب علمهم بدليل أفاد نسخ ذلك قبل وفاته -صلى الله عليه وسلم -أو تقييد الحكم بحياته أو كونه حكما مغيا بانتهاؤه علته وقد اتفق بعد وفاته وتماه في الفتح لكن لا يجب علمنا نحن بدليل الإجماع كما هو مقرر في محله.

(قوله: إما بزوال العلة) هي إعزاز الدين فهو من قبيل انتهاء الحكم لانتهاء علته الغاية التي كان لأجلها الدفع، فإن الدفع كان للإعزاز وقد أعز الله الإسلام وأغنى عنهم بحر لكن مجرد التعليل بكونه معللا بعلته انتهت لا يصلح دليلا على نفى الحكم المعلن؛ لأن الحكم لا يحتاج في بقاءه إلى بقاء علته.

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض حضرات اس کا مصداق ایسے غیر مسلموں کو قرار دیتے ہیں، جن کو زکاة دے کر اسلام کی ترغیب و انسیت اور مسلمانوں کی اعانت مقصود ہو۔

اور بعض حضرات مذکورہ دونوں قسم کے لوگوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لاستغنائه في البقاء عنها لما علم في الرق والاضطباع والرمل، فلا بد من دليل على أن هذا الحكم مما شرع مقيدا بقاؤه بقاءها لكن لا يلزمنا تعيينه في محل الإجماع فتحكم ببيوت الدليل وإن لم يظهر لنا على الآية التي ذكرها عمر تصلح لذلك وهي قوله تعالى (وقل الحق من ربكم فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر) وتماه في الفتح (قوله: أو نسخ بقوله - صلى الله عليه وسلم - (إلخ) أي هو مستند الإجماع فالنسخ في حياته - صلى الله عليه وسلم - بالحديث المذكور الذي سمعه أهل الإجماع من النبي - صلى الله عليه وسلم - فكان قطعيا بالنسبة إليهم فيصح نسخه للكتاب، وجعل في البحر مستند الإجماع الآية التي ذكرها عمر - رضي الله تعالى عنه - وإنما لم يجعل الإجماع ناسخا؛ لأنه خلاف الصحيح؛ لأن النسخ لا يكون إلا في حياته - صلى الله عليه وسلم - والإجماع لا يكون إلا بعده كما أوضحه المصنف في المنح (قوله: وردها في فقراتهم) في نسخة: على فقراتهم ولفظ الحديث على ما في الفتح من رواية أصحاب الكتب الستة إنك ستأتي قوما أهل كتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم إلخ. "اھ۔

وأما باللفظ الذي ذكره الشارح تبعا للهداية ففي حاشية نوح عن الحافظ ابن حجر أنه لم يره في شيء من المسانيد اھ وضمير فقراتهم للمسلمين، فلا تدفع إلى من كان من المؤلف كافرا أو غنيا وتدفع إلى من كان منهم مسلما فقيرا بوصف الفقر لا لكونه من المؤلف فالنسخ للعموم أو لخصوص الجهة تأمل (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۲۲، ۳۲۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

۱۔ ثم اختلفوا:

ففي قول للمالكية: المؤلف قلوبهم كفار يعطون ترغيبا لهم في الإسلام لأجل أن يعينوا المسلمين، فعليه لا تعطى الزكاة لمن أسلم فعلا .

وقال الشافعية: لا يعطى من هذا السهم لكافر أصلا، لأن الزكاة لا تعطى لكافر، للحديث: تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم بل تعطى لمن أسلم فعلا، وهناك أقوال أخرى للشافعية.

وقال الحنابلة: يجوز الإعطاء من الزكاة للمؤلف مسلما كان أو كافرا.

وعند كل من الشافعية والمالكية أقوال بمثل هذا.

قال ابن قدامة: المؤلف قلوبهم ضربان: كفار ومسلمون، وهم جميعا السادة المطاعون في قومهم وعشائرهم.

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)..... رقاب (یعنی آزاد کرنے کے لئے زکاة دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاة کا پانچواں مصرف ”رقاب“ کو بیان کیا گیا ہے۔
 ”رقاب“ رقبہ کی جمع ہے، اور رقبہ گردن کو کہا جاتا ہے، جس سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو، یعنی وہ غلام ہو۔
 آگے زکاة کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم ذكر المسلمين منهم فجعلهم أربعة أضرب:

- ۱ - سادة مطاعون في قومهم أسلموا ونيتهم ضعيفة فيعطون تثبيتاً لهم.
 - ۲ - قوم لهم شرف ورياسة أسلموا ويعطون لترغيب نظر انهم من الكفار ليسلموا.
 - ۳ - صنف يراد بتألفهم أن يجاهدوا من يليهم من الكفار، ويحموا من يليهم من المسلمين.
 - ۴ - صنف يراد بإعطائهم من الزكاة أن يجبوا الزكاة ممن لا يعطيها.
- ثم ذكر ابن قدامة الكفار فجعلهم ضربين:
- ۱ - من يرجى إسلامه فيعطى لتميل نفسه إلى الإسلام.
 - ۲ - من يخشى شره ويرجى بعطيته كف شره وكف غيره معه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۹، مادة ”زكاة“)

ثم اختلف الفقهاء في أقسامهم.

فقال المالكية: المؤلفلة قلوبهم كفار يتألفون.

وقال الشافعية: لا يعطى من هذا السهم لكافر أصلاً.

وجوز الحنابلة الإعطاء لمؤلف مسلماً كان أو كافراً.

وقال ابن قدامة: المؤلفلة قلوبهم ضربان:

كفار ومسلمون، والكفار صنفان، والمسلمون أربعة أصناف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۱۳، مادة ”المؤلفلة قلوبهم“)

والصنف الرابع - المؤلفلة قلوبهم - منهم ضعفاء النية في الإسلام، فيعطون ليتقوى إسلامهم. وهم نوعان: مسلمون وكفار.

أما الكفار فصنفان: صنف يرجى خيره، وصنف يخاف شره. وقد ثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم أعطى قوماً من الكفار، يتألف قلوبهم ليسلموا، ففي صحيح مسلم: أنه صلى الله عليه وسلم أعطى أبا سفيان بن حرب وصفوان بن أمية وعيينة بن حصن والأقرع بن حابس، وعباس بن مرداس، كل إنسان منهم مئة من الإبل. وأعطى أيضاً علقمة ابن علاثة من غنائم حنين.

﴿بقية حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... غلام کی ایک قسم ”مکاتب“ کہلاتی ہے، جس سے مراد ایسا غلام ہوتا ہے، جس کو اس کے آقا و مالک نے مخصوص مال کی مقدار متعین و طے کر کے یہ کہہ دیا ہو کہ تم اتنا مال کہیں سے جائز طریقہ پر لاکر مجھے دے دو، جس کے عوض میں تم آزاد ہو۔

اگر کوئی ایسا ”مکاتب“ مسلمان غلام ہو، اور وہ اپنے آقا و مالک کو مخصوص و متعین مال دے کر غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر نہ ہو، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف العلماء فى إعطاء المؤلفة قلوبهم من الزكاة حال كونهم كفاراً، فقال الحنابلة والمالكية: يعطون ترغيباً فى الإسلام، لأن النبى صلى الله عليه وسلم أعطى المؤلفة من المسلمين والمشرکين.

وقال الحنفية والشافعية: لا يعطى الكافر من الزكاة لا لتأليف ولا لغيره، وقد كان إعطاؤهم فى صدر الإسلام فى حال قلة عدد المسلمين وكثرة عدوهم، وقد أعز الله الإسلام وأهله، واستغنى بهم عن تألف الكفار، ولم يعطهم الخلفاء الراشدون بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال عمر رضى الله عنه: إنا لا نعطي على الإسلام شيئاً، فمن شاء فليؤم، ومن شاء فليكفر.

وأما المسلمون من المؤلفة: فهم أصناف يعطون بسبب احتياجنا إليهم:

۱ - ضعفاء النية فى الإسلام: يعطون ليتقوى إسلامهم.

۲ - الشريف المسلم فى قومه الذى يتوقع بإعطائه إسلام نظرائه، فقد أعطى النبى صلى الله عليه وسلم أبا سفيان بن حرب وجماعة ممن ذكر، وأعطى الرسول صلى الله عليه وسلم الزبرقان بن بدر وعدى بن حاتم، لشرفهما فى قومهما.

۳ - المقيم فى نعر فى نعر المسلمين المجاورة للكفار، ليكفينا شر من يليه من الكفار بالقتال.

۴ - من يجبى الصدقات من قوم يتعذر إرسال ساع إليهم، وإن لم يمنعوها. وقد ثبت أن أبا بكر أعطى عدى بن حاتم حين قدم عليه بزكاته وزكاة قومه عام الردة.

وقد اختلف العلماء فى بقاء سهم المؤلفة قلوبهم بعد النبى صلى الله عليه وسلم: فقال الحنفية ومالك: قد سقط سهم المؤلفة بانتشار الإسلام وغلبيته، لأن الله تعالى أعز الإسلام، وأغنى عنهم وعن استمالتهم إلى الدخول فيه. فيكون عدد الأصناف سبعة لا ثمانية، وذلك بإجماع الصحابة. قال مالك: لا حاجة إلى المؤلفة الآن لقوة الإسلام.

وقال الجمهور منهم خليل من المالكية: حكم المؤلفة باق لم ينسخ، فيعطون عند الحاجة، ويحمل ترك عمر وعثمان وعلى إعطاءهم: على عدم الحاجة إلى إعطائهم فى خلافتهم، لا لسقوط سهمهم، فإن الآية من آخر ما نزل، وأعطى أبو بكر عدى بن حاتم والزبرقان بن بدر، كما ذكرت، ولأن المقصود من دفعها إليهم ترغيبهم فى الإسلام لأجل إنقاذ مهجهم من النار، لا لإعانتهم لنا حتى يسقط بفشو الإسلام (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

زکاة دینا جائز ہے، تاکہ وہ اپنے آقا کو یہ مال دے کر اس کے بدلہ میں غلامی سے آزادی حاصل کر لے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... اگر کسی غلام کو اس کے آقا نے مکاتب نہ بنایا ہو، بلکہ وہ عام غلام ہو، اور وہ غلام مسلمان بھی ہو، اور کوئی زکاة کے مال سے اس غلام کو خرید کر آزاد کرنا چاہے، تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کے مطابق ایسا کرنا جائز نہیں، جبکہ مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے۔ ۲

۱۔ الصنف الخامس: فی الرقاب:

وہم ثلاثة أضرب: الأول: المكاتبون المسلمون: فيجوز عند الجمهور الصرف من الزكاة إليهم، إعانة لهم على فك رقابهم ولم يجز ذلك مالک، كما لم يجز صرف شيء من الزكاة في اعتناق من انعقد له سبب حرية بغير الكتابة، كالتدبير والاستيلاء والتبعض.

فعلى قول الجمهور: إنما يعان المكاتب إن لم يكن قادراً على الأداء لبعض ما وجب عليه، فإن كان لا يجد شيئاً أصلاً دفع إليه جميع ما يحتاج إليه للوفاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۰، مادة "زكاة")

والصنف الخامس - في الرقاب: وہم عند الحنفية والشافعية: المكاتبون المسلمون الذي لا يجدون وفاء ما يؤدون، ولو مع القوة والكسب، لأنه لا يمكن الدفع إلى الشخص الذي يراد فك رقبته إلا إذا كان مكاتباً (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۲۔ الثاني: اعتناق الرقيق المسلم، وقد ذهب إلى جواز الصرف من الزكاة في ذلك المالكية وأحمد في رواية، وعليه فإن كانت الزكاة بيد الإمام أو الساعي جاز له أن يشتري رقبة أو رقاباً فيعتقهم، ولا يؤهم للمسلمين.

وكذا إن كانت الزكاة بيد رب المال فأراد أن يعتق رقبة تامة منها، فيجوز ذلك لعموم الآية (وفي الرقاب) ويكون ولاؤها عند المالكية للمسلمين أيضاً، وعند الحنابلة: ما رجع من الولاء رد في مثله، بمعنى أنه يشتري بما تركه المعتق ولا وارث له رقاب تعتق. وعند أبي عبيد: الولاء للمعتق. وذهب الحنفية والشافعية وأحمد في رواية أخرى إلى أنه لا يعتق من الزكاة، لأن ذلك كدفع الزكاة إلى القن، والقن لا تدفع إليه الزكاة، ولأنه دفع إلى السيد في الحقيقة، وقال الحنفية: لأن المعتق إسقاط ملك، وليس بتملك، لكن إن أعان من زكاته في اعتناق رقبة جاز عند أصحاب هذا القول من الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۰، مادة "زكاة")

ولو اشترى بالسهم عبيد، لم يكن الدفع إليهم، وإنما هو دفع إلى سادتهم، ولم يتحقق التملك المطلوب في أداء الزكاة، ويؤكد قوله تعالى: (وأتوهم من مال الله الذي آتاكم) وفسر ابن عباس في الرقاب بأنهم المكاتبون.

﴿بقية حاشية اے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملفوظ رہے کہ آج کل دنیا میں شرعی غلاموں کا وجود نایاب ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۸۸..... اگر کوئی شخص غلام تو نہیں ہے، اور وہ مسلمان ہے، لیکن وہ غیر مسلموں کے
قبضہ میں قید ہے، جیسا کہ جنگ کے موقع پر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی قید میں آ جائے، تو
حنفیہ سمیت بہت سے فقہائے کرام اس کی آزادی کے لئے زکاة خرچ کرنے کے جواز کے
قائل نہیں، البتہ حنابلہ اور بعض مالکیہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ۲۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال المالکیۃ والحنابلۃ: یشتري بسهمهم رقيق، فیعتق، لأن کل موضع ذکر في الرقبة، يراد بها
عتقها، والعتق والتحرير لا يكون إلا في القن (العبد الخالص العبودیۃ) كما فی الکفارات.
وشرط إعطاء المكاتب هو كونه مسلماً، محتاجاً (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج ۳ ص ۱۹۵،
الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ وبما أنه لا يوجد الآن في العالم رقيق، لإلغائه وتحريمه دولياً، فإن هذا السهم لا وجود له
حقیقة، وما قد يوجد ليس له طريق شرعی جائز (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج ۳ ص ۱۹۵،
الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۲۔ الثالث: أن یفتدی بالزکاة أسیراً مسلماً من أیدی المشرکین، وقد صرح الحنابلۃ وابن
حبیب وابن عبد الحكم من المالکیۃ بجواز هذا النوع، لأنه فك رقبة من الأسر، فیدخل فی الآیة
بل هو أولى من فك رقبة من بأیدینا. وصرح المالکیۃ بمنعہ (الموسوعة الفقهیة
الکویتیة، ج ۲۳، ص ۳۲۱، مادة "زکاة")

وأما فك الأسارى: فقال أصبغ وابن القاسم: لا يجوز صرف الزکاة فی فكاك الأسرى.
والمشهور عند المالکیۃ أنه لا تجزئ الزکاة فی فك أسیر، وهذا قول الحنفیۃ والشافعیۃ. وقال ابن
حبیب وابن عبد الحكم: يجوز، لأنها رقبة ملک بملک الرق، فهي تخرج من رق إلى عتق، وكان
ذلك أحق وأولی من فك الرقاب الذي بأیدینا، لأنه إذا كان فك المسلم عن رق المسلم عبادة،
وجائزاً من الصدقة، فأحرى وأولی أن يكون ذلك فی فك المسلم عن رق الکافر وذله. وهذا قول
الحنابلۃ (الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج ۳، ص ۲۰۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثامن)
خاتمة البحث: تبين من البحث أن مصرف فی الرقاب أحد مصارف الزکاة يشمل بإطلاقه تحرير
الأرقاء من الرق، ومعونة المكاتبین علی تحرير أنفسهم، وفكاك الأسرى المسلمین من قید الأسر
وأغلال الحبس فی بلاد الکفار.

وبما أن الرق انتهى ولله الحمد من العالم، فیمکن تخصيص جزء من الزکاة لفك الأسرى
المسلمین أخذاً بمذهب الإمام أحمد رضی الله عنه، لأنه فيه فك رقبة من الأسر.
كما یمکن إعانة الشعوب المستعمرة من مصرف الجهاد: فی سبیل الله لتتمكن من طرد
المستعمرین وتحرير البلاد من رجسهم، وتخليصهم من ویلات الاستعمار (الفقه الاسلامی وادلتہ
للزحیلی، ج ۳، ص ۲۰۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثامن)

(۶)..... غارمین (یعنی مقروض و مدیون لوگوں کو زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا چھٹا مصرف ”غارمین“ کو بیان کیا گیا ہے۔

اور ”غارمین“ غارم کی جمع ہے، جس کے معنی مقروض و دین دار کے آتے ہیں۔

آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱..... اگر کسی نے اپنی ضرورت و مصلحت کے لئے قرض لیا تھا، تو اس کو زکاۃ لینا جائز ہے، جبکہ وہ مسلمان ہو، اور حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اس کے پاس قرض کی ادائیگی کا انتظام نہ ہو، یا قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال نہ بچتا ہو۔

پس اگر کوئی مقروض ہے تو سونا، چاندی، تجارت کا مال، ضرورت سے زیادہ سامان کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض کو علیحدہ کرے، قرض نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور اگر قرض نکالنے کے بعد نصاب کے برابر مال باقی نہیں رہتا تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے۔ ۱

۱۔ وکل مدیون کان له نصاب فاضل عن وفاء دينه لا يجوز دفع الزكاة اليه عند ابي حنيفة و مالک و احمد خلافاً للشافعي في مدیون اذان في الطاعة (التفسير المظهری، ج ۳ ص ۲۳۸، سورة التوبة، رقم الآية ۶۰)

والصنف السادس - الغارمون - وهم المديون، سواء استدان المدين عند الشافعية والحنابلة لنفسه أم لغيره، وسواء أكان دينه في طاعة أم معصية. فإن استدان لنفسه لم يعط إلا إذا كان فقيراً، وإن استدان لإصلاح ذات البين ولو بين أهل ذمة، بسبب إتلاف نفس أو مال أو نهب، فيعطى من سهم الغارمين، ولو كان غنياً، لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغني إلا خمسة: لغاز في سبيل الله، أو لعامل عليهم، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله، أو لرجل له جار مسكين، فتصدق على المسكين، فأهدى المسكين إليه.

وقال الحنفية: الغارم: من لزمه دين، ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه .

وقال المالكية: الغارم: هو من فدحه الدين للناس في غير سفه ولا فساد، أى من ليس عنده ما يوفي به دينه، إذا كان الدين في غير معصية كشرب خمر وقمار، ولم يستدن لأخذ الزكاة، كأن يكون عنده ما يكفيه وتوسع في الإنفاق بالدين لأجل أن يأخذ من الزكاة، فلا يعطى منها، لأنه قصد مذموم، بخلاف فقير استدان للضرورة، نأياً الأخذ من الزكاة، فإنه يعطى قدر دينه منها لحسن قصده.

﴿بقية حاشیا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... اگر کسی نے اپنی ذاتی ضرورت کے لئے قرض لیا ہو، اور وہ اس وجہ سے مقروض ہو گیا ہو، تو فقہائے کرام کے نزدیک اس کو زکاة لینا جائز ہے۔

اور اگر کسی دوسرے (مثلاً بیوی) کی ضرورت کے لئے قرض لیا ہو، تو اس صورت میں بعض فقہاء کے نزدیک زکاة لینا جائز ہے، اور بعض کے نزدیک جائز نہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۴..... مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے مقروض کے لئے زکاة لینے کے جائز ہونے میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز و گناہ کے کام کے لئے نہ لیا ہو، اور اگر کسی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكن إن تاب من استدان لمعصية، أو بقصد ذميمة، فإنه يعطى على الأحسن (الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج ۳ ص ۹۵۸، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ الصنف السادس: الغارمون:

والغارمون المستحقون للزكاة ثلاثة أضرب:

الضرب الأول:

من كان عليه دين لمصلحة نفسه.

وهذا متفق عليه من حيث الجملة، ويشترط لإعطائه من الزكاة ما يلي:

۱- أن يكون مسلماً.

۲- أن لا يكون من آل البيت، وعند الحنابلة قول: بجواز إعطاء مدين آل البيت منها.

۳- واشترط المالكية أن لا يكون قد استدان لياخذ من الزكاة، كأن يكون عنده ما يكفيه وتوسع في الإنفاق بالدين لأجل أن يأخذ منها، بخلاف فقير استدان للضرورة ناوياً الأخذ منها.

۴- وصرح المالكية بأنه يشترط أن يكون الدين مما يحبس فيه، فيدخل فيه دين الولد على والده، والدين على المعسر، وخرج دين الكفارات والزكاة.

۵- أن لا يكون دينه في معصية، وهذا عند المالكية والشافعية والحنابلة، كأن يكون بسبب خمر، أو قمار، أو زنا، لكن إن تاب يجوز الدفع إليه، وقيل: لا. ورجح المالكية الأول، وعد الشافعية الإسراف في النفقة من باب المعصية التي تمنع الإعطاء من الزكاة.

۶- أن يكون الدين حالاً، صرح بهذا الشرط الشافعية، قالوا: إن كان الدين مؤجلاً ففي المسألة ثلاثة أقوال ثالثها: إن كان الأجل تلك السنة أعطى، وإلا فلا يعطى من صدقات تلك السنة.

۷- أن لا يكون قادراً على السداد من مال عنده زكوى أو غير زكوى زائد عن كفايته، فلو كان له دار يسكنها تساوى مائة وعلیه مائة، وتكفيه دار بخمسين فلا يعطى حتى تباع، ويدفع الزائد في دينه على ما صرح به المالكية، ولو وجد ما يقضى به بعض الدين أعطى البقية فقط، وإن كان قادراً على وفاء الدين بعد زمن بالاكتساب، فعند الشافعية قولان في جواز إعطائه منها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۱، مادة "زكاة")

ناجائز و گناہ کے کام کے لئے قرض لیا ہو، جیسے شراب نوشی یا نشہ کار کتاب کرنے یا جوا کھیلنے کے لئے یا شادی غمی کی ناجائز اور گناہ والی رسمیں پوری کرنے کے لئے، تو ایسے قرضدار یا مقروض کو زکاة نہیں دی جائے گی، تاکہ ناجائز و گناہ اور فضول خرچی کے کام کا تعاون لازم نہ آئے، اور اس کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک ہر طرح کے مقروض کو اپنی شرائط کے ساتھ زکاة دینا جائز ہوتا ہے، اور گناہ کے لئے قرض لینا اس کا اپنا طرز عمل شمار ہوتا ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی ایسا مقروض تھا کہ جس کو زکاة دینا جائز تھا، اور اس کو کسی کی طرف سے زکاة کا مال حاصل ہو گیا، اور پھر زکاة کا مال حاصل ہونے کے بعد اس شخص کو اس زکاة کے مال کی ضرورت نہیں رہی، مثلاً اس کا قرض کسی اور نے ادا کر دیا، یا قرض خواہ نے اس کو معاف کر دیا، تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کو پہلے سے حاصل شدہ زکاة کا وہ مال اپنے پاس رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۵..... اگر ایک شخص کا کسی غریب کے ذمہ قرض ہے، اور وہ یعنی قرض خواہ شخص قرض لیے بغیر اس غریب کے حق میں، اس قرض کو زکاة شمار کر لے، تو اس طرح زکاة ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں زکاة کے مال کا غریب کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا، بلکہ ایک طرح سے

۱۔ ذهب المالک والشافعیة فی المذهب والحنابلة إلى عدم إعطاء الزکاة للمستبدین فی معصیة کالخمر والقمار قبل التوبة لأن فی إعطائه إعانة له علی المعصیة. وأما الحنفیة فلا یشرطون فی دفع الزکاة إلى الغارم أن یکون دینه لطاعة أو مباح. وتعطى الزکاة لمن تاب فی الأصح عند الشافعیة لأن التوبة تجب ما قبلها، ومقابلہ لا تعطى لأنه ربما اتخذ ذلک ذریعة ثم یعود (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳۸ ص ۲۱۶، مادة ”معصیة“)

۲۔ وكذا إذا استغنى الفقیر یطیب له ما أخذه من الزکاة حالة فقره (تبیین الحقائق، ج ۵، ص ۱۷۴، کتاب المکاتب، باب موت المکاتب وعجزه وموت المولی) وكذلك الفقیر إذا تصدق علیه، ثم استغنى والصدقة قائمة لا بأس بأن یتناول تلك الصدقة (الفتاویٰ الهندیة، ج ۵، ص ۳۴۰، کتاب الکراهیة، الباب الحادی عشر فی الکراهة فی الأكل وما یتصل به)

قرض کا معاف کرنا پایا جاتا ہے۔ ۱

البتہ اگر وہ قرض خواہ شخص پہلے تو اس غریب کو زکاة کا مال زکاة ادا کرنے کی نیت سے فراہم کر دے، اور پھر اس سے اپنے قرض کے طور پر وہی مال واپس لے لے، تو اس طرح زکاة ادا ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ غریب اس مال کو قرض میں لوٹانے پر دل سے راضی نہ ہو، تب بھی اس سے جبراً اپنا قرض واپس لینا جائز ہوتا ہے۔ ۲

۱ إسقاط الدين لا يقع عن الزكاة: يعرب على اشتراط تملك الزكاة للفقراء ونحوهم أن المسامحة بالدين لا تجزئ عند الحنفية عن الزكاة، وإنما يجب إعطاء الزكاة للفقير، ويمكن استيفاء الدين منه بعد ذلك فيعطيه الزكاة، ثم بعد أن يستلمها يقول له: أعطني ديني، وكذلك أجاز الحنابلة الإعطاء للمدين ثم يستوفي منه حقه، ما لم يكن حيلة أي بأن شرط عليه أن يردها عليه من دينه. ولو اشترى بالزكاة طعاماً، فأطعم الفقراء غداء وعشاء، ولم يدفع عين المال إليهم لا يجوز، لعدم التملك، ولو دفع الزكاة للفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها بنفسه أو يقبضها له وليه أو وصيه.

ولو قضى دين ميت فقير بنية الزكاة، لم يصح عن الزكاة، لأنه لم يوجد التملك من الفقير، لعدم قبضه، لكن لو قضى دين فقير حي بأمره، جاز عن الزكاة، لوجود التملك من الفقير، لأنه لما أمره به، صار وكيلاً عنه في القبض، فصار كأن الفقير قبض الصدقة بنفسه، وملكها للغريم الدائن (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۹۸۰، ۹۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع) لا يجوز للدائن أن يسقط دينه عن مدينه الفقير المعسر الذي ليس عنده ما يسد به دينه ويحسبه من زكاة ماله. فإن فعل ذلك لم يجزئه عن الزكاة، وبهذا قال الحنفية والحنابلة والمالكية ما عدا أشهب، وهو الأصح عند الشافعية، وقول أبي عبيد. ووجه المنع أن الزكاة لحق الله تعالى، فلا يجوز للإنسان أن يصرفها إلى نفع نفسه أو إحياء ماله، واستيفاء دينه.

وذهب الشافعية في قول وأشهب من المالكية وهو منقول عن الحسن البصري وعطاء: إلى جواز ذلك، لأنه لو دفع إليه زكاته ثم أخذها منه عن دينه جاز، فكذا هذا. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۰، مادة "زكاة")

۲ وحيلة الجواز أن يعطى مدينه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المدينون مد يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه، فإن مانعه رفعه للقاضي (الدر المختار)

(قوله وحيلة الجواز) أي فيما إذا كان له دين على معسر، وأراد أن يجعله زكاة عن عين عنده أو عن دين له على آخر سيقبض (قوله أن يعطى مدينه الخ) قال في الأشباه وهو أفضل من غيره أي لأنه يصير وسيلة إلى براءة ذمة المدينون (قوله لكونه ظفر بجنس حقه) نقل العلامة البيري في آخر شرح الأشباه أن الدراهم والدنانير جنس واحد في مسألة الظفر (قوله فإن مانعه الخ) (رد المحتار، ج ۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)

اور اگر یہ خوف ہو کہ وہ غریب زکاة کا مال خود رکھ لے گا، اور اس کا قرض ادا نہیں کرے گا، یا اور کوئی وجہ ہو تو یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ اس غریب مقروض کو کہا جائے کہ تم کسی کو اپنی طرف سے اپنے لئے زکاة کا مال وصول کر کے اسے اپنا قرض ادا کرنے کا وکیل و نمائندہ بنادو، جب وہ ایسا کر دے، تو پھر اس مقروض مستحق کی طرف سے مقرر کردہ اس نمائندے کو اس مقروض مستحق کے لئے زکاة دی جائے، اور پھر اس نمائندہ سے وہی مال قرض کے طور پر واپس لے لیا جائے (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۶۰، کتاب الزکاة)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ اس مقروض سے کہا جائے کہ وہ کہیں سے قرض لا کر اپنا قرض ادا کرے، اور پھر یہی مال اس کو زکاة کی نیت سے دے دیا جائے، جس کے بعد وہ اس مال سے اپنا دوسرے سے لیا ہوا قرض ادا کر دے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۶..... بعض اوقات کسی غریب پر مالدار کا قرض ہوتا ہے، اور اس کی طرف سے ادائیگی نہیں ہوتی، تو مالدار آدمی اس قرض میں زکاة کی ادائیگی کی نیت کر لیتا ہے، اور اس کو اس نیت سے قرض سے سبکدوش کر دیتا ہے، اور اس طریقہ سے زکاة کی ادائیگی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔
حالانکہ اس طرح زکاة ادا نہیں ہوتی، بلکہ زکاة کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ غریب کو

۱۔ والحيلة إذا خاف ذلك ما في الأشباه، وهو أن يوكل المديون خادماً الدائن بقبض الزكاة ثم بقضاء دينه، فيقبض الوكيل صار ملكاً للموكل، ولا يسلم المال للوكيل إلا في غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدفع. اهـ. وفيها: إن كان للدائن شريك في الدين يخاف أن يشاركه في المقبوض، فالحيلة أن يتصدق الدائن بالدين ويهب المديون ما قبضه للدائن فلا مشاركة (قوله: ثم هو) أي الفقير يكفن والظاهر أن له أن يخالف أمره لأنه مقتضى صحة التملك كما سيأتي في باب المصرف بحثاً (رد المحتار، ج ۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)
فإن دفع الدائن زكاة ماله إلى مدينه فردها المدين إليه سداً لدينه، أو استقرض المدين ما يسد به دينه فدفعه إلى الدائن فرده إليه واحتسبه من الزكاة، فإن لم يكن ذلك حيلة، أو تواطؤاً، أو قصداً لإحياء ماله، جاز عند الجمهور، وهو قول عند المالكية.
وإن كان على سبيل الحيلة لم يجز عند المالكية والحنابلة، وجاز عند الشافعية ما لم يكن ذلك عن شرط واتفاق، بل بمجرد النية من الطرفين.

لكن صرح الحنفية بأنه لو وهب جميع الدين إلى المدين الفقير سقطت زكاة ذلك الدين ولو لم ينو الزكاة، وهذا استحسان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۰، مادة "زكاة")

باقاعدہ زکاة کا مال حوالہ کیا جائے، پھر اس کے بعد اس سے اس مال کو اپنے قرض میں واپس لے لیا جائے، یا کوئی دوسرا جائز طریقہ اختیار کیا جائے، جس کی تفصیل اس سے پہلے گزری۔ مسئلہ نمبر ۷..... اگر ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا، پھر اس قرض خواہ نے اپنے مقروض سے یہ کہا کہ آپ کی طرف میرے جواتنے پیسے قرض ہیں، ان کو آپ میری طرف سے غریبوں کو زکاة کے طور پر دیدیں، تو اس طرح بھی وکیل بنانا درست ہو جاتا ہے، اور وہ مقروض جب قرض خواہ کے کہنے کے مطابق اس قرض خواہ کی طرف سے زکاة ادا کر دے گا، تو اس طرح بھی اس قرض خواہ کی زکاة ادا ہو جائے گی، اور مقروض، قرض سے بھی بری ہو جائے گا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... اگر ایک شخص مالدار و امیر تھا، جس پر زکاة واجب تھی، اور اس کا کسی دوسرے شخص پر قرض تھا، پھر اس مالدار و امیر شخص نے کسی غریب کو اس دوسرے شخص سے اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنایا، اور ساتھ ہی یہ نیت کر لی، یا اس غریب کو زبان سے بھی کہہ دیا کہ وہ میرا حاصل کردہ قرض کا مال آپ کے لئے بطور زکاة کے ہے، تو اس طرح بھی زکاة ادا ہو جائے گی، اور یہ سمجھا جائے گا کہ گویا کہ اس امیر نے غریب کو یہ کہہ دیا کہ آپ میرا وہ قرض لے کر زکاة کے طور پر اپنے پاس رکھ لو۔ ۲

۱۔ وإذا قال لمديونه تصدق بالعشرة التي لي عليك على الفقراء عني أو قال كفر عن يميني بما لي عليك أو قال أد زكاة مالي من العشرة التي لي عليك تصح الوكالة بالاجماع (الفتاوى الهندية، ج ۳، ص ۶۲۳، كتاب الوكالة، فصل في أحكام التوكيل بتقاضى الدين وقبضه)
 ۲۔ ولو أمر فقيراً بقبض دين له على آخر نواه عن زكاة عين عنده جاز؛ لأن الفقير يقبض عينا فكان عيناً عن عين كذا في الولوالجية (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۸، شرائط اداء الزكاة)
 ولو أمر فقيراً بقبض دين له على آخر ونواه عن زكاة عين عنده جاز كذا في البحر الرائق، ولو وهب دينه من فقير ونوى زكاة دين آخر له على رجل آخر أو نوى زكاة عين له لم يجز كذا في الكافي (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)
 (فرع) لو أمر فقيراً بقبض دين له على آخر نواه عن زكاة عين عنده جاز لأن الفقير يقبض عينا فكان عينا (فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۶۸، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)
 ﴿بقیہ حاشیاء گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کوئی غریب شخص مقروض و مدیون ہے، پھر کسی مالدار شخص نے اس غریب مقروض کی اجازت سے زکاۃ کی رقم سے اس کا قرض ادا کر دیا، تو اس غریب کا قرض بھی ادا ہو جائے گا، اور اس امیر کی زکاۃ بھی ساتھ ہی ادا ہو جائے گی، اور ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ اس غریب نے زکاۃ کے مال کا مالک بن کر یہ کہا ہو کہ آپ اس مال سے میرا قرض ادا کر دو۔ اور اگر اس غریب مقروض شخص کی اجازت کے بغیر زکاۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کیا، تو پھر زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱

(۷)..... فی سبیل اللہ (یعنی اللہ کے راستہ میں زکاۃ دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاۃ کا ساتواں مصرف ”فی سبیل اللہ“ بیان کیا گیا ہے۔

اور ”سبیل اللہ“ کے معنی ”اللہ کے راستہ“ کے ہیں۔

آگے زکاۃ کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰..... فقہائے کرام کے نزدیک جو لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد و قتال کر رہے ہوں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بخلاف ما إذا أمر فقيراً بقبض دين له على آخر عن زكاة عين عنده فإنه يجوز لأنه عند قبض الفقير يصير عيناً فكان عيناً عن عين (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۷۱، کتاب الزکاۃ)

لو أمر فقيراً بقبض دين له من زكاة ماله جاز، لأنه قبض عيناً والعين تجوز عن العين والدين جميعاً، أما لو تصدق بمال على الذي هو له عليه دين وهو فقير جاز عن ذلك، ولم يجز عن العين، لأن في الوجه الأول أدى المال الناقص عن الناقص فيجوز، وفي الوجه الثاني أدى الناقص عن الكامل فلا يجوز (البنایة شرح الهدایة، ج ۳، ص ۴۶۳، دفع الزکاۃ الى الذمی)

۱۔ قال محمد رحمه الله في الأصل: إذا قضى دين غيره من زكاته، فإن قضى بأمر المديون وكان المديون فقيراً يجوز، وإن أدى بغير أمره لا يجوز؛ لأن المأخوذ على رب المال تملك المال والفقير، فإذا قضى بأمر المديون، أو كان المديون فقيراً يجوز، فقد وجد التملك منه؛ لأن تقدير الأمر بقضاء الدين، ولا يتصور قضاء الدين عنه إلا بعد تملك قدر الزكاة عنه ملكته قدر الزكاة، ثم كن وكيلى بقضاء ديني من ذلك، ولو قال: هكذا يجوز، وينوب قبض صاحب الدين عن قبض المديون، فإذا قضى بغير أمر المديون لم يوجد التملك منه؛ لأنه لم يرض بوقوع الملك له، فلا يمكن أن يجعل هذا تملكاً منه، فلذلك لا يخرج عن المهددة (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۳۲۱ و ۳۲۲، كتاب الزكاة، الفصل السابع عشر في المتفرقات)

وہ حدیث کی رو سے مصرف زکاۃ کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کا اصل مصداق ہیں۔

اور جو اس طرح کا مجاہد غنی و مالدار نہ ہو، بلکہ فقیر و مسکین ہو، تو اس کو تو زکاۃ کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر وہ فقیر و مسکین تو نہ ہو، بلکہ غنی و مالدار ہو، لیکن اس کے پاس جو مال ہو، وہ اس کے جہاد و قتال کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو، یا مثلاً اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے جہادی لشکر کے ساتھ جا کر مل سکے، تب بھی بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ایسے مجاہد کو زکاۃ دینا جائز ہوتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۴..... اگر جہاد و قتال کی ایسی ضروریات کے لئے مال کی ضرورت ہو کہ جن میں مجاہدین کو مال کا مالک نہیں بنایا جاتا، مثلاً سرحدوں کی تعمیر وغیرہ، یا اسلحہ کی خریداری کہ جس کو حکومت کی تحویل میں رکھ کر وقف کیا جائے، اور ضرورت پڑنے پر مالک بنائے بغیر مجاہدین

۱۔ البتہ بعض حنفیہ کے نزدیک مجاہد کو زکاۃ کے جواز کے لئے نقر شرط ہے۔

الصف السابع: فی سبیل اللہ. وهذا الصنف ثلاثة أضرب.

الضرب الأول: الغزاة فی سبیل اللہ تعالیٰ، والذین لیس لهم نصیب فی الدیوان، بل هم متطوعون للجهاد. وهذا الضرب متفق علیہ عند الفقهاء من حیث الجملة، فیجوز إعطاؤهم من الزکاۃ قدر ما یتجهزون به للغزو من مرکب وسلاح ونفقة وسائر ما یحتاج إلیہ الغازی لغزوه مدة الغزو وإن طالت.

ولا یشرط عند الجمهور فی الغازی أن یكون فقیراً، بل یجوز إعطاء الغنی لذلك، لأنه لا یأخذ لمصلحة نفسه، بل لحاجة عامة المسلمین، فلم یشرط فیہ الفقر.

وقال الحنفیة: إن كان الغازی غنیاً، وهو من یملك خمسين درهماً أو قیمتها من الذهب كما تقدم فی صنف الفقراء فلا یعطى من الزکاۃ، وإلا فیعطى، وإن كان کاسباً، لأن الکسب یقعده عن الجهاد. وعند محمد الغازی منقطع الحاج لا منقطع الغزاة.

وصرح المالکیة بأنه یشرط فی الغازی أن یكون ممن یجب علیہ الجهاد، لكونه مسلماً ذکراً بالغا قادراً، وأنه یشرط أن یكون من غیر آل البیت.

وأما جنود الجیش الذین لهم نصیب فی الدیوان فلا یعطون من الزکاۃ، وفی أحد قولین عند الشافعیة: إن امتنع إعطاؤهم من بیت المال لضعفه، یجوز إعطاؤهم من الزکاۃ (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۳۲۲، ۳۲۳، مادة "زکاۃ")

(قوله: وهو منقطع الغزاة) أى الذین عجزوا عن اللحق بجیش الإسلام لفقرهم بهلاك النفقة أو الدابة أو غیرهما فتحل لهم الصدقة وإن كانوا کاسبین إذ الکسب یقعدهم عن الجهاد قهستانی (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۲۳، کتاب الزکاۃ، باب مصرف الزکاۃ والعشر)

اور فوجیوں کے استعمال کرنے کے لئے دیا جائے، تو خفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک اس طرح کی ضروریات میں زکاة کا خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی، البتہ بعض فقہائے کرام اس کو ”فی سبیل اللہ“ ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔ ۱

۱۔ الضرب الثانی: مصالح الحرب

وهذا الضرب ذكره المالكية، فالصحيح عندهم أنه يجوز الصرف من الزكاة في مصالح الجهاد الأخرى غير إعطاء الغزاة، نحو بناء أسوار للبلد لحفظها من غزو العدو، ونحو بناء المراكب الحربية، وإعطاء جاسوس يتجسس لنا على العدو، مسلما كان أو كافرا. وأجاز بعض الشافعية أن يشتري من الزكاة السلاح وآلات الحرب وتجعل وقفا يستعملها الغزاة ثم يردونها، ولم يجزه الحنابلة.

وظاهر صنيع سائر الفقهاء - إذ قصرُوا سهم سبيل الله على الغزاة، أو الغزاة والحجاج، أنه لا يجوز الصرف منه في هذا الضرب، ووجهه أنه لا تملیک فيه، أو فيه تملیک لغير أهل الزكاة، أو كما قال أحمد: لأنه لم يؤت الزكاة لأحد، وهو مأمور بإيثارها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۳، مادة ”زكاة“)

يعطون لأنهم غزاة قال أصحابنا فعلى الأول يجب على أغنياء المسلمين إعانتهم قال المصنف والأصحاب ويعطى الغازى مع الفقر والغنى للحديث السابق ولأن فيه مصلحة للمسلمين قال أصحابنا ويعطى ما يستعين به على الغزو فيعطى نفقته وكسوته مدة الذهاب والرجوع والمقام فى الشغل وإن طال وهل يعطى جميع المؤنة أم ما زاد بسبب السفر فيه وجهان (أصحهما) الجميع وهو مقتضى كلام الجمهور ويجريان فى ابن السبيل ويعطى ما يشتري به الفرس إن كان يقاتل فارسا وما يشتري به السلاح وآلات القتال ويصير ذلك ملكا للغازى ويجوز أن يستأجر له الفرس والسلاح من مال الزكاة ويختلف الحال بكثرة المال وقلته فإن كان يقاتل راجلا لم يعط للفرس شيئا ويعطى ما يحمل عليه الزاد ويركبه فى الطريق إن كان ضعيفا أو كان السفر مسافة القصر قال أصحابنا ويسلم الإمام إلى الغازى ثمن الفرس والسلاح والآلات ثم الغازى يشتريها قال القاضى أبو الطيب والأصحاب فلو استأذنه الإمام فى شراها له بمال الزكاة فأذن جاز فلو أراد الإمام أن يشتري ذلك بمال الزكاة ويسلمه إلى الغازى بغير إذنه هل يجوز فيه وجهان (أحدهما) لا يجوز بل يتعين تسليم مال الزكاة إلى الغازى أو إذنه وبه قطع جماعة من العراقيين وهو ظاهر عبارة آخرين منهم (وأصحهما) يجوز وهو الذى صححه الخراسانيون وتابعهم الرافعى على تصحيحه وقطع به جماعة منهم قال الخراسانيون الإمام بالخيار إن شاء سلم الفرس والسلاح والآلات إلى الغازى أو ثمن ذلك تملیکاً له فيملكه وإن شاء استأجر ذلك له.

وإن شاء اشترى من سهم سبيل الله سبحانه وتعالى أفراسا وآلات الحرب وجعلها وقفا فى سبيل الله ويعطيهم عند الحاجة ما يحتاجون إليه ثم يردونه إذا انقضت حاجتهم وتختلف المصلحة فى ذلك بحسب قلة المال وكثرته (وأما) نفقة عيال الغازى فقال الرافعى فى بعض شروح المفتاح أنه يعطى

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... جس شخص پر حج فرض ہو، اور اس کے پاس حج کے اخراجات موجود نہیں، تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ایسے شخص کو زکاة دینا جائز نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ شخص فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل نہیں، جبکہ بعض فقہاء ایسے شخص کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل کرتے ہوئے، اس کے لئے زکاة کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کوئی دین کا طالب علم ہو، اور اس کو علم حاصل کرنے کے لئے مال کی ضرورت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نفقته و نفقة عیالہ ذہابا و مقاما و رجوعا قال و سکت المعظم عن نفقة العیال و لكن إعطاؤه إياها ليس بعيدا كما ينظر فی استطاعة الحج إلى نفقة العیال فيعتبر غناه لعیالہ كنفسه والله تعالى أعلم (المجموع شرح المذهب، ج ۶ ص ۲۱۳، ۲۱۴، باب قسم الصدقات)

۱۔ الضرب الثالث: الحجاج:

ذهب جمهور العلماء (الحنفية والمالكية والشافعية والثوري وأبو ثور وابن المنذر وهو رواية عن أحمد، وقال ابن قدامة: إنه الصحيح) إلى أنه لا يجوز الصرف في الحج من الزكاة، لأن سبيل الله في آية مصارف الزكاة مطلق، وهو عند الإطلاق ينصرف إلى الجهاد في سبيل الله تعالى، لأن الأكثر مما ورد من ذكره في كتاب الله تعالى قصد به الجهاد، فتحمل الآية عليه.

وذهب أحمد في رواية، إلى أن الحج في سبيل الله فيصرف فيه من الزكاة، لما روى أن رجلا جعل ناقته في سبيل الله، فأرادت امرأته أن تحج، فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم: فهلا خرجت عليه فإن الحج من سبيل الله فعلى هذا القول لا يعطى من الزكاة من كان له مال يحج به سواها، ولا يعطى إلا لحج الفريضة خاصة، وفي قول عند الحنابلة: يجوز حتى في حج التطوع.

وينقل عن بعض فقهاء الحنفية أن مصرف في سبيل الله هو لمنقطع الحجاج.

إلا أن مرید الحج يعطى من الزكاة عند الشافعية على أنه ابن سبيل كما يأتي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۳، مادة "زكاة")

والحج عند الحنابلة وبعض الحنفية من السبيل، فيعطى مرید الحج من الزكاة، لما روى أبو داود عن ابن عباس: أن رجلا جعل ناقه في سبيل الله، فأرادت امرأته الحج، فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم: اركبيها، فإن الحج من سبيل الله فيأخذ مرید الحج من الزكاة إن كان فقيراً، ما يؤدى به فرض حج أو فرض عمرة، أو يستعين به في أداء الفرضين، لأنه يحتاج إلى إسقاط الفرض. وأما التطوع فله عنه مندوحة (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

(قوله: وقيل الحجاج) أى منقطع الحجاج. قال في المغرب: الحجاج بمعنى الحجاج كالسامر بمعنى السمار في قوله تعالى (سامرا تهجرون) وهذا قول محمد والأول قول أبي يوسف اختاره المصنف تبعا للكنز. قال في النهر: وفي غاية البيان أنه الأظهر وفي الإسيجاني أنه الصحيح (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۳۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

ہو، اور اس ضرورت کو پوری کرنے کا اس کے پاس انتظام نہ ہو، اور جو مال اس کے پاس موجود ہو، وہ اس کے لئے کافی نہ ہو، تو بعض حضرات اس کو زکاۃ دینا جائز قرار دیتے ہیں۔ ۱۔ مسئلہ نمبر ۵..... اہل حق علماء کی زیر نگرانی دینی مدارس و جامعات دین کی اشاعت اور بقاء اور دین کی حفاظت کا ذریعہ ہیں (اور زکاۃ کا اس وقت میں عمدہ مصرف ہیں) ان حالات میں ان کے ساتھ تعاون بہت بڑی نیکی ہے اور ان کی طرف سے کسی کی زکاۃ یا صدقہ وغیرہ قبول کر لینا، دینے والے کی نیک بختی اور خوش نصیبی ہے نہ کہ ان پر کوئی احسان ہے، مسلمان کی سعادت اور خوش بختی کی نشانی یہ ہے کہ از خود ان کو اپنا مال پیش کرے۔

لیکن اس سلسلہ میں اچھی طرح دیکھ بھال کر لینی چاہئے، کیونکہ آج کل بعض لوگوں نے دینی مدارس اور جامعات کے نام پر چندہ جمع کرنے کا کاروبار بنالیا ہے، لہذا ہر کس و ناکس کو مدرسہ اور جامعہ کے نام پر چندہ دینے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۶..... مساجد وغیرہ کی تعمیر میں زکاۃ خرچ کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی غریب مستحق کو باقاعدہ مالک بنا کر زکاۃ دے دی گئی، اور پھر وہ باقاعدہ مالک بن کر اپنی خوشی سے اس مال کو مسجد کی تعمیر میں صرف کرے، تو اس میں حرج نہیں۔ ۲۔

۱۔ (قوله: وقيل طلبة العلم) كذا في الظهيرية والمرغيباني واستبعده السروجي بأن الآية نزلت وليس هناك قوم يقال لهم طلبة علم قال في الشرنبلالية: واستبعده بعيد؛ لأن طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبي - صلى الله عليه وسلم - لتلقى الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصاً وقد قال في البدائع في سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً. اهـ (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعش)

۲۔ (قوله: لا إلى بناء مسجد . . إلخ) الحيلة في جواز مثله أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى ذلك الوجه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذا التقرب كما في البحر عن المحيط (درر الأحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱ ص ۱۸۹، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

جهات الخير من غير الأصناف الثمانية: ذهب الفقهاء إلى أنه لا يجوز صرف الزكاة في جهات الخير غير ما تقدم بيانه، فلا تنشأ بها طريق، ولا يبنى بها مسجد ولا قنطرة، ولا تشق بها ترعة، ولا يعمل بها سقاية، ولا يوسع بها على الأصناف، ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... آج کل جو بعض لوگ ”فی سبیل اللہ“ کا مفہوم عام لے کر ہر کارِ خیر یا رفاہی کاموں میں زکاة کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، جن میں کہ غریبوں کو زکاة کا مالک نہیں بنایا جاتا، یہ درست نہیں ہے۔ ۱۔

(۸)..... ابنِ السبیل (یعنی مسافر کو زکاة دینے کے احکام)

سورہ توبہ کی آیت میں زکاة کا آٹھواں اور آخری مصرف ”ابن السبیل“ کو بیان کیا گیا ہے۔ عربی لغت میں ”سبیل“ راستہ کو کہا جاتا ہے، اور ”ابن“ بیٹے کو کہا جاتا ہے، اور ابنِ السبیل مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ راستہ پر سفر کر رہا ہوتا ہے۔ ۲۔ آگے زکاة کے اس مصرف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱..... جو مسافر ایسا ہو کہ وہ اپنے شہر یا جائے اقامت سے باہر ہو، خواہ شرعی مسافت پر ہو، یا اس سے کم پر، اور اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہ ہو، اور جتنا مال اس کے ساتھ ہو، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھرتک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی نہیں، تو اس کو اپنی ضرورت کے بقدر زکاة لینا جائز ہے، تاکہ وہ بخیر و عافیت اپنے شہر یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولم یصح فیہ نقل خلاف عن معین یعتد بہ، وظاہر کلام الرملی أنه إجماع، واحتجوا لذلك بأمرين: الأول: أنه لا تملك فیها، لأن المسجد ونحوه لا يملك، وهذا عند من يشترط فی الزكاة التملك. والثاني: الحصر الذي فی الآية، فإن المساجد ونحوها ليست من الأصناف الثمانية، وفي الحديث المتقدم الذي فيه: إن الله جعل الزكاة ثمانية أجزاء. ولا يثبت مما نقل عن أنس وابن سيرين خلاف ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۸، ۳۲۹، مادة ”زكاة“)

۱۔ رأى أكثرية أعضاء المجلس الأخذ بقول جمهور العلماء من مفسرين ومحدثين وفقهاء من أن المراد بقوله تعالى: (وفي سبيل الله) الغزاة المتطوعون بغزوهم، وما يلزم لهم من استعداد، وإذا لم يوجدوا صرفت الزكاة كلها للأصناف الأخرى، ولا يجوز صرفها في شيء من المرافق العامة إلا إذا لم يوجد لها مستحق من الفقراء والمساكين وبقية الأصناف المنصوص عليهم في الآية الكريمة (أبحاث هيئة كبار العلماء بالملكة العربية السعودية، ج ۱ ص ۹۸، وفي سبيل الله، قرار الهيئة، قرار رقم ۲۳ وتاريخ: ۱۳۹۴/۸/۲۱هـ)

۲۔ الصنف الثامن: ابن السبيل: سمي بذلك لِمَلازمته الطريق، إذ ليس هو في وطنه لياوئى إلى سكن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۲، مادة ”زكاة“)

جائے اقامت تک پہنچ سکے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۴..... جس مسافر کو زکاة دینا جائز ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کے شہر یا جائے اقامت میں بھی اس کی ملکیت میں مال نہ ہو، بلکہ اگر اس کی ملکیت میں اس کے شہر یا جائے اقامت میں اتنا مال موجود ہو کہ جو نصاب کے بقدر یا اس سے کہیں زیادہ بن جاتا ہو، تب بھی اس کو زکاة دینا جائز ہے۔

اور بہت سے فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسافر بنو ہاشم نہ ہو، جس کی تفصیل ہم نے آگے تحقیقی مسائل میں ذکر کر دی ہے۔ ۲

اور اگر کسی کے پاس سفر میں نصاب کے بقدر مال ہے، یا اس کے پاس جتنا مال ہے، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی ہے، اور وہ اپنے شہر یا جائے اقامت میں صاحبِ نصاب ہے، تو اس کو زکاة لینا جائز نہیں۔ ۳

۱ (لانه لا يقدر على الوصول الى ماله فلم يكن في يده)

وهذا الصنف ضربان: الضرب الأول: المتغرب عن وطنه الذي ليس بيده ما يرجع به إلى بلده: وهذا الضرب متفق على أنه من أصحاب الزكاة، فيعطى ما يوصله إلى بلده، إلا في قول ضعيف عند الشافعية: أنه لا يعطى، لأن ذلك يكون من باب نقل الزكاة من بلدها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۴، مادة "زكاة")

(ومنها ابن السبيل) وهو الغريب المنقطع عن ماله كذا في البدائع. جاز الأخذ من الزكاة قدر حاجته، ولم يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

۲ ولا يعطى من الزكاة إلا بشروط: الشرط الأول: أن يكون مسلماً، من غير آل البيت. الشرط الثاني: أن لا يكون بيده في الحال مال يتمكن به من الوصول إلى بلده وإن كان غنياً في بلده، فلو كان له مال مؤجل أو على غائب، أو معسر، أو جاحد، لم يمنع ذلك الأخذ من الزكاة على ما صرح به الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۴، ۳۲۵، مادة "زكاة") يعطى ابن السبيل ما يبلغ به مقصده، إذا كان محتاجاً في سفره، ولو كان غنياً في وطنه (الفقه الاسلامي وادلتاه للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع) ۳ (لانه قادر على الوصول الى ماله فكأنه في يده)

قوله تعالى وَأَبْنِ السَّبِيلِ وهو المسافر فاعلم ان المسافر اما ان يكون مالكا لنصاب يمنع اخذ الزكاة اولا وعلى الثاني يعطى له الزكاة اتفاقا سواء كان في أثناء السفر او مريدا للسفر كمن لم يكن ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸۸..... جس مسافر کو زکاة دینا جائز ہے، اس کے لئے مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اس کا سفر گناہ والا نہ ہو، بلکہ جائز یا عبادت والا سفر ہو، جیسا کہ حج کا سفر یا والدین کی اطاعت کے لئے سفر، یا علماء و صالحین کی زیارت کے لئے سفر، یا اپنی معاشی ضرورت اور تجارت یا ملازمت وغیرہ کے لئے سفر۔

اور اگر اس کا سفر گناہ والا ہو، جیسا کہ چوری یا کسی کو جانی و مالی نقصان پہنچانے وغیرہ کی غرض سے سفر، تو پھر ان حضرات کے نزدیک ایسے شخص کو زکاة دینا جائز نہیں، کیونکہ اس میں ایک طرح سے اس کا گناہ میں تعاون کرنا پایا جاتا ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک زکاة جائز ہونے کے لئے اس مذکورہ شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسافرا لكونه فقيرا وعلى التقدير الاول إن كان له مال في يده بقدر النصاب وبقدر ما يبلغ بلدًا يريد دخوله لا يعطى له الزكاة اتفاقا سواء كان في أثناء السفر أولا وإن كان له مال كثير في وطنه لا معه وهو في أثناء السفر فقير يدا ليس عنده ما يبلغ نصابا ولا ما يبلغ به وطنه الذى فيه ماله يعطى له الزكاة اتفاقا وهو المراد بابن السبيل في هذه الآية عند أبى حنيفة رحمه الله فالفقير المعتبر لا باحة أخذ الزكاة هو الفقير يدا فمالكية المال لا ينافى جواز أخذ الزكاة إن لم يكن المال في يده فالمقيم في الوطن الذى له مال في وطنه بمنزلة ابن السبيل والدائن الذى مديونه مقر مفلس كابن السبيل كذا في المحيط وإن كان له مال كثير في وطنه وعنده مال قليل لا يبلغ نصابا لكن يمكن أن يبلغ به مكانه الذى فيه ماله لا يجوز له أخذ الزكاة اتفاقا لأنه قادر على الوصول الى ماله فكانه في يده وإن كان له مال في يده يبلغ نصابا لكن ليس بقدر ما يقطع به المسافة المقصورة سواء هو في أثناء السفر أو هو يريد للسفر وسواء كان له مال بعيد منه أو لا يكون لا يجوز له أخذ الزكاة عند أبى حنيفة وقال الشافعى يجوز لأبى حنيفة أن المبيح لأخذ الزكاة إنما هو الفقر وهو ليس بفقر وقال الشافعى إرادة السفر أيضا مبيح لأخذ الزكاة إن لم يكن عنده ما يقطع به السفر لأن ابن السبيل صنف آخر غير الفقير لا يعتبر فيه الفقر والله اعلم (التفسير المظهرى، ج ۴ ص ۲۳۹، تحت آيت ۶۰ من سورة التوبة)

۱۔ الشرط الثالث: أن لا يكون سفره لمعصية، صرح بهذا الشرط المالكية والشافعية والحنابلة، فيجوز إعطاؤه إن كان سفره لطاعة واجبة كحج الفرض، وبر الوالدين، أو مستحبة كزيارة العلماء والصالحين، أو كان سفره لمباح كالمعاشات والتجارات، فإن كان سفره لمعصية لم يجز إعطاؤه منها لأنه إعانة عليها، ما لم يتب، وإن كان للنزهة فقط ففيه وجهان عند الحنابلة: أقوالهما: أنه لا يجوز، لعدم حاجته إلى هذا السفر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۲، ۳۲۵، مادة "زكاة")

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... جس مسافر کو زکاة لینا جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ اپنے شہر میں مالدار ہو، تو اس کو سفر میں قرض حاصل نہ ہو سکتا ہو، اور اگر اس کو سفر میں قرض حاصل کر کے ضرورت پوری کرنے کا سامان ہو سکتا ہو، تو پھر مالکیہ کے نزدیک ایسے مسافر کو زکاة لینا جائز نہیں۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اگر مسافر کو بآسانی قرض حاصل کر کے اپنی ضرورت پوری کرنا ممکن ہو، تو اس کو زکاة لینے کے بجائے قرض لینا بہتر ہے، اگرچہ اسے زکاة لینا بھی جائز ہے۔ اور مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مسافر کو بہر حال لینا جائز ہے، اور اسے قرض لینا واجب یا افضل نہیں ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۵..... جو شخص اپنے شہر میں ہو، اور وہ کوئی ضروری یا ایسا سفر کرنا چاہتا ہے کہ جو گناہ پر مشتمل نہیں ہے، اور وہ مالدار بھی ہے، مگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ جس سے سفر کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن ابن السبيل لا يعطى من الزكاة إن خرج في معصية كقطع الطريق ونحوه. وأما الحنفية فلا يشترطون لإعطاء الزكاة ابن السبيل عدم المعصية بسفره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸، ص ۲۱۵، مادة "معصية")

۱۔ الشرط الرابع: وهو للمالكية خاصة: أن لا يجد من يقرضه إن كان ببلده غنيا.

ولا يعطى أهل هذا الضرب من الزكاة أكثر مما يكفيه للرجوع إلى وطنه، وفي قول للحنابلة: إن كان قاصدا بلدا آخر يعطى ما يوصله إليه ثم يردّه إلى بلده.

قال المالكية: فإن جلس ببلد الغربة بعد أخذه من الزكاة نزعت منه ما لم يكن فقيرا ببلده، وإن فضل معه فضل بعد رجوعه إلى بلده نزع منه على قول عند الحنابلة.

ثم قد قال الحنفية: من كان قادرا على السداد فالأولى له أن يستقرض ولا يأخذ من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۲، ۳۲۵، مادة "زكاة")

اتفق الفقهاء على أن ابن السبيل إذا أراد الرجوع إلى بلده ولم يجد ما يتبلغ به يعطى من الزكاة والغنيمة والفيء حسب حاجته، ولا يحل له ما زاد عن ذلك.

والأولى له عند الحنفية أن يستقرض إن تيسر له ذلك. وأوجه المالكية إذا لم يكن فقيرا في بلده. وخالف في هذا الحنابلة والشافعية في المعتمد، حيث لا يقولون بوجوب الاستقراض ولا بأولويته

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۹۰، مادة "ابن السبيل")

والأولى له أن يستقرض إن قدر ولا يلزمه ذلك لجواز عجزه عن الأداء (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۳۴۳، باب مصرف الزكاة والعشر)

ضروریات کا انتظام ہو سکے، تو اس کو زکاة لینا جائز نہیں۔ ۱۔
 مسئلہ نمبر ۶..... اگر کوئی شخص سفر میں تو نہیں ہے، بلکہ اپنے وطن اور گھر میں ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال تو ہے، مگر وہ دوسرے پر قرض و دین ہے، اور اس قرض و دین کی ادائیگی میں ابھی وقت باقی ہے، یا جس پر اس کا قرض و دین ہے، وہ تنگ دست ہے، اور اس کا قرض و دین ادا کرنے پر قادر نہیں، اور خود اس شخص کے قبضہ میں جتنا مال ہے، وہ نصاب کے بقدر نہیں، اور اس کو اس حال میں کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ضرورت پیش آگئی ہے، اور اس ضرورت کے پوری کرنے کے لئے اس کے ہاتھ میں مال نہیں ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو بھی مسافر کا حکم حاصل ہوتے ہوئے بقدر ضرورت زکاة کا لینا جائز ہے، مگر یہ شرط ضروری ہے کہ وہ زکاة کا مال صرف ضرورت کے بقدر لے، اور ایسے شخص کو ضرورت سے زیادہ زکاة کا مال لینا جائز نہیں۔ ۲۔

۱۔ البتہ ”الموسوعة الفقهية الكويتية“ کی عبارت کے مطابق شافعیہ کے نزدیک ایسے مسافر کو زکاة دینا جائز ہے، جبکہ اس کے پاس سفر کے اخراجات کے بقدر مال نہ ہو، اور اس کا سفر گناہ والا بھی نہ ہو، پس اس بناء پر ان کے نزدیک جو شخص حج کرنا چاہتا ہے، اور اس کے پاس اس سفر کی ضروریات کو پورا کرنے کے بقدر مال نہیں ہے، تو اسے اپنے سفر حج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے زکاة لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

الضرب الثاني: من كان في بلده ويريد أن ينشء سفراً: فهذا الضرب منع الجمهور إعطاءه، وأجاز الشافعية إعطاءه لذلك بشرط أن لا يكون معه ما يحتاج إليه في سفره، وأن لا يكون في معصية، فعلى هذا يجوز إعطاء من يريد الحج من الزكاة إن كان لا يجد في البلد الذي ينشء منه سفر الحج ما لا يحج به.

والحنفية لا يرون جواز الإعطاء في هذا الضرب، إلا أن من كان ببلده، وليس له ببلده مال يتفق منه وله مال في غير بلده، لا يصل إليه، رأوا أنه ملحق بابن السبيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۵، مادة ”زكاة“)

۲۔ ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا حکم مال سے دور یا مال پر قادر نہ ہونے اور ضرورت و حاجت پیش آنے کی صورت میں بقدر ضرورت اخذ زکاة و صدقات کا ہے، جہاں تک ملکیت میں موجود مال پر وجوب زکاة کا تعلق ہے، تو وہ اپنی شرائط کے ساتھ الگ واجب ہے، اگر کوئی اس وقت قادر نہیں، تو بعد میں ادا کر دے، اور اس پر شبہ کا جواب پیچھے ”مال پر مطلق یا مکمل ملکیت کا قائم ہونا“ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

السبيل الطريق. وابن السبيل المسافر الذي انقطع به الطريق، وأوسع ما قيل في تعريفه الاصطلاحی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷..... جس مسافر کو زکاة لینا جائز تھا، اگر اس نے اس حالت میں زکاة کا مال لیا تھا، اور پھر وہ بخیر و عافیت اپنے وطن پہنچ گیا، لیکن اس کی ملکیت میں زکاة کی مد میں لیا ہوا کچھ مال باقی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو اس مال کا استعمال کرنا جائز ہے، اور اس مال کا اس پر

﴿گزشتہ صفحے کا نتیجہ حاشیہ﴾ اُنہ: المنقطع عن ماله سواء كان خارج وطنه أو بوطنه أو مارا به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۹۰، مادة "ابن السبيل")

والحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۲۱، كتاب الزكاة، باب في بيان احكام المصروف)

والحق به كل من هو غائب عن ماله، وإن كان في بلده، لأن الحاجة هي المعبرة (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

(قوله: من له مال لا معه) أى سواء كان هو في غير وطنه أو في وطنه وله ديون لا يقدر على أخذها كما في النهر عن النقاية لكن الزبلي جعل الثاني ملحقا به حيث قال: والحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده، لأن الحاجة هي المعبرة وقد وجدت، لأنه فقير يدا وإن كان غنيا ظاهرا. اهـ. وتبعه في الدرر والفتح وهو ظاهر كلام الشارح.

وقال في الفتح أيضا: ولا يحل له أى لابن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجته (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۳۳۳، ۳۳۴، باب مصرف الزكاة والعشر)

(قوله وابن السبيل) وفي جوامع الفقه هو الغريب الذي ليس في يده شيء وإن كان له مال في بلده ومن له ديون على الناس ولا يقدر على أخذها لغيبهم أو لعدم البينة أو لإعساره أو لتأجيله يحل له أخذها وقوله في الكتاب وهو في مكان لا شيء فيه وقول العتابي هو الغريب الذي ليس في يده شيء ليس نفى الشيء على إطلاقه أو عموم بل المراد شيء لا يكفيه لرجوعه إلى وطنه يؤيده ما ذكره في قنية السنية ابن السبيل له ما يكفيه في معيشته وزاد يكفيه إلى وطنه لا يجوز دفع الزكاة إليه. اهـ.

غاية) حاشية الشلبی علی التبیین، ج ۱، ص ۲۹۸، کتاب الزکاة، باب المصروف)

وَأَبْنُ السَّبِيلِ وهو المسافر المنقطع عن ماله. والاستقراض له خير من قبول الصدقة على ما في الظهيرية. وفي فتح القدير أنه لا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته، والحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده. وفي المحيط وإن كان تاجرا له دين على الناس لا يقدر على أخذه ولا يجد شيئا يحل له أخذ الزكاة لأنه فقير يدا كابن السبيل. وفي الخانية تفصيل في هذا المقام قال: والذي له دين مؤجل على إنسان إذا احتاج إلى النفقة يجوز له أن يأخذ من الزكاة قدر كفايته إلى حلول الأجل، وإن كان الدين غير مؤجل فإن كان من عليه الدين معسرا يجوز له أن يأخذ الزكاة في أصح الأقاويل لأنه بمنزلة ابن السبيل، وإن كان المدين موسرا معترفا لا يحل له أخذ الزكاة وكذا إذا كان جاحدا وله عليه بينة عادلة، وإن لم تكن عادلة لا يحل له الأخذ أيضا ما لم يرفع الأمر إلى القاضى فيحلفه فإذا حلفه يحل له الأخذ بعد ذلك اهـ. والمراد من الدين ما يبلغ نصابا كما لا يخفى. وفي فتح القدير ولو دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصابا وهو موسر بحيث لو

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صدقہ کرنا یا واپس لوٹنا ضروری نہیں۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۸..... جس مسافر کو زکاة دینا جائز ہے، اس کو مالِ غنیمت، اور مالِ فنی کا خمس دینا بھی جائز ہے۔ ۲۔

اور مالِ غنیمت و مالِ فنی کی حقیقت ہم نے آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں بنو ہاشم و سید کو زکاة دینے کے حکم میں ذکر کر دی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

تنبیہ (آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور کو زکاة دینے کی ممانعت)

قرآن مجید میں زکاة کے جو آٹھ مصارف ذکر کئے گئے ہیں، اور ان کی تفصیل پیچھے بیان کی گئی، ان کے علاوہ کسی اور کو زکاة دینا جائز نہیں۔

اسی وجہ سے زکاة کا مال مساجد کی تعمیر اور رفاہی کاموں میں لگانا جائز نہیں، جہاں کہ غریبوں کو

﴿گزشتہ صفحے کا قیہ حاشیہ﴾ طلبت أعطاهما لا یجوز، وإن کان بحیث لا یعطى لو طلبت جازاھ۔ وھو مقید لعموم ما فی الخانیة، والمراد من المھر ما تعورف تعجیلہ لأن ما تعورف تأجیلہ فھو دین مؤجل لا یمنع أخذ الزکاة، ویكون فی الأول عدم إعطائہ بمنزلۃ إعسارہ، ویفرق بینہ و بین سائر الدیون بأن رفع الزوج للقاضی مما ینبغی للمرأة بخلاف غیرہ، لکن فی البزازیة دفع الزکاة إلی أختہ وھی تحت زوج إن کان مہرھا المعجل أقل من النصاب أو أكثر لکن الزوج معسر لہ أن یدفع إلیھا الزکاة وإن کان موسرا والمعجل قدر النصاب لا یجوز عندهما وبہ یفتی للاحتیاط، وعند الإمام یجوز مطلقا هذا (روح المعانی، ج ۵ ص ۳۱۳، تحت آیت ۶۰ من سورة التوبة)

۱۔ ثم لا یلزمہ أن یتصدق بما فضل فی یدہ عند قدرته علی مالہ کالفقیر إذا استغنی کذا فی التبین (الفتاویٰ الہندیة، ج ۱ ص ۱۸۸، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف) ولا یلزمہ التصدق بما فضل فی یدہ عند قدرته علی مالہ کالفقیر إذا استغنی والمکاتب إذا عجز۔ وعندہما من مال الزکاة لا یلزمھا التصدق اھ۔ قلت: وھذا بخلاف الفقیر فإنه یحل لہ أن يأخذ أكثر من حاجتہ وبھذا فارق ابن السبیل کما أفادہ فی الذخیرة (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲ ص ۳۲۲، باب مصرف الزکاة والعشر)

۲۔ اتفق الفقہاء علی أن ابن السبیل إذا أراد الرجوع إلی بلدہ ولم یجد ما یتبلغ بہ یعطى من الزکاة والغبیمة والفیء حسب حاجتہ، ولا یحل لہ ما زاد عن ذلک۔ والأولی لہ عند الحنفیة أن یتسرع إن یتسرع لہ ذلک۔ وأوجبہ المالکیة إذا لم یکن فقیرا فی بلدہ۔ وخالف فی هذا الحنابلہ والشافعیة فی المعتمد، حیث لا یقولون بوجوب الاستقراض ولا بأولیتہ (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۱ ص ۱۹۰، مادة "ابن السبیل")

زکاة کے مال کا مالک بنانا نہیں پایا جاتا، اور مالک بنائے بغیر زکاة کے ناجائز ہونے کے احکام کی مزید تفصیل آگے ”زکاة بغیر معاوضہ کے مالکانہ طور پر دینے کے احکام“ میں آتی ہے۔ ۱۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

۱۔ معارف القرآن میں ہے کہ:

”جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکاة کے معینہ اٹھ مصارف میں بھی زکاة کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکاة پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دینے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکاة ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکاة کو مساجد یا مدارس یا شفا خانے یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا ناجائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے، جو مصرف زکاة ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکاة اس سے ادا نہیں ہوتی۔ البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا اور وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکاة صرف ہو سکتی ہے، اسی طرح شفا خانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے، اس کی قیمت رقم زکاة میں محسوب ہو سکتی ہے، اسی طرح فقہائے امت کی تصریحات ہیں کہ لا وارث میت کا کفن رقم زکاة سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکاة کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لا وارث میت کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے، تو اس قرض کو رقم زکاة سے براہ راست ادا نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکاة ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفقاء عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکاة کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکاة کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہائے امت متفق ہیں (معارف القرآن ج ۴، ص ۴۰۹، سورہ توبہ، آیت ۶۰، پارہ ۱۰)

هل تعطى الزكاة لغير هذه الأصناف؟ اتفق جماهير فقهاء المذاهب على أنه لا يجوز صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى من بناء المساجد والجسور والقناطر والسقايات وكري الأنهار وإصلاح الطرقات، وتكفين الموتى، وقضاء الدين، والتوسعة على الأضياف، وبناء الأسوار وإعداد وسائل الجهاد، كصناعة السفن الحربية وشراء السلاح، ونحو ذلك من القرب التي لم يذكرها الله تعالى مما لا تملك فيه، لأن الله سبحانه وتعالى قال: (إنما الصدقات للفقراء) (وكلمة إنما للحصر والإثبات، تثبت المذكور وتنفي ماعداه، فلا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه، لأنه لم يوجد التملك أصلاً. لكن فسر الكسائي في البدائع سبيل الله بجميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً، لأن في سبيل الله عام في الملك، أي يشمل عمارة المساجد ونحوها مما ذكر، وفسر بعض الحنفية سبيل الله بطلب العلم ولو كان الطالب غنياً. قال أنس والحسن: ما أعطيت في الجسور والطرقات، فهي صدقة ماضية.

وقال مالك: سبيل الله كثيرة، ولكني لا أعلم خلافاً في أن المراد بسبيل الله ههنا الغزو (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

(فصل نمبر ۲)

مستحق زکاة کے مسلم، آزاد، عاقل و بالغ ہونے کے احکام

مسئلہ نمبر ۱..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف جب اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، تو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ وہ لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ:

أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تَتُؤَخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فَقَرَائِهِمْ (بخاری، رقم الحديث ۱۳۹۵)

ترجمہ: بے شک اللہ نے اُن (مسلمانوں) پر ان کے مالوں میں صدقہ (یعنی زکاة) کو فرض کیا ہے، جس کو اُن (مسلمانوں) کے مالداروں سے لے کر اُن (مسلمانوں) کے غریبوں کو دیا جائے گا (بخاری)

یعنی جس طرح زکاة امیر و مالدار مسلمانوں سے لی جائے گی، اسی طرح وہ غریب مسلمانوں ہی پر خرچ بھی کی جائے گی۔

اس قسم کی احادیث کے پیش نظر فقہائے کرام کا فرمانا یہ ہے کہ زکاة کا مصرف ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس کو زکاة دی جائے، وہ مسلمان ہو۔

کسی غیر مسلم و کافر کو زکاة دینا جائز نہیں، خواہ وہ اصلی کافر ہو یا مرتد ہو، یا کوئی ایسا شخص ہو جو اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہو، لیکن اس کے عقائد صریح کفر والے ہوں، جیسا کہ قادیانی وغیرہ۔ ۱

۱۔ البتہ تنابہ کے ایک قول کے مطابق حکومت کی طرف سے جس کو زکاة وصول کرنے کے لئے عامل مقرر کیا جائے، وہ اگر غیر مسلم ہو، تو اس کو زکاة دینا جائز ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... بعض لوگ زکاۃ کے معاملہ میں یہاں تک غفلت اختیار کرتے ہیں کہ اس کا مستحق ہونے کے لئے صرف ضرورت مند اور غریب ہونے کو کافی سمجھتے ہیں، اور اس کے لئے مسلمان ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے، اور اگر کوئی ضرورت مند غیر مسلم و کافر ہو، تو اس کو بھی زکاۃ دے دیتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس سے کوئی مفاد بھی وابستہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ اپنا ملازم یا خدمت گزار ہو۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور اسی طرح ”مؤلفۃ قلوبہم“ کے لئے مسلمان ہونے کی شرط میں بھی فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر ذکر کی جا چکی ہے۔

مندرجہ بالا حکم زکاۃ کا ہے، جہاں تک صدقہ فطر اور کفارات اور نذر وغیرہ کے غیر مسلم کو دینے کا تعلق ہے، تو اکثر فقہائے کرام اور امام ابو یوسف و امام زفر کے نزدیک زکاۃ کی طرح غیر مسلم ان چیزوں کے بھی مصرف شمار نہیں ہوتے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غیر مسلم غریب ان چیزوں (یعنی صدقہ فطر وغیرہ) کے مصرف شمار ہوتے ہیں۔

الکفار ولو كانوا اهل ذمة: لا يجوز إعطاؤهم من الزكاة. نقل ابن المنذر الإجماع على ذلك لحديث: إن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم. وأجاز الحنابلة في قول إعطاءهم مع العاملين إن عملوا على الزكاة.

و يستثنى المؤلف قبله أيضا على التفصيل والخلاف المتقدم في موضعه.

و يشمل الكافر هنا الكافر الأصلي والمترد، ومن كان متمسكا بالإسلام وأتى بمكفر نحو الاستخفاف بالقرآن، أو سب الله أو رسوله، أو دين الإسلام، فهو كافر لا يجوز إعطاؤه من الزكاة اتفاقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۵، مادة ”زكاة“)

يشترط في الفقير الذي تعطى له الزكاة الشروط الآتية:

أ- الإسلام: فلا يجوز صرف الزكاة إلى كافر باتفاق الفقهاء، لحديث معاذ رضی اللہ عنہ: خذها من أغنيائهم وردّها في فقرائهم أمر عليه الصلاة والسلام بوضع الزكاة في فقراء من يؤخذ منهم، وهم المسلمون، فلا يجوز في غيرهم. أما ما سوى الزكاة من صدقة الفطر، والكفارات والنذور فقد اختلف الفقهاء في جواز صرفها لفقراء أهل الذمة. فذهب الجمهور إلى أنه لا يجوز صرفها إلى فقراء أهل الذمة، لأن فقيرهم كافر فلم يجز الدفع إليه كفقراء أهل الحرب. وذهب أبو حنيفة. ومحمد بن الحسن إلى جواز صرفها إلى فقراء أهل الذمة، وقالوا: إن الله سبحانه وتعالى قال: (إن تبدوا الصدقات فنعمما هي وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم) من غير فصل بين فقير وفقير، وعموم هذا النص يقتضي جواز صرف الزكاة إليهم، إلا أنه خص منه زكاة المال، لحديث معاذ المتقدم، ولأن صرف الصدقة إلى أهل الذمة من باب إيصال البر إليهم، وما نهينا عن ذلك، قال تعالى: (لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبرؤهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين) وظاهر هذا النص جواز صرف الزكاة إليهم، لأنه بر بهم،

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ سنگین غلط فہمی بلکہ زکاة کو ایک طرح سے ضائع کرنا ہے، کیونکہ غیر مسلم کو زکاة دینا جائز نہیں، اگر کوئی غیر مسلم وکافر ضرورت مند ہے، تو کسی دوسرے طریقہ سے اس کی مدد کرنا کارِ خیر ہے۔ مسئلہ نمبر ۸..... اگر کسی مسلمان مستحق کو زکاة دی، اور پھر وہ زکاة لینے والا مستحق نعوذ باللہ مرتد ہو گیا، تو زکاة ادا ہو جاتی ہے، اور اگر کسی نے سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکاة دی، اور پھر وہ زکاة لینے والا مرتد ہو گیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی پیشگی دی ہوئی زکاة بھی ادا ہو جاتی ہے، اور اس کو دوبارہ زکاة دینا ضروری نہیں ہوتا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إلا أن البر بطريق زكاة المال غير مراد، لحديث معاذ، فبقي غيرها من طرق البر بهم جائزاً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۰، مادة "فقير")
 أن يكون مستحق الزكاة مسلماً: إلا المؤلف قلوبهم في رأى المالكية والحنابلة: فلا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر بلا خلاف، لحديث معاذ رضى الله عنه المتقدم: خذها من أغنيائهم وردّها في فقرائهم أمر بوضع الزكاة في فقراء من يؤخذ من أغنيائهم وهم المسلمون، فلا يجوز وضعها في غيرهم. وأما سوى الزكاة من صدقة الفطر والكفارات والنذور، فلا شك في أن صرفها إلى فقراء المسلمين أفضل، لأن الصرف إليهم يقع إعانة لهم على الطاعة. وهل يجوز صرفها إلى أهل الذمة؟ قال أبو حنيفة ومحمد: يجوز، لقوله تعالى: (إن تبدوا الصدقات فنعما هي، وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء، فهو خير لكم، ويكفر عنكم من سيئاتكم) من غير تفرقة بين فقير وفقير، وعموم هذا النص يقتضى جواز صرف الزكاة إليهم، إلا أنه خص منه الزكاة لحديث معاذ، وقوله تعالى في الكفارات: (فكفارتها إطعام عشرة مساكين) من غير تفرقة بين مسكين ومسكين، إلا أنه خص منه الحربى بدليل حتى لا يكون ذلك إعانة لهم على قتالنا، ولأن صرف الصدقة إلى أهل الذمة من باب إيصال البر إليهم، وما نهينا عن ذلك، قال تعالى: (لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين، ولم يخرجوكم من دياركم أن تبرؤهم) وقال أبو يوسف وزفر والشافعي والجمهور: لا يجوز صرف غير الزكاة أيضاً إلى الذميين قياساً على الزكاة، وعلى الحربى (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۶۱، الى ص ۱۹۶۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ ولو دفع الإمام المعجل إلى فقير فأيسر الفقير قبل تمام الحول أو مات أو ارتد جاز عن الزكاة عندنا وقال الشافعي يسترده الإمام إلا أن يكون يساره من ذلك المال. وجه قوله أن كون المعجل زكاة إنما يثبت عند تمام الحول وهو ليس محل الصرف في ذلك الوقت فلا يقع زكاة إلا إذا كان يساره من ذلك المال؛ لأنه حينئذ يكون أصلاً فلا يقطع التبع عن أصله. ولنا أن الصدقة لاقت كف الفقير فوقعت موقعها فلا تتغير بالغنى الحادث بعد ذلك كما إذا دفعها إلى الفقير بعد حولان الحول ثم أيسر (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۵۲، كتاب الزكاة، فصل حكم المعجل إذا لم يقع زكاة)

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی شخص مسلمان، مگر فاسق یعنی کبیرہ گناہوں کا عادی (مثلاً شرابی، جواری، زانی وغیرہ) ہو، تو حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ کسی دیندار شخص کو زکاۃ دینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

البتہ بعض فقہاء بدعتی اور فاسق و فاجر شخص کو زکاۃ دینے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ ایسے شخص کو زکاۃ دینے سے ان کے ساتھ تعلق و محبت کا اظہار اور ان کا گناہوں پر تعاون یا حوصلہ افزائی پائی جاتی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کا مستحق و مصرف ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کو زکاۃ دی جائے، وہ آزاد ہو، کیونکہ غلام خود سے مال کا مالک نہیں ہوتا۔

اور اگر غلام کو کوئی چیز دی جائے، تو وہ اس کے آقا کی ملکیت کہلاتی ہے۔ ۲۔
اس بناء پر فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر ایسے غلام کو زکاۃ دی جائے، کہ اس کا آقا غریب ہے اور زکاۃ کا مستحق ہے، تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور اگر اس کا آقا مالدار ہے اور زکاۃ کا مستحق

۱۔ الفاسق والمبتدع: ذکر الحافظ ابن حجر فی شرحہ لحدیث: تصدق اللیلۃ علی کافر أن فی إعطاء الزکاۃ للعاصی خلافاً، وقد صرح المالکیۃ بأن الزکاۃ لا تعطى لأهل المعاصی إن غلب علی ظن المعطى أنهم یصرفونها فی المعصیۃ، فإن أعطاهم علی ذلک لم تجزئه عن الزکاۃ، وفی غیر تلک الحال تجوز، وتجزء. وعند الحنابلۃ قال ابن تیمیۃ: ینبغی للإنسان أن یتحرى بزکاۃ المستحقین من أهل الدین المتبعین للشریعة، فمن أظهر بدعة أو فجوراً فإنه یتستحق العقوبۃ بالهجر وغیره والاستتابۃ فکیف یعان علی ذلک؟ وقال: من کان لا یصلی یؤمر بالصلاة، فإن قال: أنا أصلى، أعطى، وإلا لم یعط، ومراده أنه یعطى ما لم یکن معلوماً بالنفاق. وعند الحنفیۃ یجوز إعطاء الزکاۃ للمستسببین إلى الإسلام من أهل البدع إن کانوا من الأصناف الثمانیۃ، ما لم تکن بدعتهم مکفرۃ منخرجه لهم عن الإسلام. علی أن الأولى تقدیم أهل الدین المستقیمین علیہ فی الاعتقاد، والعمل علی من عداہم عند الإعطاء من الزکاۃ، لحدیث: لا تصاحب إلا مؤمناً ولا یأکل طعامک إلا تقى (الموسوعة الفقهیۃ الكويتیۃ، ج ۲۳، ص ۳۲۷، ۳۲۸، مادة "زکاۃ")

۲۔ والاسترقاق یمنع المسترق من سائر التبرعات کالہبۃ، والصدقة، والوصیۃ ونحو ذلک. كما یمنع الاسترقاق من سائر الاستحقاقات المالیۃ، فإن وقع شیء منها استحققه المالك لا الرقیق، فالرقیق لا یرث، وما یتستحقه من أرض الجنایۃ علیہ فهو لسیده (الموسوعة الفقهیۃ الكويتیۃ، ج ۳، ص ۳۰۱، ۳۰۲، مادة "استرقاق")

نہیں، تو پھر زکاة ادا نہیں ہوتی۔

البتہ مکاتب غلام کو زکاة دینا جائز ہے، جس کا ذکر پیچھے ”وفی الرقاب“ کے مصرف کی بحث میں گزر چکا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۶..... زکاة ادا ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کو زکاة دی جائے، وہ بالغ اور عاقل ہو، بلکہ نابالغ اور مجنون و پاگل کو زکاة دینا بھی جائز ہوتا ہے، جیسا کہ ”فقراء و مساکین“ کے مصرف کے بیان میں مسئلہ نمبر ۱ کے تحت گزرا، لیکن زکاة ادا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس پر زکاة کے مستحق یا اس کے نمائندہ کی طرف سے معتبر قبضہ ہو جائے۔

پس اگر کسی ایسے غریب، نابالغ بچے کو زکاة دی، جو کہ نا سمجھ تھا کہ جس کو مال کی حقیقت اور اس

۱۔ فلا تجزء لعبد اتفاقاً للفقہ الاسلامی وادلثہ للزحیلی، ج ۳ ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الثاني)

ج - أن لا يكون رقيقاً، ولو كان سيده فقيراً، لأن نفقته واجبة على سيده فهو غني بغناه، إلا المكاتب فإنه يعطى له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۰۰، مادة ”فقير“)

(وعبده) أى الغنى؛ لأن الملك يقع لمولاه وكذا للمدبر وأم الولد والمراد بالعبد الغير المديون المستغرق لما فى يده ورقبته، ولو كان جاز دفعها عند الإمام خلافاً لهما (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۳، كتاب الزكاة، باب فى بيان احكام مصرف)

(و) لا إلى (مملوكه) أى الغنى ولو مدبراً أو زمناً ليس فى عيال مولاه أو كان مولاه غائباً على المذهب لأن المانع وقوع الملك لمولاه (غير المكاتب) والمأذون المديون بمحيط فيجوز (الدر المختار)

(قوله: أى الغنى) احتراز به عن مملوك الفقير فيجوز دفعها إليه كما فى منية المفتى ط (قوله: ولو مدبراً) مثله أم الولد كما فى البحر (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۳۹، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر) ولا يجوز الصرف إلى عبد الغنى ومدبره وأم ولده؛ لأن الملك فى المدفوع نفع لمولاه وهو غنى فكان دفعاً إلى الغنى، هذا إذا كان العبد محجوراً أو كان مأذوناً لكنه لم يكن عليه دين مستغرق لرقبته؛ لأن كسبه ملك المولى فالدفع يقع إلى المولى وهو غنى فلا يجوز ذلك.

وإن كان عليه دين مستغرق لكنه غير ظاهر فى حق المولى؛ لأنه يتأخر إلى ما بعد العتاق فكان كسبه ملك المولى وهو غنى. وأما إذا كان ظاهراً فى حق المولى كدين الاستهلاك ودين التجارة فينبغى أن يجوز على قول أبى حنيفة؛ لأن المولى لا يملك كسب عبده المأذون المديون ديناً مستغرقاً ظاهراً فى حقه وعندهما لا يجوز؛ لأنه يملك كسبه عندهما. ويجوز الدفع إلى مكاتب الغنى؛ لأن كسب المالك المكاتب ملكه من حيث الظاهر وإنما يملكه المولى بالعجز ولم يوجد بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذى يرجع إلى المؤدى إليه)

کی حفاظت کا پتہ نہیں، اور وہ مال کو پھینک دیتا ہے، یا کسی مجنون کو زکاۃ دی، تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اگرچہ وہ بچہ اپنے والد کو ہی وہ زکاۃ کا مال کیوں نہ حوالہ کر دے، کیونکہ یہ ایسا ہی ہو جائے گا، جیسا کہ کوئی شخص زکاۃ کا مال کسی جگہ رکھ دے، پھر غریب آ کر وہاں سے اس مال کو اٹھالے، تو زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔

پس ایسی صورت میں زکاۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ اس نابالغ و ناسمجھ بچہ یا مجنون و پاگل کو دیئے جانے والے زکاۃ کے مال پر اس کے والد یا ولی یا ایسے سرپرست کو قبضہ دیا جائے، جس کی عیال داری میں یہ ناسمجھ بچہ یا مجنون داخل ہے، پھر یہ والد یا ولی یا سرپرست اس مال کو اس بچہ یا مجنون کی ضروریات میں خرچ کرے گا۔ ۱
اور یہ بات زکاۃ کے مصرف کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہے کہ نابالغ بچہ کو زکاۃ دینا اس وقت جائز ہوتا ہے، جبکہ وہ بچہ خود بھی غریب ہو، اور اس کا والد بھی غریب ہو۔ ۲

۱۔ ولا بد من قید آخر، وهو مع قبض معتبر احترازاً عما لو دفع للصبي الفقير غير العاقل والمجنون فإنه لا يجوز. وإن دفعها الصبي إلى أبيه قالوا: لا يجوز. كما لو وضع زكاته على دكان فجاء الفقير وقبضها لا يجوز، فلا بد في ذلك من أن يقبضها لهما الأب أو الوصي أو من كان في عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه، والملتقط يقبض للقيط (فتح القدير، ج ۲ ص ۲۷۰، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

وإذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها الفقير أو من له ولاية على الفقير نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون أو من كان في عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه والملتقط يقبض للقيط ولو دفع الزكاة إلى صبي لا يعقل أو مجنون فدفع الصبي إلى أبيه أو وصيه قالوا لا يجوز ولو قبض الصبي وهو مراهق جاز وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمى به ولا يخذ عنه (فتاوى قاضیخان، ج ۱ ص ۱۸۵، كتاب الزكاة)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون كذا في الخلاصة. أو من كان في عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه والملتقط يقبض للقيط. ولو دفع الزكاة إلى مجنون أو صغير لا يعقل فدفع إلى أبيه أو وصيه قالوا لا يجوز كما لو وضع على دكان ثم قبضها فقير لا يجوز (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع)

۲۔ ولا تجزء عند الحنفية لصغير غير مراهق (ما دون السابعة) ولا مجنون إلا إذا قبض عن الصغير والمجنون لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما، وتجوز عندهم لصبيان أقاربه

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷..... اگر کوئی بچہ نابالغ تو ہے، مگر وہ بالغ ہونے کے قریب اور سمجھدار ہے، جو کہ زکاة میں حاصل ہونے والے مال پر قبضہ کی حقیقت کو سمجھتا ہے، بایں طور کہ وہ اس مال کو بھیجتا نہیں، اور اس سے دھوکہ نہیں کھاتا، تو پھر ایسے نابالغ بچہ کو براہ راست زکاة دینا بھی درست ہو جائے گا، بشرطیکہ وہ بچہ خود مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو، اور اسی طرح سے اگر اس کا والد زندہ موجود ہو، تو وہ بھی مالدار و صاحب نصاب نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الممیزین فی مناسیة عید أو غیرہ، ولا یجوز دفع الزکاة لولد الغنی إذا کان صغیراً، لأن الولد الصغیر یعد غنیاً بغنی أبیه، ویجوز إعطاؤها له إذا کان کبیراً فقیراً؛ لأنه لا یعد غنیاً بمال أبیه، فکان کالأجنبی، کما لا یعد الأب غنیاً بغنی ابنه، ولا الزوجة بغنی زوجها، ولا الطفل بغنی أمه. واشترط الشافعیة أن یكون قابض الزکاة رشیداً: وهو البالغ العاقل حسن التصرف، فلا تجزء لصبی أو مجنون أو سفیه دیانة کتارک الصلاة إلا أن یقبضها له ولیه لسفیه أو قصوره. واشترط المالکیة أن یكون عامل الزکاة بالغاً، فلا تعطى الزکاة لقاصر.

أما الحنابلة: فأجازوا دفع الزکاة إلى الکبیر والصغیر، سواء أکل الطعام أو لم یأکل، والمجنون، لكن یقبضها ولی الصغیر والمجنون عنهما، أو القیم علیهما، روى الدارقطنی عن أبی جحیفه قال: بعث رسول الله صلی الله علیه وسلم ساعیاً، فأخذ الصدقة من أغنیائنا، فردھا فی فقرائنا، وکت غلاماً یتیملاً لا مال لی، فأعطانی قُلوصاً أى ناقة (الفقه الاسلامی وادلته للزحلی، ج ۳ ص ۱۹۷، ۱۹۷۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الثانی)

أما الولد الصغیر الذی أبوه غنی فلا تدفع إلیه الزکاة لأنه یعد غنیاً بيسار أبیه، وسواء کان الصغیر فی عیال أبیه أم لا (الموسوعة الفقهیة الکریتیة، ج ۲۳، ص ۳۱۵، مادة ”زکاة“)

وأما ولد الغنی فإن کان صغیراً لم یجز الدفع إلیه وإن کان فقیراً لا مال له؛ لأن الولد الصغیر یعد غنیاً بغنی أبیه وإن کان کبیراً فقیراً یجوز؛ لأنه لا یعد غنیاً بمال أبیه فکان کالأجنبی (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴، کتاب الزکاة، فصل الذی یرجع إلی المؤدی إلیه)

(و) لا إلی (طفله) بخلاف ولده الکبیر (الدر المختار)

(قوله: ولا إلی طفله) أى الغنی فیصرف إلی البالغ ولو ذکر صحیحاً قهستانی، فأفاد أن المراد بالطفل غیر البالغ ذکرنا کان أو أنثی فی عیال أبیه أولاً علی الأصح لما عنده أنه یعد غنیاً بغناه نهر (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۵۰، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة والعشر)

۱۔ ولو قبض الصبی وهو مرأق جاز وكذا لو کان یعقل القبض بأن کان لا یرمی به ولا یخدع عنه (فتاویٰ قاضیخان، ج ۱ ص ۱۸۵، کتاب الزکاة)

ولو قبض الصغیر، وهو مرأق جاز، وكذا لو کان یعقل القبض بأن کان لا یرمی، ولا یخدع عنه (فتاویٰ الہندیة، ج ۱ ص ۱۹۰، کتاب الزکاة، الباب السابع)

(و طفله)؛ لأنه یعد غنیاً بغناء أبیه عرفاً ولا یخفی أن فی الإضافة إشارة إلی جواز الصرف إلی طفل

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کوئی شخص بالغ تو ہے، اور اسی کے ساتھ عاقل بھی ہے، مگر کم عقل یا کم سمجھ ہے، تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔ ۱

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کسی نے نابالغ مگر سمجھدار، زکاۃ کے مستحق بچے کو جو کہ مالدار نہیں تھا، اور نہ ہی اس کا والد مالدار تھا، کسی تقریب یا خوشی کے موقع پر (مثلاً عیدین کے موقع پر یا ختنہ وغیرہ کے موقع پر) کوئی نقدی یا دوسرا مال ہدیہ و گفٹ کے عنوان سے پیش کیا، اور اس کو دیتے وقت زکاۃ کی نیت کر لی، تب بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ زکاۃ کے لئے نیت کا ہونا کافی ہے، زبان سے اس کا اظہار کرنا ضروری نہیں، اور کسی دوسرے عنوان سے بھی زکاۃ ادا کرنا درست ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل ”زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کے احکام“ میں ذکر کر دی گئی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔ ۲

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفقیر (بخلاف ولده الكبير) وإن كانت نفقته على الأب الغني؛ لأنه لا يعد غنيا بغناؤه (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۳، ۲۲۴، کتاب الزکاۃ، باب فی بیان احکام المصروف)

ولو كان الصبی مراهقا أو يعقل القبض بأن كان لا یرمی به ویخدع عنه یجوز (فتح القدیر، ج ۲ ص ۲۷۰، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز)

۱۔ والدفع إلی المعتبره مجزء (فتح القدیر، ج ۲ ص ۲۷۰، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز)

ولو دفع إلی معتوه فقیر جاز (فتاویٰ قاضیخان، ج ۱ ص ۱۸۵، کتاب الزکاۃ)

ولو دفع إلی فقیر معتوه جاز کذا فی فتاویٰ قاضی خان (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۱ ص ۱۹۰، کتاب الزکاۃ، الباب السابع)

۲۔ نوى الزکاۃ بما یدفع لصبیان أقربائه أو لمن یتاہی بالیشارة أو یتاہی بالاکورة أجزأه، ولو نوى الزکاۃ بما یدفع للمعلم إلی الخلیفہ، ولم یستأجره إن کان الخلیفہ بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان أیضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما یدفعه إلی الخدم من الرجال والنساء فی الأعیاد وغیرها بنیة الزکاۃ کذا فی معراج الدراریہ (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۱ ص ۱۹۰، کتاب الزکاۃ، الباب السابع)

ولا یشرط علم أخذ الزکاۃ أنها زکاۃ (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۳ ص ۲۹۳، مادة ”زکاۃ“)

ولا یشرط علم الفقیر بأنها زکاۃ علی الأصح لما فی البحر عن القنیة والمجتبی الأصح أن من أعطی مسکینا دراهم وسمماها هبة أو قرضا ونوى الزکاۃ فإنها تجزیه لأن العبرة لنیة الدافع لا لعلم المدفوع إلیه إلا علی قول أبی جعفر (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۶، کتاب الزکاۃ، شروط صحة اداء الزکاۃ)

(فصل نمبر ۳)

ہاشمی یا بنو ہاشم کو زکاة دینے کے احکام

اکثر فقہائے کرام نے عام حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت داروں کو زکاة کا دینا ناجائز قرار دیا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۱..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قرابت داروں یعنی بنو ہاشم جن کو ہاشمی بھی کہا جاتا ہے، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک عام حالات میں ان کو زکاة دینا جائز نہیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ قرابت دار ضرورت مند ہوں، تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ویسے دوسرے طریقوں (مثلاً عطیات وغیرہ) سے ان کی مدد کریں اور اس کو اپنی سعادت سمجھیں۔

اور بنو ہاشم یا ہاشمی وہ حضرات کہلاتے ہیں کہ جو یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں (جن میں سید ذات کے افراد بھی داخل ہیں، یعنی جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے مشترک نسب سے تعلق رکھتے ہوں) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں۔ ۲۔

۱۔ أصناف الذين لا يجوز إعطاؤهم من الزكاة: آل النبي محمد صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۵، مادة "زكاة")

۲۔ اور فقہائے کرام کے نزدیک ابولہب کا نسب اس میں داخل نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابولہب کی قرابت کو شریعت نے باطل قرار دے دیا ہے۔

ولا يجوز أن يعطى من الزكاة فقراء بني هاشم، ولا مواليتهم، قال عليه السلام الصدقة محرمة على

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲..... حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اور حنبلیہ کی ایک روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص رشتہ دار ”بنو مطلب“ کو زکاة دینا جائز ہے، جبکہ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بنی ہاشم و مولی القوم من أنفسهم، وقال عليه السلام: يا بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس، و عوضكم منها بخمس الخمس من الغنمة.

قال: وبنو هاشم الذي تحرم عليهم الصدقة آل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل علي، وولد الحارث بن عبد المطلب؛ لأن الله تعالى إنما حرم الصدقة على من عوضه عنه خمس الخمس من الغنمة، وهو خمس ذوی القربی، ومنهم ذوی القربی يختص هؤلاء، فكذا تحرم الصدقة، وإنما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والبذور والكفارات، فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس؛ لأن في الواجب المؤدى نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى بمنزلة من استعمل الماء في الوضوء، وهو معنى قوله يا بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس (المحيط البرهاني، ج ۲ ص ۲۸۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن)

قال: (ولا إلى هاشمی) لقوله -صلى الله عليه وسلم-: يا بني هاشم إن الله حرم عليكم أوساخ الناس و عوضكم عنها بخمس الخمس وهم: آل عباس، وآل علي، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبد المطلب، لأنهم ينتسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ولأن هؤلاء هم المستحقون لخمس الخمس، وهو سهم ذوی القربی دون غیرهم من الأقارب، فالله تعالى حرم الصدقة على فقرائهم و عوضهم بخمس الخمس، فيختص تحريم الصدقة بهم، ويبقى من سواهم من الأقارب كالأجانب فتحل لهم الصدقة (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ص ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(ولا) تدفع (إلى هاشمی من آل علي أو عباس أو جعفر أو عقيل) بفتح العين (أو الحارث بن عبد المطلب، ولو كان عاملاً عليها) أى على الزكاة لقوله -عليه الصلاة والسلام- إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا آل محمد والعباس والحارث ابنا عبد المطلب وعلي وجعفر وعقيل أولاد أبي طالب -رضى الله تعالى عنهم-، وفائدة التخصيص بهؤلاء أنه يجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم كذرية أبي لهب كما في الجوهرة وهو ظاهر الرواية (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۳، كتاب الزكاة، باب في بيان احكام المصروف)

ولا يدفع إلى بني هاشم، وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب كذا في الهداية ويجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم كذرية أبي لهب؛ لأنهم لم يناصروا النبي -صلى الله عليه وسلم- كذا في السراج الوهاج. هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم كذا في الكافي، وكذا لا يدفع إلى مواليتهم كذا في العيني شرح الكنز. ويجوز صرف خمس الركاز والمعدن إلى فقراء بني هاشم كذا في الجوهرة النيرة (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع)

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بنو ہاشم کی طرح بنو مطلب کو بھی زکاة دینا جائز نہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حکم أخذ آل البيت من الصدقة المفروضة:

إن آل محمد صلى الله عليه وسلم المذكورين لا يجوز دفع الزكاة المفروضة إليهم باتفاق فقهاء المذاهب الأربعة، لقوله عليه الصلاة والسلام: يا بني هاشم إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم، وعوضكم عنها بخمس الخمس.

والذين ذكروا ينسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ونسبة القبيلة إليه.

وخرج أبو لهب - وإن كان من آل - فيجوز الدفع إلى بنيہ، لأن النص أبطل قرابته، وهو قوله صلى الله عليه وسلم لا قرابة بيني وبين أبي لهب، فإنه أثر علينا الأفجرين ولأن حرمة الصدقة على بني هاشم كرامة من الله لهم ولذريعتهم، حيث نصره صلى الله عليه وسلم في جاهليتهم وفي إسلامهم. وأبو لهب كان حريصا على أذى النبي صلى الله عليه وسلم، فلم يستحقها بنوه. وهذا هو المذهب عند كل من الحنفية والحنابلة. وفي قول آخر في كلا المذهبين: يحرم إعطاء من أسلم من آل أبي لهب، لأن مناط الحكم كونهم من بني هاشم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، إلى ص ۱۰۲، مادة "آل")

۱۔ ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے درجہ کے دادا کا نام عبد مناف تھا، جن کے چار بیٹے تھے، ایک کا نام ہاشم، دوسرے کا نام مطلب، تیسرے کا نام نوفل اور چوتھے کا نام عبد شمس تھا، تو حنفیہ کے نزدیک ہاشم کی اولاد کو زکاة دینا جائز نہیں، اور اسی نسبت سے ایسے حضرات کو ہاشمی کہا جاتا ہے، اور ہاشم کے باقی بھائیوں کی اولاد کو زکاة دینا جائز ہے۔

جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مطلب کی اولاد کو بھی زکاة دینا ناجائز ہے، جن کو بنی مطلب کہا جاتا ہے۔

(و) لا إلى (بنی ہاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب، فتحل لمن أسلم منهم كما تحل لبني مطلب (الدر المختار)

(قوله: وبنی ہاشم الخ) اعلم أن عبد مناف وهو الأب الرابع للنبي - صلى الله عليه وسلم - أعقب أربعة وهم: هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة انقطع نسل الكل إلا عبد المطلب فإنه أعقب اثني عشر تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء إلا أولاد عباس وحارث وأولاد أبي طالب من علي وجعفر وعقيل فهستاني، وبه علم أن إطلاق بنی ہاشم مما لا ينبغي إذ لا تحرم عليهم كلهم بل على بعضهم ولهذا قال في الحواشي السعدية: إن آل أبي لهب ينسبون أيضا إلى هاشم وتحل لهم الصدقة. اهـ (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

المطلبی هو من ينسب إلى المطلب بن عبد مناف، وهو أخو هاشم بن عبد مناف، الجد الثاني لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

الأحكام المتعلقة بالمطلبی:

وردت الأحكام المتعلقة ببني المطلب في مواضع من كتب الفقهاء منها:

أ - دفع الزكاة إليهم:

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۸۸..... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو زکاة

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اختلف الفقهاء في جواز دفع الزكاة لبنى المطلب بن عبد مناف. فذهب الجمهور - وهم الحنفية والمالكية والحنابلة في رواية - إلى أنه يجوز دفع الزكاة إلى بنى المطلب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸ ص ۱۱۲، مادة "مطلبی") ذهب الحنفية والمالكية إلى أنه يجوز دفع الزكاة لبنى المطلب، وعليه فيجوز كونه عاملاً وأخذ الأجرة من الزكاة. واختلف أصحاب الشافعي - وهم الذين حرموا على بنى المطلب الزكاة - في ذلك على وجهين مشهورين.

أحدهما - وهو الأصح عند جمهور الأصحاب - لا يجوز لحديث عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث رضي الله عنه أنه والفضل بن عباس رضي الله عنهما أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألاه أن يؤمرهما على بعض الصدقات، فيؤديانه إليه كما يؤدى الناس، ويصيبا كما يصيبون فسكت طويلاً ثم قال: إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد، إنما هي أوساخ الناس، وفي رواية: إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد.

والثاني: يجوز للمطلبی أن يكون عاملاً في الزكاة لأن ما يأخذه على وجه العوض، فلو استعمله الإمام مثلاً في الحفظ أو النقل جاز، وله أجرته، قال النووي رحمه الله: قال أصحابنا الخراسانيون: هذان الوجهان مبنيان على أن ما يأخذه العامل هل هو أجرة أو صدقة؟ وفيه وجهان فإن قلنا: هو أجرة جاز وإلا فلا، وهو يشبه الإجارة من حيث التقدير بأجرة المثل، ويشبه الصدقة من حيث أنه لا يشترط عقد إجارة، ولا مدة معلومة ولا عمل معلوم.

والخلاف فيمن طلب على عمله سهماً من الزكاة، فأما إذا تبرع بعمله بلا عوض، أو دفع الإمام إليه أجرته من بيت المال فإنه يجوز كونه هاشمياً، أو مطلبياً بلا خلاف، قال الماوردي: يجوز كونه هاشمياً، ومطلبياً إذا أعطاه الإمام من سهم المصالح.

وعند الحنابلة لا يجوز أن يكون المطلبی عاملاً على الزكاة إذا أخذ أجرته منها، أما إذا دفعت له أجرته من غير الزكاة فإنه يجوز أن يكون عاملاً عليها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸، ص ۱۱۳، مطلبی، مادة "آل")

واختلف في بنى المطلب أخى هاشم هل تدفع الزكاة إليهم؟ فمذهب الحنفية، والمشهور عند المالكية، وإحدى روايتين عند الحنابلة، أنهم يأخذون من الزكاة، لأنهم دخلوا في عموم قوله تعالى (إنما الصدقات للفقراء والمساكين) لكن خرج بنو هاشم لقول النبي صلى الله عليه وسلم إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد فيجب أن يختص المنع بهم.

ولا يصح قياس بنى المطلب على بنى هاشم، لأن بنى هاشم أقرب إلى النبي صلى الله عليه وسلم وأشرف، وهم آل النبي صلى الله عليه وسلم ومشاركة بنى المطلب لهم في خمس الخمس لم يستحقوه بمجرد القرابة، بدليل أن بنى عبد شمس وبنى نوفل يساونهم في القرابة ولم يعطوا

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دینا جائز ہے، کیونکہ صرف ازواجِ مطہرات ہونے کی وجہ سے وہ ہاشمی نہیں کہلاتیں۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۴..... حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، بنو ہاشم کو زکاة کے علاوہ واجب صدقات
مثلاً قسم، تلہار اور قتل کا کفارہ وغیرہ بھی دینا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شیئا، وإنما شار کوہم بالنصرة، أو بهما جميعا، والنصرة لا تقتضى منع الزكاة.
ومذهب الشافعية والقول غير المشهور عند المالكية وإحدى الروايتين عن الحنابلة، أنه ليس لبني
المطلب الأخذ من الزكاة، لقول النبي صلى الله عليه وسلم إنا وبنو المطلب لم نفترق في جاهلية
ولا إسلام. إنما نحن وهم شيء واحد وفي رواية إنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد. وشك
بين أصابعهم ولأنهم يستحقون من خمس الخمس، فلم يكن لهم الأخذ، كبنى هاشم. وقد أكد ذلك
ما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم علل منعهم الصدقة باستغنائهم عنها بخمس الخمس، فقال
صلى الله عليه وسلم: أليس في خمس الخمس ما يغنيكم؟

هذا وقد روى أبو عصمة عن أبي حنيفة أنه يجوز الدفع إلى بنى هاشم في زمانه.
والمشهور عند المالكية أن محل عدم إعطاء بنى هاشم من الزكاة إذا أعطوا ما يستحقونه من بيت
المال، فإن لم يعطوا، وأضر بهم الفقر أعطوا منها. وإعطاؤهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم.
وقيده الباجي بما إذا وصلوا إلى حالة يباح لهم فيها أكل الميتة، لا مجرد ضرر. والظاهر خلافه
وأنهم يعطون عند الاحتياج ولو لم يصلوا إلى حالة إباحة أكل الميتة، إذ إعطاؤهم أفضل من خدمتهم
لذمي أو ظالم.

وقال الشافعية: إنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الزكاة، وإن حبس عنهم الخمس، إذ
ليس منعهم منه يحل لهم ما حرم عليهم من الصدقة، خلافاً لأبي سعيد الإصطخرى الذى قال: إن
منعوا حقهم من الخمس جاز الدفع إليهم، لأنهم إنما حرموا الزكاة لحقهم في الخمس، فإذا منعوا
منه وجب أن يدفع إليهم.

والظاهر من إطلاق المنع عند الحنابلة أنه تحرم على آل الصدقة وإن منعوا حقهم في الخمس
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، الى ص ۱۰۲، مادة "آل")

۱۔ أما أزواجه صلى الله عليه وسلم فذكر أبو الحسن بن بطال في شرح البخارى أن
الفقهاء كافة اتفقوا على أن أزواجه عليه الصلاة والسلام لا يدخلن في آل الذين حرمت
عليهم الصدقة، لكن في المغنى عن عائشة رضى الله عنها ما يخالف ذلك. قال: روى
الخلال بإسناده عن ابن أبي مليكة أن خالد بن سعيد بن العاص بعث إلى عائشة رضى
الله عنها سفرة من الصدقة، فردتها، وقالت: إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة. قال
صاحب المغنى: وهذا يدل على أنهم من أهل بيته في تحريم الزكاة. وذكر الشيخ تقي
الدين أنه يحرم عليهن الصدقة وأنهن من أهل بيته في أصح الروايتين (الموسوعة الفقهية
الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، مادة "آل")

البتہ حنابلہ کے نزدیک بعض واجب صدقات (مثلاً نذر و منت کے مال) کا دینا جائز ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۵..... بنو ہاشم کو حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک نقلی صدقات کا دینا جائز ہے، اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک زکاة اور واجب صدقات کے علاوہ نقل صدقات کا دینا بھی ناجائز یا کم از کم مکروہ ہے۔ ۲۔

۱۔ وكذلك الحكم فيما سوى الزكاة من الصدقات الواجبات كصدقة الفطر والكفارات والعشور والنذور وغير ذلك، لأنها في معنى الزكاة، فإنه يطهر نفسه بأداء الواجب وإسقاط الفرض، فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، بخلاف صدقة التطوع حيث تحل للهاشمي لأنها لا تدينس كالوضوء للتبريد (الاختيار لتعليق المختار، ج ۱ ص ۱۲۱، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة) أخذ الآل من الكفارات والنذور وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف:

ذهب الحنفية والمالكية والشافعية إلى أنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الأخذ من كفارة اليمين والظهار والقتل وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف. وهو رواية عند الحنابلة في الكفارات، لأنها أشبهت الزكاة. وعن أبي يوسف من الحنفية أنه يجوز لهم أخذ غلة الوقف إذا كان الوقف عليهم، لأن الوقف عليهم حينئذ بمنزلة الوقف على الأغنياء.

فإن كان على الفقراء، ولم يسم بنو هاشم، لا يجوز. وصرح في "الكافي" "بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف، فقال: وأما التطوع والوقف، فيجوز الصرف إليهم، لأن المؤدى في الواجب يطهر نفسه بإسقاط الفرض، فيتدنس المال المؤدى، كالماء المستعمل، وفي النقل يتبرع بما ليس عليه، فلا يتدنس به المؤدى. اهـ.

قال صاحب فتح القدير: والحق الذي يقتضيه النظر إجراء صدقة الوقف مجرى النافلة، فإن ثبت في النافلة جواز الدفع، يجب دفع الوقف، وإلا فلا، إذ لا شك في أن الواقف متبرع بتصدقه بالوقف، إذ لا إيقاف واجب.

وذهب الحنابلة إلى جواز أخذ الآل من الوصايا لأنها تطوع، وكذا النذور، لأنها في الأصل تطوع، فأشبه ما لو وصى لهم. وعلى ذلك يجوز لهم الأخذ منهما.

وفي الكفارة عندهم وجه آخر بالجواز، لأنها ليست بزكاة ولا هي أوساخ الناس، فأشبهت صدقة التطوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۲، و ص ۱۰۳، مادة "آل")

۲۔ حکم اخذ الآل من صدقة التطوع:

للفقهاء في هذه المسألة ثلاثة اتجاهات:

الأول: الجواز مطلقاً، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد، لأنها ليست من أوساخ الناس، تشبهاً لها بالوضوء على الوضوء.

الثاني: المنع مطلقاً، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد أيضاً، وهي الأظهر عند

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶..... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کے غلاموں کو بھی زکاة دینا جائز نہیں، خواہ وہ آزاد کردہ غلام ہی کیوں نہ ہوں۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۷..... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ہاشمی کو اپنے مال کی زکاة دوسرے ہاشمی کو دینا بھی جائز نہیں، البتہ امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کے مطابق ہاشمی کو اپنے مال کی زکاة دوسرے ہاشمی کو دینا جائز ہے، اور بعض حضرات نے ضرورت کی وجہ سے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے، جیسا کہ آگے تحقیقی مسائل کے ضمن میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحنابلة، لأن النصوص الواردة في النهي عن أخذ آل البيت من الصدقة عامة، فتشمل المفروضة والنافلة.

الثالث: الجواز مع الكراهة، وهو مذهب المالكية، جمعا بين الأدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۳، مادة "آل")

۱۔ قال الحنفية والحنابلة، وهو الأصح عند الشافعية وقول عند المالكية: إن موالى آل النبي صلى الله عليه وسلم وهم من اعتقهم هاشمی أو مطلبی، حسب الخلاف السابق، لا يعطون من الزكاة، مستدلين بما روى أبو رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث رجلا من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: اصحبني كيما تصيب منها. فقال: لا، حتى أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله، فانطلق إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله، فقال: إنا لا تحل لنا الصدقة، وإن مولى القوم منهم ولأنهم ممن يرثهم بنو هاشم بالتعصيب، فلم يجوز دفع الصدقة إليهم كبنی هاشم وهم بمنزلة القرابة، بدليل قوله صلى الله عليه وسلم الولاء لحمه كلحمة النسب وثبت لهم حكم القرابة من الإرث والعقل والنفقة، فلا يمتنع تحريم الصدقة عليهم. وإذا حرمت الصدقة على موالى آل، فأرقاؤهم ومكاتبهم أولى بالمنع، لأن تملك الرقيق يقع لمولاه، بخلاف العتيق.

والمعتمد عند المالكية جواز دفع الصدقة لموالى آل البيت، لأنهم ليسوا بقرابة النبي صلى الله عليه وسلم فلم يمنعوا الصدقة، كسائر الناس، ولأنهم لم يعوضوا عنها بخمس الخمس، فإنهم لا يعطون منه، فلم يجوز أن يحرموها، كسائر الناس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۳، و ص ۱۰۴، مادة "آل")

۲۔ يرى أبو يوسف من الحنفية، وهو رواية عن الإمام، أنه يجوز للهاشمی أن يدفع زكاته إلى هاشمی مثله، قائلين: إن قوله عليه الصلاة والسلام يا بني هاشم، إن الله كره لكم غسالة أيدي الناس وأوساخهم، وعوضكم منها بخمس الخمس لا ينفيه، للقطع بأن المراد من "الناس" غيرهم لأنهم المخاطبون بالخطاب المذكور، والتعويض بخمس الخمس عن صدقات الناس لا يستلزم كونه عوضا عن صدقات أنفسهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۴، مادة "آل")

مسئلہ نمبر ۸..... اگر حکومت کی طرف سے زکاة وصول کرنے کے لئے ہاشمی کو عامل مقرر کیا جائے، تو حنفیہ کے اصح قول اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عامل ہونے کی صورت میں بھی بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز نہیں، البتہ اکثر حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔ ۱
اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بنو ہاشم عامل کو اس کی اجرت و معاوضہ میں زکاة دینا جائز مگر مکروہ ہے، اور حنفیہ میں سے امام طحاوی کا رجحان اس کے جائز ہونے کی طرف ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۹..... دوسرے فقہائے کرام کے ساتھ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایت کے

۱۔ قال الحنفیة فی الأصح عندهم، والمالکیة والشافعیة وبعض الحنابلة، وهو ظاهر قول الخرقی: إنه لا یحل للهاشمی أن یكون عاملا علی الصدقات بأجر منها، تنزیها لقربة النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شبهة الوسخ، ولما روى عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه اجتمع ربیعة والعباس بن عبد المطلب، فقالا: لو بعثنا هذین الغلامین لی وللفضل بن العباس إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأمرهما علی الصدقة، فأصابا منها کما یصیب الناس. فقال علی: لا ترسلوهما. فانطلقنا حتی دخلنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یومئذ عند زینب بنت جحش، فقلنا: یا رسول اللہ، قد بلغنا النکاح وأنت أبر الناس وأوصل الناس، وجئناک لتؤمرنا علی هذه الصدقات، فتؤدی إلیک کما تؤدی الناس، ونصیب کما یصیبون. قال: فسکت طویلا، ثم قال: إن الصدقة لا تنبغی لآل محمد، إنما هی أوساخ الناس.

وفی قول للحنفیه: إن أخذ الهاشمی العامل علی الصدقات مکروه تحریم لا حرام وجوز الشافعیة أن یكون الحمال والکیال والوزان والحافظ هاشمیا أو مطلبیا. وأكثر الحنابلة علی أنه یباح لآل الأخذ من الزکاة عمالة، لأن ما یأخذونه أجر، فجاز لهم أخذه، کالحمال وصاحب المتخزن إذا أجرهم متخزنه (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۱، ص ۱۰۴، و ص ۱۰۵، مادة "آل")

۲۔ وخالف أبایوسف رحمہ اللہ فی ذلك آخرون، فقالوا: لا بأس أن یجعل منها الهاشمی، لأنه إنما یجعل علی عمله، وذلك قد یحل للأغنیاء. فلما کان هذا لا یحرم علی الأغنیاء الذین یحرم علیهم غناهم الصدقة، کان كذلك أيضا فی النظر، لا یحرم ذلك علی بنی هاشم الذین یحرم علیهم نسبهم أخذ الصدقة. وقد روى عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما تصدق به علی بريرة أنه أکل منه وقال: هو علیها صدقة، ولنا هدیة..... فلما کان ما تصدق به علی بريرة جائزا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم أکله لأنه إنما ملکه بالهدیة، جاز أيضا للهاشمی أن یجعل من الصدقة، لأنه إنما یملکه بعمله، لا بالصدقة. فهذا هو النظر، وهو أصح مما ذهب إلیه أبو یوسف رحمہ اللہ فی ذلك (شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۱۱۱ الى ۱۱۳، کتاب الزکاة، باب الصدقة علی بنی هاشم)

مطابق بھی بنو ہاشم کو زکاۃ دینا جائز نہیں، اور فقہ حنفی میں بہت سے حضرات کی طرف سے اسی قول کو رائج قرار دیا جاتا رہا ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے اور کئی اہل علم حضرات کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ موجودہ زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاۃ دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو ہاشم، غریب اور تنگ دستوں کی ضرورت کے لئے زکاۃ کے عوض میں مالی غنیمت وغیرہ دیا جاتا تھا، اور اب مالی غنیمت اور اسلامی حکومتوں کی طرف سے اس کا نظم موجود نہیں، اس لئے اب ان کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور کئی حضرات کا فتویٰ اسی پر ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور بعض حضرات کے بقول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو زکاۃ دینا جائز ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی رائج یہ ہے کہ موجودہ دور میں جبکہ بنو ہاشم کو مالی غنیمت میں سے ان کا حصہ نہیں ملتا، ایسے حالات میں ضرورت مند فقراء و مساکین بنو ہاشم کو زکاۃ و صدقات واجبہ کا دینا ولینا جائز ہے، جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل و رسائل کے ضمن میں مستقل رسالہ کے تحت ذکر کر دی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

مسئلہ نمبر ۱..... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک کسی شخص کا نسب ثابت ہونے کے لئے سماع اور تسمیع یا کسی نسب کی شہرت کافی ہے، اور کسی کے نسب کا مشاہدہ کرنا ضروری نہیں۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک کسی کے نسب کی سن کر گواہی دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نسب مشہور ہو۔ ۱۔

۱ ح - السماع - ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النسب يثبت بالشهادة بالسماع للضرورة . قال ابن المنذر : أما النسب فلا أعلم أحدا من أهل العلم منع منه ، ولو منع ذلك لاستحالت معرفة الشهادة به ، إذ لا سبيل إلى معرفته قطعا بغيره ، ولا تمكن المشاهدة فيه ، ولو اعتبرت المشاهدة لما عرف أحد أباه ولا أمه ولا أحدا من أقاربه .

واشترط الحنفية لقبول الشهادة بالتسماع أن يكون النسب مشهورا ، جاء في الفتاوى الهندية : الشهادة بالشهرة في النسب وغيره بطريقتين : الحقيقة والحكمية . فالحقيقة : أن تشتهر وتسمع

﴿تقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس اصول کی بناء پر جو لوگ بنو ہاشم کے کسی نسب کے ساتھ مشہور ہیں، تو اس شہرت کی وجہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من قوم کثیر لا يتصور تواطؤهم على الكذب، ولا تشترط في هذه العدالة، ولا لفظ الشهادة بل يشترط التواتر.

والحکمیة أن يشهد عنده رجلان أو رجل وامرأتان عدول بلفظ الشهادة كذا في الخلاصة، هذا إذا شهدا عنده من غير استشهاد هذا الرجل، فإنه ذكر محمد في كتاب الشهادات أنه إذا لقي رجلين عدلين شهدا عنده على نسبه وعرفا حاله وسعه أن يشهد، ولو أقام هذا الرجل عنده شاهدين شهدا على نسبه لم يسعه أن يشهد.

ولو أن رجلا نزل بين ظهرائي قوم وهم لا يعرفونه وقال: أنا فلان بن فلان، قال محمد: لا يسعهم أن يشهدوا على نسبه حتى يلقوا من أهل بلده رجلين عدلين فيشهدان عندهم على نسبه، قال الحصص في شرح هذا الكتاب: وهو الصحيح كذا في شرح أدب القاضي للصدر الشهيد. وقال الحنفية أيضا: ولا يشهد أحد بما لم يعاينه بالإجمال إلا في عشرة منها النسب، فله الشهادة به إذا أخبره به من يثق الشاهد به من خبر جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب بلا شرط عدالة أو شهادة عدلين.

قال المالكية: الشهادة على السماع عند مالك وأصحابه جائزة في النسب المشهور. وقال ابن القاسم: لا يثبت بذلك نسب، إنما يستحق به المال، إلا أن يكون أمرا مشتهرا مثل نافع مولى ابن عمر.

واشترط الشافعية الاستفاضة أيضا، لأن النسب أمر لا مدخل للرؤية فيه، وغاية الممكن رؤية الولادة على الفراش، لكن النسب إلى الأجداد المتوفين والقبائل القديمة لا تتحقق فيه الرؤية، فدعت الحاجة إلى اعتماد الاستفاضة، ولو من الأم قیاسا على الأب.

وذكر النووي أن مما تجوز فيه الشهادة بالتسامع - وهو الاستفاضة - النسب، وقال: يجوز أن يشهد بالتسامع أن هذا الرجل ابن فلان، أو هذه المرأة - إذا عرفها بعينها - بنت فلان، أو أنهما من قبيلة كذا. ويثبت النسب من الأم بالتسامع أيضا على الأصح، وقيل: قطعاً كالأب، ووجه المنع إمكان رؤية الولادة.

ثم ذكر الشافعي والأصحاب في صفة التسامع أنه ينبغي أن يسمع الشاهد المشهود بنسبه، فينسب إلى ذلك الرجل أو القبيلة، والناس ينسبون إليه، وهل يعتبر في ذلك التكرار وامتداد مدة السماع؟ قال كثيرون: نعم، وبهذا أجاب الصيمري، وقال آخرون:

لا، بل لو سمع انتساب الشخص وحضر جماعة لا يرتاب في صدقهم فأخبروه بنسبه دفعة واحدة، جاز له الشهادة، ورأى ابن كج القطع بهذا، وبه أجاب البغوي في انتسابه.

ويعتبر مع انتساب الشخص ونسبة الناس ألا يعارضهما ما يورث تهمة وريبة، فلو كان المنسوب إليه حيا وأنكر لم تجز الشهادة، وإن كان مجنونا جازت على الصحيح كما لو كان ميتا. ولو طعن بعض الناس في ذلك النسب، هل يمنع جواز الشهادة؟ وجهان: أحصهما: نعم، لا اختلاف الظن.

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان کو بنو ہاشم کا حکم حاصل ہوگا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمعتبر في الاستفاضة أوجه:

الأول: وهو أصحها أنه يشترط أن يسمعه من جمع كثير يقع العلم أو الظن القوي بخبرهم ويؤمن تواطؤهم على الكذب، وهذا هو الذي رجحه الماوردي وابن الصباغ والغزالي، وهو أشبه بكلام الشافعي.

والثاني: يكفي عدلان، اختاره أبو حامد وأبو حاتم، ومال إليه الإمام.

والثالث: يكفي خبر واحد إذا سكن القلب إليه، حكاه السرخسي وغيره. فعلى الأولى ينبغي ألا يشترط العدالة ولا الحرية ولا الذكورة.

ولو سمع رجلا آخر: هذا ابني وصدقه الآخر أو قال: أنا ابن فلان، وصدقه فلان، قال كثير من الأصحاب: يجوز أن يشهد به على النسب، وكذا لو استلحق صبيًا أو بالغًا وسكت، لأن السكوت في النسب كالإقرار، وفي المذهب وجه أنه لا يشهد عند السكوت إلا إذا تكرر عنده الإقرار والسكوت، والذي أجاب به الغزالي: أنه لا تجوز الشهادة على النسب بذلك، بل يشهد والحالة هذه على الإقرار، وهذا قياس ظاهر.

ويوافق الحنابلة الشافعية كذلك في اشتراط العدد أو الاستفاضة بالنسبة للنسب. جاء في المغني: وما تظاهرت به الأخبار واستقرت معرفته في قلبه شهد به، وهو ما يعلمه بالاستفاضة، وأجمع أهل العلم على صحة الشهادة بها في النسب والولادة.

وكلام أحمد والخرقي يقتضي ألا يشهد بالاستفاضة حتى تكثر به الأخبار ويسمعه من عدد كثير يحصل به العلم، يقول الخرقي: فيما تظاهرت به الأخبار واستقرت معرفته في القلب، يعني حصل العلم به، وذكر القاضي في "المعجم" أنه يكفي أن يسمع من اثنين عدلين ويسكن قلبه إلى خبرهما، لأن الحقوق تثبت بقول اثنين، وهذا قول المتأخرين من أصحاب الشافعي، والقول الأول هو الذي يقتضيه لفظ الاستفاضة، فإنها مأخوذة من فيض الماء لكثرة، ولأنه لو اكتفى فيه بقول اثنين لا يشترط فيه ما يشترط في الشهادة على الشهادة، وإنما اكتفى فيه بمجرد السماع، وإذا سمع رجلا يقول لصبي: هذا ابني، جاز له أن يشهد به، لأنه مقر بنسبه، وإن سمع الصبي يقول: هذا أبي، والرجل يسمعه فسكت جاز أن يشهد أيضا، لأن سكوت الأب إقرار له، والإقرار يثبت النسب فجازت الشهادة، وإنما أقيم السكوت ههنا مقام الإقرار، لأن الإقرار على الانتساب الباطل جائز بخلاف سائر الدعاوى، ولأن النسب يغلب فيه الإثبات، ألا ترى أنه يلحق بالإمكان في النكاح؟ وذكر أبو الخطاب أنه يحتمل ألا يشهد مع السكوت حتى يتكرر، لأن السكوت ليس بإقرار حقيقي، وإنما أقيم مقامه، فاعتبرت تقويته بالتكرار، كما اعتبرت تقوية اليد في العقار بالاستمرار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳ ص ۲۳۹ إلى ۲۵۲، مادة "نسب")

۱. والشهادة في الأنساب تحل بالشهرة والتسامع، وكذا فيما له حكم النسب، ألا ترى أنا نقول: نافع مولى ابن عمر، وعكرمة مولى عبد الله بن عباس، كما نقول: عمر بن الخطاب رضي الله عنه،

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱..... اگر کسی شخص کے نسب کا قضیہ کسی قاضی و جج کی عدالت میں پہنچا، اور قاضی نے اس شخص کا کسی (مثلاً بنو ہاشم) سے نسب ثابت ہونے کا فیصلہ کر دیا، تو قاضی و جج کا یہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وأبو حنیفة رحمہ اللہ قال :إنما تحل الشهادة بالشہرة والتسامع فی النسب، لأنه يشتهر وقوعاً وبقاءً فی الغالب علی ما بینا(المحیط البرہانی، ج ۸ ص ۳۰۵، کتاب الشهادات، الفصل الاول)

وتجوز الشهادة بتسامع وشہرة فی أشياء منها النسب حتی لو سمع من الناس أن هذا فلان بن فلان الفلانی وسعه أن يشهد به ولو لم یعاین الولادة علی فراشه وطریق المعرفة النسب أن یسمعه من جماعة لا يتصور تواطؤهم علی الکذب عند "ح" رحمہ اللہ وعندهما لو أخبر به عدلان یکفی وقد مر فی فصل الإشارة أن الفتوی علی قولهما (جامع الفصولین، ج ۱ ص ۱۰۱، کتاب الشهادات، الفصل الثانی عشر فیما تسمع فیہ الشهادة بلا دعوی وفي الشهادة بتسامع)

قال : (ولا یجوز له أن يشهد بما لم یعاینه إلا النسب والموت والدخول والنکاح وولاية القاضي، وأصل الوقف) ، والقیاس أنه لا یجوز، لأن الشهادة من المشاهدة وهی المعاینة ولم توجد وجه الاستحسان أن هذه الأشياء یتأخر بحضور جماعة مخصوصین وتعلق بها أحكام مستمرة، فأقيمت الشهرة والاستفاضة مقام العیان والمشاهدة کیلا تعطل هذه الأحکام، وعلی هذا الناس من الصدر الأول إلى يومنا هذا، ألا ترى أنا نشهد أن عائشة -رضی اللہ عنہا- زوج النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- وكذلك سائر زوجاته وفاطمة -رضی اللہ عنہا- زوجة علی -رضی اللہ عنہ- وغير ذلك، ونشهد بنسب النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- وأصحابه، ونشهد بقضاء شریح وابن أبی لیلی وأبی یوسف، ونشهد بموت الخلفاء الراشدين وغيرهم، والشہرة إنما تكون إما بالتواتر أو بإخبار من یثق به، حتی لو أخبره واحد یثق به جاز، واشترط بعضهم رجلین أو رجلاً وامرأتین (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴، کتاب الشهادات، فصل یجوز أن يشهد بكل ما سمعه أو أبصره من الحقوق والعقود)

إلا فی النسب والموت والنکاح والدخول وولاية القاضي وأصل الوقف) فإن الشهادة بالتسامع جائزة فیها (إذا أخبر بها رجلان أو رجل وامرأتان عدولاً) والقیاس أن لا تجوز لأن الشهادة لا تجوز إلا بعلم كما مر ولا یحصل العلم إلا بالمشاهدة والعیان أو بالخبر المتواتر ولم یوجد فصار کالبيع والإجارة بل أولى لأن حکم المال أسهل من حکم النکاح وجه الاستحسان أن هذه الأمور تختص بمعاینة أسبابها خواص من الناس ویعلق بها أحكام تبقى علی انقضاء القرون وانقراض الأعصار فلو لم تقبل فیها الشهادة بالتسامع أدى إلى الحرج وتعطيل تلك الأحکام بخلاف البيع والهبة والإجارة ونحوها لأنه کلام یسمعه کل أحد وإنما یجوز أن يشهد بالتسامع إذا حصل له العلم بالتواتر أو بالاشتهار أو بإخبار من یثق به ویشرط أن یخبره رجلان عدلان أو رجل وامرأتان لأنه أقل نصاب یفید العلم الذی یتبني علیه الحکم فی المعاملات (درر الحکام شرح غرر الأحکام، ج ۲ ص ۳۷۴، ۳۷۵، کتاب الشهادات)

فیصلہ بھی نسب کے ثبوت کے لئے مستقل حجت اور دلیل سمجھا جاتا ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۱۲..... جو لوگ علوی کہلاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے نسب سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو لوگ عباسی کہلاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ

۱۔ حکم القاضی بعد حکم القاضی بالنسب دلیلاً مستقلاً، لأن الحكم قد لا يذكر فيه مستند
الحكم، والأكثر على أن ذلك لا يقدح في حكمه كما ذكره المالكية، وأصله قول سحنون: يقبل
قول القاضی فيما اشتمل عليه مجلس حكمه، ولأن مستنده قد يكون مختلفاً في اعتباره مستنداً،
فإذا حكم بمقتضاه ارتفع الخلاف فيه، وكان الحكم طريق الثبوت.

وفى الفقه المالکی بكثر التنبيه في نوازل النسب على أن حكم القاضی بالإرث لمدعى النسب في
الأحوال المختلف فيها يمضى، فإذا وقع الاستظهار بحكم قاض بثبوت نسب أحد غيره مذكور فيه
مستند الحاكم لم يسع القاضی -المستظهر لديه بذلك الحكم- إلا أن يقول: ثبت ذلك بحكم
القاضی فلان.

قال الجزیری من المالكية: إذا انصرمت الآجال وعجز الطالب عجزه القاضی وأشهد بذلك،
ويصح التعجيز في كل شيء يدعى فيه إلا خمسة أشياء: الدماء، والأحباس، والعق، والطلاق،
والنسب، وبه قال ابن القاسم وأشهد وابن وهب.

وضابطه كل حق ليس لمدعيه إسقاطه بعد ثبوته، ومنها دعوى نسب لشخص معين ببينة، ولم يأت
بها بعد العلوم، فلا يعجز، فمتى أقامها حكم على مقتضاها وفصل الدسوقي فقال: فليس للقاضی أن
يعجز طالب إثبات النسب سواء اعترف بالعجز أو ادعى أن له بينة، وطلب الإمهال لها وأنظر فلم
يأت بها، فإن عجزه كان حكمه بالتعجيز غير ماض، فإذا قال مدعى النسب: لى بينة بذلك، وأمهل
لإثبات بها فتبين لدده، حكم الحاكم بعدم ثبوت النسب، ولا يحكم بتعجيز ذلك المدعى، فإن
حكم بعجزه كان حكمه غير ماض، وأما طالب نفى النسب فإنه يمضى حكمه بتعجيزه فى النسب،
فإذا قامت بينة لمدعى النسب فقال المدعى عليه: عندى بينة تجرح بينة المدعى، فإذا أمهل وتبين
لدده حكم القاضی بثبوت النسب وتعجيز المدعى عليه، وإذا عجزه فلا يقبل منه ما أتى به بعد
ذلك، كذا قال الجزیری وارتضاه البناني، وقال على الأجهوري: إن المدعى عليه كالمدعى فى
النسب ليس للقاضی تعجيزه أصلاً فيها.

وحكم القاضی بثبوت النسب ينفذ على المحكوم عليه وعلى غيره ممن لم يدخل فى الخصومة؛
لأن الحكم على الحاضر حكم على الغائب فى مسائل منها النسب.

والمراد بالغائب: من لم يخاصم فى النازلة المقضى فيها أصلاً، أو لم يحضر عند صدور الحكم من
القاضی، وفسروه بأنه من ثبتت غيبته بالبينة، سواء كان غائباً وقت إقامة الشهادة أو بعدها وبعد
التزكية، وسواء كان غائباً عن المجلس أو عن البلد، وأما إذا أقر عند القاضی فإنه يقضى عليه وهو
غائب، لأن له أن يطعن فى البينة وليس له أن يطعن فى الإقرار عند القاضی (الموسوعة الفقهية
الكويتية، ج ۲ ص ۲۵۲، ۲۵۳، مادة "نسب")

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نسب سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ ہاشمی ہیں۔
 البتہ اگر اس طرح کے نسب سے مشہور کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نسبت کسی اور
 وجہ سے مشہور ہوئی ہے، ورنہ درحقیقت وہ لوگ بنو ہاشم کے نسب سے تعلق نہیں رکھتے، مثلاً ان
 کے اوپر کسی سلسلہ میں عباس نام کا کوئی شخص گزرا ہے، جس کی وجہ سے ان کو عباسی کہا جاتا ہے،
 تو پھر اس طرح کی شہرت و نسبت کی وجہ سے انہیں ہاشمی قرار نہیں دیا جائے گا۔
 مسئلہ نمبر ۱۳..... نسب کا ثبوت باپ کی طرف سے ہوتا ہے، ماں کی طرف سے نہیں ہوتا۔
 لہذا اگر کسی شخص کی صرف ماں ہاشمی ہو، لیکن باپ کسی اور نسب سے تعلق رکھتا ہو (یعنی باپ کا
 تعلق بنو ہاشم کے نسب سے نہ ہو) تو ایسے شخص کو ہاشمی نہیں قرار دیا جائے گا۔
 اور اس کے برعکس اگر کسی شخص کا والد ہاشمی ہو، اور ماں غیر ہاشمی ہو، تو اس کو ہاشمی قرار دیا جائے
 گا۔ ۱۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ۔

۱۔ البتہ حنابلہ وغیرہ میں سے بعض حضرات کے نزدیک اس سلسلہ میں والدہ کے نسب کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، نہ کہ والد
 کے نسب کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف) فہی عبارت فی إيجاب نفقة المنكوحات إشارة إلى
 أن نفقة الأولاد على الأب وأن النسب له (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۴۹، کتاب الطلاق، باب النفقة،
 فصل نفقة الطفل الصغير)

(ويجوز) دفع الزكاة (إلى) ولد هاشمية من غير هاشمي في ظاهر كلامهم، وقاله القاضي اعتباراً
 بالأب) وقال أبو بكر لا يجوز واحتج بحديث أنس ابن أخت القوم منهم متفق عليه (كشاف القناع
 عن متن الاقناع، ج ۲ ص ۲۹۱، كتاب الزكاة، فصل دفع الزكاة إلى كافر، لمنصور بن يونس
 البهوتي)

(فصل نمبر ۴)

اولاد، والدین، زوجین و اقرباء کو زکاة دینے کے احکام

مخصوص رشتہ داروں کے علاوہ عام رشتہ داروں کو زکاة دینا، نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ زیادہ ثواب کا باعث ہے، جس کے احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... زکاة دینے والے کو اپنے اصولی رشتہ داروں کو (یعنی جن افراد سے یہ شخص خود بلا واسطہ یا بلا واسطہ پیدا ہوا ہے، مثلاً اپنے والدین اور والدین کے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی اور پر تک کے سلسلہ کے لوگوں کو) زکاة دینا جائز نہیں۔

اور اسی طرح زکاة دینے والے کو اپنے فروعی رشتہ داروں کو (یعنی جو افراد بلا واسطہ یا بلا واسطہ اس سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو نیچے تک کے سلسلہ کے لوگوں کو) زکاة دینا جائز نہیں۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... زوجین کے ایک دوسرے کو زکاة دینے کے مسئلہ میں فقہائے کرام کے نزدیک کچھ تفصیل ہے۔

چنانچہ شوہر کا اپنے مال کی زکاة اپنے نکاح میں موجود بیوی کو دینا تو فقہائے کرام کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں، الا یہ کہ اس عورت کو طلاق دے دی ہو، اور عدت بھی گزر گئی ہو۔ ۲

۱۔ کل من انتسب الیہ المزکی أو انتسب الی المزکی بالولادة.

ویشمل ذلک أصوله وهم أبواه وأجداده، وجداته، وارثین كانوا أو لا، وكذا أولاده وأولاد أولاده، وإن نزلوا، قال الحنفیة: لأن منافع الأملاك بینهم متصلة، وهذا مذهب الحنفیة والحنابلة (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۳۲۶، مادة "زکاة")

۲۔ لا یجزء الرجل إعطاء زکاة ماله الی زوجته. قال ابن قدامة: هو إجماع، قال الحنفیة: لأن المنافع بین الزوجین مشتركة، وقال الجمهور: لأن نفقتها واجبة علی الزوج، فیکون کالدافع الی نفسه، ومحل المنع إعطاؤها الزکاة لتنفقها علی نفسها، فأما لو أعطاه ما تدفعه فی دینها، أو لتنفقه ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بیوی کے اپنے مال کی زکاۃ اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعی اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، اور امام احمد اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دینا جائز ہے، جبکہ اس کا شوہر مالدار نہ ہو، بلکہ غریب ہو۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی غیرها من المستحقین، فلا بأس، علی ما صرح به المالکیہ وقریب منه ما قال الشافعیة: إن الممنوع إعطاؤها من سهم الفقراء أو المساکین، أما من سهم آخر هی مستحقة له فلا بأس، وهو ما يفهم أيضا من كلام ابن تیمیة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۳، ص ۳۲، مادة ”زکاۃ“) أما الزوجة فلا يجوز دفع الزکاۃ إليها إجماعا. قال ابن المنذر أجمع أهل العلم علی أن الرجل لا يعطى زوجته من الزکاۃ؛ وذلك لأن نفقتها واجبة علیه، فتستغنی بها عن أخذ الزکاۃ، فلم یجوز دفعها إليها، كما لو دفعها إليها علی سبیل الإنفاق علیها (المغنی لابن قدامة، ج ۲، ص ۴۸۴، کتاب الزکاۃ، مسألة من لا تعطى لهم الصدقة)

۱ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب ”المغنی“ میں امام احمد کی اسی روایت کی طرف اپنا رجحان ظاہر فرمایا ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور ہمارا ذاتی رجحان بھی اسی موقف کی طرف ہے، جس کے حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد بھی قائل ہیں، بالخصوص جبکہ اس کی ضرورت بھی لاحق ہو، مثلاً بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کی ملکیت میں زکاۃ کے نصاب کے بقدر سونے، چاندی کا زیور ہوتا ہے، اور اس کا شوہر غریب، ضرورت مند، بلکہ بعض اوقات مقروض ہوتا ہے، ایسی صورت میں بہت سی عورتیں اپنے زیور اور مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتیں، اور اگر ان کو یہ بتلایا جائے کہ وہ اپنے مال کی زکاۃ، اپنے شوہر کو دے سکتی ہیں، تو بہت سی عورتیں زکاۃ دینے پر آمادہ ہو جائیں، اور کسی کے نزدیک بھی زکاۃ کا فریضہ ادا نہ ہونا نسبت بعض کے نزدیک ادا ہونے کے سنگین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وأما إعطاء المرأة زوجها زکاۃ مالها فقد اختلف فيه: فذهب الشافعی وصاحب ابی حنیفہ وهو رواية عن أحمد واختیار ابن المنذر، إلى جواز ذلك لحديث زينب زوجة عبد الله بن مسعود رضى الله عنهما، وفيه أنها هی وامرأة أخرى سألتا النبی صلی الله علیه وسلم: هل تجزئ الصدقة عنهما علی أزواجهما، وعلی أیتام فی حجرهما؟ فقال: لهما أجران أجر القرابة وأجر الصدقة. وقال ابن قدامة: ولأنه لا تجب علیها نفقة الزوج، ولعموم آية مصارف الزکاۃ، إذ ليس فی الزوج إذا كان فقیرا نص أو إجماع يمنع إعطاءه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۳، ص ۳۲، مادة ”زکاۃ“)

وفیما إذا دفعت المرأة لزوجها خلاف ابی یوسف ومحمد والشافعی (تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۳۰۱، کتاب الزکاۃ، باب المصرف)

والرواية الثانية، يجوز لها دفع زکاتها إلى زوجها. وهو مذهب الشافعی وابن المنذر وطائفة من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکاة اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ شوہر نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی ہو، اور اس کی عدت بھی ختم ہوگئی ہو، اور حنفیہ کی عام کتب فقہ و فتاویٰ میں اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اہل العلم؛ لأن زینب امرأة عبد الله بن مسعود قالت يا نبي الله، إنك أمرت اليوم بالصدقة، وكان عندی حلی لی، فأردت أن أتصدق به، فزعم ابن مسعود أنه هو وولده أحق من تصدقت عليهم. فقال النبي -صلى الله عليه وسلم- صدق ابن مسعود، زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم. رواه البخاری.

وروی أن امرأة عبد الله سألت النبي -صلى الله عليه وسلم- عن بنی أخ لها أیتام فی حجرها، أفتعطیهم زکاتہا؟ قال: نعم.

وروی الجوزجانی، بإسناده عن عطاء قال: أتت النبي -صلى الله عليه وسلم- امرأة، فقالت: يا رسول الله، إن علی نذرا أن أتصدق بعشرين درهما، وإن لی زوجا فقيرا، أفیجزئ عني أن أعطيه؟ قال: نعم، لك كفلان من الأجر. ولأنه لا تجب نفقته، فلا يمنع دفع الزكاة إليه، كالأجنبي، ويفارق الزوجة، فإن نفقتها واجبة عليه، ولأن الأصل جواز الدفع لدخول الزوج في عموم الأصناف المسمين في الزكاة، وليس في المنع نص ولا إجماع.

وقياسه على من ثبت المنع في حقه غير صحيح؛ لوضوح الفرق بينهما، فيبقى جواز الدفع ثابتا، والاستدلال بهذا أقوى من الاستدلال بالنصوص، لضعف دلالتها؛ فإن الحديث الأول في صدقة التطوع، لقولها: أردت أن أتصدق بحلی لی. ولا تجب الصدقة بالحلی، وقول النبي -صلى الله عليه وسلم- زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم. والولد لا تدفع إليه الزكاة. والحديث الثاني، ليس فيه ذكر الزوج، وذكر الزكاة فيه غير محفوظ (المغنی لابن قدامة، ج ۲، ص ۳۸۳ و ۳۸۵، كتاب الزكاة، مسألة من لا تعطى لهم الصدقة)

۱۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے بارے میں مالکیہ کے دو اقوال ہیں، ایک یہ کہ بیوی کا اپنے مال کی زکاة اپنے شوہر کو دینا جائز ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اور دوسرے یہ کہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

وقال أبو حنيفة، وهو رواية أخرى عن أحمد: لا يجزئ المرأة أن تعطى زوجها زكاتها ولو كانت في عدتها من طلاقه البائن ولو بثلاث طلاقات، لأن المنافع بين الرجل وبين امرأته مشتركة، فهي تستفيع بتلك الزكاة التي تعطىها لزوجها، ولأن الزوج لا يقطع بسرقة مال امرأته، ولا تصح شهادته لها.

وقال مالك: لا تعطى المرأة زوجها زكاة مالها. واختلف أصحابه في معنى كلامه، فقال بعضهم: بأن مراده عدم الإجزاء، وقال آخرون: بإجزائه مع الكراهة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲، مادة "زكاة")

وأما الزوج، ففيه روايتان: إحداهما، لا يجوز دفعها إليه.

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸۰۰..... اپنے اصولی و فروعی رشتہ داروں اور زوجین کے علاوہ (جن کی تفصیل پہلے ذکر کی گئی) دوسرے ہر قسم کے رشتہ داروں کو حنفیہ کے نزدیک زکاة دینا جائز ہے، جبکہ وہ غریب و مستحق ہوں۔

چنانچہ اپنے بھائی، بہن، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اور ان سب کی اولادیں، اور رضاعی یعنی دودھ کے رشتے کے والدین اور دودھ کے رشتے والی اولاد، اور اسی طرح سوتیلے والدین، سوتیلی اولاد، بہو، داماد، ساس، سر وغیرہ ان سب طرح کے رشتہ داروں کو غریب و مستحق ہونے کی صورت میں اپنے مال کی زکاة دینا جائز ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو اختيار أبي بكر ومذهب أبي حنيفة لأنه أحد الزوجين، فلم يجوز دفع زكاته إليه كآخر، ولأنها تنتفع بدفعها إليه؛ لأنه إن كان عاجزا عن الإنفاق عليها، تمكن بأخذ الزكاة من الإنفاق، فيلزمه، وإن لم يكن عاجزا، ولكنه أيسر بها، لزمته نفقة الموسرين، فتنتفع بها في الحالين، فلم يجوز لها ذلك، كما لو دفعتها في أجره دار، أو نفقة رقيقها أو بهائمها.

فإن قيل: فيلزم على هذا الغريم؛ فإنه يجوز له دفع زكاته إلى غريمه، ويلزم الآخذ بذلك وفاء دينه؛ فينتفع الدافع بدفعها إليه. قلنا: الفرق بينهما من وجهين: أحدهما، أن حق الزوجة في النفقة أكد من حق الغريم، بدليل أن نفقة المرأة مقدمة في مال المفلس على أداء دينه، وأنها تملك أخذها من ماله بغير علمه، إذا امتنع من أدائها، والثاني أن المرأة تنبسط في مال زوجها بحكم العادة، ويعد مال كل واحد منهما مالا للآخر، ولهذا قال ابن مسعود في عبد سرق امرأة امرأة سيدة: عبدكم سرق مالكم. ولم يقطعه.

وروى ذلك عن عمر وكذلك لا تقبل شهادة كل واحد منهما لصاحبه، بخلاف الغريم مع غريمه (المغني لابن قدامة، ج ۲، ص ۳۸۳، كتاب الزكاة، مسألة من لا تعطى لهم الصدقة)

۱۔ ويجوز دفع الزكاة إلى بقية الأقارب الفقراء غير المذكورين كالأخ والأخت والعمة والعم والخالة والخال ونحوهم، لحديث الطبراني عن سلمان بن عامر: الصدقة على المسكين صدقة وهي لدى الرحم اثنان: صدقة وصلة بل إن القرابة أحق بزكاة المزكي، قال مالك: أفضل من وضعت فيه زكاتك قرابتك الذين لا تعول.

ويجوز دفع الزكاة لزوجته أبيه وابنه وزوج ابنته (الصهر). (ولم يجوز المالكية دفع الزكاة لمن كانت نفقته لازمة عليه أو كان له مرتب في بيت المال يكفيه. وكذلك لم يجوز الحنابلة دفع الزكاة إلى عمودي النسب في حال تجب نفقتهم فيه عليه أو لا تجب نفقتهم فيه، ورثوا أو لم يرثوا، حتى ذوى الأرحام منهم، كأبي الأم وولد البنت (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۶۸ إلى

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... جن رشتہ داروں کو شرعاً زکاة دینا جائز ہے، ان کو زکاة دینے میں دو گنا ثواب ہے، ایک زکاة کی ادائیگی کا، اور دوسرے حسن سلوک کا۔
لیکن اگر دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہو، تو اس کو زکاة کا بتا کر دینا مناسب نہیں، بلکہ تحفہ، ہدیہ وغیرہ کے عنوان سے زکاة دے دینی چاہئے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع
أما سائر الأقارب، وهم الحواشي كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات، وأولادهم، فلا يمنع إعطاؤهم زكاته ولو كان بعضهم في عياله، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: الصدقة على المسكين صدقة، وهي على ذی الرحم اثنان: صدقة وصلة وهذا مذهب الحنفية وهو القول المقدم عند الحنابلة.

وأما عند المالكية والشافعية فإن الأقارب الذين تلزم نفقتهم المزكى لا يجوز أن يعطيهم من الزكاة، والذين تلزم نفقتهم عند المالكية الأب والأم دون الجد والجدة، والابن والبنت دون أولادهما، واللازم نفقة الابن ما دام في حد الصغر، والبنت إلى أن تتزوج ويدخل بها زوجها. والذين تلزم نفقتهم عند الشافعية الأصول والفروع.

وفي رواية عند الحنابلة وهو قول الثوري: يفرق في غير الأصول والفروع بين الموروث منهم وغير الموروث، فغير الموروث يجزئ إعطاؤه من الزكاة، والموروث لا يجزئ، وعلى الوارث نفقته إن كان الموروث فقيراً فيستغنى بها عن الزكاة، إذ لو أعطاه من الزكاة لعاد نفع زكاته إلى نفسه، ويشترط هنا شروط الإرث ومنها: أن لا يكون الوارث محجوباً عن الميراث وقت إعطاء الزكاة. واستثنى الحنفية في ظاهر الرواية من فرض له القاضي النفقة على المزكى، فلا يجزئ إعطاؤه الزكاة، لأنه أداء واجب في واجب آخر، على أنهم نصوا على أن يجوز أن يدفعها إلى زوجة أبيه وزوجة ابنه وزوج ابنته.

وقيد المالكية والشافعية وابن تيمية من الحنابلة الإعطاء الممنوع بسهم الفقراء والمساكين، أما لو أعطى والده أو ولده من سهم العاملين أو المكاتبين أو الغارمين أو الغزاة فلا بأس. وقالوا أيضاً: إن كان لا يلزمه نفقته جاز إعطاؤه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۶، مادة "زكاة")
۱۔ ولا يشترط علم أخذ الزكاة أنها زكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، مادة "زكاة")

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكيناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً ونوى الزكاة فإنها تجزئ له لأن العبرة نية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الأنهر، ج ۱ ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة أداء الزكاة)
ومن أعطى مسكيناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً ونوى الزكاة فإنها تجزئ له، وهو الأصح هكذا في

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... جن رشتہ داروں کو زکاة دینا جائز نہیں، اگر وہ سخت ضرورت مند ہوں، اور زکاة کے علاوہ کسی اور طرح سے ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں اگر زکاة کا مال کسی مستحق غریب کو مالک بنا کر دے دیا جائے، اور پھر وہ اپنی خوش دلی سے ان حضرات کا اس مال سے تعاون و اعانت کر دے، تو زکاة ادا ہو جاتی ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البحر الرائق ناقلاً عن المبتغى والقنية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول) ولو نوى الزکاة فيما يدفعه إلى صبيان أقاربه عیدياً أو لمن يهدى إليه الباكورة أو يشتره بقدم صديقه أو بخير يسره أو إلى سحر خوان أو المعلم أو الخليفة التي في المكتب ولم يستاجرہ يجوز (الفتاوى البزازیة، ج ۱ ص ۴۰، کتاب الزکاة)

۱۔ ذهب الفقهاء إلى أنه لا يجوز دفع الزکاة إلى أصله وإن علا ولا إلى فرعه وإن سفل وإن كانا معسرین والحيلة عند الحنفية في جواز ذلك مع الكراهة أن يتصدق بها على الفقير ثم يصرفها الفقير إليهما.

وكذلك التملك شرط في مصارف الزکاة فلا تصرف الزکاة إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والتكفين وكل ما لا تملك فيه والحيلة في جواز الدفع لهذه الأشياء مع صحة الزکاة عند الحنفية: أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فيكون له ثواب الزکاة وللفقير ثواب هذه القرب.

وصرح الحنفية بأنه لا يجوز في الزکاة أداء الدين عن العين والمراد بالدين ما كان ثابتاً في الذمة من مال الزکاة وبالعين ما كان قائماً في ملكه من نقود وعروض، وأداء الدين عن العين كجعله ما في ذمة مديونه زکاة لماله الحاضر.

وكذلك لا يجوز أداء دين عن دين سيقبض كما لو أبرأ الفقير عن بعض النصاب ناوياً به الأداء عن الباقي لأن الباقي يصير عينا بالقبض فيصير مؤدياً الدين عن العين.

وحيلة الجواز عندهم فيما إذا كان له دين على معسر وأراد أن يجعله زکاة عن عين عنده أو عن دين له على آخر سيقبضه: أن يعطى مديونه الفقير زکاته، ثم يأخذها عن دينه قال في الأشباه: وهو أفضل من غيره واستدل ابن عابدين لهذا بقوله: لأنه يصير وسيلة إلى براءة ذمة المديون.

وصرح المالكية والحنابلة بأنه يجوز إلا إذا كان حيلة قال الحطاب: ومحل الجواز إذا لم يتواطأ عليه وإلا منع اتفاقاً.

وقال أحمد: إن كان حيلة فلا يعجنى قال القاضي وغيره: معنى الحيلة: أن يعطيه بشرط أن يردها عليه من دينه لأن من شرطها كونها تملكاً صحيحاً، فإذا شرط الرجوع لم يوجد ولأن الزکاة حق الله تعالى فلا يجوز صرفها إلى نفعه وإن رد الغريم من نفسه ما قبضه وفاء عن دينه من غير شرط ولا مواطأة جاز لرب المال أخذه من دينه لأنه بسبب متجدد كالإرث والهبة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۲۴۵، مادة "مخارج الحيل")

مسئلہ نمبر ۶..... جن رشتہ داروں کو زکاة دینا جائز نہیں، ان کو نفلی صدقات کا دینا جائز ہے، بلکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک نفلی صدقات کا مالدار کو دینا بھی جائز ہے، اور مالدار کو دیئے جانے والا صدقہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے ہدیہ و ہبہ کا حکم رکھتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۷..... منہ بولی اولاد اور منہ بولے والدین وغیرہ کو زکاة دینا جائز ہے، جبکہ یہ افراد زکاة کے مستحق ہوں، کیونکہ منہ سے کسی کو اولاد یا والدین وغیرہ بنانے کی وجہ سے حقیقی رشتہ قائم نہیں ہو جاتا۔ ۲

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ ”لے پاک اور منہ بولی اولاد کی شرعی حیثیت“
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ

۱۔ أما صدقات التطوع: فيجوز دفعها للأصول والفروع والزوجات والأزواج، والدفع إليهم أولى، لأن فيه أجرين: أجر الصدقة وأجر الصلة.

وتجوز صدقة التطوع للأغنياء والكفار، ولهم أخذها، وفيه أجر، لقوله تعالى: (ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيمماً وأسيراً) ولم يكن الأسير يومئذ إلا كافراً، وكسى عمر خاله مشركاً حلة كان النبي صلى الله عليه وسلم كساه إياها، وقال النبي صلى الله عليه وسلم لأسماء بنت أبي بكر التي استفتته في صلة أمها وهي مشركة: صلى أمك، لكن يستحب للغنى عن السؤال، مع وجود حاجتهم، فقال: (يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف) فإن أخذها الغنى مظهراً للفاقة، حرم عليه ذلك، وإن كانت تطوعاً، لما فيه من الكذب والتغوير (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۶۸ الى ۱۹۷۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۲۔ فلا يثبت بالتبني شيء من احكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذلك (التفسير المظهر، ج ۷ ص ۲۸۲، سورة الاحزاب، تحت رقم الآية ۵)

(فصل نمبر ۵)

زکاة کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام

زکاة کی ادائیگی کے لئے نیت سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... زکاة درحقیقت، فرض عبادات میں ایک اہم فریضہ ہے، جیسا کہ نماز بھی ایک اہم فریضہ ہے، اور عبادت کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے، اس وجہ سے زکاة کی ادائیگی کے لئے بھی نیت کا ہونا شرط اور ضروری ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... نیت کا اصل محل و مقام انسان کا دل ہے، یعنی نیت، دل کا عمل ہے، لہذا زکاة ادا ہونے کے لئے دل میں نیت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور زبان سے کوئی لفظ کہنا ضروری نہیں ہوتا۔

اور دل میں نیت اس طریقہ سے کرے، مثلاً وہ زکاة کا فریضہ ادا کر رہا ہے، یا اللہ نے جو زکاة

۱۔ جمہور اکثر اہل علم حضرات کے نزدیک زکاة کی ادائیگی کے لئے نیت شرط ہے، اور امام اوزاعی سے نیت کا شرط نہ ہونا مردی ہے۔

الزکاة فریضة من فرائض العبادات، كالصلاة، ولذلك فإن النية شرط فيها عند عامة العلماء .
وروی عن الأوزاعي عدم اشتراط النية فيها لأنها دين على صاحبها، وأداء الدين لا يفتقر إلى نية.
واستدل الجمهور بقول النبي صلى الله عليه وسلم : إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوى .
ولأن إخراج المال لله يكون فرضاً ويكون نفلاً، فافتقرت الفريضة إلى النية لتمييزها عن النفل،
وقياساً على الصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۲ مادة ”زكاة“)
ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النية شرط لصحة أداء الزكاة لحديث : إنما الأعمال بالنيات ...
ولأنها عبادة من العبادات فوجب فيها النية كسائر العبادات، ولأن إخراج المال لله يكون فرضاً أو نفلاً فافتقرت الزكاة إلى النية لتمييزها .

وحكى عن الأوزاعي أنه قال : لا تجب النية لأن الزكاة دين فلا تجب لها النية كسائر الديون، ولهذا يخرجها ولي التيمم، وولى الصبى والسلطان يئوبان عند الحاجة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۲، ص ۱۰۲ مادة ”نية“)

کی شکل میں عبادت مقرر کی ہے، وہ اس کو انجام دے رہا ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۳..... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک زکاة کی ادائیگی کے لئے نیت کا ہونا یا تو غریب یا اس کے وکیل کو مال حوالہ کرتے وقت ضروری ہے، یا پھر زکاة دینے کے لئے مال کو دوسرے مال سے الگ کرتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے۔

لہذا اگر زکاة ادا کرنے کی غرض سے زکاة کا مال الگ کر کے رکھ لیا، اور پھر کسی دوسرے وقت میں مستحق کو یہی مال بغیر زکاة کی نیت کئے ہوئے خالی الذہن ہو کر دے دیا، تب بھی زکاة ادا ہو جائے گی، اور وہی زکاة کا مال الگ کرتے وقت کی نیت کافی ہو جائے گی۔

لیکن اگر نہ تو غریب کو مال دیتے وقت زکاة کی نیت کی، اور نہ ہی پہلے سے زکاة کی نیت سے یہ مال الگ کر کے رکھا ہوا تھا، تو پھر زکاة ادا نہیں ہوگی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کسی نے زکاة ادا کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل و نمائندہ بنایا، اور اس وکیل

۱۔ ومعنی النية المشترطة في الزكاة أن يقصد بقلبه أن ما يخرج هو الزكاة الواجبة عليه في ماله، وإن كان يخرج عن تحت يده من صبي أو مجنون أن يقصد أنها الزكاة الواجبة عليهما. ويعتبر أن يكون النواي مكلفاً، لأنها فريضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۲، مادة "زكاة")
(قوله وشرط أدائها نية مقارنة للأداء أو عزل ما وجب أو تصدق بـ) بيان لشرط الصحة فإن شرائطها ثلاثة أنواع: شرائط وجوب، وهي ما ذكره إلا الحول، فإنه من شروط وجوب الأداء بدليل جواز التعجيل قبله بعد وجود السبب وأما النية فهي شرط الصحة لكل عبادة كما قدمناه وقد علمت من قوله أولاً لله تعالى لكن المراد هنا بيان تفاصيلها، والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيخرج باستحضار النية عند كل دفع فاكفتي بوجودها حالة العزل دفعا للخرج (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة)

۲۔ وقال الحنفية والمالكية والشافعية: إن عزل الزكاة عن ماله ونوى عند العزل أنها زكاة كفى ذلك، ولو لم ينو عند الدفع، قال ابن عابدين: لأن الدفع يتفرق، فينخرج باستحضار النية عند كل دفع، فاكفتي بذلك، للخرج.

وإن دفع الزكاة إلى وكيله أو نوايا أنها زكاة كفى ذلك، والأفضل أن ينوي الوكيل أيضاً عند الدفع إلى المستحقين أيضاً ولا تكفي نية الوكيل وحده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۲، ۲۹۳، مادة "زكاة")

أو نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية أو دفعها للذمي ليدفعها لأن المعتبر للفقراء جاز نية الأمر (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۸، ۲۶۹، كتاب الزكاة)

و نمائندہ کو زکاة کا مال دیتے وقت زکاة کی ادائیگی کی نیت کی، اور پھر اس وکیل و نمائندہ نے وہ زکاة کا مال غریب کو بغیر زکاة کی نیت کے دے دیا، تب بھی زکاة ادا ہو جائے گی۔

پس اگر غریب مستحق کو زکاة دینے کے لئے اپنا مال، زکاة کی نیت سے کسی دوسرے کو حوالے کیا (یعنی اسے اپنی زکاة ادا کرنے کا نمائندہ اور وکیل بنایا) تو اس دوسرے کو حوالے کرتے وقت زکاة کی نیت کر لینا کافی ہے، پھر اس کے بعد اگر وہ دوسرا شخص، کسی غریب مستحق کو یہ رقم بغیر زکاة کی نیت کے دے دے تو بھی زکاة ادا ہو جائے گی۔

اور اگر وکیل کو زکاة کا مال دیتے وقت تو زکاة کی نیت نہیں کی، لیکن جب وکیل نے غریب کو زکاة دی، اس وقت زکاة کی ادائیگی کی نیت کر لی، تب بھی زکاة ادا ہو جائے گی۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی شخص نے اپنی زکاة کا مال الگ کرتے وقت زکاة کی نیت کی تھی، پھر اس مال کو بغیر زکاة کی نیت کے کسی وکیل کو دے دیا، تا کہ وہ کسی غریب کو وہ مال دے دے،

۱۔ (قوله ولا يجوز أداء الزكاة إلا بنية مقارنة للأداء أو مقارنة لعزل مقدار الواجب) لأن الزكاة عبادة فكان من شرطها النية كالصلاة والصوم والأصل في النية الاقتران إلا أن الدفع يفرق فاكفي بوجودها حالة العزل تيسيرا كتقديم النية في الصوم وقوله مقارنة للأداء يعني إلى الفقير أو إلى الوكيل فإنه إذا وكل في أداء الزكاة أجزأته النية عند الدفع إلى الوكيل فإن لم ينو عند التوكيل ونوى عند دفع الوكيل جاز (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۵، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة) وكما إذا وكل رجلا بدفع زكاة ماله ونوى المالك عند الدفع إلى الوكيل فدفعت النية فإنه يجزئه؛ لأن المعتبر نية الأمر؛ لأنه المؤدى حقيقة، ولو دفعها إلى ذمى ليدفعها إلى الفقراء جاز لوجود النية من الأمر (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط اداء الزكاة) إذا وكل في أداء الزكاة أجزأته النية عند الدفع إلى الوكيل فإن لم ينو عند التوكيل ونوى عند دفع الوكيل جاز كذا في الجوهرة النيرة وتعتبر نية الموكل في الزكاة دون الوكيل كذا في معراج الدراية، فلو دفع الزكاة إلى رجل وأمره أن يدفع إلى الفقراء فدفعت، ولم ينو عند الدفع جاز. ولو دفعها إلى الذمى ليدفعها إلى الفقراء جاز لوجود النية من الأمر هكذا في محيط السرخسي فإن تجدد للموكل نية أخرى بعد الدفع إلى الوكيل قبل دفع الوكيل إلى الفقير كان عما نوى أخيرا حتى لو دفع إليه دراهم يتصدق بها عن زكاة ماله فلم يدفع المأمور حتى نوى الأمر أن يكون عن نذره وقعت عن ذلك كذا في السراج الوهاج (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

تب بھی حنفیہ کے نزدیک یہ نیت معتبر ہونے کی وجہ سے زکاة ادا ہو جائے گی۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۶..... اگر کسی مال میں زکاة فرض ہوگئی تھی، پھر اس نے وہ سارا مال صدقہ کی نیت سے زکاة کے مستحق شخص کو دے دیا، تو دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زکاة ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکاة ادا ہونے کی نیت نہیں پائی گئی۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس صدقہ کے ضمن میں اس کی زکاة بھی ادا ہو جاتی ہے۔ ۲۔
لیکن اگر اس نے یہ مال صدقہ کرتے وقت، کسی اور واجب صدقہ کی نیت کی، مثلاً اس نے کوئی نذر و منت مانی ہوئی تھی، یا اس پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم تھا، اور اس نذر یا کفارہ وغیرہ کی نیت

۱۔ وبقی ما لو عزلها ونوی بها الزکاة قبل الدفع إلى الوکیل. وعبارة الشارح تشملها والظاهر الجواز كما قالوا فيما لو دفعها في هذه الحالة إلى الفقير بنفسه لوجود النية وقت الدفع حكما. وعليه يمكن دخولها أيضا في قول البحر وقت الدفع إلى الوکیل (رد المحتار، ج ۲، ص ۵۹۸، کتاب الحج، مطلب في الفرق بين العباداة والقربة والطاعة)

۲۔ البتہ اگر اس نے وہ پورا مال صدقہ نہیں کیا، بلکہ اس میں سے کچھ حصہ صدقہ کیا، اور اس صدقہ سے نقلی صدقہ کی نیت کی، تو پھر اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صدقہ کے ہوئے مال کی زکاة ادا نہیں ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ کے ہوئے مال کی زکاة تو ساقط ہو جائے گی، اور باقی مال کی زکاة ذمہ میں موجود رہے گی۔

ولو دفع الإنسان كل ماله إلى الفقراء تطوعا بعد ما وجبت فيه الزکاة، لم تسقط عنه الزکاة، بل تبقى في ذمته، وبهذا قال الشافعية والحنابلة لأنه لم ينو الفرض.

وقال الحنفية: تسقط عنه الزکاة في هذه الحال استحسانا لأنه لما أدى الكل زالت المزامحة بين الجزء المؤدى وسائر الأجزاء، وبأداء الكل لله تعالى تحقق أداء الجزء الواجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، مادة "زکاة")

وفي البدائع: لو تصدق بجميع ماله على فقير، ولم ينو الزکاة أجزأه عن الزکاة استحسانا. والقياس: أن لا يجوز؛ لأن الزکاة عبادة مقصودة، فلا بد لها من النية. ووجه الاستحسان أن النية وجدت دلالة، وعلى هذا إذا وهب جميع النصاب من الفقير، أو نوى تطوعا، ولو أدى مائة لا ينوى الزکاة، ونوى تطوعا، لا تسقط زکاة المائة وعليه أن يزكى الكل عند أبي يوسف. وعند محمد يسقط عنه زکاة ما تصدق، ولا يسقط عنه زکاة الباقي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۱۶۶، ۱۶۷، مادة "تطوع")

ولو تصدق الإنسان بجميع ماله تطوعا، ولم ينو به الزکاة، لم يجزئه عند الجمهور غير الحنفية، لأنه لم ينو به الفرض، كما لو تصدق ببعضه، وكما لو صلى مئة ركعة، ولم ينو الفرض بها. وقال الحنفية: تسقط عنه الزکاة استحساناً خلافاً للقياس (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

ومن تصدق بجميع نصابه ولا ينو الزکاة سقط فرضها وهذا استحسان كذا في الزهدي، ولا فرق بين أن ينو النفل أو لم تحضره النية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزکاة، الباب الاول)

سے اس نے یہ مال صدقہ کیا، تو پھر اس کی زکاۃ ساقط نہیں ہوگی۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۷..... زکاۃ ادا کرتے وقت زکاۃ کی نیت اور زکاۃ کی جتنی مقدار واجب تھی، اس کو ادا کرنا کافی ہے، اور متعین طور پر یہ نیت کرنا ضروری نہیں کہ یہ فلاں مال کی زکاۃ ہے، مثلاً اگر کسی نے سونے، چاندی اور تجارت کے مال کی زکاۃ دینی ہے، اور اس نے ان اموال پر واجب شدہ مجموعی زکاۃ کی مقدار کو اس طرح سے ادا کیا کہ کچھ زکاۃ کی مقدار ایک غریب کو دے دی، اور کچھ دوسرے غریب کو دے دی، لیکن ہر غریب کو دیتے وقت یہ متعین نہیں کیا کہ یہ مثلاً سونے کی زکاۃ ہے، اور یہ چاندی کی زکاۃ ہے، اور یہ تجارت کے مال کی زکاۃ ہے، تب بھی اس کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۸..... اگر غریب کو مال دیتے وقت زکاۃ کی نیت نہیں کی، پھر بعد میں نیت کرنے کا خیال ہوا، تو اکثر فقہاء کے نزدیک زکاۃ کا مال غریب کو دینے کے بعد زکاۃ کی نیت کرنا درست نہیں ہوتا، کیونکہ ادائیگی کے عمل کے ساتھ نیت نہیں پائی گئی۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک جب تک وہ مال بے نیت غریب کے قبضہ میں ہو، اور اس نے اس میں کوئی تصرف نہ کیا ہو، اور اس کو خرچ نہ کیا ہو (مثلاً اگر روپیہ پیسہ تھا، تو اس سے کوئی چیز نہ خریدی ہو) اس وقت تک زکاۃ کی نیت کرنا حکماً معتبر اور جائز ہو جاتا ہے۔

بلکہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو وکالت کے طور پر زکاۃ کی نیت کئے بغیر مال دیا، تاکہ وہ کسی غریب کو دے دے، اور وکیل نے وہ پیسہ اس غریب کو دے دیا، پھر مال دینے والے سابق مالک نے زکاۃ کی نیت کی، تو جب تک وہ مال غریب کے پاس موجود ہو، حنفیہ

۱۔ ولو دفع جميع النصاب إلى الفقير ينوي به عن النذر أو واجب آخر يقع عما نوى ويضمن قدر الواجب (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

۲۔ فلو أخرج الزكاة ونوى عن ماله الغائب الذي لا يعلم سلامته جاز، لأن الأصل بقاؤه ثم إن تبين سلامته أجزأه، وإن تبين تلفه لم يجز أن يصرف الزكاة إلى مال آخر، وإن نوى عن مالي الغائب أو الحاضر، فبين تلف الغائب أجزأت عن الحاضر، وإن نوى بالمخرج أن يكون زكاة المال الموروث الذي يشك في موت مورثه لم تجزئه، لأنه متردد والأصل عدم الموت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، مادة ”زكاة“)

کے نزدیک اس وقت تک زکاۃ کی نیت کرنا درست ہو جاتا ہے۔

اور اگر غریب نے اس میں تصرف کر لیا، یا اس کو خرچ کر لیا، مثلاً اس کو کھاپی لیا، یا اس کو بیچ دیا، یا اس سے کوئی چیز خرید لی، وغیرہ وغیرہ، تو پھر زکاۃ کی نیت کرنا درست نہیں ہوتا۔

لیکن کیونکہ غریب کو مال دینے کے بعد زکاۃ کی نیت کرنے میں اکثر فقہائے کرام زکاۃ ادا ہونے کے قائل نہیں ہیں، اس لئے زکاۃ جیسے فریضہ میں ایسا کرنا خلاف احتیاط ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کسی نے زکاۃ کی رقم اپنے ہاتھ پر رکھی، پھر اس کے ہاتھ میں سے کسی غریب و فقیر نے وہ رقم چھین لی یا اگر کسی کے ہاتھ سے اس کی زکاۃ کی رقم گر گئی، اور وہ رقم کسی فقیر نے اٹھالی، اور اس مال کا مالک، فقیر کے مالک بنے اور اٹھانے پر راضی ہے، تب بھی حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ اسے پتہ ہو کہ میری رقم فلاں فقیر نے چھینی یا اٹھائی ہے، اور رقم اس فقیر کے پاس ہوتے ہوئے یہ راضی ہوا ہو، اور زکاۃ کی نیت بھی کی ہو۔ ۲

۱۔ مندرجہ بالا تفصیل تو فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ذکر کی گئی، اور بندہ کا اپنا ذاتی رجحان چند وجوہات کی بناء پر فیما بین و بین اللہ اس طرف ہے کہ اگر مال غریب کو حوالہ کرتے وقت زکاۃ کی نیت نہیں کی تھی، تو بعد میں نیت کرنا معتبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ زکاۃ کی حقیقت غریب مستحق کو مال کا مخصوص نیت سے مالک بنانا ہے، اور مالک بناتے وقت جب یہ شرط نہیں پائی گئی، اور نہ ہی مال الگ کرتے وقت یہ نیت پائی گئی، اور دوسرے کو مالک بنانے کی نیت کے پائی جانے کی وجہ سے معطل کی ملکیت بھی زائل ہوگئی، تو اب نیت محض کی تبدیلی معتبر نہ ہونی چاہئے، کیونکہ اب یہ صرف نیت محض ہے، عمل کے بغیر۔

وبقی ایضا ما لو نوى بعد دفع الوكيل إلى الفقير وهى فى يد الفقير والظاهر الجواز كما قالوا فيما لو دفعها إلى الفقير بنفسه فافهم (رد المحتار، ج ۲، ص ۵۹۸، کتاب الحج، مطلب فى الفرق بين العبادۃ والقربۃ والطاعة)

وبنوى عند دفعها إلى الإمام أو إلى مستحقها، أو قبل الدفع بقليل. فإن نوى بعد الدفع لم يجزئه على ما صرح به المالكية والشافعية. أما عند الحنفية فالشرط مقارنة النية للأداء ولو حكما، كما لو دفع بلاءة ثم نوى والمال لا يزال قائما فى ملك الفقير بخلاف ما إذا نوى بعدما استهلكه الفقير أو باع فلا تجزئه عن الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۲ مادة ”زكاة“)

وإذا دفع إلى الفقير بلاءة ثم نواه عن الزكاة فإن كان المال قائما فى يد الفقير أجزأه، وإلا فلا كذا فى معراج الدررية والزاهدی والبحر الرائق والعينى وشرح الهداية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، کتاب الزكاة، الباب الأول)

۲۔ ولو وضع الزكاة على يده فانتهبها الفقراء جاز، وكذا إن سقط ماله من يده فرفعه فقير فرضى به جاز إن كان يعرفه والمال قائم (فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۷۰، کتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... زکاۃ کیونکہ عبادت ہے، اور عبادت، اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے زکاۃ کو عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔

اور عبادت کے قبول ہونے کے لئے اخلاص ضروری ہے، اس لئے اخلاص کے ساتھ اور دکھلاوے اور ریاء کاری سے بچتے ہوئے زکاۃ ادا کرنی چاہئے۔ ۱۔
بعض لوگ اپنی سخاوت اور مالدار کی شہرت اور بڑائی و نام آوری کے لئے زکاۃ دیتے ہیں، اور اس کی خاطر پھر صحیح مستحقین کی بھی رعایت نہیں کرتے، چنانچہ بعض لوگ بازاروں اور مجموعوں میں سب لوگوں کے سامنے زکاۃ کا مال لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، یا شہرت و نام آوری کی خاطر خاموشی کے ساتھ نقدی دینے کے بجائے بعض اشیاء تقسیم کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ نام آوری اور شہرت کی خاطر جو عمل کیا جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا، اور اگر اس کے علاوہ دوسری کوتاہیوں (مثلاً احسان چڑھا کر اپنا مقصد حل کرنے) کا بھی ارتکاب کیا گیا ہو، تو اس کا وبال الگ ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... اخلاص کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شہرت سے بچتے ہوئے زکاۃ کا مال، خفیہ اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولو وضعها على كفه فانتبهها الفقراء جاز، ولو سقط مال فرفعه فقير فرضى به جاز إن كان يعرفه والمال القائم خلاصة (الدر المختار)

(قوله : جاز) ويكون تملكها لهم والنية سابقة عند العزل وكذا إذا لم ينو ثم بعد انتباهه وهو قائم في يد الفقراء كما تقدم نظيره.

قلت : وينبغي تقييده بما إذا كان الانتباه برضا لا بشرط اختيار الدفع في الأموال الباطنة كما مر في مسألة البغاة ويدل عليه المسألة الآتية (قوله : إن كان يعرفه) أى يعرف شخصه لئلا يكون تملكها لمجهول؛ لأنه إذا لم يعرفه بأن جاء إلى موضع المال فلم يجده وأخبره أحد بأنه رفعه فقير لا يعرفه ورضى المالك بذلك لم يصح؛ لأنه يكون إباحة والشرط في الزكاة التملك تأمل (قوله : والمال قائم) ؛ لأنه لو رضى بذلك بعدما استهلك الفقير المال لم تصح نيته كما مر (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۵۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعش)

ج ۱ - الحذر من المن والرياء والأذى، وهذه الأمور محرمة في كل ما يخرج من المال مما يقصد به وجه الله تعالى، وتحبط الأجر لقوله تعالى : (يا أيها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى) ومن هنا استحباب المالكية للمزكى أن يستنيب من يخرجها خوف قصد المحمدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳ ص ۲۳، ص ۳۰۲، مادة "زكاة")

چھپ کر دینا اور دوسروں کے سامنے ظاہر کر کے دینا، دونوں طریقوں سے جائز ہے۔
پھر اگر دوسروں کے سامنے اظہار کرنے میں ریاء کاری پیدا ہوتی ہو، تو پھر چھپ کر اور خفیہ انداز میں زکاة دینا افضل ہے۔

اور اگر ریاء کاری کے بغیر دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے زکاة کو دوسروں کے سامنے ظاہر کر کے دیا جائے، تو بھی فضیلت سے خالی نہیں۔ ۱

البتہ اگر نفلی صدقہ دینا ہو، تو بہت سے اہل علم حضرات کے نزدیک اس کو بہر حال خفیہ انداز

۱۔ نقل الطبری وغیرہ الإجماع على أن الإخفاء في صدقة التطوع أفضل، والإعلان في صدقة الفرض أفضل، لقوله تعالى: (وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم) وقول النبي صلى الله عليه وسلم ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه.

وقال ابن عطية: يشبه في زماننا أن يكون الإخفاء بصدقة الفرض (الزكاة) أفضل، فقد كثر المانع لها، وصار إخراجها عرضة للرياء. وقيل: إن كان المتصدق ممن يقتدى به ويتبع، وسلم قصده، فالإظهار أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۲۸۷، ۲۸۸، مادة "اختفاء")

قال أبو بكر بن العربي: لا خلاف في أن إظهار صدقة الفرض أفضل، كصلاة الفرض وسائر فرائض الشريعة، لأن المرء يحرز بها إسلامه ويعصم ماله.

وقال الحنفية والمالكية: إنه لا يشترط علم الفقير أن ما أعطى له زكاة على الأصح، لما في ذلك من كسر قلبه، ولذا فإن الإسرار في إعطائها إليه أفضل من إعلانها بها.

وقال الشافعية: إن الأفضل فيها إظهار إخراجها ليراه غيره فيعمل عمله، ولئلا يساء الظن به.

واستحب الحنابلة إظهار إخراجها، سواء أكان الإخراج بموضع يخرج أهله الزكاة أم لا، وسواء أنفى عنه ظن السوء بإظهار إخراجها أم لا، لما فيه من نفى الريبة عنه، ولعله يقتدى به، ومن علم أهليته أخذ الزكاة -ولو بغلبة الظن- كره أن يعلمه أنها زكاة، ومع عدم عادة الأخذ بأخذ الزكاة لا يجزئه دفعها إليه إلا أن يعلمه أنها زكاة، لأنه لا يقبل زكاة ظاهراً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۱۷۳، مادة "إسرار")

إظهار إخراج الزكاة وإعلانها، قال ابن عباس: جعل الله صدقة السر في التطوع تفضل علانيته، يقال: بسبعين ضعفاً، وجعل صدقة الفريضة علانيته أفضل من سرها، يقال: بخمسة وعشرين ضعفاً، قال: وكذلك جميع الفرائض والنوافل في الأشياء كلها.

وقال الطبري: أجمع الناس على أن إظهار الواجب أفضل. اهـ. وأما قوله تعالى: (إن تبدوا الصدقات فنعمنا هي وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم) فهو في صدقة التطوع، نظيرها الصلاة، تطوعها في البيت أفضل، وفريضة في المسجد ومع الجماعة أفضل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۳۰۱، مادة "زكاة")

میں اور چھپ کر دینا ہی افضل ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۱۲..... زکاة کی ادائیگی کے لئے دل میں نیت کافی ہے، مستحق کو یہ بتلانا اور اس پر اس چیز کا اظہار کرنا ضروری نہیں کہ یہ زکاة کا مال ہے۔
لہذا اگر کسی مستحق کو زکاة کی نیت سے مال دیا، لیکن اس پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ زکاة ہے، بلکہ ہدیہ، تحفہ اور انعام وغیرہ کے عنوان سے زکاة دی، تب بھی زکاة ادا ہو جائے گی، جبکہ وہ دوسرا شخص واقعی زکاة کا مستحق بھی ہو۔ ۲۔
اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر غریب کو زکاة کے عنوان سے لیتے ہوئے عار محسوس ہوتی

۱۔ صدقات التطوع:

قال الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة: إن الأسرار بها أفضل من الجهر، ولذا يسن لمعطيها أن يسر بها، لقوله تعالى (إن تبدوا الصدقات فنعما هي وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم ويكفر عنكم من سيئاتكم والله بما تعملون خبير) ولما روى عن أبي هريرة مرفوعاً سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله وذكر منهم رجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم يمينه ما تنفق شماله.
ولما روى أن رسول الله قال: صنائع المعروف تقي مصارع السوء، وصدقة السر تطفئ غضب الرب، وصلة الرحم تزيد في العمر ولأن إعطاءها على هذا النحو يراد به الله عز وجل وحده، وقد قال ابن عباس رضي الله عنهما "جعل الله صدقة السر في التطوع تفضل علانيتها بسبعين ضعفاً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴، ص ۷۳، ۷۴، ۷۵، مادة "أسرار")
إذا أراد الرجل أداء الزكاة الواجبة قالوا الأفضل الإعلان والإظهار، وفي التطوعات الأفضل هو الإخفاء والأسرار كذا في فتاوى قاضي خان (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)
۲۔ ولا يشترط علم أخذ الزكاة أنها زكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴، ص ۲۹۳، مادة "زكاة") ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكيناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً ونوى الزكاة فإنها تجزئه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة أداء الزكاة)
ومن أعطى مسكيناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً ونوى الزكاة فإنها تجزئه، وهو الأصح هكذا في البحر الرائق ناقلاً عن المتبغى والقنية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)
ولو نوى الزكاة فيما يدفعه إلى صبيان أقاربه عيدياتهم أو لمن يهدي إليه الباكورة أو يبشره بقدوم صديقه أو بخير يسره أو إلى سحر خوان أو المعلم أو الخليفة التي في المكتب ولم يستأجره يجوز (الفتاوى البزازية، ج ۱، ص ۴۰، كتاب الزكاة)

ہو، تو اس کو زکاة کی خبر دینا مناسب بھی نہیں۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۳..... گھروں میں کام کرنے والے ملازمین خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین کو، عیدین وغیرہ کے مواقع پر تحفہ یا تعاون کے عنوان سے زکاة کا دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان اور زکاة کے مستحق ہوں، اور زکاة دینے والا ان کو یہ مال یا چیز اجرت کے طور پر نہ دے۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۱۴..... اگر کوئی زکاة کا مستحق ایسا غیر متد ہے، کہ وہ زکاة یا تعاون اور ہدیہ وغیرہ کے عنوان سے وصول نہیں کرتا، اور قرض وغیرہ کے نام سے وصول کر لیتا ہے، تو اس کو قرض کے عنوان سے زکاة دینے سے زکاة کی ادائیگی ہو جائے گی۔ ۳۔

پھر اگر وہ غریب قرض کے نام سے لی ہوئی زکاة کی رقم اپنی ضرورت پوری کر کے بعد میں واپس کرے، تو اس کا واپس لینا جائز نہیں، بلکہ اس کو دوبارہ واپس دینا لازم ہے، اگر دوبارہ واپس کرتے وقت زکاة کا اظہار مناسب نہ ہو، تو اس غریب پر یہ ظاہر کر دے کہ اس نے قرض معاف کر دیا ہے، یا اس کو ہدیہ کے نام سے دے دے (کذا فی امداد الاحکام، ج ۲ ص ۱۰، کتاب

۱۔ د- ان لا یخبر المزکی الفقیر أنها زکاة: قيل لأحمد: يدفع الرجل زکاته إلى الرجل، فيقول: هذا من الزکاة، أو یسکت؟ قال: ولم یسکت بهذا القول؟ يعطيه ویسکت، ما حاجته إلى أن یقرعه؟ وهذا یقتضی الکراهة وبه صرح اللقانی من المالکیة، قال: لما فیہ من کسر قلب الفقیر. وقال ابن أبی هريرة من الشافعية: لا بد أن یقول بلسانه شیئا، کالهیبة، قال النووي: هذا لیس بشیء. قال: والصحيح المشهور أنه إذا دفعها إلى المستحق ولم یقل هی زکاة، ولا تکلم بشیء أصلا فإنها تجزئه وتقع زکاة. لكن قال الشافعية: إن أعطاه ولم یبین له أنها زکاة فبان الأخذ غنیا لم یرجع علیه بشیء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۲، مادة ”زکاة“)

۲۔ ولو دفع زکاته إلى من یخلمه ویقتضی حوائجه أو إلى من بشره ببشارة أو إلى من أهدي له هدية جاز إلا أن ینص على التعویض کذا فی ایضاح الصیرفی (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۱، کتاب الزکاة، باب مصارف الزکاة)

(رجل وهب لمسکین درهما، وسماه هبة، ونواه من زکاته: أجزأه؛ لما بینا أن فی حق المسکین لفظة الهبة کلفظة الصدقة؛ ولأنه لا معتبر باللفظ فی أداء الزکاة، إنما المعتبر: الإعطاء بنية الزکاة؛ ألا ترى أنه لو أعطاه، ولم یتکلم بشیء: کان ذلك زکاة له، فلا یتغیر ذلك الحکم بذكر الهبة (المبسوط للسرخسی، ج ۱۲، ص ۹۴، کتاب الهبة، باب العطية)

۳۔ والعبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه حتى لو قال المحترم وهبت لك هذا الشیء أو أقرضتك وبنوی به الزکاة وقع عن الزکاة (الفتاویٰ البزازیة، ج ۱ ص ۴۱، کتاب الزکاة)

الزکاة: احسن الفتاویٰ، ج ۳ ص ۲۷۳، ۲۷۴، کتاب الزکاة) ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۵..... مسلمان حکمران یا اسلامی حکومت کی طرف سے جب کسی کے مال سے زکاة لی جائے، تو بہت سے فقہاء کے نزدیک مال کے مالک کی طرف سے زکاة کی ادائیگی کی نیت کئے بغیر بھی زکاة ادا ہو جاتی ہے، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک زکاة اس وقت ادا ہوتی ہے، جب مال کا مالک زکاة ادا کرنے کی نیت کرے۔ ۲۔

۱۔ اور اگر غریب کو یہ زکاة بطور ہدیہ کے دی تھی، اور پھر وہ غریب واپس کرے، تو اس کو لینا جائز ہے، مگر بہتر نہیں، کیونکہ یہ بہتر متانہ ہے، اور لے لینے کے بعد صدقہ کر دینا بہتر ہے، احترازاً عن صورة العود فی الصدقة۔ اور اگر خود رکھ لیا تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اس صورت میں بھی زکاة بہر حال ادا ہو جاتی ہے، برخلاف قرض والی صورت کے کہ اس میں عود فی الصدقہ کی حقیقت پائی جاتی ہے (کذا فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۲، ص ۱۰۹، کتاب الزکاة) (وتسقط) الزکاة (عن موهوب له فی) نصاب (مرجوع فیہ مطلقاً) سواء رجع بقضاء أو غیرہ (بعد الحول) لورود الاستحقاق علی عین الموهوب، ولذا لا رجوع بعد هلاکة قید به لأنه لا زکاة علی الراهب اتفاقاً لعدم الملك وهی من الحیل (الدرا المختار مع رد المحتار، ج ۲ ص ۳۰۸، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

طوطو رحہ کہ پہلے ایڈیشن میں اس مسئلہ کے ضمن میں قرض کے عنوان سے دی ہوئی زکاة کی رقم کے واپس لینے کو جائز اور خلاف اولیٰ تحریر کر دیا گیا تھا، جس کا اب خطا ہونا ظاہر ہوا، اور اب اس مسئلہ کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ محمد رضوان۔

۲۔ البتہ بعض حضرات نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ جن اموال کی زکاة کو وصول کرنے کا حکومت کو حق حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ اموال ظاہرہ، ان میں تو زکاة کی ادائیگی کے لئے مالک کی نیت کا ہونا ضروری نہیں، اور جن اموال کی زکاة کو وصول کرنے کا حکومت کو حق نہیں ہوتا، ان میں زکاة کی ادائیگی کے لئے مالک کی نیت کا ہونا ضروری ہے۔

إن أخذ السلطان أو نوابه الزکاة من الممتنع عن أدائها قهراً، وبمنزلة الممتنع قهراً من غیب ماله لئلا تؤخذ منه الزکاة، والأسیر، ومن يتعذر الوصول إليه، علی ما صرح به شارح المنتهی، فقد اختلف الفقهاء فی ذلك. فقال الشافعية فی الأصح وهو قول عند الحنابلة: إن أخذ السلطان الزکاة من الممتنع قهراً ونوی عند الأخذ أو عند التفريق، أجزأت عن الممتنع ظاهراً وباطناً، لأن تعذر النية فی حقه أسقط وجوبها عنه، كالصغير والمجنون، والسلطان له ولاية علی المالك. وأطلق المالكية القول بإجزائها، وظاهره إجزاؤها ظاهراً وباطناً.

وقال القاضي من الحنابلة: إذا أخذها السلطان أجزأت من غیر نية سواء أخذها طوعاً أو كرها، لأن أخذ الإمام لها بمنزلة القسم بین الشركاء، لأنه وكيل الفقراء، ولأن للسلطان ولاية عامة، وبدليل أنه يأخذها من الممتنع اتفاقاً، ولو لم يجزئه لما أخذها، أو لأخذها ثانية وثالثة، حتى ينفذ ماله.

وفی قول أبي الخطاب وابن عقيل من الحنابلة: إن أخذها الإمام قهراً أجزأت ظاهراً، فلا يطالب بها، ولا تجزء باطناً، لأنها عبادة، فلا تجزء عن عمن وجبت علیه بغیر نية، كالصلاة، وأخذ الإمام لها يسقط

﴿بقيہ حاشیا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶..... اگر مسلمان حکومت کی طرف سے بینکوں میں رکھی ہوئی لوگوں کی رقم سے زکاة کاٹ لی جائے، تو بہت سے اہل علم حضرات کے فتوے کے مطابق اس طرح زکاة ادا ہو جاتی ہے، اور دوبارہ زکاة ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ اس کے بعد حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ زکاة کو صحیح مصرف میں خرچ کرے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”بینک اکاؤنٹ سے حکومت کا زکاة وصول کرنا“ از مجلس تحقیق مسائل حاضرہ، مشمولہ فقہی مقالات ج ۲، ص ۶۳، واحسن الفتاویٰ ج ۴، کتاب الزکاة) ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المطالبة بها لا غير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، ۲۹۴، مادة ”زکاة“) لكن إن أخذ الإمام الزکاة قهراً أجزاء من غير نية، لأن تعذر النية في حقه أسقط وجوبها عنه كالصغير والمجنون (الفقه الاسلامی وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۱۲، الباب الرابع، الفصل الاول) وفي مختصر الكرخي إذا أخذها الإمام كرها فوضعها موضعها أجزاء؛ لأن له ولاية أخذ الصدقات فقام أخذه مقام دفع المالك. وفي القنية: فيه إشكال؛ لأن النية فيه شرط ولم توجد منه. اهـ. قلت: قول الكرخي فقام أخذه إلخ يصلح للجواب تأمل. ثم قال في البحر: والمفتي به التفصيل إن كان في الأموال الظاهرة يسقط الفرض؛ لأن للسلطان أو نائبه ولاية أخذها، وإن لم يضعها موضعها لا يبطّل أخذه وإن كان في الباطنة فلا (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۹۰، كتاب الزکاة، باب زکاة الغنم) (ولا يجوز إخراج الزکاة إلا بنية). إلا أن يأخذها الإمام منه قهراً (المغني لابن قدامة، ج ۲ ص ۴۷۶، كتاب الزکاة، فصل تسلف الإمام الزکاة فهلكت في يده)

۱۔ اس سلسلہ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے فیصلے کا ایک اقتباس درج ذیل ہے کہ:

بینک اکاؤنٹ اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکاة منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموالی ظاہرہ سے زکاة وصول کرنے کا حق ہوتا ہے، اموالی باطنہ سے نہیں، عام طور پر فقہاء نے مفت چراگا ہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالی تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو، اموالی ظاہرہ میں شمار کیا ہے، اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابل زکاة اموال کو اموالی باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورت نقد ہوتے ہیں، اس لئے علمی طور پر یہ سوال قابل غور ہے کہ حکومت ان سے زکاة وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ”موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالی ظاہرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے“ (فقہی مقالات، ج ۲ ص ۶۹، ۷۰، بعنوان ”حکومت کا بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکاة وصول کرنے کا شرعی حکم“ پہلا حصہ، مطبوعہ: مین اسلامک پبلشرز، کراچی، تاریخ اشاعت: جولائی ۱۹۹۶ء)

للإمام حق أخذ الزکاة من المال الذي وجبت فيه (على خلاف في بعض الأموال يأتي بيانه). وكان

﴿بقية حاشيا لـ﴾

اور بینک وغیرہ کی زکاة سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کرنا یا لکھوانا جائز نہیں، بلکہ ایمان کے لئے سخت خطرناک بات ہے۔

مسئلہ نمبر ۱..... حکومت کی طرف سے جو مخصوص لوگوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، یہ چونکہ زکاة کی طرح عبادت نہیں ہے، اس لئے اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ٹیکس دینے سے زکاة ادا نہیں ہوتی، اور ٹیکس زکاة کا متبادل نہیں بنتا، اگرچہ ٹیکس دینے والا، ٹیکس دیتے وقت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفتان بعده يأخذون الزكاة من كل الأموال، إلى أن فوض عثمان رضى الله عنه في خلافته أداء الزكاة عن الأموال الباطنة إلى ملاكها، كما يأتي .
ودليل ذلك قوله تعالى لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم: (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكهم بها) وقول أبی بکر رضى الله عنه: والله لو منعوني عقالا كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعه واتفق الصحابة على ذلك.

ويجب على الإمام أخذ الزكاة ممن وجبت عليهم، فقد صرح الشافعية بأنه يجب على الإمام بعث السعلة لأخذ الصدقات، لأن النبي صلى الله عليه وسلم والخلفاء من بعده كانوا يبعثون السعاة، ولأن في الناس من يملك المال ولا يعرف ما يجب عليه، ومنهم من ييخل. والوجوب هو أحد قولی المالكية، واحتجوا بقوله تعالى: (خذ من أموالهم صدقة).

والذين رخصوا للإمام في عدم أخذ الزكاة من جميع الأموال أو من بعضها دون بعض، إنما هو إذا علم الإمام أنهم إذا لم يأخذها منهم أخرجوها من عند أنفسهم، أما لو علم أن إنسانا من الناس أو جماعة منهم لا يخرجون الزكاة فيجب على الإمام أخذها منهم ولو قهرا، كما تقدم، لأن الإمامة لحراسة الدين وسياسة الدنيا، ومنع الزكاة هدم لركن من أركان الدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۳، ۳۰۴، مادة "زكاة")

فصل ومن امتنع من أداء الزكاة أخذها الإمام كرها ووضعها موضعها، لقوله تعالى: (خذ من أموالهم) وقوله -عليه الصلاة والسلام -: خذها من أغنيائهم وهذا لأن حق الأخذ كان للإمام في الأموال الظاهرة والباطنة إلى زمان عثمان -رضى الله عنه -بهذه النصوص، ففوضها في الأموال الباطنة إلى أربابها مخافة فتشيش الظلمة إلى أموال الناس، فصار أرباب الأموال كالوكلاء عن الإمام، فإذا علم أنهم لا يؤدون طالهم بها؛ وما أخذها الخوارج والبغاة من الزكاة لا يثنى عليهم لأنه عجز عن حمايتهم، والحجاية بالحماية، ويفتى أهلها بالإعادة فيما بينهم وبين الله تعالى لعلمنا أنهم لم يأخذوها بطريق الصدقة ولا يصرفونها مصارفها.

واختلف المتأخرون فيما يأخذها الظلمة من السلاطين في زماننا. قال مشايخ بلخ: يفتون بالإعادة كالمسألة الأولى. وقال أبو بكر الأعمش: يفتون بإعادة الصدقة لأنها حق الفقراء ولا يصرفونها إليهم (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۱۰۳، كتاب الزكاة)

زکاة کی نیت ہی کیوں نہ کر لے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۸..... اگر کسی کو زکاة ادا کرنے میں شک ہو جائے کہ اس نے زکاة ادا کی ہے، یا نہیں؟

تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس پر دوبارہ زکاة کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ شک کی صورت میں زکاة ادا نہیں ہوتی۔

اور اگر اس بات میں شک ہو جائے کہ جس کو زکاة دی ہے، وہ زکاة کا مصرف تھا یا نہیں؟ تو

۱۔ احتساب المكس ونحوه عن الزکاة:

قال السرخسی الحنفی: إذا نوى أن يكون المكس زكاة فالصحيح -أي عند الحنفية- أنه لا يقع عن الزكاة، ونقله ابن عابدين عن الفتاوى البزازية.

وعند المالكية أفنى الشيخ عليش فيمن يملك نصاباً من الأنعام، فجعل عليه الحاكم نقداً معلوماً كل سنة، يأخذه بغير اسم الزكاة، فلا يسوغ له أن ينوي به الزكاة، وإن نواها لا تسقط عنه، وقال: أفنى به الناصر اللقاني والحطاب.

وفى المجموع للنووي: اتفق الأصحاب أن الخراج المأخوذ ظلماً لا يقوم مقام العشر، فإن أخذه السلطان على أن يكون بدل العشر فهو كأخذ القيمة، وفي سقوط الفرض به خلاف، والصحيح السقوط به، فعلى هذا إن لم يبلغ قدر العشر أخرج الباقي.

وأفنى ابن حجر الهيتمي بأن ما يؤخذ من التاجر من المكس لا يحسب عنه زكاة، ولو نوى به الزكاة، لأن الإمام لم يأخذه باسم الزكاة.

وعند الحنابلة روايتان: إحداهما يجوز والأخرى لا يجوز، قال ابن مفلح: وهي الأصح، لأنه أخذهها غصباً. وفي فتاوى ابن تيمية: ما يأخذه ولاية الأمور بغير اسم الزكاة لا يعتد به من الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۰، ۳۰۱، مادة "زكاة")

هل تجزئ الضريبة المدفوعة للدولة عن الزكاة؟ لا تجزئ أصلاً الضريبة عن الزكاة، لأن الزكاة عبادة مفروضة على المسلم شكرًا لله تعالى وتقرباً إليه، والضريبة التزام مالي محض خال عن كل معنى للعبادة والقربة، ولذا شرطت النية في الزكاة ولم تشرط في الضريبة، ولأن الزكاة حق مقدر شرعاً، بخلاف الضريبة فإنها تخضع لتقدير السلطة، ولأن الزكاة حق ثابت دائم، والضريبة مؤقتة بحسب الحاجة، ولأن مصارف الزكاة هي الأصناف الثمانية: الفقراء والمساكين المسلمون إلخ، والضريبة تصرف لتغطية النفقات العامة للدولة. وللزكاة أهداف روحية وخلقية واجتماعية إنسانية، أما الضريبة فلا يقصد بها تحقيق شيء من تلك الأهداف (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

فإن صادر أو أخذ الجبايات ونوى أن يكون عن الزكاة أو نوى أن يكون المكس زكاة فالصحيح أنه لا يقع عن الزكاة * كذا قال السرخسی رحمه الله (الفتاوى البزازية، ج ۱ ص ۴۰، كتاب الزكاة)

اس کا حکم اگلی فصل میں آتا ہے۔ ۱

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

۱۔ حکم من شک هل أدى الزكاة أم لم يؤدها:

تعرض لهذه المسألة الحنفية: فقالوا: إن من شك هل أدى زكاته أو لا يجب عليه أن يزكي بخلاف ما لو شك بعد الوقت أنه هل صلى أم لا، لا يعيد. قالوا: لأن وقت الزكاة لا آخر له، بل هو العمر، فالشك فيها كالشك في الصلاة في الوقت.

وقواعد المذاهب الأخرى تقتضي مثل ذلك فإن اليقين لا يزول بالشك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۸، ۲۹۷، مادة "زكاة")

الشك في الزكاة:

أ - الشك في تأديتها:

لو شك رجل في الزكاة فلم يدر أزي أم لا؟ فالواجب عليه إخراجها لأن العمر كله وقت لأدائها، ومن هنا يظهر الفرق بين صاحب هذه الحالة وبين من شك في الصلاة بعد خروج الوقت أصلى أم لا؟ حيث ذكروا - كما تقدم - إعفاءه من الإعادة لأنها مؤقتة والزكاة بخلافها

ب - الشك في تأدية كل الزكاة أو بعضها:

ذكر ابن نجيم أن حادثة وقعت مفادها: أن رجلاً شك هل أدى جميع ما عليه من الزكاة أو لا؟ حيث كان يؤدي ما عليه متفرقا من غير ضبط، فتم إفتاؤه بلزوم الإعادة حيث لم يغلب على ظنه دفع قدر معين، وهذا الحكم هو مقتضى القواعد لأن الزكاة ثابتة في ذمته بيقين فلا يخرج عن العهدة بالشك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۶، ص ۱۹۵، مادة "شك")

(فصل نمبر ۶)

زکاة دینے کا وکیل و نمائندہ بنانے کے احکام

مسئلہ نمبر ۱..... جس شخص پر زکاة واجب ہو، اس کے لئے جس طرح خود زکاة کا ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی دوسرے کو اپنی زکاة ادا کرنے کی ذمہ داری لگانا یعنی دوسرے کو اپنی زکاة کا وکیل و نمائندہ بنانا اور اُس وکیل و نمائندہ کے ذریعہ زکاة ادا کرنا بھی درست ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... اپنی زکاة ادا کرنے کے لئے وکیل بنانا بھی درست ہے، خواہ مسلم حکمران یا اس کے (مقرر کردہ) نمائندہ تک پہنچانے کے لئے کسی کو وکیل بنائے، یا کسی بھی غریب مستحق تک پہنچانے کے لئے وکیل بنائے۔

اور وکیل و نمائندہ بناتے وقت یہ بھی جائز ہے کہ اس وکیل و نمائندہ کو کسی بھی مستحق کو زکاة دینے کی اجازت دے دے، اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی متعین مستحق کو زکاة ادا کرنے کا پابند کرے۔ البتہ یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کو زکاة ادا کرنے کا وکیل و نمائندہ بنایا جائے، وہ سمجھ دار ہو۔ ۲

۱۔ من وجبت عليه الزكاة إما أن يخرجها بإعطائها مباشرة إلى الفقراء وسائر المستحقين، وإما أن يدفعها إلى الإمام ليصرفها في مصارفها. ونذكر هنا الأحكام المتعلقة بالإخراج وخاصة الإخراج المباشر إلى الفقراء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۲، مادة "زكاة")

۲۔ يجوز للمزكي أن يوكل غيره في أداء زكاته، سواء في إيصالها للإمام أو نائبه، أو في أدائها إلى المستحق، سواء عين ذلك المستحق أو فوض تعيينه إلى الوكيل.

وقد نص الشافعية على أن إخراج المزكي الزكاة بنفسه أفضل من التوكيل، لأنه بفعل نفسه أوثق. وقال المالكية: التوكيل أفضل خشية قصد المحمدة، ويجب لمن يعلم من نفسه ذلك القصد، أو يجهل المستحقين. قالوا: وليس للوكيل صرفها لقريب المزكي الذي تلزمه نفقته، فإن لم تلزمه نفقته كره. ثم قال الشافعية: إن كان الوكيل بالغا عاقلاً، جاز التفويض إليه، فإن كان صبياً أو سفياً لم يصح التوكيل، إلا إن نوى الموكل وعين له من يعطيه المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۲، ۳۰۳، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی مسلمان شخص، کسی غیر مسلم شخص کو اپنی زکاۃ ادا کرنے کا وکیل و نمائندہ بنائے، اور پھر وہ غیر مسلم شخص، اس مسلمان شخص کی طرف سے زکاۃ ادا کر دے، تو حنفیہ کے نزدیک اس طرح بھی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۴..... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو اپنی زکاۃ کسی خاص غریب کو دینے کے لئے وکیل و نمائندہ بنایا۔

تو اس وکیل کے لئے اس مؤکل (یعنی وکیل و نمائندہ بنانے والے شخص) کی اجازت کے بغیر یہ جائز نہیں کہ اس غریب کے بجائے کسی اور کو وہ یہ زکاۃ دے۔ ۲۔

۱۔ التوکیل فی أداء الزكاة : اتفق الفقهاء على أنه يجوز التوكيل في أداء الزكاة، بشرط النية من الموكل أو المؤدى، فلو نوى عند الأداء أو الدفع للتوكيل عند الحنفية والشافعية، أو قبل الأداء بزمان يسير عند الحنابلة، أو عند العزل لدى المالكية والحنفية والشافعية، ثم أداها الوكيل إلى الفقير بلا نية جاز، لأن تفرقة الزكاة من حقوق المال، فجاز أن يوكل في أدائه كديون الآدميين. وللوكيل أن يوكل غيره بلا إذن ولو نوى الوكيل ولم ينو الموكل، لم يجز، لأن الفرض يتعلق به، والإجزاء يقع عنه، وإن دفعها إلى الإمام ناوياً ولم ينو الإمام حال دفعها إلى الفقراء، جاز. وبناء عليه يجوز في رأى الحنفية توكيل الذمى غير المسلم بأداء الزكاة للفقراء، لأن المؤدى فى الحقيقة هو المسلم (الفقه الإسلامى وادلته للزحلى، ج ۳ ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

يصح توكيل الذمى بأداء الزكاة والذمى ليس من أهل العبادۃ (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۵، كتاب الزكاة، فصل شرائط فرضية الزكاة)

تصح إنابة ذمى فى دفع الزكاة (ردالمحتار، ج ۲ ص ۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير) (قوله أو دفعها للذمى) نبه على الفرق بين الزكاة والحج لأن الزكاة عبادة مالية محضة، فتصح فيها إنابة الذمى وإن لم يكن من أهل النية لأن الشرط فيها نية الأمر، بخلاف الحج لأنه عبادة مركبة من المال والبدن فتشترط فيه أهلية المأمور للنية (ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۶۹، كتاب الزكاة) ولو دفعها إلى الذمى ليدفعها إلى الفقراء جاز لوجود النية من الأمر هكذا فى محيط السرخسى (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

۲۔ اور اگر اس وکیل نے مؤکل کی مخالفت کر کے، کسی اور کو یہ زکاۃ دے دی، تو حنفیہ کے یہاں وکیل پر تاوان لازم ہونے، نہ ہونے کے دونوں اقوال ہیں، اور بعض کے نزدیک تاوان لازم ہونے کا قول رائج ہے۔

وفى القنية من باب الوكالة بأداء الزكاة لو أمره أن يتصدق بدينار على فقير معين فدفعها إلى فقير آخر لا يضمن ثم رقم برقم آخر أنه فى الزكاة يضمن، وله التعيين. اهـ.

﴿تبیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنی طرف سے زکاۃ کا مال دیئے بغیر یہ کہا کہ وہ میری طرف سے اپنے مال سے زکاۃ ادا کر دے، اور پھر اس دوسرے شخص نے پہلے شخص کی طرف سے زکاۃ کی نیت کر کے زکاۃ دے دی، تو بھی اس کے وکیل و نمائندہ بن جانے کی وجہ سے پہلے شخص کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۶..... اگر کسی نے دوسرے شخص کو اپنی طرف سے زکاۃ دینے کا وکیل و نمائندہ نہیں بنایا، اور دوسرے شخص نے خود ہی پہلے شخص کی طرف سے زکاۃ دے دی، تو اس صورت میں اس کے وکیل و نمائندہ نہ بننے اور فضولی ہونے کی وجہ سے پہلے شخص کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ اگرچہ بعد میں اطلاع ملنے کے بعد پہلا شخص اجازت ہی کیوں نہ دے دے، اور اسی وجہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والقواعد تشهد للأول؛ لأنهم قالوا: لو قال: لله على أن أتصدق بهذا الدينار على فلان له أن يتصدق على غيره (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۸، شرائط اداء الزکاۃ)

والقواعد تشهد للأول (الخ) أقول: فيه نظر فإن ما ذكره قياس مع الفارق؛ لأنهم صرحوا بأن تعيين الزمان والمكان والدرهم والفقير غير معتبر في النذر؛ لأن الداخل تحت النذر ما هو قربة، وهو أصل التصديق دون التعيين فيسقط التعيين وتلزم القربة، وهنا الوكيل إنما يملك التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فليس له مخالفته كما في سائر أنواع الوكالة ونظيره لو أوصى بدارهم لفلان، وأمر الوصي بأن يدفعها إليه بعد موته ليس له أن يدفعها إلى آخر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۸، شرائط اداء الزکاۃ)

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۹، کتاب الزکاۃ)

وإن أمره بالدفع إلى شخص معين، فدفعها الوكيل لغيره، فيه قولان عند الحنفية: قول بأنه لا يضمن، كمن نذر أن يتصدق على فلان معين، له أن يتصدق على غيره، وقول رجحه ابن عابدين: يضمن، لأن الوكيل يستمد سلطته بالتصرف من الموكل، وقد أمر بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره، كمن أوصى لزيد بكذا، ليس للوصي الدفع إلى غيره (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ لا يشترط الدفع من عين مال الزكاة، ولذا لو أمر غيره بالدفع عنه جاز كما قدمناه (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۷۰، کتاب الزکاۃ)

اس زکاۃ دینے والے کو پہلے شخص سے اس مال کے وصول کرنے کا بھی حق نہیں ہوتا۔ ۱۔
البتہ اگر مالک نے ایسے وقت اجازت دی، جب کہ وہ زکاۃ میں دیا ہوا مال غریب کے قبضہ
میں اسی طرح قائم تھا، اور اس نے اس کو خرچ نہیں کیا تھا، تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک
زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۱..... اگر کسی نے دوسرے کو اپنی زکاۃ کی رقم دے کر غریبوں کو اپنی زکاۃ ادا کرنے
کا وکیل اور نمائندہ بنایا تو اس وکیل کو چاہئے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس رقم کو اپنی یا
دوسروں کی رقم کے ساتھ نہ ملائے، اور نہ ہی اس رقم کو تبدیل کرے، بلکہ وہی رقم زکاۃ میں
ادا کرے۔ ۳۔

۱۔ ولو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز له يجر، لأنها وجدت نفاذا على المتصدق؛ لأنها
ملكه، ولم يصير نائباً عن غيره فنفتت عليه (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۶، كتاب الزكاة)
۲۔ اس موقف کے بارے میں بندہ کے اپنے رجحان کا ذکر ”زکاۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کے احکام“ کے تحت گزر چکا
ہے۔ محمد رضوان۔

رجل أدى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك فإن كان المال قائماً في يد الفقير جاز،
وإلا فلا كذا في السراجية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)
۳۔ اگر مذکورہ صورت میں یہ وکیل اس رقم کے بجائے اپنی رقم سے اس کی زکاۃ ادا کرے، اور دوسرے کی دی ہوئی رقم
اس کے پاس الگ تھلگ موجود ہے، تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ اپنی رقم سے زکاۃ دیتے وقت یہ نیت بھی کر لے کہ اس زکاۃ کے
بدلے میں اس کی وہ رقم میری ہوگئی، جو کہ میرے پاس رکھی ہوئی ہے۔
لیکن اگر اس وکیل نے دوسرے کی دی ہوئی رقم کو پہلے خرچ کر دیا تھا، یا اپنی رقم کے ساتھ ملا دیا تھا، تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس
دوسرے کی زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور یہ جو کچھ دے گا، وہ اس کی طرف سے صدقہ تصور کیا جائے گا، اور یہ شخص اس دوسرے کی زکاۃ
کا تاوان بھی ادا کرے گا (عمدة الفقہ ج ۳ ص ۹۲، ۹۳، امداد الاحکام ج ۲ ص ۹۳، ۹۴)۔

مگر یہ سب حکم اس وقت ہے، جبکہ رقم دینے والے کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہو، اور اگر اس کی اجازت سے اس نے اپنی رقم
کے ساتھ اس کی رقم ملائی یا اس رقم کے بجائے دوسری رقم دی، تو پھر مذکورہ صورتوں میں دوسرے کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔
ملاحظہ رہے کہ جب کسی کی رقم اپنی رقم میں ملا دے تو غیر کی رقم کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اس لئے وہ رقم اس کی اپنی رقم بن جاتی ہے
اور وہ اتنی رقم کا دوسرے کا مقروض بن جاتا ہے۔ اگر اس حالت میں وہ کوئی رقم کسی کو زکاۃ میں دے تو وہ اپنی جیب سے
دینے والا شمار ہوتا ہے اور اسی لئے وہ اس کی طرف سے نقلی صدقہ شمار ہوتا ہے۔

یہ اس طرح ہے کہ جیسے تم نے اس کو زکاۃ دینے کے لئے کچھ نہیں دیا اس نے اپنی طرف سے آپ کی زکاۃ ادا کر دی تو ظاہر
ہے کہ یہ زکاۃ نہیں بنے گی، بلکہ اس کی طرف سے نقلی صدقہ بنے گی اس لئے وہ آپ سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر دوسرے نے صراحۃً رقم کو تبدیل کرنے یا اپنی یا دوسرے کی رقم کے ساتھ ملانے کی اجازت نہ دی ہو، تو کیا آج کل کے عرف میں دلائلِ اجازت شمار کی جاتی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں بعض علماء کا فرمانا ہے کہ آج کل کے عرف میں اس کی اجازت ہوتی ہے، اس لئے صراحۃً اجازت حاصل کئے بغیر بھی رقم ملا لینے اور دوسری رقم دینے سے زکاة ادا ہو جائے گی، جیسا کہ آج کل مدارس وغیرہ کا ایک ہی بینک اکاؤنٹ ہوتا ہے، جس میں بہت سے لوگ بلائیکہ مشترک رقوم جمع کراتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اجازت لے لینا بہر حال بہتر ہے، اور اجازت لئے بغیر ایسا تصرف کرنا خلاف احتیاط ہے (ملاحظہ ہو: کفایۃ المفتی، ج ۳ ص ۲۷۷،

کتاب الزکاة والصدقات، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، جولائی ۲۰۰۱ء، احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰۰، کتاب الزکاة) ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کیونکہ جو رقم اس نے موکل کی طرف سے زکاة میں دی ہے وہ موکل کی ہلاک شدہ رقم کا عوض نہیں ہے۔ اگر موکل کی طرف سے غلط کرنے کی اجازت ہے تو پھر یہ معاملہ جیسے وکالت ہے، اسی طرح عوض معاوضے کا بھی ہے، اس لئے ہلاکت کے بعد جب وہ اس کی طرف سے زکاة ادا کرے گا وہ موکل کے مال کا عوض ہوگا اور اس کی طرف سے زکاة اداء ہو جائے گی (ماخوذ از ہشتی رہبر متعین ص ۱۷۷، ۱۷۸، مؤلفہ: مولانا محمد الیاس کوہاٹی صاحب)

ولو تصدق بدراہم نفسه أجزأ أن كان على نية الرجوع وكانت دراهم الموكل قائمة (الدر المختار مع رد المختار، ج ۲، ص ۲۶۹، کتاب الزکاة)

(قوله ولو تصدق إلخ) أى الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع بديلها فى دراهم الموكل صح . بخلاف ما إذا أنفقها أولا على نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع (رد المختار، ج ۲، ص ۲۶۹ و ۲۷۰، کتاب الزکاة)

۱۔ (نوع آخر) * رجلان دفع كل منهما زكاة ماله إلى واحد ليتصدق به عن زكاته إلى فقير فخلط قبل الدفع أو المتولى فى يده أوقاف مختلفة خلط غلات بعضها ببعض أو البياح أو السمسمار خلط الأثمان بعضها ببعض أو الطحان خلط حنطة الناس ولم تجر العادة فى تلك الناحية بالخلط أو بأى مرد خلط ما يجمع من الناس وقد ذكرناه يجب الضمان على الكل (الفتاوى الزبائية، ج ۱ ص ۴۰، کتاب الزکاة)

ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعا إلا إذا وكله الفقراء (الدر المختار مع رد المختار، ج ۲، ص ۲۶۹، کتاب الزکاة)

(قوله ضمن وكان متبرعا) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه . قال فى التتارخانية : إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان أهأى أجاز قبل الدفع إلى الفقير، لما فى البحر : لو أدى زكاة غيره بغير أمره قبله فأجاز لم يجز لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق لأنها ملكه ولم يصير تائبا عن غيره فنفذت عليه اهـ لكن قد يقال : تجزى عن الأمر مطلقا لبقاء الإذن بالدفع . قال فى البحر : ولو تصدق عنه بأمره جاز ويرجع بما دفع عند أبى يوسف . وعند محمد لا يرجع إلا بشرط الرجوع اهـ تأمل،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... اگر ایک شخص نے دوسرے کو زکاة ادا کرنے کے لئے نقدی فراہم کی، تو اس وکیل کو چاہئے کہ وہ مستحق کو زکاة میں نقدی ہی فراہم کرے، کوئی چیز خرید کر مستحق کو دینا جائز نہیں، ہاں اگر زکاة دینے والے نے اس کی اجازت دے دی ہو، تو پھر کوئی حرج نہیں (احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۰۰، کتاب الزکاة)

مسئلہ نمبر ۹..... اگر ایک شخص نے دوسرے کو رقم دے کر اپنی زکاة ادا کرنے کا وکیل و نمائندہ بنایا، اور اس وکیل و نمائندہ کے زکاة ادا کرنے سے پہلے اس کے پاس سے یہ رقم ضائع مثلاً چوری ہوگئی، تو اس سے زکاة ادا نہیں ہوگی۔

اب اگر وکیل و نمائندہ نے اس کی حفاظت میں غفلت و کوتاہی کی، یا ضائع ہونے سے پہلے اس کی رقم کو (دوسرے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت کے بغیر) اپنی رقم میں ملا لیا تھا، تو اس سے اس کا تاوان لیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں (احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۹۹، تہذیب و تمدن حکم الاجازۃ دلالتاً)

مسئلہ نمبر ۱۰..... جب کسی نے دوسرے کو اپنی زکاة ادا کرنے کا وکیل بنایا، تو اس وکیل کو یہ زکاة خود مستحق کو ادا کرنی چاہئے، لیکن اگر وہ کسی دوسرے ذمہ دار کو آگے اس زکاة کو ادا کرنے کا وکیل بنا دے، اور وہ صحیح مصرف میں زکاة ادا کر دے، تب بھی زکاة ادا ہو جائے گی۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... جس کو کسی نے اپنی زکاة کسی بھی غریب و ضرورت مند کو دینے کا نمائندہ اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ثم قال فی التارخانیۃ أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات؛ وكذلك المتولى إذا كان في يده أوقيات مختلفة وخلط غلاتها ضمن وكذلك السمسار إذا خلط الأثمان أو البائع إذا خلط الأمتعة ضمن. اهـ. قال في التجنيس: ولا عرف في حق السماسرة والبياعين بخلط ثمن الغلات والأمتعة اهـ. ويتصل بهذا العالم إذا سأل للفقراء شيئاً وخلط بضمين.

قلت: ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذ دلالة. والظاهر أنه لا بد من علم المالك بهذا العرف ليكون إذا منه دلالة (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۶۹، كتاب الزكاة)

۱۔ للوكيل بدفع الزكاة أن يوكل غيره بلا إذن بحر عن الخانية وسيأتي متناهي الوكالة (رد المحتار، ج ۲، ص ۲۷۰، كتاب الزكاة)

وفى الخانية من باب الأضحية: للوكيل بدفع الزكاة أن يوكل بلا إذن، ولا يتوقف (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۸، شرائط اداء الزكاة)

وکیل بنایا، تو اس نمائندہ اور وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ زکاة کا مال کسی غریب کو دے دے، اور وہ یہ زکاة کا مال اپنی غریب و مستحق بیوی، والدین، اور اولاد کو بھی دے سکتا ہے۔

لیکن اگر وہ شخص خود غریب ہو، تو یہ زکاة خود نہیں رکھ سکتا، ہاں اگر زکاة دینے والے نے اس کو پورا اختیار دے دیا ہو کہ جو چاہے کرو، اور جسے چاہے دے دو، تو پھر یہ شخص مستحق ہونے کی صورت میں خود بھی زکاة کا مال اپنے لئے رکھ سکتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۲..... ایک ساتھ شراکت کے طور پر کام کرنے والے لوگ، تجارت کے معاملات

۱۔ مندرجہ بالا حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اور مذکورہ قول بعض مشائخ نے امام محمد کی طرف، جبکہ بعض نے امام ابو یوسف کی طرف دیکل کے خود زکاة رکھ لینے کے جواز کا منسوب کیا ہے، جبکہ وہ وکیل خود سے زکاة کا مستحق ہو، واللہ اعلم۔
وللوکیل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال: ربها ضعتها حيث شئت (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲ ص ۲۶۹، کتاب الزکاة)

وللوکیل بدفع الزکاة أن يدفعها إلى ولد نفسه كبيراً كان أو صغيراً، وإلى امرأته إذا كانوا محالين، ولا يجوز أن يمسك لنفسه شيئاً. إلا إذا قال ضعتها حيث شئت فله أن يمسكها لنفسه كذا في الولوالجية (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۲۷، کتاب الزکاة، شروط اداء الزکاة)
ويجوز للوكيل بأداء الزكاة أن يدفع لأبيه وزوجته إذا كانوا فقراء كذا في الإيضاح.

وفى الفتاوى إذا دفعها إلى ولده الصغير أو الكبير وهم محتاجون جاز ولا يجوز أن يأخذ لنفسه منها شيئاً فإن قال له صاحب المال ضعتها حيث شئت له أن يأخذ لنفسه (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۱۵، کتاب الزکاة، شروط وجوب الزکاة)

وللوکیل أن يدفع الزکاة لولده الفقير أو زوجته الفقيرة إذا لم يأمره بالدفع إلى شخص معين، ولا يجوز له أن يأخذ الزکاة لنفسه إلا إذا قال له الموكل: ضعتها حيث شئت (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

رجل دفع إلى رجل مالا قال: أعط هذا من أحببت، ليس له أن يتصدق على نفسه عند أبي حنيفة، وقال محمد: له ذلك (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۳۲۲، کتاب الزکاة، الفصل الرابع عشر)

(فروع) من مسائل الأمر بأداء الزکاة ذكرها في المبسوط والجامع وجوامع الفقه والواقعات لو قال لرجل ادفع زكاتي إلى من شئت أو أعطها من شئت فدفعها لنفسه لم يجر وفي جوامع الفقه جعله قول أبي حنيفة وقال وعند أبي يوسف يجوز ولو قال ضعتها حيث شئت جاز وضعها في نفسه وقال في المرغيناني وكل بدفع زكاته فدفعها لولده الكبير أو الصغير أو زوجته يجوز ولا يمسك لنفسه (حاشية الشلبى على تبين الحقائق، ج ۱ ص ۳۰۵، کتاب الزکاة، باب المصرف)

ولو وهب بعض النصاب من الفقير يسقط عنه زکاة المؤدى عند محمد - رحمه الله تعالى - كذا في التبيين وعن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - مثله، وهو الأشبه كذا في الزاھدى (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول)

میں تو ایک دوسرے کے وکیل و نمائندے شمار ہوتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کی طرف سے زکاۃ ادا کرنے کے وکیل و نمائندے شمار نہیں ہوتے، اس لئے کاروبار کے شرکاء کو دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے حصہ کے مال کی زکاۃ ادا کرنا، جائز نہیں ہوتا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۳..... اگر ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا، پھر اس قرض خواہ نے اپنے مقروض و دین دار سے یہ کہا کہ آپ کی طرف میرے جواتنے پیسے قرض ہیں، ان کو آپ میری طرف سے غریبوں کو زکاۃ کے طور پر دے دیں، تو اس طرح بھی وکیل بنانا درست ہو جاتا ہے، اور وہ مقروض جب قرض خواہ کے کہنے کے مطابق اس قرض خواہ کی طرف سے زکاۃ ادا کر دے گا، تو اس طرح بھی اس قرض خواہ کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ ۲

مسئلہ نمبر ۱۴..... اگر کسی غریب نے دوسرے شخص کو کسی سے اپنے لئے زکاۃ وصول کرنے کا اس طرح وکیل بنایا کہ تم میرے لئے فلاں سے زکاۃ وصول کر کے، فلاں جگہ خرچ کر دو، تو اس طرح بھی غریب کی طرف سے وہ شخص زکاۃ وصول کر کے، اس غریب کی منشاء کے مطابق خرچ کرنے کا وکیل بن جائے گا، اور زکاۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ ۳

مسئلہ نمبر ۱۵..... جب کوئی شخص دوسرے کو اپنی زکاۃ یا صدقہ کسی کو دینے کا وکیل بنائے،

۱۔ ولس لأحد الشريكين أن يؤدي زكاة مال الآخر إلا بإذنه (الهداية، ج ۳، ص ۱۲، كتاب الزكاة) ولس لأحد الشريكين أن يؤدي زكاة مال الآخر إلا بإذنه؛ لأن ذلك ليس بداخل في الشركة لأنه ليس من التجارة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۳، ص ۱۸، كتاب الشركة)

۲۔ وإذا قال لمديونه تصدق بالعشرة التي لي عليك على الفقراء عنى أو قال كفر عن يميني بما لي عليك أو قال أد زكاة مالي من العشرة التي لي عليك تصح الوكالة بالإجماع (الفتاوى الهندية، ج ۳، ص ۲۲۳، كتاب الوكالة، فصل في أحكام الوكالة بتقاضى الدين وقبضه)

(وحيلة أخرى) أن يقول الطالب للمطلوب من الابتداء وكل واحدا من خدمي ليقبض لك زكاة مالي، ثم وكله بقضاء دينك، فإذا قبض الوكيل يصير المقبوض ملكا لموكله وهو المديون والوكيل بالقبض وكيل بقضاء دينه فيقبض دينه من هذا المال بحكم وكالته (الفتاوى الهندية، ج ۳، ص ۳۹۲، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة)

۳۔ والحيلة إذا خاف ذلك ما في الأشباه، وهو أن يوكل المديون خادما الدائن بقبض الزكاة ثم بقضاء دينه، فيقبض الوكيل صار ملكا للموكل، ولا يسلم المال للوكيل إلا في غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدفع. اهـ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۷۱، كتاب الزكاة)

تو اس وکیل کے وہ زکاة یا صدقہ ادا کرنے سے پہلے اگر یہ وکیل و نمائندہ فوت ہو جائے، یا موکل یعنی وکیل و نمائندہ بنانے والا شخص فوت ہو جائے، تو یہ وکالت و نمائندگی باطل و ختم ہو جاتی ہے، خواہ وکیل کو اس کا علم بھی نہ ہو کہ موکل یعنی اس کو وکیل بنانے والا شخص فوت ہو چکا ہے۔ ۲

۲ البتہ بعض مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق موکل کی موت کی وجہ سے وکالت ختم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وکیل کو موکل کی موت کا علم ہو، اور ہمارے نزدیک بوقت ضرورت اس قول پر عمل کی گنجائش ہے، مثلاً آج کل وکالت کے ذریعے بڑے بڑے معاملات منعقد و طے ہوتے ہیں، اور وکیل ایک بہت بڑا سودا کر لیتا ہے، اور وہ اپنے موکل سے دور اور فاصلہ پر ہوتا ہے، اور اسے موکل کے فوت ہونے کے بعد علم ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں اس معاملہ کو باطل قرار دینے میں سخت مشکل پیش آتی ہے، واللہ اعلم۔

عقد الوكالة يفسخ بموت الوكيل أو الموكل عند عامة الفقهاء؛ لأنها عقد جائز يفسخ بالعزل، والموت في حكم عزل الوكيل. وإذا مات الوكيل زالت أهليته للتصرف، وإذا مات الموكل زالت صلاحيته بتفويض الأمر إلى الوكيل فتبطل الوكالة.

هذا ولا يشترط جمهور الفقهاء في انفساخ الوكالة علم الوكيل بموت الموكل. واشترط بعض المالكية (وهو رواية عند الحنابلة) علم الوكيل بموت الموكل في انفساخ الوكالة كما ذكره ابن رشد. وهكذا الحكم في سائر العقود الجائزة كعقد الشركة، الوديعة وغيرهما تنفسخ بموت أحد العاقدین على تفصيل في بعض الفروع يرجع إليها في مواضعها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۷ ص ۳۲، مادة "انفساخ")

تبطل الوكالة بموت الموكل أو الوكيل باتفاق الفقهاء. وذلك لأن الموت مبطل لأهلية التصرف، فإذا مات الموكل أو الوكيل بطلت أهليته بالموت فتبطل الوكالة.

ولأن الوكيل نائب عن الموكل في ماله، وقد انتقل هذا المال بالوفاة إلى ورثته، فلا يلزمهم ما باع أو اشترى. وذهب الحنابلة في الرواية الثانية إلى أنه يشترط العلم بموت الموكل حتى يصح العزل، لأنه لو انعزل قبل علمه كان فيه ضرر، لأنه قد يتصرف تصرفات فتقع باطله. فعلى هذه الرواية متى تصرف قبل علمه نفذ تصرفه.

وذهب المالكية إلى أنه إذا كان المتعاقد مع الوكيل حاضراً في البلد الذي مات فيها الموكل، وعلم أنه يتعاقد مع وكيل بأن أعلمه الوكيل بذلك، أو ثبت ذلك ببينة، فإنه لا ينعزل إلا إذا علم بموت الموكل، وهناك رواية أخرى عندهم أنه لا يشترط العلم لصحة العزل، ولكن الأول هو الراجح عندهم. أما إذا لم يكن المتعاقد موجوداً بالبلد الذي مات فيه الموكل، أو كان موجوداً ولكنه لم يعلم بالوكالة، فإنه لا ينعزل الوكيل إلا إذا علم بوفاة موكله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴ ص ۱۰۶، مادة "وكالة")

الوكيل بأداء الزكاة، مأمور بأداء الزكاة وأداء الزكاة هو إسقاط الفرض بتملك المال من الفقير، ولم يوجد ذلك من الوكيل (بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۳۵، كتاب الوكالة، فصل في الوكيلان هل ينفرد أحدهما بالتصرف فيما وكلا به)

مسئلہ نمبر ۱۶..... اگر زکاۃ کی رقم وکیل کے پاس سے ضائع، یا ہلاک ہو جائے، تو زکاۃ دہندہ کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور جو فرد یا ادارہ زکاۃ دہندہ کا وکیل ہو، تو اس کے پاس سے ضائع ہونے کی صورت میں بھی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، اور اسی وجہ سے اگر کوئی ڈاک یا رجسٹری وغیرہ کے ذریعہ سے کسی جگہ زکاۃ بھیجے، اور وہ زکاۃ راستہ میں ضائع ہو جائے، تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی (کفایت المفتی، ج ۳ ص ۲۹۷، کتاب الزکاۃ والصدقات، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، جولائی ۲۰۰۱ء، فتاویٰ دارالعلوم، ج ۶ ص ۸۸، کتاب الزکاۃ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی) ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۷..... حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عامل کے پاس سے، اگر زکاۃ کا وصول شدہ مال یا رقم ضائع و ہلاک ہو جائے، تو دینے والوں کی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ۲۔
اور مدرسہ یا کسی وقف، یا دینی ورفاہی ادارہ کے مدیر یا مہتمم کے پاس سے ضائع و ہلاک ہونے کا حکم بھی، کئی اہل علم حضرات کے نزدیک عامل کی طرح ہے، اور ہمارے نزدیک یہی رائج ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ”رفع التعلیک عن حلیۃ التملیک“، واحسن الفتاویٰ، ج ۳ ص ۴۳۲، الکلام البدیع فی احکام التوزیع، کتاب العلم والعلماء، واہم فقہی فیلے اسلامک فقہ اکیڈمی ہند، ص ۵۴، ۵۵، پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء)

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکاۃ ولو مات کانت میراثا عنه، بخلاف ما إذا ضاعت فی ید الساعی لأن یدہ کید الفقراء بحر عن المحيط (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۷۰، کتاب الزکاۃ)
۲۔ قال القدوری فی کتابہ: لو هلك المال فی ید العامل سقط حقه، وأجزأت عن الزکاۃ، أما سقوط حقه؛ فلأن حقه فی المال الذی فی یدہ، فیسقط بهلاکہ کما فی المضاربة إذا هلك فی ید المضارب بعد العمل، وأما جواز الزکاۃ؛ فلأن قبض العاشر بعد الحول واقع للفقیر، وكان قبض الفقیر بنفسه (المحیط البرہانی، ج ۲، ۲۸۰، کتاب الزکاۃ، الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع الزکاۃ فیہ)

ویسقط الواجب عن أرباب الأموال لو هلك المال فی یدہ، لأن یدہ کید الإمام، وهو نائب عن الفقراء (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۵۹، باب مصرف الزکاۃ)

(فصل نمبر ۷)

زکاة بغیر معاوضہ کے مالکانہ طور پر دینے کے احکام

مسئلہ نمبر ۱..... زکاة کی ادائیگی کے لئے تملیک بھی شرط ہے، تملیک کے معنی ہیں ”مالک بنانا“ پس زکاة ادا کرنے والے کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ زکاة کا مال غریب کو مالکانہ طریقہ پر دے، اور اگر وہ زکاة کا مال غریب کو مالکانہ طریقہ پر نہ دے، بلکہ اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کے لئے مباح و جائز کر دے، یا اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کو، اس طریقہ سے کھلا پلا دے کہ غریب کو اس مال کے بارے میں کھانے پینے کے علاوہ کوئی اور اختیار حاصل نہ ہو، تو زکاة ادا نہیں ہوتی۔ ۱

۱۔ اباحت اور تملیک میں یہ فرق ہے کہ دوسرے کے لئے اباحت کرنے سے اس چیز کا دوسرے کو صرف مخصوص طریقہ پر کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے، اور یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اس میں جو تصرف چاہے کر سکے، اور تملیک سے سب طرح کے تصرفات کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کسی کو کھانا مباح کیا تو اس کو صرف اس کے کھالینے کا اختیار ہے، کسی دوسرے تصرف کا اختیار نہیں، یہ تو اباحت ہے۔ اور اگر دوسرے کو اس طرح مالک کر دیا کہ وہ چاہے تو خود کھائے، یا استعمال کرے، یا دوسروں کو دے دے، یا بیچ دے، اس کو ان سب چیزوں کا ہر طرح کا اختیار حاصل ہو، اس کا نام تملیک ہے۔

پس زکاة میں تملیک ضروری ہے، اور اباحت کافی نہیں (ملاحظہ ہو ”معارف القرآن ج ۱۴ ص ۴۰۹“ ”زکاة اور مسئلہ تملیک“، جمع و ترتیب: مولانا شتیق احمد قاسمی صاحب، مطبوعہ: ادارہ القرآن، کراچی)

و كذلك التملیک شرط فی مصارف الزکاة فلا تصرف الزکاة الی بناء نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأتھار والحج والتکفین وکل ما لا تملیک فیہ (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳۶، ص ۲۴۵، مادة ”مخارج الحیل“)

التملیک: یشترط التملیک لصحة أداء الزکاة بأن تعطى للمستحقین، فلا یکفی فیها الإباحة أو الإطعام إلا بطریق التملیک، ولا تصرف عند الحنفیة الی معجون وصبی غیر مراهق (مميز) إلا إذا قبض لهما من یجوز له قبضه کالأب والوصی وغیرهما. وذلك لقوله تعالى: (وآتوا الزکاة) والإیفاء هو التملیک، وسمى الله تعالى الزکاة صدقة بقوله عز وجل: (إنما الصدقات للفقراء) والتصدق تملیک، واللام فی کلمة للفقراء - كما قال الشافعیة - لام التملیک، كما یقال: هذا المال لزيد (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳ ص ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثانی)

مسئلہ نمبر ۴..... زکاة کا پیسہ مسجد یا مدرسہ یا شفا خانہ یا کسی اور رفاہی یا وقف و ٹرسٹ کی تعمیر میں لگانا درست نہیں، کیونکہ اس میں کسی غریب کا مالک بننا نہیں پایا جاتا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۵..... زکاة کا مال ایسے خیر کے کاموں یا رفاہی کاموں (مثلاً کنویں کی کھدائی، پل کی تعمیر وغیرہ) میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں، جن میں غریب یا غریبوں کا مالک بننا نہیں پایا جاتا، اگرچہ غریب لوگ مالک بنے بغیر ان چیزوں سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتے ہوں۔ ۲

مسئلہ نمبر ۶..... اگر کسی ادارے میں غریب طلبہ یا دوسرے غریبوں کو مالک بنا کر، زکاة کا مال فراہم کیا جاتا ہو، یا شرعی اصولوں کے مطابق ”تملیک“ کا اہتمام ہوتا ہو، تو وہاں زکاة دینا

۱۔ -ذهب الفقہاء إلى أنه لا يجوز صرف الزكاة في بناء المسجد، لانعدام التمليك. وللتفصيل انظر مصطلح (زكاة ف).

ونقل الإمام فخر الدين الرازي عن القفال في تفسيره آية الزكاة عن بعض الفقهاء أنهم أجازوا صرف الصدقات إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الحصون وعمارة المساجد لأن قوله تعالى: (وفي سبيل الله) عام في الكل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳، ص ۲۲۲، مادة ”مسجد“)

فصل: ولا يجوز صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى، من بناء المساجد والقناطر والسقايات وإصلاح الطرقات، وسد البشوق، وتكفين الموتى، والتوسعة على الأضياف، وأشباه ذلك من القرب التي لم يذكرها الله تعالى.

وقال أنس والحسن: ما أعطيت في الجسور والطرق فهي صدقة ماضية. والأول أصح؛ لقوله سبحانه وتعالى: (إنما الصدقات للفقراء والمساكين) "وإنما" للحصر والإثبات، ثبت المذكور، وتنفي ما عداه، والخبر المذكور (المغني لابن قدامة، ج ۲، ص ۴۹ و ۴۹۸، كتاب الزكاة، فصل صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى)

۲۔ ذهب الفقهاء إلى أنه لا يجوز صرف الزكاة في جهات الخير غير ما تقدم بيانه، فلا تنشأ بها طريق، ولا يبنى بها مسجد ولا قطرة، ولا تشق بها ترعة، ولا يعمل بها سقاية، ولا يوسع بها على الأصناف، ولم يصح فيه نقل خلاف عن معين يعتد به، وظاهر كلام الرملي أنه إجماع، واحتجوا لذلك بأمرين:

الأول: أنه لا تملك فيها، لأن المسجد ونحوه لا يملك، وهذا عند من يشترط في الزكاة التملك.

والثاني: الحصر الذي في الآية، فإن المساجد ونحوها ليست من الأصناف الثمانية، وفي الحديث المتقدم الذي فيه: إن الله جعل الزكاة ثمانية أجزاء.

ولا يثبت مما نقل عن أنس وابن سيرين خلاف ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۸، ۳۲۹، مادة ”زكاة“)

درست ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۵..... زکاۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر کسی مدرسہ میں وقف کر دینے، یا کوئی زمین خرید کر کسی رفاہی کام کے لئے وقف کر دینے یا کسی وقف شدہ جگہ مثلاً ٹرسٹ کی تعمیر و توسیع وغیرہ میں لگانے یا اسی طرح مستحقین کے کام آنے کے لئے کوئی شامیانہ یا کرسیاں اور دیگر وغیرہ خرید کر وقف کر دینے سے بھی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ ان صورتوں میں بھی غریب مستحق کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا، بلکہ زکاۃ کی رقم کو براہ راست وقف کرنا پایا جاتا ہے، جیسا کہ گزرا۔

مسئلہ نمبر ۶..... زکاۃ کی رقم سے مستحق مریضوں کا اس طرح علاج معالجہ کرنا درست نہیں، جس سے زکاۃ کی رقم یا اس سے خریدا ہوا مال مستحق کی ملکیت میں داخل نہ ہو۔

البتہ اگر زکاۃ کی مدد سے مستحق کو مالکانہ طور پر دوا فراہم کر دی جائے، یا زکاۃ کی رقم کا غریب کو مالک بنا کر یعنی اس غریب یا اس کے نامزد نمائندہ کو زکاۃ کا مال مالکانہ قبضہ کے ساتھ دے کر پھر اس مال سے ڈاکٹر کی فیس یا دوسرے اخراجات وصول کر لئے جائیں، تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

اگر زکاۃ کی رقم سے کسی غریب مریض کو مالکانہ طریقہ پر دوائی فراہم کر دی جائے، یا علاج معالجہ کی اجرت و فیس ادا کرنے کے لئے غریب مریض یا اس کے نامزد نمائندہ کو مالکانہ طریقہ پر رقم فراہم کر دی جائے، جس سے وہ اپنے علاج معالجہ کی ضروریات پوری کرے، تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۷..... میت کی تجنیز و تکفین (یعنی کفن و دفن) میں زکاۃ کو استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں کسی شخص کا باضابطہ زکاۃ کا مالک بننا نہیں پایا جاتا، اور مردہ کو مال کا مالک بنانا ممکن نہیں، اسی طرح زکاۃ کی مدد سے کسی میت کا قرض ادا کرنا بھی درست نہیں ہوتا۔ ۲۔

۱۔ ملحوظ رہے کہ آج کل نام نہاد اور غیر ذمہ دار علماء دینی مدارس کھول کھول کر بیٹھ رہے ہیں، جس کو گویا کہ انہوں نے ایک دوکان سمجھ لیا ہے، نہ انہیں زکاۃ کی تملیک کی شرط کا علم ہے، اور نہ ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہے۔ اس لئے ایسے مدارس کو زکاۃ حوالہ کرنا درست نہیں۔ ”تملیک“ کی تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ ”رفع التشکیک عن حیلۃ التملیک“ ملاحظہ ہو۔

۲۔ البتہ بعض فقہاء زکاۃ کی مدد سے میت کے قرض کو ادا کرنے کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

ذهب الحنفیة وهو قول للشافعية والحنابلة (على المذهب) والنخعي: إلى أنه لا تعطى الزكاة في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو زکاۃ کی رقم ایسے اداروں کے حوالے کر دی جاتی ہے، جو زکاۃ کی ادائیگی میں مستحقین کو مالک بنانے کی رعایت نہیں کرتے، اگرچہ وہ ضرورت مندوں کو کتنا ہی فائدہ کیوں نہ پہنچا رہے ہوں، یہ غلط طریقہ ہے، اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی ان اداروں میں تعاون کرنا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ نفلی صدقہ و خیرات اور عطیات وغیرہ سے شرکت کرے، کیونکہ زکاۃ اہم اور خاص فریضہ ہے، جس میں غریب کو مالک بنانے کی بڑی اہمیت ہے، جہاں تک غریبوں کو مالک بنائے بغیر دوسرے طریقوں سے کارِ خیر میں خرچ کرنے کا تعلق ہے، تو وہ کام بھی باعثِ ثواب ہیں، لیکن ان میں دوسری مد کے مالوں سے خرچ کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کسی غریب نے دوسرے (مثلاً مدرسہ یا ادارہ کے مہتمم) کو اپنی طرف سے زکاۃ وصول کر کے کسی ایسی جگہ خرچ کرنے کا وکیل بنادیا کہ جہاں زکاۃ دہندہ کا براہِ راست زکاۃ خرچ کرنا جائز نہیں تھا، تو اس کا بطور وکالت کے خرچ کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ ۱

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تجهيز ميت عند من قال بان ركن الزكاة تملكها لمصرفها، فإن الميت لا يملك، ومن شرط صحة الزكاة التملك، قالوا: ولا يجوز أن يقضى بها دين الميت الذي لم يترك وفاء، لأن قضاء دين الغير بها لا يقتضى تملكه إياها، قال أحمد: لا يقضى من الزكاة دين الميت، ويقضى منها دين الحي. وقال المالكية وهو قول للشافعية ونقله في الفروع عن أبي ثور، وعن اختيار ابن تيمية، وأن في ذلك رواية عن أحمد: أنه لا بأس أن يقضى من الزكاة دين الميت الذي لم يترك وفاء إن تمت فيه شروط الغارم، قال بعض المالكية: بل هو أولى من دين الحي في أخذه من الزكاة، لأنه لا يرجح قضاءه بخلاف الحي، واحتج النووي لهذا القول بعموم الغارمين في آية مصارف الزكاة، وبأنه يصح التبرع بقضاء دين الميت كدين الحي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۸، مادة "زكاة")

۱۔ جیسا کہ پچھلی فصل کے مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزرا، اور اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کے فیصلوں میں ہے کہ:

مدرسہ میں طلبہ کے قیام و طعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں، ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الاداء ماہانہ اخراجات کے بقدر مد زکاۃ سے ادا کئے جائیں، یہ ادائیگی بصورتِ نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے، اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقم زکاۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کر سکتا ہے، بشرطیکہ بوقتِ داخلہ، فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور اگر نابالغ ہو تو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرا دی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مد زکاۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہوگا (اہم فقہی فیصلے ص ۵۴، مطبوعہ پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع

اول: دسمبر 1997ء)

مسئلہ نمبر ۹..... اگر کسی میت کے کفن کا زکاة کے مال کے علاوہ کسی اور مال سے انتظام نہ ہو سکے، تو ایسی مجبوری میں یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ زکاة کا مال کسی غریب کو مالکانہ طریقہ پر دے دیا جائے، جس میں اس غریب کو ہر طرح کے تصرف کرنے کا اختیار ہو، پھر وہ غریب اپنی خوشدلی کے ساتھ اپنی طرف سے اس مال سے میت کے کفن و دفن کا انتظام کر دے، تو اس طرح زکاة ادا ہو جاتی ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۱۰..... اگر کوئی زکاة کا مال غریب کو مالک بنا کر دے دے، جس میں اس غریب کو ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہو کہ وہ اس کا جو چاہے کرے، اور پھر اُس غریب کو کسی ایسے نیک مصرف میں خرچ کرنے کا مشورہ دے، جہاں زکاة کا خرچ کرنا جائز نہیں تھا، مثلاً شفا خانے کی ایسی ضروریات میں جہاں غریبوں کو مالک نہیں بنایا جاتا (مثلاً آپریشن وغیرہ کی اجرت) اور وہ غریب اپنی خوشدلی سے، اُس مصرف میں خرچ کر دے، تو بھی جائز ہے۔ ۲

۱۔ وحيلة التكفين بها التصديق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد، وتماه في حيل الأشباه (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة) (قوله: فيكون الثواب لهما) أي ثواب الزكاة للمزكى، وثواب التكفين للفقير. وقد يقال: إن ثواب التكفين يثبت للمزكى أيضا، لأن الدال على الخير كفعله، وإن اختلف الثواب كما وكيفاً ط. قلت: وأخرج السيوطي في الجامع الصغير لو مروت الصدقة على يدى مائة لكان لهم من الأجر مثل أجر المبتدئ من غير أن ينقص من أجره شيء (قوله وكذا) الإشارة إلى الحيلة (قوله وتماه إلخ) هو ما قدمناه عن الأشباه (رد المحتار، ج ۲، ۲۷۱، كتاب الزكاة)

۲۔ الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره والظاهر نعم (الدر المختار)

(قوله: وهو الركن) أي ركن الزكاة بالمعنى المصدري؛ لأنها كما مر تملك المال من فقير مسلم إلخ، وتسميته ركناً تبعاً للهداية وغيرها ظاهر بخلاف ما في الدرر من تسميته شرطاً (قوله: وقدمننا) أي قبيل قوله واقتراضها عمرى (قوله: إن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولاً لا يجزئ؛ لأنه يكون وكيلاً عنه في ذلك وفيه نظر؛ لأن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرضاً أو هبة في الأصح كما قدمناه فافهم. (قوله: والظاهر نعم) البحث لصاحب النهر وقال؛ لأنه مقتضى صحة التملك قال الرحمتي: والظاهر أنه لا شبهة فيه؛ لأن ملكه إياه عن زكاة ماله وشرط عليه شرطاً فاسداً والهبة والصدقة لا يفسدان بالشرط الفاسد (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۴۵، ۳۴۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

مسئلہ نمبر ۱۱..... زکاۃ ادا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کسی مزدوری یا خدمت کے معاوضہ میں نہ دی جائے، اسی وجہ سے کسی مسجد کے امام، مؤذن یا مدرسہ کے مدرس یا گھریا دوکان یا شفا خانے و ہسپتال وغیرہ کے ملازم کو ان کی خدمات کے صلہ و تنخواہ میں زکاۃ دینا جائز نہیں۔^۱ بعض لوگ کسی غریب مزدور کی مزدوری یا اس کی خدمات کے صلہ میں زکاۃ دینے کی غلطی کرتے ہیں، یا اگر زکاۃ کو محنت، مزدوری یا خدمت کا پورا معاوضہ نہ سمجھیں، تو اس سے اپنی دنیوی اغراض وابستہ رکھتے ہیں، مثلاً اس لئے زکاۃ دیتے ہیں، تاکہ یہ ہمارے فرمانبردار و تابعدار رہیں، اور ہمارا کام ٹھیک ٹھیک کرتے رہیں، اور ہمارے احسان مندر ہیں۔

اس قسم کی اغراض درست نہیں، اگر مزدوری یا حق الخدمت کا معاوضہ بنا کر زکاۃ کا مال دیا گیا، تب تو زکاۃ ادائی نہیں ہوگی۔ اور اگر باقاعدہ معاوضہ تو نہیں بنایا، لیکن دنیاوی اغراض وابستہ رکھیں، تو وہ زکاۃ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل نہ کرے گی، اگرچہ بعض صورتوں میں زکاۃ کا فریضہ ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... اگر مسجد کے امام و مؤذن و مالدار و صاحبِ نصاب ہیں، تو ان کو زکاۃ دینا بہر حال جائز نہیں، اور اگر وہ فقیر و غریب ہوں، تو اگر اذان و امامت کی تنخواہ و معاوضہ کے طور پر ان کو زکاۃ دی جائے، تو بھی ناجائز ہے، کیونکہ زکاۃ کو معاوضہ میں دینا جائز نہیں، اور اگر معاوضہ کے بغیر دی جائے، تو پھر جائز ہے۔

لحوظ رہے کہ جن علاقوں میں مؤذن اور امام کی تقرری کے وقت زکاۃ کا لینا دینا طے ہوتا ہے، وہ تو بہر حال ناجائز ہے ہی، اور جہاں طے نہ ہو، مگر اس طرح معروف اور رائج ہو کہ دینے والے اپنے لئے امام یا مؤذن کو دینا لازم سمجھتے ہوں، اور امام و مؤذن اس کو اپنا حق سمجھتے

۱۔ التملیک انواع ثلاثة فلا بد لكل نوع من اسم خاص لیتميز عن صاحبه فالبيع اسم لتملیک عین المال بعوض فی حالة الحیاة والہبة والصدقة تملیک عین المال بغير عوض فی حالة الحیاة بطریق التبرع والعارية تملیک المنفعة بطریق التبرع فی حالة الحیاة فیکون الوصية اسما لتملیک المال بعد الموت بطریق التبرع فی العین والمنافع جمیعاً (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۳، ص ۲۰۶، کتاب الوصایا)

ہوں، کہ اگر انہیں نہ ملے، تو اعتراض ہوتا ہو، تو یہ بھی جائز نہیں ”لان المعروف کالمشروط“ ۱۔
 مسئلہ نمبر ۱۳..... زکاۃ بذریعہ چیک بھی ادا کی جاسکتی ہے، لیکن کیونکہ آج کے دور میں چیک بذات خود مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اس لئے کسی مستحق کو صرف چیک دینے سے اس وقت تک زکاۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ وہ چیک کو کیش نہ کرالے (کذا فی امداد المفتین ص ۴۵۱، کتاب الزکاۃ)
 مسئلہ نمبر ۱۴..... اگر کوئی ڈاکخانہ کے ذریعہ سے یا کسی اور فرد، یا ادارہ کے واسطے سے، کسی جگہ زکاۃ ارسال کرے، تو زکاۃ کے ارسال کرنے پر، جو کرایہ وغیرہ کے اخراجات آئیں، وہ زکاۃ ادا کرنے والے کو، زکاۃ سے منہا کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اخراجات الگ سے ادا کرنا چاہئے۔
 اسی طرح زکاۃ کی وصولی کے سفیر کو زکاۃ کے مال سے کمیشن دینا بھی جائز نہیں (۱، ہم فقہ فیصلے ص ۵۵، مطبوعہ پانچویں فقہی سیمینار کے فیصلے، ادارۃ القرآن، کراچی، طبع اول: دسمبر ۱۹۹۷ء)

مسئلہ نمبر ۱۵..... بعض لوگ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے کسی غریب مستحق کو زکاۃ کا مالک بنانے کا اہتمام نہیں کرتے، اور غریب کو شرعی مالک بنائے بغیر زکاۃ کے مال کو رفاہی یا کسی خیر کے کام میں لگا دیتے ہیں، مثلاً کنویں کی کھدائی، پل کی تعمیر یا تعمیر مسجد و ہسپتال وغیرہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ جبکہ اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ زکاۃ ادا ہونے کے لئے شریعت نے یہ بات لازم قرار دی ہے کہ کسی غریب مستحق کو زکاۃ مالکانہ طور پر دی جائے، جس سے اس کی ملکیت ثابت ہو جائے اور وہ اس میں جس طرح سے چاہے تصرف کر سکے، یہاں تک کہ اگر غریب کو باقاعدہ مالک بھی نہیں بنایا، بلکہ اس کے لئے زکاۃ کا مال مباح کر دیا مثلاً یہ کہ کھانا بنا کر اس کو صرف کھانے کی اجازت دے دی، تب بھی زکاۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ تفصیلاً گزرا۔

مسئلہ نمبر ۱۶..... جو مال غریب کو زکاۃ میں مالکانہ طریقہ پر دے دیا گیا، اور پھر وہ غریب اپنی خوشی سے وہ مال کسی مالدار کو ہبہ کرے، تو مالدار کے لئے وہ مال جائز ہے، اور اگر ہبہ کئے بغیر ویسے ہی مباح کرے یا کھلائے پلائے، تو مالدار کے لئے اس کے جائز و ناجائز ہونے کے دونوں قول ہیں، ایک قول کی رو سے گنجائش ہے، جس کی تفصیل آگے تحقیقی مسائل میں آتی ہے۔

۱۔ وقد ذکر الفقهاء أن الشرط العرفي كاللفظي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳ ص ۵۶، مادة ”عرف“)

(فصل نمبر ۸)

زکاة کی قضاء، معافی اور وصیت کے احکام

بعض صورتوں میں زکاة وقت پر ادا نہیں کی جاتی، پھر اس کی قضاء کے احکام پیش آتے ہیں، اور بعض صورتوں میں زکاة ذمہ میں معاف ہو جاتی ہے، اور بعض صورتوں میں زکاة کی وصیت کا حکم ہوتا ہے، اس طرح کے چند مسائل کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱..... جب کسی شخص میں زکاة واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں، مثلاً کوئی شخص زکاة کے نصاب کا مالک ہو، اور سال بھی پورا ہو جائے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک زکاة کی ادائیگی فی الفور واجب ہو جاتی ہے، اور پھر اس میں بلا عذر تاخیر کرنا گناہ ہوتا ہے۔

البتہ اگر فی الفور زکاة ادا کرنے میں کوئی معقول عذر ہو، مثلاً مال اس کے پاس موجود نہ ہو، تو پھر اسی طرح کا عذر زائل ہونے تک تاخیر کرنے میں گناہ نہیں ہوتا۔ ۱

۱۔ ذهب جمهور العلماء (الشافعية والحنابلة وهو المفتي به عند الحنفية) إلى أن الزكاة متى وجبت، وجبت المبادرة بإخراجها على الفور، مع القدرة على ذلك وعدم الخشية من ضرر. واحتجوا بأن الله تعالى أمر بإيتاء الزكاة، ومتى تحقق وجوبها توجه الأمر على المكلف بها، والأمر المطلق يقتضي الفور عندهم، ولأنه لو جاز التأخير لجاز إلى غير غاية فتنتفى العقوبة على الترك، ولأن حاجة الفقراء ناجزة، وحقهم في الزكاة ثابت، فيكون تأخيرها منعاً لحقهم في وقته. وسئل أحمد: إذا ابتدأ في إخراجها فجعل يخرجها أولاً فأولاً؟ قال: لا، بل يخرجها كلها إذا حال الحول. وقال: لا يجري على أقاربه من الزكاة كل شهر، أي مع التأخير.

ثم قال الشافعية والحنابلة: ويجوز التأخير لعذر. ومما ذكره الشافعية من الأعذار: أن يكون المال غائباً فيمهل إلى مضي زمن يمكن فيه إحضاره، وأن يكون بإخراجها أمر مهم ديني أو دنيوي، وأن ينتظر بإخراجها صالحاً أو جاراً.

ومما ذكره الحنابلة أن يكون عليه مضرة في تعجيل الإخراج، مثل من يحول عليه الحول قبل مجيء الساعي، ويخشى أن أخرجه بنفسه أخذه الساعي منه مرة أخرى.

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کسی شخص نے فرض ہونے کے باوجود، ایک یا زیادہ سالوں کی زکاة ادا نہیں کی، اور وہ اسی حال میں فوت ہو گیا، تو کیا اُس کے ترکہ (یعنی متروکہ مال) سے زکاة نکالی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جس پر زکاة واجب ہو جائے، اور وہ ادائیگی پر قادر بھی ہو، پھر وہ زکاة ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے، تو اس کے فوت ہونے سے زکاة

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

و كذا إن خشي في إخراجها ضرراً في نفسه أو مال له سواها، لأن مثل ذلك يجوز تأخير دين الآدمي لأجله، فدين الله أولى.

وذهب المالكية إلى أن الحاضر يجب عليه أن يخرج زكاة ما حضر من ماله وما غاب دون تأخير مطلقاً، ولو دعت الضرورة لصرف ما حضر، بخلاف المسافر فله التأخير إن دعت الضرورة أو الحاجة لصرف ما معه في نفقته.

والقول الآخر للحنفية، وعليه عامة مشايخهم أن الفراض الزكاة عمرى، أى على التراخي ففى أى وقت أذى يكون مؤدياً للواجب، ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب حتى لو لم يؤد يائماً إذا مات. واستدل له الجصاص بأن من عليه الزكاة إذا هلك نصابه بعد تمام الحول والتمكن من الأداء لا يضمن، ولو كانت على الفور لضمن، كمن أخر صوم رمضان عن وقته فإن عليه القضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۵، ۲۹۶، مادة "زكاة")

اتفق الفقهاء فى المفتى به عند الحنفية على وجوب الزكاة فوراً بعد استيفاء شروطها من ملك النصاب وحولان الحول ونحوهما، فمن وجبت عليه الزكاة وقد رد على إخراجها لم يجز له تأخيرها، ويأثم بالتأخير بلا عذر، وترد شهادته عند الحنفية، لأنه حق يجب صرفه إلى الآدمي توجهت المطالبة بالدفع إليه، والأمر بالصرف إلى الفقير ومن معه قرينه الفور، لأنها لدفع حاجته، فإذا لم تجب معجلة لم يحصل المقصود من الإيجاب على وجه التمام. والإخراج على الفور بشرطين: أولاً - أن يتمكن من إخراجها، بأن كان المال حاضراً عنده، ثانياً - أن يحضر الأصناف المستحقون لها أو نوابهم أو الإمام أو وكيله الساعي.

فإن أخرها وهو قادر على أدائها ضمنها، لأنه أخر ما وجب عليه مع إمكان الأداء، كالوديعة إذا طالب بها صاحبها، ويأثم بالتأخير، لحبسه مال الفقراء عنده بغير حق، وهو حرام، إلا إذا أخر فى رأى الشافعية لانتظار قريب أو جار أو من هو أحوج من الحاضرين، بشرط ألا يتضرر الحاضرون بالتأخير ضرراً بليغاً. وعليه لا يجوز للجمعيات الخيرية تأخير صرف الزكاة كرسيد مدور لحساب الجمعية، لأن دفع الزكاة واجب على الفور (الفقه الاسلامى وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۱، ۱۸۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثالث)

ساقط نہیں ہوتی، اور اس کے ترکہ میں سے قرض کی طرح زکاة ادا کی جاتی ہے، جس کی ذمہ داری اس کے وارثوں پر لازم ہوتی ہے، خواہ اس نے زکاة کی وصیت بھی نہ کی ہو۔ ۱

اور حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کے فوت ہونے سے دنیوی احکام کے اعتبار سے اس کی زکاة ساقط ہو جاتی ہے، اور اس کے وارثوں کو اس کے ترکہ میں سے زکاة نکالنا لازم نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس نے زکاة کی وصیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے وصیت کی ہو، تو پھر دوسری وصیتوں کی طرح، اس کے ترکہ کے تہائی مال تک اس کی وصیت کو پورا کیا جاتا ہے، اور اگر اس وصیت کی مقدار، ترکہ کے تہائی مال سے زیادہ ہو، تو پھر تمام عاقل، بالغ وارثوں کی اجازت سے ہی، اس کو پورا کیا جاتا ہے۔ ۲

۱۔ اختلاف الفقہاء فی تأثیر الموت علی سقوط دین الزکاة إذا توفی من وجبت الزکاة فی ماله قبل أدائها، وذلك علی ثلاثة أقوال:

الأول: للشافعية والحنابلة، وهو أنه من وجبت عليه الزكاة وتمكن من أدائها، ولم يؤدها حتى مات، فإنها لا تسقط بموته، ويلزم إخراجها من رأس ماله وإن لم يوص بها، وهو مذهب عطاء والحسن البصري والزهری وقنادة وإسحاق وأبی ثور وابن المنذر واحتجوا علی ذلك بأن دین الزكاة حق مالی واجب لزمه حال الحياة، فلم يسقط بموته، كدين العبد. ويفارق الصلاة، فإنها عبادة بدنية لا تصح الوصية بها ولا النيابة فيها وبعموم قوله تعالى في آية الموارث: (من بعد وصية يوصي بها أو دين) حيث عمم سبحانه الديون كلها، والزكاة دين قائم لله تعالى وللمساكين والفقراء والغارمين وسائر من فرضها الله تعالى لهم بنص الكتاب المبین.

وبما ورد عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله إن أمی ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟ قال صلى الله عليه وسلم: نعم. قال: فدين الله أحق أن يقضى. فدل ذلك على أن حقوق الله تعالى أحق أن تقضى، ودين الزكاة منها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۲۸۱ و ۲۸۲، مادة "موت")

۲۔ المتحنفیه کے نزدیک واجب شدہ عشر موت سے بہر حال ساقط نہیں ہوتا۔

الثانی: للحنفية، وهو أن من مات، وعليه دين زكاة لم يؤده في حياته، فإنه يسقط بموته في أحكام الدنيا، ولا يلزم الورثة بإخراجها من تركته ما لم يوص بذلك، فإن أوصى بأدائها من تركته، فإنها تخرج من ثلثها كسائر الوصايا، وما زاد على الثلث لا ينفذ إلا بإجازة الورثة.

وهو قول ابن سيرين والشعبي والنخعي وحماد بن أبي سليمان وحميد الطويل وعثمان البتي وسفيان الثوري وغيرهم.

وتعليل ذلك أن المقصود من حقوق الله تعالى إنما هو الأفعال، إذ بها تظهر الطاعة والامتثال، وما

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۰..... اگر کسی نے زندگی میں زکاة ادا نہیں کی، اور وہ اسی حال میں فوت ہو جائے، تو وہ گنہگار ہو کر فوت ہوتا ہے، اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک تو اس کے ترکہ میں سے زکاة ادا کی جاتی ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک اس کے ترکہ میں سے زکاة ادا نہیں کی جاتی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان ماليا منها، فالمال متعلق بالمقصود، وهو الفعل، وقد سقطت الأفعال كلها بالموت، لتعذر ظهور طاعته بها في دار التكليف، فكان الإيصاء بالمال الذي هو متعلقها تبرعا من الميت ابتداء، فاعتبر من الثلث.

وأيضا فإن الزكاة وجبت بطريق الصلة، ألا ترى أنه لا يقابلها عوض مالي، والصلا ت تبطل بالموت قبل التسليم.

واستثنى الحنفية من ذلك زكاة الزروع والثمار، فقالوا بعدم سقوطها بالموت قبل الأداء إذا كان الخارج، قائما، فمن وجب عليه العشر أو نصف العشر فإنه يؤخذ من تركته إذا مات قبل أدائه الثالث: للمالكية، وهو أن من مات وعليه زكاة لم تؤد في حياته، فلا يخلو: إما أن تكون تلك الزكاة حالة في العام الحاضر الذي مات فيه، وإما أن تكون عن سنين ماضية فرط في أداء الزكاة فيها.

الحالة الأولى: فإن كانت الزكاة حالة في العام الحاضر الذي مات فيه، فإنها إما أن تكون زكاة حرث وثمر وماشية، أو زكاة عين (ذهب أو فضة).

فإن كانت زكاة أموال ظاهرة كحرث وماشية ونحوها، فإنها لا تسقط بموته، بل تخرج من رأس ماله مقدمة على الكفن والتجهيز، سواء أوصى بها أو لا، لأنها من الأموال الظاهرة.

أما إذا كانت زكاة عين حاضرة (من الأموال الباطنة) فإنها تخرج من رأس المال جبرا عن الورثة، إن اعترف بحلولها وبقائها في ذمته وأوصى بإخراجها، أما إذا اعترف بحلولها، ولم يعترف ببقائها، ولم يوص بإخراجها، فلا يجبر الورثة على إخراجها لا من ثلث تركته ولا من رأس ماله، وإنما يؤمرون في غير جبر، إلا أن يتحقق الورثة من عدم إخراجها، فحينئذ تخرج من رأس ماله جبرا.

وإذا اعترف ببقائها، وأوصى بإخراجها، أخرجت من الثلث جبرا. وإن اعترف ببقائها ولم يوص بإخراجها، لم يقض عليهم بإخراجها، وإنما يؤمرون بذلك من غير إجبار لاحتمال أن يكون قد أخرجها قبل موته، فإن علموا عدم إخراجها أجبروا على الإخراج من رأس ماله.

الحالة الثانية: وإذا كانت الزكاة عن مدة ماضية، وفرط في أدائها سواء أكانت زكاة عين أو ماشية أو حرث فيلزم إخراجها من الثلث إن أوصى بها أو اعترف بأنها باقية في ذمته.

أما إذا لم يعترف بذلك ولم يوص بها، فإنه لا يلزم الورثة إخراجها لا من الثلث ولا من رأس المال.

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن حنفیہ کے نزدیک فوت ہونے سے پہلے ایسے شخص پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ترکہ میں سے زکاة ادا کرنے کی وصیت کر دے، اور وصیت کرنے کے بعد اس کے وارثوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے تہائی ترکہ میں سے زکاة ادا کریں۔

اور اگر وہ وصیت نہ کرے، تو یہ خود گنہگار ہوتا ہے، مگر اس کے وارثوں کے ذمہ زکاة کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کے بالغ وارث تبرع و احسان کے طور پر نیکی سمجھتے ہوئے، اپنے میراث کے حصہ میں سے یا اپنے کسی اور مال سے، میت کے ذمہ میں واجب شدہ زکاة ادا کر دیں، تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ باعثِ ثواب اور مرحوم کے لئے باعثِ افادیت ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو أشهد في صحته أنها في ذمته، وأنه لم يفرض، فإنها تخرج من رأس المال. وإذا أشهد في مرض موته على ذلك تكون بمنزلة الوصية، وتخرج من الثلث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۲۸۲ و ۲۸۳، مادة "موت")

حکم من مات وعليه زكاة أمواله، أو هل تسقط الزكاة بالموت؟ اختلف الفقهاء في ذلك، فقال المالكية والشافعية والحنابلة: من وجبت عليه زكاة وتمكن من أدائها، فمات قبل أدائها، عصي، ووجب إخراجها من تركته، وإن لم يوص بها، ولا تسقط بموته، لأنها حق واجب تصح الوصية به، أو حق مال لزمه في حال الحياة، فلم يسقط بالموت كدين الآدمي. ولكن تنفذ من ثلث التركة كالوصية في مشهور مذهب المالكية، ومن رأس مال التركة كلها في رأى الشافعي وأحمد. وإذا اجتمع في تركة الميت دين لله تعالى ودين لآدمي، مثال الأول: زكاة وكفارة ونذر وجزاء صيد حرمي وغير ذلك، فالأصح عند الشافعية تقديم دين الله تعالى.

وقال أبو حنيفة: تسقط عنه الزكاة بالموت، إلا أن يوصى بها وصية، فتخرج من الثلث، ويترحم بها أصحاب الوصايا، وإذا لم يوص بها سقطت، لأنها عبادة من شرطها النية، فسقطت بموت من هي عليه كالصوم.

فتكون مسقطات الزكاة عند الحنفية ثلاثة: موت من عليه الزكاة من غير وصية، والردة، وهلاك النصاب بعد الحول قبل التمكن من الأداء وبعده، خلافاً للشافعي وغيره في الأمور الثلاثة (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۸، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ من ترك الزكاة التي وجبت عليه، وهو متمكن من إخراجها، حتى مات ولم يوص بإخراجها أثم إجماعاً.

ثم ذهب جمهور الفقهاء منهم مالك والشافعي، وأحمد، وإسحاق، وأبو ثور، وابن المنذر، وهو مروى عن عطاء، والحسن، والزهري إلى أن من مات وعليه زكاة لم يؤدها فإنها لا تسقط عنه

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... زکاة کا سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی (یعنی ایڈوانس) بھی ادا کرنا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالموت کسائر حقوق اللہ تعالیٰ المالیه، ومنها الحج والکفارات، ویجب إخراجها من ماله سواء أوصى بها أو لم یوص، وتخرج من کل ماله لأنها دین لله، فتعامل معاملة الدین، ولا تراحم الوصایا فی الثلث، لأن الثلث یكون فیما بعد الدین . واستدلوا بأنه حق واجب فی المال، فلم تسقط بالموت کدین الآدمی.

ثم قال الشافعية: إذا اجتمع دین الله مع دین الآدمی یقدم دین الله لحديث دین الله أحق أن یقضى . وقیل: یقدم دین الآدمی، وقیل: یستویان.

وذهب الأوزاعی واللیث إلى أنها تؤخذ من الثلث مقدمة على الوصایا ولا یجاوز بها الثلث. وذهب أبو حنیفة والثوری والنخعی والشعبی إلى أن الزکاة تسقط بالموت بمعنی أنها لا یجب إخراجها من تركته، فإن كان قد أوصى بها فهي وصیه تراحم سائر الوصایا فی الثلث، وإن لم یوص بها سقطت، لأنها عبادة من شرطها النیة، فسقطت بموت من هی علیه كالصلاة والصوم، فإن أخرجها الورثة فهي صدقة تطوع منهم.

ویستثنی من هذا عند الحنفیة فی ظاهر الروایة عشر الخارج من الأرض، فیؤخذ من ترکه المیت لأنه عندهم فی معنی مئونة الأرض . وفی روایة: بل یسقط أيضا.

ثم عند المالکیة تخرج زکاة فرط فیها من رأس ماله إن تحقق أنه لم یخرجها، أما إن كان ذلك بمجرد إقراره فی مرض موته وأشهد على بقائها فی ذمته، وأوصى بإخراجها فهي من الثلث، وإلا فلا تخرج أصلا.

وأما زکاة عام موته فإن اعترف بحلولها وأوصى بإخراجها أخرجت من رأس المال (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲۳، ص ۲۹۶، ۲۹۷، مادة ”زکاة“)

ذهب جمهور العلماء، ومنهم الحنفیة على المفتی به عندهم، إلى أنه لا یجوز تأخیر دفع الزکاة عن وقت استحقاقها وأنها یجب إخراجها على الفور، لقوله تعالیٰ: (وآتوا حقه یوم حصاده) وهذا فی زکاة الزروع ویلحق بها غیرها.

والذی علیه عامة مشایخ الحنفیة، وصححه الباقلانی والجصاص: أنها تجب على التراخی، ففی أى وقت أدى یكون مؤدیا للواجب، وإذا لم یؤد إلى آخر عمره یتضیق علیه الوجوب، حتی لو لم یؤد إلى أن مات یأثم.

وقد ذهب جمهور العلماء إلى أنه إن أخر الزکاة بعد الحول مع التمكن من الإخراج فتلّف بعض المال أو کله فإنه ضامن لها، ولا تسقط عنه.

وعند المالکیة إذا أخرها یوماً أو یومین فلا ضمان علیه، إلا أن یقصر فی حفظها.

وذهب الحنفیة إلى سقوط الزکاة بهلاک المال بعد الحول، سواء تمكن من الأداء أم لم

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک کئی سالوں کی پیشگی زکاة دینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ شخص نصاب کا مالک ہو، جیسا کہ سال گزرنے کے بیان میں گزرا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یتمکن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۰، ص ۹، مادة ”تأخير“)

ولو مات من عليه الزكاة قبل الأداء فلا يخلو إما إن أوصى بالأداء أو لم يوص فإن لم يوص فإنه تسقط عنه الزكاة ولا يؤمر الوصي والوارث بالأداء من ماله عندنا وقال الشافعي تؤخذ من تركته (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۱۱، کتاب الزکاة، باب من یوضع فیہ الصدقة) ۱ اور شافعیہ کے نزدیک صرف ایک سال کی پیشگی زکاة دینا جائز ہے، اس سے زیادہ مدت کی پیشگی زکاة دینا جائز نہیں، اور مالکیہ کے نزدیک سال پورا ہونے سے ایک مہینہ پیشتر زکاة دینا تو جائز ہے، اس سے زیادہ پہلے دینا جائز نہیں، جس کی تفصیل سال گزرنے کے بیان میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ذهب جمهور الفقهاء: إلى جواز تعجيل إخراج الزكاة قبل الحول في الجملة، وذلك لأن العباس رضي الله عنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك، ولأنه حق مالي جعل له أجل للرفق، فجاز تعجيله قبل أجله، كالدين ولأنه - كما قال الشافعية - وجب بسببين، وهما: النصاب، والحول: فجاز تقديمه على أحدهما، كتقديم كفارة اليمين على الحنث.

ومنه ابن المنذر، وابن خزيمة من الشافعية، وأشهب من المالكية، وقال: لا تجزئ قبل محله كالصلاة، ورواه عن مالك، ورواه كذلك ابن وهب. قال ابن يونس: وهو الأقرب، وغيره استحسان.

ونص الحنفية والمالكية والحنابلة: على أن تركه أفضل، خروجاً من الخلاف. واختلف الفقهاء في المدة التي يجوز تعجيل الزكاة فيها:

فذهب الحنفية: إلى جواز تعجيل الزكاة لسنتين، لوجود سبب الوجوب، وهو: ملك النصاب التام. وقيدته الحنابلة بحولين فقط، اقتصاراً على ما ورد. فقد روى على رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم تعجل من العباس رضي الله عنه صدقة سنتين لقوله صلى الله عليه وسلم: أما العباس فهي علي ومثلها معها ولما روى أبو داود من أن النبي صلى الله عليه وسلم تسلف من العباس صدقة عامين وهو وجه عند الشافعية، صححه الإسناد وغيره، وعزوه للنص.

وذهب الشافعية: إلى عدم جواز تعجيل الزكاة لأكثر من عام، وذلك: لأن زكاة غير العام الأول لم ينعقد حولها، والتعجيل قبل انعقاد الحول لا يجوز، كالتعجيل قبل كمال النصاب في الزكاة العينية. أما المالكية: فلم يجيزوا تعجيل الزكاة لأكثر من شهر قبل الحول على المعتمد، وتركه عندهم

بشهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۲۶، مادة ”تعجيل“)

ذهب جمهور الفقهاء ومنهم الحنفية والشافعية والحنابلة وأبو عبيد وإسحاق، إلى أنه يجوز للمزكي تعجيل إخراج زكاة ماله قبل ميعاد وجوبها، لما ورد أن العباس سأل رسول الله صلى الله

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی زکاة کا سال پورا ہونے سے پہلے، اسی سال کے دوران تھوڑی تھوڑی کر کے وقتاً فوقتاً زکاة ادا کرتا رہے، اور سال پورا ہونے پر سارے مال کا حساب کر لے، یعنی پیشگی زکاة ادا کرتا رہے، اور اس کا حساب (دریکارڈ) محفوظ رکھے، پھر سال پورا ہونے کے وقت مال کی مقدار کا حساب کر لے، اور اگر مزید ادائیگی باقی ہو، تو اس کو اب ادا کر دے تو بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی زکاة پیشگی ادا کرنے کی ایک صورت ہے۔

مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی نے ایک یا زیادہ سالوں کی زکاة ادا نہیں کی، تب بھی اس پر ان سب سالوں کی زکاة کا ادا کرنا لازم رہتا ہے، اور وقت گزرنے سے زکاة معاف نہیں ہوتی۔ البتہ گزشتہ کئی سالوں کی زکاة ادا کرنے کے طریقہ کار میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك. وقال النبي صلى الله عليه وسلم لعمر: إنا قد أخذنا زكاة العباس عام الأول للعام. إلا أن الشافعية قالوا: يجوز التعجيل للعام واحد ولا يجوز لعامين في الأصح لأن زكاة العام الثاني لم ينعقد حولها. واشتراطوا لجواز ذلك أن يكون النصاب موجودا، فلا يجوز تعجيل الزكاة قبل وجود النصاب، بغير خلاف، وذلك لأن النصاب سبب وجوب الزكاة، والحوال شرطها ولا يقدم الواجب قبل سببه، ويجوز تقديمه قبل شرطه، كإخراج كفارة اليمين بعد الحلف وقبل الحنث، وكفارة القتل بعد الجرح وقبل الزهوق. وتوسع الحنفية فقالوا: إن كان مالكا لنصاب واحد جاز أن يعجل زكاة نصب كثيرة لأن اللاحق تابع للخاص.

والشافعية أجازوا ذلك في مال التجارة لأن النصاب فيها عندهم مشروط في آخر الحول فقط لا في أوله ولا في أثنائه.

وقال الحنابلة: إن ملك نصابا فقدم زكاته وزكاة ما قد يستفيده بعد ذلك فلا يجوز له عندهم. وقال الحنفية، وهو المعتمد عند الشافعية: إن قدم زكاته وزكاة ما قد ينتج منه، أو يربحه منه، أجزأه لأنه تابع لما هو مالكة الآن.

وذهب المالكية إلى أنه إن أخرج زكاة الثمار أو الزروع قبل الوجوب، بأن دفع الزكاة من غير مال يصح ولم تجزئه عنه. وكذا لا تجزئ زكاة الماشية إن قدمها وكان هناك ساع يأتي لقبضها فأخرجها قبل قدومه. أما زكاة العين والماشية التي ليس لها ساع فيجوز تقديمها في حدود شهر واحد لا أكثر، وهذا على سبيل الرخصة، وهو مع ذلك مكروه والأصل عدم الإجزاء لأنها عبادة موقوتة بالحوال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۵، ۲۹۶، مادة "زكاة")

حنفیہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال کی زکاة ادا کرنے کے بعد جو زکاة کا مال باقی بچے، دوسرے سال صرف اس مال کی زکاة ادا کرے، پھر اس کے بعد جو مال باقی بچے، تیسرے سال اس کی زکاة ادا کرے، اسی طرح گزشتہ تمام سالوں کا حساب کرتا رہے، یعنی حنفیہ کے نزدیک اگلے سال کی زکاة میں گزشتہ سال کے پورے مال کی زکاة واجب نہیں ہوا کرتی، بلکہ گزشتہ سال کی زکاة کی مقدار کو نکالنے کے بعد، جو مال بچے، صرف اُس کی زکاة واجب ہوا کرتی ہے، کیونکہ جو زکاة ذمہ میں باقی ہے، وہ قرض و دین میں شامل ہو کر مستثنیٰ ہوا کرتی ہے۔ ۱

۱۔ مندرجہ بالا حکم طرفین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد) کے نزدیک ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک گزشتہ دین زکاة موجودہ وجوب زکاة کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ دین و قرض کے بیان میں گزرا۔

والرابع: تحقق ما جعله الشارع من اطلاق لثبوت حق مالي: كحولان الحول على النصاب في الزكاة، واحتباس المرأة في نفقة الزوجية، وحاجة القريب في نفقة الأقارب، ونحو ذلك. فإذا وجد سبب من ذلك وجب الدين في ذمة من قضى الشارع بإلزامه به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۱۱۱، مادة "دين")

أما من كان في ذمته زكاة سنوات مضت فإن الحكم يختلف بالنسبة للزكاة الحاضرة. فعند المالكية وأبي حنيفة ومحمد دين الزكاة يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الظاهرة.

وقال أبو يوسف: دين الزكاة لا يمنع وجوب الزكاة الحاضرة، وهو قول زفر في الأموال الباطنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۸، مادة "دين")

فأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أتلف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة عندهما.

وقال زفر لا يمنع كلاهما وقال أبو يوسف وجوب الزكاة في النصاب يمنع ودين الزكاة لا يمنع (تحفة الفقهاء، للسمرقندي، ج ۱، ص ۲۷۵، كتاب الزكاة، باب زكاة أموال التجارة)

واختلفوا في دين الزكاة. قال زفر: لا يمنع في الأموال الباطنة؛ لأنه لا مطالب له من جهة العباد لأن الأداء للمالك. وقال أبو يوسف: إن كان الدين في الذمة بأن استهلك مال الزكاة بعد الحول، وبقي في ذمته، وملك ما لا آخر، فإنه تجب عليه الزكاة، ولا يمنع ما في ذمته من الوجوب، ولو كان الدين في العين كمن له نصاب فمضى عليه سنون، فإنه لا تجب عليه الزكاة لجميع ما مضى من السنين خلافاً لزفر؛ وعندهما لا تجب الزكاة في الفصيلين (الاختيار لتعلييل المختار، ج ۱، ص ۱۰۰، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶..... اگر زکاۃ واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں اور سال گزرنے کے بعد وہ مال اپنے اختیار کے بغیر ضائع و ہلاک ہو جائے، جس پر کہ زکاۃ واجب تھی، مثلاً وہ مال چوری ہو جائے، یا آگ میں جل کر راکھ ہو جائے، یا سیلاب وغیرہ کی نذر ہو جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس مال کی زکاۃ ساقط ہو جاتی ہے، یعنی اس کی زکاۃ واجب نہیں رہتی، کیونکہ جس مال میں زکاۃ واجب تھی، اس کی ذات ہی باقی نہیں رہی۔

اور اگر سارا مال تو ہلاک نہ ہو، بلکہ کچھ مال ہلاک ہو جائے، تو جتنا مال ہلاک ہو، تو صرف اتنے حصہ کی ڈھائی فیصد زکاۃ ساقط ہو جاتی ہے۔

البتہ اگر کوئی جان بوجھ کر اپنے اختیار سے اس مال کو ضائع و ہلاک کر دے، مثلاً اسے کسی جگہ خرچ کر دے، تو پھر اس کی زکاۃ ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اپنی کوتاہی و غفلت کا دخل پایا جاتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الزكاة الواجبة في النصاب أو دين الزكاة بأن أُلِف مال الزكاة حتى انتقل من العين إلى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكاة في قول أبي حنيفة ومحمد سواء كان في الأموال الظاهرة أو الباطنة. وقال زفر: "لا يمنع كلاهما"، وقال أبو يوسف: "وجوب الزكاة في النصاب يمنع فأما دين الزكاة فلا يمنع" (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۷، كتاب الزكاة، فصل سبب فرضية الزكاة) ۱۔ من وجبت عليه الزكاة فلم يخرجهما ثم ضاع المال كله أو بعضه، أو تلف بغير فعل المزمي فقد اختلف الفقهاء في ذلك:

فقال الحنفية: إن تلف المال سقطت الزكاة؛ لأن الواجب جزء من النصاب فيسقط بهلاك محله، لكن إن كان هلاكه بعد طلب الساعي فقييل: يضمن، وقيل: لا يضمن.

قالوا: وإذا هلك بعض المال يسقط من الزكاة بقدره أي بنسبة ما هلك.

وقالوا: إن تلف من مال الزكاة بعد الحول ما كان به الباقي أقل من نصاب قبل إمكان الأداء بلا تفریط سقطت الزكاة، فإن أمكن الأداء وفرط ضمن.

وقال المالكية والشافعية: إن كان ضياعه بتفريطه في حفظه وجبت عليه زكاة كل المال، وكذا إن فرط في الإخراج بعد التمكن، بأن وجد المستحق، سواء طلب الزكاة أم لم يطلبها، لتقصيره بحبس الحق عن مستحقه. ثم قال الشافعية: إن لم يكن فرط زكى الباقي فقط

بقسطه، ولو كان أقل من نصاب، على الأظهر عندهم، فلو ملك خمسا من الإبل فتلفت واحدة منه قبل التمكن ففي الباقي شاة على الأظهر، ولا شيء على الثاني.

﴿بقية حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جب کسی مال پر زکاة واجب ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں، اور سال گزرنے کے بعد زکاة ادا کرنے پر قدرت ہونے کے باوجود زکاة کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، اور پھر وہ مال ہلاک ہو جائے، تو اس کی زکاة معاف نہیں ہوتی، کیونکہ وقت پر زکاة ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ کوتاہی کا مرتکب شمار ہوتا ہے، اور جب کوئی چیز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المالکۃ - وهو قول آخر للشافعية: إن كان الباقي أقل من نصاب سقطت الزکاة. وقال الحنابلة: يجب عليه زکاة کل المال، حتى لو ضاع كله بعد الحول فالزکاة فی ذمته لا تسقط إلا بالأداء، لأنها حق للفقراء ومن معهم لم يصل إليهم، كدين الآدمي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۳، مادة "زکاة")

للفقهاء رأیان فی سقوط الزکاة بعد وجوبها و هلاک المال:

فقال الحنفية: إن هلك المال بعد وجوب الزکاة، سقطت الزکاة، كما أنه يسقط العشر وخراج المقاسمة، لأن الواجب جزء من النصاب، وتحقيقاً للتيسير، فإن الزکاة وجبت بقدره مُيسرة أى بقاء اليسر إلى وقت أداء الزکاة، فيسقط الواجب بهلاك محله، سواء تمكن من الأداء أم لا، لأن الشرع علق الوجوب بقدره ميسرة، والمعلق بقدره ميسرة لا يبقى بدونها، والقدرة الميسرة هنا هي وصف النماء، لا النصاب.

ولا تسقط الزکاة بالاستهلاك، وإن انتفت القدرة الميسرة، لوجود التعدي.

وإن هلك البعض يسقط بقدر الهالك اعتباراً للبعض بالكل.

أما زکاة الفطر ومثلها مال الحج: فلا تسقط بهلاك المال بعد الوجوب، كما لا يبطل الزواج بموت الشهود. وسبب التفرقة أن الزکاة تتعلق بالنماء، فشرطت له القدرة الميسرة (وهي ما يوجب يسر الأداء على العبد) تيسيراً على الناس إذ الإنسان إنما يخاطب بأداء ما يقدر عليه، ويجوز ألا يكون له مال سواه، أما الفطرة ومثلها مال الحج فلم تتعلق بالنماء وإنما تجب في الذمة فشرطت له القدرة الممكنة (وهي ما يشترط للممكن من الفعل وإحداثه)

ويلاحظ أن هلاك المال بعد الإقراض والإعارة واستبدال مال التجارة بمال التجارة: هلاك، فلا يضمن الزکاة، وأما استبدال مال التجارة بغير مال التجارة واستبدال الماشية السائمة بالسائمة فهو استهلاك، فيضمن زکاته (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الرابع)

(قوله: ولا في هالك إلخ) أى لا تجب الزکاة في نصاب هالك بعد الوجوب: أى بعد مضى الحول بل تسقط..... (قوله: لتعلقها بالعين) ؛ لأن الواجب جزء من النصاب فيسقط بهلاك محله كدفع العبد بالجناية يسقط بهلاكه هداية (قوله: وإن هلك بعضه) أى بعض النصاب سقط حظه: أى حظ الهالك: أى سقط من الواجب فيه بقدر ما هلك منه (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۸۳، كتاب الزکاة، باب زکاة الغنم)

ذمہ میں واجب ہو جائے، تو وہ ساقط نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ سال گزرنے کے بیان میں گزرا۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۷..... اگر کسی نے زکاة کا مال نکال کر الگ کر لیا، مگر ابھی تک اس کو ادا نہیں کیا،
اور اسی درمیان وہ مال ہلاک ہو گیا، تب بھی اس کی زکاة کا حکم گزشتہ مسئلہ کی طرح ہوگا، کیونکہ
مال کو صرف الگ کر کے رکھ دینے سے نہ تو زکاة ادا ہوتی اور نہ ہی وہ مال ملکیت سے نکلتا۔ ۲۔
مسئلہ نمبر ۸..... اگر کسی مال کی زکاة فرض ہوگئی، اور اس نے اس مال کی زکاة نہیں دی، بلکہ
اس نے وہ سارا مال زکاة کے مستحق کو ایک عام نفلی صدقہ کے طور پر دے دیا، تو دیگر فقہائے
کرام کے نزدیک اس کی زکاة ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکاة ادا ہونے کی نیت نہیں پائی گئی۔
جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں اس کے ذمہ زکاة فرض نہیں رہے گی، اور صدقہ کے
ضمن میں زکاة کا فریضہ بھی ساتھ ساتھ ادا ہو جائے گا۔ ۳۔

۱۔ قال الجمهور: إن هلك المال بعد وجوب الزكاة لم تسقط الزكاة، وإنما يضمنها، فيكون
إمكان الأداء شرطاً في الضمان لا في الوجوب، لأن من تقرر عليه الواجب لا يبرأ عنه بالعجز عن
الأداء كما في صدقة الفطر والحج وديون الناس، والزكاة حق متعين على رب المال، فإن تلف قبل
وصوله إلى مستحقه لم يبرأ منه بذلك، كدين الأدمى. ولو عزل قدر الزكاة، فنوى أنه زكاة فتلف،
فهو في ضمان رب المال، ولا تسقط الزكاة عنه بذلك، سواء قدر على أن يدفعها إليه أو لم يقدر.
واستثنى المالكية زكاة الماشية، لأن وجوبها عندهم إنما يتم بشرط خروج الساعي، مع الحول،
فإن تلفت فلا تضمن زكاتها.

هذا وقد ذكر ابن رشد خمسة أقوال فيما إذا أخرج الزكاة فضاعت كأن تسرق أو تحترق: وهي
قول: إنه لا يضمن بإطلاق، وقول: إنه يضمن بإطلاق، وقول: وما بعدها. إن فرط ضمن وإن لم يفرط
لم يضمن، وهو مشهور مذهب مالك، وقول: إن فرط ضمن، وإن لم يفرط زكى ما بقى، وبه قال
أبو ثور والشافعي.

والقول الخامس: بعد الذاهب من الجميع ويكون المساكين ورب المال شريكين في الباقي بقدر
حظهما من حظ رب المال (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل
الاول، المبحث الرابع)

۲۔ لو عزل الزكاة ونوى أنها زكاة ماله فتلفت فالحكم كذلك عند كل من المالكية والحنابلة.
وذكر المالكية صورة ما لو عزل الزكاة فتلف المال وبقيت الزكاة، فإنه يجب عليه إخراجها ولا
تسقط بتلف المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۳، مادة "زكاة")

۳۔ البتہ اگر اس نے وہ پورا مال صدقہ نہیں کیا، بلکہ اس میں سے کچھ حصہ صدقہ کیا، اور اس صدقہ سے نفلی صدقہ کی نیت
کی، تو پھر اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صدقہ کے ہوئے مال کی زکاة ادا نہیں ہوگی، اور امام محمد
ؒ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴿

جس کی تفصیل زکاة کی نیت کے بیان میں گزر چکی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ کئے ہوئے مال کی زکاة تو ساقط ہو جائے گی، اور باقی کی زکاة ذمہ میں موجود رہے گی۔ پھر مندرجہ بالا حکم حنفیہ کے نزدیک اس وقت ہے، جبکہ اس نے یہ مال صدقہ کرتے وقت، کسی اور واجب صدقہ کی نیت نہ کی ہو، اور اگر کسی اور واجب صدقہ کی نیت کی، مثلاً اس نے کوئی نذر و منت مانی ہوئی تھی، یا اس پر کوئی کفارہ غیرہ لازم تھا، اور اس نذریہ کفارہ کی نیت سے اس نے یہ مال صدقہ کیا، تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کی زکاة ساقط نہیں ہوگی۔

ولو دفع الإنسان كل ماله إلى الفقراء تطوعاً بعد ما وجبت فيه الزكاة، لم تسقط عنه الزكاة، بل تبقى في ذمته، وبهذا قال الشافعية والحنابلة لأنه لم ينو الفرض.

وقال الحنفية: تسقط عنه الزكاة في هذه الحال استحساناً لأنه لما أدى الكل زالت المزامحة بين الجزء المؤدى وسائر الأجزاء، وبأداء الكل لله تعالى تحقق أداء الجزء الواجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، مادة ”زكاة“)

وفي البدائع: لو تصدق بجميع ماله على فقير، ولم ينو الزكاة أجزأه عن الزكاة استحساناً. والقياس: أن لا يجوز؛ لأن الزكاة عبادة مقصودة، فلا بد لها من النية. ووجه الاستحسان أن النية وجدت دلالة، وعلى هذا إذا وهب جميع النصاب من الفقير، أو نوى تطوعاً، ولو أدى مائة لا ينوى الزكاة، ونوى تطوعاً، لا تسقط زكاة المائة وعليه أن يزكي الكل عند أبي يوسف. وعند محمد يسقط عنه زكاة ما تصدق، ولا يسقط عنه زكاة الباقي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۱۶۶، ۱۶۷، مادة ”تطوع“)

ولو تصدق الإنسان بجميع ماله تطوعاً، ولم ينو به الزكاة، لم يجزئه عند الجمهور غير الحنفية، لأنه لم ينو به الفرض، كما لو تصدق ببعضه، وكما لو صلى مئة ركعة، ولم ينو الفرض بها. وقال الحنفية: تسقط عنه الزكاة استحساناً خلافاً للقياس (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳ ص ۱۸۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثاني)

ومن تصدق بجميع نصابه ولا ينوى الزكاة سقط فرضها وهذا استحسان كذا في الزاھدی، ولا فرق بين أن ينوى النفل أو لم تحضره النية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول) وإنما سقطت عنه بلا نية فيما إذا تصدق بجميع النصاب؛ لأن الواجب جزء منه، وقد وصل إلى مستحقه، وإنما تشترط النية لدفع المزامح فلما أدى الكل زالت المزامحة (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۲۶، كتاب الزكاة، شروط أداء الزكاة)

ولو دفع جميع النصاب إلى الفقير ينوى به عن النذر أو واجب آخر يقع عما نوى ويضمن قدر الواجب (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)

(فصل نمبر ۹)

زکاة کی مقدار کے احکام

زکاة کی مقدار سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ شریعت کی طرف سے زکاة کی جو مقدار مستحقین کے لئے مقرر کی گئی ہے، وہ اڑھائی فیصد (یعنی مال کا چالیسواں حصہ) ہے۔

چنانچہ چالیس روپے میں سے ایک روپیہ، اور سو روپے میں سے ڈھائی روپے، اور ہزار روپیہ میں سے پچیس روپے، اور چالیس ہزار میں سے ایک ہزار روپے، اور ایک لاکھ روپے میں سے ڈھائی ہزار روپے، اور چالیس لاکھ میں سے ایک لاکھ روپے، اور ایک کروڑ روپے میں سے ڈھائی لاکھ روپے، اور اسی طرح جتنا بھی مال ہو، اس کا ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاة میں واجب ہوا کرتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... جس مال کی زکاة واجب ہو، حنفیہ کے نزدیک اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) نکال کر مستحقین کو زکاة میں دیا جائے، جیسے تجارتی کپڑا، برتن وغیرہ۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی دوسری کارآمد چیز اتنی ہی مالیت کی زکاة کے طور پر دے دی جائے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ اتنی مالیت کی نقد قیمت زکاة کے طور پر دے دی جائے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک نقد قیمت دینا اس لئے زیادہ بہتر ہے کہ ضرورت مندوں کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں، اور نقدی کے ذریعہ سے ضرورت مند اور غریب لوگ اپنی مختلف قسم کی ضروریات پوری

۱۔ مقدار الزکاة: المقدار الواجب فی النقدين (الذهب والفضة) ربع العشر (الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي، ج ۳ ص ۸۲۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الاول)

کر سکتے ہیں (معارف القرآن ج ۳ ص ۴۱۲ بتصریح)

اور حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل اور اختلاف ہے۔ اے

اے ذہب الحنفیہ إلى جواز التحول عن الواجب إلى البدل في الزكاة، وإليه ذهب الأوزاعي والثوري، وروى ذلك عن عمر بن عبد العزيز والحسن البصري. فيجوز للمالك أن يدفع العين أو القيمة من النقدين والعروض وغير ذلك، ولو مع وجود المنصوص عليه، لقوله تعالى: (خذ من أموالهم صدقة) نص على أن المراد بالمأخوذ (صدقة) وكل جنس يأخذه فهو صدقة. ولقول معاذ لأهل اليمن حين بعثه النبي صلى الله عليه وسلم إليهم: اتوني بعرض ثياب خميص أو لبيس في الصدقة مكان الشعير والذرة، أهون عليكم وخير لأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة، وكان يأتي به رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ينكر عليه. والفقه فيه: أن المقصود إيصال الرزق الموعود إلى الفقير، ودفع حاجة المسكين، وهو يحصل بالقيمة أيضا. قال عليه الصلاة والسلام: إن الله تعالى فرض على الأغنياء قوت الفقراء، وسماه زكاة.

وفى اعتبار القيمة هل تدفع القيمة يوم الأداء أم يوم الوجوب؟ خلاف يرجع فيه إلى موطنه. وأما عند المالكية والحنابلة: فيجوز التحول عن الواجب إلى البدل في الدنانير والدراهم فقط، فيجوز للمزكي أن يخرج في زكاة الدنانير دراهم بقيمتها، ويخرج عن الفضة ذها بقيمته، قلت القيمة أو كثرت، لأن ذلك معاوضة في حقه، فكانت بالقيمة كسائر المعاوضات، وهما كجنس واحد.

ولم يجز ذلك الشافعية.

وأما في المواشي: فعند الحنفية جائز، بناء على قاعدتهم بجواز القيمة في كل شيء. وهو الصحيح عند الشافعية. ويكره عند المالكية التحول عن الواجب إلى البدل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۰ ص ۲۸۳، ۲۸۴ مادة "تحول")

الأصل في زكاة التجارة أن يخرجها نقدا بنسبة ربع العشر من قيمتها، كما تقدم، لقول عمر رضی اللہ عنہ لحماس: قومها ثم أد زكاتها.

فإن أخرج زكاة القيمة من أحد النقدين أجزأ اتفاقا.

وإن أخرج عروضاً عن العروض فقد اختلف الفقهاء في جواز ذلك.

فقال الحنابلة وهو ظاهر كلام المالكية وقول الشافعي في الجديد وعليه الفتوى: لا يجوز ذلك، واستدلوا بأن النصاب معتبر بالقيمة، فكانت الزكاة من القيمة، كما إن البقر لما كان نصابها معتبرا بأعيانها، وجبت الزكاة من أعيانها، وكذا سائر الأموال غير التجارة.

وأما عند الحنفية وهو قول ثان للشافعية قديم: يتخير المالك بين الإخراج من العرض أو من القيمة فيجزئ إخراج عرض بقيمة ما وجب عليه من زكاة العروض، قال الحنفية:

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... جو چیز زکاة میں دی جائے، اس میں یہ بات ضروری ہے کہ وہ مالی مقبوم یعنی کارآمد چیز ہو، اور اگر کوئی بالکل فضول اور بے کار چیز زکاة میں دے، جو غریب اور ضرورت مند کے کسی کام کی نہیں ہے، اور نہ تو وہ اس کو بعینہ اپنے کام میں لاسکتا ہے، اور نہ اس کے لئے اس کو بیچنا ممکن ہے، اور اگر بیچا بھی جائے، تو اس کی کوئی قیمت نہیں ملتی، تو ایسی صورت میں زکاة ادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی مالی تجارت کی زکاة اس مال کی جنس سے ادا کرے، مثلاً کپڑے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وكذلك زكاة غيرها من الأموال حتى النقدين والمأشية ولو كانت للسوم لا للتجارة، وبأى تفصيل ذلك إن شاء الله. وفي قول ثالث للشافعية قديم: أن زكاة العروض تخرج منها لا من ثمنها، فلو أخرج من الثمن لم يجزء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۷۷، ۲۷۸، مادة "زكاة") الزكاة إما أن تخرج من أعيان المال وهو الأصل في غير زكاة العروض التجارية وقد تقدم. وإما أن تخرج القيمة. ذهب الجمهور إلى أن الواجب في زكاة عروض التجارة إخراج القيمة، ولا يجزء إخراج شيء من أعيان العروض عندهم، خلافاً للحنفية القائلين بالجواز. ويجزء إخراج الذهب عن الفضة بالقيمة وعكسه، وهو مذهب الحنفية والمالكية، ورواية عند الحنابلة رجحها ابن قدامة.

وذلك لأن المقصود من هذين الجنسين الثمنية، والتوصل بها إلى المقاصد، وذلك موجود في الجنسين جميعاً، ومن هنا فرق من فرق بينهما وبين سائر الأجناس، فإن لكل جنس مقصوداً مختصاً به لا يحصل بالجنس الآخر. ولأن إخراج القيمة هنا قد يكون أرفق بالأخذ والمعطى. وقد يندرج به الضرر عنهما، فإنه لو تعين إخراج زكاة الدنانير منها شق على من يملك أقل من أربعين ديناراً ذهباً إخراج جزء من دينار، لأنه يحتاج إلى قطعه أو بيعه أو مشاركة الفقير له فيه، وفي كل ذلك ضرر، قال ابن قدامة: وعلى هذا لا يجوز الإبدال في موضع يلحق فيه الفقير ضرر.

وأضاف المالكية على المشهور عندهم جواز إخراج الفلوس عن كل من الذهب والفضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۸، مادة "زكاة")

۱۔ شرط المال المؤدى: يشترط أن يكون المؤدى مالاً مقبوماً على الإطلاق، سواء أكان عند الحنفية منصوباً عليه أم لا، من جنس المال الذى وجبت فيه الزكاة أم من غير جنسه، والأصل عندهم أو القاعدة: أن كل مال يجوز التصديق به تطوعاً، يجوز أداء الزكاة منه، ومالا فلا. وعليه: لو أعطى الفقير سلعة من السلع كقماش أو خبز أو سكر أو سمن أو حذاء، نأياً الزكاة صح. وعند غير الحنفية: يتعين أداء المنصوص عليه، وقد بحث الموضوع في إخراج القيمة في الزكاة (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

تاہم اپنے کپڑے کے مال تجارت کی زکاة کپڑے سے ہی ادا کرے، تو زکاة میں اعلیٰ درجہ کا مال دینا افضل اور درمیانہ درجہ کا مال دینا جائز ہے، اور ادنیٰ درجہ کا مال دینے سے زکاة ادا ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اس لئے اس طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

تاہم اگر کوئی اس طرح زکاة ادا کر دے، تو فریضہ ذمہ سے اترنے کی گنجائش ہے۔^۱ بعض لوگ زکاة ادا کرتے وقت ایسی کٹی چیز دیتے ہیں، جس سے نہ تو غریب مستحق پوری طرح فائدہ اٹھا پاتا، اور نہ ہی اس کٹی چیز کی مالیت قابلِ زکاة مال کے ڈھائی فیصد کے برابر ہوتی۔ یہ طرزِ عمل درست نہیں، کیونکہ اولاً تو جب تک قابلِ زکاة مال کی، اسی مال سے زکاة دینے کے

۱۔ لا يجوز للمالك أن يخرج الرديء عن الجيد الذي وجبت فيه الزكاة، وكذلك لا يجوز للمتصدق أن يأخذ ذلك .

وذكر الفقهاء ضمن الصفات التي يجب مراعاتها فيما يخرج المزكى ويأخذه الساعي أن يكون وسطاً، فليس للساعي أن يأخذ الجيد ولا الرديء إلا من طريق التقديم برضا صاحب المال . فعن عروة أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلاً على الصدقة وأمره أن يأخذ البكر والشارف وذا العيب وإياك وحزرات أنفسهم .
ورود أنه قال لمعاد بن جبل : إياك وكرائم أموالهم .

وروى أبو داود بإسناده عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال : ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان : من عبد الله وحده وأنه لا إله إلا الله، وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام، ولا يعطى الهرمة ولا الدرنه، ولا المريضة ولا الشرط اللثيمة ، ولكن من وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولم يأمركم بشره .

ولأن مبنى الزكاة على مراعاة الجانبيين وذلك بأخذ الوسط، والوسط هو أن يكون أدون من الأرفع، وأرفع من الأدون (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۲ ص ۱۷۱، ۱۷۲، مادة "زكاة")
(ويأخذ المصدق وسط المال) لقوله عليه الصلاة والسلام : "خذ من حواشي أموالهم أي الوسط، ولأن أخذ الجيد إضرار برب المال، وأخذ الرديء إضرار بالفقراء (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۰۳، كتاب الزكاة)

ذهب الفقهاء إلى أنه ينبغي أن يكون المأخوذ في الزكاة من وسط مال الزكاة، وهذا يقتضى أمرين:

الأول : أن يتجنب الساعي طلب خيار المال، ما لم يخرج المالك طيبة به نفسه.
الأمر الثاني : أن لا يكون المأخوذ من شرار المال ومنه المعيبة والهرمة والمريضة، لكن إن كانت كلها معيبة أو هرمة أو مريضة، فقد ذهب بعض الفقهاء إلى أنه يجوز إخراج الواجب منها، وقيل : يكلف شراء صحيحة، وقيل : يخرج صحيحة مع مراعاة القيمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۷۲، مادة "مرض")

بجائے کسی اور مال یا نقدی سے زکاة دیتے وقت ڈھائی فیصد مالیت کے برابر ادائیگی نہ کی جائے، اس وقت تک پوری زکاة ادا نہیں ہوتی، اور جتنی کمی رہ جائے، اتنی زکاة کا فریضہ ذمہ میں باقی رہ جاتا ہے۔

دوسرے زکاة کا ایک مقصد غریبوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے، اور جس قیمتی چیز سے غریب اپنی ضرورت پوری نہ کر سکے، اس سے زکاة کا یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن معاویہ غازی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطَى الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيضَةَ، وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ، وَلَكِنْ مِنْ وَسْطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ (ابوداؤد) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں ہیں، جو شخص ان کو کرے گا تو وہ ایمان کا مزہ پائے گا، ایک اللہ کی عبادت کرے اور دوسرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کرے، اور تیسرے ہر سال اپنے مال کی زکاة خوشی سے ادا کرے، اور (سائے مخصوص جانوروں کی زکاة میں) بوڑھا خارش، بیمار، اور گھٹیا جانور نہ دے بلکہ درمیانہ درجہ کا دے، کیونکہ اللہ تم سے نہ زیادہ عمدہ مال چاہتا ہے اور نہ ہی گھٹیا مال کا حکم کرتا ہے (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة کو خوش دلی سے ادا کرنا اور گھٹیا مال کے بجائے درمیانہ مال

۱۔ رقم الحديث ۱۵۸۲، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن فيه انقطاع بين يحيى بن جابر وبين جبير بن نفير. وقد جاء موصولاً من طرق عن عبد الله بن سالم - وهو الأشعري -، بذكر عبد الرحمن بن جبير بن نفير، وهو ثقة (حاشية ابی داؤد)

زکاة میں دینا، ایمان کا ذاتی پکھننے کی نعمت و فضیلت کا باعث ہے۔ ۱۔
 مسئلہ نمبر ۵..... مستحب اور افضل یہ ہے کہ زکاة میں عمدہ قسم کا مال دیا جائے، اگرچہ درمیانہ
 درجہ کا مال دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ ۲۔
 مسئلہ نمبر ۶..... اگر کسی نے اپنے ذمہ میں فرض زکاة کی پوری مقدار ادا نہیں کی، تو باقی کا ادا

۱۔ قولہ: "طعم طعم الإيمان" طعم فعل معجمی بکسر العین بمعنی ذاق، ومنه قوله تعالى: (ومن لم يطعمه فإنه مني) والطعم بالفتح ما يؤديه الدوق.
 قولہ "من عبد الله وحده" أى: أولى الخصال الثلاثة: من عبد الله وحده.
 قولہ "وأنه لا إله إلا الله" عطف على قوله "وحده"، فيكون في محل نصب، لأن "وحده" حال بمعنى ينفرد وحده كما قرناه مرة. قوله: "وأعطى زكاة ماله" هي الخصلة الثانية.
 قولہ "طيبة بها نفسه" أى: حال كونه طيبة بالزكاة نفسه، وإنما أتت طيبة لاستنادها إلى النفس، يقال: طابت نفسه بالشيء، إذا سمحت به من غير كراهة ولا غضب.
 قولہ "رافدة عليه" أى: معينة، وأصل الرافدة الإعانة، يقال: رافدته إذا أعنته، وانتصابها على أنها حال من "نفسه"، والضمير الذي في "عليه" يرجع إلى الإعطاء، الذي يدل عليه قوله: "وأعطى"، والمعنى معينة على إعطائها، أى: أداء الزكاة.
 قولہ "ولم يعط الهرمة" هي الخصلة الثالثة، و "الهرمة" الكبيرة في السن.
 قولہ "ولا الدرنة" بفتح الدال المهملة، وكسر الراء، وبعدها نون مفتوحة، وتاء تأنيث: أى: ولا يعطى الدرنة، وهي الجرباء، وأصل الدرنة الوسخ.
 قولہ "ولا الشرط" بفتح الشين المعجمة والراء، وبقاء مهملة. قال الخطابي: الشرط: رذالة المال، قال الشاعر: وفي شرط المعزى لهن مهوور وقال ابن الأثير: وقيل: صغار المال وشراره.

قولہ "الليمة" نصب على أنها صفة للشرط "ومعناها الدنيئة".
 قولہ "من وسط أموالكم" بفتح السين.
 قولہ "لم يسألكم خيره" أى: خير ما لكم، و "لم يأمركم بشره" أى: برذالته.
 والحديث أخرجه أبو داود منقطعاً كما ترى، وأخرجه الطبراني والبخاري وأبو القاسم البغوي في "مسند الصحابة" مسنداً (شرح أبي داود للعيني ۶ ص ۲۷۳، ۲۷۴، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة).

۲۔ يستحب للمزكى إخراج الجيد من ماله، مع العلم بأن الواجب في حقه الوسط، وذلك لقول الله تبارك وتعالى: (يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون) وقوله: (لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۱، مادة "زكاة")

کرنا اس کے ذمہ فرض رہے گا، اور جتنی مقدار ادا کی، اتنی مقدار ادا ہو جائے گی۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۸..... اگر سونے، چاندی سے تیار شدہ زیور وغیرہ کی مالیت اس زیور وغیرہ میں موجود سونے، چاندی کے وزن سے زیادہ ہو، مثلاً اس کی بازاری قیمت اتنی ہو کہ اس قیمت سے کم میں اتنی مقدار کا سونا یا چاندی آجاتا ہو، تو اس کی زکاة اسی زیور سے ادا کرنے اور کسی دوسری چیز مثلاً کرنسی سے ادا کرنے کی صورتوں میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، جس کی تفصیل مال تجارت کی زکاة کے احکام میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کسی کے ذمہ زکاة کی ادائیگی کی مقدار تھوڑی بنتی تھی، اور اس نے غلطی سے زیادہ زکاة دے دی، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ اس زائد مقدار کو آئندہ سال کی زکاة میں شمار کر لے (امداد الاحکام ج ۲ ص ۱، کتاب الزکاة) ۲۔

اور اگر اس زائد مقدار کو نفلی صدقہ تصور کرے، اور آئندہ سال کی زکاة اپنے وقت پر الگ حساب لگا کر ادا کرے، تو بھی حرج نہیں، بلکہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

مسئلہ نمبر ۹..... ایک وقت میں کسی غریب کو کتنی مقدار زکاة دی جائے؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

۱۔ المقدار الواجب فی التقیین (الذهب والفضة) ربع العشر (الفقه الإسلامی وأدلته للزحیلی، ج ۳ ص ۱۸۲، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الخامس، المطلب الاول)
۲۔ ولو كان عند رجل أربع مائة درهم، فظن أن عنده خمسمائة درهم فأدى زكاة خمسمائة درهم ثم ظهر أن عنده أربع مائة، فله أن يحتسب الزيادة للسنة الثانية، لأنه أمكن أن يجعل الزيادة تعجلاً (المحيط البرهانی، ج ۲ ص ۲۹۳، کتاب الزکاة، الفصل التاسع فی المسائل المتعلقة بمعطى الزکاة)

رجل له أربع مائة درهم فظن أن عنده خمسمائة فأدى زكاة خمسمائة ثم علم فله أن يحسب الزيادة للسنة الثانية كذا في محيط السرخسی (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۷۶، کتاب الزکاة، الباب الثاني، الفصل الاول)

رجل عنده أربع مائة درهم فظن أن عنده خمسمائة درهم فأدى زكاة خمسمائة فله أن يحتسب الزيادة للسنة الثانية؛ لأنه أمكن أن تجعل الزيادة تعجلاً (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۳۲، کتاب الزکاة، باب زکاة المال)

حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک غریب کو زکاة کی اتنی مقدار دینا جائز ہے کہ جس سے اس غریب کی حاجت و ضرورت پوری ہو جائے، خواہ وہ ضرورت کھانے پینے سے متعلق ہو، یا تجارت سے متعلق ہو، اور خواہ اس ضرورت میں تھوڑا مال خرچ ہوتا ہو، یا زیادہ مال خرچ ہوتا ہو۔ ۱

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ غریب کو زکاة اتنی مقدار میں دینی چاہئے کہ جس سے اس غریب اور اس کے اہل و عیال کی زیادہ سے زیادہ ایک سال کی ضرورت پوری ہو سکے۔ ۲

۱۔ خامساً۔ مقدار ما يعطى لمستحقى الزكاة: اختلف الفقهاء فى مقدار ما يعطى للفقير والمسكين .

فقال الشافعية والحنابلة: يجوز أن يدفع إلى كل منهما ما تزول به حاجته أو كفايته من أداة يعمل بها إن كان فيه قوة، أو بضاعة يتجر فيها، حتى ولو احتاج إلى مال كثير للبضاعة التي تصلح له، ويحسن التجارة فيها، لأن الله أثبت الصدقات لهؤلاء الأصناف دفعاً لحاجتهم وتحصيلاً لمصلحتهم، فالمقصود من الزكاة سد الخلة ودفع الحاجة، فيعطى الفقير والمسكين ما يحقق حاجته وهو كفاية سنة. وقال صلى الله عليه وسلم فى حديث قبيصة عند مسلم: فحلت له المسألة حتى يصيب قواماً من عيش، أو سداداً من عيش والسداد: الكفاية (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۲۔ ذهب المالكية والحنابلة فى المذهب وهو قول عند الشافعية إلى أن الفقير يعطى من الزكاة الكفاية له ولمن يعوله عاما كاملاً.

وذهب الشافعية فى الأصح المنصوص والحنابلة فى رواية إلى أن الفقير يعطى ما تحصل به الكفاية على الدوام.

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصاباً زكواً يدفع إليه أقل من مائتى درهم أو تمامها، ويكره إعطاؤه أكثر من ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲ ص ۲۰۱، مادة ”فقير“)

ذهب الجمهور (المالكية) وهو قول عند الشافعية وهو المذهب عند الحنابلة) إلى أن الواحد من أهل الحاجة المستحق للزكاة بالفقر أو المسكنة يعطى من الزكاة الكفاية أو تمامها له ولمن يعوله عاما كاملاً. ولا يزداد عليه، إنما حدود العام لأن الزكاة تتكرر كل عام غالباً، ولأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادخر لأهله قوت سنة. وسواء كان ما يكفيه يساوى نصاباً أو نصباً. وإن كان يملك أو يحصل له بعض الكفاية أعطى تمام الكفاية لعام.

وذهب الشافعية فى قول منصوص والحنابلة فى رواية إلى أن الفقير والمسكين يعطيان ما يخرجهما من الفاقة إلى الغنى وهو ما تحصل به الكفاية على الدوام، لحديث قبيصة مرفوعاً إن المسألة لا تحل إلا لثلاثة: رجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواماً من عيش، أو قال: سداداً من عيش. . الحديث. ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ایک مستحق کو زکاة اس کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اتنی مقدار میں دی جائے، جس سے اس دن اسے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔

اور بلا سخت ضرورت کے کسی کو یکمشت زکاة کا اتنا مال دے دینا مکروہ ہے، کہ وہ خود زکاة کے نصاب کا مالک بن جائے، البتہ اگر وہ اتنے مال کا مقروض ہے، تو حرج نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے اہل و عیال زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ مال کا ضرورت مند ہے، اور وہ رقم اس کے اہل و عیال پر تقسیم کی جائے، تو ان میں سے کوئی صاحبِ نصاب نہ بن سکے، تو بھی حرج نہیں۔ ۱

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قالوا: فإن كان من عادته الاحتراف أعطى ما يشتري به أدوات حرفته قلت قيمتها أو كثرت بحيث يحصل له من ربحه ما يفي بكفايته غالباً تقريباً، وإن كان تاجراً أعطى بنسبة ذلك، وإن كان من أهل الضياع يشتري له ضيعة تكفيه غلتها على الدوام. قال بعضهم: يشتريها له الإمام ويلزمه بعدم إخراجها عن ملكه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۶، ۳۱۷، مادة "زكاة")
۱۔ اور مالکیہ کے نزدیک کسی کو اس کے ایک سال کی ضرورت سے زیادہ مقدار میں زکاة دینا، منع ہے، اور اس سے کم مقدار دینے میں ممانعت نہیں۔

وذهب الحنفية إلى أن من لا يملك نصاباً زكواً كاملاً يجوز أن يدفع إليه أقل من مائتي درهم أو تمامها. ويكره أكثر من ذلك، وقال زفر لا يجوز تمام المائتين أو أكثر. وهذا عند الحنفية لمن لم يكن له عيال ولا دين عليه، فإن كان له عيال فلكل منهم مائتا درهم، والمدین يعطى لدينه ولو فوق المائتين كما يأتى فى الفارمین (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۱۷، مادة "زكاة")

وكره أبو حنيفة إعطاء إنسان نصاب الزكاة وهو قدر مئتي درهم، ويجزء إعطاء أى قدر. وأجاز مالك إعطاء نصاب، ويرد الأمر إلى الاجتهاد، فإن الغرض إغناء الفقير حتى يصير غنياً. لكن لا يعطى عند المالكية أكثر من كفاية سنة.

ودليل أبى حنيفة ومالك أن الآية ليس فيها تحديد مقدار ما يعطى كل واحد من الأصناف. وأما مقدار ما يعطى للعامل: فاتفق الفقهاء على أنه يدفع إليه الإمام بقدر عمله، أى ما يسعه أو يكفيه وأعوانه بالوسط، مدة ذهابهم وإيابهم، لكن قيد الحنفية ذلك بالألا يزداد على نصف ما يقبضه. وأما ما يعطى للغارم: فبقدر ما عليه من الدين إذا كان فى طاعة وفى غير سرف، بل فى أمر ضرورى. وكذلك ابن السبيل: يعطى ما يوصله إلى بلده (الفقه الإسلامى وادلتة للرحيلى، ج ۳ ص ۱۹۶۰، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

مسئلہ نمبر ۱..... بعض لوگ ویسے ہی تھوڑا بہت مال غریبوں کو دے کر زکاۃ کے فریضے سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جتنی مقدار ان پر زکاۃ فرض ہے، اس کو حساب کر کے ادا نہیں کرتے۔

یہ سراسر غلط طرز عمل ہے، اور اس طرح کرنے سے اپنے آپ کو زکاۃ کے فریضے سے سبکدوش سمجھنا درست نہیں۔

زکاۃ کی مقدار شریعت کی طرف سے ڈھائی فیصد مقرر ہے، لہذا قابل زکاۃ مالوں کا حساب کر کے ڈھائی فیصد زکاۃ ادا کرنا چاہئے۔

بعض لوگ حساب تو کرتے ہیں، لیکن صحیح صحیح حساب نہیں کرتے، بلکہ اندازہ سے حساب کرتے ہیں۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ اموال کا پورا حساب کر کے زکاۃ ادا کی جائے۔

ہاں اگر حساب پورا پورا نہ ہو سکتا ہو، تو ایسی صورت میں اگر احتیاطی حساب کو ملحوظ رکھ کر زکاۃ ادا کی جائے کہ کسی مال کے حصہ کی زکاۃ باقی رہنے کا شبہ نہ رہے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔

بعض لوگ اموال زکاۃ کی وہ قیمت لگاتے ہیں، جس پر انہوں نے مال خریدا، یا جتنی رقم خرچ کرنے پر وہ مال تیار ہوا، یہ بھی درست نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ زکاۃ کا حساب کرتے ہوئے ان اموال کی موجودہ بازاری قیمت فروخت لگانی چاہیے۔

بعض لوگ تمام اموال کی زکاۃ ادا نہیں کرتے، بلکہ بعض اموال کی زکاۃ ادا کر دیتے ہیں، اور بعض کی نہیں کرتے۔

اس کو تاہی کا بڑا سبب لاعلمی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے کون کون سے اموال پر زکاۃ واجب ہے، اس کم علمی پر مبنی غلط فہمی کو بھی دور کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

(فصل نمبر ۱۰)

زکاة کے مصارف و ادائیگی سے متعلق متفرق مسائل

اب زکاة کے مصارف اور زکاة کی ادائیگی سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... زکاة کو اس کے صحیح شرعی مصرف میں لگانا زکاة ادا کرنے والے فرد کی شرعی ذمہ داری ہے، اگر وہ اس سلسلہ میں غفلت و کوتاہی اختیار کرے گا، اور شرعی ہدایات کو نظر انداز کرے گا، جس کی وجہ سے زکاة کی ادائیگی صحیح طریقہ پر نہ ہو سکے گی، تو اس کا پورا پورا وبال زکاة ذمہ میں فرض ہونے والے کی گردن پر ہوگا۔

اس بارے میں آج کل بہت کوتاہی پائی جا رہی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔
مسئلہ نمبر ۲..... جمہور فقہائے کرام (یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنبلیہ) کے نزدیک زکاة دینے والے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ زکاة کے ان تمام آٹھ مصارف میں زکاة ادا کرے، جن کا ذکر قرآن مجید کی سورہ توبہ میں آیا ہے، اور جن کو ”قرآنی مصارف“ کہا جاتا ہے، بلکہ کسی ایک مصرف یا ایک سے زیادہ مصارف میں بھی زکاة کا ادا کرنا جائز ہے۔ ۱۔

۱۔ ذہب جمہور العلماء (الحنفیة والمالکیة وهو المذهب عند الحنابلة وهو قول الثوری وأبی عبید) إلى أنه لا یجب تعمیم الزکاة علی الأصناف، سواء کان الذی یؤدیها إلیها رب المال أو الساعی أو الإمام، وسواء کان المال کثیراً أو قلیلاً، بل یجوز أن تعطى لصف واحد أو أكثر، ویجوز أن تعطى لشخص واحد إن لم تزد عن کفایتہ، وهو مروی عن عمر وابن عباس، قال ابن عباس: فی أی صنف وضعته أجزاک.

واحتجوا بحديث: تؤخذ من أغنیائهم فترد علی فقرائهم قالوا: والفقراء صنف واحد من أصناف أهل الزکاة الثمانية، وبوقائع أعطی فیها النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزکاة لفرد واحد أو أفراد، منها: أنه أعطی سلمة بن صخر البیاضی صدقة قومه. وقال لقبیصة: أقم یا قبیصة حتی تأتینا الصدقة فنأمر لک بها. قالوا: واللام فی آية الصدقات بمعنی "أو"، أو هی لیبان المصارف، أو هی للاختصاص، ومعنی الاختصاص عدم خروجهما عنهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۹، مادة "زکاة")

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض حضرات کے نزدیک زکاة کے آٹھوں قرآنی مصارف میں زکاة کا دینا مستحب ہے، بشرطیکہ اس پر بآسانی عمل ممکن ہو۔ ۱

اور شافعیہ کے نزدیک جب تک ممکن ہو، زکاة کے آٹھوں قرآنی مصارف میں زکاة کا خرچ کرنا واجب ہے، اور کسی ایک مصرف میں یا آٹھ سے کم مصارف میں زکاة دینا جائز نہیں۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومذهب الجمهور (الحنفية والمالكية والحنابلة): جواز صرف الزكاة إلى صنف واحد، وأجاز الحنفية والمالكية صرفها إلى شخص واحد من أحد الأصناف. وندب عند المالكية صرفها إلى المضطر أي أشدهم حاجة على غيره. ويستحب صرفها في الأصناف الثمانية خروجاً من الخلاف وتحصيلاً للأجزاء يقيناً، ولا يجب الاستيعاب.

ودليلهم أن الآية تعني عدم جواز صرفها لغير هذه الأصناف، وأما فيهم فهي تدل على التخيير، أي إنها لبيان الأصناف التي يجوز الدفع إليهم، لا لتعيين الدفع فيهم.

وأما دليل جواز الاقتصار على شخص واحد من أحد الأصناف فهو أن الجمع المعروف بالفقراء .. ينبغي حملها على المجاز، وهو جنس الفقير، الذي يتحقق بواحد، لتعذر حملها على الحقيقة: وهو الاستغراق، أي الشمول لجميع الفقراء، إذ يصير المعنى أن كل صدقة لكل فقير، وهو غير معقول (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ وصرح المالكية بأن التعميم لا يندب إلا أن يقصد الخروج من الخلاف، وكذا استحب الحنابلة التعميم للخروج من الخلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۹، مادة "زكاة")

۲۔ وذهب الشافعية، وهو رواية عن أحمد وقول عكرمة، إلى أنه يجب تعميم الأصناف، وإعطاء كل صنف منهم الثمن من الزكاة المجتمعة، واستدلوا بآية الصدقات، فإنه تعالى أضاف الزكاة إليهم فاللام للتمليك، وأشرك بينهم بواو التشريك، فدل على أنها مملوكة لهم مشتركة بينهم، فإنه لو قال رب المال: هذا المال لزيد وعمرو وبكر قسمت بينهم ووجبت التسوية، فكذا هذا، ولو أوصى لهم وجب التعميم والتسوية.

وتفصيل مذهب الشافعية في ذلك أنه يجب استيعاب الأصناف الثمانية في القسم إن قسم الإمام وهناك عامل، فإن لم يكن عامل بأن قسم المالك، أو حمل أصحاب الأموال زكاتهم إلى الإمام، فالقسمة على سبعة أصناف، فإن فقد بعضهم فعلى الموجودين منهم، ويستوعب الإمام من الزكوات المجتمعة عنده أحاد كل صنف وجوباً، إن كان المستحقون في البلد، ووفى بهم المال. وإلا فيجب إعطاء ثلاثة من كل صنف، لأن الآية ذكرت الأصناف بصيغة الجمع.

قالوا: وينبغي للإمام أو الساعي أن يعتنى بضبط المستحقين، ومعرفة أعدادهم، وقدر حاجاتهم،

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... زکاة دینے میں افضل یہ ہے کہ زکاة دینے میں ان لوگوں کو مقدم رکھا جائے، جو زیادہ ضرورت و حاجت مند ہوں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واستحقاقهم، بحيث يقع الفراغ من جمع الزكوات بعد معرفة ذلك أو معه ليتعجل وصول حقهم إليهم.

قالوا :وتجب التسوية بين الأصناف، وإن كانت حاجة بعضهم أشد، ولا تجب التسوية بين أفراد كل صنف إن قسم المالك، بل يجوز تفضيل بعضهم على بعض، أما إن قسم الإمام فيحرم عليه التفضيل مع تساوى الحاجات، فإن فقد بعض الأصناف أعطى سهمه للأصناف الباقية، وكذا إن اكتفى بعض الأصناف وفضل شيء، فإن اكتفى جميع أفراد الأصناف جميعاً بالبلد، جاز النقل إلى أقرب البلاد إليه على الأظهر، على ما يأتي بيانه.

وقال النخعي :إن كانت الزكاة قليلة جاز صرفها إلى صنف واحد، وإلا وجب استيعاب الأصناف، وقال أبو ثور وأبو عبيد :إن أخرجه الإمام وجب استيعاب الأصناف، وإن أخرجه المالك جاز أن يجعلها في صنف واحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۲۹، ۳۳۰، مادة ”زكاة“).

قال الشافعية: يجب صرف جميع الصدقات الواجبة سواء الفطرة وزكاة الأموال إلى ثمانية أصناف، عملاً بالآية الكريمة (إنما الصدقات ..) أضافت الآية جميع الصدقات إلى هذه الأصناف بلام التملك، وشرکت بينهم بواو التشريك، فدلّت على أن الصدقات كلها مملوكة لهم، مشتركة بينهم. فإن كان الذى يفرق الزكاة هو الإمام، قسمها على ثمانية أسهم، منها سهم العامل، وهو أول ما يبدأ به، لأنه يأخذه على وجه العوض، وأما غيره فيأخذه على وجه المواساة. وإن كان مفرق الزكاة هو المالك أو وكيله سقط نصيب العامل، وصرفت إلى الأصناف السبعة الباقية إن وجدوا، وإلا فللموجودين منهم، والمستحب أن يعم كل صنف إن أمكن، ولا يجوز أن يصرف لأقل من ثلاثة من كل صنف، لأن أقل الجمع ثلاثة، فإن دفع لاثنتين ضمن نصيب الثالث إلا العامل، فإنه يجوز أن يكون واحداً إن حصلت به الكفاية.

والغالب وجوده الآن فى البلاد أربعة :الفقير والمسكين والغارم وابن السبيل. وأجاز جمع من الشافعية دفع زكاة الفطر لثلاثة فقراء أو مساكين، واختار الرؤياني من الشافعية صرف الزكاة إلى ثلاثة من أهل السهمان، قال :وهو الاختيار من حيث الفتوى لتعذر العمل بمذهبنا (الفقه الاسلامى وادلته للزحلى، ج ۳ ص ۱۹۵، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع).

۱ إعطاء المستحقين الزكاة ليس بدرجة واحدة من الفضل، بل يتميز.

فقد نص المالكية على أنه يندب للمزكى إيفاء المضطر أى المحتاج، على غيره، بأن يزداد فى إعطائه منها دون عموم الأصناف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۲، مادة ”زكاة“).

صرح الشافعية والحنابلة بأن العامل على الزكاة يبدأ به قبل غيره فى الإعطاء من الزكاة، لأنه يأخذ على وجه العوض عن عمله، وغيره يأخذ على سبيل المواساة، قال الشافعية وهو قول عند الحنابلة :

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸..... اگر کوئی شخص زکاۃ کا مستحق تھا، اور اس کو اس حالت میں زکاۃ کا مال حاصل ہوا تھا، پھر اس کے زکاۃ کا مستحق ہونے کی حیثیت ختم ہو گئی، اور اس کے قبضہ میں زکاۃ کا مال موجود ہے، مثلاً کسی کو فقر و غربت کی حالت میں زکاۃ حاصل ہوئی تھی، اور پھر وہ مالدار ہو گیا، یا کوئی شخص مقروض ہونے کی وجہ سے فقیر و غریب تھا، اور اس وقت اس کو زکاۃ کا مال حاصل ہوا تھا، پھر اس کے قرض خواہ نے اس کا قرض معاف کر دیا، یا کسی اور نے اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دیا، تو حنفیہ کے نزدیک ان صورتوں میں اس کی ملکیت میں پہلے سے موجود زکاۃ کے مال کا استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کا بعض صورتوں میں اختلاف ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن كان سهم العاملين وهو ثمن الزكاة قدر حقه أخذه، وإن زاد عن حقه رد الفاضل على سائر السهام، وإن كان أقل من حقه تم له من سهم المصالح، وقيل: من باقى السهام. والمذهب عند الحنابلة أن العامل يقدم بأجرته على سائر الأصناف، أى من مجموع الزكاة. أما ما بعد ذلك، فقال الشافعية: يقسم بين باقى الأصناف كما تقدم. ونظر الحنفية والمالكية إلى الحاجة، فقال الحنفية: يقدم المدين على الفقير لأن حاجة المدين أشد، وراعى الحنفية أموراً أخرى تأتى فى نقل الزكاة. وقال المالكية: يندب إيفار المضطر على غيره بأن يزداد فى إعطائه منها. ونظر الحنابلة إلى الحاجة مع القرابة فقالوا: يقدم الأحمق فالأحمق استحباً، فإن تساوا قدم الأقرب إليه، ثم كان أقرب فى الجوار وأكثر ديناً، وكيف فرقها جاز، بعد أن يضعها فى الأصناف الذين سماهم الله تعالى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۰، ۳۳۱، مادة "زكاة")

۱۔ حکم من أعطى من الزكاة لو صف فزال الوصف وهى فى يده:

من أهل الزكاة من يأخذ أخذاً مستقراً فلا يسترد منه شيء إن كان فيه سبب الاستحقاق بشروطه عند الأخذ، وهم أربعة أصناف: المسكين، والفقير، والعامل، والمؤلف قلبه. ومنهم من يأخذ أخذاً مراعى، فيسترد منه إن لم ينفقه فى وجهه، أو تأدى الغرض من باب آخر، أو زال الوصف والزكاة فى يده، وهم أيضاً أربعة أصناف، على خلاف فى بعضها: المكاتب، فيسترد من المعطى ما أخذ على الأصح عند الشافعية، وفى رواية عند الحنابلة إن مات قبل أن يعتق، أو عجز عن الوفاء فلم يعتق، وقال الحنفية وهو رواية عند الحنابلة: يكون ما أخذه لسيده ويحل له، وفى رواية عن أحمد: لا يسترد، ولا يكون لسيده، بل ينفق فى المكاتبين. ولا ترد المسألة عند المالكية، لأنهم لا يرون صرف الزكاة للمكاتبين كما تقدم.

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵..... جو شخص زکاة کا اہل نہ ہو، اور اس کو معلوم ہو کہ جو مال اسے دیا جا رہا ہے، وہ زکاة کا مال ہے، تو اس کو زکاة کا یہ مال لینا جائز نہیں، اور اگر اس نے اس کے باوجود زکاة کا مال لے لیا، تو اس کو اس مال کا استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس مال کو لوٹا دے، تاکہ مالک اسے صحیح مصرف میں خرچ کر دے، اور اگر مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو، تو پھر خود ہی اس مالک کی طرف سے زکاة کے صحیح مصرف میں لگا دے۔

ورنہ اس کا وبال لینے والے کے سر پر ہوگا، اگرچہ بعض صورتوں میں دینے والا بری ہو جائے۔ اور زکاة دینے والے شخص کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ غور و فکر کر کے، زکاة ادا کرے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۶..... اگر کسی شخص نے غور و فکر کیے بغیر، ویسے ہی کسی شخص کو زکاة کا مستحق سمجھتے ہوئے، زکاة ادا کر دی، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو میں نے زکاة دی تھی، وہ زکاة کا مستحق

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الغارم : فإن استغنى المدين الذى أخذ الزكاة قبل دفعها فى دينه تنزع منه، وكذا لو أبرء من الدين، أو قضاؤه من غير الزكاة، أو قضاؤه عنه غيره . وهذا عند المالكية، وعلى الأصح عند كل من الشافعية والحنابلة، ما لم يكن فقيرا .

الغازى فى سبيل الله : وقد صرح المالكية والشافعية والحنابلة بأنه إن أخذ الزكاة للغزو ثم جلس فلم يخرج أخذت منه، وقال الشافعية والحنابلة أيضا : لو خرج للغزو وعاد دون أن يقاتل مع قرب العدو تؤخذ منه كذلك.

وحيث وجب الرد تنزع منه إن كان باقية فى يده، وإن أنفقها أتبع بها، أى طوّل ببدلها إن كان غنيا، لأنها تكون دينا فى ذمته.

ابن السبيل : ويسترد منه ما أخذه إن لم يخرج، ما لم يكن فقيرا ببلده، وهذا عند المالكية والشافعية والحنابلة، ويعتبر له عند الشافعية ثلاثة أيام، وفى قول : تمام السنة . قالوا : ويرد ما أخذ لو سافر ثم عاد ولم يصرف ما أخذه، وقال المالكية : إنما تنزع منه إن كانت باقية، فإن كان أنفقها لم يطالب ببدلها.

وظاهر كلام الحنفية أنه لا يلزم بالرد، لأنهم قالوا : لا يلزمه التصديق بما فضل فى يده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۲، ۳۳۳، مادة "زكاة")

۲ لا يحل لمن ليس من أهل الزكاة أخذها وهو يعلم أنها زكاة، إجماعا . فإن أخذها فلم تسترد منه فلا تطيب له، بل يردّها أو يتصدق بها، لأنها عليه حرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۳، مادة "زكاة")

نہیں تھا، تو اس صورت میں اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ ۱۔
 اور اگر کسی کے حالات میں غور و فکر کر کے، اور یہ سمجھ کر زکاۃ دی کہ وہ زکاۃ کا مستحق ہے، پھر بعد میں اسے معلوم ہوا کہ جس کو میں نے زکاۃ دی تھی، وہ زکاۃ کا مستحق نہیں تھا، تو اس صورت میں زکاۃ ادا ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ۲۔
 امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر غور و فکر کرنے کے بعد کسی کو مستحق سمجھ کر یہ گمان کرتے ہوئے زکاۃ دی کہ وہ زکاۃ کا مستحق ہے، پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ مالدار یا غیر مسلم تھا، یا اندھیرے میں زکاۃ دی، پھر معلوم ہوا کہ زکاۃ لینے والا اس کا والد یا بیٹا تھا، تو اس کی زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور اس کو دوبارہ زکاۃ دینا ضروری نہیں ہوگا۔ ۳۔

۱۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ کسی شخص کے زکاۃ کا مصرف ہونے میں، شک ہوتے ہوئے زکاۃ ادا کی ہو، اور بعد میں اس کا مصرف نہ ہونا ظاہر ہوا ہو۔

وعلى دافع الزكاة أن يجتهد في تعرف مستحقي الزكاة، فإن دفعها بغير اجتهد، أو كان اجتهد أنه من غير أهلها وأعطاه لم تجزئه عنه، إن تبين الآخذ من غير أهلها، والمراد بالاجتهد النظر في أمارات الاستحقاق، فلو شك في كون الآخذ فقيراً فعلياً الاجتهد كذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۴، مادة "زكاة")

إذا دفع المذكي الزكاة وهو شاك في أن من دفعته إليه مصرف من مصارفها ولم يتحرر، أو تحرى ولم يظهر له أنه مصرف، فهو على الفساد إلا إذا تبين له أنه مصرف. بخلاف ما إذا دفعته باجتهد وتحرر لغير مستحق في الواقع كالغني والكافر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۶، ص ۱۹۶، مادة "شك")
 ۲۔ أما إن اجتهد فدفع لمن غلب على ظنه أنه من أهل الزكاة فبين عدم كونه من أهلها، فقد اختلف الفقهاء في ذلك، فقال بعضهم: تجزئه، وقال آخرون: لا تجزئه، على تفصيل يختلف من مذهب إلى مذهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۴، مادة "زكاة")

۳۔ اور اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر زکاۃ دینے کے بعد کسی کا ذی کے بجائے حربی کافر ہونا ظاہر ہوا، تو اس صورت میں ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر زکاۃ دینے کے بعد ظاہر ہوا کہ جس کو زکاۃ دی گئی، وہ زکاۃ دینے والے کا اپنا غلام تھا، تو بھی حنفیہ کے نزدیک زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

فعند أبي حنيفة ومحمد: إن دفع الزكاة إلى من يظنه فقيراً ثم بان أنه غني أو هاشمي أو كافر، أو دفع في ظلمة، فبان أن الآخذ أبوه، أو ابنه فلا إعادة عليه، لحديث معن بن يزيد قال: كان أبي يزيد أخرج دنائير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد، فبحث فأخذتها فأتيتها بها، فقال: والله ما إياك أردت، فخاصمته إلى رسول الله ﷺ فقال: لك ما نويت يا يزيد، ولك ما أخذت يا معن.
 ولأننا لو أمرناه بالإعادة أفضى إلى الحرج، لأنه ربما تكرّر خطؤه، ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، اور ان کے نزدیک عموماً ایسی حالت میں زکاة ادا نہیں ہوتی۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ واستثنوا من هذا أن يتبين الأخذ غير أهل للتملك أصلاً، نحو أن يتبين أن الأخذ عبده أو مكاتبه، فلا تجزئ في هذا الحال. وقال أبو يوسف: لا تجزئ إن تبين أن الأخذ ليس من المصارف، لظهور خطئه بيقين مع إمكان معرفة ذلك، كما لو تحرى في ثياب فبان أنه صلي في ثوب نجس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۳، مادة "زكاة")

(دفع بتحر) لمن يظنه مصرفاً (فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي ولو مستامناً أعادها) لما مر (وإن بان غناه أو كونه ذمياً أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا) يعيد لأنه أتى بما في وسعه، حتى لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۲ ص ۵۳، باب مصرف الزكاة والعشر) فإن دفع الزكاة إلى الغني فإن دفع إلى شخص ظن أنه فقير فظهر أنه كان غنياً يجوز في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ولو صرف إلى فقير ثم ظهر أنه صرف إلى أبيه أو ابنه جاز في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى في رواية الأصل ولا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر حربياً كان أو ذمياً فإن صرف إلى شخص ظن أنه مسلم فظهر أنه كافر جاز في رواية الأصل وروى أبو يوسف عن أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى أنه لا يجوز إذا دفع الزكاة إلى شخص وظن أنه فقير فإذا هو غني جاز في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى (فتاوى قاضيان، ج ۱ ص ۸۲، كتاب الزكاة) ۱۔ وفصل المالكية بين حالين: الأولى: أن يكون الدافع الإمام أو مقدم القاضي أو الوصي، فيجب استردادها، لكن إن تعذر ردها، أجزأت، لأن اجتهاد الإمام حكم لا يتعقب.

والثانية: أن يكون الدافع رب المال فلا تجزئه، فإن استردها وأعطاه في وجهها، وإلا فعليه الإخراج مرة أخرى، وإنما يستحق استردادها إن فوتها الآخذ بفعله، بأن أكلها، أو باعها، أو هبها، أو نحو ذلك. أما إن فاتت بغير فعله بأن تلفت بأمر سماوى، فإن كان غر الدافع بأن أظهر له الفقر، أو نحو ذلك فيجب عليه ردها أيضاً، أما إن لم يكن غره فلا يجب عليه الرد.

وقال الشافعية: يجب الاسترداد، وعلى الآخذ الرد، سواء علم أنها زكاة أم لا، فإن استردت صرفت إلى المستحقين، وإن لم يمكن الاسترداد فإن كان الذى دفعها الإمام لم يضمن، وإن كان الذى دفعها المالك ضمن، وهذا هو المقدم عندهم، وفي بعض صور المسألة عندهم أقوال أخرى.

وقال الحنابلة: إن بان الأخذ عبداً أو كافراً أو هاشمياً، أو قرابة للمعطى ممن لا يجوز الدفع إليه، فلا تجزئ الزكاة عن دفعها رواية واحدة، لأنه ليس بمستحق، ولا تخفى حاله غالباً، فلم يجزه الدفع إليه، كديون الآدميين.

أما إن كان ظنه فقيراً فبان غنياً فكذلك على رواية، والأخرى يجزئه، لحديث مع بن يزيد المتقدم، وحديث أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال رجل: لأتصدقن بصدقة، فخرج بصدقته فوضعها في يد غنى، فأصبحوا يتحدثون: تصدق على غنى... الحديث وفيه: فأتى فقيل له: أما صدقتك فقد قبلت، لعل الغنى يعتبر فينفق مما آتاه الله. ولأن حاله تخفى غالباً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۵، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷..... اکثر فقہائے کرام یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک زکاة کا مال جس علاقہ یا جس جگہ میں ہو، عام حالات میں اس مال کی زکاة اس علاقہ یا اس جگہ میں رہنے والے فقراء و مستحقین کو ہی دینی چاہئے، اگرچہ اس مال کا مالک کسی اور علاقہ و جگہ میں کیوں نہ رہتا ہو، یعنی اس سلسلہ میں اعتبار زکاة کے مال والے علاقہ و جگہ کا ہوتا ہے، اس مال کے مالک کے علاقہ و جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... جس علاقہ و جگہ میں زکاة کا مال ہے، اگر اس علاقہ و جگہ میں زکاة کے مستحق لوگ نہ ہوں، تو ایسی صورت میں زکاة کو دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ میں منتقل کرنا نہ صرف یہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إذا ظهر كونه غنياً أو غير مستحق: إن دفعت إلى من ظاهره الفقر أو يظنه فقيراً، فبان غنياً، أو ظنه مسلماً، فبان كافراً، لم يجزه ذلك عن الفرض ويجب ردّها منه، في رأى المالكية والشافعية وفي الراجح عند الحنابلة، لأنه دفع الواجب إلى غير مستحقه، فلم يخرج من عهده، كما لو دفعها إلى كافر أو ذى قرابة، كديون الآدميين. ثم إن كان المال باقياً، استرجع منه، ودفع إلى فقير، وإن كان فائتاً، أخذ البذل، وصرف إلى فقير. فإن لم يكن للمدفع إليه مال، لم يجب على رب المال ضمانه، لأنه إذا دفعه إلى الإمام، سقط الفرض عنه بذلك، ولا يضمنه الإمام، لأنه أمين غير مفرط. وإن كان المدافع هو رب المال نفسه، فإن لم يبين عند الدفع أنه زكاة واجبة، لم يكن له أن يرجع، لأنه قد يدفع عن زكاة واجبة وعن تطوع. وإن كان قد بين أنها زكاة، رجع فيها.

والخلاصة: إن الجمهور يقررون أنه لا تجزئ الزكاة إذا دفعت لغير مستحق إلا الإمام، ومثله عند المالكية نائب القاضي والوصى، فإنها تجزئ إن تعذر ردّها، لأنهم يدفعونها بالاجتهاد. واستثنى الحنابلة حالة الدفع لغنى ظنه فقيراً، فإنها تجزئ (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

وإذا أخطأ المزكى كان دفع الزكاة في ظلمة مثلاً، فأذاها إلى أحد أصوله أو فروعه، من غير أن يعلم، فلا إعادة عليه عند أبي حنيفة ومحمد، وعليه الإعادة عند أبي يوسف والشافعي وأحمد (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۱۔ بخلاف صدقة فطر کے کہ اس میں اعتبار اس شخص کے علاقہ و جگہ کا ہوتا ہے، جس پر صدقہ فطر واجب ہے۔
القاعدة العامة أن تفرق صدقة كل قوم فيهم، لحديث معاذ المتقدم: أخذها من أغنيائهم وردّها في فقرائهم، والمعتبر عند الحنفية والشافعية والحنابلة في زكاة المال: المكان الذي فيه المال، والمعتبر في صدقة الفطر: المكان الذي فيه المتصدق اعتباراً بسبب الوجوب فيهما (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۶، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

کہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔

لیکن اگر اس علاقہ و جگہ میں ضرورت مند، مستحق موجود ہوں، تو انہیں چھوڑ کر، دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ کے لوگوں کو زکاة دینے سے حنفیہ کے نزدیک زکاة ادا تو ہو جاتی ہے، مگر یہ مکروہ و نامناسب طریقہ کہلاتا ہے۔

البتہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ کے لوگوں کو زکاة دے، مثلاً جن کو زکاة دے، وہ لوگ اس کے رشتہ دار ہوں، یا وہ لوگ زیادہ ضرورت مند یا زیادہ نیک صالح ہوں، یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہو، تو دوسرے علاقہ و جگہ کے ان لوگوں کو زکاة بھیجنے اور دینے میں کوئی حرج و خرابی نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان غیر مسلم ملک میں رہتا ہے، اگر وہ زکاة کا مال اسلامی ملک میں بھیجے یا کوئی شخص دوسرے علاقہ و جگہ کے زیادہ ضرورت مند دینی مدارس کے طلبہ کے لئے بھیج دے، تو بھی بلا کراہت جائز ہے۔ ۱۔

۱۔ إذا فاضت الزكاة في بلد عن حاجة أهلها جاز نقلها اتفاقاً، بل يجب، وأما مع الحاجة فيرى الحنفية أنه يكره تنزيهاً نقل الزكاة من بلد إلى بلد، وإنما تفرق صدقة كل أهل بلد فيهم، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم. ولأن فيه رعاية حق الجوار، والمعتبر بلد المال، لا بلد المزكى.

واستثنى الحنفية أن ينقلها المزكى إلى قرابته، لما في إيصال الزكاة إليهم من صلة الرحم. قالوا: ويقدم الأقرب فالأقرب.

واستثنوا أيضاً أن ينقلها إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، وكذا لأصلح، أو أروع، أو أنفع للمسلمين، أو من دار الحرب إلى دار الإسلام، أو إلى طالب علم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۱، ۳۳۲، مادة "زكاة")

وللفقهاء تفصيل في نقل الزكاة من بلد إلى آخر.

قال الحنفية: يكره تنزيهاً نقل الزكاة من بلد إلى بلد آخر إلا أن ينقلها إلى قرابته المحايج ليسد حاجتهم، أو إلى قوم هم أحوج إليها أو أصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين، أو من دار الحرب إلى دار الإسلام، أو إلى طالب علم، أو إلى الزهاد، أو كانت معجلة قبل تمام الحول، فلا يكره نقلها. ولو نقلها لغير هذه الأحوال جاز، لأن المصنف مطلق الفقراء (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۷، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

(و) كره (نقلها إلا إلى قرابة) بل في الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محايج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم (أو أحوج) أو أصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين (أو من دار الحرب إلى دار الإسلام

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مخصوص صورتوں کے علاوہ عام حالات میں زکاة کو کسی دوسرے علاقہ یا دوسری جگہ میں ادا کرنا یا بھیجنا جائز نہیں، بالخصوص جبکہ وہ جگہ شرعی مسافت سے زیادہ مقدار کے فاصلہ پر ہو۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أو إلى طالب علم) وفي المعراج التصديق على العالم الفقير أفضل (الدر المختار) (قوله وكره نقلها) أي من بلد إلى بلد آخر، لأن فيه رعاية حق الجوار فكان أولى زبلي والمتبادر منه أن الكراهة تنزيهية تأمل، فلو نقلها جاز، لأن المصروف مطلق الفقراء درر، ويعتبر في الزكاة مكان المال في الروايات كلها واختلف في صدقة الفطر كما يأتي (قوله: بل في الظهيرية إلخ) إضراب انتقالي عن عدم كراهة نقلها إلى القرابة إلى تعيين النقل إليهم، وهذا نقله في مجمع الفوائد معزيا للأوسط عن أبي هريرة مرفوعا إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال يا أمة محمد والذي بعثني بالحق لا يقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلى صلته ويصرفها إلى غيرهم والذي نفسى بيده لا ينظر إليه الله يوم القيامة. اهـ. رحمتي والمراد بعدم القبول عدم الإثابة عليها وإن سقط بها الفرض، لأن المقصود منها سد خلة المحتاج وفي القريب جمع بين الصلة والصدقة. وفي القهستاني: والأفضل إخوانه وأخواته ثم أولادهم ثم أعمامه وعماته ثم أخواله وخالاته ثم ذوو أرحامه ثم جيرانه ثم أهل سكنه ثم أهل بلده كما في النظم. اهـ.

قلت: ونظم ذلك المقدسي في شرحه (قوله: أو من دار الحرب إلخ)، لأن فقراء المسلمين الذين في دار الإسلام أفضل من فقراء دار الحرب بحر. قلت: ينبغي استثناء أسارى المسلمين إذا كان في دفعها إعانة على فك رقابهم من الأسر تأمل (قوله: وفي المعراج إلخ) تمام عبارته وكذا على المديون المحتاج (قوله: أفضل) أي من الجاهل الفقير قهستاني (قوله خلاصة) عبارتها كما في البحر لا يكره أن ينقل زكاة ماله المعجلة قبل الحول لفقير غير أحوج ومديون (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۵۴، كتاب الزكاة)

۱. وذهب المالكية والشافعية في الأظهر والحنابلة إلى أنه لا يجوز نقل الزكاة إلى ما يزيد عن مسافة القصر، لحديث معاذ المتقدم، ولما ورد أن عمر رضى الله عنه بعث معاذ إلى اليمن، فبعث إليه معاذ من الصدقة، فأنكر عليه عمر وقال: لم أبعثك جابيا ولا آخذ جزية، ولكن بعثتك لتأخذ من أغنياء الناس ففرد على فقرائهم، فقال معاذ: ما بعث إليك بشيء وأنا أجد من يأخذه مني.

وروى أن عمر بن عبد العزيز أتى بزكاة من خراسان إلى الشام فردها إلى خراسان. قالوا: والمعتبر بلد المال، إلا أن المالكية قالوا: المعتبر في الأموال الظاهرة البلد الذي فيه المال، وفي النقد وعروض التجارة البلد الذي فيه المالك.

واستثنى المالكية أن يوجد من هو أحوج ممن هو في البلد، فيجب حينئذ النقل منها ولو نقل أكثرها. ثم إن نقلت الزكاة حيث لا مسوغ لنقلها مما تقدم، فقد ذهب الحنفية والشافعية، والحنابلة على المذهب، إلى أنها تجزئ عن صاحبها، لأنه لم يخرج عن الأصناف الثمانية.

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹..... بعض لوگ خود سے زکاۃ کے صحیح مستحق اور مصرف تک زکاۃ پہنچانے کا اہتمام نہیں کرتے، اور اس کے بجائے کسی غیر ذمہ دار فرد یا تنظیم یا ادارہ کو اپنی زکاۃ کا مال حوالہ کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

اور زکاۃ وصول کرنے والے یہ لوگ غیر ذمہ دار وغیرہ دیندار ہونے کی وجہ سے نہ تو زکاۃ کو اس کے صحیح مصرف میں استعمال کرتے، اور دین کے علم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہ ہی ان کو اس کے صحیح مصرف کا علم ہوتا، بلکہ بعض ادارے تو صرف اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اس طرح کے کام کرتے ہیں۔

خاص کر جب کوئی زلزلہ یا سیلاب وغیرہ کا حادثہ پیش آ جائے، تو متاثرین کی مدد کے لئے بہت سے غیر ذمہ دار بلکہ دوکاندار لوگ زکاۃ و صدقات وصول کر کے قوم کی بڑی دولت کو اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال المالكية: إن نقلها لمثل من في بلده في الحاجة فتجزئه مع الحرمة، وإن نقلها لأدون منهم في الحاجة لم تجزئه على ما ذكره خليل والدردير، وقال الدسوقي: نقل المواق أن المذهب الإجزاء بكل حال.

وقال الحنابلة في رواية: لا تجزئه بكل حال.

وحيث نقلت الزكاة فاجرة النقل عند المالكية تكون من بيت المال لا من الزكاة نفسها. وقال الحنابلة: تكون على المذكي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۱، ۳۳۲، مادة "زكاة") وقال المالكية: لا يجوز نقل الزكاة لبلد لمسافة القصر، فأكبر، إلا لمن هو أحوج إليها، ويجوز نقلها لمن هو دون مسافة القصر (۸۹ كم) لأنه في حكم موضع الوجوب، ويتعين تفرقتها فوراً بموضع الوجوب: وهو في الحرت (الزرع والثمر) والماشية: الموضع الذي جبت منه، وفي النقود وعروض التجارة: موضع المالك، حيث كان، ما لم يسافر، ويوكل من يخرج عنه ببلد المال.

وقال الشافعية: الأظهر منع نقل الزكاة، ويجب صرفها إلى الأصناف في البلد الذي فيه المال، لحديث معاذ المتقدم، فإن لم توجد الأصناف في البلد الذي وجبت فيه الزكاة، أو لم يوجد بعضهم، أو فضل شيء عن بعض وجد منهم، نقلت إلى أقرب البلاد لبلد الوجوب.

وقال الحنابلة: المذهب أنه لا يجوز نقل الصدقة من بلد مال الزكاة إلى بلد مسافة القصر، أي يحرم نقلها إلى مسافة القصر، ولكن تجزئه. ويجوز نقلها لأقل من مسافة القصر من البلد الذي فيه المال. والمستحب تفرقة الصدقة في بلدها، ثم الأقرب فالأقرب من القرى والبلدان (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۱۹۷، ۱۹۸، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

کے صحیح مصارف سے محروم کر دیتے ہیں۔

حالانکہ شریعت نے زکاۃ ادا کرنے والے کے ذمہ اس کی صحیح ادا نیگی کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اس لئے غیر ذمہ دار فرد یا ادارہ و تنظیم یا انجمن کو زکاۃ کا مال حوالہ نہیں کرنا چاہئے۔

اگر کسی وقت ضرورت و مصلحت ہو تب بھی ذمہ دار اور امانت دار اور زکاۃ کے احکام سے واقف فرد اور ادارہ ہی کو، جو زکاۃ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرے، سپرد کرنا چاہئے۔

اہل حق کی زیر نگرانی وزیر انتظام دینی مدارس موجودہ دور میں زکاۃ و صدقات کے عمدہ اور اعلیٰ مصارف میں سے ہیں، کہ ان میں زکاۃ و صدقات سے تعاون کرنے والا دین کے احیاء اور بقاء کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ میں شرکت کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... جس عورت کو زکاۃ دی جائے اس کا غریب ہونا کافی ہے، بیوہ ہونا ضروری نہیں اور یہ بات ممکن ہے کہ ایک عورت بیوہ ہو اور وہ زکاۃ کی مستحق نہ ہو، بلکہ خود اسی پر اپنے مال کی زکاۃ ادا کرنا لازم ہو اور اس کے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت شادی شدہ ہو اور اس کا شوہر زندہ ہو اور کمائی بھی کرتا ہو، لیکن وہ عورت غریب اور زکاۃ کی مستحق ہو۔

لہذا زکاۃ کی مستحق ہونے کے لئے عورت کا بیوہ ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ عموماً غلط فہمی پائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... ہمارے معاشرے میں جہیز کی رسم ایک وبائی صورت اختیار کر گئی ہے، جو لوگ جہیز کی رسم پوری کرنے کی قدرت و استطاعت رکھتے ہیں وہ تو اس کو کوئی عیب ہی نہیں سمجھتے، اور جو لوگ خود قدرت نہیں رکھتے، وہ دوسرے لوگوں کے سامنے سوالی اور بھکاری بن کر اور زکاۃ و صدقات وغیرہ جمع کر کے اور بلکہ اس غرض کے لئے چوری و کینیت وغیرہ جیسے جرائم کا ارتکاب کر کے اس رسم کے پورا کرنے کا انتظام کرتے ہیں، اور خود دوسرے امیر لوگ بھی غریب لڑکیوں کو جہیز تیار کرانے میں مدد کرنے اور زکاۃ و صدقات اس مصرف میں لگانے کو بہت بڑی عبادت خیال کرتے ہیں، ان ملے جلے افراد کی طرف سے مختلف نوعیتوں سے

اس رسم کے ارتکاب اور تعاون کے طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ اب دولہا اور اس کے اہل خانہ جہیز کو اپنا حق سمجھنے لگے ہیں اور گھلے بندوں اس کی فرمائش کرنے لگے، اور خود ہی اپنی مطلوبہ چیزوں کا مطالبہ اور ڈیمانڈ کرنے لگے ہیں، بلکہ ان کی تفصیلات کی فہرست بھی پیش کرنے لگے ہیں۔ جبکہ شرعی اعتبار سے نکاح ہونے کے بعد بیوی کے سارے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ عائد ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ عورت کے لباس، اس کی رہائش، اس کی غذا وغیرہ سب ضروریات کا انتظام شوہر کے ذمہ ہو جاتا ہے، اگر نکاح کے بعد لڑکی کے والدین اپنا لباس اتروا کر شوہر کو اس بات کا پابند کریں کہ اب وہ اپنا لباس پہنائے اور خود لباس کا انتظام کرے، تو بھی درست ہوگا۔

ان حالات میں جہیز مہیا کرنے میں تعاون کرنے کے بجائے اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرنا زیادہ ضروری ہے، مگر بے شمار لوگ اس رسم کو ختم کرنے کے بجائے اس رسم میں تعاون کرتے ہیں اور انتہا یہ ہے کہ زکاۃ کی مد سے جہیز کی رسم پوری کرنے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔ افسوس کہ جس رسم کو ختم کرنے کی ضرورت تھی اس کو تو ختم کرنے میں تعاون نہ ہو سکا اور الٹا زکاۃ وغیرہ سے اس رسم کو فروغ دینا شروع کر دیا گیا، حالانکہ امیر لوگوں کا اصل تعاون غریب لڑکیوں کے ساتھ یہ ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر ان سے نکاح کریں اور جہیز کی رسم کو ختم کریں، نہ یہ کہ خود تو اسے ختم نہ کر سکیں اور جن کے پاس اس رسم کے انجام دینے کا انتظام نہ ہو، ان کو بھی ختم نہ کرنے دیں اور اس رسم میں تعاون کریں، اور تعاون کے لیے زکاۃ جیسے فریضے کو ذریعہ بنائیں، اور اس کے لیے مختلف طرح کے حیلے بہانے تلاش کریں۔

اس کے علاوہ جہیز میں عموماً غیر ضروری اور قیمتی چیزیں دی جاتی ہیں، ایک طرف تو غریبوں کی بالکل ابتدائی ضروریات کا انتظام نہیں ہوتا، دوسری طرف جہیز میں اعلیٰ اور نئی قیمتی بڑی بڑی چیزوں کا زکاۃ سے انتظام کیا جاتا ہے، یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟

بعض اوقات اس طرح کی قیمتی چیزیں استعمال نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ

سامان کی شکل میں زکاۃ کے نصاب یا اس سے بھی زیادہ مالیت کی جمع ہو جاتی ہیں، جس سے زکاۃ کا استحقاق ہی ختم ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات کئی کئی افراد جہیز کی رسم پوری کرنے کے لئے زکاۃ سے تعاون کرتے ہیں اور ایک مرحلہ پر خود اس غریب کے پاس جہیز کی تیاری کے لئے رکھی ہوئی رقم نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہے، اس کے بعد دوسرے لوگ زکاۃ کی مدد سے تعاون کرتے ہیں، اس صورت میں تو سرے سے زکاۃ ادا ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے جہیز کی رسم میں تعاون کرنے کی خاطر زکاۃ خرچ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس کے بجائے اس رسم ہی کو ختم کرنے کی کوششیں کرنی چاہئیں، جس کی اصل ذمہ داری امیروں اور غریبوں دونوں ہی قسم کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲..... بعض لوگ پیشہ ور بھکاریوں ہی کو زکاۃ و صدقہ کا اصل مستحق سمجھتے ہیں اور جو لوگ سوال نہیں کرتے ان کو مستحق نہیں سمجھتے۔

حالانکہ آج کل عام طور پر پیشہ ور سائلین مستحق نہیں ہوتے، بلکہ وہ امیر اور مالدار ہوتے ہیں، اور پیشہ ور سائلوں کو تو مانگنے پر ویسے بھی دینا جائز نہیں، خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پیشہ ور سائل سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا پیشہ مانگنا، کھانا ہی بنا رکھا ہو۔

اور آج کل مانگنے، کھانے کا پیشہ معاشرے میں بہت قبولیت اختیار کر گیا ہے، اور اس کو پیشہ کمانے کا ایک آسان ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے، بلکہ اس پیشہ کی خاطر قصداً وعدماً بچوں وغیرہ کو معذور بنادینے کو بہت بڑا ہنر اور فن سمجھا جانے لگا ہے۔

مانگنے کے ایسے نئے رنگ و ڈھنگ چل گئے ہیں کہ جن کی طرف لوگوں کی توجہ بھی نہیں جاتی۔ بے شمار پیشہ ور بھکاری آج کے معاشرے میں درحقیقت لکھ پٹی اور کروڑ پتی ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو فقیر اور غریب ظاہر کرتے ہیں، اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان پیشہ ور سائلوں اور بھکاریوں کی مدد کرنے والا خود ان سے زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

ایسے پیشہ ور سائلوں کو زکاۃ و صدقات کے نام سے دینا دراصل اپنے قیمتی مال کو ضائع کرنا اور

ثواب کے بجائے ان پیسوں کے عوض گناہوں کو خریدنا ہے، کیونکہ مانگنے کو پیشہ بنانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے اور یہ پیشہ تعاون کرنے والوں کی بیساکھیوں پر ہی سہارا لے کر چلتا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ خود تحقیق کرنے اور اپنے ارد گرد کے ماحول میں سفید پوش مستحق غریبوں کو تلاش کرنے کے بجائے اپنی زکاة و صدقات کو پیشہ ور بھکاریوں اور سانکوں کی بھیینٹ چڑھا کر اس پیشہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور روزمرہ تھوڑا تھوڑا کر کے لاکھوں روپے اس غلط مصرف کی نظر کر کے اصل مستحقین کو محروم کر دیتے ہیں۔

لہذا زکاة ادا کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مستحقین کی جستجو اور ان تک براہ راست یا بالواسطہ زکاة و صدقہ کو پہنچانے کا اہتمام کریں۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۳..... زکاة کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ زکاة دینے کے بعد دوسرے پر اپنا احسان نہ جتلائے، ورنہ اس سے زکاة کا ثواب ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ ۲۔

۱۔ من سأل الزكاة وكان غير مستحق: هذه مسألة تشترك فيها الأصناف الثمانية كلها، وهي من سأل الزكاة وعلم الإمام أنه ليس مستحقاً، لم يجز له صرف الزكاة إليه. وإن علم استحقاقه، جاز الصرف إليه بلا خلاف.

وإن لم يعرف حاله فالصفات قسمان: خفية و جليلة:

فالخفي: الفقر والمسكنة، فلا يطالب مدعيها ببينة لعسرها، فلو عرف له مال، وادعى هلاكه، لم يقبل إلا ببينة، ولو ادعى عيلاً فلا بد من البينة في الأصح.

والجلي: نوعان: أحدهما - يتعلق الاستحقاق فيه بمعنى في المستقبل، وذلك في الغازي وابن السبيل، فيعطيان بقولهما بلا بينة ولا يمين. ثم إن لم يحقهما ما ادعيا، ولم يخرججا، استرد منهما ما أخذ، و يترصد للخروج بحسب المعتاد على وجه التقريب.

والثاني - يتعلق الاستحقاق فيه بمعنى في الحال، وهذا النوع يشترك فيه بقية الأصناف، فالعامل إذا ادعى العمل طو لب بالبينة، وكذلك المكاتب والغارم. وأما المؤلف قلبه: فإن قال: نيتي ضعيفة في الإسلام، قبل قوله، لأن كلامه يصدقه، وإن قال: أنا شريف مطاع في قومي، طو لب بالبينة. قال الرافعي من الشافعية: واشتہار الحال بين الناس قائم مقام البينة في كل من يطالب بها من الأصناف، لحصول العلم أو الظن بالاستفاضة (الفقه الاسلامي وادلته للرحيلي، ج ۳ ص ۹۶۰، ۹۶۱، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث السابع)

۲۔ المبحث الثامن - آداب الزكاة وممنوعاتها:

قال ابن جزى المالكي: ممنوعات الزكاة ثلاثة:

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور زکاة ادا کرنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ خوشدلی کے ساتھ زکاة ادا کرے۔

اور زکاة ادا کرنے کا ایک ادب یہ ہے کہ زکاة میں حلال اور پاکیزہ و بہتر مال ادا کرے۔

اور زکاة کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اخلاص کا لحاظ کرے۔

اور زکاة ادا کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب زکاة فرض ہو جائے، تو اس کو جلد از جلد ادا کرے، اور بلا ضرورت تاخیر نہ کرے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۱۔ أن تبطل بالمن والأذى، لأن المن بالصدقة يحبطها أي يمنع ثوابها الآية: (يأبها الذين آمنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى) كذلك لا يستعظم مقدارها، لأن ذلك محبط للأعمال.
۲۔ وأن يشتري الرجل صدقته.

۳۔ وأن يحشر المصدق (الساعي) الناس إليها، بل يذكهم بمواضعهم.
ووافق الحنابلة المالكية في الممنوع الثاني قائلين: ليس لمخرج الزكاة شراؤها ممن صارت إليه، لما روى عن عمر أنه قال: حَمَلْتُ عَلَى فُرسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَأَضَاعَهُ الَّذِي كَانَ عِنْدَهُ، وَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَاعَهُ بِرَخْصٍ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيهِ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَا تَبْتِعْهُ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ وَلَوْ أَعْطَاكَ بِدَرَاهِمٍ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْمَتِهِ.

وقال الشافعي وغيره: يجوز استرداد الزكاة بالشراء وغيره، لقول النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السابق: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لَغْنَى إِلَّا لِحِمْسَةٍ: رجل ابتاعها بماله ... قال النووي عن حديث عمر: هذا نهى تنزيه لا تحريم، فيكره لمن تصدق بشيء أو أخرجه في زكاة أو كفارة أو نذر أو نحو ذلك من القربات أن يشتريه ممن دفعه هو إليه أو يهبه أو يملكه باختياره منه، فأما إذا ورثه منه، فلا كراهة فيه (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثامن)

۱۔ وأضاف ابن جزى قائلاً: إن آداب الزكاة ستة:

۱۔ أن يخرجها طيبة بها نفسه.

۲، ۳۔ وأن تكون من أطيب كسبه ومن خياره، أي أحله وأجوده وأحبه إليه، لكن يأخذ الساعي - كما بينت - أو سطر المال.

۳۔ أن يسترها عن أعين الناس، وهذا رأى الحنفية أيضاً، فالإسراء بإخراجها أفضل، لكونه أبعد عن الرياء، وعن إذلال الفقير، إلا إذا كان غنياً، ليقصد به غيره من الأغنياء.

وقال الشافعية والحنابلة: الأفضل في الزكاة: إظهار إخراجها، ليراه غيره، فيعمل عمله، ولئلا يساء الظن به وذلك بالنسبة للمالك في غير الأموال الباطنة، وللإمام مطلقاً. أما صدقة التطوع

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان ہدایات و آداب کا لحاظ کر کے اگر زکاة ادا کی جائے گی تو امید ہے کہ اس میں زیادہ قبولیت و نورانیت ہوگی، اور اس پر بیش بہا فضائل مرتب ہوں گے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فالأفضل الإسرار بها اتفاقاً، لحديث السبعة الذين يستظلون بظل العرش، والذي منهم: من أخفى صدقته حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه وأضاف الشافعية: إن أظهرها مقتدى به ليقبض به، ولم يقصد رياء ولا سمعة ولا تأذى به الآخذ، كان الإظهار أفضل.

۵۔ وأن يوكل في إخراجها، خوف النشاء.

۶۔ وأن يدعو المزمكى عند دفعها، فيقول: اللهم اجعلها مغنماً، ولا تجعلها مغرمًا ويقول الآخذ والعامل: آجرک الله فيما أعطيت، وبارک لك فيما أبقيت، وجعله لك طهوراً. ويمكن إضافة آداب أخرى منها.

۷۔ أن يختار لأداء الزكاة من اتصف بالتقوى والعلم وإخفاء الفقر والقراية أو الرحم، لأن في إعطاء المال عوناً على طاعة الله، وتحصيل العلم، وتحقيق التعفف، ولأن الصدقة على الأقارب فيها أجران لكونها صدقة وصلة.

۸۔ المبادرة لإخراج الزكاة، امتثالاً لأمر الله، علماً بأنها تجب على الفور، فلو أخرها ليدفعها إلى من هو أحق بها من ذي قرابة أو ذي حاجة شديدة، قال الحنابلة: فإن كان شيئاً يسيراً، فلا بأس، وإن كان كثيراً، لم يجز. قال أحمد: لا يجزى على أقاربه من الزكاة في كل شهر يعني لا يؤخر إخراجها حتى يدفعها إليهم متفرقة في كل شهر شيئاً. فإن عجلها فدفعها إليهم أو إلى غيرهم متفرقة أو مجموعة، جاز، لأنه لم يؤخرها عن وقتها.

۹۔ يندب عند الحنفية الدفع إلى الفقير بما يغنيه عن سؤال جميع ما يحتاجه في يومه لنفسه وعياله.

۱۰۔ لا حاجة لإعلام الفقير بكون المدفوع له هو زكاة، كما ذكر سابقاً (الفقه الاسلامي وادلتة

للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۹، ص ۱۹۹، الباب الرابع، الفصل الاول، المبحث الثامن)

(فصل نمبر ۱۱)

زکاة کے حساب کا آسان طریقہ

جب آپ کی زکاة کا سال پورا ہو رہا ہو، تو سب سے پہلے آپ یہ دیکھیں کہ:

(۱) آپ کی ملکیت میں کتنی مالیت کا سونا ہے؟

(۲) اور کتنی مالیت کی چاندی ہے؟

(۳) اور کتنی مالیت کا تجارت کا مال ہے؟

(خواہ خام مال کی شکل میں ہو یا تیار مال کی شکل میں)

(۴) اور کتنی کرنسی اور نقد پذیر مالی دستاویز ہے؟

..... (خواہ کسی بھی ملک کی ہو)

(۵) اور ان مذکورہ مالوں میں سے کتنی مالیت کا مال قابل وصول

ہے؟ (جس پر آپ کی مکمل ملکیت قائم ہے)

ان سب کی مالیت کو ایک ساتھ جمع کر لیں، اور اس کے بعد آپ کے ذمہ

جو دوسروں کا واجب الاداء قرض و دین ہو، اس کو منہا (منفی) کر دیں.....

اور اس کے بعد جو مالیت بچے.....

اور وہ زکاة کے نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ ہو۔

تو اس کا ڈھائی فیصد زکاة میں ادا کریں۔

زکاة ادا کرنے کے لئے حساب نکالنے کے چند آسان طریقے ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) آدمی کی ملکیت میں جتنی رقم ہو، اس کو (40) پر تقسیم کرے، جو جواب آئے گا، وہ

مطلوبہ زکاة ہوگی، مثلاً کسی کی ملکیت میں چالیس ہزار (40000) روپے ہیں، ان کو اگر

چالیس (40) پر تقسیم کیا جائے، تو جواب ایک ہزار (1000) آئے گا، مطلب یہ ہوا کہ جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے، تو اس کو ایک ہزار روپے زکاة دینی ہوگی۔

(۲)..... آدمی کی ملکیت میں جتنی رقم ہو، اس کو (10) پر تقسیم کرے، جو جواب آئے، اس کو چار پر تقسیم کرے، مثلاً کسی کی ملکیت میں چالیس ہزار (40000) روپے ہیں، ان کو اگر دس (10) پر تقسیم کیا جائے، تو جواب آئے گا، چار ہزار (4000) اب اگر چار ہزار کو چار پر تقسیم کریں، تو جواب ایک ہزار (1000) آئے گا، مطلب یہ ہوا کہ جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے، تو اس کو ایک ہزار روپے زکاة دینی ہوگی۔

(۳)..... آدمی کی ملکیت میں جتنی رقم ہو، اس کو 2.5 سے ضرب دے، جو جواب آئے، اس کو سو (100) پر تقسیم کرے، مثلاً کسی کی ملکیت میں چالیس ہزار (40000) روپے ہیں، ان کو اگر 2.5 سے ضرب دی جائے، تو جواب آئے گا، ایک لاکھ (100000) اب اگر ایک لاکھ کو ایک سو (100) پر تقسیم کریں، تو جواب ایک ہزار (1000) آئے گا، مطلب یہ ہوا کہ جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے، تو اس کو ایک ہزار روپے زکاة دینی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱

۱۔ إخراج زكاة الأوراق النقدية كالذهب والفضة، وعروض التجارة، يجب فيها العشر، وإخراجها له عدة طرق:

۱۔ إذا كان المال المملوك مثلاً (40.000) ريال، يقسم على أربعين فيخرج ربع العشر (2.5%)، وهو مقدار الزكاة الواجبة هكذا:
 $40.000 \div 1000 = 40$ ريال.

۲۔ أو يقسم المال على (10)، والناتج يقسم على (4) والناتج هو ربع العشر مقدار الزكاة الواجبة هكذا.

$40000 \div 10 = 4000$ ريال، ثم نقسم $4000 \div 4 = 1000$ ريال.

۳۔ أو يضرب مجموع المال السابق في (2.5)، ثم يقسم على (100) والناتج هو مقدار الزكاة الواجبة ربع العشر هكذا:

$2.5 \times 40000 = 100000$ ريال، ثم يقسم على: 100

...وهكذا (موسوعة الفقه الاسلامي، ج ۳ ص ۳۱، كتاب الزكاة)

(حصہ دوم)

(باب نمبر ۱)

مالِ نامی کی دوسری قسم کی زکاة کے احکام

(یعنی سائتمہ جانوروں کی زکاة سے متعلق احکام)

شریعت میں جن چیزوں کی زکاة ادا کرنا فرض ہے ان میں ایک زکاة مخصوص جانوروں سے متعلق ہے، جن کو ”سائتمہ جانور“ کہا جاتا ہے۔

ان سائتمہ جانوروں کی زکاة ادا کرنا بھی فرض ہے۔

اور فقہائے کرام نے ان جانوروں کی زکاة کے تفصیلی احکام ذکر فرمائے ہیں۔

عربی لغت میں ”سائتمہ“ دراصل چرنے والے جانور کو کہا جاتا ہے، زکاة واجب ہونے والے مخصوص جانوروں کو ”سائتمہ“ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود سے چل پھر کر عام چارہ کھاتے ہیں، اور اسی وجہ سے یہ زکاة ہر طرح کے جانوروں میں واجب نہیں، بلکہ ان میں زکاة واجب ہونے کے لئے خود سے چارہ کھانے کے ساتھ کئی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آگے آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱

۱ السائمة في اللغة: الراعية من الحيوانات، سميت بذلك لأنها ترعى العشب والكلأ المباح، يقال: سام تسوم سوما إذا رعت، وأسمتها: إذا رعيته، ومنه قوله تعالى: (ومنه شجر فيه تسمون أي ترعون فيه أنعامكم).

وفي اصطلاح الفقهاء: هي التي تكفي بالرعى المباح في أكثر العام.

وقيد الحنفية والحنابلة ذلك بأن يكون بقصد الدر والنسل والزيادة.

الألفاظ ذات الصلة: العلوفة:

العلوفة: هي ما يعلف من النوق أو الشياه ولا ترسل للرعى. ويطلق على ما تأكل الدابة، وعلى هذا فالعلاقة بين السائمة والعلوفة ضدية. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۱۶، مادة ”سائمة“)

(فصل نمبر ۱)

سائمہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کی شرائط

سائمہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کی شرائط سے متعلق احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱..... سائمہ جانوروں کی زکاة واجب ہونے کے لئے اہم شرط یہ ہے کہ وہ جانور ایسی جنس سے تعلق رکھتے ہوں، جن کی قربانی جائز ہے، مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ، قطع نظر اس سے کہ وہ جانور صرف نر ہوں، یا صرف مادہ ہوں، یا نر و مادہ ملے جلے ہوں۔

اور ان اجناس کے علاوہ کسی اور جنس کے جانوروں پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاة واجب نہیں۔

چنانچہ ہرن، خچر اور گدھے وغیرہ میں سائمہ ہونے کی بنیاد پر زکاة واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر یہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوں، تو ان پر مالی تجارت کی وجہ سے زکاة واجب ہوتی ہے۔ اور مالی تجارت کی زکاة کے احکام پہلے حصہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جا چکے ہیں۔ ۱۔

۱۔ أجمع الفقهاء على أن الإبل والبقر والغنم هي من الأصناف التي تجب فيها الزكاة، واستدلوا لذلك بأحاديث كثيرة، منها حديث أبي هريرة المتقدم في مسألة الحكم التكليفي للزكاة، وفي الخيل خلاف، وأما البغال والحمير وغيرها من أصناف الحيوان فليس فيها زكاة ما لم تكن للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۰، مادة "زكاة")

ذهب عامة الفقهاء إلى أنه لا زكاة في سائر الحيوان غير ما تقدم، ما لم تكن للتجارة، فليس في البغال والحمير وغيرها زكاة واحتجوا لذلك بما في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الخيل فقال: هي لرجل أجر... الحديث المتقدم، ثم سئل عن الحمير، فقال: لم ينزل على فيها إلا هذه الآية الفاذة: (فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۲، مادة "زكاة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... سائمہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کے لئے کیونکہ جانور کا اس جنس سے ہونا ضروری ہے جس کی قربانی درست ہوتی ہے، اور جن جانوروں کی قربانی درست ہوتی ہے، وہ بنیادی طور پر تین جنسیں ہیں، ایک اونٹ (بمعن زروادہ) دوسرے گائے (بمعن زروادہ اور بھینس زروادہ سمیت اسی جنس میں داخل ہے) تیسرے بکری (بمعن زروادہ، اور دنبہ و بھیر بھی زروادہ سمیت اسی جنس میں داخل ہے)

پس جو جانور ان مذکورہ اجناس کے علاوہ ہو، مثلاً ہرن وغیرہ، ان پر یہ سائمہ جانور والی خاص زکاة فرض نہیں، البتہ اگر تجارت کی نیت سے کوئی سے بھی جانور خرید کر رکھے جائیں، تو ان پر مالی تجارت ہونے کی حیثیت سے زکاة فرض ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۵..... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر گھوڑوں میں دیگر شرائط پائی جائیں، تو وہ بھی سائمہ جانوروں میں داخل ہو جاتے ہیں، اور ان کی زکاة بھی واجب ہوا کرتی ہے، مگر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجب الزکاة فی الإبل والبقر والغنم، وأوجب أبو حنيفة خلافاً لصاحبيه الزکاة فی الخیول، والفتویٰ علی قولهما أنه لا زکاة فی الخیل إلا إذا كانت للتجارة (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳، ص ۱۹۱۸ و ۱۹۱۹، کتاب الزکاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس، زکاة الحيوان أو الأنعام)

۱ (ویدخل فی البقرة والجاموس؛ لأنه من جنسه) ش: كما فی الزکاة فإنه يؤخذ من نصاب الجاموس ما يؤخذ من نصاب البقر، وقال فی "خلاصة الفتاوى": والجاموس يجوز فی الهدایا والضحايا استحساناً (البنایة شرح الهدایة، ج ۲، ص ۳۸، کتاب الاضحیة، التضحیة بالمولود بین الأهلی والوحشی) زکاة الغنم:

تشمّل الضأن والمعز، ذكوراً وإناثاً:

وهی أيضاً واجبة بالسنة والإجماع كما تقدم (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳، ص ۱۹۲۶، کتاب الزکاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس - زکاة الحيوان أو الأنعام)

ولا خلاف فی أن الضأن والمعز سواء فی النصاب والوجوب وأداء الواجب (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج ۳، ص ۱۹۲۸، کتاب الزکاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس - زکاة الحيوان أو الأنعام)

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، اور دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک گھوڑے سائمتہ جانوروں میں داخل نہیں کہلاتے، اور حنفیہ کا فتویٰ بھی اسی قول پر ہے، کیونکہ گھوڑا، ان اجناس میں داخل نہیں، جن کی قربانی جائز ہوتی ہے۔

البتہ اگر گھوڑے تجارت کی نیت سے خرید کر رکھے ہوں، اور ان کی مالیت تجارت کے مال کے نصاب کے بقدر ہو، یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر مالیت بن جاتی ہو، تو پھر تجارت کا مال ہونے کی حیثیت سے ان پر سب کے نزدیک زکاة واجب ہوا کرتی ہے، خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر رہ کر گھاس کھاتے ہوں۔ ۱

۱۔ ذہب جمہور الفقہاء وهو قول أبی یوسف ومحمد وعليه الفتوى عند الحنفية: إلى أنه لا زكاة في الخيل إلا إذا كانت للتجارة، لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المسلم في فرسه وغلामه صدقة. وعن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قد عفوت عن صدقة الخيل والريق. ولأنها ليست من بهيمة الأنعام فلم تجب زكاتها كالوَحْش. وقال أبو حنيفة: الخيل السائمة إذا كانت ذكورا وإناثا تجب فيها الزكاة، وإن كان الكل إناثا ففيه روايتان، وإن كان الكل ذكورا ففي ظاهر الرواية لا تجب، وفي مسائل النوادر أنها تجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۰، ص ۱۹۱ و ۱۹۲، مادة "خيل")

ذہب جمہور الفقہاء ومنہم صاحب ابی حنیفہ إلى أن الخيل التي ليست للتجارة لا زكاة فيها ولو كانت سائمة واتخذت للنماء، وسواء كانت عاملة أو غير عاملة، واستدلوا بقول النبي صلى الله عليه وسلم: ليس على المسلم في فرسه وغلामه صدقة. وقوله: قد عفوت عن صدقة الخيل والريق

وذهب أبو حنيفة وزفر إلى أن الخيل إذا كانت سائمة ذكورا وإناثا ففيها الزكاة، وليس في ذكورها منفردة زكاة، لأنها لا تتناسل، وكذلك في الإناث منفردات، وفي رواية عن أبي حنيفة في الإناث المنفردات زكاة لأنها تتناسل بالفحل المستعار، وروى عنه أيضا أنها تجب في الذكور المنفردات أيضا.

واحتج له بقول النبي صلى الله عليه وسلم في الخيل: هي لرجل أحر، ولرجل ستر، وعلى رجل وزر فساق الحديث إلى أن قال في الذي هي له ستر: ولم ينس حق الله في رقابها ولا في ظهورها فحق ظهورها العارية، وحق رقابها الزكاة، وبما ورد عن يعلى بن أمية أن أخاه عبد الرحمن بن أمية اشترى من أهل اليمن فرسا أنثى بمائة قلو، فندم البائع، فلحق بعمر، فقال: غصبنى يعلى وأخوه فرسا لى، فكتب عمر إلى يعلى أن الحق بى، فاتاه فأخبره الخبر، فقال: إن الخيل لبلغ هذا عندكم؟ ما علمت أن فرسا يبلغ هذا. فنأخذ عن كل أربعين شاة شاة ولا نأخذ من الخيل شيئا؟، خذ من كل فرس دينار. فقرر على الخيل دينارا دينارا. وعن الزهري أن عثمان رضي الله عنه كان يصدق

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ میں سائمنہ جانوروں کی حیثیت سے زکاة واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جانور پالتو اور گھریلو ہوں، اور اگر اس طرح کے جانور وحشی یعنی جنگلی ہوں، مثلاً کسی نے اس طرح کے وحشی اور جنگلی جانور جنگل سے پکڑ کر، رکھ رکھے ہوں، تو ان پر سائمنہ جانوروں کی حیثیت سے زکاة واجب نہیں ہوا کرتی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۵..... جو بچہ مختلف جنسوں کے جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہو، اور ان ملاپ کرنے والے جانوروں میں سے ایک جانور ایسا ہو، کہ اس پر سائمنہ جانور ہونے کی بنیاد پر زکاة واجب ہوتی ہو، مثلاً پالتو گائے یا بکری، اور دوسرا جانور ایسا ہو کہ اس پر سائمنہ جانور ہونے کی بنیاد پر زکاة واجب نہ ہوتی ہو، مثلاً جنگلی بیل یا ہرن وغیرہ، تو اس جانور کی زکاة واجب ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے ایک قول کے مطابق ایسے جانور کی زکاة واجب ہوتی ہے، خواہ اس جانور کا باپ یا ماں کسی بھی جنس سے ہو۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الخیل، اى يأخذ زكاة منها، ثم قال أبو حنيفة: إن شاء المذكي أعطى عن كل فرس ديناراً، وإن شاء قوم خيله وأعطى عن كل مائتي درهم خمسة دراهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۱، ۲۶۲، مادة ”زكاة“)

۱۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق جنگلی اور وحشی اونٹ، گائے اور بکری میں دیگر شرائط پائے جانے پر سائمنہ جانوروں کی حیثیت سے زکاة واجب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ذهب جمهور العلماء ومنهم الحنابلة في الأصح عندهم، إلى أنه لا زكاة في الوحشي من الإبل والبقر والغنم، وذلك لأن اسم الإبل والبقر والغنم لا يتناولها عند الإطلاق، ولأنها لا تجزء في الهدى والأضحية.

وفي رواية أخرى عن أحمد فيها الزكاة، لأن الاسم يشملها فتدخل في الأخبار الواردة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۲، مادة ”زكاة“)

۲۔ اختلف الفقهاء في وجوب الزكاة في الولد المتولد بين الوحشي والأهلي. فذهب الحنابلة والمالكية في قول إلى وجوب الزكاة فيه، سواء أكان الوحشي هو الفحل أم الأم، لأن المتولد بين الوحشي والأهلي متولد بين الذي تجب فيه الزكاة وبين ما لا تجب فيه، فيرجح ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک ایسا جانور اپنی ماں کے تابع ہوگا، اگر اس کی ماں ایسے جانور کی جنس سے تعلق رکھتی ہے کہ جس پر سائمه جانور ہونے کی وجہ سے زکاة واجب ہوا کرتی ہے، تو اس کی زکاة واجب ہوگی، ورنہ زکاة واجب نہیں ہوگی۔

چنانچہ اگر زہرن، کسی بکری کے ساتھ جفتی کرے، اور اس بکری سے بچہ پیدا ہو، تو وہ بچہ بکری کے حکم میں کہلائے گا۔ ۱

اور شافعیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق، اس طرح کے جانور میں سائمه جانور کی حیثیت سے زکاة کسی حال میں واجب نہیں ہوا کرتی۔ ۲

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جانب الوجوب، قیاساً علی المتولد بین السائمة والمعلوفة، فتجب فیہ الزکاة، فکذلک الولد المتولد بین الوحشی والأهلی، وعلی هذا القول تضم إلى جنسها من الأهلی فی وجوب الزکاة، ویکمل بها نصابها وتكون كأحد أنواعه (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۱۴، مادة ”ولد“) وقال الحنابلة وهو قول ثالث عند المالکیة: تجب الزکاة فی المتولد مطلقاً، سواء كانت الوحشیة الفحول أو الأمهات، كما إن المتولد بین السائمة والمعلوفة تجب فیہ الزکاة إذا سام (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۵۲، مادة ”زکاة“)

۱ وذهب أبو حنیفة وهو قول عند المالکیة إلى أنه إن كانت الأمهات أهلیة وجبت فیها الزکاة، وإلا فلا، لأن جانب الأم فی الحیوان هو الراجح، لأن ولد البهیمة یتبع أمه (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۱۴، مادة ”ولد“)

وأما ما تولد بین الأهلی والوحشی فإن مذهب أبی حنیفة وهو قول مروی عن مالک أنه إن كانت الوحشیة أمه فلا زکاة فیہ، وإن كانت أمه أهلیة والوحشی أباه ففیہ الزکاة، لأن ولد البهیمة یتبع أمه فی أحكامه (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۵۲، مادة ”زکاة“)

وسواء كان متولداً من الأهلی أو من أهلی ووحشی بعد أن كان الأم أهلیاً كالمتولد من الشاة والظبی إذا كان أمه شاة والمتولد من البقر الأهلی والوحشی إذا كان أمه أهلیة فتجب فیہ الزکاة ویکمل به النصاب (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۳۰، کتاب الزکاة، فصل صفة نصاب السائمة)

۲ وذهب الشافعیة وهو المشهور عند المالکیة إلى أنه لا زکاة فیہ مطلقاً، سواء أكانت الوحشیة من قبل الفحل أم من قبل الأم لأن الأصل عدم الوجوب (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۱۴، مادة ”ولد“)

وقال الشافعی، وهو القول المشهور عند المالکیة: لا زکاة فی المتولد بین الأهلی والوحشی مطلقاً، ومال إليه ابن قدامة من الحنابلة، لأنه لیس فی أخذ الزکاة منها نص ولا إجماع ولا قیاس صحیح، فلا تتناوله نصوص الشرع (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۵۲، مادة ”زکاة“)

مسئلہ نمبر ۶..... سائنہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جانور شریعت کی طرف سے بیان کردہ، زکاة کے نصاب کے بقدر ہوں، نصاب سے کم ہونے کی صورت میں زکاة واجب نہیں ہوتی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۷..... سائنہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کے لئے حوالانِ حول یعنی سال کا پورا ہونا بھی شرط ہے، اور یہ زکاة سال میں ایک مرتبہ ہی واجب ہوتی ہے۔ اور دوسرے زکاة کے مالوں کی طرح اس مال پر بھی سال گزرنے کا اعتبار قمری، یعنی چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۸..... جمہور فقہائے کرام، یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جانوروں کی اس مخصوص زکاة میں ”سوم“ کی شرط کا پایا جانا ضروری ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور خود سے ایسی گھاس اور چارہ کھانے پر کفایت کریں، جو مباح ہو اور جانوروں کے مالک کو اس

۱۔ أن تكون الأنعام بالغة نصاباً شرعياً على النحو المبين في السنة، كما سيوضح في زكاة كل نوع (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس - زكاة الحيوان أو الأنعام)
۲۔ يشترط في الماشية لوجوب الزكاة فيها تمام الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۰، مادة ”زكاة“)

اتفق العلماء على أن الحول لا بد منه في زكاة البقر كغيرها من الماشية، ومعنى الحول: أن تمضي سنة قمرية كاملة على ملكه للنصاب، لتجب عليه الزكاة فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۸، ۱۶۱، مادة ”بقر“)

أن يحول عليها حول كامل في ملك صاحبها: بأن يمضي على تملكها عام كامل من بدء الملكية، ويبقى الملك فيها جميع الحول، فلو لم يمض الحول في ملكه، لم تجب عليه الزكاة، لحديث: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول ولأنه لا يتكامل نماء المال قبل تمام الحول، وذلك إلا في النتائج فإنه يتبع الأمهات في الحول.

ولو زال الملك عن الماشية في الحول عن النصاب أو بعضه، ببيع أو غيره، فعاد بشراء أو غيره، أو بادل بمثلته مبادلة صحيحة لا للتجارة، كابل بإبل، أو بجنس آخر كابل ببقر، استأنف الحول أي بدأ حولاً جديداً لانقطاع الحول الأول بما فعله، فصار ملكاً جديداً، فلا بد من حول جديد للحديث المتقدم (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۱، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس - زكاة الحيوان أو الأنعام)

چارہ کا عوض و معاوضہ نہ دینا پڑتا ہو، اور نہ ہی چارہ لا کر کھلانا پڑتا ہو۔

اور اگر ان جانوروں کو قیتا چارہ فراہم کیا جاتا ہو، یا قیتا تو چارہ فراہم نہ کیا جاتا ہو، لیکن ان کو کسی جگہ رکھ کر چارہ وہاں لا کر فراہم کیا جاتا ہو، تو وہ جانور سائمہ نہیں کہلاتے، بلکہ علوفہ کہلاتے ہیں، اور ایسے جانوروں پر سائمہ جانوروں کی حیثیت سے زکاة واجب نہیں ہوتی۔

پس اگر کسی نے مثلاً بہت زیادہ مقدار میں گائے، بھینسیں وغیرہ دودھ حاصل کرنے کے لئے پال رکھی ہیں، جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ باڑے بنا کر رکھتے ہیں، لیکن ان کو چارہ قیتا فراہم کیا جاتا ہے، یا کسی ایک جگہ مثلاً باڑہ میں رکھ کر ان کے لئے چارے کا انتظام کیا جاتا ہے، تو وہ سائمہ جانوروں میں داخل نہیں، البتہ ان کے دودھ سے جو رقم حاصل ہوگی، اس پر حسب قاعدہ زکاة کا حکم ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے بہت سے اونٹ یا گائے، بھینسیں یا بکریاں، بھیڑیں وغیرہ اس لئے پال رکھی ہیں، تاکہ ان کو موٹا تازہ کر کے وقت آنے پر زندہ فروخت کرے، یا ذبح کر کے ان کے گوشت کو فروخت کرے، اور ان کو چارہ قیتا فراہم کیا جاتا ہے، یا کسی ایک جگہ رکھ کر ان کے لئے چارے کا انتظام کیا جاتا ہے، تو وہ بھی سائمہ جانوروں میں داخل نہیں۔

لیکن اگر ان کو زندہ فروخت کرنے یا ذبح کر کے ان کا گوشت فروخت کرنے کی نیت سے خریدا تھا، تو پھر یہ جانور مال تجارت میں داخل ہوں گے، اور مال تجارت کے اصولوں کے مطابق ان کی زکاة فرض ہوگی۔ ۱۔

۱۔ اور شافعیہ کے نزدیک سائمہ جانور بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان جانوروں کا مالک، ان جانوروں کو خود سے عام اور مباح چارہ چرنے کے لئے چھوڑے، اور اگر مالک چارہ چرنے کے لئے نہ چھوڑے، بلکہ وہ خود سے چارہ چر کر کھائیں، تو ان کے نزدیک ایسے جانور زکاة واجب ہونے کے اعتبار سے سائمہ نہیں کہلاتے۔

اشتراط السوم:

المراد بالسوم فی زکاة الماشیة: أن ترعى الماشیة أكثر أيام السنة فی کلاً مباح، سواء أكانت ترعى بنفسها أم برعایر عاها، وهذا ذهب جمهور العلماء من الحنفیة والشافعیة والحنابلة وغيرهم إلى أنه یشرط السوم فی زکاة الماشیة، ومن بین تلك الماشیة البقر، فیشرط فیها السوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جمہور فقہائے کرام کے برعکس مالکیہ کے نزدیک سائمتہ جانوروں کی زکاة واجب ہونے کے لئے مذکورہ شرط کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ ان کے نزدیک جن جانوروں کو خود سے چارہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ایضا، وأما البقر العوامل والمعلوفة فلا زكاة فيها؛ لانتفاء السوم. وقال الإمام مالك: لا يشترط السوم في زكاة البقر، فالبقر العوامل والمعلوفة تجب فيها الزكاة عنده.

استدل الإمام مالك لما ذهب إليه بالإطلاق في الأحاديث الموجبة لزكاة البقر، وهو الذي استقر عليه عمل أهل المدينة، وعمل أهل المدينة أحد أصول المالكية.

واستدل القائلون باشتراط السوم في زكاة الماشية بما روى عن علي رضي الله عنه، قال الراوى أحسبه عن النبي صلى الله عليه وسلم في صدقة البقر قال: وليس في العوامل شيء، وأيضاً بما روى عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس في البقر العوامل شيء وقد حمل الجمهور النصوص المطلقة في البقر على النصوص المقيدة بالسوم الواردة في الإبل والغنم، كما استدلو بقياس البقر على الإبل والغنم في اشتراط السوم وأيضاً فإن صفة النماء معتبرة في الزكاة، فلا توجد إلا في السائمتة، أما البقر العوامل فصفة النماء مفقودة فيها، ومثلها المعلوفة فلا نماء فيها أيضاً؛ لأن علفها يستغرق نماءها، إلا أن بعدها للتجارة، فيزكيها زكاة عروض التجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۸، ۱۶۰، مادة ”بقر“)

السوم: ومعناه أن يكون غذاؤها على الرعى من نبات البر، فلو كانت معلوفة لم تجب فيها الزكاة عند الحنفية والشافعية والحنابلة، لأن في المعلوفة تراكم المثونة، فينعدم النماء من حيث المعنى، واستدلوا لذلك بما في حديث بهز بن حكيم عن أبيه عن جده مرفوعاً: في كل سائمتة إبل في كل أربعين بنت لبون وحديث: في كل خمس من الإبل السائمتة شاة. فدل بمفهومه على أن المعلوفة لا زكاة فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۰، مادة ”زكاة“)

يشترط في وجوب زكاة الماشية السوم عند جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة وأكثر أهل العلم، فتجب الزكاة في السائمتة من الإبل والبقر والغنم، وكذلك الخيل عند أبي حنيفة، لما جاء في صحيح البخارى من حديث أبي بكر: في صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين فيها شاة وروى أبو داود عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في كل سائمتة إبل في أربعين ابنة لبون.

وأما الأنعام المعلوفة فلا زكاة فيها لانتفاء السوم؛ لأن وصف الإبل بالسائمتة يدل مفهومه على أن المعلوفة لا زكاة فيها، وأن ذكر السوم لا بد من فائدة يعتد بها صيانة لكلام الشارع عن اللغو (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۱۶ و ۱۱۷، مادة ”سائمتة“)

والسوم عند الشافعية أن يرسل الأنعام صاحبها للرعى في كلاً مباح في جميع الحول، أو في الغالبية العظمى منه، ولو سامت بنفسها أو بفعل غاصب أو المشتري شراء فاسداً لم تجب الزكاة في

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کھلایا جاتا ہو، ان پر بھی سائمہ ہونے کی حیثیت سے زکاة واجب ہوتی ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۹..... حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سائمہ جانوروں کی زکاة واجب ہونے کے لئے یہ
ضروری نہیں کہ وہ پورے سال خود سے چر کر مباح چارہ کھاتے ہوں، بلکہ سال کے اکثر
(یعنی آدھے سے زیادہ) حصہ میں، اس شرط کا پایا جانا کافی ہے۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأصح لعدم إسامة المالك، وإنما اعتبر قصده دون قصد الاعتلاف؛ لأن السوم يؤثر في وجوب
الزكاة فاعتبر فيه قصده، والاعتلاف يؤثر في سقوطها، فلا يعتبر قصده؛ لأن الأصل عدم وجوبها،
وبذلك يشترط عند الشافعية أن يكون كل السوم من المالك أو من يقوم مقامه، فلا زكاة فيما لو
سامت بنفسها أو أسامها غير المالك، وإن اعتلفت السائمة بنفسها أو علفها الغاصب القدر المؤثر
من العلف فيهما، لم تجب الزكاة في الأصح لعدم السوم، أو كانت عوامل في حرث ونضح ونحوه،
لأنها لا تقتنى للنماء بل للاستعمال، كثياب البدن ومتاع الدار (الموسوعة الفقهية
الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۱۷ و ۱۱۸، مادة "سائمة")

فلو حمل الكلأ إليها في البيت لا تكون سائمة (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۹، كتاب الزكاة، باب
صدقة السوائم)

ثم السائمة هي الراعية التي تكفي بالرعي عن العلف ويمونها ذلك ولا تحتاج إلى أن تعلف، فإن
كانت تسام في بعض السنة وتعلف وتمان في البعض يعتبر فيه الغالب؛ لأن للأكثر حكم الكل.
ألا ترى أن أهل اللغة لا يمتنعون من إطلاق اسم السائمة على ما تعلف زمانا قليلا من السنة؟ ولأن
وجوب الزكاة فيها لحصول معنى النماء وقلة المؤنة؛ لأن عند ذلك يتيسر الأداء فيحصل الأداء
عن طيب نفس وهذا المعنى يحصل إذا أسيمت في أكثر السنة (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۳۰، كتاب
الزكاة، فصل صفة نصاب السائمة)

۱۔ وعند المالكية: لا يشترط السوم في زكاة الأنعام، فأوجبوا الزكاة في المعلوفة من الإبل
والبقرة والغنم، كما أوجبوها في السائمة سواء بسواء، لعموم قوله عليه الصلاة والسلام: إذا بلغت
خمسا من الإبل ففيها شاة .

وقالوا: إن التقيد بالسائمة في الحديث لأنه الغالب على مواشى العرب، فهو لبيان الواقع لا مفهوم
له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۱۶ و ۱۱۷، مادة "سائمة")

۲۔ ثم اختلف القائلون بهذا، فذهب الحنفية والحنابلة إلى أن السائمة هي التي تكفي بالرعي في
أكثر الحول، فلو علفها صاحبها نصف الحول أو أكثر كانت معلوفة ولم تجب زكاتها لأن القليل
تابع للكثير، ولأن أصحاب السوائم لا يجدون بدا من أن يعلفوا سوائمهم في بعض الأوقات كأيام
البرد والثلج .

وذهب الشافعية على الأصح إلى أن التي تجب فيها الزكاة هي التي ترعى كل الحول، وكذا إن

﴿بقية حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱..... سائے جانوروں میں زکاة واجب ہونے کے لئے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک، اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جانور کام کاج کے لئے نہ رکھے گئے ہوں، بلکہ دودھ حاصل کرنے یا موٹا تازہ کر کے قیمتی بنانے یا بچے پیدا کر کے نسل بڑھانے کے لئے رکھے گئے ہوں۔

پس جو جانور نہ تو دودھ حاصل کرنے کے لئے ہوں، اور نہ بچے حاصل کرنے کے لئے ہوں، اور نہ ہی موٹا تازہ کر کے قیمتی بنانے کے لئے ہوں، تو وہ سائے جانور نہیں کہلائیں گے۔ چنانچہ جو جانور مثلاً کھیتی باڑی کرنے (یعنی ہل چلانے یا زمین کو سیراب کرنے) یا گھر کے کام کاج لینے اور بار برداری (یعنی بوجھ اٹھانے) یا ذبح کرنے، یا سواری کرنے یا اون حاصل کرنے یا فروخت کرنے و بیچنے کی غرض سے رکھے گئے ہوں، ان پر سائے جانوروں کی حیثیت سے زکاة واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر تجارت کی نیت سے خرید کر رکھے ہوں، تو پھر تجارت کا مال ہونے کی حیثیت سے ان کی زکاة واجب ہوتی ہے، اور مال تجارت کی زکاة کے احکام اس سے پہلے حصہ میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علفت قدرا قليلا تعيش بدونه بلا ضرر بين تجب فيها الزكاة، فإن علفت أكثر من ذلك فلا زكاة فيها .

وذهب المالكية إلى أن الزكاة تجب في الأنعام غير السائمة كرجوها في السائمة حتى لو كانت معلوفة كل الحول. قالوا: والتقييد في الحديث بالسائمة لأن السوم هو الغالب على مواشى العرب، فهو قيد اتفاقي لبيان الواقع لا مفهوم له. نظيره قوله تعالى: (وربائبكم اللاتي في حجوركم). فإنها تحرم ولو لم تكن في الحجر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۰، مادة "زكاة")

۱۔ اور اگر ان جانوروں سے کوئی خاص مقصد نہیں ہے، اور کوئی متعین نیت نہیں ہے، اور پھر وہ جانور خود سے چارہ چر کر کھائیں، تو حنفیہ کے نزدیک ان پر زکاة واجب نہیں، اور حنابلہ کے اصح قول کے مطابق زکاة واجب ہے۔

الشرط الثاني: أن لا تكون عاملة، فالإبل المعدة للحمل والركوب، والنواضح، وبقر الحوث والسقى لا زكاة فيها ولو كانت سائمة.

هذا مذهب الحنفية، وهو قول الشافعية في الأصح ومذهب الحنابلة، واستدلوا بحديث: ليس في العوامل والحوامل والبقر المشيرة شيء. والحوامل هي المعدة لحمل الأثقال، والبقر المشيرة هي

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مالکیہ کے نزدیک سائمتہ جانوروں میں زکاة واجب ہونے کے لئے مذکورہ شرط نہیں۔ ۱۔
البتہ مالکیہ کے نزدیک ایک شرط یہ ہے کہ اگر اس علاقہ میں اسلامی حکومت کی طرف سے
زکاة کی وصولی کے لئے باقاعدہ عامل (یعنی زکاة وصول کرنے کے لئے خصوصی نمائندہ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقر الحرت التي تثير الأرض، ولحديث: ليس في البقر العوامل شيء (الموسوعة الفقهية
الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۱، مادة "زکاة")

القائلون بوجوب الزكاة في الأنعام السائمة، يختلفون في اعتبار السوم الذي تجب به الزكاة،
فاشترط الحنفية والحنابلة أن ترعى العشب المباح في البراري في أكثر العام بقصد الدر والنسل
والتسمين، فإن أسامها للذبح أو الحمل أو الركوب أو الحرت، فلا زكاة فيها لعدم النماء، وإن
أسامها للتجارة ففيها زكاة التجارة.

وإن أسامها بنفسها بدون أن يقصد مالکها ذلك فلا زكاة فيها عند الحنفية.
وأما عند الحنابلة على الأصح فلا يعتبر للمسوم والعلف نية، فتجب الزكاة في سائمة بنفسها أو
سائمة بفعل غاصبها، كغصبه حبا وزرعه في أرض مالکها ففيه العشر على مالکها، كما لو نبت بلا
زرع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۱۱۷ و ۱۱۸، مادة "سائمة")

والسائمة عند الحنفية والحنابلة: هي التي ترعى العشب المباح في البراري في أكثر العام، بقصد
الدر أو النسل أو التسمين، فإن أسامها (رعاها) للذبح أو الحمل أو الركوب أو الحرت، فلا زكاة
فيها. وإن أسامها للتجارة ففيها زكاة التجارة. ولا يضر العلف اليسير؛ لأن للأكثر حكم الكل. ولو
علفها نصف السنة أو أكثر من نصفها، فلا زكاة فيها أما إن سامت (رعت) بنفسها بدون أن يقصد
مالکها ذلك، فلا زكاة فيها عند الحنفية، وفيها الزكاة عند الحنابلة (الفقه الاسلامي وادلتها
للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۱۶ الى ۱۹۱۸، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث
الخامس، المطلب الخامس - زكاة الحيوان أو الأنعام)

(قوله كما لو أسامها للحمل والركوب) لأنها تصير كثياب البدن وعبيد الخدمة (رد المحتار
ج ۲ ص ۲۷۶، كتاب الزكاة، باب السائمة)

وأما صفة نصاب السائمة فله صفات منها أن يكون معدا للإسامة وهو أن يسميها للدر والنسل لما
ذكرنا أن مال الزكاة هو المال النامي وهو المعد للاستماء، والنماء في الحيوان بالإسامة إذ بها
يحصل النسل فيزداد المال فإن أسيمت للحمل أو الركوب أو اللحم فلا زكاة فيها ولو أسيمت
للبيع والتجارة ففيها زكاة مال التجارة لا زكاة السائمة (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۳۰، كتاب
الزكاة، فصل صفة نصاب السائمة)

۱۔ وذبح المالكية وهو قول آخر للشافعية: إلى أن العمل لا يمنع الزكاة في الماشية لعموم قول
النبي صلى الله عليه وسلم: في كل خمس ذود شاة، ولأن استعمال السائمة زيادة رفق ومنفعة
تحصل للمالك فلا يقتضى ذلك منع الزكاة، بل تأكيد إيجابها (الموسوعة الفقهية
الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۱، مادة "زكاة")

مقرر ہو، تو عامل کا زکاة وصول کرنے کے لئے وہاں پہنچنا شرط ہے، اور اگر وہاں عامل مقرر نہ ہو، تو پھر یہ شرط نہیں، بلکہ سال گزرنا کافی ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... اگر کسی پر قرض و دین ہو، تو وہ قرض و دین حنفیہ کے نزدیک سائمہ جانوروں کی زکاة سے مانع نہیں ہوتا، اور اسی وجہ سے کسی کے ذمہ واجب الاداء دین سائمہ جانوروں کی زکاة ادا کرتے وقت منہا نہیں کیا جاتا۔ ۲۔

۱۔ الشرط الثالث: بلوغ الساعي إن كان هناك ساع، فإن لم يكن هناك ساع فلا يشترط هذا الشرط بل يكتفى بمرور الحول. وهذا الشرط للمالكية خاصة.

وبنوا عليه أنه إذا مات شيء من المواشي أو ضاع بغير تفريط من المالك بعد الحول وقبل مجيء الساعي فلا زكاة فيه، وإنما يزكى الباقي إن كان فيه الزكاة وإلا فلا. ولو مات رب الماشية قبل بلوغ الساعي فلا زكاة، ويستقبل الوارث حولا، ولا تجزئ إن أخرجها قبل وصول الساعي. قالوا: وإن سأل الساعي رب الماشية عن عددها فأخبره بعددها فغاب عنه ثم رجع إليه فوجدتها قد زادت أو نقصت بموت شيء منها - أو بذهبه - فالمعتبر الموجود.

وإن تخلف الساعي عن الوصول مع إمكان وصوله وكان تخلفه لعذر أو لغير عذر فأخرج المالك الزكاة أجزأه وإن لم تجب عليه بمجرد مرور الحول، وإنما يصدق ببينته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۲، مادة "زكاة")

۲۔ البتہ اگر دین ان ہی سائمہ جانوروں میں سے کسی متعین جانور کی شکل میں ہو، تو وہ زکاة سے مانع ہو جاتا ہے، مثلاً کسی شخص کی ملکیت میں چالیس بکریاں ہیں، اور اس نے کسی عورت سے نکاح کر لیا، اور مہر میں ایک متعین بکری طے ہو گئی، تو چونکہ اب یہ بکری اس کے ذمہ اس کی بیوی کے لئے دین ہو گئی، اور اس بکری کے نکالنے کے بعد بکریوں کا نصب باقی نہیں رہتا، اس لئے اس شخص پر ان بکریوں کی زکاة لازم نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ولو كان الحيوان ديناً في الذمة لم يكن سائمه لانه لا يتصور اسامتها في الذمة (فتاوى التتارخانية ج ۲ ص ۲۱۹، كتاب الزكاة)

الأموال التي يمنع الدين زكاتها والتي لا يمنع:

أما الأموال الباطنة وهي النقود وعروض التجارة فإن الجمهور القائلين بأن الدين يمنع الزكاة ذهبوا إلى أن الدين يمنع الزكاة فيها، ولو كان من غير جنسها على ما صرح به المالكية.

وأما الأموال الظاهرة وهي السائمه والحبوب والثمار والمعادن فذهب الجمهور (المالكية والشافعية على قول والحنابلة في الرواية المعتمدة في المذهب) إلى أن الدين لا يمنع وجوب الزكاة فيها، روى عن أحمد أنه قال: لأن المصدق إذا جاء فوجد إبلاً أو بقراً أو غنماً لم يسأل: أي شيء على صاحبها من الدين، وليس المال - يعني الأثمان - هكذا.

﴿بقية حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳..... سائمہ جانوروں کی زکاة کی باقی شرائط تقریباً وہی ہیں، جو سونے، چاندی اور مالی تجارت کی زکاة کے بیان میں گزریں، مثلاً یہ کہ ان جانوروں کا مالک مسلمان ہو (غیر مسلم پر یہ زکاة فرض نہیں)

اور یہ کہ ان جانوروں کا مالک آزاد ہو (شرعی غلام اور باندی پر یہ زکاة فرض نہیں)
اور یہ کہ وہ سائمہ جانور کسی کی شخصی ملکیت میں ہوں (وقف جانوروں پر یہ زکاة فرض نہیں) ۱۔
مسئلہ نمبر ۱۴..... اہل علم حضرات نے سائمہ جانوروں اور تجارت کے جانوروں میں مندرجہ ذیل چیزوں کے اعتبار سے فرق بیان کیا ہے:

(۱)..... سائمہ جانوروں کی جنس متعین ہے، اور وہ تین اجناس ہیں، یعنی اونٹ،

گائے (وبھینس) بکری (ودنبہ، بھیڑ) خواہ زہ ہوں یا مادہ۔

جبکہ تجارت کے جانور یہ اور اس کے علاوہ دوسرے ماکول اللحم (یعنی حلال جانور) اور غیر ماکول اللحم (یعنی حرام جانور) بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً ہرن، کبوتر، مرغی، بطخ، تیز، بٹیر، گھوڑا، گدھا، خچر، شکاری کتا، باز، شکر اور غیرہ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والفرق بین الأموال الظاهرة والباطنة أن تعلق الزكاة بالظاهرة أكد؛ لظهورها وتعلق قلوب الفقهاء بها؛ ولأن الحاجة إلى حفظها أوفر، فتكون الزكاة فيها أكد.

واستثنى الحنابلة على الرواية المشهورة الدين الذي استدانه المذكي للإتفاق على الزرع والسم، فإنه يسقطه لما روى عن ابن عمر: يخرج ما استدان أو أنفق على ثمرته وأهله يزكى ما بقي.

وذهب الحنفية إلى أن الدين يمنع الزكاة في الأموال الباطنة وفي السوائم، أما ما وجب في الخارج من الأرض فلا يمنعه الدين، كما لا يمنع الخراج، وذلك لأن العشر والخراج مؤنة الأرض، ولذا يجبان في الأرض الموقوفة وأرض المكاتب وإن لم تجب فيهما الزكاة.

وذهب الحنابلة في رواية إلى أن الدين يمنع الزكاة في الأموال الظاهرة والباطنة، ونقله ابن قدامة عن الثوري وإسحاق والليث والنخعي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۶، وص ۲۳۷، مادة: زكاة)

۱۔ وأما الشرائط التي ترجع إلى المال فمنها: الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا؛ لأن في الزكاة تمليكا والتملك في غير الملك لا يتصور (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۹، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب السائمة)

(۲)..... سائمہ جانوروں کا سال کے پورے یا اکثر حصہ میں بلا معاوضہ و محنت خود چرنا شرط ہے، جبکہ تجارت کے جانوروں میں یہ شرط نہیں۔

(۳)..... سائمہ جانوروں کی زکاة کا نصاب اور ان کی تعداد متعین ہے، جبکہ تجارت کے جانوروں میں تعداد ضروری نہیں، بلکہ زکاة کے نصاب کی مقدار کے برابر ہونا کافی ہے، خواہ خود اس جانور کی قیمت سے نصاب پورا ہو جائے یا سونا چاندی یا کرنسی یا دوسرے مالی تجارت سے ملا کر زکاة کا نصاب پورا ہو جائے۔

(۴)..... سائمہ جانوروں کو باقی رکھتے ہوئے ان سے دودھ کا حاصل کرنا یا نسل بڑھانا یا جانوروں کو فرو بہ اور موٹا تازہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جبکہ تجارت میں خاص ان کو بیچنا ہی مقصود ہوتا ہے۔

(۵)..... سائمہ جانوروں کو خریدنا ضروری نہیں، بلکہ اپنے پاس موجود جانور کو بھی سائمہ بنایا جاسکتا ہے، جبکہ تجارت کے جانور کو فروخت کی نیت سے خریدنا ضروری ہے، اور اپنے پاس موجود جانور میں نیت تجارت مؤثر و معتبر نہیں ہوتی۔

(۶)..... سائمہ جانوروں کی زکاة میں جانوروں کی جنس ادا کی جاتی ہے، اور جانوروں کی مالیت کا کوئی خاص حصہ (مثلاً اڑھائی فیصد کے لحاظ سے) متعین نہیں، جبکہ تجارت کے جانوروں میں زکاة کی مقدار اڑھائی فیصد متعین ہے۔

(۷)..... سائمہ جانوروں کے نصاب میں سونا چاندی، مال تجارت اور کرنسی کی مالیت کو نہیں ملایا جاتا، جبکہ تجارت کے جانور میں ایسا کیا جاتا ہے (جیسا کہ نمبر ۳ میں گزرا) وغیرہ وغیرہ۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمٌ.

(فصل نمبر ۲)

سائمہ جانوروں کے نصاب کی تفصیل

جن سائمہ جانوروں میں زکاۃ واجب ہے ان کی تین جنسیں ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا، اب ان تینوں جنسوں کے جانوروں کے نصاب کی الگ الگ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)

سائمہ اونٹوں کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل

سائمہ جانوروں میں ایک جنس اونٹوں کی کہلاتی ہے۔

اونٹوں کی زکاۃ واجب ہے، جبکہ وہ سائمہ ہوں، اور نصاب کو بھی پہنچے ہوئے ہوں، نیز وجوب زکاۃ کی دیگر شرائط بھی پائی جاتی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ، فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ، فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ، فَلَمَّا قُبِضَ عَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، وَعُمَرُ حَتَّى قُبِضَ، وَكَانَ فِيهِ: فِي خُمُسٍ مِّنَ الْإِبِلِ شَاةٌ، وَفِي عَشْرِ شَاتَانِ، وَفِي خُمُسٍ عَشْرَةَ ثَلَاثَ شِيَاهِ، وَفِي عَشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهِ، وَفِي خُمُسٍ وَعَشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى خُمُسٍ وَثَلَاثِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَةُ لَبُونٍ إِلَى خُمُسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خُمُسٍ

وَسَبْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حَقَّتَانِ إِلَى عَشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عَشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حَقَّةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ (سنن الترمذی) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ (کے مسائل کی) کتاب لکھی، لیکن ابھی اپنے نمائندوں کو بھیج نہ پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی تلوار کے پاس رکھ دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا، پھر حضرت عمر نے اپنی وفات تک عمل کیا، اس میں یہ تھا کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے، دس (اونٹوں) میں دو بکریاں، پندرہ (اونٹوں) میں تین بکریاں، بیس (اونٹوں) میں چار، اور پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض (یعنی ایک سالہ ایک اونٹنی) پینتیس اونٹوں تک (یہی سلسلہ رہے گا) پھر جب (اونٹوں کی تعداد پینتیس سے) زیادہ ہو جائے، تو پینتالیس (اونٹوں) تک ایک بنتِ لبون (یعنی دو سالہ ایک اونٹنی) پھر جب (اونٹوں کی تعداد پینتالیس سے) زیادہ ہو جائے، تو ساٹھ (اونٹوں) تک ایک حقہ (یعنی تین سالہ ایک اونٹنی) پھر جب (اونٹوں کی تعداد ساٹھ سے) زیادہ ہو جائے، تو پچھتر (اونٹوں) تک ایک جذعہ (یعنی چار سالہ ایک اونٹنی) پھر جب (اونٹوں کی تعداد پچھتر سے) زیادہ ہو جائے، تو نوے (اونٹوں) تک دو بنتِ لبون (یعنی دو سالہ دو اونٹنیاں) پھر جب (اونٹوں

۱۔ رقم الحدیث ۶۲۱، ابواب الزکاۃ، باب ما جاء فی زکاۃ الإبل والغنم.

قال الترمذی: وقال الزهري: إذا جاء المصدق قسم الشاء أثلاثا: ثلث خیار، وثلث أوساط، وثلث شرار، وأخذ المصدق من الوسط، ولم يذكر الزهري البقر، وفي الباب عن أبي بكر الصديق، وبهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده، وأبي ذر، وأنس: .: حديث ابن عمر حديث حسن، والعمل على هذا الحديث عند عامة الفقهاء، وقد روى يونس بن يزيد، وغير واحد، عن الزهري، عن سالم هذا الحديث، ولم يرفعه، وإنما رفعه سفيان بن حسين.

کی تعداد نوے سے) زیادہ ہو جائے، تو ایک سو بیس (اونٹوں) تک دو حقے (یعنی تین سالہ دو اونٹنیاں) پھر جب (اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے) زیادہ ہو جائے، تو ہر پچاس پر ایک حقہ (یعنی تین سالہ ایک اونٹنی) اور چالیس پر ایک بنت لبون (یعنی دو سالہ ایک اونٹنی) (ترمذی)

اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے کہ اگر زکاة میں دیئے جانے والا جانور مادہ میسر نہ ہو، تو اسی عمر کارن جانور بھی اس کے عوض میں زکاة میں دیا جاسکتا ہے۔ ۱۔
احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے سائہ اونٹوں کے نصاب کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ آگے ذکر کی جاتی ہے۔

۱۔ عن سالم بن عبد الله، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أقرأني سالم كتابا كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصدقات قبل أن يتوفاه الله، فوجدت فيه: ففي خمس من الإبل شاة، وفي عشر شاتان، وفي خمس عشرة ثلاث شياه، وفي عشرين أربع شياه، وفي خمس وعشرين بنت مخاض إلى خمس وثلاثين، فإن لم توجد بنت مخاض فابن لبون ذكر، فإن زادت على خمس وثلاثين واحدة، ففيها بنت لبون إلى خمسة وأربعين، فإن زادت على خمس وأربعين واحدة، ففيها حقة إلى ستين، فإن زادت على ستين واحدة، ففيها ابنتا لبون إلى تسعين، فإن زادت على تسعين واحدة ففيها حقتان إلى عشرين ومائة، فإذا كثر ففى كل خمسين حقة، وفي كل أربعين بنت لبون (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۷۹۸، باب صدقة الإبل)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

عن أبي سعيد الخدري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس فيما دون خمس من الإبل صدقة، ولا في الأربع شيء، فإذا بلغت خمسا ففيها شاة إلى أن تبلغ تسعا، فإذا بلغت عشرا ففيها شاتان إلى أن تبلغ أربع عشرة، فإذا بلغت خمس عشرة ففيها ثلاث شياه إلى أن تبلغ تسع عشرة، فإذا بلغت عشرين ففيها أربع شياه إلى أن تبلغ أربعين، فإذا بلغت خمسا وعشرين ففيها بنت مخاض إلى خمس وثلاثين، فإذا لم تكن بنت مخاض فابن لبون ذكر، فإن زادت بعيرا ففيها بنت لبون إلى أن تبلغ خمسا وأربعين، فإن زادت بعيرا ففيها حقة إلى أن تبلغ ستين، فإن زادت بعيرا ففيها جذعة إلى أن تبلغ خمسا وسبعين، فإن زادت بعيرا ففيها بنتا لبون إلى أن تبلغ تسعين، فإن زادت بعيرا ففيها حقتان إلى أن تبلغ عشرين ومائة، ثم في كل خمسين حقة، وفي كل أربعين بنت لبون (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۷۹۹)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى (حاشية ابن ماجه)

پانچ سے کم تعداد کے اونٹوں پر کوئی زکاة فرض نہیں، اور جب اونٹوں کی تعداد پانچ ہو جائے، اور ان میں زکاة فرض ہونے کی دیگر شرائط (مثلاً ان کا سائہ ہونا وغیرہ) بھی پائی جائیں، تو ان پر زکاة ادا کرنا فرض ہوگا، اور یہ اونٹوں کے سائہ نصاب کا ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد اونٹوں میں ایک خاص اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زکاة کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہوگی:

پانچ (5) سے نو (9) تک اونٹوں کی تعداد میں، ایک سالہ ایک بکری یا بکرا زکاة میں واجب ہے۔

اور دس (10) سے چودہ (14) تک کی تعداد میں، ایک سالہ دو بکریاں یا دو بکرے واجب ہیں۔

اور پندرہ (15) سے انیس (19) تک کی تعداد میں، ایک سالہ تین بکریاں یا بکرے واجب ہیں۔

اور بیس (20) سے چوبیس (24) تک کی تعداد میں، ایک سالہ چار بکریاں یا بکرے واجب ہیں۔

اور پچیس (25) سے پینتیس (35) تک کی تعداد میں، ایک سالہ اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں بنتِ مخاض کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور چھتیس (36) سے پینتالیس (45) تک کی تعداد میں، دو سالہ ایک اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں بنتِ لبون کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور چھیالیس (46) سے ساٹھ (60) تک کی تعداد میں، تین سالہ ایک اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں حقہ کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور اسیٹھ (61) سے پچھتر (75) تک کی تعداد میں، چار سالہ ایک اونٹنی (جس کو شریعت کی زبان میں جذعہ کہا جاتا ہے) واجب ہے۔

اور چھ ہتر (76) سے نوے (90) تک کی تعداد میں، دو سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو بنت لبون) واجب ہیں۔

اور اکیانوے سے ایک سو بیس تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) واجب ہیں۔

ملفوظ رہے کہ اونٹوں کی زکاۃ میں ایک سو بیس (120) تک زکاۃ کی شرح (یعنی مقدار) میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے، البتہ ایک سو بیس (120) کی تعداد کے بعد فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل ہے۔

اونٹوں کی ایک سو اکیس (121) سے ایک سو چوبیس (124) تک کی تعداد میں تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) واجب ہیں۔

پھر ایک سو پچیس (125) سے ایک سو اسیس (129) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور ایک بکری واجب ہیں۔

اور ایک سو تیس (130) سے ایک سو چونتیس (134) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور دو بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پینتیس (135) سے ایک سو اسیس (139) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور تین بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو چالیس (140) سے ایک سو چوالیس (144) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور چار بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پینتالیس (145) سے ایک سو اسیس (149) تک کی تعداد میں، تین سالہ دو اونٹنیاں (یعنی دو حقے) اور ایک سالہ ایک اونٹنی (یعنی بنتِ محاض) واجب ہیں۔

اور ایک سو پچاس (150) سے ایک سو چوبیس (154) تک کی تعداد میں، تین سالہ

تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) واجب ہیں۔

اور ایک سو پچپن (155) سے ایک سو انسٹھ (159) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور ایک بکری واجب ہیں۔

اور ایک سو ساٹھ (160) سے ایک سو چونسٹھ (164) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور دو بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پینسٹھ (165) سے ایک سو انہتر (169) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور تین بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو ستر (170) سے ایک سو چوہتر (174) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور چار بکریاں واجب ہیں۔

اور ایک سو پچھتر (175) سے ایک سو پچاسی (185) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور یک سالہ ایک اونٹنی (یعنی بنتِ مخاض) واجب ہیں۔

اور ایک سو چھیاسی (186) سے ایک سو پچانوے (195) تک کی تعداد میں، تین سالہ تین اونٹنیاں (یعنی تین حقے) اور دو سالہ ایک اونٹنی (یعنی ایک بنتِ لبون) واجب ہیں۔

اور ایک سو چھیانوے (196) سے ایک سو ننانوے (199) تک کی تعداد میں، تین سالہ چار اونٹنیاں (یعنی چار حقے) واجب ہیں۔

پھر دو سو (200) سے دو سو چار (204) تک تین سالہ چار اونٹنیاں (یعنی چار حقے) یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں (یعنی پانچ بنتِ لبون) واجب ہیں۔ ۱۔

۱۔ ألا تری أن فی السوائم عند الکثرة وهی ما إذا بلغت مائتین الخیار إلى صاحب المال إن شاء أدى أربع حقائق وإن شاء خمس بنات لبون؟ (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۲۱، کتاب الزکاة، فصل اموال التجارة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے زیادہ تعداد کی زکاۃ معلوم کرنے کے لئے دو سو (200) اونٹوں کی زکاۃ (یعنی تین سالہ چار اونٹیوں یا دو سالہ پانچ اونٹیوں) کے ساتھ اسی ترتیب سے اضافہ کیا جائے گا، جس ترتیب سے ایک سو پچاس (150) سے دو سو (200) تک اضافہ ذکر کیا گیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سو پچاس (150) کے بعد ہر پانچ (5) اونٹوں پر ایک بکری، پھر پچیس (25) سے پینتیس (35) تک ایک سالہ اونٹی، پھر چھتیس (36) سے پینتالیس (45) تک دو سالہ اونٹی، پھر چھیالیس (46) سے پچاس (50) تک تین سالہ اونٹی کا اضافہ کیا جائے گا۔

اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ (5) پر ایک بکری، پچیس (25) پر ایک سالہ اونٹی، چھتیس (36) پر دو سالہ اونٹی، چھیالیس (46) سے پچاس (50) تک تین سالہ اونٹی کا اضافہ کیا جائے گا، وھلم جوا۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن شاء أدى منها أربع حقا من كل خمسين حقة، وإن شاء أدى خمس بنات لبون من كل أربعين بنت لبون (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۲۷، كتاب الزكاة، فصل نصاب البقر)
۱۔ وذهب الحنفية إلى أن الفريضة تستأنف بعد ۱۲۰، ففي كل خمس مما زاد عليها بالإضافة إلى الحقتين، فإن بلغ الزائد ما فيه بنت مخاض أو بنت لبون وجبت إلى أن يبلغ الزائد ما فيه حقة فتجب، ويمثل ذلك الجدول التالي:
عدد الإبل: القدر الواجب:

۱۲۱ - ۱۲۲: حقتان.	۱۲۵ - ۱۲۹: حقتان وشاة.
۱۳۰ - ۱۳۲: حقتان وشاتان.	۱۳۵ - ۱۳۹: حقتان و ۳ شياه.
۱۴۰ - ۱۴۲: حقتان و ۲ شياه.	۱۴۵ - ۱۴۹: حقتان وبنت مخاض.
۱۵۰ - ۱۵۲: ۳ حقا.	۱۵۵ - ۱۵۹: ۳ حقا وشاة.
۱۶۰ - ۱۶۲: ۳ حقا وشاتان.	۱۶۵ - ۱۶۹: ۳ حقا و ۳ شياه.
۱۷۰ - ۱۷۲: ۳ حقا و ۲ شياه.	۱۷۵ - ۱۸۵: ۳ حقا وبنت مخاض.
۱۸۶ - ۱۹۵: ۳ حقا وبنت لبون.	۱۹۶ - ۱۹۹: ۴ حقا.
۲۰۰ - ۲۰۲: ۴ حقا أو ۵ بنات لبون.	۲۰۵ - ۲۰۹: ۴ حقا أو بنات لبون وشاة. وهكذا.

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ کے نزدیک ایک سو بیس (120) اونٹوں کی زکاة کی شرح وہی ہے، جو اوپر حنفیہ کے نزدیک ذکر ہوئی، یعنی ایک سو بیس (120) پر دو حقے (یعنی تین سالہ اونٹیاں) واجب ہوں گے۔ اور ایک سو بیس (120) سے ایک اونٹ بھی زائد ہو جائے، تو شافعیہ کے نزدیک زکاة کی شرح بدل جاتی ہے، اور اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ان کے نزدیک ہر اربعین (یعنی چالیس) پر ایک بنتِ لبون (یعنی دو سالہ اونٹی) اور ہر خمسین (یعنی پچاس) پر ایک حقہ (یعنی تین سالہ اونٹی) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ شوافع کے نزدیک ایک سو اکیس (121) سے ایک سو انتیس (129) تک کی تعداد میں، تین بنتِ لبون (یعنی دو سالہ تین اونٹیاں) واجب ہیں۔ اور ایک سو تیس (130) سے ایک سو انتالیس (139) تک کی تعداد میں ایک حقہ (یعنی تین سالہ اونٹی) اور دو بنتِ لبون (یعنی دو سالہ اونٹیاں) واجب ہیں۔ اور ایک سو چالیس (140) سے ایک سو اچاس (149) تک کی تعداد میں دو حقے (یعنی دو سالہ اونٹیاں) اور ایک بنتِ لبون (یعنی دو سالہ اونٹی) واجب ہیں۔ اور ایک سو پچاس (150) سے ایک سو انسٹھ (159) تک کی تعداد میں تین حقے (یعنی تین سالہ اونٹیاں) واجب ہیں۔ اور ایک سو ساٹھ (160) سے ایک سو اہتر (169) تک کی تعداد میں چار بنتِ لبون (یعنی دو سالہ اونٹیاں) واجب ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ واحتجوا بما فی حدیث قیس بن سعد أنه قال: قلت لأبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم: أخرج لي كتاب الصدقات الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فأخرج كتابا في ورقة وفيه: فإذا زادت الإبل على مائة وعشرين استؤنفت الفريضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۵، مادة "زكاة") (ثم تستأنف أبدا كما بعد مائة وخمسين) كما ورد ذلك في كتاب عمرو بن حزم (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۳۱، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر) (ثم يفعل في كل خمسين) حتى تجب في كل خمسين حقّة (كما فعل في الخمسين التي بعد المائة والخمسين) (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم)

پھر اسی طرح ہر چالیس (40) پر ایک بنت لبون (یعنی دو سالہ اونٹنی) اور ہر پچاس (50) پر ایک حقہ (یعنی تین سالہ اونٹنی) کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ ۱۔

چند متعلقہ مسائل

اب سائنہ اونٹوں کی زکاة سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... جہاں اونٹوں کی زکاة میں بکری واجب ہے، اس میں ایک سال کی عمر لازم ہے، اور مذکر و مؤنث (یعنی نر و مادہ) میں اختیار ہے، چاہے بکری دے یا بکرا۔ ۲
مسئلہ نمبر ۲..... جہاں تین سالہ چار اونٹیاں واجب ہیں، وہاں حنفیہ کے نزدیک اختیار ہے

۱۔ و بناء على هذا الحديث، تؤخذ الزكاة من الإبل حسب الجدول التالي:
عدد الإبل: القدر الواجب:

من ۱ إلى ۳: ليس فيها شيء. من ۵ - ۹: فيها شاة واحدة.

من ۱۰ - ۱۲: فيها شاتان. من ۱۵ - ۱۹: فيها ۳ شياه.

من ۲۰ - ۲۲: فيها ۴ شياه.

من ۲۵ - ۳۵: فيها بنت مخاض (فإن لم يوجد فيها بنت مخاض يجزء ابن لبون ذكر)

من ۳۶ - ۴۵: بنت لبون. من ۴۶ - ۶۰: حقة.

من ۶۱ - ۷۵: فيها جدعة. من ۷۶ - ۹۰: فيها بنتا لبون.

من ۹۱ - ۱۲۰: فيها حقتان. من ۱۲۱ - ۱۲۹: فيها ۳ بنات لبون.

من ۱۳۰ - ۱۳۹: فيها حقة و بنتا لبون. من ۱۴۰ - ۱۴۹: حقتان و بنت لبون.

من ۱۵۰ - ۱۵۹: فيها ۳ حقائق. من ۱۶۰ - ۱۶۹: فيها ۴ بنات لبون.

وهكذا في ما زاد، في كل ۴۰ بنت لبون، وفي كل ۵۰ حقة.

وهذا الجدول جار على مذهب الشافعية، ورواية في مذهب الحنابلة، وهو قول الأوزاعي وإسحاق، وأوله إلى ۱۲۰ مجمع عليه، لتناول حديث أنس له، وعدم الاختلاف في تفسيره.

واختلف فيما بين ۱۲۱ - ۱۲۹ فقال مالك يتخير الساعي بين حقتين وثلاث بنات لبون، وذهب أبو عبيد، وهو الرواية الأخرى عن أحمد إلى أن فيها حقتين، لأن الفرض لا يتغير إلا بمائة وثلاثين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۴، مادة "زكاة")

۲۔ ب - أن الشاة التي تؤخذ في زكاة الإبل إن كانت أنثى (جدعة من الضأن، أو ثنية من المعز فما فوق ذلك) أجزاء بلا نزاع.

وأما الذكر، فيحتمل أن يجزء لصدق اسم الشاة عليه، وهو المعتمد عند المالكية، والأصح عند الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۶، مادة "زكاة")

کہ اُن کی بجائے دو سالہ پانچ اونٹیاں دے دے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۸..... اونٹوں کی زکاة میں مادہ اونٹنی ہی قبول کی جائے گی، نراونٹ قبول نہیں کیا جائے گا، ہاں جس صورت میں بنت لبون (یعنی دو سالہ اونٹنی) دینا لازم ہو، اگر مالک کے پاس مادہ اونٹنی نہ ہو، تو نراونٹ بھی قبول کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس سارے نراونٹ ہی ہیں، مادہ کوئی نہیں، تو اس صورت میں بھی زکاة ادا کرنا کافی ہوگا، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مادہ اونٹنی ہی لازم ہوگی، اگرچہ اس کے پاس نہ ہو۔ ۲۔

مسئلہ نمبر ۹..... اگر زکاة دینے والا چھوٹے یا کم عمر جانور کے بجائے تیرے زیادہ عمر والا جانور بطور زکاة کے ادا کرے، اسی طرح اونٹوں کی زکاة میں، جہاں تین بکریاں لازم ہیں، وہاں بکری کے بجائے اونٹنی دے دے، تو بھی جائز ہے۔

اسی طرح پچیس اونٹوں سے کم میں بکریوں کے بجائے بنتِ مخاض (یعنی ایک سالہ اونٹنی) دے دینا کافی ہے، اس لئے کہ جب پچیس اونٹوں کی طرف سے بنتِ مخاض (یعنی دو سالہ اونٹنی) کافی ہے، تو پچیس سے کم کی طرف سے بطریقِ اولیٰ کافی ہے۔

۱۔ ألا ترى أن في السوائم عند الكثرة وهي ما إذا بلغت مائتين الخيار إلى صاحب المال إن شاء أدى أربع حقائق وإن شاء خمس بنات لبون؟ (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۲۱، کتاب الزکاة، فصل اموال التجارة)

فإن شاء أدى منها أربع حقائق من كل خمسين حقة، وإن شاء أدى خمس بنات لبون من كل أربعين بنت لبون (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۲۷، کتاب الزکاة، فصل نصاب البقر)

۲۔ وفي زکاة الإبل مسائل فرعية منها:

أ- أن الذي يؤخذ في زکاة الإبل الإناث دون الذكور، إلا ابن اللبون إن عدم بنت المخاض كما في الحديث المتقدم، بخلاف البقر فتؤخذ منها الذكور كما يأتي.

فإن كان المال كله ذكورا أجزأ الذكر على الأصح عند الشافعية وهو المقدم عند الحنابلة، وعند المالكية يلزم الوسط ولو انفرد الذكور، والظاهر أنه يريدون ناقة وسطا من السن المطلوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۶، مادة "زکاة")

البتہ حنابلہ کے نزدیک اس طرح زکاة ادا نہیں ہوگی۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۵..... حنفیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ واجب شدہ جانور (مثلاً بنت لبون) کے بجائے کم عمر جانور (مثلاً بنتِ مَخاض) ادا کرے، اور کم عمری کی تلافی قیمت کے ساتھ کر دے، جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ ۲۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱ ج - إن تطوع المزكي فأخرج عما وجب عليه سنا أعلى من السن الواجب جاز، مثل أن يخرج بدل بنت المخاض بنت لبون أو حقة أو جذعة، أو عن بنت اللبون حقة أو جذعة.
قال ابن قدامة: لا تعلم في ذلك خلافاً.
لما في حديث أبي بن كعب أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لمن قدم ناقه عظيمة سمينه عن بنت مخاض: ذاك الذي عليك. فإن تطوعت بخير أجرك الله فيه، وقبلناه منك.
د - إن أخرج بدل الشاة ناقه أجزاء، وكذا عما وجب من الشياه فيما دون خمس وعشرين، لأنه يجزء عن ۲۵، فإجزأه عما دونها أولى.
وهذا مذهب أبي حنيفة والشافعي، وهو الأصح عند المالكية، وذهب الحنابلة إلى أنه لا يجزء، لأنه أخرج عن المنصوص عليه غيره من غير جنسه فلم يجزئه، كما لو أخرج عن أربعين من الغنم بعيراً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۶، مادة "زكاة")
۲ هـ - ذهب الشافعية والحنابلة والنخعي وابن المنذر إلى أن من وجب عليه في إبله سن فلم يكن في إبله ذلك السن فله أن يخرج من السن الذي فوقه مما يؤخذ في زكاة الإبل، ويأخذ من الساعى شاتين أو عشرين درهماً، أو أن يخرج من السن الذي تحته مما يجزء في الزكاة ويعطى الساعى معها شاتين أو عشرين درهماً.
واستدلوا بما في حديث أنس المتقدم بيانه.
وذهب الحنفية إلى أن المزكي إذا لم يكن عنده السن الواجب، أو كان عنده فله أن يدفع قيمة ما وجب، أو يدفع السن الأدون وزيادة الدراهم بقدر النقص، كما لو أدى ثلاث شياه سمان عن أربع وسط، أو بعض بنت لبون عن بنت مخاض، وذلك على أصلهم في جواز إخراج القيمة في الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۶، مادة "زكاة")

(۲)

سائٹہ گائے، بھینس کی زکاة کے نصاب کی تفصیل

گائے، بھینس کی جنس والے جانور، اگر سائٹہ ہوں، تو ان کی زکاة واجب ہونے پر بھی امت کا اتفاق ہے، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ ۱۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَخْذَ مِنَ الْبَقَرِ: مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ، مُسِنَّةً، وَمِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ، تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۱۸۰۳، کتاب الزکاة، باب صدقة البقر) ۲

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا، اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر چالیس گائے میں سے ایک مسنہ (یعنی دو سالہ گائے) لوں، اور اور ہر تیس گائے میں سے تین یا تین (یعنی ایک سالہ بیل یا گائے) وصول کروں (ابن ماجہ)

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

لَمْ يَأْمُرْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيْئًا

(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۰۱۰) ۳

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کے نصاب سے کم (یعنی تیس سے کم گائے ہونے) کی صورت میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا (مسند احمد)

۱۔ زکاة البقر واجبة بالسنة والإجماع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۸، ۱۵۹، مادة "بقر")

۲۔ قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن في المتابعات (حاشية ابن ماجه)

۳۔ فی حاشیة مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي كامل - وهو مظفر بن مدرک - فقد روى له أبو داود في "التفرد" والنسائي، وهو ثقة، وطاوس لم يدرك معاذًا.

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ، تَبِيعُ أَوْ تَبِيعَةٌ، وَفِي أَرْبَعِينَ، مُسِنَّةٌ (سنن ابن ماجہ، رقم الحديث ۱۸۰۳) ۱
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیس گائے میں تبعیع (یعنی ایک سالہ بیل یا گائے) ہے اور چالیس میں مسنہ (یعنی دو سالہ گائے) ہے (ابن ماجہ)

احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے سائمہ گائے، بھینس کے نصاب کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

گائے، بیل، بھینس، بھینسا (ان سب جانوروں) کا کم از کم نصاب تیس (30) ہے، لہذا جب تک یہ جانور تعداد میں تیس (30) سے کم ہوں، ان کی زکاة لازم نہیں ہے۔ ۲
جب یہ جانور تیس (30) ہو جائیں، تو ایک گائے یا بھینس کا نر یا مادہ ایسا بچہ زکاة میں واجب ہے، جو کم از کم ایک سال کا ہو کر دوسرے سال میں لگ گیا ہو۔
تیس (30) کے بعد انتالیس (39) کی تعداد تک اور کچھ واجب نہیں ہے۔

اور جب یہ جانور چالیس (40) پورے ہو جائیں، تو گائے یا بھینس کا نر یا مادہ ایسا بچہ زکاة میں واجب ہے، جو پورے دو برس کا ہو کر تیسرے میں لگ گیا ہو۔

اور انتالیس (41) سے انسٹھ (59) کی تعداد تک اس کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں اور جب یہ جانور ساٹھ (60) کی تعداد کو پہنچ جائیں، تو گائے یا بھینس کے ایسے دو بچے نر یا مادہ واجب

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية ابن ماجه)

۲۔ البتہ حضرت سعید بن مسیب اور امام زہری کے نزدیک پانچ (5) گایوں سے لے کر چوبیس گایوں تک ہر پانچ (5) پر ایک بکری لازم ہوگی، جیسا کہ اونٹوں کے نصاب میں ہوتی ہے۔

وفی ذلک خلاف فی بعض المواضع، منها:

أ - ذهب سعيد بن المسيب والزهري خلافا لسائر الفقهاء، إلى أن في البقر من (۵ - ۲۳) في كل خمس شاة قياسا على زكاة الإبل، لأن البقرة تعدل ناقه في الهدى والأضحية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زكاة")

ہوں گے کہ جن کی عمر ایک سال کی ہو کر دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، کیونکہ ساٹھ (60) جانوروں میں تیس (30) تیس (30) کے دو نصاب ہیں۔

پھر ساٹھ (60) کے بعد چالیس (40) چالیس (40) اور تیس (30) تیس (30) کا حساب کیا جائے گا اور ہر چالیس (40) میں ایک گائے یا بھینس کا ایسا بچہ جو دو سال کا ہو کر، تیسرے سال میں لگ چکا ہو، واجب ہوگا، اور ہر تیس (30) کی تعداد میں گائے یا بھینس کا ایک ایسا بچہ جو ایک سال کا پورا ہو کر، دوسرے سال میں لگ چکا ہو، واجب ہوگا، یعنی ہر دس جانوروں کے بعد واجب بدلتا رہے گا۔

پس ستر (70) میں ایک جانور، دو سال سے زیادہ عمر کا، اور ایک جانور ایک سال سے زیادہ عمر کا واجب ہوگا، کیونکہ اس میں ایک نصاب چالیس (40) کا ہے اور ایک تیس (30) کا ہے۔ اور اسی (80) میں چالیس (40) چالیس (40) کے دو نصاب ہیں، اس لئے دو سال سے زیادہ عمر کے دو جانور واجب ہوں گے۔

اسی اصول کے مطابق نوے (90) میں تین جانور، ایک سال سے زیادہ عمر والے، اور سو (100) میں ایک جانور، دو سال سے زیادہ عمر والے، اور دو جانور ایک سال سے زیادہ عمر والے واجب ہوں گے، کیونکہ نوے (90) میں تیس (30) تیس (30) کے تین نصاب ہیں اور سو (100) میں تیس (30) تیس (30) کے دو اور چالیس (40) کا ایک نصاب ہے۔

اور اگر ایسا ہو کہ ایک سال سے زیادہ عمر کے جانوروں سے بھی حساب ٹھیک رہتا ہو اور دو سال سے زیادہ عمر کے جانوروں سے بھی ٹھیک رہتا ہو، تو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جو بھی چاہے دے دے، مثلاً ایک سو بیس (120) گائے ہوں، تو چاہے تین جانور دو سال سے زیادہ عمر کے دے دے، یا چار جانور ایک سال سے زیادہ عمر کے دے دے، کیونکہ اس میں چالیس (40) چالیس (40) کے تین نصاب اور تیس (30) تیس (30) کے چار نصاب ہیں۔

اسی طرح دو سو چالیس (240) میں آٹھ جانور، ایک سال سے زیادہ عمر کے یا چھ جانور دو

سال سے زیادہ عمر کے دے دے۔ ۱

چند متعلقہ مسائل

اب سائمه گائے، بھینس کی زکاة سے متعلق چند متفرق مسائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... گائے، بھینسوں کے نصاب میں فقہاء کا اتفاق ہے، یعنی تیس (30) سے کم میں زکاة نہیں، اور تیس (30) جانوروں میں ایک ایسا جانور زکاة میں واجب ہے، جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو، البتہ حضرت سعید بن مسیب اور امام زہری کے نزدیک کچھ فرق کے ساتھ گائے کے نصاب کی وہی شرح ہے، جو اونٹوں کی ہے۔ ۲

۱۔ وبناء على الحديثين المذكورين تؤخذ زكاة البقر حسب الجدول التالي:
عدد البقر القدر الواجب:

- ۱- ۲۹: لا شيء فيها.
- ۳۰- ۳۹: تبيع (أو تبعة).
- ۴۰- ۵۹: مسنة.
- ۶۰- ۶۹: تبيعان.
- ۷۰- ۷۹: تبيع ومسنة.
- ۸۰- ۸۹: تبيعان.
- ۹۰- ۹۹: ۳ أتباع.
- ۱۰۰- ۱۰۹: تبيعان ومسنة.
- ۱۱۰- ۱۱۹: تبيع ومستنان.
- ۱۲۰- ۱۲۹: ۳ أتباع أو ۳ مسنات.

وہكذا في كل ثلاثين تبيع أو تبعة، وفي كل أربعين مسنة. وعلى هذا تجرى مذاهب جماهير العلماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۷، مادة ”زكاة“)

۲۔ اشتراط تمام النصاب: أما النصاب فقد اختلف الفقهاء فيه على أقوال، من أشهرها اتجاهان:
الاتجاه الأول: وهو قول علي بن أبي طالب ومعاذ بن جبل وأبي سعيد الخدري رضي الله عنهم وقال به الشعبي وشهر بن حوشب وطاووس وعمر بن عبد العزيز والحسن البصري، ونقله الزهري عن أهل الشام، وبه قال أبو حنيفة ومالك وأحمد بن حنبل والشافعي، قالوا: ليس فيما دون الثلاثين من البقر شيء، فإذا بلغت فيها تبيع أو تبعة، (والتبيع هو الذي له سنتان، أو الذي له سنة وطعن في الثانية، وقيل: ستة أشهر، والتبعة مثله، ثم لا شيء فيها حتى تبلغ أربعين، فإذا بلغت فيها بقرة مسنة. ثم لا شيء فيها حتى تبلغ ستين، ﴿بقيہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴..... سائنہ جانوروں کی زکاة کے نصاب اور زکاة کی شرح کے لحاظ سے گائے اور بھینس (نروادہ) دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اور اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملایا جائے گا، مثلاً بیس گائے ہوں اور دس بھینسیں تو دونوں کو ملا کر تیس کا نصاب پورا کیا جائے گا، مگر بعض فقہاء کے نزدیک زکاة میں وہی جانور دیا جائے گا، جس کی تعداد زیادہ ہو یعنی اگر تعداد میں گائے زیادہ ہوں تو زکاة میں گائے دی جائے گی اور بھینسیں زیادہ ہوں تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا بلغتها ففيها تبيعان أو تبيعتان. ثم لا شيء فيها حتى تبلغ عشرة زائدة، فإذا بلغتها ففي كل ثلاثين من ذلك العدد تبيع أو تبيعة وفي كل أربعين مسن أو مسنة، ففي سبعين تبيع ومسنة، وفي ثمانين مستنان، وفي تسعين ثلاثة أتباع، وفي مائة مسنة وتبيعان، وفي مائة وعشر مستنان وتبيع، وفي مائة وعشرين ثلاث مسنات أو أربعة أتباع، فالملك مخير بين إخراج الأتباع أو المسنات، وإن كان الأولي النظر إلى حاجة الفقراء والأصلح لهم. ثم يتغير الواجب كلما زاد العدد عشرا. واحتج أصحاب هذا القول بما روى عن معاذ رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بعثه إلى اليمن أمره أن يأخذ من كل حالم ديناراً، ومن البقر من كل ثلاثين تبيعا أو تبيعة، ومن كل أربعين مسنة. وروى ابن أبي ليلى والحكم بن عتيبة عن معاذ أنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن الأوقاص: ما بين الثلاثين إلى الأربعين، وما بين الأربعين إلى الخمسين؟ قال: ليس فيها شيء. واحتجوا أيضا بما جاء في كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم: فرائض البقر ليس فيما دون الثلاثين من البقر صدقة، فإذا بلغت ثلاثين ففيها عجل رائع جذع، إلى أن تبلغ أربعين، فإذا بلغت أربعين ففيها بقرة مسنة. إلى أن تبلغ سبعين، فإن فيها بقرة وعجلا جذعا، فإذا بلغت ثمانين ففيها مستنان، ثم على هذا الحساب. هذا، ولتفصيل أحكام ما بين الفريضة في الزكاة - وهو المسمى بالوقص - ينظر مصطلح: (أوقاص) الاتجاه الثاني. قول سعيد بن المسيب والزهرى وأبى قلابه وغيرهم: إن نصاب البقر هو نصاب الإبل، وأنه يؤخذ في زكاة البقر ما يؤخذ من الإبل، دون اعتبار للأسنان التي اشترطت في الإبل، من بنت مخاض وبنت لبون وحقنة وجذعة، وروى هذا عن كتاب عمر بن الخطاب في الزكاة، وعن جابر بن عبد الله رضى الله عنهم، وشيوخ أدوا الصدقات على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وروى أبو عبيد: أن في كتاب عمر بن الخطاب (في الزكاة) أن البقر يؤخذ منها مثل ما يؤخذ من الإبل، قال: وقد سئل عنها غيرهم، فقالوا: فيها ما في الإبل. وقد ذكر ابن حزم بسنده عن الزهرى وقتادة كلاهما عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضى الله عنهما قال: في كل خمس من البقر شاة، وفي عشر شاتان، وفي خمس عشرة ثلاث شياه، وفي عشرين أربع شياه. قال الزهرى: فرائض البقر مثل فرائض الإبل غير أسنان فيها: فإذا كانت البقر خمسا وعشرين ففيها بقرة إلى خمس وسبعين، فإذا زادت على خمس وسبعين ففيها بقرتان إلى مائة وعشرين، فإذا زادت على مائة وعشرين ففي كل أربعين بقرة.

﴿بقية حاشیہ گے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بھینس دی جائے گی، جیسا کہ مثال مذکور میں گائے زیادہ ہیں پس گائے دی جائے گی اور اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے، چاہے جس سے ادا کر دے، لیکن اعلیٰ قسم میں جو جانور کم قیمت کا ہو یا دنیٰ قسم میں جو جانور زیادہ قیمت کا ہو وہ دیا جائے گا۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... گائے، بھینس میں کم سے کم عمر کا جانور جس پر زکاة واجب ہوتی ہے اور جس کا زکاة میں لیا جانا جائز ہے، یہ ہے کہ اس جانور کی ایک سال عمر پوری ہو چکی ہو، اور دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، اس سے کم عمر کا بچہ زکاة میں نہیں دیا جائے گا۔ ۲

مسئلہ نمبر ۹..... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تیج وہ جانور کہلاتا ہے کہ جس کی عمر ایک سال کی ہو چکی ہو، اور وہ دوسرے سال میں لگ گیا ہو، اور مسن وہ جانور کہلاتا ہے کہ جس کی عمر دو سال کی ہو چکی ہو، اور وہ تیسرے سال میں لگ گیا ہو۔ ۳

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الزهری: وبلغنا أن قولهم: في كل ثلاثين تبيع، وفي كل أربعين بقرة، أن ذلك كان تخفيفاً لأهل اليمن، ثم كان بعد ذلك لا يروى.

وروى أيضاً عن عكرمة بن خالد قال: استعملت -أى وليت -على صدقات (عك) فلقيت أسيخاً ممن صدق (أخذت منهم الصدقة) على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فاختلفوا على: فمنهم من قال اجعلها مثل صدقة الإبل، ومنهم من قال: في ثلاثين تبيع، ومنهم من قال: في أربعين بقرة مسنة. وذكر ابن حزم أيضاً بسنده عن ابن المسيب وأبى قلابة وآخرين مثل ما نقل عن الزهرى، ونقل عن عمر بن عبد الرحمن بن خلدة الأنصاري: أن صدقة البقر صدقة الإبل، غير أنه لا أسنان فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۸، ۱۶۱ تا ۱۶۳، مادة "بقر")

۱ (قوله والجاموس) هو نوع من البقر كما في المغرب، فهو مثل البقر في الزكاة والأضحية والربا، ويكمل به نصاب البقر، وتؤخذ الزكاة من أغلبها، وعند الاستواء يؤخذ أعلى الأدنى وأدنى الأعلى نهر (ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۸۰، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

۲ (وفيها تبيع) لأنه يتبع أمه (ذو سنة) كاملة (الدر المختار مع ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۸۰، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

۳ جبکہ مالکیہ کے نزدیک تیج وہ جانور ہے کہ جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں، اور تیسرے سال میں لگ گیا ہو، اور مسن وہ ہے کہ جس کے تین سال پورے ہو چکے ہوں، اور چوتھے سال میں لگ چکا ہو۔

ج - ومنہا فی الأسنان، فالتبیع عند الجمهور ما تم له سنة وطعن في الثانية، والمسنة ما تم لها سنتان وطعنت في الثالثة، وعند المالكية التبيع ما تم له سنتان ودخل في الثالثة، والمسنة ما تم لها ثلاث سنين ودخلت في الرابعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۵..... گایوں کی زکاة میں اگر تیج (یعنی ایک سال کی عمر سے زیادہ کا جانور) ادا کیا جائے، تو اس میں نروصول کرنا بھی بالاتفاق درست ہے، اور مسن (یعنی دو سال پورا ہو کر تیسرے سال میں لگا ہوا جانور) ادا کیا جائے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک نر جانور لینا درست ہے۔

جبکہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک مسن (یعنی دو سال سے زیادہ عمر والے جانور) میں مادہ وصول کرنا ہی ضروری ہے، نروصول کرنا درست نہیں۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۶..... جمہور فقہاء کے نزدیک اکتالیس (41) گایوں سے لے کر انسٹھ (59) گایوں تک ایک مسنہ (یعنی دو سال کی عمر پورا ہو کر تیسرے سال میں لگے ہوئے جانور) کے علاوہ کچھ واجب نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کی ظاہر الروایت یہ ہے کہ چالیس گایوں سے زیادہ گایوں میں اسی حساب سے زکاة ادا کرنی ہوگی، مثلاً چالیس پر ایک گائے زیادہ ہو جائے، تو مسنہ (یعنی دو سال کی عمر کے جانور) کے ساتھ اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ بھی دینا ہوگا، اور چالیس پر دو زیادہ ہو جائیں، تو مسنہ (یعنی دو سال کی عمر کے جانور) کے ساتھ اس کی قیمت کا بیسواں حصہ بھی دینا ہوگا۔ ۲۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ ب - ومنها: أخذ الذكر في زكاة البقر: أما التبيع الذكر فيؤخذ اتفاقاً، فهو بمنزلة التبيعة، للنص عليه في حديث أنس، وأما المسن الذكر فمذهب الحنفية أنه يجوز أخذه. ومذهب المالكية والشافعية والحنابلة لا يؤخذ إلا المسنة الأنثى لأن النص ورد فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زكاة")

۲۔ د - ومنها أن الوقص الذي من (۵۹ — ۴۱) لا شيء فيه عند الجمهور، وهو رواية عن أبي حنيفة وقول الصاحبين، وهو المختار عند الحنفية لظاهر ما تقدم من الحديث. وذهب أبو حنيفة في ظاهر الرواية إلى أن ما زاد على الأربعين ليس عقراً، بل يجب فيه بحسابه، ففي الواحدة الزائدة عن الأربعين ربع عشر مسنة، وفي الثنتين نصف عشر مسنة، وهكذا، وإنما قال هذا فراراً من جعل الوقص وهو مخالف لجميع أوقاص زكاة البقر، فإن جميع أوقاصها تسعة تسعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زكاة")

(۳)

سائمہ بکری و بھیڑ کی زکاة کے نصاب کی تفصیل

جن سائمہ جانوروں میں زکاة کا حکم ہے، ان میں ایک جانور بکری کہلاتا ہے، جس کے ضمن میں بھیڑ اور دنبہ بھی داخل ہے۔ ۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَفِي الشَّاءِ: فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ فَشَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ، فَإِذَا زَادَتْ فَثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ شَاةً، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ شَاةٍ فِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةً شَاةً، ثُمَّ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعَ مِائَةٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَا جَعَانِ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَيْبٍ (سنن الترمذی) ۲

۱ زکاة الغنم واجبة بالسنة والإجماع . أما السنة فما رواه أنس رضي الله عنه أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين : هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين، والتي أمر الله بها رسوله، فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها، ومن سئل فوقها فلا يعط . . . وفي صدقة الغنم في سائمها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة، فإذا زادت على عشرين ومائة إلى مائتين شاتان، فإذا زادت على مائتين إلى ثلاثمائة ففيها ثلاث، فإذا زادت على ثلاثمائة ففي كل مائة شاة، فإذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها .

وأجمع العلماء على وجوب الزكاة فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص ۲۹۹، مادة "غنم")

۲ رقم الحديث ۶۲۱، أبواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الإبل والغنم . قال الترمذی: وقال الزهري : إذا جاء المصدق قسم الشاء أثلثا: ثلث خيار، وثلث أوساط، وثلث شرار، وأخذ المصدق من الوسط، ولم يذكر الزهري البقر، وفي الباب عن أبي بكر الصديق، وبهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده، وأبي ذر، وأنس .: حديث ابن عمر حديث حسن، والعمل على هذا الحديث عند عامة الفقهاء، وقد روى يونس بن يزيد، وغير واحد، عن الزهري، عن سالم هذا الحديث، ولم يرفعه، وإنما رفعه سفيان بن حسين.

ترجمہ: اور بکریوں (کی زکاة) میں (زکاة کے نصاب و مقدار کی تفصیل یہ ہے کہ) چالیس (40) بکریوں میں ایک سو بیس (120) تک ایک بکری بطور زکاة واجب ہے، پھر جب (بکریوں کی) تعداد (ایک سو بیس 120 سے) زیادہ ہو جائے، تو (بکریوں کی تعداد) تین سو (300) ہونے تک تین بکریاں بطور زکاة واجب ہوں گی، پھر جب (بکریوں کی تعداد) تین سو (300 بکریوں) سے بڑھ جائے، تو ہر سو (100 بکریوں) میں ایک بکری بطور زکاة واجب ہوگی، پھر تعداد زیادہ ہونے پر (کوئی چیز بطور زکاة لازم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ) (بکریوں کی) تعداد چار سو (400) ہو جائے، اور زکاة (واجب ہونے یا نہ ہونے یا زیادہ واجب ہونے یا کم واجب ہونے) کے ڈر سے الگ الگ (اشخاص کے) جانوروں کو ایک (شخص کے جانور) قرار نہیں دیا جائے گا، اور نہ ہی اکٹھے (یعنی ایک شخص کے مملوکہ) جانوروں کو الگ الگ (اشخاص کی ملکیت) قرار دیا جائے گا (ترمذی)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ اے

۱۔ عن سالم بن عبد الله، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقرأني سالم كتابا كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصدقات، قبل أن يتوفاه الله، فوجدت فيه: في أربعين شاة إلى عشرين ومائة، فإذا زادت واحدة، ففيها شاتان إلى مائتين، فإن زادت واحدة، ففيها ثلاث شياه إلى ثلاثمائة، فإذا كثرت، ففي كل مائة شاة، ووجدت فيه: لا يجمع بين متفرق، ولا يفرق بين مجتمع (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۸۰۵، باب صدقة الغنم)

فی حاشیہ سنن ابن ماجه: صحیح لغيره.

أن أنسا، حدثه: أن أبا بكر رضى الله عنه، كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين: بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين، والتي أمر الله بها رسوله، فمن سئلها من المسلمين على وجهها، فليعطها ومن سئل فوقها فلا يعط في أربع وعشرين من الإبل، فما دونها من الغنم من كل خمس شاة إذا بلغت خمسا وعشرين إلى خمس وثلاثين، ففيها بنت مخاض أنثى، فإذا

﴿بقيہ حاشیا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے سائمہ بکری، بھیڑ اور دنبہ کے نصاب کے بارے میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

بکریوں، بھیڑوں اور دنبوں کا کم از کم نصاب چالیس (40) ہے، چالیس (40) سے کم تعداد میں زکاة واجب نہیں ہے۔

اور جب تعداد میں چالیس (40) ہو جائیں اور ان پر سال پورا ہو جائے تو ایک بکری یا دنبہ یا بھیڑ واجب ہوگی۔

ایک سو بیس (120) تک یہی حکم ہے کہ صرف ایک بکری یا دنبہ یا بھیڑ واجب ہوگی اور اس کے علاوہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

پھر جب ایک سو اکیس (121) بکریاں ہو جائیں تو دو بکریاں یا دو دنبے یا دو بھیڑیں واجب ہوں گی، اور دو سو (200) کی تعداد تک یہی حکم رہے گا۔

اور جب بکریوں کی تعداد دو سو ایک (201) ہو جائے، تو تین بکریاں یا تین دنبے یا تین بھیڑیں واجب ہوں گی۔

پھر تین سو ننانوے (399) کی تعداد تک یہی حکم رہے گا اور جب چار سو (400) بکریاں پوری ہو جائیں تو چار بکریاں یا چار دنبے یا چار بھیڑیں واجب ہوں گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بلغت ستا وثلاثين إلى خمس وأربعين ففيها بنت لبون أنثى، فإذا بلغت ستا وأربعين إلى ستين ففيها حقة طروقة الجمل، فإذا بلغت واحدة وستين إلى خمس وسبعين، ففيها جذعة فإذا بلغت يعني ستا وسبعين إلى تسعين، ففيها بنتا لبون فإذا بلغت إحدى وتسعين إلى عشرين ومائة، ففيها حقتان طروقتا الجمل، فإذا زادت على عشرين ومائة، ففي كل أربعين بنت لبون وفي كل خمسين حقة، ومن لم يكن معه إلا أربع من الإبل، فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها، فإذا بلغت خمسا من الإبل، ففيها شاة وفي صدقة الغنم في سائماتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة، فإذا زادت على عشرين ومائة إلى مائتين شاتان، فإذا زادت على مائتين إلى ثلاث مائة، ففيها ثلاث شياه، فإذا زادت على ثلاث مائة، ففي كل مائة شاة، فإذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة، فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها وفي الرقة ربع العشر، فإن لم تكن إلا تسعين ومائة، فليس فيها شيء إلا أن يشاء ربها (بخاری، رقم الحديث ۱۳۵۳، باب زکاة الغنم)

اس کے بعد ہر سینکڑہ (یعنی سو کے عدد) پر مزید ایک بکری یا یا دنبہ یا بھیڑ واجب ہوگی، خواہ کتنی ہی ہو جائیں یہی حساب رہے گا اور سو (100) سے نیچے کی زیادتی میں کچھ واجب نہیں ہوگا۔ ۱۔

چند متعلقہ مسائل

اب بکری و بھیڑ وغیرہ کی زکاة سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بکریوں کی زکاة میں زکرا دینا بھی درست ہے، اور مادہ بکری دینا بھی درست ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف مادہ بکریاں ہی ہوں، یا نر و مادہ ملی جلی ہوں، تو مادہ ہی زکاة کے طور پر دینا ضروری ہے، اور یہی مسلک حنابلہ کا بھی ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۲..... بکریوں کی زکاة میں جو جانور (بکری یا بکرا) وصول کرنا ضروری ہے، اس کی عمر کم از کم سال کی پوری ہونا ضروری ہے، پس سال بھر کی بکری یا بکرے سے زکاة بالاتفاق

۱۔ زکاة الغنم واجبة بالسنة والإجماع، فمما ورد فيها حديث أنس المتقدم ذكره في زكاة الإبل . وبناء على الحديث المذكور تؤخذ زكاة الغنم طبقا للجدول التالي:
عدد الغنم، القدر الواجب:

۱۔ ۳۹ : لا شيء فيها.	۳۰ - ۱۲۰ : شاة.
۱۲۱ - ۲۰۰ : شاتان.	۲۰۱ - ۳۹۹ : ۳ شياه.
۴۰۰ - ۴۹۹ : ۴ شياه.	۵۰۰ - ۵۹۹ : ۵ شياه.

وهكذا ما زاد عن ذلك في كل مائة شاة شاة مهما كان قدر الزائد .
وعلى هذا تجرى مذاهب جمهور الفقهاء ، وأول هذا الجدول وآخره مجمع عليه .
واختلف فيه فيما بين (۳۰۰ - ۳۹۹) فقد ذهب النخعي وأبو بكر من الحنابلة إلى أن فيه أربع شياه لا ثلاثة، ثم لا يتغير القدر الواجب إلى (۵۰۰) فيكون فيها خمس شياه كقول الجمهور، واستدل هؤلاء بأن النبي صلى الله عليه وسلم في حديث أنس المتقدم جعل الثلاثمائة حدا لما تجب فيه الشياه الثلاثة فوجب أن يتغير القرض عندها فيجب أربعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زكاة")

۱۔ وفي زكاة الغنم مسائل خاصة بها.
أ - منها أن الشاة تصدق على الذكر والأنثى ومن هنا ذهب الحنفية والمالكية إلى جواز إخراج الذكر في زكاة الغنم، ولأن الشاة إذا أمر بها مطلقا أجزأ فيها الذكر كالأضحية والهدى .
وذهب الشافعية إلى أن الغنم إن كانت إناثا كلها أو كان فيها ذكور وإناث فيجب إخراج الإناث .
وذهب الحنابلة كذلك إلى أنه لا يجوز إخراج الذكر في صدقة الغنم إذا كان في النصاب شيء من الإناث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۸، مادة "زكاة")

ادا ہو جاتی ہے، اور اگر سال سے کم عمر کا جانور ادا کیا جائے، تو اس سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکاة ادا نہیں ہوتی، خواہ وہ بکری ہو یا بھیڑ یا دنبہ۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جذعہ یعنی وہ جانور جس کی عمر چھ ماہ مکمل ہو چکی ہو، اگر بھیڑ یا دنبہ کی جنس سے ہے، تو اس کے دینے سے بھی بکریوں کی زکاة ادا ہو جائے گی۔

اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... نصاب پورا کرنے کے لئے بکریاں (نروادہ) اور بھیڑ و دنبہ (نروادہ) ان سب کا ایک ہی حکم ہے کہ ایک کو دوسرے میں ملا کر نصاب کو پورا کریں گے اور مجموعہ پر زکاة لی جائے گی، مثلاً کسی کے پاس چالیس بکریاں اور چالیس بھیڑیں یا دنبے ہیں، تو اس کو دو نصاب نہیں کہیں گے اور دو جانور واجب نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے مجموعہ یعنی اسی (80) پر ایک بکری یا بھیڑ یا دنبہ واجب ہوگا، لیکن اگر بکری دے گا تو ادنیٰ درجہ کی دینا بھی جائز ہے اور بھیڑ یا دنبہ دے گا، تو اعلیٰ درجہ کی دے گا، اور اگر جانوروں میں صرف بکریاں (نروادہ)

۱۔ اور مالکیہ کے نزدیک جذعہ کے دینے سے زکاة ادا ہو جائے گی، خواہ وہ بھیڑ، دنبہ کی جنس سے ہو یا بکری کی جنس سے، لیکن مالکیہ کے نزدیک جذعہ کی عمر میں اختلاف ہے، اور کئی اقوال ہیں، بعض کا قول یہ ہے کہ جذعہ کم از کم ایک سال کا ہوتا ہے، بعض کا قول ہے کہ دس ماہ کا ہوتا ہے، اور ایک قول آٹھ ماہ کا اور ایک قول چھ ماہ کا ہے۔

ب۔ الذی یؤخذ فی صدقة الغنم هو النبیة، والنسی فی اصطلاح الفقهاء - خلافا لما عند أهل اللغة - ما تم له سنة فما زاد، فتجزء اتفاقاً، فإن كانت أقل من ذلك لم تجزء سواء كانت من الضأن أو المعز، وهذا قول أبی حنیفة، واحتج له بأن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال للساعی: اعتد علیہم بالسخلۃ ولا تأخذہا منهم.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الجذعة - وهي ما تم لها ستة أشهر - إن كانت من الضأن - لا من المعز - تجزء فی الزکاة، وقال الصحابان: یجزء الجذع من الضأن سواء كان الجذع ذکراً أو أنثی، وهو رواية عن أبی حنیفة، واختلفوا فی سن الجذع نحواً من اختلاف أصحاب مالک فیہ، وقال مالک: تجزء الجذعة سواء أكانت من الضأن أو المعز، لكن اختلف أصحاب مالک فی سن الجذع، فقال بعضهم: أدناه سنة، وقيل: عشرة أشهر، وقيل: ثمانية، وقيل: ستة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زکاة")

ہیں تو بکریوں سے زکاة لی جائے گی، بھیڑ یا دنبہ نہیں لیا جائے گا اور بھیڑیں اور دنبے (نروادہ) ہیں، تو انہی میں سے زکاة لی جائے گی، بکری نہیں لی جائے گی۔

اور اگر بکریاں، دنبے اور بھیڑ وغیرہ مخلوط ہوں، تو جو تعداد میں زیادہ ہیں زکاة میں بھی وہی لی جائے گی اور اگر تعداد میں برابر ہوں تو اختیار ہے، چاہے جس میں سے زکاة ادا کر دے، لیکن اعلیٰ قسم میں سے ادنیٰ قیمت کا اور ادنیٰ قسم میں سے اعلیٰ قیمت کا جانور دینے کا حکم ہوگا، جیسا کہ گائے کی زکاة میں مسئلہ نمبر ۲ کے تحت ذکر کیا گیا۔ ۱

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ ضم انواع الأجناس إلى بعضها:

لا خلاف بين أهل العلم في ضم أنواع الأجناس، بعضها إلى بعض في إيجاب الزكاة، فيضم المعز إلى الضأن، والجواميس إلى البقر، والْبَيْتُخْت من الإبل إلى العرَاب.

ويخرج المزكى عند الجمهور الزكاة من أى الأنواع أحب، سواء دعت الحاجة إلى ذلك: بأن يكون الواجب واحداً، أو لا يكون أحد النوعين موجباً لواحد، أو لم تدع الحاجة: بأن يكون كل واحد من النوعين يجب فيه فريضة كاملة؛ لأنهما نوعاً جنس واحد، من الماشية، فجاز الإخراج من أيهما شاء. فإن كانت عشرين ضأناً، وعشرين معزاً، أخذ من أحدهما ما يكون قيمته نصف شاة ضأن ونصف معز.

وقال الشافعية: إن اتحد نوع الماشية أخذ الفرض منه، كأن كانت إبله كلها من صفة واحدة أو بقرة كلها جواميس، ويجوز في الأصح أخذ ضأن عن معز أو عكسه بشرط رعاية القيمة. وإن اختلف النوع كضأن ومعز، فالأظهر أن يخرج المالك ما شاء من النوعين، مقسماً عليهما بالقيمة، فإذا وجد ثلاثون عنزاً وعشر نعجات من الضأن، أخذ الساعى عنزاً، أو نعجة بقيمة ثلاثة أرباع عنز ورُبْع نعجة، وفي عنز بقيمة ثلاثة أرباع نعجة وربع عنز.

وبه يكون الشافعية في الحقيقة كباقي المذاهب إلا في مراعاة فرق القيمة بين المعز والضأن (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳، ص ۱۹۳۹، كتاب الزكاة، الباب الرابع، الفصل الاول المبحث الخامس، المطلب الخامس - زكاة الحيوان أو الأنعام)

(فصل نمبر ۳)

سامئہ جانوروں کی زکاة کے چند متفرق مسائل

اب سامئہ جانوروں کی زکاة سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔
مسئلہ نمبر ۱..... جو جانور ایک شخص کی ملکیت ہیں، اُن کی زکاة سے بچنے کی خاطر جدا جدا شمار نہیں کریں گے، مثلاً اگر کسی شخص کے پاس چالیس (40) بکریاں ہیں تو ان کا حساب جدا جدا نصاب بنا کر اس طرح نہیں کریں گے کہ اگر یہ دو آدمیوں کے پاس بیس بیس کی تعداد میں ہوتیں، تو کسی پر بھی زکاة واجب نہ ہوتی، لہذا وہ اپنے آپ کو زکاة واجب ہونے سے بچالے، کیونکہ جب چالیس کی چالیس کا مالک ایک ہے، تو چالیس (40) بکریوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... جو جانور الگ الگ مالکوں کی ملکیت ہوں، مگر ایک ساتھ چرتے اور رہتے ہوں، تو ان دونوں کے جانوروں کو جمع کر کے ایک نصاب نہیں بنائیں گے، مثلاً اگر چالیس بکریاں ایک شخص کی ملکیت ہوں، اور چالیس بکریاں دوسرے شخص کی ملکیت ہوں، تو یہ نہیں کہیں گے کہ اگر یہ جانور (مثلاً اسی بکریاں) ایک شخص کے پاس ہوتے، تو ایک جانور (مثلاً ایک بکری) واجب ہوتا، لہذا ان دونوں سے بھی ایک ہی جانور (یا بکری) لے لی جائے، بلکہ دونوں شخصوں کے الگ الگ نصاب پر ایک ایک جانور (یا بکری) واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر چالیس بکریاں دو آدمیوں کی ملکیت ہیں، تو کسی پر بھی زکاة واجب نہیں کی

۱۔ ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز لأرباب الأموال من أهل الزكاة، أن يفرقوا أموالهم المختلطة، التي وجب فيها باجتماعها فرض الزكاة، ليسقط عنها الفرض، أو ليقبل الواجب. كأن يكون لهما أربعون شاة مختلطة خلطة اشتراك، أو خلطة جوار فيفرقاها قبل نهاية الحول ليسقط عنها الفرض بالفرقة، ولا يجوز لأرباب الأموال أن يجمعوا أموالهم المتفرقة ليقبل الواجب وكذا الساعي لا يجوز له أن يجمع المتفرق خشية سقوط الصدقة أو قلتها لحديث لا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۳ ص ۸۶، مادة "تفريق")

جائے گی، کیونکہ کسی ایک آدمی کی ملکیت میں چالیس بکریاں نہیں ہیں۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۳۸..... اگر سائتمہ جانور دو افراد کے درمیان مشترک ہوں، تو جب تک ہر شریک کا حصہ نصاب تک نہ پہنچ جائے، اس وقت تک کسی فرد پر زکاة فرض نہیں ہوتی۔ ۲۔

۱۔ وذهب الحنفية إلى أن الخلطة لا أثر لها في القدر الواجب، ولا في النصاب في الزكاة، فلو كانت سائمة مشتركة بين اثنين أو أكثر لا تجب الزكاة على واحد منهم إلا أن يبلغ نصيب كل شريك نصاباً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶ ص ۸۶، مادة "جنس")
ومن ملك ثمانين شاة فليس للساعي أن يجعلها نصابين بأن يفرقها في مكانين. قال: "فمعنى لا يفرق بين مجتمع"، أن لا يفرق الساعي بين الثمانين أو المائة والعشرين فيجعلها نصابين أو ثلاثة. ومعنى "ولا يجمع بين متفرق" لا يجمع الأربعين المتفرقة في الملك بأن تكون مشتركة ليجمعها نصاباً، والحال أن لكل منهما عشرين. قال: "وتراجعهما بالسوية" أن يرجع كل واحد من الشريكين على شريكه بحصة ما أخذ منه.

واحتجوا أيضا بقول النبي صلى الله عليه وسلم إذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة قال الكاساني: نفى الحديث وجوب الزكاة في أقل من أربعين مطلقاً عن حال الشركة والانفراد. فدل أن كمال النصاب في حق كل واحد منهما شرط الوجوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۹ ص ۲۲۶، ۲۲۷، مادة "خلطة")

۲۔ الذي يكلف بالزكاة هو الشخص المسلم بالنسبة لماله، فإن كان ما يملكه نصاباً وحال عليه الحول وتمت الشروط ففيه الزكاة، فإن كان المال شركة بينه وبين غيره، وكان المال نصاباً فأكثر فلا زكاة على أحد من الشركاء عند الجمهور، وهو قول عند الشافعية حتى يكون نصيبه نصاباً، ولا يستثنى من ذلك عند الحنفية شيء، ويستثنى عند الجمهور - ومنهم الشافعية - السائمة المشتركة فإنها تعامل معاملة مال رجل واحد في القدر الواجب وفي النصاب عند غير المالكية، وكذا السائمة المختلطة - أي التي يتميز حق كل من الخليطين فيها لكنها تشتبك في المرعى ونحوه من المرافق - وذهب الشافعية على الأظهر إلى أن المال المشترك والمال المختلط تعامل معاملة مال رجل واحد في النصاب والقدر الواجب، وهو رواية أخرى عند الحنابلة رجح العمل بها بعضهم كابن عقيل والآجری واحتجوا بعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا يفرق بين مجتمع ولا يجمع بين متفرق خشية الصدقة ولمعرفة تفصيل القول في ذلك والخلاف فيه ينظر مصطلح (خلطة). هذا إذا كان المال في بلد واحد، أما إن كان مال الرجل مفرقا بين بلدين أو أكثر، فإن كان من غير المواشي فلا أثر لتفرقه، بل يزيكى زكاة مال واحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۵، مادة "زكاة")

قال: (ولا في السائمة المشتركة إلا أن يبلغ نصيب كل شريك نصاباً) لقوله -عليه الصلاة والسلام-: إذا انتقص شياه الرجل من أربعين فلا شيء عليها ولأنه إنما تجب باعتبار الغنى ولا غنى إلا بالملك، فإنه لا يعد غنياً بملك شريكه، ويستوى في ذلك شركة الأملاك والعقود، فلو كان بينه وبين آخر خمس من الإبل أو أربعون شاة فلا شيء على واحد منهما، ولو كان بينهما عشر من الإبل أو ثمانون شاة فعلى كل واحد منهما شاة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم)

اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ دونوں افراد کی ملکیت میں نصاب کے بقدر جانور نہ ہوتے ہوں، اور اگر ان میں سے کسی ایک فرد کے مملوکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں، تو اس فرد پر زکاة واجب ہوگی، اور اگر دونوں افراد کے مملوکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں، تو دونوں پر زکاة واجب ہوگی۔ ۱

مسئلہ نمبر ۴..... جن سائنہ جانوروں میں زکاة واجب ہے اگر ان کے صرف بچے ہوں، مثلاً تمام جانور ایک سال سے کم عمر کے ہوں، اور ان بچوں کے ساتھ بڑا جانور ایک بھی نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق ان بچوں میں زکاة واجب نہیں ہے۔ ۲

اور اگر ان بچوں کے ساتھ ایک جانور بھی پوری عمر کا ہوگا تو یہ سب بچے نصاب پورا ہونے میں اس کے تابع ہو جائیں گے اور ان سب کی تعداد ملا کر نصاب پورا ہونے پر زکاة واجب ہو جائے گی، مگر زکاة میں بچے نہیں دیئے جائیں گے، بلکہ پوری عمر کا جانور دیا جائے گا، مثلاً کسی کے پاس بکریوں کے انتالیس بچے ایک سال سے کم عمر کے ہیں، اور ایک بکری ایک سال یا اس سے اوپر کی ہے، تو ان میں زکاة واجب ہوگی، پس اگر وہ ایک سال سے زیادہ عمر کی بکری اوسط درجہ کی ہے، تو زکاة میں وہی لی جائے گی اور اگر اعلیٰ درجہ کی ہے، تو صاحب مال

۱۔ وإن كان من المواشى وكان بين البلدين مسافة قصر فأكثر فكذلك عند الجمهور، وهو رواية عن أحمد رجحها صاحب المغنى. والمعتمد عند الحنابلة أن كل مال منها يزكى منفردا عما سواه، فإن كان كلا المالين نصابا زكاهما كنصابين، وإن كان أحدهما نصابا والآخر أقل من نصاب زكى ماتم نصابا دون الآخر. قال ابن المنذر: لا أعلم هذا القول عن غير أحمد. واحتج من ذهب إلى هذا بأنه لما أثر اجتماع مال الجماعة حال الخلطة في مرافق الملك ومقاصده على أتم الوجوه حتى جعله كمال واحد وجب تأثير الافتراق الفاحش في المال الواحد حتى يجعله كمالين. واحتج أحمد بقول النبي صلى الله عليه وسلم: ولا يجمع بين متفرق ولأن كل مال تخرج زكاته ببلده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۳۵، مادة "زکاة")

هذا إذا كانت مشتركة بالنصف، فلو تفاوتت وبلغت حصة أحدهما نصابا وجبت عليه (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۰۲، كتاب الزکاة، فصل في زکاة الخيل)

۲۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی زکاة واجب ہے، جو انہی بچوں میں سے ایک کے دینے سے ادا ہو جائے گی۔

اوسط درجہ کی بکری دے گا اور اگر وہ بکری اوسط درجہ سے کم کی ہو تو پھر یہی واجب ہوگی، اسی طرح اونٹوں اور گائے بیلوں میں بھی حکم ہوگا، اور اگر زکاة میں کئی جانور واجب ہوں، اور بڑوں سے زکاة پوری نہ ہوتی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک بڑے جانور جو موجود ہیں وہی واجب ہوں گے اور باقی ساقط ہو جائیں گے، چھوٹے جانور ملا کر تعداد پوری نہیں کی جائے گی۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۵..... اگر کسی نے جانوروں کو تجارت کے لئے خریدا، پھر اس نے ان کو سائتمہ بنادیا، یعنی سائتمہ ہونے کی نیت سے جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑ دیا، تو جس وقت سے اس نیت سے ان کو چرنے کے لئے چھوڑا ہے، اس وقت سے ہی سائتمہ جانوروں کی زکاة واجب ہونے کا سال شروع ہوگا، اور سال پورا ہونے پر ان کی زکاة ادا کرنا فرض ہوگی۔ ۲۔
مسئلہ نمبر ۶..... کیا شریعت کی طرف سے متعین کردہ جانور، یا جانوروں کو ہی زکاة میں دینا ضروری ہے، یا اتنی مالیت کی رقم، یا کوئی اور چیز بھی جانور کے بدلہ میں دینا جائز ہے؟

۱۔ (قوله وزكاة سائمة) ؛ لأنه لا شيء في الفصان والعجائيل والحملان، إلا إذا مات الكبار أثناء الحول وخلفت صغارا فيها كبير فبالأولى لا يجب في الحمل شيء (ردالمحتار، ج ۳ ص ۶۵۵، كتاب العتق، مطلب في ملك ذى الرحم المحرم)
(و) لا في (حمل) بفتحيتين ولد الشاة (وفصيل) ولد الناقة (وعجول) بوزن سنور: ولد البقرة؛ وصورته أن يموت كل الكبار ويتم الحول على أولادها الصغار (إلا تبعا لكبير) ولو واحدا (الدر المختار)

(قوله: صورته إلخ) أى إذا كانت له سوائم كبار وهى نصاب فمضت ستة أشهر مثلا فولدت أولادا ثم ماتت وتم الحول على الصغار لا تجب الزكاة فيها عندهما وعند الثانى تجب واحدة منها، والمراد من النصاب خمس وعشرون إبلا وثلاثون بقرا وأربعون غنما، وأما ما دون خمس وعشرين إبلا فلا شيء فيه اتفاقا؛ لأن الثانى أوجب واحدة منها ولا يتصور فيما دون هذا المقدار، وتامه فى الاختيار. وفى القهستانى عن النخبة: الصحيح قولهما (قوله: إلا تبعا لكبير) قال فى النهر: والخلاف، أى المذكور آنفا مقيّد بما إذا لم يكن فيها كبار، فإن كان كما إذا كان له مع تسع وثلاثين حملا مسن، وكذلك فى الإبل والبقر كانت الصغار تبعا للكبير ووجب إجماعا كذا فى الدراية اهـ. (ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۸۲، ۲۸۳، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

۲۔ (ويطّل حول زكاة التجارة بجمعها للسوم) لأن زكاة السوائم وزكاة التجارة مختلفان قدرا وسببا، فلا يبنى حول أحدهما على الآخر (فلو اشترى لها) أى للتجارة (ثم جعلها سائمة اعتبر) أول (الحول من وقت الجعل) للسوم (الدر المختار مع ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۷۶، ۲۷۷، كتاب الزكاة، باب السائمة)

تو حنفیہ کے علاوہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک شریعت کی طرف سے متعین کردہ جانور یا جانوروں کو ہی زکاة میں دینا ضروری ہے، اور قیمت یا کسی اور چیز کا دینا جائز نہیں۔ ۱۔
اور حنفیہ اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک جس طرح شریعت کی طرف سے متعین کردہ سائہ جانور، یا جانوروں کو ان کی زکاة میں دینا جائز ہے، اسی طرح اتنی مالیت کی نقدی یا کوئی اور چیز بھی زکاة میں دینا جائز ہے۔ ۲۔

۱۔ وأما ما عدا ذلك كزكاة المواشي والزروع وإخراج زكاة الذهب أو الفضة عن غيرهما أو العكس، فقد اختلف الفقهاء في إخراج القيمة على مذاهب: فذهب الجمهور (الشافعية، والمالكية على قول، والحنابلة في رواية وهي المذهب) إلى أنه لا يجوز إخراج القيم في الزكاة، واستثنى بعض أصحاب هذا القول نحو إخراج بنت لبون عن بنت مخاض واحتجوا بحديث في أربعين شاة، وفي مائتي درهم خمسة دراهم فتكون الشاة المذكورة والدراهم المذكورة هي الأمور بها، والأمر يقتضي الوجوب واحتجوا أيضا بما في حديث كتاب أبي بكر هذه الصدقة التي فرضها رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين وأمر بها أن تؤدى، وكان فيه: في خمس وعشرين من الإبل بنت مخاض، فإن لم تكن فابن لبون ذكر وهذا يدل على أنه أراد عينها. وبحديث معاذ أن النبي صلى الله عليه وسلم بعته إلى اليمن فقال خذ الحب من الحب، والشاة من الغنم، والبعير من الإبل، والبقرة من البقر. قالوا: ولأن الزكاة فرضت دفعا لحاجة الفقير، وحاجاته متنوعة، فينبغي أن يتنوع الواجب ليتنوع ما يصل إليه، ووجبت شكرا لنعمة المال، ويحصل ذلك بالمواساة مما أنعم الله به عليه. ولأن الزكاة قربة لله تعالى وما كان كذلك فسيبيله الاتباع، ولو جازت القيمة لبينها النبي صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۸ و ۲۹۹، مادة "زكاة")

۲۔ وأما في المواشي: فعند الحنفية جائز، بناء على قاعدتهم بجواز القيمة في كل شيء. وهو الصحيح عند الشافعية. ويكره عند المالكية التحول عن الواجب إلى البدل، لما في ذلك من معنى الرجوع في الصدقة، ولئلا تكون القيمة أقل مما عليه، فيكون قد بخس الفقراء حقهم، إلا إذا أجبر الساعى المزكى على أن يأخذ منه دراهم فيما وجب عليه من صدقته، فيجزئ عنه، إذا كان فيه وفاء بقيمة ما وجب عليه، وكان عند محلها.

وفي وجه عند الشافعية: لا يجزئ إن نقصت قيمته عن قيمة الشاة. ووجه ثالث: أنه إن كانت الإبل مرأى، أو قليلة القيمة لعب أجزاء البعير الناقص عن قيمة الشاة، وإن كانت صحاحا سليمة لم يجزئ الناقص.

وفي الموضوع تفصيل يرجع إليه في (الزكاة).

وأما الحنابلة فلا يجوز عندهم التحول في الماشية من جنس إلى آخر ولا إلى القيمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۰، ص ۲۸۴ و ۲۸۵، مادة "تحول")

مسئلہ نمبر ۷..... سائنہ جانوروں کی زکاة ادا کرتے وقت جو جانور زکاة میں دیا جاتا ہے، اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ درمیانی درجہ کا جانور ہو، نہ بہت زیادہ قیمتی ہو، اور نہ بہت زیادہ کمزور اور گھٹیا ہو۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸..... سائنہ جانوروں کی زکاة میں جو جانور، زکاة کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، وہ جانور خاص انہی جانوروں میں سے ہونا ضروری نہیں ہے، جن میں زکاة واجب ہوئی ہے، بلکہ اسی جنس کا کوئی اور جانور دینا بھی جائز ہے۔

اور اگر کوئی شخص زکاة میں اس جنس کا ایسا جانور دے، جو اس علاقہ میں عموماً نہیں ہوتا، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کا دینا بھی جائز ہے۔ ۲

۱۔ ینبغی أن يكون المأخوذ في الزكاة من الوسط، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: ثلاث من فعلهن فقد طعم الإيمان: من عبد الله وحده، وأنه لا إله إلا الله، وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام، لا يعطى الهرمة، ولا الدرنه، ولا المريضة، ولا الشرط اللثيمة، ولكن من وسط أموالكم، فإن الله لم يسألكم خيره، ولم يأمركم بشره. الحديث.

وهذا يقتضى أمرين: الأول: أن يتجنب الساعي طلب خيار المال، ما لم يخرج المالك طيبة به نفسه، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم للساعي: إياك وكرائم أموالهم.

قال عمر رضي الله عنه لساعيه: لا تأخذ الربى، ولا الماخض، ولا الأكله، ولا فحل الغنم والربى هي القرية المهمل بالولادة، لأنها تربي ولدها. والماخض الحامل، والأكله التي تأكل كثيرا، لأنها تكون أسمن، وفحل الغنم هو المعد للضراب. فإن كانت ماشية الرجل كلها خيارا، فقد اختلف الفقهاء فقليل: يأخذ الساعي من أوسط الموجود، وقيل: يكلف شراء الوسط من ذلك الجنس.

الأمر الثاني: أن لا يكون المأخوذ من شرار المال، ومنه المعيبة، والهرمة، والمريضة، لكن إن كانت كلها معيبة أو هرمة أو مريضة، فقد ذهب بعض الفقهاء إلى أنه يجوز إخراج الواجب منها، وقيل: يكلف شراء صحيحة أخذا بظاهر النهي الوارد في الحديث، وقيل: يخرج صحيحة مع مراعاة القيمة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۰، ۲۶۱، مادة "زكاة")

۲. اختلف الفقهاء في الشاة الواجبة فيما دون الخمس والعشرين من الإبل هل تجب أن تكون من غالب غنم البلد أم أن المزكى مخير بين الأغنام؟

فذهب الحنفية والحنابلة وهو قول عند الشافعية إلى أن المزكى بالخيار، فيجوز أن يخرج عن الإبل الخمس مثلا شاة من الضان أو شاة من المعز، وأيهما أخرج أجزاء لتناول اسم الشاة لهما، ولا يشترط كونهما من جنس غنمه ولا من جنس غنم بلده؛ لإطلاق الأخبار في ذلك، ومنها قوله صلى الله عليه وسلم: إذا بلغت خمسا من الإبل ففيها شاة. وذهب المالكية وهو مقابل الأصح عند الشافعية إلى أنه يتعين إخراج غالب أغنام ﴿بقية حاشية الگلے صفحہ پرلاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹..... اونٹ دو قسم کے ہیں، عربی اونٹ جو ایک کوہان والے ہوتے ہیں، بختی اونٹ، جو دو کوہانوں والے ہوتے ہیں۔ ۱۔

اسی طرح گائے کی دو قسمیں ہیں، ایک عام گائے، اور دوسری بھینس۔ ۲۔
اور اسی طرح بکری بھی دو قسم کی ہیں، ایک اون والی جسے بھیڑ کہتے ہیں، اور دوسرے بالوں والی جسے بکری کہتے ہیں۔ ۳۔

اور اونٹوں، گایوں اور بکریوں کی زکاة کے نصاب اور شرح سے متعلق احکام کی جو تفصیل پہلے ذکر کی گئی ہے، اس میں تینوں طرح کے جانوروں کی دونوں قسمیں شامل ہیں۔ ۴۔
مسئلہ نمبر ۱۰..... اگر کسی کے پاس مذکورہ تینوں جانوروں میں سے کوئی ایک ہی قسم کے جانور ہیں، تو اسی قسم کا جانور بطور زکاة دینے سے زکاة بالاتفاق ادا ہو جائے گی۔

پھر اگر مثلاً عربی اونٹوں کی زکاة میں کسی شخص نے بختی اونٹ ادا کر دیا، جو قیمت میں عربی اونٹ کے برابر تھا، تو بہت سے فقہاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، اور اس سے بھی زکاة ادا ہو جائے گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا قیہ حاشیہ﴾ بلده كما يتعين غالب قوت البلد في الكفارة، والقول الأصح عند الشافعية: أنه مخير بين أغنام البلد، ولكن لا يجوز له الانتقال إلى غنم بلد آخر إلا أن تكون مثلها في القيمة أو خيرا منها.

ولدى الشافعية قول رابع: أنه يتعين عليه إخراج غنم نفسه إذا كان له غنم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص ۱۲۷، مادة "غالب")

۱۔ ا۔ کل جنس من الإبل والبقر والغنم ينقسم إلى نوعين، فالإبل نوعان: العرباں وهى الإبل العربية، وهى ذات سنام واحد، والبختاى (جمع بختية) وهى إبل العجم والترك، وهى ذات سنامين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زکاة")

۲۔ والبقر نوعان: البقر المعتاد، والحواميس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زکاة")
۳۔ والغنم: إما ضأن، وهى ذوات الصوف، وأحدثها ضأن، وإما معز، وهى ذوات الشعر، وأحدثها عنز، والذكر تيس، ويقال للذكر والأنثى من الضأن والمعز: شلعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زکاة")

۴۔ والمقادير الواجبة فى الجداول السابقة تشمل من كل جنس نوعيه، ويضم أحدهما إلى الآخر فى تكميل النصاب إجماعاً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زکاة")

اور بعض فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۱۱..... اگر کسی کے پاس دو قسم کے جانور ملا کر نصاب بنتا ہے، مثلاً بھیڑوں اور بکریوں کو ملا کر نصاب بنتا ہے، تو ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک جس قسم کے جانور زیادہ ہوں گے، اسی قسم کا جانور زکاة میں لیا جائے گا، اگر بکریاں زیادہ ہیں، تو بکری اور بھیڑیں زیادہ ہیں، تو بھیڑ۔

اور اگر دونوں قسم کے جانور برابر ہوں، تو ادا کرنے والے کو اختیار ہے، جس قسم کا جانور چاہے، زکاة میں دے دے، اور اعلیٰ قسم کے جانوروں میں سے ادنیٰ درجے کا اور ادنیٰ قسم کے جانوروں میں سے اعلیٰ درجے کا جانور زکاة میں دینا واجب ہوگا۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ ۲۔

۱۔ ب۔ فإن كان عنده أحد النوعين فزكاته منه تجزئه اتفاقاً، أما إن أخرج عن الإبل العرب مثلًا بختية بقيمة العربية فجائز أيضاً، وهو مذهب الشافعية والحنابلة، وكذلك المعتمد عند المالكية، لكن لا يشترط عندهم رعاية القيمة. وقيل: لا يجوز، لأن فيه تفويت صفة مقصودة، وهو قول القاضي من الحنابلة. وقال الحنفية: الواجب إخراج الزكاة من النوع الذي عنده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۵۹، مادة "زكاة")

۲۔ فقد قال الحنفية وإسحاق: إذا اختلف النوعان تجب الزكاة من أكثرهما، فإن استويا فعند الحنفية يجب الوسط أى أعلى الأدنى، أو أدنى الأعلى، وإذا علم الواجب فالقاعدة عندهم جواز شيء بقيمته سواء من النوع الآخر أو غيره. وقال الشافعية والحنابلة: يؤخذ من كل نوع ما يخصه، فلو كانت إبله كلها مهرية أو أرحبية أخذ الفرض من جنس ما عنده، وهذا هو الأصل، لأنها أنواع تجب فيها الزكاة، فتؤخذ زكاة كل نوع منه، كأنواع الثمرة والحبوب، قالوا: فلو أخذ عن الضأن معزاً، أو عكسه جاز فى الأصح بشرط رعاية القيمة، وفى قول عند الشافعية: يؤخذ الضأن عن المعز دون العكس، وعرب البقر عن الجواميس دون العكس، لأن الضأن والعرب أشرف. وقال المالكية: إن وجبت واحدة فى نوعين فمن الأكثر، فإن تساوى خير الساعى، وإن وجب ثنتان أخذ من كل نوع واحدة إن تساوى، فإن لم يتساوى لم يأخذ من الأقل إلا بشرطين: كونه نصاباً لو انفرد، وكونه غير وقص. وإذا زادت عن ذلك وأمكن أن يؤخذ من كل نوع بانفراده أخذ منه، وما لم يمكن يضم بعضه إلى بعض، فليأخذ من الأكثر، ويخير الساعى عند التساوى ففى ۳۴۰ من الضأن و ۶۰ من المعز يؤخذ ثلاث من الضأن عن ثلاثمائة ضأن، واحدة من المعز عن المائة، وتؤخذ عن واحدة عن الأربعين ضأنه والستين من المعز، لأن المعز أكثر فإن كانت ۳۵۰ من الضأن و ۱۵۰ من المعز خير الساعى فى المائة المجمعة بين ضأنه وعنز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۰، مادة "زكاة")

مسئلہ نمبر ۱۳..... اگر کسی نے کافی مقدار میں اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ کو پالا ہوا ہے، تاکہ وقتاً فوقتاً ان کو فروخت کیا کرے، اور ساتھ ساتھ ان کے دودھ سے بھی فائدہ اٹھائے، اور ان کی نسل بھی بڑھائے، تو ایسی صورت میں حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک یہ جانور مالی تجارت کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور مالی تجارت کے اعتبار سے ان کی زکاة واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاة سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی، جیسا کہ پہلے حصہ میں مالی تجارت کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ۱۔

اور اگر دودھ بیچنے کے لئے جانور نصاب سے کم پالے ہوئے ہوں، تو دودھ کی رقم پر حسب قاعدہ زکاة واجب ہوگی، جوازِ ہائی فیصد کے حساب سے ہوگی (حسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۸۷) ۲۔

مسئلہ نمبر ۱۴..... سائمہ جانوروں کی زکاة کے مصارف وہی ہیں جو سونے چاندی اور مالی تجارت و کرنسی کی زکاة کے مصارف ہیں، جن کو علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے، اور سائمہ جانوروں کی زکاة کو حاصل کرنے کا اسلامی حکومت کو بھی استحقاق حاصل ہے، جیسا کہ پہلے حصہ میں عالین کے بیان میں گزرا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمْ۔

۱۔ البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جانور سائمہ جانوروں کی فہرست میں شمار کئے جائیں گے، اور ان جانوروں کی زکاة سائمہ جانوروں کے اعتبار سے واجب ہوگی، اور ان جانوروں کی زکاة مالی تجارت کے اعتبار سے واجب نہیں ہوگی۔

فلو كان لديه سوائم للتجارة بلغت نصابا، فلا تجتمع زكاتها إجماعا، لحديث: لا ثنى في الصدقة بل يكون فيها زكاة العين عند المالكية والشافعية في الجديد، كأن كان عنده خمس من الإبل للتجارة ففيها شاة، ولا تعتبر القيمة، فإن كانت أقل من خمس فإنها تقوم فإن بلغت نصابا من الأثمان وجبت فيها زكاة القيمة. وإنما قدموا زكاة العين على زكاة التجارة لأن زكاة العين أقوى ثبوتا لانعقاد الإجماع عليها، واختصاص العين بها، فكانت أولى.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أنها تزكى زكاة التجارة لأنها أحظ للمساكين، لأنها تجب فيما زاد بالحساب، لكن قال الحنابلة: إن بلغت عنده نصاب سائمة ولم تبلغ قيمته نصابا من الأثمان فلا تسقط الزكاة، بل تجب زكاة السائمة، كمن عنده خمس من الإبل للتجارة لم تبلغ قيمتها مائتي درهم، ففيها شاة. ونظير هذا عند الفقهاء غلة مال التجارة، كان يكون ثمرا مما تجب فيه الزكاة إن كان الشجر للتجارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۶۹، مادة "زكاة")

۲۔ السائمة إذا كانت أقل من النصاب اشترأها بنية التجارة وتركها سائمة كما كانت للتجارة، تصح نية التجارة فيها، وتجب زكاة التجارة (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۲، ص ۳۲۲، كتاب الزكاة، الفصل الرابع عشر)

(خاتمۃ الکتاب)

چند علمی و تحقیقی مسائل و مسائل

(۱)

نصاب سے زائد مقدار پر وجوب زکاة کی تحقیق

بسم الله الرحمن الرحيم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور فقہائے کرام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ چاندی کی زکاة کا نصاب دو سو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) اور سونے کی زکاة کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ) ہے، جس میں ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاة کی ادائیگی کے لئے متعین ہے۔

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ مذکورہ نصاب سے زائد ہونے کی صورت میں بھی حسبِ حساب کل مال کا ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاة میں واجب ہے، یا پھر نصاب سے زائد کوئی مقدار ایسی ہے کہ جو زکاة سے مستثنیٰ ہو، یا جس کی زکاة معاف ہو۔

جمہور فقہائے کرام بشمول صاحبین رحمہم اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک روایت کے مطابق نصاب سے زائد ہونے کی صورت میں علی الاطلاق حسبِ حساب زکاة کو واجب قرار دیتے ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایت کے مطابق نصاب سے زائد خمس نصاب سے نیچے نیچے کی مقدار غفو و معاف ہے، اور خمس نصاب کی صورت میں زکاة واجب ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چاندی کے اندر (دو سو درہم پورے ہونے کے بعد) چالیس

درہم سے کم میں اور سونے کے اندر (بیس مثقال یا بیس دینار پورے ہونے کے بعد) چار مثقال یا چار دینار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور چالیس درہم اور اسی طرح چار مثقال یا چار دینار میں ایک درہم واجب ہے، اور اس کے بعد اگلے خمس کے پورا ہونے تک صرف چھ درہم ہی واجب ہیں، اور دوسرا خمس پورا ہونے پر (یعنی چاندی میں اسی درہم اور سونے میں آٹھ مثقال یا آٹھ دینار ہونے پر) سات درہم واجب ہیں، وہلم جڑا۔

اور اس مسئلہ کو فقہائے کرام نے ”مسئلہ کسور“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مثقال یا ایک دینار دس درہم کی قیمت کے برابر شمار ہوتا تھا، اس حیثیت سے چار دینار یا چار مثقال چالیس درہم کے قائم مقام ہوئے۔ ۱۔

۱۔ ثم إذا زاد الذهب أو الفضة على النصاب اختلفوا فيه. فقال مالك والليث والثوري والشافعي وابن أبي ليلى وأبو يوسف ومحمد وعامة أهل الحديث: إن فيما زاد من الذهب والفضة ربع العشر في قليله وكثيره ولا وقص، وروى ذلك عن علي وابن عمر، رضي الله تعالى عنهم. وقال أبو حنيفة وبعض السلف: لا شيء فيما زاد على مائتي درهم حتى يبلغ أربعين درهما ولا فيما زاد على عشرين دينارا حتى يبلغ أربعة دنائير، فإذا زادت ففي كل أربعين درهما درهم، وفي كل أربعة دنائير درهم، فجعل لهما وقصا كالمشاية (عمدة القارى، ج ۸، ص ۲۵۹، كتاب الزكاة، باب ما ادى زكاته فليس بكنز)

(وفی کل خمس) بضم الخاء (بحسابه) ففی کل أربعين درهما درهم، وفی کل أربعة مثاقيل قيراطان، وما بين الخمس إلى الخمس عفو. (الدر المختار)

وفی الهدایة کل دینار عشرة دراهم فی الشرع. قال فی الفتح: أى يقوم فی الشرع بعشرة كذا كان فی الابتداء (قوله: وفی کل خمس بحسابه) أى ما زاد علی النصاب عفو إلى أن يبلغ خمس نصاب، ثم کل ما زاد علی الخمس عفو إلى أن يبلغ خمسا آخر (قوله: وقال ما زاد بحسابه) يظهر أثر الخلاف فيما لو كان له مائتان وخمسة دراهم مضى عليها عامان.

قال الإمام: يلزمه عشرة. وقالوا: خمسة؛ لأنه وجب عليه في العام الأول خمسة وثمان مائة من الدين في الثاني نصاب إلا ثلثا. وعنده لا زكاة في الكسور فبقى النصاب في الثاني كاملا، وفيما إذا كان له ألف حال عليها ثلاثة أحوال كان عليه في الثاني أربعة وعشرون وفي الثالث ثلاثة وعشرون عنده.

وقالا: يجب مع الأربعة والعشرين ثلاثة أثمان درهم ومع الثلاثة والعشرين نصف وربع وثمان درهم، ولا خلاف أن يجب في الأول خمسة وعشرون، كذا في السراج نهر.

أقول: قوله وثمان درهم كذا وجدته أيضا في السراج وصوابه وثمان وثمان درهم كما لا يخفى على الحاسب. ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ خمس نصاب یا کسور کے مسئلہ کی طرح قرض و دیون کے وصول کرنے کا مسئلہ بھی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دین قوی سے خمس نصاب وصول کرنے کی صورت میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(تنبیہ) یظهر أثر الخلاف أيضا فيما ذكره في البحر والنهر عن المحيط من أنه لا تضم إحدى الزیادتين إلى الأخرى : أي الزیادة على نصاب الفضة لا تضم إلى الزیادة على نصاب الذهب لیتم أربعين أو أربعة مثاقيل عند الإمام؛ لأنه لا زكاة في، الكسور عنده. وعندهما تضم لوجوبها في الكسور اهـ موضحا، لكن توقف الرحمتی في فائدة الضم عندهما بعد قولهما بوجوب الزكاة في الكسور وعن هذا والله أعلم.

نقل بعض محشی الكتاب عن شيخه محمد أمين ميرغنی أن السروجی نقل عن المحيط الخلاف بالعكس وأن ما في البحر والنهر غلط اهـ.

قلت: وقد راجعت المحيط فرأيت مثل ما نقله السروجی وصرح به في البدائع أيضا (قوله: وهي مسألة الكسور) أي التي يقال فيها لا زكاة في الكسور عنده ما لم تبلغ الخمس أخذا من حديث لا تأخذ من الكسور شيئا سميت كسورا باعتبار ما يجب فيها (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۹۹، ۳۰۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(ثم في كل خمس زاد على النصاب بحسابه) اعلم أن الزكاة لا تجب في الكسور عندنا إلا إذا بلغ خمس النصاب، فإذا زاد على مئتي درهم أربعون درهما، زاد في الزكاة درهم، وإن زاد ثمانون درهما زاد درهما، ولا شيء في الأقل (شرح الوقاية، ج ۳ ص ۱۹۵، كتاب الزكاة)

فصل في الذهب ليس فيما دون عشرين مثقالا من الذهب صدقة، فإذا كانت عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال، لما روينا، والمثقال ما يكون كل سبعة منها وزن عشرة دراهم وهو المعروف ثم في كل أربعة مثاقيل قيراطان، لأن الواجب ربع عشر وذلك فيما قلنا إذ كل مثقال عشرون قيراطا، وليس فيما دون أربعة مثاقيل صدقة عند أبي حنيفة - رحمه الله - وعندهما تجب بحساب ذلك وهي مسألة الكسور. وكل دينار عشرة دراهم في الشرع، فيكون أربعة مثاقيل في هذا كأربعين درهما (الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ۱ ص ۱۰۲، ۱۰۳، كتاب الزكاة، نصاب الزكاة في الذهب ومقدار الواجب)

(وليس فيما دون أربعة مثاقيل صدقة عند أبي حنيفة وعندهما تجب بحساب ذلك) ش: أي عن أبي يوسف ومحمد - رحمهما الله - تجب فيما دون أربعة مثاقيل بحساب ما زاد. وقال في "الجامع" "وهي رواية عن أبي حنيفة - رضي الله عنه - م: (وهي مسألة الكسور) ش: أي هذه المسألة وهي وجوب الزكاة فيما دون أربعة مثاقيل عندهما، وعدم وجوبها فيه عند أبي حنيفة - رحمه الله - مسألة الكسر، يعني أن الكسور لا زكاة فيها عند أبي حنيفة - رحمه الله -، وعندهما تجب بحساب ذلك، وقد مر الكلام في فصل الفضة من الجانبيين، والخلاف في الموضوعين واحد (البنية شرح الهداية، ج ۳، ص ۳۷۷، كتاب الزكاة، نصاب الزكاة في الذهب ومقدار الواجب)

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زکاة واجب ہے، اور اس سے کم مقدار میں وصول کرنے کی صورت میں کچھ واجب نہیں، جبکہ صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) و دیگر فقہائے کرام کے نزدیک قرض و دین کی جتنی مقدار بھی وصول کی جائے، اُس کی علی الحساب زکاة واجب ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والدینار کان مقوما بعشرة دراهم على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فذلك تنصيص على أنه لا شيء في الذهب حتى يبلغ عشرين مثقالا ففيه نصف مثقال ثم ليس في الزيادة شيء حتى تبلغ أربعة دنائير ففي قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فيها قيراطان، وهكذا في كل أربعة مثاقيل. وقال أبو يوسف ومحمد - رحمهما الله تعالى - فيما زاد بحساب ذلك هذا والدراهم سواء كما بينا (المسبوط للسرخسي، ج ۲، ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

وإن كان على كل واحد من النصابين زيادة فعند أبي يوسف ومحمد لا يجب ضم إحدى الزياتين إلى الأخرى؛ لأنهما يوجبان الزكاة في الكسور بحساب ذلك.

وأما عند أبي حنيفة فينظر إن بلغت الزيادة أربع مثاقيل وأربعين درهما فذلك.

وإن كان أقل من أربعة مثاقيل وأقل من أربعين درهما يجب ضم إحدى الزياتين إلى الأخرى ليمت أربعين درهما أو أربعة مثاقيل؛ لأن الزكاة لا تجب في الكسور عنده والله أعلم (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ۲، ص ۲۰، كتاب الزكاة، فصل مقدار الواجب في زكاة الذهب)

۱ (و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فوراً بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كتمن سائمة وعبید خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأموال (الدر المختار)

(قوله: عند الإمام) وعندهما الديون كلها سواء تجب زكاتها، ويؤدى متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا إلا دين الكتابة والسعاية والدية في رواية بحر (قوله: إذا تم نصابا) الضمير في تم يعود للدين المفهوم من الديون، والمراد إذا بلغ نصابا بنفسه أو بما عنده مما يتم به النصاب (قوله: وحال الحول) أى ولو قبل قبضه في القوى والمتوسط وبعده الضعيف ط (قوله: عند قبض أربعين درهما) قال في المحيط؛ لأن الزكاة لا تجب في الكسور من النصاب الثاني عنده ما لم يبلغ أربعين للخرج فكذا لا يجب الأداء ما لم يبلغ أربعين للخرج (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

فأما حكم الزكاة في الدين فنقول الدين عند أبى حنيفة على ثلاث مراتب دين قوى ودين وسط ودين ضعيف.

فالدين القوى هو الذى ملكه بدلا عما هو مال الزكاة كالدراهم والدنانير وأموال التجارة وكذا غلة مال التجارة من العبيد والدور ونحوها.

﴿بقية حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے دلائل

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی دلیل بیان کرتے ہوئے بعض حضرات نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں کسر سے زکاۃ نہ لئے جانے کا ذکر ہے، اور اس کو دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾ والحکم فیہ اَنہ إذا کان نصاباً وتم الحول تجب الزکاة لکن لا یخاطب بالأداء ما لم یقبض أربعین درهما فإذا قبض أربعین زکاها وذلك درهم. وإن قبض أقل من ذلك لا یزکی وكذلك یؤدی من کل أربعین عند القبض درهما وأما الدین الوسط فهو الذی وجب بدل مال لو بقى عنده حولاً لم تجب فیہ الزکاة مثل عیید الخدمۃ وثیاب البذلة وغلۃ مال الخدمۃ.

والحكم فيه أن عند أبي حنيفة فيه روايتين ذكر في الأصل وقال تجب فيه الزكاة ولا يخاطب بالأداء ما لم يقبض مائتي درهم فإذا قبض المائتين يزكي لما قبض.

وروى ابن سماعة عن أبي حنيفة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض ويحول عليه الحول بعد ذلك.

وهو الصحيح عنده.

وأما الدين الضعيف فهو ما وجب وملك لا بدلا عن شيء وهو دين إما بغير فعله كالمراث أو بفعله كالوصية أو وجب بدلا عما ليس بمال ديننا كالدية على العاقلة والمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل الكناية.

والحكم فيه أنه لا يجب فيه الزكاة حتى يقبض المائتين ويحول عليها الحال عنده.

وقال أبو يوسف ومحمد الديون على ضربين ديون مطلقة وديون ناقصة، فالناقص هو بدل الكفاية والدية على العاقلة وما سواهما فديون مطلقة، والحكم فيها أنه تجب الزكاة في الدين المطلق ولا يجب الأداء ما لم يقبض فإذا قبض منها شيئاً قل أو كثير يؤدي بقدر ما قبض.

وفي الدين الناقص لا تجب الزكاة ما لم يقبض النصاب ويحول عليه الحال وأما دين السعاية فلم يذكر في كتاب الزكاة الاختلاف بينهما.

وذكر في نواذر الزكاة الاختلاف فقال عند أبي حنيفة هو دين ضعيف وعندهما دين مطلق.
وعند الشافعي الديون كلها سواء وتجب الزكاة فيها والأداء وإن لم يقبض (تحفة الفقهاء
للسمرقندي، ج ١ ص ٢٩٣ تا ٢٩٥، كتاب الزكاة، باب زكاة السوائم)

۱۔ حدثنا أبو سعد الإصطخری الحسن بن أحمد الفقیه، ثنا محمد بن عبد الله بن نوفل، ثنا أبی،
ثنا یونس بن بکیر، ثنا ابن إسحاق، عن المنهال بن الجراح، عن حبيب بن نجیح، عن عبادة بن
نسی، عن معاذ، أن رسول الله صلى الله علیه وسلم أمره حين وجهه إلى اليمن: أن لا تأخذ من
﴿بقية حاشيا﴾ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴿

مگر محدثین نے اس روایت کو شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱

لہذا اس حدیث سے استدلال مضبوط معلوم نہیں ہوتا۔

اور امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے بعض حضرات نے ایک دلیل میں حضرت عمرو بن حزم کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الکسر شیئا، إذا كانت الورق مائتي درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ أربعين درهما، وإذا بلغ أربعين درهما فخذ منه درهما. المنهال بن الجراح متروك الحديث، وهو أبو العطوف واسمه الجراح بن المنهال، وكان ابن إسحاق يقلب اسمه إذا روى عنه، وعبادة بن نسي لم يسمع من معاذ (سنن الدارقطني، رقم الحديث ۱۹۰۳)

۱۔ قال عليه السلام في حديث معاذ: "لا تأخذ من الكسور شيئا"، قلت: روى الدارقطني في "سننه من طريق ابن إسحاق عن المنهال بن الجراح عن حبيب بن نجيع عن عبادة بن نسي عن معاذ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره حين وجهه إلى اليمن أن لا تأخذ من الكسور شيئا، إذا كانت الورق مائتي درهم، فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ أربعين درهما، فإذا بلغت أربعين، فخذ منها درهما، انتهى. وهو حديث ضعيف، قال الدارقطني: المنهال بن الجراح هو أبو العطوف متروك الحديث، واسمه الجراح بن المنهال، وكان ابن إسحاق يقلب اسمه، إذا روى عنه، وعبادة بن نسي لم يسمع من معاذ، انتهى. وقال النسائي: المنهال بن الجراح متروك الحديث، وقال ابن حبان: كان يكذب، وقال عبد الحق في "أحكامه": "كذاب، وقال الشيخ في "الإمام": "قال ابن أبي حاتم: سألت أبي عنه، فقال: متروك الحديث، واهيه، لا يكتب حديثه، انتهى. وقال البيهقي: إسناده هذا الحديث ضعيف جدا (نصب الرأية في تخريج احاديث الهداية، ج ۲ ص ۳۶۷، كتاب الزكاة، فصل في الفضة)

وقال النووي: واحتج الجمهور بقوله صلى الله عليه وسلم: (في الرقة ربع العشر)، والرقعة الفضة، وهذا عام في النصاب وما فوقه بالقياس على الحبوب، ولأبي حنيفة حديث ضعيف لا يصح الاحتجاج به. قلت: أشار بهذا إلى ما روى الدارقطني في (سننه) من طريق ابن إسحاق عن المنهال بن جراح عن حبيب بن نجيع عن عبادة بن نسي عن معاذ، رضى الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره حين وجهه إلى اليمن أن لا يأخذ من الكسر شيئا إذا كانت الورق مائتي درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى يبلغ أربعين درهما، فإذا بلغت أربعين درهما فخذ منها درهما، قال الدارقطني: المنهال بن جراح وهو أبو العطوف متروك الحديث، وكان ابن إسحاق يقلب اسمه إذا روى عنه، وعبادة بن نسي لم يسمع من معاذ. انتهى. وقال النسائي: المنهال بن الجراح متروك الحديث، وقال ابن حبان: كان يكذب، وقال عبد الحق في أحكامه: كان مكذبا. وفي (الإمام) قال ابن أبي حاتم: سألت أبي عنه فقال: متروك الحديث واهيه لا يكتب حديثه. وقال البيهقي: إسناده هذا الحديث ضعيف جدا. قلت: ذكر البيهقي هذا الحديث في: باب ذكر الخبر الذي روى في وقص الورق، ثم اقتصر عليه لكون الباب مقصود البيان مذهب خصمه (عمدة القاري، ج ۸، ص ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الزكاة، باب ما أدى زكاته فليس بكنز)

حدیث ذکر کی ہے، جس کو امام بیہقی، ابن حبان اور امام دارمی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس میں یہ مذکور ہے کہ دوسو درہم سے جو زائد ہو، تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکاة ہے۔ ۱

امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے بعض حضرات نے ایک اور دلیل، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس درہموں میں سے ایک درہم زکاة میں ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ۲

اور امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ

۱۔ عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن والديات وبعث به مع عمرو بن حزم وقرئت على أهل اليمن وهذه نسختها " :بسم الله الرحمن الرحيم من محمد النبي إلى شرحبيل بن عبد كلال ونعيم بن عبد كلال والحارث بن عبد كلال قيل ذى رعين ومعاقر وهمدان أما بعد: وفى كل خمس أواق من الورق خمسة دراهم، وما زاد ففى كل أربعين درهما درهم وليس فيما دون خمس أواق شيء، وفى كل أربعين دينارا دينارا (السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ۷۲۵۵، كتاب الزكاة، باب كيف فرض الصدقة، واللفظ له، لمعرفة السنن والآثار للبيهقى، رقم الحديث ۱۶۰۸۰، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۶۵۵۹، كتاب التاريخ، باب كتب النبي صلى الله عليه وسلم، باب ذكر كتبة المصطفى صلى الله عليه وسلم كتابه إلى أهل اليمن، سنن الدارمی، رقم الحديث ۱۶۶۸، كتاب الزكاة، باب فى زكاة الورق)

قال البيهقى مجود الإسناد، ورواه جماعة من الحفاظ موصولا حسنا، وروى البيهقى عن أحمد ابن حنبل أنه قال :أرجو أن يكون صحيحا (عمدة القارى، ج ۸، ص ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الزكاة، باب ما ادى زكاته فليس بكنز)

۲۔ عن على، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق، فهاتوا صدقة الرقة :من كل أربعين درهما درهما، وليس فى تسعين ومائة شيء، فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم "، وفى الباب عن أبى بكر الصديق، وعمرو بن حزم :.روى هذا الحديث الأعمش، وأبو عوانة، وغيرهما، عن أبى إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، عن على، وروى سفيان الثورى، وابن عيينة، وغير واحد، عن أبى إسحاق، عن الحارث، عن على .وسألت محمدا :عن هذا الحديث؟ فقال :كلاهما عندى صحيح عن أبى إسحاق، يحتمل أن يكون روى عنهما جميعا (ترمذى، رقم الحديث ۶۲۰، باب ما جاء فى زكاة الذهب والورق، واللفظ له، ابن ماجه، رقم الحديث ۱۷۹۰، باب زكاة الورق والذهب)

عنہ کی ایک روایت کو ذکر کیا ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر فرمایا کہ دو سو درہم پر جو زائد ہو، تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکاة ہے۔ ۱

اس قسم کی اور بھی روایات ہیں، جن میں چالیس درہم میں ایک درہم زکاة کا حکم دیا گیا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی عقلی دلیل دیتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ خمس نصاب سے کم میں جس میں ایک درہم سے کم زکاة میں دینا واجب ہو، کسر کی وجہ سے حرج لازم آتا ہے۔

اور وہ اس طرح کہ مثلاً جب کسی کی ملکیت میں دو سو سات درہم ہوں، تو علی الحساب زکاة واجب ہونے کی صورت میں اس کو پانچ درہم اور ہر درہم کے چالیسویں حصہ کے طور پر سات اجزاء واجب ہوں گے، جس کو حساب کر کے ادا کرنا مشکل ہوگا۔ ۲

۱ عن الحسن، قال: كتب عمر إلى أبي موسى: فما زاد على المئتين، ففی كل أربعين درهما درهم (مُصنّف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۹۵، باب ما قالوا فيما زاد على المئتين، ليس فيه شيء حتى يبلغ أربعين درهما) عن أنس، قال: ولاني عمر بن الخطاب الصدقات، فأمرني أن آخذ من كل عشرين دينارا نصف دينار، وما زاد فبلغ أربعة دنائير، ففيه درهم، وأن آخذ من مائتي درهم خمسة دراهم، فما زاد فبلغ أربعين درهما، فيه درهم (كتاب الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۱۱۶۷، كتاب الصدقة واحكامها وستنها، باب فروض زكاة الذهب والورق، وما فيهما من السنن)

۲ قال فی المحيط؛ لأن الزكاة لا تجب فی الكسور من النصاب الثاني عنده ما لم يبلغ أربعين للخرج فكذلك لا يجب الأداء ما لم يبلغ أربعين للخرج (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال) ولأن الحرج مدفوع فی إيجاب الكسور ذلك لتعذر الوقوف (الهداية شرح البداية، ج ۱ ص ۱۰۲، فصل فی الفضة)

وذلك أنه إذا ملك مائتي درهم وسبعة دراهم وجب عليه على قولهما خمسة وسبعة أجزاء من أربعين جزءاً من درهم، فإذا لم يؤد حتى جاءت السنة الثانية كان الواجب عليه زكاة مائتي درهم ودرهم وزكاة ثلاثة وثلاثين جزءاً من درهم وذلك لا يعرف، ولأنه أوفق لقياس الزكوات لأنها تدور بعفو ونصاب (فتح القدير، ج ۲ ص ۲۱۱، فصل فی الفضة)

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حضرت شعبی، حضرت حسن، حضرت مکحول اور حضرت عطاء رحمہم اللہ کے آثار و اقوال بھی ہیں۔ ۱۔

جمہور کے دلائل

صاحبین (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد) اور جمہور فقہائے کرام نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، جس کو انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جس کے آخر میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ولأن الحرج مدفوع) وهو واضح (وفى إيجاب الكسور ذلك) أى الحرج (لتعسر الوقوف) لأنه إذا ملك مائتي درهم وسبعة دراهم يجب عليه عندهما خمسة دراهم وسبعة أجزاء من أربعين جزءاً من درهم فتعسر معرفة سبعة أجزاء من أربعين جزءاً من درهم فحينئذ لا يقدر على الأداء فى السنة الأولى، فإذا جاءت السنة الثانية وجب عليه زكاة ما بقى من المال بعد الزكاة لأن دينها مستحق وإن لم يؤد ذلك مائتا درهم ودرهم وثلاثة وثلاثون جزءاً من أربعين جزءاً من درهم واحد وزكاة درهم وثلاثة وثلاثين جزءاً من أربعين جزءاً من درهم يتعسر الوقوف عليه (البتة) العناية شرح الهداية، ج ۲ ص ۲۱۰، ۲۱۱، فصل فى الفضة)

۱۔ عن الشعبي، قال: كان لا يرى فيما زاد على المئتين شيء، حتى يبلغ أربعين (مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۹۹۵۶، كتاب الزكاة، باب ما قالوا فيما زاد على المئتين، ليس فيه شيء حتى يبلغ أربعين درهماً)

عن الحسن، قال: ليس فيما زاد على المئتين شيء، حتى يكون أربعين درهماً (أيضاً، رقم الحديث ۹۹۵۸)

عن مكحول، قال: ليس فيما زاد على المئتين شيء، حتى يبلغ أربعين درهماً (أيضاً، رقم الحديث ۹۹۵۹)

عن عطاء، قال: حتى يبلغ أربعين درهماً نيفاً على المئتين فهى حينئذ ستة دراهم، ثم لا شيء حتى تبلغ ثمانين ومئتي درهم، فهى سبعة دراهم، ثم كذلك (أيضاً، رقم الحديث ۹۹۶۰)

عن ابن جريج، قال: قال عطاء: لا يكون فى مال صدقة حتى يبلغ عشرين ديناراً، فإذا بلغت عشرين ديناراً ففيها نصف دينار، وفى كل أربعة دنائير يزيد بها المال درهم، حتى تبلغ أربعين ديناراً، وفى كل أربعين ديناراً دينار، وفى كل أربعة وعشرين ديناراً نصف دينار ودرهم (مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۹۹۷۷، كتاب الزكاة، باب ما قالوا فى الدنائير: ما يؤخذ منها فى الزكاة؟)

”وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعَشْرِ“

کہ ”چاندی (کی زکاة) میں ربع عشر (یعنی چالیسواں حصہ) واجب ہے“ ۱۔
اس حدیث میں مطلقاً چالیسویں حصہ کا حکم مذکور ہے، بغیر کسی مقدار کے استثناء کے، لہذا اس حدیث سے نصاب یا اس سے زائد مال ہونے کی صورت میں کل مال کا علی الحساب چالیسواں حصہ زکاة میں واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ۲۔
جمہور کی دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع و موقوف وہ حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

”فَمَا زَادَ فَعَلَى حِسَابِ ذَلِكَ“

۱۔ اُنْ اَنَسَا، حدثه: اُنْ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتَابُ لِمَا وَجَّهَ اِلَى الْبَحْرَيْنِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ، وَالَّتِي اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهُ، فَمَنْ سَتَلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى وَجْهِهَا، فَلْيَعْطَهَا وَمَنْ سَتَلَ فَوْقَهَا فَلَا يَعْطُ فِيْ اَرْبَعٍ وَعَشْرِيْنَ مِنَ الْاِبْلِ، فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ اِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعَشْرِيْنَ اِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِيْنَ، فَفِيْهَا بَنْتٌ مَّخَاضٌ اَنْثَى، فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِيْنَ اِلَى خَمْسٍ وَاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بَنْتٌ لَّبُوْنٌ اَنْثَى، فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَاَرْبَعِيْنَ اِلَى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حَقَّةٌ طَرَوْقَةُ الْجَمَلِ، فَاِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّيْنَ اِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِيْنَ، فَفِيْهَا جَذْعَةٌ اِذَا بَلَغَتْ اَعْنَى سِتًّا وَسَبْعِيْنَ اِلَى تِسْعِيْنَ، فَفِيْهَا بَنْتٌ لَّبُوْنٌ اِذَا بَلَغَتْ اِحْدَى وَتِسْعِيْنَ اِلَى عَشْرِيْنَ وَمِائَةٍ، فَفِيْهَا حَقَّتَانِ طَرَوْقَتَا الْجَمَلِ، فَاِذَا زَادَتْ عَلَى عَشْرِيْنَ وَمِائَةٍ، فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ بَنْتٌ لَّبُوْنٌ وَفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حَقَّةٌ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ اِلَّا اَرْبَعٌ مِنَ الْاِبْلِ، فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ رِبْهًا، فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا مِنَ الْاِبْلِ، فَفِيْهَا شَاةٌ وَفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلَى عَشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ، فَاِذَا زَادَتْ عَلَى عَشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلَى مِائَتَيْنِ شَاتَانِ، فَاِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ اِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ، فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ، فَاِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ، فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ، فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ اَرْبَعِيْنَ شَلَّةً وَاحِدَةً، فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ رِبْهًا وَفِيْ الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعَشْرِ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً، فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ رِبْهًا (بخاری، رقم الحدیث ۱۲۵۳، باب زکاة الغنم)

۲۔ واحتج الجمهور بقوله صلى الله عليه وسلم في صحيح البخاري في الرقة ربع العشر والرقة الفضة وهذا عام في النصاب وما فوقه بالقياس على الجوب (شرح النووي على مسلم، ج ۷ ص ۵۰، كتاب الزكاة)

”جو (دوسو درہم سے) زائد ہو تو اسی (ربع عشر یا چالیسویں حصے کے) حساب

سے زکاة واجب ہے“ ۱

اور اسی طرح کی روایت بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ ۲

۱ عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هاتوا ربع العشر من كل أربعين درهما درهما، وليس فيما دون المائتين شيء فإذا كانت مائتين ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلى حساب ذلك (سنن الدارقطني، رقم الحديث ۱۸۹۸)
عن أبي إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هاتوا ربع العشر من كل أربعين درهما، وليس فيما دون المائتين شيء، فإذا كانت مائتي درهم، ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلى ذلك الحساب (صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۲۹۷)
حدثنا أبو إسحاق، عن عاصم بن ضمرة، وعن الحارث الأعور، عن علي رضي الله عنه، - قال زهير أحسبه عن النبي صلى الله عليه وسلم - أنه قال: هاتوا ربع العشر من كل أربعين درهما درهم، وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم، فإذا كانت مائتي درهم، ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلى حساب ذلك (ابو داود، رقم الحديث ۱۵۷۲)

عن عاصم بن ضمرة، عن علي، قال: ليس في أقل من مئتي درهم شيء، فما زاد فبالحساب (مُصَنَّف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۹۶۱، باب من قال فيما زاد على المئتين فبالحساب)
عن عاصم بن ضمرة، عن علي، قال: ليس في أقل من عشرين دينار شيء، وفي عشرين دينار نصف دينار، وفي أربعين دينار دينار، فما زاد فبالحساب (مُصَنَّف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۹۶۲، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الدنانير: ما يؤخذ منها في الزكاة؟)

۲ واختلف أهل العلم فيمن ملك من الورق أكثر من خمس أواق فقالوا قائلون منهم: ما زاد على ذلك من شيء ففيه من الزكاة بحساب ذلك، ومن قال ذلك منهم: مالك، وأبو يوسف، ومحمد، والشافعي، ورووا ذلك عن علي بن أبي طالب، وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما.
حدثنا إبراهيم بن مرزوق، قال حدثنا أبو عاصم، عن سفيان، عن أبي إسحاق، عن عاصم بن صبرة، عن علي رضي الله عنه، قال: " في كل مائتين خمسة، فما زاد فبالحساب "
حدثنا يحيى بن عثمان، قال: حدثنا نعيم بن حماد، قال: حدثنا ابن المبارك، قال: أخبرنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن عاصم، عن علي، قال: " إذا كان عندك مال استفدته فليس عليك فيه شيء حتى يحول عليه الحول، فإن بلغ مائتين ففيه خمسة، وإن نقص فليس فيه شيء، فما زاد على المائتين فبالحساب "

حدثنا أبو بكرة، قال: حدثنا وهب بن جرير، قال: حدثنا هشام، وهو ابن حسان، عن محمد، عن جابر الحذاء، قال: قلت لابن عمر: " أعلى العبد زكاة، قال: مسلم؟ قلت: نعم قال: فإن كل مسلم عليه في كل مائتين خمسة دراهم، فما زاد فبالحساب "

حدثنا أبو بكرة، قال: حدثنا حجاج بن منهال، قال حدثنا يزيد بن إبراهيم التستري، قال: حدثني محمد، قال: أخبرني جابر الحذاء، قال: سألت عمر، ثم ذكر مثله (أحكام القرآن للطحاوي، ج ۱ ص ۲۶۵، كتاب الزكاة)

جمہور کی ایک تیسری دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے، جس میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ربیع عشر کے لینے کا حکم مذکور ہے۔ ۱

جمہور کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ شریعت نے دو سو درہم یا بیس مثقال سے کم کو تو زکاة سے مستثنیٰ کیا ہے، اور دو سو درہم کی مقدار پر زکاة کو واجب ٹھہرایا ہے، لہذا مذکورہ مقدار سے کم تو اصولی طور پر زکاة سے معاف و مستثنیٰ ہوگی، اور اس سے زیادہ مقدار معاف و مستثنیٰ نہیں ہوگی۔ ۲

۱۔ عن أنس بن سيرين، عن أنس بن مالك قال: أمرني عمر بن الخطاب أن آخذ من المسلمين ربع العشر، ومن أهل الزمة نصف العشر، ومن لا ذمة له العشر (معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الحديث ۱۸۵۹۲)

۲۔ وأما دليل الخطاب المعارض له، فقولہ -عليه الصلاة والسلام-: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة. ومفهومه أن فيما زاد على ذلك الصدقة قل أو كثر (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج ۲، ص ۱۸، كتاب الزكاة، الجملة الثالثة في معرفة نصاب الزكاة، الفصل الأول في نصاب الذهب والفضة)

مسألة: قال الشافعي رضي الله عنه: "وما زاد ولو قيراطا فبحسابه." قال الماوردي: وهذا كما قال الوقص في الورق معتبر في ابتدائه غير معتبر في انتهائه فما زاد على المائتين ففيه الزكاة بحسابه، قليلا كان أو كثيرا وهو قول علي وابن عمر رضي الله عنهما وجمهور الفقهاء.

وقال أبو حنيفة: لا شيء فيما زاد على المائتين حتى يبلغ أربعين درهما فيجب فيها درهم، ولا شيء فيما دون الأربعين، وخالفه صاحبا ووافقه الحسن البصري وابن شهاب الزهري تعلقا برواية الحارث الأعور عن علي عليه السلام أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: هاتوا ربع العشر من الورق من كل أربعين درهما "وبرواية حبيب بن نجيع عن عباد بن نسي عن معاذ بن جبل أن النبي -صلى الله عليه وسلم- لما بعثه إلى اليمن قال: "لا تأخذ من الكسر شيئا ولا من الورق حتى تبلغ مائتي درهم ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ أربعين فإذا بلغت مائتي درهم" قال ولأنه جنس مال في ابتدائه وقص فوجب أن يكون في أثنائه وقص كالنصاب.

ودليلنا: عموم قوله -صلى الله عليه وسلم- في "الرقعة ربع العشر" فكان ما استثنى منه خارجا، وما سوى الاستثناء على حكم العموم باقيا، وروى عاصم بن ضمرة عن علي عليه السلام أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: "هاتوا ربع العشر من الورق من كل أربعين درهما ولا شيء فيها حتى تبلغ مائتين فإذا بلغت مائتي درهم خمس دراهم وما زاد فعلى حساب ذلك" وهذا نص وروى عبد الله بن عمرو عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أنه قال في مائتين خمسة وما زاد فبحساب ذلك، ولأنه مال مستفاد من الأرض فوجب أن لا يكون له وقص بعد وجوب زكاته كالزروع، ولأنها زيادة على نصاب في جنس مال لا ضرر في تبغيضه فوجب أن تجب فيه الزكاة كالأربعين، أو كالذهب،

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جمہور کے قول کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم خنی، حضرت ابن سیرین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کے اقوال مروی ہیں۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأن الوقص في الزكاة وقصان: وقص في ابتداء المال ليبلغ حداً يحتمل الموصاة، وهذا موجود في الورق، فاعتبر فيه وقص في أثناء المال، لأن لا يجب كسر يستضر بإيجابه فيه، وهذا معدوم في الورق فلم يعتبر فيه، ثبت أخذ الوقصين لوجود معناه، وسقط الوقص الثاني لفقد معناه. فأما الجواب عن حديث علي عليه السلام فهو أن يقال: نحن نعمل بموجبه وهو أن في كل أربعين درهما درهما، وليس فيه أن لا شيء فيما دون الأربعين، فإن قيل المحدود عندكم يجب أن يكون حكمه مخالفاً لحكم ما خرج عنه وما نقص عن الأربعين فأرجع عما أخذ بالأربعين ووجب أن يكون حكمه مخالفاً له قبل ذلك قيل كذلك نقول إلا أنا نوجب في الأربعين درهما كاملاً، ولا نوجب فيما دونها درهما، وإنما نوجب بعض درهم، وبهذا يجب عن حديث معاذ في قوله ولا شيء في زيادتها حتى تبلغ أربعين، أي: لا شيء فيها كامل هذا إن صح الحديث من قرح فيه وهو غير صحيح من وجهين:

أحدهما: أنه رواية محمد بن إسحاق عن المنهال بن الجراح عن حبيب بن عباد، والمنهال بن الجراح هو أبو العطف الجراح بن المنهال، وإنما قلت محمد بن إسحاق باسمه لضعفه واشتغاره بوضع الحديث.

والثاني: أن عبادة لم يلق معاذاً فكان الحديث منقطعاً، وأما قياسهم على المواشي فالمعنى فيها أن في بعضها ضرراً، فلذلك ثبت في انتهائها وقص، والورق ليس في تبعضها ضرر فلذلك لم يثبت في أثنائها وقص والله أعلم (الحاوي في فقه الشافعي للماوردي، ج ۳ ص ۲۶۳، ۲۶۵، كتاب الزكاة، باب تفسير الاوقية)

۱۔ عن ابن عمر، قال: ما زاد على المئتين، فبالحساب (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۹۲۲، كتاب الزكاة، باب من قال فيما زاد على المئتين فبالحساب) عن إبراهيم، قال: ما زاد على المئتين فبالحساب (أيضاً، رقم الحديث ۹۹۲۳) عن ابن سيرين، قال: ما زاد فبالحساب (أيضاً، رقم الحديث ۹۹۲۴) عن عمر بن عبدالعزیز، قال: ما زاد فبالحساب (أيضاً، رقم الحديث ۹۹۲۵) عن رزيق مولى بني فزارة، أن عمر بن عبدالعزیز كتب إليه حين استخلف: خذ ممن مر بك من تجار المسلمين فيما يديرون من أموالهم، من كل أربعين ديناراً ديناراً، فما نقص فبالحساب ما نقص حتى يبلغ عشرين، فإذا نقصت ثلث دينار فدعها، لا تأخذ منها شيئاً، واكتب لهم براءة بما تأخذ منهم إلى مثلها من الحول، وخذ ممن مر بك من تجار أهل الذمة، فيما يظهرون من أموالهم ويديرون من التجارات، من كل عشرين ديناراً ديناراً، فما نقص فبالحساب ما نقص حتى يبلغ عشرة دنائير، فإذا نقصت ثلث دينار فدعها، لا تأخذ منها شيئاً، واكتب لهم براءة إلى مثلها من الحول بما تأخذ منهم (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۹۹۷۱، كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الدنانير: ما يؤخذ منها في الزكاة؟)

جہور کے دلائل کے جواب میں امام صاحب کی طرف سے بعض احتاف نے فرمایا کہ جو دو سو درہم پر مطلقاً زیادتی کی صورت میں چالیسویں حصے کی زکاة کی احادیث و روایات ہیں، وہ کسر پر محمول نہیں ہیں، بلکہ خمس نصاب یا اس سے زائد پر محمول ہیں۔ ۱۔

۱۔ فان قلت: التطبيق يمكن بأن يحمل حديث المتن على التمثيل في الأربعينات، وحديث الحاشية على الحقيقة.

قلت: ليس بأولى مما فعلناه، فان الموضع موضع البيان، ولا يجوز تأخير البيان عن وقته على أن فيه حرجاً به عليه صاحب الهداية بقوله "ولأن الحرج مدفوع، وفي إيجاب الكسور ذلك لتعذر الوقوف (۱: ۱۷۴) وبين في الحاشية عن العيني وجه التعذر فليكن أن تطالعه (اعلاء السنن، ج ۹، ص ۵۶، باب ما جاء في كسور الذهب والفضة)

فقوله من كل أربعين درهما درهم خرج تفسيراً لقوله هاتوا ربع العشر فيفيد هاتوا ربع العشر على هذا الوجه لأن هذه الجملة في موضع الحال من المفعول فتكون قيداً في عامله الذي هو الأمر بالإعطاء فيكون الوجوب على هذا الوجه.

بقي أن يقال: قصاره أنه لم يتعرض للنفي عما دونها إلا بمفهوم الصفة، ولا يعتبر عندنا أو بالإضافة إلى العدم الأصلي، وحديث على متعرض لإيجابه، ولو اعتبر المفهوم كان المنطوق مقدماً عند المعارضة، خصوصاً وفيه الاحتياط. فالأولى حينئذ إثبات المعارضة بين حديث على وحديث عمرو بن حزم وأثر عمر فإنهما يفيدان أن تمام حكم ما زاد أن يجب في كل أربعين درهم فلا يكون من حكم ما زاد خلاف ذلك وإلا لم يكن بياناً لحكم ما زاد بل لبعضه فإن قيل: يحمل على إرادة ما زاد من الأربعينات دفعاً للمعارضة.

قلنا ليس بأولى من اعتبار مثله في حديث على بأن يحمل ما زاد فبحسابه: أي ما زاد من الأربعينات فبحساب الخمسة في المائتين وهو أن يكون فيها درهم. فإن قيل: بل الحمل في معارض حديث على أولى منه فيه لأنه موجب وذلك مسقط فيكون فيه الاحتياط، وظن أن حديث معاذ نهى فيقدم غلط بأدنى تأمل؛ لأنه إنما نهى المصدق، وكلامنا فيما يرجع إلى رب المال وهو ليس بمنهى أن يعطى بل الواقع في حقه تعارض السقوط والوجوب.

قلنا: ذلك لو لم يكن ملزوماً للحرج العظيم والتعذر في بعضها في كثير من الصور وهو ما أشار إليه المصنف بقوله لتعذر الوقوف، وذلك أنه إذا ملك مائتي درهم وسبعة دراهم وجب عليه على قولهما خمسة وسبعة أجزاء من أربعين جزءاً من درهم، فإذا لم يؤد حتى جاءت السنة الثانية كان الواجب عليه زكاة مائتي درهم ودرهم وزكاة ثلاثة وثلاثين جزءاً من درهم وذلك لا يعرف، ولأنه أوفق لقياس الزكوات لأنها تدور بعفو ونصاب (قوله والمعتبر في الدرهم الخ) هذا الاعتبار في الزكاة ونصاب الصدقة والمهر وتقدير الديات، وإذا قد أخذ المثقال في تعريف الدرهم فلا بد من النظر فيه، وظاهر كلام المصنف في صدقة الذهب أنه معروف (فتح القدير، ج ۲، ص ۲۱۰، ۲۱۱، كتاب الزكاة، فصل في الفضة)

جبکہ دیگر فقہائے کرام نے فرمایا کہ چالیس درہم میں ایک درہم کا جن روایات میں ذکر ہے، وہ تمثیل پر محمول ہیں، اور مقصود ان کا چالیسویں حصہ کی توضیح ہے۔ ۱

دفع حرج کی بناء پر بعض مشائخ حنفیہ نے امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ ۲

۱ (صدقة الرقة) هي الدراهم المضروبة والهاء فيها عوض عن الواو المحذوفة (من كل أربعين درهما درهم) أى من كان له مال فليزك على هذا النسق (وليس فى تسعين ومئة شىء فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم فما زاد فعلى حساب ذلك) وفيه حجة للشافعى فى أنه لا وقص فى زكوة الورق بل ما زاد على النصاب فبحسابه ورد على أبى حنيفة فى ذهابه إلى إثبات الوقص هنا فإذا قيل المراد حساب أربعين أى فى كل أربعين درهما درهم رد بالمنع لأنه علم صريحا من قوله إذا بلغت مائتين (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۲۱۰۴، حرف القاف)

۲ فأما إذا زاد على نصاب الذهب أو الفضة فلا يجب فى الزيادة شىء عند أبى حنيفة حتى تبلغ أربعة مثاقيل فى الذهب فيجب فيها قيراطان وأربعين من الدراهم فيجب فيها درهم ولا تجب فى أقل من ذلك، وقال أبو يوسف ومحمد الشافعى تجب الزكاة فى الكسور بحساب ذلك، والصحيح قول أبى حنيفة لأن فى اعتبار الكسور حرجا بالناس والحرج موضوع (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۶۶، كتاب الزكاة)

(ونصاب الفضة) أى الحجر الأبيض الرزین ولو غیر مضروب وإنما سمي بها لإزالة الكربة عن مالکها من الفض وهو التفريق (مائتا درهم وفيهما ربع العشر) وهو نصف مثقال فى نصاب الذهب وخمسة دراهم فى الفضة هكذا روى عن النبى -عليه الصلاة والسلام- (ثم فى كل أربعة مثاقيل وأربعين درهما بحسابه) ففى أربعين درهما زادت على المائتين درهم وفى أربعة مثاقيل زادت على العشرين حصتها ولا شىء فيما دون ذلك عن الإمام وهو الصحيح كما فى التحفة لقوله -عليه الصلاة والسلام- ليس فيما دون الأربعين صدقة (وقالا ما زاد بحسابه وإن) وصلية (قل) وهو قول الشافعى فلو زاد دينار وجب جزء واحد من عشرين جزءا من نصف دينار ولو زاد درهم وجب جزء من أربعين جزءا من درهم وهكذا لقوله -عليه الصلاة والسلام- وما زاد على المائتين فبحسابه لكن يمكن أن يحمل زائد على المائتين فى هذا على الأربعينيات توفيقا (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، نصاب الفضة)

مگر درس ترمذی کے حاشیہ میں مولانا رشید اشرف سیفی صاحب زیدہ مجدد نے صاحبین رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، دیکھئے ”معارف السنن“ ج ۵ ص ۱۷۰، ۱۷۱ (درس ترمذی، ج ۲ ص ۴۰۶،

باب ما جاء فى زكاة الذهب والورق)

مگر معارف السنن میں مراجعت کے بعد ہمیں ایسی کوئی عبارت نہیں ملی، جس سے مذکورہ موقف کا ثبوت ہوتا ہو، بلکہ اس میں صرف کسور سوائم میں صاحبین کے قول پر فتویٰ کی تصریح ہے۔ چنانچہ معارف السنن کی عبارت یہ ہے کہ:

﴿بقية حاشية لکے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کا تقاضا یہ ہے کہ حنفیہ کا فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہو۔ مگر متاخرین اور بالخصوص معاصرین کی کتب میں علی الاطلاق بغیر کسی مقدار کے استثناء کے ڈھائی فیصد یا چالیسویں حصے کی زکاة میں وجوب کا تذکرہ ملتا ہے، اور عوام میں بھی اسی کے مطابق عمل اور شہرت پائی جاتی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ آیا کہ تسامح ہے یا کچھ اور؟ اس سلسلہ میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔

مگر ہمارے نزدیک موجودہ حالات میں صاحبین (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد) اور جمہور کے قول کے مطابق ہی حکم بیان کرنا اور فتویٰ دینا رائج ہے۔ کیونکہ دلائل کے رائج مرجوح ہونے سے قطع نظر اولاً تو اس سلسلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کا قول دفع حرج پر مبنی ہے، اور یہ حرج عرف پر مبنی ہے۔
وَالنَّصُّ مَعْلُومٌ بِالْعُرْفِ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واذا زاد على المائتين فلا شيء فيه حتى يبلغ الى اربعين درهما، ففيه درهم عند أبي حنيفة وعند صاحبيه، ففي الكسور بحسابها وان لم تبلغ الى اربعين، واما كسور السوائيم فالخلاف فيه بالعكس، وخلافية كسور السوائيم من "الهداية" من زكاة البقر، وكسور النقدين في زكاة المال منها، وافتي ارباب الفتوى على قولهما، اي في كسور السوائيم فقط، فلا تجب في الكسور، وعليه الفتوى كما في "الينابيع" وتصحيح "القدوري" و"الاسيحابي" و"المحيط" و"البحر" و"النهر" وغيرها، كما في "رد المحتار" (معارف السنن ج ۵ ص ۱۷۰، ۱۷۱، باب ما جاء في زكاة الذهب والورق) البته "العرف الشذی" میں علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی عبارت سے مطلقاً (یعنی زکاة ذہب وفضہ اور زکاة سوائیم میں) صاحبین کے قول پر فتویٰ کا ایہام ہوتا ہے۔ چنانچہ "العرف الشذی" میں ہے کہ:

قوله: (من كل اربعين درهما درهماً إلخ) اتفقوا على أن اربعين درهماً لا شيء فيها حتى تبلغ مائتين، واما اربعون فلذكر الحساب، واما الزائد على مائتين، فلا شيء في الكسور عند أبي حنيفة، وتجب في كسور السوائيم خلاف صاحبيه في المسائلين، وافتي ارباب الفتوى على قولهما (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج ۲ ص ۹۹، كتاب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الذهب والورق)

مگر یہ عبارت بھی مذکور موقف پر صریح نہیں اور ہمیں حنفیہ کی کتب فقہ میں زکاة ذہب وفضہ کے مذکورہ باب میں صاحبین کے قول پر فتوے کی تصریح نہیں ملی۔ محمد رضوان۔

اور جس طریقہ سے گزشتہ زمانہ میں جبکہ دراہم و دنانیر رائج تھے، اور خاص کر جبکہ ایک مثقال یا ایک دینار کی قیمت چالیس دراہم کے مساوی تھی، اور اس وجہ سے خمس نصاب سے کم میں ایک درہم سے کم مقدار زکاة میں واجب ہونے کی صورت میں حرج لازم آتا تھا، موجودہ دور میں یہ صورت حال نہیں ہے، بلکہ جتنا بھی مال ہو، اس کے ڈھائی فیصد یا چالیسویں حصہ کی تعیین و خرīj اور کسی بھی مال سے اس کی ادائیگی کوئی مشکل کام نہیں، اور اس کے برعکس خمس نصاب کے استثناء اور اس کی خرīj و تعیین میں مشکلات ہیں۔

مثلاً جب نصاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ہر پانچویں حصے پر ڈھائی فیصد کو واجب کیا جائے گا، اور اس کے درمیان کی مقدار کو معاف قرار دیا جائے گا، تو اس میں ایک نصاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے اور اس کے چالیسویں حصے کا تناسب نکالنے میں عوام کے لئے مشکلات ہوں گی۔ ۱۔

دوسرے موجودہ حالات میں مخصوص مقدار کے عوام میں استثناء کی تشہیر و تبلیغ کرنے سے ایک درجہ میں تشویش کا بھی اندیشہ ہے۔

تیسرے صاحبین و جمہور کے قول پر عمل کرنے کی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اس مقدار کی زکاة زیادہ سے زیادہ تطوع یا نفلی صدقہ میں داخل ہو جائے گی، جو کہ خود باعثِ اجر ہے، اور عبادات کے

۱۔ (قوله ورجحه الكمال) حيث قال عقب ما ذكرنا: ولا يخفى أن هذا لا يلزم أبى يوسف لأن قصاره أنه كنصه على ذلك وهو يقول: يصار إلى العرف الطارئ بعد النص بناء على أن تغير العادة يستلزم تغير النص، حتى لو كان -صلى الله عليه وسلم- حيا نص عليه -اه- وتمامه فيه. وحاصله توجيه قول أبى يوسف أن المعتبر العرف الطارئ بأنه لا يخالف النص بل يوافقه، لأن النص على كيلية الأربعة، ووزنية الذهب والفضة مبنى على ما كان فى زمنه -صلى الله عليه وسلم- من كون العرف كذلك حتى لو كان العرف إذ ذاك بالعكس لورود النص موافقا له ولو تغير العرف فى حياته -صلى الله عليه وسلم- لنص على تغير الحكم، وملخصه: أن النص معلول بالعرف فيكون المعتبر هو العرف فى أى زمن كان ولا يخفى أن هذا فيه تقوية لقول أبى يوسف فافهم (رد المحتار، ج ۵ ص ۷۷۱، كتاب البيوع، باب الربا)

باب میں جبکہ کوئی عمل وجوب اور عدم وجوب کے درمیان دائر ہو، تو اس میں احتیاط کے پیش نظر حنفیہ کے قواعد کے مطابق وجوب کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ ۱

چوتھے صاحبین اور جمہور کے قول پر عمل کرنے کی صورت میں فقراء کا نفع ہے، جو امام صاحب رحمہ اللہ کے اصل موقف کے مطابق ہے (اور یہاں امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کی مخالفت دفع حرج کے لئے فرمائی تھی، اور یہ علت موجودہ دور میں عموماً مفقود ہے) ۲

پانچویں صاحبین رحمہما اللہ کے اس قسم کے اقوال اجتہاد فی المذہب کے دائرے تک محدود ہیں، جن پر بوقت ضرورت عمل کرنے میں مذہب سے خروج لازم نہیں آتا۔ ۳

۱۔ ومن المقرر طلب الاحتياط في صحة العبادة لتبرأ ذمة المكلف بها (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱ ص ۶۰۷، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف)
الاحتياط في الخروج عن عهدة ما عليه يتعين (البنایة شرح الهداية، ج ۳ ص ۱۳۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

وإنما يؤخذ في العبادة بالاحتياط. وطريق العبادة الاحتياط في البناء على المتيقن به دون المحتمل (شرح السير الكبير، ج ۱، ص ۲۲۱، باب صلاة القوم الذين يخرجون إلى العسكر ويريدون العدو)
۲۔ (و) تجب الزكاة أيضا (في عروض تجارة بلغت قيمتها نصابا من أحدهما) أي الذهب والفضة (تقوم) أي عروض التجارة (بما هو أنفع للفقراء) أيهما كان لقوله -عليه الصلاة والسلام- يقومها فيؤدى من كل مائتي درهم خمسة دراهم وهذا عند الإمام يعني نقوم بما يبلغ نصابا إن كان يبلغ بأحدهما دون الآخر احتياط في حق الفقراء كما في التبيين ويحتمل أن يراد أنها تقوم بالأنفع إن كانت تبلغ بهما فإن كان التقويم بالدرهم أنفع قومت بها، وإن بالدنانير قومت بها (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ۱ ص ۲۰۷، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض)

۳۔ الثانية: طبقة المجتهدين في المذهب كأبي يوسف ومحمد وسائر أصحاب أبي حنيفة، القادرين على استخراج الأحكام من الأدلة على مقتضى القواعد التي قررها أستاذهم أبو حنيفة في الأحكام وإن خالفوه في بعض أحكام الفروع، لكن يقلدونه في قواعد الأصول، وبه يمتازون عن المعارضين في المذهب كالشافعي وغيره المخالفين له في الأحكام غير مقلدين له في الأصول (رد المحتار على الدر المختار، مقدمة)

و أما إذا حكم الحنفی بما ذهب إليه أبو یوسف أو محمد أو نحوهما من أصحاب الإمام فلیس حکما بخلاف رایہ۔ اھ۔ فقد أفاد أن أقوال أصحاب الإمام غير خارجة عن مذهبه، فقد نقلوا عنهم أنهم ما قالوا قولاً إلا هو مروى عن الإمام كما أوضحت ذلك في شرح منظومتي في رسم المفتي (رد المحتار على الدر المختار، ج ۳، ص ۳۶۲، كتاب الوقف)

﴿بقیہ حاشیہ لگے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ علمی حد تک امام صاحب اور صاحبین و جمہور کے اقوال کی وضاحت میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کی وضاحت اہل علم حضرات کی ذمہ داری میں داخل ہے، اور اسی لئے ہم نے مذکورہ تحقیق و تفصیل ذکر کر دی ہے۔

اور اگر کوئی خفی مقلد امام صاحب کے قول پر عمل کرے، تب بھی وہ موجب ملامت نہیں، کیونکہ یہ بھی مشائخ حنفیہ کا تصحیح کردہ قول ہے، کما مر۔

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

محمد رضوان

۱۲/ربیع الآخر/۱۴۳۳ھ 06/مارچ/2012ء بروز منگل

نظر ثانی

۱۱/رجب المرجب/۱۴۳۵ھ 11/مئی/2014ء بروز اتوار

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان أبو حنيفة من جانب وأبو يوسف ومحمد رحمهما الله من جانب، فإن كان القاضي من أهل الاجتهاد يجهل، وإن لم يكن من أهل الاجتهاد يستفتى غيره، ويأخذ بقول المفتي بمنزلة العامى، وإن كان أبو حنيفة رحمه الله أعلى رتبة، لأنه قد يرزق الرجل الصواب، وإن كان غيره أعلى رتبة، فإن أدراك الصواب فضيلة يرزقه الله تعالى من عباده من يشاء وإن لم يكن من أهل الاجتهاد يأخذ بقول أبى حنيفة، ولا يترك مذهبه، لأنه أفقه عنده من غيره، فلا يترك متابعتة (المحيط البرهاني فى الفقه النعماني، ج ۸، ص ۱۱، كتاب القضاء، الفصل الثالث: فى ترتيب الدلائل للعمل بها)

(۲)

سونے اور چاندی کا نصاب مستقل ہونے کی تحقیق

موجودہ دور میں سونے اور چاندی کے زکاة والے نصابوں کی مالیت میں باہم غیر معمولی کمی، زیادتی کا فرق پایا جاتا ہے، چنانچہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت سے بہت زیادہ کم ہے، ایسے حالات میں بعض لوگوں کو طرح طرح کے شبہات پیش آیا کرتے ہیں، اور بعض لوگ یکوشش کرتے ہیں کہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو دوسرے کے تابع کر کے قیمت برابر کر دی جائے، اور اس غیر معمولی تفاوت اور فرق کو ختم کر دیا جائے، اس سلسلہ میں بندہ محمد رضوان نے درج ذیل مضمون تحریر کیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سونے اور چاندی کے نصاب کی مقدار

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سونے کے نصاب کی مقدار بیس دینار یا بیس مثقال ہے، اور چاندی کے نصاب کی مقدار دو سو درہم ہے۔ اور اہل علم حضرات نے وزن کے اعتبار سے بیس دینار یا بیس مثقال سونے کی مقدار ساڑھے سات تولہ، اور دو سو درہم چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولہ قرار دی ہے۔

سونے اور چاندی دونوں کا نصاب مستقل ہے

ائمہ اربعہ اور جمہور اہل علم کے نزدیک زکاة کے معاملہ میں مذکورہ دونوں نصابوں کی حیثیت مستقل ہے، اور ان میں سے کوئی نصاب دوسرے نصاب کے تابع نہیں ہے۔

اور اسی وجہ سے اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سے کم مقدار میں صرف سونا ہو، اور اس کی ملکیت میں سونے کے علاوہ کوئی دوسرا قابل زکاة مال، مثلاً چاندی، تجارت کا مال، اور نقدی نہ ہو، تو اس پر زکاة واجب نہیں ہوتی، خواہ اس سونے کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر، یا اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، احادیث و آثار سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

سونے کا نصاب چاندی کے نصاب کے تابع ہونے کا قول

ائمہ اربعہ و جمہور اہل علم کے مقابلہ میں، حضرت طاووس وغیرہ کا یہ قول مروی ہے کہ سونے کا نصاب، چاندی کے نصاب کے تابع ہے، لہذا ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں ساڑھے سات تولہ سونے سے کم مقدار پر بھی اس صورت میں زکاة واجب ہوتی ہے، جبکہ اس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے بقدر یا اس سے زیادہ ہو۔ لیکن اس سلسلہ میں جمہور فقہائے کرام کا قول دلائل کے لحاظ سے راجح ہے۔ آگے اس مسئلہ کی قدرے تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا أَنَّ الزَّكَاةَ تَجِبُ فِي عِشْرِينَ

دِينَارًا عَيْنًا كَمَا تَجِبُ فِي مِائَتِي دِرْهَمٍ (موطا امام مالک) ۱

ترجمہ: وہ سنت کہ جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ زکاة بیس

دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ) کے عین میں واجب ہے، جیسا کہ دوسو درہم میں

واجب ہے (موطا)

اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَقَالَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ لَا زَكَاةَ فِيْمَا دُونَ عِشْرِينَ وَإِنْ بَلَغَتْ مِائَتِي دِرْهَمٍ

۱ کتاب الزکاة، باب الزکاة فی العین من الذهب والورق.

وَتَجِبُ فِي عَشْرِينَ وَإِنْ لَمْ تَبْلُغْهَا مِمَّنْ قَالَ بِهِ عَلَى بْنِ أَبِي طَالِبٍ
وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَابْنُ سِيرِينَ وَعُرْوَةُ وَالتَّحِي وَيُحْكَمُ
وَمَالِكٌ وَالْقُورِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَاللَّيْثُ وَالشَّافِعِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو
يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ وَأَبُو ثَوْرٍ وَأَبُو غُبَيْدٍ.

وَقَالَ طَاوُوسٌ وَعَطَاءٌ وَالزُّهْرِيُّ وَأَيُّوبُ وَسَلِيمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَجِبُ
رُبْعُ الْعَشْرِ فِي الذَّهَبِ إِذَا بَلَغَتْ قِيَمَتُهُ مِائَتِي دِرْهَمٍ وَإِنْ كَانَ دُونَ
عَشْرِينَ مِثْقَالًا (المجموع شرح المذهب) ۱

ترجمہ: پس اکثر حضرات کے نزدیک بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) سونے سے کم میں زکاة واجب نہیں، اگرچہ وہ دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی کی مالیت کے برابر ہو، اور بیس مثقال سونے میں زکاة واجب ہے، اگرچہ وہ دوسو درہم چاندی کی مالیت کے برابر نہ ہو، یہی قول علی بن ابی طالب اور عمر بن عبدالعزیز اور ابن سیرین اور عروہ اور نخعی اور حکم اور ثوری اور اوزاعی اور لیث اور امام مالک، اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام احمد اور اسحاق اور ابو ثور اور ابو عبیدہ کا ہے۔

اور طاووس اور عطاء اور زہری اور ایوب اور سلیمان بن حرب کا قول یہ ہے کہ سونے میں چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) زکاة واجب ہے، جبکہ اس کی قیمت دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی کے برابر ہو جائے، اگرچہ وہ سونا بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) سے کم کیوں نہ ہو (الجبوع)

اور الموسوعة الفقهية میں ہے کہ:

نَصَابُ الذَّهَبِ عِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ عِشْرُونَ مِثْقَالًا، فَلَا تَجِبُ

الزَّكَاةُ فِي أَقَلِّ مَنَہَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِمَالِكِهَا فِضَّةٌ أَوْ غَرُوضٌ تِجَارَةٌ يَكْمُلُ بِهِمَا النَّصَابُ عِنْدَ مَنْ قَالَ ذَلِكَ عَلَى مَا سَيَأْتِي بَيَانُهُ، وَلَمْ يُنْقَلْ خِلَافٌ فِي ذَلِكَ إِلَّا مَا رَوَى عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ النَّصَابَ أَرْبَعُونَ مِثْقَالًا .

وَمَا رَوَى عَنْ عَطَاءٍ، وَطَاوُوسٍ، وَالزُّهْرِيِّ وَسُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ، وَأَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيَّ أَنَّ نَصَابَ الذَّهَبِ مُعْتَبَرٌ بِالْفِضَّةِ، فَمَا كَانَ مِنَ الذَّهَبِ قِيَمَتُهُ ۲۰۰ دِرْهَمٍ فَفِيهِ الزَّكَاةُ، سَوَاءً كَانَ أَقَلَّ مِنْ (۲۰) مِثْقَالًا أَوْ مُسَاوِيَةً لَهَا أَوْ أَكْثَرَ مِنْهَا، قَالُوا: لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْدِيرٌ فِي نَصَابِ الذَّهَبِ، فَيَحْمَلُ نَصَابُهُ عَلَى نَصَابِ الْفِضَّةِ.

وَاحتَجَّ الْجُمْهُورُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِي أَقَلِّ مِنْ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنَ الذَّهَبِ، وَلَا فِي أَقَلِّ مِنْ مِائَتِي دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ. وَفِي حَدِيثِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِينَ دِينَارًا فَصَاعِدًا نِصْفَ دِينَارٍ، وَمِنْ الْأَرْبَعِينَ دِينَارًا (الموسوعة الفقهية الكويتية) ۱

ترجمہ: جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سونے کا نصاب بیس مِثقال ہے، پس بیس مِثقال سے کم سونے میں زکاة واجب نہیں، مگر یہ کہ اس کے مالک کے پاس چاندی، یا تجارت کا سامان ہو، جن کی وجہ سے نصاب مکمل ہو جاتا ہو، ان حضرات کے نزدیک، جو اس کے قائل ہیں (کہ سونے کے ساتھ، چاندی یا تجارت کے مال کو جمع کیا جائے گا) جس کا بیان آگے آتا ہے، اور اس سلسلہ میں کوئی اختلاف

منقول نہیں، سوائے حسن کی اس روایت کے کہ نصاب چالیس مثقال ہے۔
 اور حضرت عطاء، طاووس، زہری اور سلیمان بن حرب، اور ایوب سختیانی سے یہ
 مروی ہے کہ سونے کے نصاب کا چاندی کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا، پس جس
 کے پاس اتنی مقدار میں سونا ہو کہ اس کی قیمت دو سو درہم (یعنی ساڑھے باون
 تولہ) چاندی کے برابر بن جاتی ہو، تو اس میں زکاة واجب ہوگی، خواہ وہ سونا بیس
 مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) سے کم ہو، یا بیس مثقال کے برابر ہو یا اس سے
 زیادہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کے نصاب کے متعلق کوئی مقدار
 ثابت نہیں، لہذا سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب پر محمول کیا جائے گا۔
 اور جمہور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ نہ تو بیس
 مثقال سے کم سونے میں زکاة ہے، اور نہ ہی دو سو درہم سے کم چاندی میں زکاة
 ہے۔

اور جمہور نے حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی دلیل
 پکڑی ہے، جس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار، یا اس سے کچھ زائد
 میں سے، آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار، بطور زکاة وصول کیا
 کرتے تھے (موسومہ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب الگ اور چاندی کا نصاب الگ ہونے پر ائمہ
 اربعہ اور جمہور علماء کا اتفاق ہے، صرف بعض حضرات کا اس میں اختلاف منقول ہے۔
 اور علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب ”فقہ الزکاة“ میں اس مسئلہ پر مفصل
 و دلیل بحث کی ہے، جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب میں، چاندی اور درہم کا استعمال
 زیادہ تھا، اس لئے اکثر اور مشہور احادیث میں درہم کے ساتھ، چاندی کے

نصاب کا ذکر آیا ہے، اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) سونے کے دنیا پرکا استعمال بہت کم تھا، اس لئے چاندی کے نصاب کی طرح کی قوی اور مشہور احادیث میں، سونے کے نصاب کا ذکر نہیں ملتا، اور اسی وجہ سے سونے کے نصاب پر (امت کا) اس درجہ کا اتفاق نہیں ہے کہ جس درجہ کا اتفاق چاندی کے نصاب پر ہے، تاہم جمہور اکابر فقہائے کرام، سونے کے نصاب کے بیس دینار ہونے پر متفق ہیں، اور حضرت حسن سے سونے کا نصاب، چالیس دینار منقول ہے، اور ان سے ایک روایت اکثر (و جمہور) حضرات کے مطابق (بیس دینار کی) بھی ہے۔ اور سونے کا نصاب اپنی ذات میں معتبر ہے، جس میں طاووس کا اختلاف ہے، کہ انہوں نے سونے کے نصاب میں چاندی کی قیمت کا اعتبار کیا ہے کہ سونا جب اتنی مقدار میں ہو کہ جس کی قیمت دو سو درہم کے برابر ہو جائے، تو زکاة واجب ہوگی، اور اسی طرح سے عطاء اور زہری، اور سلیمان بن حرب، اور ایوب سختیانی سے بھی منقول ہے“ ۱۔

۱۔ ویسود أن النقود الفضية كانت هي الشائعة والكثيرة الاستعمال عند العرب في عصر النبوة (ولهذا قال عطاء : إنما كان إذ ذاك الورق ولم يكن الذهب انظر مصنف ابن أبي شيبة : ۲۲۲/۳ - طبع حيدر آباد - الهند) لهذا نصت عليها الأحاديث المشهورة التي بينت مقادير الصدقات المفروضة وأنصبتها، فصرحت بنصاب الدراهم، كما صرحت بمقدار الواجب فيها، وعلم منها أن نصاب الفضة مائتا درهم، وهذا مما لم يخالف فيه أحد من علماء الإسلام (المغنى : ۳/۱)

وأما النقود الذهبية (الدنانير) فلم يجيء في نصابها أحاديث في قوة أحاديث الفضة وشهرتها، ولذا لم يظفر نصاب الذهب بالإجماع كالفضة، غير أن الجمهور الأكبر من الفقهاء ذهبوا إلى نصابه عشرون ديناراً.

وروى عن الحسن البصري : أن نصابه أربعون ديناراً، وروى عنه مثل قول الأكثرين (نيل الأوطار : ۱۳۹/۲)

ونصاب الذهب معتبر في نفسه، وخالف في ذلك طاووس فاعتبر في نصابه التقويم بالفضة، فما بلغ منه ما يقوم بمائتي درهم وجبت فيه الزکاة (المرجع السابق) وحكى مثله عن عطاء والزهرى وسليمان بن حرب وأيوب والسختياني (المغنى ۳/۳) (فقه الزکاة للقرضاوى، ج ۱، ص ۲۴۷، المبحث الاول زکاة النقود)

”اس کے بعد علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے جمہور کے قول کی تائید میں چند مرفوع احادیث ذکر کی ہیں، اور بعض صحابہ کرام کے موقوف آثار بھی ذکر کئے ہیں، اور فرمایا کہ اگرچہ ان احادیث کی سندوں میں محدثین کو کچھ کلام ہے، لیکن یہ احادیث ایک دوسرے کی تائید و تقویت کرتی ہیں“ ۱۔

۱۔ ومما يؤيد قول الجمهور:

ما جاء من الأحاديث المرفوعة مما لم يسلم من مقال في سنده، ولكنها يقوى بعضها بعضاً.
(أ) فمنها: ما رواه ابن ماجه والدارقطني (ص ۱۹۹) من حديث ابن عمر وعائشة: "أن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يأخذ من كل عشرين ديناراً نصف دينار" (في إسناده: إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع، قال فيه ابن معين: لا شيء، وقال أبو حاتم: يكتنب حديثه ولا يحتج به فإنه كثير الوهم، وذكر الحديث ابن حزم في المحلى ۶/۲۹ وضعفه في ص ۷۲ بعبد الله بن واقد قال فيه: مجهول وقال العلامة الشيخ أحمد شاكر: كيف يكون مجهولاً وهو عبد الله بن واقد بن عبد الله بن عمر؟ وهو ثقة روى عن جده عبد الله مات سنة ۱۱۹ هـ وقد وهم ابن حزم لجعل حديثه عن ابن عمر عن عائشة، وهو عند ابن ماجه والدارقطني من حديثهما معاً.

(ب) ومنها: ما رواه الدارقطني (ص ۱۹۹) من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: "ليس في أقل من عشرين مثقالاً من الذهب، ولا في أقل من مائتي درهم -صدقة" (وذكره أيضاً أبو عبيد في "الأموال" ص ۴۰۹، وابن حزم في المحلى ۶/۲۹ وضعفه في ص ۷۱ بأنه صحيفة مرسله وفيه ابن أبي ليلى وهو سىء الحفظ وقال الحافظ في التلخيص ص ۱۸۲: إسناده ضعيف، ورواه ابن زنجويه أيضاً في "الأموال" من طريق العرزمي وهو متروك انظر: نصب الراية ۲/۳۶۹، والدراية صفحة ۱۶۱ وانظر المراعاة على المشكاة: ۴۳/۳)

(ج) ومنها: ما رواه أبو عبيد بسنده عن محمد بن عبد الرحمن الأنصاري -وهو تابعي- أن في كتاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، وفي كتاب عمر في الصدقة: "أن الذهب لا يؤخذ منه شيء، حتى يبلغ عشرين ديناراً، فإذا بلغ عشرين ديناراً ففيه نصف دينار" (وذكره ابن حزم في المحلى ۶/۲۹، وقال في ص ۷۲: هو مرسل وعن مجهول أيضاً، وقال في ص ۳۱: محمد بن عبد الرحمن مجهول وتعقبه الشيخ شاكر فقال: بل هو معروف، وهو أبو الرجال محمد بن عبد الرحمن الأنصاري وهو تابعي ثقة)

(د) ومنها: ما رواه أبو داود من حديث علي بن أبي طالب مرفوعاً: "إذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء -يعني في الذهب- حتى يكون لك عشرون ديناراً، فإذا كان لك عشرون ديناراً وحال عليها الحول، ففيها نصف دينار."

وقد حسنه بعض الحفاظ، وصوبه الدارقطني وقفه على علي رضي الله عنه (الحديث وضعفه ابن حزم

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”پھر اس کے بعد امام سرخسی حنفی کے اصول سے یہ بات نقل کی ہے کہ ہمارے متقدمین اور متاخرین اصحاب میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی صحابی کا قول ایسے معاملہ میں حجت (بلکہ مرفوع حدیث) شمار ہوتا ہے، جس میں قیاس کو دخل نہیں ہوتا۔

پھر علامہ یوسف قرضاوی نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ سونے کا نصاب بیس دینار منقول ہے، جس کو حنفیہ کے نزدیک مرفوع حدیث کا درجہ حاصل ہے۔

پھر اس کے بعد علامہ یوسف قرضاوی نے سونے کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار ہونے سے متعلق چند آثار و روایات اور سلف کے اقوال نقل کیے ہیں، ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی المحلی ج ۶ زکاة الذهب، ثم رجع فصاحبه، وحسنه الحافظ فی بلوغ المرام، وأعله فی التلخیص ص ۱۸۲، وقال الدارقطنی: الصواب وقفه علی وهذا هو الذی یطمئن له القلب وسیاتی مزید لذلك فی فصل زکاة "کسب العمل" وانظر: نیل الأوطار، ۲/۱۳۷-۱۳۸ (فقه الزکاة للقرضاوی، ج ۱، ص ۲۴۷ الى ۲۴۹، المبحث الاول زکاة النقود)

۱۔ ومن قال: إن المقادیر لا مجال للرأی فیها - كما هو مذهب الحنفیة (بقول السرخسی فی أصوله): لا خلاف بین أصحابنا المتقدمین والمتأخرین: أن قول الواحد من الصحابة حجة فیما لا مدخل للقیاس فی معرفة الحكم فیها، وذلك نحو المقادیر، التي لا تعرف بالرأی "وعدد لذلك أمثلة أخذ بها الحنفیة (أصول السرخسی ص ۱۱۰) قال: إذا صح عن علی أن نصاب الذهب عشرون دیناراً، كان ذلك فی حکم المرفوع إلى النبی - صلی الله علیه وسلم۔

ومما یعضد ذلك ما هو مقرر تاریخیاً: أن الدینار كان یصرف فی ذلك العصر بعشرة دراهم (انظر: الأموال ص ۴۱۹) وانظر: سنن أبی داود، باب الدیة کم هی، ففیه من حدیث عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال: كانت قيمة الدیة علی عهد رسول الله - صلی الله علیه وسلم - ۸۰۰ دینار، أو ۸۰۰۰ درهم)

یقوی ذلك كله عمل الأمة من الصحابة فمن بعدهم، حتی استقر الإجماع علی ذلك، وانعقد بعد عصر الحسن - رحمه الله - علی خلاف قوله وقد روى عنه نفسه ما یوافق الجمهور۔

فمما جاء عن الصحابة ما رواه أنس بن مالک قال: ولأنی عمر علی الصدقات، فأمرنی أن آخذ من كل عشرين دیناراً نصف دینار، فما زاد فبلغ أربعة دنانیر، ففیه نصف درهم (المحلی: ۶/۲۹)

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”اور اس کے بعد علامہ یوسف قرضاوی نے فرمایا کہ اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ جس حدیث کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے، اگرچہ اس کی سند میں کلام ہو، تو بھی وہ مقبول درجہ تک پہنچ جاتی ہے، بشرطیکہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، اور بیس دینار کی حدیث میں یہ شرط موجود ہے، اور اس کے معارض کوئی قوی دلیل موجود نہیں، اس لئے بیس دینار سونے کا نصاب بھی اپنی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن علی: ليس في أقل من عشرين ديناراً شيء، وفي عشرين ديناراً نصف دينار، وفي أربعين ديناراً دينار (المرجع السابق: ۶/۲۹) وهو الحديث الذي رواه عنه بعضهم مرفوعاً. وعن إبراهيم النخعي قال: كان لامرأة ابن مسعود طوق فيه عشرون مثقالاً، فأمرها أن تخرج عنه خمسة دراهم (المرجع السابق: ۶/۲۹)

وجاء ذلك عن أئمة التابعين: الشعبي، وابن سيرين وإبراهيم والحسن نفسه، والحكم بن عتيبة وعمر بن عبد العزيز: أن في عشرين ديناراً نصف دينار (المرجع نفسه ص ۶۹ و ۷۰) روى أبو عبيد وابن حزم عن زريق بن حيان قال: كتب إلى عمر بن عبد العزيز: انظر من مركب من المسلمين، فخذ مما ظهر من أموالهم، مما يديرون في التجارات من كل أربعين ديناراً ديناراً، وما نقص فبحساب ذلك، حتى تبلغ عشرين ديناراً، فإن نقصت ثلث دينار فدعها (المرجع نفسه ص ۶۲)

وعلى هذا التقدير استقر الأمر، واستمر العمل، بعد الخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز، ولم يحك بعد ذلك خلاف يذكر حتى حكى الأئمة الإجماع العملي على هذا التقدير.

والى عمل الأمة -وبخاصة أهل المدينة -استند الإمام مالک في إثبات هذا الحكم، فقال في "الموطأ": "السنة التي لا اختلاف فيها عندنا: أن الزكاة تجب في عشرين ديناراً عينا (يعني: ذهباً) كما في مائتي درهم" (الموطأ: كتاب الزكاة باب الزكاة في العين من الذهب والورق: ۱/۱۲۶) طبع الحلبي، وقال الشافعي في "الأم": "لا أعلم اختلافاً في أن ليس في الذهب صدقة، حتى تبلغ عشرين فإذا بلغت عشرين مثقالاً، ففيها الزكاة (الأم ۲/۳۴)

وذكر أبو عبيد في "الأموال" حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: إن نصاب الذهب ۲۰ مثقالاً، ثم قال: فهذا لا اختلاف فيه بين المسلمين، إذا كان الرجل قد ملك في أول السنة من المال ما تجب في مثله الصدقة، وذلك مائتا درهم أو عشرون ديناراً، أو خمس من الإبل أو ثلاثون من البقر أو أربعون من الغنم، فإذا ملك واحدة من هذه الأصناف من أول الحول إلى آخره، فالصدقة واجبة عليه في قول الناس جميعاً (الأموال: ص ۴۰۹)

وقال عياض: المعمول في نصاب الذهب على الإجماع، وقد حكى فيه خلاف شاذ (انظر المراجعة على المشكاة ۳/۳۳) (فقه الزكاة للقرضاوی، ج ۱، ص ۲۴۹ الى ۲۵۱، المبحث الاول زكاة النقود)

جگہ برحق ہے“ (علامہ یوسف قرضاوی کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا) ۱۔
اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ نے بھی اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، اور اس سلسلہ میں پیش کردہ اعتراضات کا ازالہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

”چاندی کا نصاب تو صریح احادیث مشہورہ سے ثابت ہے، اور پوری امت کا اس پر اجماع چلا آ رہا ہے، برخلاف سونے کے کہ اس پر زکاة فرض ہونے کی صراحت تو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے، لیکن جہاں تک اس کے نصاب کا تعلق ہے، جن احادیث نبویہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے، وہ اس درجہ قوت و شہرت کو نہ پہنچ سکی تھیں، وجہ وہی ہے کہ عہد رسالت میں سونے کا رواج چاندی کے مقابلہ میں بہت کم تھا، لہذا سونے کی زکاة دینے اور لینے کے مواقع کم ہی پیش آتے تھے، اس لئے نصاب زکاة کی احادیث میں سونے کے نصاب کا ذکر نسبتاً کم آیا ہے، تاہم کئی احادیث نبویہ اور آثار صحابہ میں اس کی صراحت موجود ہے، اور صحابہ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا“ (نوادر الفقہ ج ۱ صفحہ نمبر ۳۳۹ و

۳۵۰، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۲، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی ۲۰۰۳ء)

۱۔ ولقد قرر كثير من الأئمة: أن تلقى الأمة بالقبول لحديث ما - وإن كان في إسناده بعض كلام - يرفعه إلى درجة القبول، كما في حديث " : لا وصية لوارث " وغيره وجاء ذلك عن الإمام الشافعي والحافظ ابن عبد البر، والمحقق ابن الهمام، والحافظ ابن حجر، والمحقق ابن القيم، وغيرهم من الأئمة والحفاظ ولهذا نجد الإمام الترمذی يروى حديثاً يستغربه أو يضعفه ويقول: والعمل على هذا عند أهل العلم ورأينا ابن عبد البر يقول: الحديث عندى صحيح؛ لأن العلماء تلقوه بالقبول أو يقول: وفي قول جماعة العلماء وإجماع الناس على معناه غنى عن الإسناد فيه (انظر: الأجوبة الفاصلة للعلامة اللكنوى ص ۵۱، ۵۲، وبحث الشيخ حسين الأنصاري عن العمل بالحديث الضعيف إذا تلقاه الناس بالقبول ص ۲۲۸، وتعليقات صديقنا الأستاذ عبد الفتاح أبي غدة عليه) وهذا الكلام لا يؤخذ على إطلاقه، فمحله - فيما أرى - إذا كان ضعف الحديث محتملاً، وكان العمل هو عمل الصحابة والسلف لا عمل المتأخرين، ولم يقم في وجه الحديث معارض شرعى معتبر وهذه القيود الثلاثة موجودة معاً في الأحاديث التي أوجبت الزكاة في عشرين ديناراً فإن أسانيدنا قريبة من القبول، وعليها عمل السلف، ولم يقم ما يعارضها بل وجد ما يوافقها، وهو مساواة العشرين ديناراً للمائتين من الدرهم (فقه الزكاة للقرضاوى، ج ۱، ص ۲۵۱، ۲۵۲، المبحث الأول زكاة النقود)

پھر اس کے بعد سونے کے نصاب سے متعلق چند احادیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

”غرض سونے کے نصاب کی صراحت بھی اگرچہ احادیثِ نبویہ میں کردی گئی تھی، اور صحابہ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، لیکن سونے کے رواج کی قلت کے باعث یہ احادیث درجہ شہرت کو نہ پہنچ سکیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاة کا جو نصاب مقرر فرمایا، اور جس کا بار بار اعلان فرماتے رہے وہ دراصل چاندی ہی کا نصاب تھا، بعد میں اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا نصاب بھی الگ مقرر فرمایا، لیکن صورتِ حال یہ ہرگز نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً سونے کا نصاب مقرر فرمایا ہو، اور بعد میں اس کی مساوی قیمت کی چاندی کو اس کے تابع کر کے اس کا نصاب الگ مقرر فرمایا ہو، بلکہ ابتداءً جو نصاب مقرر ہوا اور جس پر آپ نے صحابہ کرام سے عمل کرایا، وہ چاندی ہی کا نصاب تھا، جسے مقرر کرتے وقت یہ بات ہرگز پیش نظر نہیں رہی کہ اتنی چاندی کتنے سونے کے مساوی ہوتی ہے؟ لہذا اب ہمارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ ہم سونے کے نصاب کو اصل قرار دے کر اس کے مساوی اتنی چاندی کو نصاب قرار دے دیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمائے ہوئے چاندی کے نصاب سے زائد ہو، بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں یہ بات تو بعض فقہاء کے نزدیک قابلِ غور رہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو اصل قرار دے کر اس کے مساوی سونے کو سونے کا نصاب قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے برعکس کا احادیث کی روشنی میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو سونے یا چاندی کے نصاب میں اجتہاد کے ذریعہ رد و بدل کا کسی کو اختیار نہیں رہتا“ (ایضاً صفحہ نمبر ۳۵۳، ۳۵۴)

اور مزید آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

”پھر سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجود تفاوت اور بڑھتے ہوئے معیارِ زندگی کے پس منظر میں جو اشکال سوالنامے میں کیا گیا ہے اگر وہ واقعی اشکال ہے تو یہ پچھلے زمانوں میں بھی پیش آچکا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کو ہم سے بہت زیادہ پیش آیا ہوگا، کیونکہ اس وقت دنیا کی فاتح قوم مسلمان تھے، قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں اور خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو چکے تھے، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مفتوحہ ممالک کا مالی غنیمت اور فنی ان میں تقسیم ہو رہا تھا، وہ کروڑوں غیر مسلموں کا جزیہ و خراج وصول کر رہے تھے، بین الاقوامی تجارت میں ان کو برتری حاصل تھی، ان کا ترقی یافتہ تہذیب و تمدن دوسری قوموں کے لئے قابلِ رشک بنا ہوا تھا، مال و دولت کی فراوانی کے باعث مستحقینِ زکاة آسانی سے نہ ملتے تھے، برخلاف ہمارے، جو اس وقت دنیا کی پس ماندہ قوم بن کر جی رہے ہیں، ہمارا معیارِ زندگی دوسری اقوام کے مقابلے میں اتنا بلند نہیں ہو سکتا، جتنا ہمارے اسلاف کا اپنی معاصر اقوام کے مقابلے میں تھا، اس کے باوجود انہوں نے نصاب کی سطح بلند کرنے کی کوشش کی نہ ایک نصاب کو دوسرے کے قیمت کے تابع کرنا منظور کیا، حالانکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں جو نسبت عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ میں تھی، بعد کی صدیوں میں وہ نسبت باقی نہ رہی تھی، عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، لیکن دورِ بنو امیہ کے نصف آخر میں اس کی قیمت بارہ درہم ہو گئی، بنو عباس کے دور میں یہ قیمت بڑھ کر پندرہ درہم سے بھی تجاوز کر گئی اور فاطمین کے زمانہ میں حاکم کے دورِ حکومت میں تو یہ قیمت ۳۴ درہم تک جا پہنچی اور بعض اوقات ۳۵ درہم تک ایک دینار کی قیمت ہو گئی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اس تفاوت سے جس طرح ہم کو واسطہ پیش آرہا ہے، ہمارے اسلاف کو بھی اپنے دورِ عروج میں پیش آچکا ہے، مگر انہوں نے پھر بھی ایک کے نصاب کو دوسرے کی قیمت کے تابع نہیں کیا، چاندی کا نصاب الگ رکھا، سونے کا الگ، جس کی وجہ وہی ہے کہ یہ نصاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر فرمودہ ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے“ (ایضاً صفحہ نمبر ۳۵۵ تا ۳۵۷)

اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ:

وَلَا يُقَالُ الدِّينَارُ كَانَ مُقَوَّمًا بِعَشْرَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ شَيْءٌ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَوْقَاتِ وَالْأَمْكِنَةِ فِي قِلَّةِ الْوُجُودِ وَكَثْرَةِ الْوُجُودِ وَلَيْسَ هَذَا الْحُكْمُ شَرْعِيًّا لِيُصَارَ فِي مَعْرِفَتِهِ إِلَى مَا كَانَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المبسوط للسرخسی) ۱

ترجمہ: اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کے ساتھ لگائی جاتی تھی (اس لئے ہر زمانہ میں یہی تناسب مقرر ہونا چاہئے) کیونکہ یہ ایسی چیز ہے، جو اوقات اور مقامات کے اختلاف سے کم و بیش ہونے سے مختلف ہوتی رہتی ہے (یعنی چیزوں کی پیداوار اور وجود کی وجہ سے قیمتوں میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے) اور یہ کوئی شرعی حکم بھی نہیں ہے کہ اس کی معرفت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تناسب کو حجت قرار دیا جائے (مبسوط)

معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب اور چاندی کا نصاب، دونوں اپنی جگہ مستقل ہیں۔

اور ہم اس کتاب کے شروع میں سونے کے بیس مثقال، یا بیس دینار نصاب ہونے سے متعلق متعدد ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں کہ جن کو محدثین نے حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔

اس لئے بیس دینار، یا بیس مثقال سونے کا نصاب احادیث معتبرہ سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ امت کی اکثریت سے بھی تائید شدہ ہے، اور سونے کا یہ نصاب اپنی جگہ برحق ہے، جس طرح سے کہ چاندی کا نصاب اپنی جگہ برحق ہے، اور یہ دونوں نصاب اپنی ذات میں مستقل ہیں، اس لئے آج کل جو بعض لوگ سونے یا چاندی کے نصاب کو ایک دوسرے کے تابع سمجھتے ہیں، اور اسی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سے کم سونا ہو، جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، اور اس کی ملکیت میں اس کے علاوہ کوئی اور زکاة کا مال (چاندی، مالی تجارت اور کرنسی) بالکل نہ ہو، تو بھی اس پر زکاة فرض ہو جاتی ہے، یہ بات راجح نہیں ہے۔

اور جمہور فقہائے کرام کے اصولوں کے مطابق سونے اور چاندی کے دونوں نصابوں کی مالیت کے ایک دوسرے سے متفاوت و مختلف ہونے سے اس مسئلے پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اور دونوں کی مستقل حیثیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

قابل فروخت زیور کی زکاة کا طریقہ

اگر کسی کے پاس تجارت کا مال سونے کے زیور کی شکل میں ہو، تو آیا اس صورت میں زکاة واجب ہونے کا تعلق اس کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا، یا وزن کے اعتبار سے ہوگا؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات اس کے تجارت کا مال ہونے کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے قیمت کے لحاظ سے زکاة کو واجب قرار دیتے ہیں، کہ جب اس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت کو پہنچ جائے، تو زکاة واجب ہو جاتی ہے، خواہ اس کا وزن ساڑھے سات تولہ کی مقدار سے کم ہی کیوں نہ ہو، جبکہ بعض حضرات اس صورت میں اس کے

سونے کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے وزن کے لحاظ سے زکاة کو واجب قرار دیتے ہیں کہ جب اس کا وزن ساڑھے سات تولہ کے برابر ہو جائے، تو بھی زکاة واجب ہوگی، اور اس سے کم ہونے کی صورت میں زکاة واجب نہیں ہوگی، خواہ اس کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر یا زیادہ ہی کیوں نہ ہو (جس کی تفصیل مال تجارت کی زکاة کے بیان میں گزر چکی ہے)

فطرانہ کے نصاب میں بھی سونے، چاندی کا نصاب مستقل ہے

اور رائج یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہونے اور زکاة کا مصرف ہونے کے اعتبار سے بھی سونے اور چاندی کے یہ دونوں نصاب اپنی ذات میں مستقل ہیں، اور ان میں سے کوئی نصاب دوسرے کے تابع نہیں۔

پس اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولے سے کم صرف سونا ہو، جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، اور اس کے علاوہ کوئی اور مال بالکل نہ ہو (یعنی نہ چاندی ہو، نہ مال تجارت، نہ کرنسی اور نہ ہی حاجتِ اصلیہ سے زائد کوئی سامان) تو اس پر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا، اور اس کو زکاة لینا جائز ہوگا۔

چنانچہ المحيط البرہانی میں ہے کہ:

وَفِيهِ قَالَ هِشَامٌ: سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ رَجُلٍ لَهُ تِسْعَةُ عَشَرَ دِينَارًا تُسَاوِي ثَلَاثِمِائَةَ دِرْهَمٍ، هَلْ يَسَعُهُ أَنْ يَأْخُذَ الزَّكَاةَ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ رَأْسَهُ.

أَشَارَ إِلَى أَنَّ الْغِنَى إِنَّمَا يَثْبُتُ بِمَا فِي يَدِهِ، وَالْمَالِيَّةُ لَيْسَتْ فِي يَدِهِ، وَإِنَّمَا فِي يَدِهِ الْعَيْنُ، وَبِالْعَيْنِ لَا يَثْبُتُ الْغِنَى شَرْعًا (المحيط البرہانی فی

الفقه النعمانی، جزء ۳ صفحہ ۹۳ کتاب الزکاة، الفصل الثامن: من یوضع فیہ الزکاة)

ترجمہ: اور اسی (منقول) میں ہے کہ ہشام نے فرمایا کہ میں نے امام محمد سے اس

شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جس کے پاس انیس دینار ہوں، جو تین سودرہم کی مالیت کے برابر ہوں، تو کیا اس کو زکاة لینا جائز ہے؟ امام محمد نے فرمایا کہ جی ہاں! اور اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں۔

امام محمد نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ غناء (و مالدار) اپنے ہاتھ میں جو چیز ہو، اس سے ثابت ہوتی ہے، اور اس کے ہاتھ میں (مال تجارت یا کرنسی وغیرہ کی شکل میں) مالیت نہیں ہے، بلکہ اس کے ہاتھ میں تو عین (سونا) ہے، اور عین کے ساتھ شرعاً غناء ثابت نہیں ہوتا (تا آنکہ وہ عین وزن کے اعتبار سے نصاب کے بقدر نہ ہو) (محیط)

اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں بھی محیط کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ ۱۔ صاحب محیط برہانی نے امام محمد رحمہ اللہ کی اس روایت کو ”مستثنیٰ“ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی ذکر کر دی ہے۔

اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جس کے پاس مثلاً انیس دینار ہوں (یعنی سونا ساڑھے سات تولہ کی مقدار سے کم ہو) لیکن اس کی مالیت تین سودرہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی سے بھی زیادہ) ہو، تو اس کو زکاة لینا جائز ہے، اور اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں۔

ساتھ ہی اس کی دلیل بھی معلوم ہوئی کہ غناء ہاتھ میں جو مال ہے، اس کا نصاب پورا ہونے سے متحقق ہوتا ہے، اور اس کے ہاتھ میں تین سودرہم کی مالیت موجود نہیں، بلکہ اس کے ہاتھ میں تو عین یعنی انیس دینار ہیں (جو کہ اپنے نصاب سے کم ہیں) لہذا اس سے شرعاً غناء

۱۔ چنانچہ فتاویٰ التاتارخانیہ کی عبارت یہ ہے کہ:

وفيه قال هشام: سألت محمداً عن رجل له تسعة عشر ديناراً تساوى ثلثمائة درهم، هل يسعه أن يأخذ الزكاة؟ قال: نعم، ولا يجب عليه صدقة رأسه أشار إلى أن الغنى إنما يثبت بما في يده، والمالية ليست في يده، إنما في يده العين، والعين لا يثبت الغنى شرعاً (الفتاوى التاتارخانية، جلد ۲ صفحہ ۲۸۱، کتاب الزکاة، الفصل الثامن، في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزکاة)

و مالدار کی کاثبوت نہیں ہوگا، کیونکہ جب صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تو وہ اپنے وزن پر محمول ہوتا ہے، نہ کہ مالیت و قیمت پر۔

ملفوظ رہے کہ صاحب بحر نے اس سلسلہ میں امام محمد رحمہ اللہ سے دو روایات کا منقول ہونا ذکر فرمایا ہے، اور ایک روایت کی نسبت محیط کی طرف اور دوسری روایت کی نسبت ظہیر یہ کی طرف فرمائی ہے۔

چنانچہ صاحب بحر فرماتے ہیں کہ:

وَقِيدَ بِمِلْكِ النَّصَابِ ؛ لِأَنَّ مَنْ مَلَكَ مَا دُونَهُ يَحِلُّ لَهُ أَخْذُهَا إِذَا كَانَ قِيَمَتُهُ لَا تَبْلُغُ نَصَابًا ، وَلَوْ كَانَ صَحِيحًا مُكْتَسِبًا قَيْدًا بِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ تِسْعَةَ عَشَرَ دِينَارًا تُسَاوِي ثَلَاثِمِائَةَ دِرْهَمٍ لَا تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ كَذَا فِي الْمُحِيطِ عَنْ مُحَمَّدٍ ، وَفِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ خِلَافُهُ قَالَ : وَقَالَ هِشَامٌ : سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ رَجُلٍ لَهُ تِسْعَةُ عَشَرَ دِينَارًا تُسَاوِي ثَلَاثِمِائَةَ دِرْهَمٍ هَلْ يَسْعُهُ أَنْ يَأْخُذَ قَالَ نَعَمْ ، وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فِطْرُهُ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۲۴۵، کتاب

الزكاة، باب المصرف)

ترجمہ: اور نصاب کے مالک ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو، تو اسے زکاة کا لینا حلال ہے، جبکہ اس کی قیمت نصاب کو نہ پہنچتی ہو، اگرچہ وہ تندرست اور کمانے کے لائق ہو، ہم نے یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر کسی کے پاس انیس دینار ہوں، جو کہ تین سو درہم کی مالیت کے برابر ہوں، تو اس کو زکاة حلال نہیں، محیط میں امام محمد سے اسی طرح مروی ہے، اور فتاویٰ ظہیر یہ میں اس کے خلاف ہے، جس میں یہ قول ہے کہ حضرت ہشام نے کہا کہ میں نے امام محمد سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جس کے پاس انیس دینار ہوں، جو تین

سودرہم کی مالیت کے برابر ہوں، تو کیا اس کو زکاة لینا جائز ہے؟ امام محمد نے فرمایا

کہ جی ہاں! اور اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں (بحر)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ایک محیطؒ تو ”الحیط البرہانی“ کے نام سے معروف ہے، جو امام علامہ برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن صدر الشہید برہان الائمتہ عبدالعزیز بن عمر بن مازہ بخاری حنفی کی ہے، جس کی تخصیص و اختصار خود صاحب کتاب نے ”ذخیرہ“ کے نام سے کی ہے، اور الحیط البرہانی اس وقت مطبوع شکل میں موجود ہے۔

اور ایک محیط سرخسی یا رضوی ہے، جو باوجود تلاش کے اس وقت دستیاب نہیں ہو سکی، اور بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب بعض مقامات پر مخطوط کی شکل میں موجود ہے۔ ۱

۱۔ چنانچہ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:

المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی :

للشیخ الإمام العلامة برہان الدین : محمود بن تاج الدین : أحمد بن الصدر الشہید برہان الأئمة : عبد العزیز بن عمر بن مازہ البخاری الحنفی ، المتوفی : سنة ۶۱۶ .

و هو : ابن أخی الصدر الشہید : حسام الدین ، فی مجلدات ، ثم اختصره ، و سماه : (الذخیرة) و کثیرا ما یغلط فیہ الطلبة فیظنون أن صاحب (المحيط البرہانی الكبير) أيضا رضی الدین : محمد بن محمد السرخسی و لیس كذلك .

أولہ : (الحمد لله خالق الأشیاح بقدرته و فائق الإصباح برحمته . . الخ)

قال ابن الحنائی : تتبعت ترجمته فی کتب (الطبقات) فلم أظفر وأصحابنا یفرقون بین المحيطین فی التلقیاب فیقولون للکبیر : (المحيط البرہانی) و للصغیر : (المحيط السرخسی)

قال : وقد وقع فی رأیی أن أنشبه بهم بتألیف أصل جلیل یجمع جل الحوادث الحکمیة و النوازل

الشرعیة لیكون عوناً لی فی حال حیاتی فجملت مسائل : (المبسوط) و (الجامعین) و (السیر)

و (الزیادات) و ألحقت بها مسائل : (النوادر) و (الفتاوی) و (الوقعات) و ضمنت إلیها

من : الفوائد التي استفدتها من والدی و من مشایخ زمانی و أثبت أكثر المسائل بدلائل یعول علیها

لکن وهم (۱۶۲۰/۲) الإتقانی حیث قال فی : (المأذون من غایة البیان)

قال برہان الدین الصدر الكبير صاحب (المحيط) : عبد العزیز بن عمر بن أبی سهل المعروف :

بمازہ فی طریقۃ الخلاف . . الخ . انتهى .

فظن أن المحيط له وإنما وقع فی الغلط لاشتراكهما فی اللقب و من الدلیل الظاهر علی أن

(المحيط) و (الذخیرة) لبرہان الدین الصغیر أن فیہما نقولا لتلمیذہ من الصدر الشہید فکیف

یکونان لوالده .

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صاحب بحر نے محیط کی طرف جس روایت کی نسبت فرمائی ہے، اگر اس سے محیط برہانی مراد ہے تو اس میں ہمیں وہ روایت بسیار تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکی، بلکہ محیط برہانی میں امام محمد رحمہ اللہ کا وہی قول مذکور ہے، جس کی نسبت صاحب بحر نے ظہیریہ کی طرف فرمائی ہے، اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی مذکور ہے، جیسا کہ ہم اس عبارت کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور اگر صاحب بحر کی مراد محیط سرخسی یا رضوی ہو تو اس کتاب کا اصل نسخہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں، کہ اس میں مراجعت کی جاسکے، اور ہمیں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحب بحر کی محیط سے مراد محیط سرخسی یا رضوی ہے۔ ۱

اگر یہ بات درست مان لی جائے کہ صاحب بحر کی محیط سے مراد محیط رضوی ہے، اور اس میں یہ جزئیہ موجود ہے، تب بھی اصول کا تقاضا یہ ہے کہ محیط برہانی اور صاحب بحر کے بقول ظہیر یہ

(گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ)

المحيط الرضوى أربع مجلدات .

له أيضا المحيط الرضوى .

مجلدان فيه أيضا لرضى الدين ابن العلا الصدر الحميد تاج الدين : محمد بن محمد بن محمد
السرخسى الحنفى المتوفى : سنة ٧٤١هـ ، إحدى وسبعين وستمائة (٥٣٣)
(محيطه) : ثلاثة محيطات ، الأول : عشر مجلدات ، والثاني : أربع مجلدات ، والثالث :
مجلدان ، وهذه الثلاثة : موجودة بمصر والشام والروم ، وقال ابن الحنائى فى : (حاشيته على
الدرر) : على قوله فى أوائل الكتاب واختاره فى (المحيط) ما نصه أراد (محيط) الإمام رضى
الدين : محمد بن محمد السرخسى ، وهو : ثلاث نسخ ، الأولى : كبرى وهى : المشهورة
والمرادة : (بالمحيط) حيث أطلق غالبا ، والثانية : وسطى ، والثالثة : صغرى (كشف الظنون
ج ٢ ص ١٦٩ ، ١٦٠ ، باب الميم)

١- واليتمة والمحيط الرضوى قيل لم يقف المصنف على المحيط البرهاني ولا على الخيرية البرهانية التي هي مختصر المحيط وهما لمصنف واحد وهو الإمام برهان الدين محمود بن تاج الدين بن ماذة وهو ابن أخ الصلر الشهيد عمرو بن برهان الدين عبد العزيز بن عمر بن ماذة وأبوه أيضا إمام كبير يعرف بتاج السعيد إلا أنه لم يعرف له مؤلف مشهور وكثيرا ما يغلط الطلبة فيظنون أنه صاحب المحيط الكبير أعنى برهان الدين محمد بن محمد السرخسي وليس كذلك (انتهى)
أقول سيأتى في كلام المصنف النقل عن المحيط البرهاني فإن صح ما ذكره هذا القائل يكون نقل المصنف عنه بالواسطة (غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر المعروف بشرح الحموى ج ١ ص ٥٠، مقدمة الكتاب)

کی روایت کو ترجیح ہو۔ ۱

۱۔ ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے محیط برہانی کو غیر موثق اور لا یجوز الافتاء منہا فرمایا ہے، لیکن اس کی وجہ ان کے زمانے میں اس کتاب کا مفقود اور اس کے نسخے کا نادر ہونا تھی، ورنہ اس کتاب اور اس کے مؤلف کے معتبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ اسی شبہ کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولا رید ان اسهب فی الکلام عن ”المحیط البرہانی“ فانه قد اغنانی عن ذلک محقق الکتاب، ولکنی ارید ان انوہ بانّ ما ذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ فی ”شرح عقود رسم المفتی“ من کون ”المحیط البرہانی“ من کتب غیر الموثوق بہا، ومما لا یجوز الافتاء منہا، انما کان مبني علی کونہ مفقودا، وکون نسخه نادرة، وليس علی اساس کونہ لایوثق بمؤلفہ، او لکونہ جامعاً للطرب والیابس، قد نبہ علی ذالک الامام عبد اللہ الحبی السکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی ”النافع الکبیر“ مقدمة ”الجامع الصغیر“ فلا ینبغي ان یغتر الطالب بما اشتهر عن العلامة ابن عابدین وغیرہ من کونہ لایوثق بہ. والحق ان هذا الکتاب من المصادر الموثوقة فی الفقه الحنفی، جمع فیہ المؤلف مسائل الاصول والنواذر والفتاویٰ بترتیب جید، وحيث قد وجدت عدة نسخ له من بلاد مختلفة ونسخها المحقق بعد المقارنة بينها، فلأمنع اليوم من الاستفادة منه والاعتماد علیه فی الفتویٰ والدراسات بمراجعة القواعد المعروفة (تقديم: المحيط البرہانی ج ۱ ص ۸۷، مطبوعہ، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی، طبع اول ۱۴۲۳ھ)

اور علامہ عبدالحی السکنوی رحمہ اللہ نے پہلے تو الجامع الصغیر کے مقدمہ میں یہ تحریر فرمائی تھی کہ:

ومن هذا القسم: المحيط البرہانی فإن مؤلفہ وإن کان فقیہا جلیلاً معدوداً فی طبقة المجتہدین فی المسائل (کما مر وستأتی ترجمتہ فی الفصل الرابع) لكنهم نصوا علی أنه لا یجوز الإفتاء منہ لکونہ مجموعاً للطرب والیابس قال زین العابدین بن نجیم المصری فی رسالته المصنفة فی بعض صور الوقف رداً علی بعض معاصریہ نقله عن المحيط البرہانی: کذب لأن المحيط البرہانی مفقود کما صرح بہ ابن امیر الحاج الحلبي فی شرح منية المصلیٰ وعلی تقدیر أنه ظفر بہ دون أهل عصره لم یجز الإفتاء منہ ولا النقل منہ کما صرح فی فتح القدير من کتاب القضاء انتهى (مقدمة: الجامع الصغیر، الفصل الاول ص ۲۸ مطبوعہ، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی، سن طباعت ۱۴۱۱ھ)

لیکن پھر بعد میں اس کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ:

فقد وفقنی اللہ بعد کتابتہ هذه الرسالة بمطالعة ”المحیط البرہانی“ فرأیتہ لیس جامعاً للطرب والیابس بل فیہ مسائل منقحة، و تفاريع مرصعة، ثم تأملت فی عبارات فتح القدير وعبارة ابن نجیم فعلمت ان المنع من الافتاء منہ لیس لکونہ جامعاً للغث والسمین، بل لکونہ مفقوداً نادر الوجود فی ذلک العصر، وهذا امر یختلف بحسب اختلاف الزمان فلیحفظ هذا (ایضاً حوالہ بالا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ ائمہ حنفیہ سے ظاہر الروایت میں تکمیلِ نصاب کے سلسلہ میں جو ضابطہ دلائل کے ساتھ منقول ہے، اس کو ایک غیر مدلل و خلافِ اصول روایت کے مقابلہ میں ترجیح دینا درست معلوم نہیں ہوتا، جس کی رو سے سونے کے نصاب کا چاندی کے نصاب کے تابع ہونا لازم آتا ہے، اور یہ موقف جمہور فقہائے کرام کے خلاف ہے۔

اب اصل مسئلہ یہ ہوا کہ جس کے پاس بحالتِ انفرادیت دینار (یعنی صرف ساڑھے سات تولہ) سے کم سونا ہو (چاندی، اور مالی تجارت، اور حاجت و ضرورت سے زائد و فارغ کسی قسم کا بھی تھوڑا سا مال اور سامان نہ ہو) تو اس شخص میں حنفیہ کے نزدیک غناء و مالداری کا وہ درجہ متحقق نہیں ہوگا، جس پر قربانی و صدقہ فطر واجب ہوتا ہے، اور اس کو زکاۃ اور صدقات واجبہ لینا ممنوع ہوتا ہے، جیسا کہ وجوبِ زکاۃ والے غناء و مالداری کا درجہ بھی اس کے حق میں متحقق نہیں ہوتا، کما مر تفصیلاً۔

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

محمد رضوان

۲/ شعبان المعظم/ ۱۴۳۵ھ، ۰۱/ جون/ ۲۰۱۴ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

آج الحیط البرہانی مطبوعہ شکل میں موجود ہے، لیکن محیط سرخی مطبوعہ شکل میں دستیاب نہیں، یہ بھی اختلافِ زمان کی دلیل ہے، بہر حال الحیط البرہانی فقہ حنفی کے مراجع کی معتمد کتاب ہے۔ محمد رضوان۔

(۳)

الحلة الرابعة في ضوء الحاجة الاصلية

کیا لباس کا چوتھا جوڑا خارج از حاجت ہے؟

حنفیہ کی بعض عربی وارود فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر کیا گیا ہے کہ پہننے کے تین عدد جوڑوں سے زائد لباس حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اور اسی وجہ سے کسی کے پاس پہننے کے تین عدد جوڑوں سے زائد جوڑوں کی قیمت نصاب کے برابر ہو، یا دوسرے زائد از ضرورت سامان کے ساتھ مل کر اس کی قیمت نصاب کے برابر ہو جائے، تو ایسے شخص کو زکاة دینا جائز نہیں، اور ایسے شخص پر صدقہٴ فطر اور قربانی بھی واجب ہے، اور آج کل بہت سے بلکہ اکثر لوگوں کے پاس پہننے کے تین سے زائد جوڑے ہوتے ہیں، اور اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کی ضرورت آج کل پہننے کے تین جوڑوں سے پوری نہیں ہوتی، اس لئے انہیں اپنے پہننے کے لئے تین سے زائد جوڑے رکھنے پڑتے ہیں، خواہ کام کاج اور محنت و مزدوری کی وجہ سے، یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے، حالانکہ وہ اپنی تمدنی و معاشرتی زندگی میں غریب اور تنگ دست ہوتے ہیں، اور ان کے حق میں تین سے زائد پہننے کے جوڑوں کو خارج از ضرورت و حاجت قرار دینے، اور اس کی وجہ سے انہیں زکاة کے مصرف اور غریب کی فہرست سے خارج کر کے زکاة و صدقات سے محروم قرار دینے اور مزید براں ان پر صدقہٴ فطر و قربانی واجب ہونے کا حکم لگانے میں سخت مشکل پیش آتی ہے، جبکہ بہت سے فقہائے کرام نے سردی و گرمی وغیرہ سے بچاؤ والے کپڑے اور عام پہننے کے لباس کو حاجتِ اصلیہ میں مشغول قرار دیا ہے، ایسی صورت میں اس تعارض و ٹکراؤ اور مشکل کا کیا حل نکالا جائے؟ اس سلسلہ میں عوام کے علاوہ بعض اہل علم حضرات کو بھی شبہ پیش آیا کرتا ہے، اسی سلسلہ میں بندہ محمد رضوان نے کچھ عرصہ

پہلے ایک مضمون تحریر کیا تھا، جس کی اشاعت کی نوبت نہیں آ سکی تھی، اب بندہ نے اس مضمون کو نظر ثانی کے بعد، زکاة سے متعلق کتاب ہذا کا حصہ بنا کر شائع کرنا مناسب سمجھا، وہ مضمون ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

قرآن مجید میں لباس کے دواہم فوائد

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوَاتِيْكُمْ وَرِيْشًا (سورة الاعراف، رقم الآية ۲۶)

ترجمہ: اے بنی آدم! تحقیق نازل کیا ہم نے تمہارے لئے لباس کو جو چھپاتا ہے، تمہاری شرمگاہ کو اور زینت بھی ہے (سورة اعراف)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو لباس کا نعمت ہونا اور لباس کے دو فائدے بتائے ہیں، ایک یہ کہ وہ شرم والے اعضاء کو چھپاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس میں انسان کی زینت ہے، یعنی لباس پہن کر انسان کا جسم مزین و خوبصورت محسوس ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ لباس فی نفسہ اللہ تعالیٰ کی اہم نعمت ہے، اور اس کا استعمال عبادت ہے، جب تک کہ اس میں کوئی گناہ شامل نہ ہو۔ ۱

۱۔ (یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا) اے خلقناہ لکم (یواری) یستر (سواتکم وریشا) وهو ما يتجمل به من الثياب (تفسیر الجلالین، تحت رقم الآية ۲۶ من سورة الاعراف) یمتن تعالیٰ علی عبادہ بما جعل لهم من اللباس والریش، فاللباس ستر العورات وهی السوات، والریاش والریش ما يتجمل به ظاهرا، فالاول من الضروریات والریش من التکملات والزیادات (تفسیر ابن کثیر، تحت رقم الآية ۲۶ من سورة الاعراف)

احادیث میں تکبر اور اسراف کے بغیر لباس پہننے کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُتُبُوا، وَاشْرَبُوا، وَتَصَدَّقُوا، وَابْسُؤْا، فِي غَيْرِ مَخِيلَةٍ وَلَا سَرَفٍ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُرَى نِعْمَتُهُ عَلَى عَبْدِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۶۷۰۸) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھاؤ اور پیو، اور صدقہ کرو، اور پہنو، تکبر اور فضول خرچی کے بغیر، بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت اس کے بندے پر دکھائی دے (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا (ابن ماجہ) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، تو اس کو اللہ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس ذلت کے لباس میں آگ بھڑکائے گا (ابن ماجہ، مسند احمد، ابوداؤد)

آیت مذکورہ اور ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ستر چھپانے اور بدن کی زینت حاصل کرنے اور اللہ کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے مزین لباس پہننا اچھی بات ہے، لیکن اس

۱ قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

۲ رقم الحديث ۳۶۰۷، كتاب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، واللفظ له، سنن أبي داؤد، رقم الحديث ۴۰۲۹، باب في لبس الشهرة، مسند احمد، رقم الحديث ۵۶۶۳.

قال المنذرى: رواه ابن ماجه بإسناد حسن (الترغيب والترهيب ج ۳ ص ۸۳، كتاب اللباس والزينة) وقال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

میں اسراف، فضول خرچی اور تکبر و شہرت کو اختیار کرنا جائز نہیں۔ ۱

لباس کی مختلف صورتوں کا اجمالی حکم

اور فقہائے کرام نے فرمایا کہ ستر کو چھپانے کے لئے لباس پہننا اور اسی طریقہ سے سردی اور گرمی سے حفاظت کے لئے لباس کا استعمال کرنا فرض و واجب درجہ کا عمل ہے۔ ۲

اور زینت اور اظہارِ نعمت کے طور پر لباس کا استعمال کرنا مستحب ہے، بطورِ خاص جمعہ اور عیدین اور لوگوں کے مجامع میں مزین لباس کا استعمال مندوب ہے۔ ۳

۱ (کلوا واشربوا و تصدقوا و البسوا فی غیر إسراف) اى مجاوزة حد (ولا مخيلة) كمعظيمة بمعنى الخيلاء وهو التكبر وقيل بوزن مفعلة من اختال إذا تكبر أى بلا عجب ولا كبير (والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا) وللفظ رواية النسائي وابن ماجه "كلوا واشربوا و تصدقوا ما لم يخف إسراف ولا مخيلة" وهذا الخبر جامع لفصائل تدبير المرء نفسه والإسراف يضر بالجسد والمعيشة والخيلاء تضر بالنفس حيث تكسبها العجب والدنيا حيث تكسب المقت من الناس وبالأخرة حيث تكسب الإثم (حم ن هـ ك عن ابن عمرو) بن العاص وقال الحاكم: صحيح وهو عندهم من رواية عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال المنذرى: ورواته إلى عمرو ثقات محتج بهم فى الصحيح (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۶۴۰۲)

(من لبس ثوب شهرة) : أى ثوب تكبر و تفاخر و تجبر، أو ما يتخذہ المتزهد ليشهر نفسه بالزهد، أو ما يشعر به المتسبد من علامة السيادة كالثوب الأخضر، أو ما يلبسه المتفقهة من لبس الفقهاء، والحال أنه من جملة السفهاء. (فى الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة) : ضد المعزة (يوم القيامة) : أى جزاء وفاقا؛ فإن المعالجة بالأضداد، ومفهومه أن من اختار ثوب مذلة وتواضع لله فى الدنيا ألبسه الله ثوب معزة فى العقبى، قال القاضى: الشهرة ظهور الشئ فى شئ به حيث يشهر به صاحبه، والمراد بثوب شهرة ما لا يحل لبسه، وإلا لما رتب الوعيد عليه، أو ما يقصد بلبسه التفاخر والتكبر على الفقراء والإذلال بهم وكسر قلوبهم، أو ما يتخذہ المساهر ليجعل به نفسه ضحكة بين الناس، أو ما يراى به من الأعمال، فكفى بالثوب عن العمل وهو شائع قال الطيبى: والوجه الثانى أظهر لقوله: ألبسه الله ثوب مذلة وفى النهاية: أى أشمله بالذل كما يشمل الثوب البدن (مرقاة المفاتيح، ج ۷ ص ۲۷۸، كتاب اللباس)

۲ استعمال اللباس تعترية الأحكام الخمسة: فالفرض منه: ما يستر العورة ويدفع الحر والبرد، قال تعالى: (يا بنى آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد) أى ما يستر عورتكم عند الصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص ۱۳۰، مادة "ألبسة")

۳ والمندوب إليه أو المستحب: هو ما يحصل به أصل الزينة وإظهار النعمة، قال تعالى: (وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) وعن أبى الأحوص عن أبيه قال: دخلت على النبى صلى الله عليه وسلم فرأى سىء الهيئة فقال: ألك شئ؟ قلت: نعم، من كل المال قد ﴿بقية حاشيا﴾ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ﴿

اور جس لباس میں تکبر اور بڑائی کا مظنہ و خطرہ ہو، اس کا پہننا مکروہ ہے۔ ۱
 اور کبر و بڑائی اور فخر و تفاخر اور شہرت کی غرض و نیت سے لباس کا پہننا حرام ہے، اور مرد حضرات
 کو ریشم کا لباس پہننا بھی حرام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ۲
 اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی اور سردی و گرمی سے حفاظت کی خاطر استعمال ہونے
 والے لباس کا پہننا، انسان پر لازم ہے، اور جو چیز استعمال کرنا انسان پر لازم ہو، اس کو انسان
 کی ضرورت و حاجت سے خارج کرنا خلاف عقل ہے، لہذا ستر پوشی اور سردی و گرمی سے
 حفاظت کا لباس انسان کی ضرورت میں داخل ہوگا، اور زینت والا لباس اس درجہ کی ضرورت

﴿گزشتہ صفحے کا تیسرا حاشیہ﴾ آتانی اللہ تعالیٰ، فقال: إذا كان لك مال فليبر عليك.

وعن ابن عمرو رضى الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله يحب أن يرى أثر نعمته
 على عبده. ومن المندوب: اللبس للترين، ولا سيما في الجمع والأعياد ومجامع الناس، لحديث
 عائشة رضى الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما على أحدكم أن وجد سعة أن يتخذ
 ثوبين ليوم الجمعة غير ثوبي مهنته ومحله إذا لم يكن للتكبر (الموسوعة الفقهية
 الكويتية، ج ۶، ص ۱۳۰، مادة "اللبسة")

۱۔ والمكروه: هو اللباس الذي يكون مظنة للتكبر والخيلاء، لحديث عمرو بن شعيب عن أبيه
 عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: وكلوا واشربوا والبسوا من غير إسراف ولا مخيلة.
 وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال: كل ما شئت، واليس ما شئت، ما أخطأتك الثنتان: سرف
 ومخيلة والمخيلة هي الكبر. وقال عبد الله بن عمرو: قلت: يا رسول الله: أمن الكبر أن يكون لى
 الحلة فألبسها؟ قال: لا. قلت: أمن الكبر أن تكون لى راحلة فأركبها؟ قال: لا. قلت: أمن الكبر أن
 أصنع طعاما فأدعو أصحابي؟ قال: لا. الكبر أن تسفه الحق وتغصم الناس وسفه الحق: جهله.
 وغصم الناس: احتقارهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص ۱۳۰، مادة "اللبسة")

۲۔ والحرام: هو اللبس بقصد الكبر والخيلاء، لما ورد فى الأحاديث السابقة.
 ومن الحرام لبس الحرير والذهب مثلا بالنسبة للرجال، ولو بحائل بينه وبين بدنه، ما لم يدع إلى
 لبسه ضرورة، أو مرض كحكة به، فلبس الحرير لذلك، لما روى عن علي رضى الله عنه قال:
 أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم حريرا فجعله فى يمينه، وذها فجعله فى شماله. فقال: إن
 هذين حرام على ذكور أمتى.

وعن أبى موسى الأشعرى رضى الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: حرم لباس الحرير
 والذهب على ذكور أمتى، وأحل لإناثهم.

وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال: "إنما نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الثوب المصمت
 من الحرير أى الخالص الذى لا يخالطه شيء، وهذا ما عليه عامة الفقهاء (الموسوعة الفقهية
 الكويتية، ج ۶، ص ۱۳۰، مادة "اللبسة")

و حاجت نہیں ہوگا، اگرچہ جائز و مستحب وہ بھی ہے، لیکن کبر و بڑائی اور فقر و تفاخر اور شہرت والا لباس نہ تو حاجت میں داخل ہو کر فرض یا واجب ہے، اور نہ ہی زینت میں داخل ہو کر مستحب و مندوب ہے، بلکہ مکروہ و ممنوع ہے۔

تین جوڑوں سے زائد لباس کی وجہ سے غنی ہونے کا حکم

اس کے بعد عرض ہے کہ حنفی فقہ کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین جوڑوں سے زائد لباس حاجت و ضرورت میں داخل نہیں، اور اسی وجہ سے تین جوڑوں سے زائد لباس کو غنی ہونے میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن فقہ حنفی کی کئی عبارات ایسی بھی ہیں کہ ان میں لباس کی تعداد کو بیان کئے بغیر گرمی اور سردی سے حفاظت کی خاطر عام پہننے جانے والے لباس کو حاجت میں شمار کیا گیا ہے، جبکہ حنفیہ کے یہاں زینت و تخیل کی خاطر استعمال ہونے والے لباس کو حاجت میں شمار نہیں کیا گیا۔ آگے اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)..... فتاویٰ ہندیہ کی کتاب الاضحیہ میں خلاصۃ الفتاویٰ سے نقل کرتے ہوئے مذکور ہے کہ:

وَصَاحِبُ الْيَابِ لَيْسَ بِغَنِيٍّ بِثَلَاثِ دَسْتَجَاتٍ إِحْدَاهَا لِلْبَذَلَةِ
وَالْأُخْرَى لِلْمُهْنَةِ وَالثَّالِثَةُ لِلْأَعْيَادِ وَهُوَ غَنِيٌّ بِالرَّابِعَةِ (الفتاویٰ

الہندیہ، ج ۵، ص ۲۹۳، کتاب الاضحیہ، الباب الأول)

ترجمہ: اور کپڑوں والا شخص تین جوڑوں کی وجہ سے غنی و مالدار شمار نہیں ہوتا، ان میں سے ایک جوڑا تو عام استعمال کے لئے ہوتا ہے، اور دوسرا جوڑا کام کاج کے لئے ہوتا ہے، اور تیسرا جوڑا عید وغیرہ کے لئے ہوتا ہے، اور وہ چوتھے جوڑے کی وجہ سے غنی (و مالدار) شمار ہوتا ہے (ہندیہ)

(۲)..... اور رد المحتار کی کتاب الاضحیہ میں ہے کہ:

وَصَاحِبُ الثِّيَابِ الْأَرْبَعَةِ لَوْ سَاوَى الرَّابِعَ نَصَابًا غَنِيٌّ وَثَلَاثَةٌ فَلَا،
لَأَنَّ أَحَدَهَا لِلْبَذْلَةِ وَالْآخَرَ لِلْمَهْنَةِ وَالثَّلَاثَ لِلْجَمْعِ وَالْوَفْدِ وَالْأَعْيَادِ

(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۶، ص ۳۱۲، کتاب الاضحیہ)

ترجمہ: اور چار جوڑوں والا شخص، اگر اس کا چوتھا جوڑا نصاب کی مالیت کے برابر ہے، تو وہ غنی و مالدار شمار ہوتا ہے (اور اس چوتھے جوڑے کو قربانی واجب ہونے میں محسوب و شمار کیا جاتا ہے) اور تین جوڑوں کی وجہ سے کوئی غنی و مالدار شمار نہیں ہوتا، کیونکہ ان تین جوڑوں میں سے ایک تو عام استعمال کے لئے ہوتا ہے، اور دوسرا کام کاج کے لئے ہوتا ہے، اور تیسرا جمعہ، عیدین اور وفد (یعنی مہمان داری وغیرہ) کے لئے ہوتا ہے (رد المحتار)

فتاویٰ قاضی خان کے صدقہ فطر کے بیان میں بھی تین جوڑوں سے زائد لباس کو حاجت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ ۱

بعض حضرات نے عربی زبان میں ”ثیاب بذلہ“ اور ثیاب مہنہ“ کے ایک ہی معنی کئے ہیں، لیکن بعض اہل لغت نے ”ثیاب بذلہ“ عام معمول و عادت کے مطابق گھر میں پہنے جانے والے لباس کو، اور ”ثیاب مہنہ“ کام کاج کے دوران پہنے جانے والے لباس کو قرار دیا ہے، اور کیونکہ اوپر کی عبارات میں ”بذلہ“ اور ”مہنہ“ کے الفاظ، ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوئے ہیں، اس لئے یہاں دونوں الفاظ سے الگ الگ قسم کے لباس مراد لینا

۱۔ والغنی الذی ہو شرط لوجوب صدقة الفطر أن يملك نصاباً أو مالا قيمته قيمة نصاب فاضلاً عن مسكنه وثياب بدنه وأثاثه وفرسه وسلاحه ولا يعتبر فيه وصف النماء وما زاد على الواحدة و المستحجات الثلاثة من الثياب يعتبر في الغنى وكذا الزيادة على فرسين والزيادة على الواحدة من الدواب لغير الغازي من فرس أو حمار للدهقان وغيره وكذا الخادم وكتب الفقهاء لأهل ما زاد نسخته من رواية واحدة وفي التفسير والأحاديث ما زاد على الاثنين ومن المصاحف لمن يحسن القراءة ما زاد على الواحد وقيل كل من ذلك معتبر (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۶۳، کتاب الصوم، فصل فی صدقة الفطر)

مناسب ہے، اور اسی کے مطابق مندرجہ بالا عبارات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ۱۔
اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حنفیہ کے نزدیک پہننے کے تین جوڑے تو حاجت
میں داخل سمجھے جاتے ہیں، اور تین سے زائد جوڑے، حاجت سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔

سردی، گرمی سے حفاظت والا لباس حاجت میں داخل ہے

اور حنفیہ کی بعض کتابوں میں سردی یا گرمی سے حفاظت کے لئے استعمال ہونے والے لباس کو
کسی خاص تعداد کی قید لگائے بغیر حاجت میں داخل مانا گیا ہے۔
(سم)..... چنانچہ رد المحتار کی کتاب الزکاة میں ابن ملک سے نقل کیا گیا ہے کہ جو لباس سردی
یا گرمی سے حفاظت کی غرض سے ہو، وہ حاجت میں داخل ہے۔
رد المحتار کی عبارت اس طرح ہے کہ:

(قَوْلُهُ وَفَسَّرَهُ ابْنُ مَلِكٍ) أَيُ فُسِّرَ الْمَشْغُولُ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ
وَالْأُولَى فُسِّرَ هَا، وَذَلِكَ حَيْثُ قَالَ: وَهِيَ مَا يَدْفَعُ الْهَلَكَ عَنِ
الْإِنْسَانِ تَحْقِيقًا كَالنَّفَقَةِ وَذَوْرِ السُّكْنَى وَآلَاتِ الْحَرْبِ وَالْغِيَابِ
الْمُحْتَاجِ إِلَيْهَا لِدَفْعِ الْحَرِّ أَوْ الْبَرْدِ أَوْ تَقْدِيرًا كَالدِّينِ (رد المحتار علی

الدر المختار، ج ۲، ص ۲۶۲، کتاب الزکاة)

۱۔ ثوب البذلة: ما يلبس في البيت عادة.

ثوب عصب: نوع من برود اليمن يصنع غزله.

ثوب المهنة: ما يلبس أثناء العمل (معجم لغة الفقهاء، ج ۱ ص ۵۵، حرف الثاء)

(م هن): وثوب المهنة ثوب الخدمة وثوب البذلة ما يتبدل به كل وقت وقال الأصمعي الصحيح
المهنة بفتح الميم وبالكسر باطل والامتحان الابتذال (طلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية،
ج ۱ ص ۱۸، کتاب الزکاة)

ثياب البذلة، بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة: وهي المهنة وزنا ومعنى (عمدة القاری
للعيینی، ج ۱ ص ۸۰، کتاب الصوم، باب من أقسم علی أخیه لیفطر فی التطوع ولم یر علیه قضاء
إذا كان أوفق له)

ترجمہ: اور ابنِ ملک نے حاجتِ اصلیه میں مشغول ہونے کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو انسان سے حقیقت میں ہلاکت کو دور کرے، جیسا کہ نان، نفقہ (یعنی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے کی ضرورت اور سامان) اور رہنے کے گھر اور لڑائی کے آلات (اسلحہ وغیرہ) اور وہ کپڑے جن کی گرمی یا سردی دور کرنے کے لئے ضرورت ہو، یا تقدیری طور پر ہلاکت کو دور کرے، جیسا کہ دین (قرض) (رد المحتار)

(۴)..... اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ:

وَكَذَا لَوْ كَانَ لَهُ كِسْوَةُ الشِّتَاءِ تُسَاوِي مِائَتِي دِرْهَمٍ وَهُوَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا فِي الصَّيْفِ يَجُوزُ لَهُ أَخْذُ الزَّكَاةِ (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۸۴، کتاب الزکاة)

ترجمہ: اور اسی طریقہ سے اگر اس کے پاس سردیوں کے کپڑے ہیں، جو دوسو درہم (چاندی کی مالیت) کے برابر ہیں، اور وہ ان کپڑوں کا گرمیوں میں محتاج نہیں ہوتا، تو اس کو زکاة لینا جائز ہے (قاضی خان)

اور بھی کئی کتب فقہ میں اسی طرح سے گرمی اور سردی سے حفاظت کے لئے استعمال ہونے والے لباس کو تعداد کی قید لگائے بغیر حاجت میں مشغول و داخل ہونے کا حکم مذکور ہے۔ ۱

۱۔ وقال نصير: فيمن كان له كسوة الشتاء، وهو لا يحتاج إليها في الصيف، أنه يحل له أخذ الزكاة، وإن بلغ قيمتها مائتي درهم وزيادة (المحيط البرهاني، ج ۲، ص ۲۸۷، کتاب الزکاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه)

وحلت لمن له كسوة الشتاء لا يحتاج إليها في الصيف (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۶۲، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة)

ولو كان له كسوة الشتاء ولا يحتاج إليها في الصيف جاز الصرف (حاشية الشلبي، علی تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۳۰۲، کتاب الزکاة، باب مصرف)

ولو كان له كسوة الشتاء لا يحتاج إليها في الصيف جاز الصرف (فتح القدير، ج ۲، ص ۲۷۸، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس کے حاجت میں مشغول ہونے کے متعلق حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی بنیاد گرمی اور سردی وغیرہ سے حفاظت پر ہے، اور جس لباس کی صرف سردی میں ضرورت پیش آئے یا صرف گرمی میں ضرورت پیش آئے، وہ بھی حاجت میں داخل ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر گرمی و سردی سے حفاظت کا مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی کو تین جوڑوں سے زائد کی حاجت ہو، تو وہ بھی حاجت میں مشغول سمجھے جائیں گے۔

چنانچہ اگر کسی علاقہ میں مخصوص موسم کی وجہ سے برسات وغیرہ کے موسم میں تیسری قسم کے جوڑے کی ضرورت و حاجت ہو، تو ان کو بھی حاجت میں مشغول سمجھا جانا چاہئے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ سردی ہو یا گرمی، پورے موسم میں ایک ہی لباس پہنے رکھنا ممکن نہیں ہوتا، بلکہ لباس کے میلا یا ناپاک وغیرہ ہونے کی صورت میں اسے تبدیل کر کے دوسرا لباس پہننے کی ضرورت بھی کثرت سے پیش آیا کرتی ہے، اور میلا و ناپاک ہونے کے بعد فوری طور پر اس کو دھونے میں بھی بعض اوقات مشکلات پیش آتی ہیں۔

اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سردی و گرمی وغیرہ سے حفاظت کی خاطر استعمال ہونے والے تین جوڑوں سے زائد لباس کو بھی حاجت میں داخل و شامل کیا جائے، خصوصاً جبکہ فقہائے کرام نے ستر پوشی اور گرمی و سردی سے حفاظت کی خاطر لباس کے استعمال کو فرض و واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

استعمالی اور پہنے جانے والا لباس حاجت میں داخل ہے

اور حنفیہ ہی کی کئی کتابوں میں ایک تیسرا قول بھی ہے، جس میں استعمال ہونے اور پہنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإن كان له كسوة الشتاء يساوي نصاباً ولا يحتاج إليه في الصيف يجوز له أخذ الزكاة (الفتاوى البازية، ج ۱، ص ۲۰، كتاب الزكاة)
ولو له قوت سنة يساوي نصاباً أو كسوة شتوية لا يحتاج إليها في الصيف، فالصحيح حل الأخذ (الاشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر، ج ۲، ص ۶۲، كتاب الزكاة)

جانے والے لباس کو بغیر کسی خاص تعداد کی قید و شرط کے حاجت میں داخل قرار دیا گیا ہے۔
(۵)..... چنانچہ رد المحتار ہی میں کتاب الزکاة کے ”باب مصرف الزکاة“ میں استعمال کے کپڑوں کو تعداد کی قید کے بغیر حاجت میں مشغول قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے کہ:

(قَوْلُهُ: مُسْتَعْرِقٌ فِي الْحَاجَةِ) كَذَارِ السُّكْنَى وَعَبِيدِ الْخِدْمَةِ وَثِيَابِ الْبُلْدَةِ (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۳۳۹، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة والعش)

ترجمہ: حاجت میں مشغول چیز، جیسا کہ رہنے کا گھر، اور خدمت گزار غلام، اور استعمالی کپڑے (رد المحتار)

اس عبارت میں استعمالی کپڑوں کو کسی تعداد کی قید کے بغیر حاجت میں مشغول قرار دیا گیا ہے۔
(۶)..... اور ابو بکر بھصا ص نے ”احکام القرآن“ میں فرمایا کہ:

مَنْ لَّهُ ثِيَابُ الْكِسْوَةِ ذَاتُ قِيَمَةٍ كَثِيرَةٍ لَا تَمْنَعُهُ إِعْطَاءُ الزَّكَاةِ (احکام القرآن للخصاص، ج ۱ ص ۵۶۰، سورة البقرة)

ترجمہ: جس کے پاس پہننے کے کپڑے پیش بہا قیمتی ہوں، تو وہ اس کو زکاة دینے کے لئے مانع نہیں ہوتے (احکام القرآن)

اس عبارت میں بھی پہننے کے کپڑوں کو بغیر تعداد کے حاجت میں داخل قرار دیا گیا ہے۔
(۷)..... اور فتاویٰ قاضی خان کی کتاب الحج میں ہے کہ:

وَمَنْ لَّهُ دَارٌ لَا يَسْكُنُهَا أَوْ ثِيَابٌ لَا يَلْبِسُهَا كَانَ عَلَيْهِ أَنْ يَبِيعَ وَيَحْجَّ بِثَمَنِهَا إِنْ كَانَ بِثَمَنِهَا وَفَاءً بِالْحَجِّ لِأَنَّهُ فَاضِلٌ عَنْ حَاجَتِهِ (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۹۳، کتاب الحج)

ترجمہ: اور جس کے پاس ایسا گھر ہو، جس میں وہ رہتا نہ ہو، یا ایسے کپڑے ہوں،

جن کو وہ پہنتا نہ ہو، تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کو فروخت کر کے، اس کی قیمت سے حج کرے، اگر ان کی قیمت سے حج ہو سکتا ہو، کیونکہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے زائد ہیں (قاضی خان)

اس عبارت میں نہ پہنے جانے والے کپڑوں کو حاجت سے خارج قرار دیا گیا ہے، جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو لباس پہنا جاتا ہو، وہ حاجت میں داخل و مشغول ہونا چاہئے۔
(۸)..... اور ہدایہ کی شرح بتا یہ میں ہے کہ:

(وَيْسَابُهُ) ش: أُنَى الْيَسَابِ الثِّيَابِ يَلْبِسُهَا هُوَ م: (لَأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ مَشْغُولَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ) ش: وَالْمَشْغُولُ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ فِي حُكْمِ الْعَدَمِ (الْبَنَاءُ شَرْحُ الْهَدَايَةِ، ج، ۴، ص ۱۴۶، كتاب الحج، ما تتحقق به الاستطاعة في الحج)

ترجمہ: اور اس کے وہ کپڑے، جن کو وہ پہنتا ہے، یہ تمام اشیاء، حاجتِ اصلیہ میں مشغول کہلاتی ہیں، اور حاجتِ اصلیہ میں مشغول چیز معدوم (ونا موجود) کے حکم میں ہوتی ہے (بتا یہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جس لباس کو پہنا جائے، وہ حاجت میں مشغول کہلاتا ہے۔ اور بھی کئی کتابوں میں بغیر کسی قید کے استعمال ہونے والے یا پہنے جانے والے کپڑوں کو حاجت میں شمار کیا گیا ہے۔ ۱۔
(۹)..... بہشتی زیور میں ہے کہ:

۱۔ والثانی الغنی الذی يتعلق به حرمان الصدقة ويتعلق به وجوب صدقة الفطر والأضحیة دون وجوب الزکاة وهو أن يملك من الأموال الفاضلة عن حوائجه ما تبلغ قيمته مائتي درهم بأن كان له ثياب وفرش ودور وحوانيت ودواب زيادة على ما يحتاج إليه للابتذال لا للتجارة والأسامة. ثم مقدار ما يحتاج إليه ما ذكر أبو الحسن في كتابه فقال لا بأس بأن يعطى من الزکاة من له مسكن وخدم وما يتأث به في منزله وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله ما لم يكن له فضل عن ذلك مائتا درهم (تحفة الفقهاء، للسمرقندی، ج ۱، ص ۳۰۲، كتاب الزکاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

”رہنے کا گھر اور پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کی گھرسٹی جو اکثر کام میں رہتی ہے، یہ سب ضروری اسباب میں داخل ہیں، اس کے ہونے سے مالدار نہیں ہوگی، چاہے جتنی قیمت کی ہو، اس لئے اس کو زکاة کا پیسہ دینا درست ہے، اسی طرح پڑھے ہوئے آدمی کے پاس اس کی سمجھ اور برتاؤ کی کتابیں بھی ضروری اسباب میں داخل ہیں“ (بہشتی زیور، حصہ سوم، صفحہ ۳۱)

”کسی کے پاس رہنے کا بڑا بھاری گھر ہے کہ اگر بیچا جائے تو ہزار پانچ سو (اور اس دور میں لاکھوں) کا بکے اور پہننے کے بڑے قیمتی قیمتی کپڑے ہیں، مگر ان میں گوٹہ لپکا نہیں اور خدمت کے لئے دو چار خدمت گار ہیں، گھر میں ہزار پانچ سو (اور اس دور میں لاکھوں) کا ضروری اسباب بھی ہے، مگر زیور نہیں اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے، یا کچھ اسباب ضرورت سے زیادہ بھی ہے اور کچھ گوٹہ لپکا اور زیور بھی ہے، لیکن وہ اتنا نہیں جتنے پر زکاة واجب ہوتی ہے، تو ایسے پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے“ (ایضاً صفحہ ۳۲)

مذکورہ عبارات میں بھی پہننے کے کپڑوں کو کسی تعداد کے بغیر حاجت میں مشغول قرار دیا گیا ہے، اور ان کی وجہ سے غنی و مالدار شمار نہ ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ہر استعمال ہونے والے لباس کو ایک مقام و درجہ حاصل نہیں، کیونکہ کسی لباس کا استعمال ستر پوشی یا سردی و گرمی سے حفاظت کی خاطر ہوتا ہے، اور کسی کا استعمال زینت کی خاطر ہوتا ہے، اور کسی کا استعمال کبر اور فخر و تفاخر اور شہرت کے طور پر ہوتا ہے۔

زینت والا لباس حاجت سے خارج ہے

اسی وجہ سے حنفیہ کی بعض عبارات میں بدن پر پہنے جانے والے اور سردی و گرمی کے لباس کو حاجت میں مشغول قرار دے کر، اس سے ایسے سامان کو خارج قرار دیا گیا ہے کہ جو زینت کی

غرض سے ہو۔

(۱۰)..... چنانچہ رد المحتار کی ”باب مصرف الزکاة“ کی گزشتہ عبارت کے چند صفحات کے بعد رد المحتار ہی میں مذکور ہے کہ:

قَالَ فِي الْبَدَائِعِ: قَدَّرُ الْحَاجَةَ هُوَ مَا ذَكَرَهُ الْكَرْخِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ
فَقَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطَى مِنَ الزَّكَاةِ مَنْ لَهُ مَسْكَنٌ، وَمَا يَتَأَثَّرُ بِهِ فِي
مَنْزِلِهِ وَخَادِمٌ وَفَرْسٌ وَسِلَاحٌ وَثِيَابُ الْبَدَنِ وَكُتُبُ الْعِلْمِ إِنْ كَانَ مِنْ
أَهْلِهِ، فَإِنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ عَنْ ذَلِكَ تَبْلُغُ قِيَمَتُهُ مِائَتِي دِرْهَمٍ حَرَمَ
عَلَيْهِ أَخْذُ الصَّدَقَةِ..... وَلَوْ لَهُ كِسْوَةُ الشِّتَاءِ وَهُوَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا فِي
الصَّيْفِ يَحِلُّ، ذَكَرَ هَذِهِ الْجُمْلَةَ فِي الْفَتَاوَى. اهـ..... مَا كَانَ مِنْ
أَثَاثِ الْمَنْزِلِ وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَوَانِي الْأَسْتِعْمَالِ مِمَّا لَا بُدَّ لِمُثَالِهَا مِنْهُ
فَهُوَ مِنَ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الْحُلِيِّ وَالْأَوَانِي
وَالْأَمْتَعَةِ الَّتِي يُقْصَدُ بِهَا الزِّيْنَةُ إِذَا بَلَغَ نَصَابًا تَصِيرُ بِهِ غَنِيَّةً (رد المحتار على

الدر المختار، ج ۲، ص ۳۴۷، ۳۴۸، ملخصاً، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة والعشر)

ترجمہ: بدائع میں فرمایا کہ حاجت کی مقدار وہ ہے، جس کو کرنی نے اپنی مختصر میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس شخص کو زکاة دی جائے، جس کا گھر ہو، اور اس کے گھر میں استعمال ہونے والی چیزیں ہوں، اور خادم ہوں اور گھوڑا ہو اور اسلحہ ہو اور بدن کے کپڑے ہوں، اور علمی کتابیں ہوں، اگر وہ ان کتابوں کا اہل ہے، پس اگر ان سے زائد چیزیں ہوں، جن کی قیمت دو سو درہم (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کو پہنچ جائے، تو اسے صدقہ لینا حرام ہے (..... اور چند سطور کے بعد ہے کہ.....) اور اگر اس کے پاس سردیوں کے کپڑے ہوں، جن کی اسے گرمیوں میں ضرورت پیش نہ آتی ہو، تب بھی اسے زکاة لینا حلال ہے، یہ تمام مسائل فتاویٰ میں مذکور ہیں (..... اور چند سطور کے بعد ہے کہ

.....) (عورت کے پاس جہیز وغیرہ کی شکل میں) جو گھر کا سامان ہوتا ہے، اور بدن کے جو کپڑے ہوتے ہیں اور استعمال کے جو برتن ہوتے ہیں، یا ان کے مثل دوسری چیزیں، جو ضروری ہوں، تو یہ چیزیں حاجتِ اصلیہ میں شمار ہوتی ہیں، اور جو چیز اس (ضرورت و حاجت) سے زیادہ ہوگی، جیسا کہ زیور اور برتن اور وہ سامان جس کا مقصد زینت حاصل کرنا ہوتا ہے، جب وہ نصاب کی مالیت کے برابر ہو جائے، تو وہ عورت مالدار شمار ہوتی ہے (ردالمحتار)

اس عبارت میں بدن کے لباس کو حاجت میں شمار کیا گیا ہے، البتہ جس سامان کا مقصد زینت حاصل کرنا ہو، اس کو حاجت سے خارج قرار دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جو لباس زیب زینت کی غرض سے ہو، وہ حاجت میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ حاجت سے زائد سمجھا جائے گا، اور ابتداء میں لباس کی مختلف صورتوں کا جو حکم بیان کیا گیا، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ زینت کا درجہ ستر پوشی اور سردی و گرمی کی حفاظت سے کم ہے۔ ۱

۱۔ علامہ شانی نے بدائع کی جس عبارت کا اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حوالہ دیا ہے، بدائع کی وہ مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے کہ: ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثت به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصري أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار. وقوله: كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وهذا؛ لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء. وذكر في الفتاوى فيمن له حوائث ودور الغلة لكن غلته لا تكفيه ولعاليه أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد و زفر، وعند أبي يوسف لا يحل وعلى هذا إذا كان له أرض وكرم لكن غلته لا تكفيه ولعاليه، ولو كان عنده طعام للفقير يساوي مائتي درهم فإن كان كفاية شهر تحل له الصدقة وإن كان كفاية سنة، قال بعضهم: لا تحل، وقال بعضهم: تحل؛ لأن ذلك مستحق الصرف إلى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم. وقد روى أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ادخر لنفسه قوت سنة. ولو كان له كسوة شتاء وهو لا يحتاج إليها في الصيف يحل له أخذ الصدقة ذكر هذه الجملة في الفتاوى، وهذا قول أصحابنا (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۸، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه)

(۱۱)..... اور بدائع الصنائع میں ہے کہ:

الْبَعْدُ لِلتَّجْمُلِ وَالتَّزْيِينِ دَلِيلُ الْفَضْلِ عَنِ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ (بدائع

الصنائع، ج ۲، ص ۱۷، فصل صفة نصاب الزكاة في الفضة)

ترجمہ: تجمل اور زینت حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز رکھنا، حاجتِ اصلیه سے فاضل ہونے کی دلیل ہے (بدائع)

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لباس صرف زینت و تجمل کے لئے ہو، جیسا کہ شادی بیاہ کے موقع پر، دولہا اور دولہن کے لئے زیب و زینت کی غرض سے قیمتی اور مہنگا ترین لباس تیار و مہیا کیا جاتا ہے، یا اسی طرح لباس کے اوپر بعض مہنگی ترین اور قیمتی اشیاء صرف زیب و زینت کی غرض سے پہنی جاتی ہیں، جیسا کہ کوئی شخص صرف زیب و زینت کی خاطر لباس کے اوپر قیمتی جبہ یا کوٹ یا واسکٹ وغیرہ استعمال کرتا ہے، تو ایسی چیز یا ایسا لباس حنفیہ کے نزدیک حاجت سے زائد سمجھا جاتا ہے۔

البتہ اگر کوئی لباس بنیادی طور پر ستر چھپانے، یا گرمی و سردی وغیرہ کی حفاظت کے لئے تیار کیا گیا ہو، اور اس کے ضمن میں تجمل اور زینت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہو، جس کی وجہ سے اس لباس کی قیمت میں اضافہ ہو گیا ہو، تو وہ حاجت سے زائد نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ فقہائے کرام نے رہائشی مکان کے بارے میں بھی یہی حکم بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں رائج قول

اور مذکورہ اقوال میں سے ہمارے نزدیک رائج یہی ہے کہ جو لباس صرف زیب و زینت کی غرض سے ہو، وہ تو حنفیہ کے نزدیک حاجت میں داخل نہیں، اور جو زینت کے بجائے ستر پوشی کی غرض سے یا سردی و گرمی وغیرہ سے حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہو، وہ حاجت میں داخل ہے، خواہ وہ چوتھا جوڑا ہو، یا پانچواں، یا اس سے بھی زیادہ۔

مگر مذکورہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، اور شوافع وغیرہ کے نزدیک جو لباس زینت کے لئے ہو، اس کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا، اور اس کو زکاة لینا جائز ہوتا ہے۔

اور یہ بات پہلے شروع ہی میں ذکر کی جا چکی ہے کہ کبر، فخر و تفاخر اور شہرت والا لباس مکروہ و ممنوع ہے، لہذا اگر کوئی لباس زینت کے بجائے کبر، فخر و تفاخر اور شہرت کی غرض سے پہنا جائے، خواہ وہ دولہا یا دولہن کا ہی شادی کے موقع کا لباس ہو، تو وہ حنفیہ کے ساتھ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بھی حاجت سے زائد سمجھا جائے گا۔ ۱

حاجت میں عرف و زمانہ کا دخل

مذکورہ عبارات سے معلوم ہو گیا کہ بہت سے حنفی فقہائے کرام نے عام طور پر ضرورت کی چیزیں ذکر کرتے ہوئے کپڑوں کی معین تعداد کو ذکر نہیں کیا، بلکہ کپڑوں سے متعلق مختلف قسم

۱۔ ولا يمنع الفقر: مسکن الفقير وثيابه وإن كانت للتجمل، وخادمه الذي يحتاج إليه، وماله الغائب في مرحلتين، وكسب لا يليق به، وكتب العلم إن كان من أهله، لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها.

وطالب العلم الذي يمنعه الكسب عن طلب العلم فقير، فتعطي له الزكاة، ويترك الكسب لتعدي نفعه وعمومه، بخلاف من تفرغ للعبادة والنوافل، فلا تعطى له الزكاة

لقصور نفعها عليه، فيجب عليه الاكتساب وتركها. وتفصيل ذلك في مصطلح: (طالب علم ف ۴، زكاة ف ۱۶۲)

ولا يشترط في الفقير ليعطى الزكاة: الزمانة، ولا التعفف عن المسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۰۱، مادة "فقير")

ولا يمنع الفقر مسكنه وثيابه ولو للتجمل ورقيقه المحتاج له لخدمته وماله الغائب في مرحلتين (غاية البيان شرح زيد ابن رسلان للرملي، ج ۱ ص ۱۴۸، كتاب الزكاة)

ولا يمنع الفقر مسكنه وثيابه وإن كانت للتجمل، وماله الغائب في مرحلتين (الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، ج ۴ ص ۷۰، كتاب الزكاة، باب قسم الصدقات)

قوله: (وثيابه) وحلى المرأة كالثياب. قوله: (ولو للتجمل) أى ولو مرة في العام أى مع كونها لائقة به كالحلى، وكذا يقال في المسكن نعم إن استغنى بسكنى نحو المدارس قال شيخنا أبو بنحو الأجرة منع مسكنه فقره (حاشيتا قليوبى وعميرة، ج ۳، ص ۹۶، كتاب قسم الصدقات)

کے الفاظ ذکر کئے ہیں مثلاً:

ثِيَابِ بِذِلَّةٍ (یعنی جو لباس انسان عام اوقات و معمول اور عادت کے مطابق پہنتا ہے) ثِيَابِ مِهْنَةٍ (یعنی وہ لباس جو انسان کام و کاج کے وقت پہنتا ہو) ثِيَابِ جُمُعَةٍ و اعیاد و الوفد (یعنی جو لباس انسان خاص خاص مواقع مثلاً جمعہ، عید اور آمد و رفت وغیرہ کے لئے استعمال کرتا ہو) ثِيَابِ مُسْتَعْمَلَةٍ (یعنی جو لباس انسان کے عام استعمال کا ہو) ثِيَابِ مَلْبُوسٍ (یعنی جو لباس انسان پہنتا ہو) ثِيَابِ بَدَنِ (یعنی جو لباس انسان کے بدن پر استعمال میں آتا ہو) الثِيَابِ الْمَحْتَاجِ إِلَيْهَا لِدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبُرْدِ (یعنی جس لباس کو انسان گرمی اور سردی سے حفاظت کے لئے استعمال کرنے کا محتاج ہو) وغیرہ وغیرہ۔

لہذا حاجت میں مشغول و استعمال ہونے نہ ہونے کے لئے ان صفات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا، خواہ تعداد کتنی بھی ہو، کیونکہ اصل علت حاجت ہے، اور حاجت کا تعلق دراصل انسان کی شخصی اور انفرادی ضروریات سے ہے جس میں زمان اور مکان، عرف اور ماحول کے لحاظ سے تبدیلی ہونا عین فطرت کا تقاضا ہے، شخصیات، افراد، حالات اور زمانے کے تغیر و تبدیلی سے انسان کی بنیادی حاجتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔

اور بعض فقہائے کرام نے جو تین جوڑوں سے زائد لباس کو مطلقاً حاجت سے زائد یا خارج قرار دیا ہے، ممکن ہے کہ ان فقہاء کے دور یا ان کی نظر میں بعض لوگوں کے حق میں چوتھا جوڑا حاجت سے زائد سمجھا جاتا ہو، اور وہ مذکورہ اغراض میں سے کسی غرض کے لئے استعمال نہ ہوتا ہو یا وہ صرف زیب و زینت کی غرض سے استعمال ہوتا ہو۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں تین جوڑوں سے ہر موسم کے جوڑے مراد لے کر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر موسم میں اس موسم کے مطابق تین جوڑے حاجت میں داخل ہیں، اس اعتبار سے سردی و گرمی وغیرہ جیسے موسموں کا لحاظ کرتے ہوئے سالانہ جوڑوں کی تعداد حاجت کے اعتبار سے کم از کم

چھ بن جاتی ہے، اور بعض اوقات یا علاقوں کے اعتبار سے تعداد اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ مختلف علاقوں میں سالانہ موسموں کی تبدیلی بھی مختلف طرح سے ہوتی ہے، اور وہاں کے باشندوں کو اسی طرح کے لباس کی احتیاج ہوتی ہے۔

اور فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کے ذیل میں رہائشی مکانات، سردی اور گرمی سے تحفظ دینے والے لباس، پیشہ وارانہ آلات اور آلاتِ حرب وغیرہ کو شمار کیا ہے، جن کا تعلق انسان کی شخصی ضروریات وحاجات سے ہے، اور ان میں زمان و مکان اور حالات کے تغیر کے اعتبار سے تبدیلی ممکن ہے، اس لئے سب لوگوں کے حق میں یکساں طور پر حاجتِ اصلیہ کی حدود کی تعیین نہیں کی جاسکتی، بلکہ حالات و زمانہ اور اور عرف و ماحول کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی ہوتی رہے گی، اور لباس وغیرہ کا معیار زمانہ اور ماحول سے تبدیل ہوتا رہے گا، سواری میں فرق آئے گا، کھانے پینے کی اشیاء میں تبدیلی ہوگی، رہائشی مکانات اور سامان میں فرق ہوگا۔

جیسا کہ حج کی فرضیت کے باب میں فقہائے کرام نے زاد و راحلہ (سواری اور سفری ضروریات و اخراجات) کا اعتبار ہر زمانے اور شخصیات و افراد کے اعتبار سے ہونا بیان کیا ہے، ظاہر ہے کہ کسی زمانے میں دور دراز کے لوگوں کے حق میں بھی اونٹ گھوڑا وغیرہ کا مہیا ہونا خواہ اجرت کی شکل میں ہو، حج کے راحلہ یا سواری میں داخل تھا اور آج کے زمانے میں یہ دور دراز کے لوگوں کے حق میں حج کے راحلہ یا سواری میں داخل نہیں، اور آج کل جہاز وغیرہ کے اخراجات پہلے زمانے کی سواری سے کہیں زیادہ ہیں، جبکہ آج کے دور میں گھوڑے، اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے حج کا سفر ممکن ضرور ہے، مگر آج کل کی طبائع کے لحاظ سے اس میں مشقت بہت زیادہ ہے، جو شریعت میں ساقط ہے، اس لئے موجودہ دور میں دوسرے ممالک اور دور دراز کے علاقہ والوں کے لئے جہاز کے اخراجات بھی حج کے

زاد و راحلہ اور حاجت میں داخل ہیں، جو کہ پہلے زمانہ میں داخل نہیں تھے۔ ۱۔
یہی وجہ ہے کہ بعض مسائل کے ضمن میں فقہائے کرام نے ثياب بذلہ اور مہنہ ان کو قرار دیا ہے جو لوگوں کے تعامل و تعارف میں رات اور دن میں استعمال ہوتے ہوں، اور زینت والے مواقع پر پہننے جانے والے لباس کو اس سے خارج قرار دیا ہے۔ ۲۔
اور عورت کے نفقہ کے مسئلہ کے ذیل میں سردی اور گرمی کے لباس میں فقہائے کرام نے زمان و مکان کے عرف و حالات کو موثر مانا ہے، اور ہر موسم کے کپڑوں کو تعداد کے بغیر حاجت میں شمار کیا ہے۔ ۳۔

۱۔ وفي كتاب الفقه على المذاهب الاربعة الحنفية: قالو، الاستطاعة هي القدرة على الزاد والراحلة الخ ويعتبر في الراحلة ما يليق بالشخص عادة وعرفا، ويختلف ذلك باختلاف احوال الناس. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۶۳۳، بحوالہ جدید فقہی مباحث ج ۶ ص ۳۵۳) واعتبروا في الحج الزاد والراحلة المناسبين للشخص حتى قال في "فتح القدير" يعتبر في حق كل انسان ما يصلح معه بدنه (غمز عيون البصائر مع شرحه الحموي ج ۱ ص ۲۴۶ تحت القاعدة الرابعة المشقة تجلب التيسير الفائدة الاولى)

وينبغي أن يكون قول المصنف شق محمل أو رأس زاملة على التوزيع ليكون الوجوب يتعلق بمن قدر على رأس زاملة بالنسبة إلى بعض الناس، وبالنسبة إلى بعض آخرين لا يتعلق إلا بمن قدر على شق محمل هذا، لأن حال الناس مختلف ضعفا وقوة وجلدا ورفاهية، فالمره لا يجب عليه إذا قدر على رأس زاملة وهو الذي يقال له في عرفنا راكب مقتب، لأنه لا يستطيع السفر كذلك بل قد يهلك بهذا الركوب فلا يجب في حق هذا لا إذا قدر على شق محمل، ومثل هذا يتأتى في الزاد فليس كل من قدر على ما يكفي من خبز وجبن دون لحم وطبيخ قادرا على الزاد، بل ربما يهلك مرضا بمدوامته ثلاثة أيام إذا كان مترفها معتاد اللحم والأغذية المرتفعة، بل لا يجب على مثل هذا إذا قدر على ما يصلح معه بدنه (فتح القدير، ج ۲ ص ۲۱۷ كتاب الحج)

۲۔ والقياس أن لا تدخل ثياب بدنه كما لا يدخل اللجام والسرج والعذار في بيع الدابة؛ لما قلنا لكنهم استحسنوا في ثياب البدلة والمهنة وهي التي يلبسها في اليوم واللييلة لتعامل الناس وتعارفهم وأما الثياب النفيسة التي لا يلبسها إلا وقت العرض للبيع فلا تدخل في البيع لانعدام التعارف في ذلك فيبقى على أصل القياس وهذا مما يختلف باختلاف عرف الناس وعاداتهم في كل بلد فبني الأمر فيه على ذلك (بدائع الصنائع، ج ۵ ص ۱۶۷، كتاب البيوع، فصل في شرائط الصحة في البيوع)

۳۔ وكذلك يفرض لها من الكسوة ما يصلح لها للثراء والصيف فإن بقاء النفس بهما وكما لا تبقى النفس بدون المأكول عادة لا تبقى بدون الملبوس عادة والحاجة إلى ذلك تختلف باختلاف الأوقات والأمكنة فيعتبر المعروف في ذلك (المبسوط للسرخسي، ج ۵ ص ۱۸۱، باب النفقة، كتاب النكاح)

اس لئے علی الاطلاق سب کے حق میں تین جوڑوں سے زائد لباس کو حاجت سے خارج قرار دینا، ہمارے نزدیک رائج نہیں ہے، خصوصاً جبکہ خود فقہائے کرام ہی کے حاجتِ اصلیه سے متعلق بیان کردہ ضابطوں کی رُو سے ہر شخص کے حق میں اور ہر دور میں تین جوڑوں سے زائد کو حاجتِ اصلیه سے زائد قرار دینا درست نہ ہو، تو پھر بہر صورت تین جوڑوں سے زائد کو حاجت سے خارج قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک رائج یہی ہے کہ مباح طریقے پر عام استعمال میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

و یجب علیہ من الکسوة فی کل سنة مرتین صیفیہ وشتویہ؛ لأنها کما تحتاج إلى الطعام والشراب تحتاج إلى اللباس لستر العورة ولدفع الحر والبرد ویختلف ذلک بالیسار والإعسار والشتاء والصیف علی ما نذكر إن شاء الله تعالى..... وإنما كانت النفقة والكسوة بالمعروف؛ لأن دفع الضرر عن الزوجین واجب وذلک فی إيجاب الوسط من الکفایة وهو تفسیر المعروف فیکفیها من الکسوة فی الصیف قمیص وخمار وملحفة وسراويل -أيضا فی عرف دیارنا -علی قدر حاله من الخشن والبلین والوسط، والخشن إذا کان من الفقراء والبلین إذا کان من الأغنیاء والوسط إذا کان من الأوساط وذلک کله من القطن أو الكتان علی حسب عادات البلدان إلا الخمار فإنه یفرض علی الغنی خمار حریر فی الشتاء یزاد علی ذلک حشویا وفروة بحسب اختلاف البلاد فی الحر والبرد (بدائع الصنائع، ج ۳ ص ۲۳، ۲۵، کتاب النفقة، فصل فی بیان مقدار الواجب من النفقة، ملخصاً)

الکسوة واجبة علیہ بالمعروف بقدر ما یصلح لها عادة صیفا وشتاء کذا فی التتارخانیة ناقلا عن الینابیع (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۱ ص ۵۵۵، الباب السابع عشر، الفصل الاول، کتاب الطلاق) قال مشایخنا -رحمهم الله تعالیٰ - ما ذکر محمد -رحمه الله تعالیٰ - فی الکتاب من بیان الخادم وکسوتها فهو بناء علی عاداتهم، وذلک یختلف باختلاف الأمکنة فی شدة الحر والبرد وباختلاف العادات فی کل وقت فعلى القاضی اعتبار الکفایة فی نفقة الخادم فیما یفرض فی کل وقت ومکان إلا أنه لا یبلغ کسوة الخادم کسوة المرأة کذا فی المحيط (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۱ ص ۵۵۶، الباب السابع عشر، الفصل الاول، کتاب الطلاق)

واعلم أن تقدير کسوة مما یختلف باختلاف الأمکن والاعادات فیجب علی القاضی اعتبار الکفایة بالمعروف فی کل وقت ومکان (رد المحتار، ج ۳ ص ۵۸۰، کتاب الطلاق، باب النفقة)

آنے والے کپڑے بغیر تعداد کے حاجت میں داخل ہیں اور ہر شخص کے استعمال کی ضرورت و حاجت مختلف ہو سکتی ہے، لہذا جن کپڑوں کے استعمال کی انسان کو اپنی نوعیت کے اعتبار سے حاجت ہو، وہ حاجت میں شامل ہیں، البتہ جو کپڑے سال بھر استعمال میں نہ آئیں اور ویسے ہی رکھے رہیں، جیسا کہ عموماً شادی بیاہ کے موقع پر تیار کئے گئے دلہا دلہن کے قیمتی قیمتی جوڑے ویسے ہی رکھے رہتے ہیں، یا جس لباس کا مقصد صرف زیب و زینت ہو، تو وہ حنفیہ کے نزدیک حاجت میں داخل نہیں۔

اور اسی طرح جو لباس کبر و تکبر، فخر و تفاخر اور شہرت والا ہو، وہ بھی حنفیہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک حاجت میں داخل نہیں، بلکہ اس کا استعمال جائز بھی نہیں۔

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمْ.

محمد رضوان

۱۰/ رجب المرجب/ ۱۴۳۵ھ، ۱۰/ مئی/ ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(۴)

سائمہ جانوروں کے نصاب سے مستحق زکاة ہونے کا حکم

اگر کوئی شخص سونے، چاندی، مالی تجارت، کرنسی اور اضافی سامان کے اعتبار سے تو صاحبِ نصاب یا غنی و مالدار نہ ہو، لیکن سائمہ جانوروں کے اعتبار سے وہ نصاب کا مالک اور غنی ہو، خواہ سائمہ جانوروں کی مالیت دوسو درہم کے برابر ہو یا نہ ہو، تو کیا ایسا شخص زکاة کا مصرف و مستحق ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں حنفیہ کے اصحاب مذہب سے کوئی صریح فیصلہ منقول نہیں، اور مشائخ حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

اگر اس جہت سے دیکھا جائے کہ سائمہ جانوروں کا نصاب بھی شریعت کی نظر میں نہ صرف یہ کہ غناء و مالدار میں داخل ہے، بلکہ اعلیٰ درجہ کا غناء ہے، جس طریقے سے سونے و چاندی کا نصاب غناء و مالدار میں ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ مذکورہ شخص زکاة کا مستحق نہ ہو۔

اور اسی وجہ سے بعض مشائخ حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ جس شخص کی ملکیت میں کسی بھی قسم کے سائمہ جانور، نصاب کے برابر ہوں، خواہ ان کی مالیت دوسو درہم کے برابر ہو، یا اس سے کم ہو، تو وہ زکاة کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ متعدد مشائخ حنفیہ نے سائمہ جانوروں کو مال نامی اور فارغ عن الحاجة الاصلیہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ:

وَدَخَلَ تَحْتَ النَّصَابِ النَّامِي الْمَذْكُورِ أَوْ لَا الْخَمْسُ مِنَ الْإِبِلِ
السَّائِمَةِ فَإِنْ مَلَكَهَا أَوْ نَصَابًا مِنَ السَّوَائِمِ مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ لَا يَجُوزُ
دَفْعُ الزَّكَاةِ لَهُ سَوَاءَ كَانَ يُسَاوِي مَائَتِي دِرْهَمٍ أَوْ لَا (البحر الرائق) ۱

۱ ج ۲ ص ۲۳۵، ۲۳۶، کتاب الزکاة، باب المصروف .

ترجمہ: اور مذکورہ نصاب نامی کے تحت میں اولاً سائٹہ پانچ اونٹ بھی داخل ہیں، پس اگر کوئی سائٹہ پانچ اونٹوں کا مالک ہو گیا، یا دوسرے سائٹہ جانوروں کے نصاب کا مالک ہو گیا، جو نسے بھی سائٹہ جانور ہوں (مثلاً کم از کم تیس گائے، بھینس، یا کم از کم چالیس بکریاں وغیرہ) تو اس کو زکاة دینا جائز نہیں، چاہے وہ (مالیت کے اعتبار سے) دوسودرہم کے برابر ہوں یا نہ ہوں (بخاری)

اس کی تائید کئی دیگر مشائخ حنفیہ کی عبارات سے ہوتی ہے۔ ۱۔ جن کے پیش نظر یہ کہا جائے گا کہ سائٹہ جانوروں کے نصاب کو بھی مستقل طور پر سونے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے تابع ہوئے بغیر غناء و مالداری کے وجود میں دخل ہے۔ ۲۔

۱۔ فقال الحنفية: الفقير من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب، فإذا ملك نصاباً من أي مال زكوى فهو غنى لا يستحق شيئاً من الزكاة، فإن ملك أقل من نصاب فهو غير مستحق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳ ص ۳۱۳، مادة "زكاة")
وقال الحنفية: هو الغنى الموجب للزكاة، فمن تجب عليه الزكاة لا يحل له أن يأخذ الزكاة، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم .
ومن ملك نصاباً من أي مال زكوى كان فهو غنى، فلا يجوز أن تدفع إليه الزكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳ ص ۳۱۴، مادة "زكاة")
"ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً من أي مال كان" "لأن الغنى الشرعي مقدر (الهداية شرح البداية المبتدئ، ج ۱ ص ۱۱۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

(ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصاباً من أي مال كان) ش: یعنی سواء كان من النقيدين أو من العروض أو من السوائم (البنایة شرح الهدایة، ج ۳ ص ۷۶، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

قال: (ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصاباً) سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض وهو فاضل عن حوائجه الأصلية كالدين في النقود والاحتياج إلى الاستعمال في أمر المعاش في غيرهما لا يجوز دفع الزكاة إليه (العناية شرح الهداية، ج ۲ ص ۷۷، ۷۸، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

۲۔ اور ان حضرات کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں نصاب فضہ کے ساتھ سائٹہ جانوروں کے نصاب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس

﴿بقية حاشيا لکے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ اس کے برعکس بعض مشائخ احناف نے فرمایا کہ اگر کوئی سائتمہ جانوروں کے نصاب کا مالک ہو، لیکن ان کی مالیت چاندی یا سونے کے نصاب کی مالیت سے کم ہو، تو اس کو زکاة لینا جائز ہے۔

بلکہ صاحب شرنبلالیہ نے سائتمہ جانوروں کے نصاب کے موجود ہونے کی صورت میں جبکہ وہ دو سو درہم کی مالیت سے کم ہو، زکاة کے حرام ہونے کے قول کو صاحب بحر کا وہم قرار دیا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فیما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، وليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة (بخاری، رقم الحديث ۱۴۵۹)
اگرچہ یہ حدیث غناء کے پہلے درجے یعنی وجوب زکاة سے متعلق ہے، لیکن اس سے سائتمہ جانوروں کے نصاب کے مالک کا غنی ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ اس قسم کی اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں۔
۱۔ چنانچہ شرنبلالیہ میں ہے کہ:

(قوله: وغنی) أقول أي يملك نصاب فضة أو ذهب فاضلا عن حوائج الأصلية أو يملك ما يساوي قيمة نصاب فضة أو ذهب من أي مال كان بلا شرط النماء حتى لو ملك نصاب سائمة كخمس من الإبل لا تساوي مائتي درهم جاز دفع الزكاة إليه وما وقع في البحر خلاف هذا فهو وهم حيث قال ودخل تحت النصاب الخمس من الإبل السائمة، فإن ملكها أو نصابا من السوائم من أي مال كان لا يجوز دفع الزكاة له سواء كانت تساوي مائتي درهم أو لا وقد صرح به شراح الهداية عند قوله من أي مال كان. اهـ.

فلينبه له وقد ذكر خلافه في الأشباه والنظائر في فن المعاينة فقد ناقض نفسه ولم أر أحدا من شراح الهداية صرح بما ادعاه ممن اطلعت عليه بل عبارتهم مفيدة جواز الدفع لمن ملك نصاب سائمة لا تبلغ قيمتها نصابا غير أنه قال في العناية ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العرض. اهـ.

فأوهم ما ذكره في البحر وهو مدفوع؛ لأن قول العناية سواء كان... إلخ مقيد بتقدير النصاب بالقيمة سواء كان من العرض أو السوائم لما أن العروض ليس نصابها إلا ما يبلغ قيمته مائتي درهم وقد صرح بأن المعتبر مقدار النصاب في التبيين وغيره واستدل له في الكافي بقول النبي -صلى الله عليه وسلم- من سأل وله ما يغنيه فقد سأل الناس إلحافا قليل وما الذي يغنيه قال مائتا درهم أو عدلها. اهـ.

فقد شمل الحديث اعتبار السائمة بالقيمة لإطلاقه وقال في المحيط الغنى الذي يحرم الصدقة ويوجب صدقة الفطر والأضحية هو أن يملك ما يبلغ قيمته مائتي درهم من

﴿بقية حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر صاحبِ درِ مختار نے صاحبِ بحر کی تائید اور شربلالیہ کی تضعیف کی ہے۔ ۱۔
اور علامہ شامی نے رد المحتار اور منہ الخالق میں شربلالیہ اور صاحبِ بحر کی عبارات پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ نقدین (یعنی سونے اور چاندی) میں تو وزن کا اعتبار ہونا چاہئے، اور نقدین کے علاوہ میں (خواہ وہ سائے جانور ہوں) نقدین (یعنی سونے و چاندی) کی مالیت کا اعتبار ہونا چاہئے، جس کے پیش نظر اگر کوئی سائے جانوروں کے نصاب کا مالک ہو، مگر ان کی مالیت دوسو درہم سے کم ہو، تو اس پر باوجودیکہ سائے جانوروں کی زکاة واجب ہے، مگر اس کو زکاة کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأموال الفاضلة عن حاجته لقوله -عليه السلام- لا تحل الصدقة لغنى قيل وما الغنى يا رسول الله قال من له مائتا درهم -اهـ-

وقد نص على اعتبار قيمة السوائم في عدة كتب من غير (وان) ذكر خلاف في الأشياء والنظائر كما ذكرنا وفي السراج الوهاج ونظم ابن وهبان وشرحه له وفي شرحه لابن الشحنة. وفي الذخائر الأشرافية.

وفى الجوهرية قال المرغيناني إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتي درهم تحل له الزكاة وتجب عليه وبهذا ظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصاباً أى من جنسه أو لم يبلغ -اهـ- ما نقله عن المرغيناني.

(تنبيه) : قيدنا بكون النصاب فاضلاً عن الحاجة تبعاً للكمال وغيره حيث قال والشرط أن يكون فاضلاً عن الحاجة ثم قال أما إذا كان له نصاب ليس نامياً وهو مستغرق بحوائج الأصلية فيجوز الدفع إليه كما قدمنا فيمن يملك كتباً تساوى نصاباً وهو عالم يحتاج إليها أو هو جاهل لا حاجة له بها -اهـ- قلنا إلا أن في قوله أو هو جاهل لا حاجة له بها نظراً؛ لأنه عطفه على من يجوز دفع الزكاة إليه وأنه لا يجوز له لكنه لما أحال على ما تقدم وهو مفيد أن الجاهل لا يكون مصرفاً بملكه كتباً علم حكمه به، وإن كان في هذا تسامح (حاشية الشربلالية على درر الحکام شرح غرر الأحكام ج ۱ ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

۱۔ (و) لا إلى (غنى) يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان، كمن له نصاب سائمة لا تساوى مائتي درهم كما جزم به فى البحر والنهر. وأقره المصنف قائلاً: وبه يظهر ضعف ما فى الوهبانية وشرحها من أنه تحل له الزكاة وتلزمه الزكاة اهـ. لكن اعتمد فى الشربلالية ما فى الوهبانية وحرر وجزم بأن ما فى البحر وهم (الدر المختار، ج ۱ ص ۱۴۱، كتاب الزكاة، باب المصروف)

علامہ صہبى رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہبانیہ اور اس کی شرح میں مذکور قول ضعیف ہے، اور شربلالیہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

لینا جائز ہے۔ ۱

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ زیر بحث مسئلہ میں مشائخ حنفیہ کے دونوں قول ہیں، اور احتیاط پہلے قول میں ہے، لیکن اگر کوئی دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے زکاة لے، تو اس کی بھی

۱ (قوله: كما جزم به في البحر) حيث قال: ودخل تحت النصاب النامي الخمس من الإبل فإن ملكها أو نصابا من السوائم من أي مال كان لا يجوز دفع الزكاة له سواء كان يساوي مائتي درهم أو لا، وقد صرح به شراح الهداية عند قوله من أي مال كان. اهـ.

(قوله: ما في الوهبانية) أي في آخرها عند ذكر الألفاظ (قوله: لكن اعتمد في الشربلية إلخ) حيث قال: وما وقع في البحر خلاف هذا فهو وهم فليتنبه له، وقد ذكر خلافه في ألفاظ الأشباه والنظائر فقد ناقض نفسه، ولم أر أحدا من شراح الهداية صرح بما ادعاه بل عبارتهم تفيد خلافه حيث إنه قال في العناية: ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض اهـ فافهم ما في البحر وهو مدفوع؛ لأن قول العناية سواء كان إلخ مفيد تقدير النصاب بالقيمة سواء كان من العروض أو السوائم لما أن العروض ليس نصابها إلا ما يبلغ قيمته مائتي درهم، وقد صرح بأن المعتبر مقدار النصاب في التبيين وغيره، واستدل له ما في الكافي بقوله - صلى الله عليه وسلم - من سأل وله ما يغنيه فقد سأل الناس إلحافا، قيل: وما الذي يغنيه؟ قال: مائتا درهم أو عدلها. اهـ.

فقد شمل الحديث اعتبار السائمة بالقيمة لإطلاقه، وقد نص على اعتبار قيمة السوائم في عدة كتب من غير لمعتبر نصاب النقد من أي مال كان بلغ نصابا من جنسه أو لم يبلغ اهـ ما نقله عن المرغيناني اهـ ما في الشربلية ملخصا. ووفق ط بأنه روى عن محمد روايتان في النصاب المحرم للزكاة هل المعتبر فيه القيمة أو الوزن؟ ففي المحيط عنه الأول، وفي الظهيرية عنه الثاني.

وتظهر الثمرة فيمن له تسعة عشر دينارا قيمتها ثلثمائة درهم مثلا فيحرم أخذ الزكاة على الأول لا على الثاني. والظاهر أن اعتبار الوزن في الموزون لتأنيه فيه، أما المعدود كالسائمة فيعتبر فيها العدد على الرواية الثانية وعليها يحمل ما في البحر، وعلى رواية المحيط من اعتبار القيمة يحمل ما في الشربلية وغيرها، وبه يندفع التنافي بين كلامهم اهـ.

أقول: وفيه نظر فإن قوله: أما المعدود كالسائمة فيعتبر فيها العدد هو مسلم في حق وجوب الزكاة أما في حق حرمة أخذها فهو محل النزاع. فقد يقال إذا كان اختلاف الرواية في الموزون يكون المعدود معتبرا بالقيمة بلا اختلاف كما تعتبر القيمة اتفاقا في العروض، وقد علمت أن ما ذكره في البحر لم يصرح به شراح الهداية وإنما صرحوا بما مر عن العناية، وقد علمت تأويله مع تصريح المرغيناني بما يزيل الشبهة من أصلها فلم يحصل التنافي بين كلامهم حتى يقتحم التوفيق البعيد وإنما حصل التنافي بين ما فهمه في البحر وبين ما صرح به غيره، والواجب الرجوع إلى ما صرحوا به حتى يرى تصريح آخر منهم، بخلافه يحصل به التنافي فيحنبذ يطلب منه التوفيق فافهم (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۴۸، ۳۴۹، كتاب الزكاة، باب المصروف أي مصرف الزكاة والعشر)

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گنجائش معلوم ہوتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ ضرورت مند ہو۔ فقط۔

هَذَا مَا عِنْدِي. وَلَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا.
وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمُّ وَآحْكَمُ.

محمد رضوان

۲/ شعبان المعظم / ۱۴۳۵ھ / 01 / جون 2014ء، بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله: قیدنا به) أى بقوله إذا كان قيمته أى قيمة ما دون النصاب لا تساوى نصابا (قوله: سواء كان يساوى مائتى درهم أو لا) تبعه على هذه أخوه وتلميذه فى المنح وجزم فى الشربلالية بأنه وهم، قال: وقد ذكر خلافه فى الأشياء والنظائر فى فن المعاينة فقد ناقض نفسه، ولم أر أحدا من شراح الهداية صرح بما ادعاه بل عبارتهم مفيدة خلافه غير أنه قال فى العناية: ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائى أو العروض اهـ.

فأوهم ما ذكره، وهو مدفوع؛ لأن قول العناية سواء كان الخ مفيد تفسير النصاب بالقيمة مطلقا لما أن العروض ليس نصابها إلا ما يبلغ قيمته مائتى درهم، وقد صرح بأن المعبر مقدار النصاب فى التبيين وغيره، واستدل له فى الكافي بقوله -عليه السلام- من سأل، وله ما يغنيه فقد سأل الناس إلحافا قيل: وما الذى يغنيه قال: مائتا درهم، أو عدلها اهـ.

ونحوه فى المحيط فقد شمل الحديث اعتبار السائمة بالقيمة لإطلاقها وقد نص على اعتبار قيمة السوائى فى علة كتب من غير خلاف فى الأشياء والسراج والوهبانية وشرحها للمصنف ولابن الشحنة والدخائر الأشرية، وفى الجوهرية قال المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مائتى درهم تحل له الزكاة وتجب عليه، وبهذا أظهر أن المعبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نصابا أى من جنسه أو لم يبلغ اهـ.

ما نقله عن المرغينانى اهـ ما فى الشربلالية.

ووفق بعض محشى الدر المختار بحمل ما مر عن المحيط والظهيرية على اختلاف الرواية عن محمد فى أن المعبر فى النصاب المحرم الوزن أو القيمة فما فى المحيط الثانى، وما فى الظهيرية الأول والظاهر أن اعتبار الوزن خاص بالموزون لتأنيته فيه أما المعدود كالسائمة فيعتبر فيه العدد بدل الوزن فما فى البحر والنهر والمنح مرور على ما فى الظهيرية وما فى الشربلالية على ما فى المحيط، وبهذا يندفع التنافى بين كلام القوم اهـ ملخصا قلت: هذا ممكن، ولكن لو ورد فى كلامهم ما هو صريح فيما قاله المؤلف لحصل التنافى أما مع عدمه على ما ادعاه الشربلالي فلا حاجة إليه لعدم التنافى تأمل (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

(۵)

غریب کو حاصل شدہ مالِ زکاة کا امیر کو استعمال کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر کسی امیر و مالدار شخص نے زکاة کی مد سے کوئی دینی کتاب یا کوئی اور چیز غریب اور ضرورت مند طالب علم کو مالک بنا کر دے دی، تو کیا کسی امیر و مالدار شخص کو اس طالب علم کی اجازت سے اس کتاب یا اس چیز سے استفادہ کرنا جائز ہوگا کہ نہیں؟

ہم نے بعض علماء سے سنا ہے اور بعض کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ غریب کو زکاة میں جو چیز حاصل ہو، اس کا غریب کی اجازت ہونے کے باوجود بھی امیر و مالدار کو استعمال کرنا جائز نہیں، تا آنکہ غریب وہ چیز امیر و مالدار کو باقاعدہ مالک بنا کر نہ دے دے۔

اگر مسئلہ اسی طرح ہو، تو پھر اس میں بڑی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی گنجائش پائی جاتی ہو، تو ازراہ کرام مدلل انداز میں اس کی رہنمائی فرما ہم کر دی جائے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواب

جو چیز کسی غریب کو مالکانہ طریقہ پر زکاة میں حاصل ہوئی، وہ اگر زکاة میں حاصل شدہ بعینہ یہ چیز کسی مالدار یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے (یعنی ہاشمی) کو مالک بنا کر دے دے، مثلاً اس مالدار یا ہاشمی کو وہ زکاة میں حاصل شدہ چیز ہبہ یا عطیہ کر دے، یا زکاة کا مال

امیر کو فروخت کر دے، یا زکاة کے مال کے عوض میں امیر و مالدار سے کوئی چیز خرید لے، تو ان صورتوں میں امیر کے لئے اس مال کا استعمال تملیک پائے جانے یا مالک بنائے جانے کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔

اور جب زکاة کی مد میں حاصل شدہ چیز میں غریب کوئی تصرف کر لے، مثلاً زکاة کی مد میں حاصل شدہ گندم کا آٹا بنوا کر روٹی تیار کر لے، تو اس کے بعد اس چیز کا غریب کی اجازت سے مالک بنے بغیر بھی امیر و مالدار اور ہاشمی کو استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں مشائخ حنفیہ کے دو قول اور ان کے نتائج

لیکن اگر غریب شخص نے زکاة کی مد میں حاصل شدہ چیز میں کوئی تصرف نہیں کیا، اور وہ اسی طرح سے اس کے پاس موجود ہے، اور وہ یہ چیز کسی امیر و مالدار یا ہاشمی کو مباح کرے، یعنی مالک بنائے بغیر دے، مثلاً اگر کوئی کھانے کی چیز ہو، اور وہ مالدار یا ہاشمی کو مالک بنائے بغیر کھانے کے لئے دے، یا عاریت کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دے، تو کیا مالدار یا ہاشمی کے لئے اس کا استعمال جائز ہوتا ہے یا نہیں؟
تو اس بارے میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

الْغَنِيُّ إِذَا أَكَلَ مِمَّا تُصَدِّقُ بِهِ عَلَى الْفَقِيرِ إِنْ أَبَاحَ الْفَقِيرُ فَفِي حِلِّ
التَّنَاوُلِ اخْتِلَافٌ بَيْنَ الْمَشَائِخِ، وَإِنْ مَلَكَهُ الْفَقِيرُ الْغَنِيُّ لَا بَأْسَ بِهِ

(الفتاویٰ الہندیہ) ۱

ترجمہ: مالدار شخص جب اس چیز میں سے کھائے، جو غریب کو صدقہ کی گئی ہے، اگر غریب (اس مالدار کے لئے) مباح کرے (مالک نہ بنائے) تو اس کے استعمال

۱ ج ۵، ص ۳۴۰، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہۃ فی الأکل وما یتصل بہ.

کرنے (اور کھانے) کے حلال ہونے میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے، اور اگر اس چیز کا غریب، مالدار کو مالک بنادے، تو (پھر استعمال کرنے اور کھانے میں) کوئی حرج نہیں (ہندیہ)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر زکاۃ و صدقہ کی مد میں غریب کو حاصل شدہ مال کا وہ غریب کسی امیر و مالدار یا ہاشمی کو مالک نہ بنائے، بلکہ اس کے لئے مباح کرے، تو اس کے جواز و عدم جواز میں مشائخ کے مابین اختلاف ہے، بعض مشائخ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور بعض جائز قرار دیتے ہیں۔

ناجائز قرار دینے والے مشائخ حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہدیہ کے طور پر استعمال کے جواز اور اس کی علت کا ذکر ملتا ہے، اور ہدیہ میں مالک بننا پایا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ امیر و مالدار یا ہاشمی کے لئے غریب کو زکاۃ میں حاصل شدہ مال کا مالک بن کر تو استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں ملکیت تبدیل ہونے سے عین تبدیل ہو جاتی ہے، اور اس کے زکاۃ و صدقہ کا مال ہونے کی حیثیت زائل و ختم ہو جاتی ہے، اور مالک بنے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں ملکیت تبدیل نہ ہونے سے عین تبدیل نہیں ہوتی، اور اس کے زکاۃ و صدقہ کا مال ہونے کی حیثیت زائل و ختم نہیں ہوتی۔

پس اس قول کی رو سے تو صورتِ مسئلہ میں غریب طالب علم کو زکاۃ کی مد میں حاصل شدہ کتاب کا اس طالب علم کی اجازت سے امیر و مالدار بلکہ ہاشمی و سید کو بھی مطالعہ کرنا جائز نہیں۔

جبکہ بعض مشائخ حنفیہ مالک بنانے کے ساتھ ساتھ مباح کرنے کی صورت میں بھی اس چیز کے مالدار اور ہاشمی کے لئے استعمال کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جائز قرار دینے والے مشائخ حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ بعض روایات میں مالک بنے بغیر بھی اباحت کے طور پر امیر و مالدار یا ہاشمی کے لئے استعمال کے جائز ہونے کا ذکر ملتا ہے، اور

جب زکاة کا مال غریب کو دیا جائے، تو وہ معطیٰ (یعنی دینے والے) کی ملک سے نکل جاتا ہے، اور اسی وجہ سے معطیٰ (یعنی دینے والے) کو وہ مال غریب سے خوش دلی کے بغیر جبراً واپس لینا یا اس میں کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا، جو کہ ملکیت تبدیل ہونے کی دلیل ہے، اور معطیٰ لہ (یعنی جس کو دیا گیا، اس) کی ملکیت میں کوئی خبث و خرابی نہیں پائی جاتی، لہذا غریب وہ زکاة کا مال جس کو مباح کرے، اس کے لئے بھی کوئی خبث و خرابی نہیں ہوگی۔

پس اس قول کی رو سے صورتِ مسئلہ میں غریب طالب علم کو زکاة کی مد میں حاصل شدہ کتاب کا اس طالب علم کی اجازت سے امیر و مالدار بلکہ ہاشمی و سید کو بھی مطالعہ کرنا جائز ہے۔ اور اگرچہ پہلے قول میں زیادہ احتیاط ملحوظ ہے، اور بعض مشائخ حنفیہ نے اس قول کو رائج بھی قرار دیا ہے، اور کئی اردو کتابوں میں اسی قول کے مطابق حکم بیان کیا گیا ہے، اس لئے اگر کوئی اس قول پر عمل کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس میں زیادہ احتیاط پائی جاتی ہے۔ ۱۔ اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ:

الْفَقِيرُ إِذَا أَبَاحَ لِلْغَنِيِّ عَيْنَ مَا أَخَذَ مِنَ الزَّكَاةِ مِنَ الطَّعَامِ هَلْ يَحِلُّ لَهُ
التَّنَاوُلُ، قَالَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ يَحِلُّ، وَإِلَيْهِ مَالُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ، الْفَقِيرُ
إِذَا أَيْسَرَ وَالصَّدَقَاتُ الَّتِي أَخَذَهَا قَائِمَةٌ فِي يَدِهِ، لَا بَأْسَ بِأَنْ يُتَنَاوَلَ
مِنْهَا (الفتاوى التاتارخانية) ۲

۱۔ وللغنى أن يشتري الصدقة الواجبة من الفقير ويأكلها، وكذا لو وهبها له علم أن تبدل الملك كتبدل العين فلو أباحها له، ولم يملكها منه ذكر أبو المعين النسفي أنه لا يحل تناوله للغنى وقال خواهر زاده محل كذا في الفوائد الناجية والذي يظهر ترجيح الأول، لأن الإباحة لو كانت كافية لما قال -عليه الصلاة والسلام- في واقعة بريرة هو لها صدقة ولنا هدية كما لا يخفى إلا أن يقال بالفرق بين الهاشمي والغنى. وإن قيل به فصحيح لما تقدم أن الشبهة في حق الهاشمي كالحقيقة بدليل منع الهاشمي من العمالة بخلاف الغنى (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۶۳، كتاب الزكاة، باب المصروف)

۲۔ ج ۲ ص ۲۶۷، ۲۶۸، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، للعلامة عالم بن العلاء الانصارى الاندلسي، مطبوعة: ادارة القرآن، كراتشي۔

ترجمہ: فقیر (وغریب) جب مالدار کو عین وہ چیز مباح کر دے، جو اس نے زکاة میں لی ہے، یعنی کھانا وغیرہ، تو کیا اس کے لئے تناول (واستعمال) کرنا حلال ہے؟ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حلال ہے، اور اسی کی طرف شیخ الاسلام کا میلان ہے۔ فقیر (وغریب) جب مال دار ہو جائے، اور جو صدقات اس نے (غربت کی حالت میں) لئے تھے، وہ اس کے پاس موجود ہوں، تو اس کو ان کے تناول (واستعمال) کرنے میں حرج نہیں (فتاویٰ تاتارخانیہ)

جس سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ کا میلان دوسرے قول یعنی اس کے جائز ہونے کی طرف ہے، اور چونکہ دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول بھی بہت وزنی ہے، اور اس دوسرے قول پر عمل کرنے میں کئی قسم کی معاشرتی مشکلات اور پیچیدگیوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے، اور اس کے برعکس پہلے قول میں کئی قسم کی مشکلات اور پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں، اس لئے ہمارے نزدیک دوسرے قول پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل کچھ دلائل کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق احادیث و روایات

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ، قَالَ: وَجَبَ أَجْرُكِ، وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيرَاثُ (سنن الترمذی) ۱

۱۔ رقم الحدیث ۲۶۷۷، ابواب الزکاة، باب ما جاء فی المتصدق یرث صدقته۔ قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح، لا یعرف هذا من حدیث بریدة إلا من هذا الوجه، وعبد الله بن عطاء ثقة عند أهل الحدیث، "والعمل علی هذا عند أكثر أهل العلم: أن الرجل إذا تصدق بصدقة ثم ورثها حلت له" وقال بعضهم: إنما الصدقة شيء جعلها لله، فإذا ورثها، فيجب أن يصرفها في مثله "وروى سفيان الثوري، وزهير هذا الحدیث عن عبد الله بن عطاء .

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی والدہ کو ایک باندی صدقہ کی تھی، اور میری والدہ فوت ہو چکی ہیں (جس کے نتیجے میں وہ باندی میراث کے طور پر لوٹ کر پھر میری طرف آ گئی ہے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کو ثواب مل چکا، اور اس کو آپ کی طرف میراث نے لوٹایا ہے (ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ جب وہ صدقہ یا عطیہ کی ہوئی باندی بطور میراث کے آپ کی طرف آئی ہے، تو یہ ایک جدید اور الگ ملکیت ہے، جس کا پہلی ملکیت سے تعلق نہیں، لہذا آپ کا پہلا اجر و ثواب بھی ضائع نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز دوسرے کو صدقہ یا ہبہ و عطیہ کر دی جائے یا زکاة میں دے دی جائے، اور پھر وہی چیز کسی دوسرے جائز طریقہ پر صدقہ کرنے یا زکاة دینے والے شخص کی ملکیت میں پہنچے، تو وہ چیز اس شخص کے لئے حلال ہوتی ہے، اور اس کے لئے اس چیز کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ ۱

۱ (وعن بريدة قال : كنت جالسا عند النبي -صلى الله عليه وسلم - إذ أتته امرأة) - أي جارية (قالت : يا رسول الله إني تصدقت) أي قبل ذلك (على أمي بجارية) أي بتمليكها لها هبة أو صدقة (وإنها) أي أمي (ماتت) فهل أخذها وتعود في ملكي أم لا؟ " قال : وجب أجر ك " أي بالصلة " وردها " أي الجارية " عليك الميراث " النسبة مجازية، أي ردّها الله عليك بالميراث، وصارت الجارية ملكا لك بالإرث وعادت إليك بالوجه الحلال (مراقبة المفاتيح، ج ۳ ص ۱۳۵۹، كتاب الزكاة، باب من لا يعود في الصدقة)

قلت الصدقة في الوليدة معناها التملك وإذا ملكتها في حياتها بالاقباض ثم ماتت كان سبيلها سائر أملاكها . والوليدة الجارية الحديثة السن والولائد الوصائف (معالم السنن للخطابی، ج ۲ ص ۷۳، باب حقوق المال)

قال الشيخ : الوليدة الجارية المملوكة ومعنى الصدقة ههنا العطية وإنما جرى عليها اسم الصدقة لأنها بر وصلة فيها أجر فحلت محل الصدقة.

وفيه دليل على أن من تصدق على فقير بشيء فاشتراه منه بعد أن قبضه إياه فإن البيع جائز وإن كان يستحب له أن لا يرجعه إلى ملكه بعد أن أخرجه بمعنى الصدقة (معالم السنن للخطابی، ج ۳ ص ۸۸، باب الصدقة عن الميت)

نیز کئی احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے زکاۃ و صدقات کو نہیں لیتے تھے، اور آپ نے اس کو لوگوں کا میل کچیل قرار دے کر اپنے اور اپنی آل کے لئے ناجائز فرمایا تھا۔ ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بِطَعَامٍ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِ سَأَلَ عَنْهُ، فَإِنْ قِيلَ: هَدِيَّةٌ، أَكَلَ، وَإِنْ قِيلَ: صَدَقَةٌ، قَالَ: كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ

(مسند احمد، رقم الحديث ۸۰۱۳) ۲

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے کھانا آتا تھا، تو اس کے بارے میں معلوم فرماتے تھے، اگر آپ کو کہا جاتا تھا کہ یہ ہدیہ ہے، تو آپ کھا لیا کرتے تھے، اور اگر کہا جاتا تھا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ فرماتے تھے کہ کھا لو اور آپ اس کو (خود) نہیں کھایا کرتے تھے (مسند احمد) اس قسم کی احادیث کے پیش نظر فقہائے کرام کا کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زکاۃ اور واجب صدقات کا استعمال جائز نہیں تھا، جس طرح سے کہ مالدار کو زکاۃ وغیرہ کا استعمال جائز نہیں۔

البتہ جب ملکیت تبدیل ہو جائے، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت مروی ہے۔

۱ عن عبد الله بن الحارث بن نوفل الهاشمي، أن عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب، أخبره أن أباه ربيعة بن الحارث قال: لعبد المطلب بن ربيعة بن الحارث، والفضل بن العباس بن عبد المطلب، أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقولاً له: استعملنا يا رسول الله على الصدقات، فأتى علي بن أبي طالب، ونحن على تلك الحال، فقال لهما: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا يستعمل منكم أحداً على الصدقة، قال عبد المطلب: فاناطلقت أنا والفضل، حتى أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لنا: إن هذه الصدقة، إنما هي أوساخ الناس، وإنها لا تحل، لمحمد ولا لآل محمد صلى الله عليه وسلم (سنن النسائي، رقم الحديث ۲۶۰۹) ۲

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بِلَحْمٍ تُصَدِّقُ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ (بخاری) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا، جو حضرت بریرہ کو صدقہ کیا گیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حضرت بریرہ کے لئے صدقہ ہے، اور ہمارے لئے ہدیہ ہے (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اس مال کے صدقہ ہونے کا حکم اس وقت تھا، جب وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا تھا، اور ان کے مالک بننے کے بعد اب ہمارے لئے وہ صدقہ نہ ہوگا، بلکہ ہدیہ ہوگا، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُورُ بِلَحْمٍ، فَقَرَّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُذْمٌ مِّنْ أَذْمِ الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَمْ أَرْبُمَةً فِيهَا لَحْمٌ؟ فَقَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، ذَلِكَ لَحْمٌ تُصَدِّقُ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ (سنن النسائی) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور اس وقت ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں ہانڈی

۱۔ رقم الحدیث ۱۴۹۵، کتاب الزکاة، باب إذا تحولت الصدقة.

۲۔ رقم الحدیث ۳۴۴۷، کتاب الطلاق، باب خيار الامة، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۵۴۵۲.

قال شعيب الارنؤوط: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین (حاشیہ مسند احمد)

میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟ (تم وہ گوشت مجھے کیوں نہیں پیش کرتے) تو اہل خانہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بات تو ٹھیک ہے، مگر یہ گوشت حضرت بریرہ کو صدقہ کیا گیا ہے، اور آپ صدقہ تناول نہیں فرماتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے (صدقہ نہیں، لہذا یہ میرے لئے حلال و جائز ہے) (نسائی)

علامہ عینی، بخاری کی شرح میں، بخاری کے متعلق باب اور مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

(بَابُ إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ) أَيْ هَذَا بَابٌ يُذَكِّرُ فِيهِ إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ يَعْنِي: إِذَا خَرَجَتْ مِنْ كَوْنِهَا صَدَقَةً بِأَنْ دَخَلَتْ فِي مِلْكِ الْمُتَصَدِّقِ بِهِ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةِ أَبِي ذَرٍّ: إِذَا حَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ، عَلَى بِنَاءِ الْمَجْهُولِ، وَجَوَابُ: إِذَا، مَحْذُوقٌ تَقْدِيرُهُ: إِذَا حَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ يَجُوزُ لَهَا شِمِّي تَنَاوُلُهَا قَوْلُهُ: (هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ) قَدْ لَفِظُ (عَلَيْهَا) لِيَفِيذَ الْحَصْرَ أَيْ: عَلَيْهَا صَدَقَةٌ لَا عَلَيْنَا، وَحَاصِلُهُ أَنَّهَا إِذَا قَبِضَهَا الْمُتَصَدِّقُ زَالَ عَنْهَا وَصَفُ الصَّدَقَةِ وَحُكْمُهَا، فَيَجُوزُ لِلْغَنِيِّ شَرَاهَا لِلْفَقِيرِ، وَلِلْهَاشِمِيِّ أَكْلُهُ مِنْهَا (عمدة القارى للعینی) ۱

ترجمہ: یہ باب ہے صدقہ کے بدل جانے کا، جس میں یہ بات ذکر کی جا رہی ہے کہ جب صدقہ بدل جائے، یعنی وہ صدقہ ہونے کے حکم سے نکل جائے، اس طرح پر کہ اس شخص کی ملکیت میں داخل ہو جائے، جس شخص پر کہ صدقہ کیا گیا ہے، اور ابو ذر کی روایت میں ہے کہ جب صدقہ بدل دیا جائے مجہول کے صیغہ کے ساتھ، اور ”اذا“ کا جواب محذوف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب صدقہ بدل

جائے، تو ہاشمی کے لئے اس کا تناول (واستعمال) کرنا جائز ہے..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ وہ بریرہ پر صدقہ ہے، اس لفظ سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ وہ بریرہ پر صدقہ ہے، نہ کہ ہمارے پر صدقہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب صدقہ حاصل کرنے والا اس مال پر (مالکانہ) قبضہ کر لے، تو اس (مالکانہ قبضہ کرنے) سے صدقہ کا وصف اور اس کا حکم زائل ہو جاتا ہے، پھر امیر و مالدار کے لئے غریب سے اس کو خریدنا جائز ہوتا ہے، اور ہاشمی کو (غریب کی اجازت سے) اس کا کھانا جائز ہوتا ہے (عمدۃ القاری)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب زکاۃ یا صدقہ کے مال پر غریب کا مالکانہ قبضہ جائز طریقے سے ہو جائے، تو اس مال کے زکاۃ یا صدقہ ہونے کا حکم اور وصف زائل و ختم ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اس مال کا ہاشمی اور مالدار کو کھانا جائز ہو جاتا ہے، خواہ وہ مالک بن کر کھائے یا غریب کی اجازت سے مالک بنے بغیر کھائے۔

اور علامہ ابن بطلال، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَحْمِ بَرِيرَةَ أَنَّهُ إِذَا كَانَتْ الْجِهَةُ الَّتِي يَأْخُذُ بِهَا الْإِنْسَانُ غَيْرَ جِهَةِ الصَّدَقَةِ جَازَ ذَلِكَ، وَمَنْ مَلَكَهَا بِمَالِهِ لَمْ يَأْخُذْهَا مِنْ جِهَةِ الصَّدَقَةِ (شرح صحيح

البخاری لابن بطلال) ۱

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کے گوشت کے متعلق یہ بات بتلا دی کہ جب اس (زکاۃ و صدقہ) کو کوئی (مالدار یا ہاشمی) انسان، صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حاصل کرے، تو اس کے لئے جائز ہے، اور جو اس کا اپنے مال کے عوض میں (خرید و فروخت کے طور پر) مالک ہو، تو وہ صدقہ کے طور پر

لینے والا شمار نہیں ہوتا (ابن بطال)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جب غریب کی طرف سے ہاشمی یا مالدار کو کوئی چیز زکاۃ یا صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حاصل ہو، تو اس کے لئے لینا جائز ہے، خواہ مالکانہ طریقہ پر حاصل ہو، یا اباحت کے طور پر، کیونکہ مالدار اور ہاشمی کو ممانعت زکاۃ و صدقہ کی ہے، قطع نظر اس سے کہ غریب کے پاس وہ مال زکاۃ و صدقہ لینے کے سبب سے آیا ہو یا کسی اور سبب سے۔

اور علامہ قسطلانی، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

بَابُ إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ هَذَا (بَابُ) بِالتَّوْنِ (إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ) أَيْ عَنْ كَوْنِهَا صَدَقَةً بِأَنْ دَخَلَتْ فِي مِلْكِ الْمُتَصَدِّقِ عَلَيْهِ يَجُوزُ تَنَاوُلُ الْهَاشِمِيِّ لَهَا (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی، ج ۳، ص ۷۷، کتاب الزکاۃ، باب اذا تحولت الصدقة)

ترجمہ: یہ باب ہے صدقہ کے بدل جانے کا، جب صدقہ بدل جائے، یعنی جب صدقہ ہونے سے نکل جائے، اس طور پر کہ جس کو صدقہ کیا گیا ہے، اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے، تو ہاشمی کو اس کا تناول کرنا جائز ہو جاتا ہے (ارشاد الساری)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جب زکاۃ و صدقہ کا مال غریب کی ملکیت میں داخل ہو جائے، تو وہ زکاۃ و صدقہ کے حکم سے نکل جاتا ہے، اور پھر غریب کی رضا و اجازت سے اس کا مالدار یا ہاشمی کو مالک بنایا مالک بنے بغیر تناول و استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً أَهْدَتْ لَهَا رَجُلٌ شَاةً تُصَدِّقُ عَلَيْهَا بِهَا، فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَقْبَلَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۶۶۲۸) ۱

ترجمہ: ایک عورت نے حضرت ام سلمہ کو بکری کی ران ہدیہ کی، جو اس عورت کو

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

صدقہ میں حاصل ہوئی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ (یعنی حضرت اُمّ سلمہ) اس کو قبول کر لیں (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غریب کو کوئی چیز زکاة یا صدقہ میں حاصل ہو، اور پھر وہ غریب یہ چیز کسی مالدار وغیرہ کو ہدیہ کرے، تو مالدار کو اس کا لینا اور استعمال کرنا سب جا ئز ہے۔
حضرت اُمّ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟

فَقَالَتْ: لَا إِلَّا شَيْءٌ بَعَثْتُ بِهِ إِلَيْنَا نُسَيِّبُهُ مِنَ الشَّاةِ الَّتِي بَعَثَتْ بِهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: إِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحَلَّهَا (بخاری) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ کوئی چیز (ہمارے پاس کھانے کی) نہیں، سوائے بکری کے اس گوشت کے، جو نسیبہ نے اس بکری میں سے بھیجا ہے جو انہیں صدقہ میں دی گئی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صدقہ کا گوشت اپنے محل (و مقام) پر پہنچ چکا ہے (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ: هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟

قَالَتْ: لَا، وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا عِنْدَنَا طَعَامٌ إِلَّا عَظْمٌ مِّنْ

۱۔ رقم الحدیث ۱۴۹۴، کتاب الزکاة، باب إذا تحولت الصدقة، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث

شَاةٍ أُعْطِيَتْهُ مُوَلَاتِي مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: قَرِيبُهُ، فَقَدْ بَلَغَتْ مَحَلَّهَا (مسلم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پھر فرمایا کہ کوئی کھانا ہے؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نہیں ہے، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس بکری کے گوشت کی اس ہڈی کے سوا کوئی کھانا نہیں، جو میری آزاد کردہ باندی کو صدقہ میں ملی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے (مسلم) امام قرطبی، مسلم کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَوْلُهُ (قَرِيبُهَا فَقَدْ بَلَغَتْ مَحَلَّهَا) يَعْنِي: أَنَّ الْمُتَصَدَّقَ عَلَيْهَا قَدْ مَلَكَتْ تِلْكَ الصَّدَقَةَ بِوَجْهِ صَحِيحٍ جَائِزٍ، فَقَدْ صَارَتْ كَسَائِرِ مَا تَمْلِكُهُ بِغَيْرِ جِهَةِ الصَّدَقَةِ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ، فَمَنْ تَنَاوَلَ ذَلِكَ الشَّيْءَ الْمُتَصَدَّقَ بِهِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ بِجِهَةٍ جَائِزٍ غَيْرِ الصَّدَقَةِ، جَازَ لَهُ ذَلِكَ، وَخَرَجَ ذَلِكَ الشَّيْءُ عَنْ كَوْنِهِ صَدَقَةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْآخِذِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ فِي الْأَصْلِ (المفہم لما أشكل من تلخیص کتاب مسلم، للقرطبی، من باب الصدقة إذا بلغت محلها)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ ”اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص کہ جس کو صدقہ دیا گیا ہے، اس صدقہ کا صحیح و جائز طریقہ پر مالک ہو گیا، تو وہ صدقہ کا مال ان تمام

۱۔ رقم الحديث ۱۰۷۳ ”۱۶۹“ کتاب الزکاة، باب إباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم ولبنى هاشم وبنى المطلب، وإن كان المهدى ملكها بطريق الصدقة، وبيان أن الصدقة، إذا قبضها المتصدق عليه زال عنها وصف الصدقة وحلت لكل أحد ممن كانت الصدقة محرمة عليه.

چیزوں کی طرح ہو گیا، جن کا انسان صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مالک بنا کرتا ہے، اور جب اس طریقہ سے ہو گیا، تو جو شخص اس صدقہ دی ہوئی چیز میں سے صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے صدقہ کے علاوہ کسی جائز طریقہ پر لے گا، تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا، اور یہ چیز صدقہ ہونے کے حکم سے نکل جائے گی، صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے لینے کی نسبت سے، اگرچہ وہ لینے والا شخص ان لوگوں میں سے ہو، جن کو اصل میں صدقہ حلال نہیں تھا (مثلاً مالدار اور ہاشمی) (المنہم)

اس سے معلوم ہوا کہ جب زکاة و صدقہ کے مال کا غریب جائز طریقہ پر مالک بن جائے، تو وہ مال زکاة و صدقہ کے حکم سے نکل کر عام مال کی طرح ہو جاتا ہے، جیسا کہ غریب نے وہ مال جائز طریقہ پر مثلاً محنت و تجارت وغیرہ کر کے کمایا ہو، یا اسے ہدیہ، میراث وغیرہ میں حاصل ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ، اس لئے جب وہ غریب یہ مال کسی مالدار شخص کو دے گا، خواہ ہدیہ کے طور پر یا اباحت و عاریت وغیرہ کے طور پر، تو اس کے لئے اس کا استعمال جائز ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيِّ إِلَّا لِخَمْسَةِ: لِغَزَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِغَارِمٍ، أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مُسْكِينٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمُسْكِينِ، فَأَهْدَاهَا الْمُسْكِينُ لِلْغَنِيِّ (سنن ابی داؤد) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مالدار کے لئے حلال نہیں، مگر پانچ افراد کے لئے، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے لئے، یا زکاة

۱۔ رقم الحديث ۱۶۳۶، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۸۴۱، باب من حل له الصدقة.
قال شعيب الارنؤوط: اسنادہ صحیح (حاشیة ابی داؤد)

کے عامل کے لئے (یعنی جو شخص حکومتِ مسلمہ کی طرف سے زکاة جمع کرنے کے لئے مقرر ہو) یا مقروض کے لئے (یعنی جس پر قرض ہو) یا اس آدمی کے لئے جس نے اس کو اپنے مال کے عوض میں خرید لیا، یا اس آدمی کے لئے جس کا پڑوسی مسکین ہو، پھر مسکین کو صدقہ کیا جائے، تو وہ مسکین اس صدقہ کا غنی (والمالدار) کو ہدیہ کر دے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکاة و صدقہ کا مال اگر کوئی امیر و مالدار خرید لے، یا کسی امیر و مالدار کو وہ مال ہدیہ میں حاصل ہو، تو اس امیر و مالدار کے لئے اس مال کا استعمال کرنا جائز ہوتا ہے، اور اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ غریب کی ملکیت ہونے سے وہ زکاة و صدقہ کا مال اپنے مقام پر پہنچ چکا، اور پڑوسی کا ذکر بطور مثال کے ہے، ورنہ غیر پڑوسی کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ۱

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيِّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ ابْنِ السَّبِيلِ، أَوْ جَارٍ فَقِيرٍ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، فَيُهْدَى لَكَ أَوْ يَذْغُوكَ (سنن ابی داؤد) ۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ امیر و مالدار کے لئے حلال نہیں، مگر اللہ کے راستہ میں (جو شخص ہو، اس کے لئے حلال ہے) یا مسافر ہو (اس

۱۔ فأهداها المسكين للغني وهذا في معنى قصة بريرة (الاستدكار لابن عبد البر، ج ۳ ص ۲۵۸، كتاب الصدقة، باب اشترء الصدقة والعود فيها)

۲۔ رقم الحديث ۱۲۳۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، مسند احمد، رقم الحديث ۱۳۵۸، شرح معاني الآثار، رقم الحديث ۳۰۱۸، فوائد ابی محمد الفاكهي، رقم الحديث ۱۵۰.

قال أبو داود: ورواه فراس وابن أبي ليلى عن عطية، مثله.

وقال العيني: أي: روى الحديث المذكور فراس بن يحيى الهمداني الكوفي المكتب، ومحمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى الكوفي، عن عطية بن سعد، مثل ما ذكر من الحديث (شرح ابی داؤد، للعيني، ج ۶ ص ۳۸۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني)

کے لئے بھی حلال ہے) یا غریب پڑوسی ہو، جس کو کوئی چیز صدقہ میں دی گئی، پھر وہ آپ کو ہدیہ کر دے، یا آپ کو (اس چیز کے کھانے پر) مدعو کرے (ابوداؤد، مسند احمد)

اس حدیث کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱

مگر بعض حضرات نے ایک حد تک اس حدیث کو معتبر قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر غریب زکاة میں حاصل شدہ مال کا امیر و مالدار کو مالک نہ بنائے، بلکہ اس کے لئے دعوت کر کے مباح کرے، تو بھی جائز ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ، ابوداؤد کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

فِيهِدِي لَكَ أَوْ يَدْعُوكَ أَيْ يُضَيِّفُكَ وَيُطْعِمُكَ وَأَنْتَ غَنِيٌّ،
وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْفَقِيرَ إِذَا تُصَدِّقَ عَلَيْهِ فَيَهْدِي لِلْغَنِيِّ وَيُمْلِكُهُ أَوْ
يُضَيِّفُ الْغَنِيَّ وَيُطْعِمُهُ عَلَى سَبِيلِ الْإِبَاحَةِ يَحِلُّ لِلْغَنِيِّ عَلَى الْحَالَيْنِ،
قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ فَرَّاسٌ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى مُحَمَّدٌ عَنْ عَطِيَّةٍ مِثْلَهُ، أَثْبَتَ
أَبُو دَاوُدَ بِهَذَا التَّعْلِيلِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْبَارِقِيِّ عَنْ عَطِيَّةٍ لَيْسَ بِمُتَقَرِّدٍ
بِهَذَا الْحَدِيثِ، بَلْ رَوَاهُ فَرَّاسٌ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى أَيْضًا كَمَا رَوَاهُ
عُمَرَانُ الْبَارِقِيُّ.

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف، لضعف عطية - وهو ابن سعد بن جنادة -، وجهالة
عمران البارقى. الفريابي: هو محمد بن يوسف الطنبى، وسفيان: هو ابن سعيد الثوري. وأخرجه
ابن خزيمة (٢٣٦٨) والطحاوى فى "شرح معانى الآثار ١٩/٢" والبيهقى ٢٢/٤ من طريق سفيان
الثوري، بهذا الإسناد.

وأخرجه أبو داود الطيالسى فى "مسنده" (٢١٩٣) "مختصراً، وأبو يعلى المرصلى فى "مسنده" (١٣٣٣) والبيهقى فى "السنن الكبرى ٢٢/٤" من طريق فراس بن يحيى الهمداني أبو يحيى
المكثب، وابن أبي شيبة ٢١٠/٣، وعبد بن حميد فى "المنتخب" (٨٩٥) "وأبو يعلى فى "مسنده" (١٢٠٢)
والطحاوى فى "شرح معانى الآثار ١٩/٢"، والبيهقى ٢٣/٤ من طريق محمد بن عبد
الرحمن بن أبي ليلى، كلاهما عن عطية العوفى، به. وهو فى "مسند أحمد" (١١٢٦٨) (حاشية ابى
داؤد)

فَلَفْظُ ابْنِ السَّبِيلِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ صَحِيحٌ (بذل المجہود شرح ابی

داؤد، ج ۳ ص ۴۵، کتاب الزکاة، باب من يجوز له اخذ الصدقة وهو غنی)

ترجمہ: (حدیث میں یہ الفاظ کہ) وہ (غریب و فقیر شخص زکاة کے مال سے) آپ کو ہدیہ کرے، یا آپ کی دعوت کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غریب آپ کی ضیافت کرے اور (وہ زکاة و صدقہ کا مال) آپ کو کھلائے، اور آپ مالدار ہوں، اور خلاصہ یہ ہے کہ غریب کو جب صدقہ میں کوئی چیز حاصل ہو، پھر وہ امیر و مالدار کو ہدیہ کر دے، اور اس کو مالک بنا دے، یا امیر و مالدار کی ضیافت کرے، اور اس کو (مالک بنائے بغیر) اباحت کے طور پر کھلائے، تو امیر (و مالدار) کو دونوں صورتوں میں (یہ مال استعمال کرنا) حلال ہوتا ہے۔

ابوداؤد نے فرمایا کہ اس حدیث کو فراس اور ابن ابی لیلیٰ محمد نے عطیہ سے اس کے مثل روایت کیا ہے، ابوداؤد نے اس تعلق کو ثابت رکھا ہے کہ عمران بارتی، عطیہ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں تنہا نہیں، بلکہ اس کو فراس اور ابن ابی لیلیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، جس طرح عمران بارتی نے روایت کیا ہے، تو ”ابن سبیل“ کا لفظ اس حدیث میں صحیح ہے (بذل المجہود)

اور جب ابن سبیل کا لفظ صحیح ہے، تو دعوت کا لفظ بھی صحیح ہونا چاہئے، کیونکہ وہ بھی اسی حدیث میں مذکور ہے، واللہ اعلم۔

اور عون المعبود میں ہے کہ:

(فَأَهْدَاهَا) الصَّدَقَةَ (لِلْغَنِيِّ) فَتَحِلُّ لَهُ لِأَنَّ الصَّدَقَةَ قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا فِيهِ وَقَوْلُهُ وَلَهُ جَارٌ خَرَجَ عَلَى جِهَةِ التَّمْثِيلِ فَلَا مَفْهُومَ لَهُ فَالْمَدَارُ عَلَى إِهْدَاءِ الصَّدَقَةِ الَّتِي مَلَكَهَا الْمُسْكِينُ لِجَارٍ أَوْ لِغَيْرِهِ وَفِي حَدِيثٍ إِهْدَاءِ بَرِيرَةَ كَمَا تُصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهَا إِلَى عَائِشَةَ قَوْلُهُ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ مِنْهَا لَنَا هَدِيَّةٌ كَمَا عِنْدَ
الشَّيْخَيْنِ وَغَيْرِهِمَا وَكَذَلِكَ الْإِهْدَاءُ لَيْسَ بِقَيْدٍ فَقِي رِوَايَةٌ لِأَحْمَدَ
وَأَبِي دَاوُدَ كَمَا سَيَأْتِي أَوْ جَارٌ فَقِيْرٌ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهَا فَيُهْدَى لَكَ أَوْ
يَذْعُوْكَ (عون المعبود، ج ۵ ص ۳۱، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة
وهو غني)

ترجمہ: پس اس صدقہ کو ہدیہ کر دے غنی کے لئے، تو اس کے لئے حلال ہے، اس
لئے کہ صدقہ اپنے محل (و مقام) پر پہنچ چکا ہے، اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان
کہ) اس کا پڑوسی ہو، اس کا ذکر بطور مثال کے ہے، جو پڑوسی کے ساتھ خاص
نہیں، پس دار و مدار صدقہ کے ہدیہ کرنے پر ہے، جس کا مسکین مالک بن گیا ہو،
پڑوسی ہو یا غیر پڑوسی، اور حضرت بریرہ کے حضرت عائشہ کو ہدیہ کرنے کی حدیث
میں جیسا کہ ان (حضرت بریرہ) کو صدقہ کیا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا
کہ وہ ان پر صدقہ ہے، اور وہ ہمارے لئے ہدیہ ہے، جیسا کہ شیخین وغیرہ کے
نزدیک ہے، اور اسی طریقہ سے یہ حکم ہدیہ کرنے کے ساتھ مقید نہیں ہے، پس احمد
اور ابوداؤد کی روایت میں ہے، جیسا کہ آتا ہے کہ ”یا غریب پڑوسی کو صدقہ کیا
جائے، تو وہ آپ کو ہدیہ کر دے، یا آپ کی دعوت کر دے“ (عون المعبود)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح غریب کو زکاة و صدقہ میں مالکانہ طریقہ پر حاصل شدہ مال کا
امیر و مالدار کو بطور ہدیہ کے لینا جائز ہے، اسی طرح بطور اباحت کے استعمال کرنا بھی جائز

ہے۔ اور عبدالحسن بن احمد، ابوداؤد کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

(فَيُهْدَى لَكَ، أَوْ يَذْعُوْكَ) وَهَذَا مِثْلُ الْأَوَّلِ، وَمَعْنَى ذَلِكَ أَنْ
يُصْنَعَ وَلِيْمَةٌ فَيَذْعُوْكَ لِتَأْكُلَ مِنْهَا، فَهِيَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ، وَبَعْدَ أَنْ

مَلَكَهَا فَإِنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِيهَا بِالْإِهْدَاءِ أَوْ بِالِإِطْعَامِ، فَلَا حَرَجَ عَلَى
 الْغَنِيِّ بَأَنْ يَتَنَاوَلَ شَيْئًا مِنْ طَعَامِ الْفَقِيرِ الَّذِي تُصَدِّقُ بِهِ عَلَيْهِ، أَوْ
 يَقْبَلُ هَدِيَّةً مِنْهُ، وَيَشْبَهُ ذَلِكَ مَا جَاءَ فِي قِصَّةِ بَرِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهَا أَنَّهُ تُصَدِّقُ عَلَيْهَا وَأَنَّهُمْ أَكَلُوا مِمَّا تُصَدِّقُ بِهِ عَلَيْهَا، فَقَالَ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ“ يَعْنِي: مِنْهَا،
 فَدَلَّ هَذَا عَلَى أَنَّ الْفَقِيرَ إِذَا مَلَكَ شَيْئًا فَإِنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِيهِ كَيْفَ
 يَشَاءُ إِمَّا بِالْإِهْدَاءِ، أَوْ بِالِإِطْعَامِ، وَأَنَّهُ لَا حَرَجَ عَلَى الْغَنِيِّ إِذَا أَكَلَ
 أَوْ طَعِمَ مِنْ طَعَامِ الْمُتَصَدِّقِ عَلَيْهِ، أَوْ أَخَذَ هَدِيَّةً مِنَ الْمُتَصَدِّقِ
 عَلَيْهِ، وَهُوَ مِثْلُ الَّذِي قَبْلَهُ إِلَّا أَنَّ فِيهِ زِيَادَةُ ابْنِ السَّيْلِ (شرح سنن ابی
 داؤد للعباد، ج ۹ ص ۵۱، کتاب الزکاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غنی)

ترجمہ: وہ غریب آپ کو ہدیہ کرے، یا آپ کی دعوت کرے، اور یہ حدیث بھی
 پہلے کی طرح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غریب (مثلاً) ولیمہ کرے، پھر
 آپ کو اس کے کھانے کے لئے بلائے، تو وہ (کھانا) اس غریب پر تو صدقہ تھا،
 اور اس غریب کے مالک بننے کے بعد وہ اس میں ہدیہ کر کے یا کھلا کر تصرف کرتا
 ہے، تو امیر و مالدار کو غریب کے اس کھانے کو تناول کرنے میں کوئی حرج نہیں، جو
 اس کو صدقہ دیا گیا تھا، یا اس کا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اسی کے
 مثل حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بھی ذکر آیا ہے کہ ان کو صدقہ کیا گیا،
 اور دوسروں نے اس صدقہ کے مال کو کھالیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ
 بریرہ کے لئے صدقہ ہے، اور ہمارے لئے ہدیہ ہے، یعنی بریرہ کی طرف سے (نہ
 کہ صدقہ کرنے والے کی طرف سے) ہمارے لئے ہدیہ ہے، پس اس سے یہ
 بات معلوم ہوگئی کہ غریب جب کسی چیز کا مالک ہو گیا، تو اس میں وہ حسب منشاء

تصرف کر سکتا ہے، ہدیہ دے کر بھی، دوسرے کو (مالک بنائے بغیر اباحت کی صورت میں) کھلا کر بھی اور امیر (والدار) کے لئے بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ صدقہ دیئے ہوئے شخص کا کھانا (بطور اباحت) کھائے، یا صدقہ دیئے ہوئے شخص سے ہدیہ لے، اور یہ حدیث، پہلی حدیث کی طرح ہے، مگر اس میں مسافر کا ذکر زیادہ ہے (شرح ابی داؤد)

احادیث و روایات کا حاصل

مذکورہ احادیث و روایات اور عبارات کا حاصل یہ ہے کہ غریب کو جو چیز مالکانہ طریقہ پر زکاة یا صدقہ میں حاصل ہو، وہ اس کا پوری طرح مالک ہو جاتا ہے، اور اب اس کو اس میں تمام تصرفات جائز ہو جاتے ہیں، اور اسی بنیاد پر اگر وہ کسی امیر و مالدار یا ہاشمی کو اپنی خوشی سے ہدیہ کرے، یا اباحت کے طور پر استعمال کرائے یا کھلائے تو بھی جائز ہوتا ہے۔

جہاں تک بعض احادیث و روایات میں ہدیہ کے الفاظ کا تعلق ہے، تو اس بارے میں گمان ہوتا ہے کہ اولاً تو ان احادیث میں ہدیہ کا لفظ خاص تملیک کی قید لگانے اور اباحت کو خارج کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ مخصوص فقہی اصطلاحات ہیں، جو احادیث میں مقصود نہیں ہوا کرتیں۔

دوسرے اس قسم کے مواقع پر تو سعادہ ہدیہ کا لفظ بول کر بعض اوقات ہدیہ بشمول اباحت اور بعض اوقات صدقہ کا مفہوم مخالف بھی مراد لے لیا جایا کرتا ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے حرام مال والے کے ہدیہ کے الفاظ سے دعوت و اباحت کا حکم بھی مراد لیا ہے، اور مقصود یہ ہے کہ جب غریب کی طرف سے امیر و مالدار یا ہاشمی کو وہ مال حاصل ہوگا، تو وہ صدقہ کے بجائے ہدیہ کا حکم رکھے گا۔

جس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں ہدیہ کے ساتھ دعوت کے جواز کا

بھی ذکر آیا ہے، اور بعض احادیث و روایات میں ہدیہ کے بجائے اس کی تعمیر اپنے محل و مقام پر پہنچنے سے کی گئی ہے، اور یہ تعلیل جس طرح ہدیہ و تملیک کی صورت کو شامل ہے، اسی طرح اباحت کی صورت کو بھی شامل ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں جواز کی علت وہی غریب کے ملک ہو جانے سے زکاة و صدقہ کا اپنے محل پر پہنچ جانا اور اس کا حکم بدل جانا ہے، اور محدثین نے بھی اس تعلیل کو ہی بنیاد بنایا ہے، جیسا کہ گزرا۔ ۱

غریب کے مالک بننے پر تبدلِ ملک

بعض مشائخ حنفیہ نے غریب کے زکاة و صدقہ کا مالک بننے کے بعد غریب کی اجازت سے اس مال کے اباحت کے طور پر جائز ہونے کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ جب زکاة و صدقہ دیا جاتا ہے، تو وہ پہلے اللہ کی ملکیت بنتا ہے، اور اس کے بعد پھر اللہ کی طرف سے غریب کی ملکیت بنتا ہے، اس لئے غریب کے مالک بننے پر اس مال کا تبدلِ ملک یا تبدلِ عین ہو جاتا ہے۔

چنانچہ الحیط البرہانی میں ہے کہ:

وَبَعْضُهُمْ قَالُوا: إِنَّ الصَّدَقَةَ حِينَ وَقَعَتْ لَا قُتْ كَفَّ فَقِيرٌ وَصَحَّحْتُ،

۱۔ حکم الأكل من الصدقة: إذا وصلت الصدقة إلى مستحقها ملكها، إن شاء باعها، وإن شاء صرفها على نفسه، أو أكرم بها غيره.

عن أنس رضي الله عنه أن النبي -صلى الله عليه وسلم- أتى بلحم، تصدق به على بريرة، فقال: هو عليها صدقة، وهو لنا هدية. متفق عليه.

وعن أم عطية رضي الله عنها قالت: بعث إلى نسيبة الأنصارية بشاة، فأرسلت إلى عائشة رضي الله عنها منها، فقال: النبي -صلى الله عليه وسلم-: عندكم شيء. فقلت: لا، إلا ما أرسلت به نسيبة من تلك الشاة، فقال: هات فقد بلغت محلها. متفق عليه (موسوعة الفقه الإسلامي، ج ۳ ص ۱۰، كتاب الزكاة، صدقة التطوع، لمحمد بن إبراهيم بن عبد الله التويجری)

إذا تحولت الصدقة يجوز الأكل من الصدقة إذا أهديت من فقير أو قدمت في ضيافة ونحوها. عن أنس -رضي الله عنه- "أن النبي -صلى الله عليه وسلم- أتى بلحم تصدق به على بريرة فقال: هو عليها صدقة، وهو لنا هدية (الموسوعة الفقهية الميسرة في فقه الكتاب والسنة المطهرة، ج ۳ ص ۱۵۱، كتاب الزكاة، من تحرم عليهم الزكاة، لحسين بن عودة العوايشة)

فَصَارَتْ لِلَّهِ تَعَالَى، لِأَنَّ الصَّدَقَةَ إِخْرَاجُ الْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى مَا عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ ثُمَّ صَارَتْ مِلْكًا لِلْفَقِيرِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى قَضَاءً لِحَقِّهِ فِي الْمِلْكِ الْمَوْعُودِ، وَإِذَا صَارَتْ مِلْكًا لِلْفَقِيرِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِرِزْقِهِ تَجَدَّدَ لِلْفَقِيرِ بِسَبَبِ الْمِلْكِ بَعْدَ مَا صَارَتْ صَدَقَةً، وَصَارَتْ لِلَّهِ تَعَالَى فَأَوْجَبَ ذَلِكَ تَبَدُّلَ الْعَيْنِ حُكْمًا، فَعَلَى قَوْلِ هَذَا التَّغْلِيلِ: الْفَقِيرُ إِذَا أَبَاحَ لِلْعَيْنِ عَيْنَ مَا أَخَذَ مِنْ مَالِ الزَّكَاةِ مِنَ الطَّعَامِ يَحِلُّ لَهُ، لِأَنَّهُ تَبَدُّلَ الْعَيْنِ حُكْمًا، وَإِلَيْهِ مَالُ الشَّيْخِ الْإِمَامِ الْأَجَلِّ الْمَعْرُوفِ بِخَوَاهِرِ زَادَهُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى (المحيط البرهانی

ج ۶ ص ۲۷، کتاب المکاتب، الفصل الثامن العشر المتفرقات)

ترجمہ: اور بعض حضراتِ مشائخ نے فرمایا کہ جب صدقہ کیا جاتا ہے، تو وہ فقیر (وغریب) کے ہاتھ میں پڑتا ہے، اور صحیح (یعنی اداء) ہو جاتا ہے، اور وہ اللہ کے لئے ہو جاتا ہے، کیونکہ صدقہ کی حقیقت مال کو اللہ تعالیٰ کے لئے نکالنا ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر معلوم (اور مشہور) ہے، پھر اس کے بعد وہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقیر (وغریب) کی ملک بنتا ہے، ملک موعود میں اس کے حق کو پورا کرنے کے لئے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقیر (وغریب) کی ملک ہو گیا، اس فقیر (وغریب) کے رزق کے طور پر، تو ملک کے سبب سے صدقہ بننے کے بعد اس کا تجدد ہو گیا، اور یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گیا، تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حکماً تبدیلِ عین ہو گیا، پس اس تغلیل کی بناء پر فقیر (وغریب) جب مالدار کو عین وہ چیز مباح کرے، جو اس غریب کو کھانے کی شکل میں زکاة کے مال سے حاصل ہوئی تھی، تو وہ اس کے لئے حلال ہوگی، اس لئے کہ حکماً تبدیلِ عین ہو چکا ہے، اور اسی کی طرف شیخ امام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان ہے (محیط)

اور اسی کتاب میں آگے ہے کہ:

الْصَّدَقَةُ صَارَتْ لِلْفَقِيرِ بَعْدَمَا صَارَتْ لِلَّهِ تَعَالَى بِجِهَةِ الرِّزْقِ
فَيَتَجَدَّدُ لِلْفَقِيرِ بِسَبَبِ الْمَلِكِ عَلَى مَآمرٍ، وَنَزَلَ ذَلِكَ مَنْزِلَةً
تَبْدُلُ الْعَيْنِ فَيَحِلُّ لَهُ التَّنَاوُلُ بَقِي غَنِيًّا وَيَحِلُّ لِغَيْرِهِ التَّنَاوُلُ، وَثَبَّتَ
لِلْفَقِيرِ فِيهَا مِلْكٌ بِسَبَبِ جَدِيدٍ بَأَنِّ اشْتَرَاهَا أَوْ وَهَبَ لَهُ أَوْ لَمْ
يُثَبِّتْ لَهُ بِأَنِّ وَرَثَهُ أَوْ أَبَاحَ لَهُ هَذَا الْفَقِيرُ (المحيط البرهانی

ج ۶ ص ۲۸، کتاب المکاتب، الفصل الثامن العشر المتفرقات)

ترجمہ: صدقہ فقیر (وغریب) کے لئے بطور رزق، اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے، پس فقیر وغریب کے لئے ملک کے سبب سے اس کا تجدد ہو جاتا ہے، جیسا کہ گزرا، اور یہ تبدل عین کے درجہ میں ہو جاتا ہے، پس (اسی وجہ سے) اس کو مالدار ہونے کے بعد بھی کھانا جائز ہوتا ہے، اور دوسرے کو بھی کھانا جائز ہوتا ہے، اور فقیر (وغریب) کے لئے سبب جدید کے ساتھ ملک ثابت ہوتی ہے، اس طور پر کہ اس نے خریدا ہو، یا اسے ہبہ ملا ہو، یا اس کے لئے ملک ثابت نہ ہوئی ہو، یا اس طور کہ وہ اس کا وارث بنا ہو، یا اس کو اس فقیر (وغریب) نے مباح کیا ہو (محیط)

مذکورہ مشائخ کے قول کی تائید قرآن مجید اور احادیث سے ہوتی ہے۔

چنانچہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ
اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۰۴)

ترجمہ: کیا نہیں جانتے یہ لوگ کہ بلاشبہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ، اور صدقات کو لیتا ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے

(سورہ توبہ)

اور سورہ بقرہ و سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ (سورة التوبة، رقم الآية ۲۴۵، سورة الحديد، رقم الآية

(۱۱)

ترجمہ: کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو (سورہ بقرہ، سورہ حدید)

اس آیت میں اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، جس میں زکاة و صدقات بھی داخل ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ زکاة و صدقہ میں بندہ درحقیقت اپنا مال اللہ کو دیتا ہے۔ ۱

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَتْ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ، وَمَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ حَائِطِي الَّذِي بِمَكَانٍ كَذَا وَكَذَا، وَاللَّهِ لَوْ اسْتَطَعْتُ أَنْ أُسْرِهَا لَمْ أُغْلِنَهَا، فَقَالَ:

اجْعَلْهُ فِي فُقَرَاءٍ أَهْلِكَ (مسند احمد) ۲

ترجمہ: جب (سورہ آل عمران کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ:

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“

۱ (من ذا الذي يقرض الله) بإتفاق ماله في سبيل الله (تفسير الجلالين، سورة الحديد، رقم الآية

(۱۱)

من ذا الذي يقرض الله ای يقرض عباد الله بحذف المضاف او المعنى ينفق ماله في سبيل الله رجاء ان يعوضه فصار كمن يقرضه فاستعير لفظ القرض لبدل على التزام الجزاء (التفسير المظهری، سورة الحديد، رقم الآية ۱۱)

۲ رقم الحديث ۱۲۱۴۲، سنن الترمذی، رقم الحديث ۲۹۹۷.

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح وقد رواه مالك بن انس، عن اسحاق بن عبد الله بن ابی طلحة، عن انس بن مالك.

وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

”کہ تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک کہ خرچ کرو اس مال میں سے جو تم پسند کرتے ہو“

اور سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

”مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا“

”کہ کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو، اچھا قرض“

تو حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا وہ باغ جو فلاں جگہ ہے، صدقہ ہے، اللہ کی قسم! اگر میں اس کی استطاعت رکھتا کہ اسے چھپاؤں، تو میں اس کو ظاہر نہ کرتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے گھر والوں (یعنی رشتہ داروں) میں سے غریب لوگوں کو دے دو (مسند احمد، ترمذی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ

طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ - إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمَنُ بِيَمِينِهِ (مسلم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی حلال و پاکیزہ مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تو حلال اور پاکیزہ صدقہ ہی قبول فرماتا ہے، تو رحمن اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے (مسلم، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ جَلَّ وَعَلَا: يَا

ابْنَ آدَمَ اسْتَطَعْتَكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قَالَ: فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَكَيْفَ

۱۔ رقم الحديث ۶۳۰۱۳، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، واللفظ له، نسائي، رقم الحديث ۲۵۲۵، ترمذی، رقم الحديث ۶۶۱، مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۹۳۵.

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

اِسْتَطَعْمَتْنِي وَلَمْ اَكْرِمْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: اَمَّا عَلِمْتُ اَنْ
عَبْدِي فُلَانًا اِسْتَطَعْمَكَ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَّا عَلِمْتُ اَنْكَ لَوْ اَطْعَمْتَهُ
لَوْ جَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي (صحیح ابن حبان) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل و علا (بروز قیامت)
فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، پس تو نے مجھے کھانا
نہیں دیا تھا، تو بندہ کہے گا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ سے کیسے کھانا طلب
کیا تھا، اور میں نے آپ کا اکرام نہیں کیا، حالانکہ آپ رب العالمین ہیں؟ اللہ
عز و جل فرمائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب
کیا تھا، تو تو نے اس کو کھانا نہیں دیا تھا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ تُو اگر اسے کھانا دیتا، تو
تُو اس کو میرے پاس پاتا (ابن حبان، مسلم)

اس قسم کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاة و صدقہ جو کسی غریب کو دیا جاتا ہے، دراصل اللہ کی
ملک ہو کر پھر اللہ کی طرف سے غریب کی ملک ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے بعض مشائخ کے
نزدیک غریب کے مالک ہونے سے حکماً اس کا تبدیل عین ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ غریب کو زکاة و صدقہ میں مالکانہ طریقہ پر جو مال حاصل ہوا، وہ اگر کسی مالدار یا
ہاشمی کو مالک بنا کر دے، مثلاً ہدیہ کرے، یا اباحت کرے، مثلاً کھلائے پلائے، تو بہت سے
فقہاء و مشائخ کے نزدیک جائز ہے، اور ہمارے نزدیک اس کے جائز ہونے کے دلائل
انتہائی مضبوط اور رائج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ رقم الحدیث ۷۳۶۶، کتاب التاریخ، باب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البعث وأحوال
الناس فی ذلک الیوم، مسلم، رقم الحدیث ۲۵۶۹ ”۴۳“
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد بن
سلمة، فمن رجال مسلم (حاشية ابن حبان)

جواز کے قول کے مؤیدات

مذکورہ صورت کے جواز کے مضبوط دلائل کے علاوہ مزید چند فقہی مؤیدات بھی موجود ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)..... فقہائے حنفیہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر مکاتب غلام کو کسی کی طرف سے زکاة و صدقات میں کچھ مال حاصل ہوا، اور پھر وہ مکاتب اپنے آقا کو بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گیا، تو اس کے مالک کے لئے وہ مال استعمال کرنا جائز ہے، جو اس غلام کو زکاة یا صدقہ کی مد میں حاصل ہوا ہو، خواہ اس مکاتب نے عاجز ہونے سے پہلے آقا کو مال دیا ہو یا ابھی تک مکاتب کے ہاتھ میں ہو، اور وہ عاجز آ گیا ہو۔

اور اس مسئلہ میں فقہائے کرام نے تبدیل ملک کا حکم لگایا ہے۔ ۱

۱۔ المکاتب، فیسترد من المعطى ما أخذ على الأصح عند الشافعية، وفي رواية عند الحنابلة إن مات قبل أن يعتق، أو عجز عن الوفاء فلم يعتق، وقال الحنفية وهو رواية عند الحنابلة: يكون ما أخذه لسيده ويحل له، وفي رواية عن أحمد: لا يسترد، ولا يكون لسيده، بل ينفق في المكاتبين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۳۲، مادة "زکاة")

قال -رحمه الله - (وما أدى المكاتب من الصدقات وعجز طاب لسيده)، لأن الملك قد تبدل وتبدل الملك كتبدل العين فصار كعين آخر وإليه أشار النبي -صلى الله عليه وسلم - بقوله في حديث بريرة هو لها صدقة ولنا هدية قال ذلك حين أهدت إليه وكانت مكاتبته وصار كالفقير يموت عن صدقة أخذها يطيب ذلك لوارثه الغنى لما ذكرنا (تبیین الحقائق، ج ۵، ص ۷۴، کتاب المکاتب، باب موت المکاتب وعجزه وموت المولى)

وما أدى المكاتب من الصدقات إلى مولاه، وعجز طاب لسيده، ولو عجز المكاتب قبل الأداء إلى المولى يطيب للمولى عند محمد -رحمه الله تعالى - وعند أبي يوسف -رحمه الله تعالى - لا يطيب، والصحيح أنه يطيب بالإجماع كذا في التبیین (الفتاوى الهندية، ج ۵، ص ۱۸، کتاب المکاتب، الباب الثامن في عجز المكاتب وموته)

(وطاب لسيده ما أدى إليه من صدقة فعجز: (أى) إذا) لم يكن المولى مصرفاً للزکاة، فأخذ المكاتب الزکاة؛ لكونه من المصارف، ثم أداها إلى المولى عن بدل الكتابة، ثم عجز فظهر أن

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)..... اگر غریب کو کسی نے زکاة یا صدقہ کا مال دیا، پھر وہ غریب بعد میں مالدار ہو گیا، تو فقہائے حنفیہ کی تصریح کے مطابق اس کے لئے غربت کی حالت میں لئے ہوئے زکاة یا صدقہ کے مال کا امیر و مالدار ہونے کے بعد استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

حالانکہ اب وہ زکاة و صدقہ کا مستحق نہیں رہا، اور حقیقت میں ملکیت بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ ۱

(۳)..... اگر ضرورت مند مسافر کو زکاة یا صدقہ کا مال حاصل ہوا، پھر اس کے بعد وہ اپنے مال کے پاس پہنچ گیا، اور کچھ زکاة یا صدقہ کا مال اس کے پاس اب بھی موجود ہے، تو فقہائے حنفیہ کی تصریح کے مطابق اس کو اس مال کا استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔

حالانکہ اب وہ زکاة و صدقہ کا مستحق نہیں رہا، اور حقیقت میں ملکیت بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ المولیٰ أخذ الزکاة، وهو غنی، ومع (ذلک یطیب) له، لأنه أخذہ عوضاً عن العتق زمان الأخذ، والعبد قد أخذہ صدقة، وقد قال النبی -صلى الله عليه وسلم: (لها صدقة، ولنا هدية) (شرح الوقایة، کتاب المکاتب)

۱۔ وکذا إذا استغنى الفقير یطیب له ما أخذہ من الزکاة حالة فقره (تبیین الحقائق، ج ۵، ص ۷۴، کتاب المکاتب، باب موت المکاتب وعجزه وموت المولی) وكذلك الفقير إذا تصدق علیه، ثم استغنى والصدقة قائمة لا بأس بأن يتناول تلك الصدقة (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۵، ص ۳۴۰، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الأکل وما يتصل به)

۲۔ وکذا ابن السبیل إذا أخذ الصدقة ثم وصل إلى ماله وفي يده الصدقة تحل له، لأن المحرم على الغنى ابتداء الأخذ لما فيه من الذل فلا یرخص له من غیر ضرورة فإذا أخذہ فی حالة الفقر فبعد ذلک ليس فيه إلا الاستدامة فیطیب له (تبیین الحقائق، ج ۵، ص ۷۴، کتاب المکاتب، باب موت المکاتب وعجزه وموت المولی)

ابن السبیل إذا تصدق علیه، ثم وصل إلى ماله والصدقة قائمة لا بأس بأن يتناول من تلك الصدقة (الفتاویٰ الہندیہ، ج ۵، ص ۳۴۰، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الأکل وما يتصل به)

پس مذکورہ مسائل کا تقاضا یہ ہے کہ مجبوث فیہ مسئلہ میں بھی زکاة وصدقہ کے مال کا غریب کی ملک میں آجانے کے بعد حکماً تبدیل ملک ہونے کی وجہ سے مالدار اور ہاشمی کو بطور اباحت کے اس مال کا استعمال کرنا جائز ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذکورہ مسئلہ کی ایک فقہی نظیر پر کلام

جن مشائخ نے زکاة وصدقہ کی مد میں غریب کو حاصل شدہ مال کا کسی امیر و مالدار یا ہاشمی کو مالک بنائے بغیر استعمال اور مباح کرنے کے ناجائز ہونے کا قول لیا ہے، انہوں نے اس کی نظیر، شراء فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز کو قرار دیا ہے کہ اگر کسی نے شراء فاسد کے طور پر کوئی چیز خریدی ہو، اور پھر وہ یہ چیز کسی کو مباح کرے، تو اس کے لئے اس چیز کا استعمال حلال نہیں ہوتا، اور اگر وہ اس چیز کا کسی کو مالک بنا دے، تو پھر اس کے لئے اس چیز کا استعمال حلال ہو جاتا ہے، تو جس طرح اس مسئلہ میں تملیک و اباحت میں فرق ہے، اسی طرح مذکورہ مجبوث فیہ مسئلہ میں بھی تملیک و اباحت کا فرق ہے۔ ۱

لیکن ہمارے نزدیک شراء فاسد کے مسئلہ کو مجبوث فیہ مسئلہ کی نظیر قرار دینا محل نظر اور بعید معلوم ہوتا ہے۔

کیونکہ شراء فاسد میں اباحت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں فساد عقد پایا جاتا ہے، اور اس بیع کو رد کرنے کا حکم ہوتا ہے، اور جو شخص پہلے خریدار سے جائز طریقہ پر اس چیز

۱ بخلاف فقیر اباح لغنی أو هاشمی عین زکاة اخذها لا یحل لأن المملک لم یتبدل (الدر المختار)

(قوله: لأن المملک لم یتبدل) لأن المباح له یتناولہ علی ملک المبیح. ونظیرہ المشتري شراء فاسدا إذا أباح لغيره لا یطیب له، ولو لملک یطیب هداية (رد المحتار، ج ۶ ص ۱۱۶، ۱۱۷، کتاب المکاتب، باب موت المکاتب وعجزه وموت المولی)

ولو أباح الفقیر للغنی أو الهاشمی عین ما أخذ من الزکاة لا یحل، لأن المملک لم یتبدل ونظیرہ المشتري إذا اشتري شراء فاسدا لا یطیب بالإباحة (تبیین الحقائق، ج ۵، ص ۷۴، کتاب المکاتب، باب موت المکاتب وعجزه وموت المولی)

کو خریدے، تو اس کے لئے جواز کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا عقد اور معاملہ صحیح ہوتا ہے، اور اس کو رد کرنے کا حکم نہیں ہوتا، اور پہلے خریدار کے بیع وغیرہ کا تصرف کرنے سے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

جبکہ ہمارے مجوٹ فیہ یا زیر بحث مسئلہ میں سرے سے عقد فاسد ہے ہی نہیں، چنانچہ پہلے مالدار کا غریب کو زکاة و صدقہ میں مال دینا بھی درست ہے، اور اس غریب کا اس مال کا مالک بن کر اس میں تملیک و اباحت کے طور پر تصرف کرنا اور دوسرے مالدار یا ہاشمی کا اس مال کا مالک بننا یا استعمال میں لانا مالک کی رضا و رغبت پائے جانے کی وجہ سے سب کچھ صحیح و درست ہے، اور ان میں کوئی بھی تصرف و عقد فاسد نہیں۔ ۱

۱۔ ثم اعلم أن المشتري فاسدا لا يطيب للمشتري، ويطيب لمن انتقل الملك منه إليه لكون الثاني ملكه بعقد صحيح بخلاف المشتري الأول فإنه يحل له التصرف فيه، ولا يطيب له لأنه ملكه بعقد فاسد (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۰۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، فصل فی احکام البیع الفاسد)

وجملة القول فيه ما قاله في شرح الطحاوی بقوله ولو تصرف فيه المشتري بيع أو صدقة أو هبة أو أخرجه المشتري من ملكه بوجه من الوجوه صح تصرفه إذا كان تصرفه بعدما قبضه بإذن البائع وليس للبائع إبطاله وعلى المشتري القيمة أو المثل إن كان مثليا ويطيب ذلك الملك الثاني، لأنه ملك بعقد صحيح بخلاف المشتري الأول، لأنه لا يحل له ولا يطيب، لأنه ملكه بعقد فاسد، بخلاف ما إذا دخل دار الحرب بأمان فأخذ مال حربى بغير طيب نفسه فأخرجه إلى دار الإسلام ملكه ولكن لا يطيب له ويفتى بالرد ولا يقضى به.

ولو باعه صح بيعه ولا يطيب أيضا للمشتري كما لا يطيب للأول بخلاف البیع الفاسد (حاشية الشلبی علی التبيين، ج ۴، ص ۶۴، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد)

فلو دخل بأمان وأخذ مال حربى بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه، لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه، بخلاف البیع الفاسد فإنه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة عقده. وفي حظر الأشباه: الحرمة تعدد مع العلم بها إلا في حق الوارث، وقيد في الظهيرية بأن لا يعلم أرباب الأموال، وسنحقيقه ثمة (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۵، ص ۹۸، ۹۹، باب البیع الفاسد)

بخلاف المشتري شراء فاسدا إذا باعه من غيره بيعا صحيحا فإن الثاني لا يؤمر بالرد، وإن كان البائع مأمورا به لأن الموجب للرد قد زال ببيعته، لأن وجوب الرد بفساد البیع حکمه مقصود علی ملک المشتري وقد زال ملكه بالبیع من غيره، كذا في شرح السير الكبير للسرخسی من الباب الخامس بعد المائة. ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رہا بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ امیر و مالدار یا ہاشمی کو فقیر کے ہاتھ سے لینے میں اذلال پائے جانے کی وجہ سے خبث کا سبب اسی طرح متحقق ہوتا ہے، جس طرح سے معطلی کے ہاتھ سے لینے میں متحقق ہوتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مطلب البیع الفاسد لا یطیب له و یطیب للمشتري منه (قولہ و یطیب للمشتري منه لصحة عقده) فیہ أن عقد المشتري فی المسألة الأولى صحيح أيضا، وقد ذكر هذا الحكم فی البحر معزيا لاسیجایی بدون هذا التعلیل، فكان المناسب إسقاطه. ثم اعلم أنه ذكر فی شرح السير الكبير فی الباب الثاني والستين بعد المائة أنه إن لم يردہ يكره للمسلمين شراءه منه، لأنه ملك خبيث بمنزلة المشتري فاسدا إذا أراد بيع المشتري بعد القبض يكره شراءه منه وإن نفذ فیہ بیعه وعقده، لأنه ملك حصل له بسبب حرام شرعا. اهـ فهذا مخالف لقوله و یطیب للمشتري وقد يجاب بأن ما أخرجه من دار الحرب لما وجب على المشتري رده على الحرى لبقاء المعنى الموجب على البائع رده تمكن الخبث فیہ فلم یطیب للمشتري أيضا كالبائع، بخلاف البیع الفاسد فإن رده واجب على البائع قبل البیع لا على المشتري لعدم بقاء المعنى الموجب للرد كما قدمنا فلم يتمكن الخبث فیہ فلذا طاب للمشتري، وهذا لا ینافی أن نفس الشراء مكروه لحصوله للبائع بسبب حرام، ولأن فیہ إعراضا عن الفسخ الواجب، هذا ما ظهر لی (رد المحتار على الدر المختار، ج ۵، ص ۹۸، باب البیع الفاسد)

(وأما) صفة الملك الثابت للغاصب فی المضمون: فلا خلاف بین أصحابنا فی أن الملك الثابت له یظهر فی حق نفاذ التصرفات، حتی لو باعه، أو وهبه، أو تصدق به قبل أداء الضمان ینفذ، كما تنفذ هذه التصرفات فی المشتري شراء فاسدا، واختلفوا فی أنه هل یباح له الانتفاع به بأن يأكله بنفسه، أو یطعمه غیره قبل أداء الضمان، فإذا حصل فیہ فضل هل یتصدق بالفضل؟ قال أبو حنیفة -رضی الله عنه - ومحمد -رحمه الله :- لا یحل له الانتفاع، حتی یرضى صاحبه، وإن كان فیہ فضل یتصدق بالفضل، وقال أبو یوسف -رحمه الله :- یحل له الانتفاع ولا یلزمه التصدق بالفضل إن كان فیہ فضل، وهو قول الحسن وزفر رحمهما الله وهو القیاس، وقول أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله استحسان (بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۵۳، کتاب الغصب، فصل فی حکم الغصب)

۱۔ ولو أباح الفقير للغني أو الهاشمي عين ما أخذ من الزكاة لم یحل له، لأن الملك لم یتبدل ولك أن تقول المحرم ابتداء الأخذ إلى آخره فعلى هذا لو أباح الفقير للغني أو الهاشمي ینبغی أن یطیب له، لأنه لم یوجد منهما ابتداء الفعل المحرم المقترن بالإذلال قلنا إن لم یوجد منهما الأخذ من ید المتصدق وجد منهما الأخذ من ید الفقير فقد تحقق فی حقهما سبب الخبث ولك أن تقول لیس المحرم نفس الأخذ فقط، بل نفس الأخذ المقرون بالإذلال فینبغی أن لا یكون خبیثا، ونظيره المشتري شراء فاسدا لا یطیب بالإباحة، ولو ملكه یطیب (تكملة البحر الرائق لمحمد بن حسین بن علی الطوری، ج ۸، ص ۷۲، کتاب المكاتب، باب موت المكاتب وعجزه وموت المولی)

تو یہ بات رائج معلوم نہ ہو سکی، کیونکہ فقیر کے ہاتھ سے لینے کی وہ حیثیت نہیں، جو مالک یا معطی اول کے ہاتھ سے لینے کی تھی، چنانچہ زکاۃ و صدقہ کے مال کے غریب کی ملکیت ہونے سے اس کا حکم منتہی و مکمل ہو چکا، جب زکاۃ و صدقہ کی تملیک کی صورت میں ادائیگی ہو گئی، تو پہلے مالک یا معطی کی ملکیت ختم ہو گئی، پہلے وہ مال معطی اور مصدق کی ملکیت تھا، اور اب معطی لہ کی ملکیت ہو گیا، اور اسی وجہ سے وہ مال اگر ضائع یا ہلاک ہو جائے، تو زکاۃ یا صدقہ دینے والے کو زکاۃ و صدقہ کے اعادہ کا حکم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ جب معطی کی ملک سے وہ مال نکل گیا، اور معطی لہ کی ملک میں آ گیا، تو ملکیت تبدیل ہو گئی، اور معطی لہ کی ملکیت میں خبث نہیں پایا جاتا، تو مباح لہ کے لئے خبث کہاں سے آئے گا؟

برخلاف شراء فاسد والے مسئلہ کے کہ وہاں عقد فاسد ہونے کی وجہ سے ملکیت میں خبث پایا جاتا ہے، جس کے زائل ہوئے بغیر اباحت کی صورت میں وہ خبث دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ فافترقا۔

مذکورہ مسئلہ میں عدم جواز کے قول پر پیش آمدہ مشکلات

اگر مذکورہ مسئلہ میں عدم جواز کے قول کو ترجیح دی جائے، جس کی رو سے زکاۃ و صدقہ کی مد میں غریب کو حاصل شدہ مال کا امیر و مالدار یا ہاشمی کو اس غریب کی اجازت سے غیر مالکانہ طریقہ پر اباحت یا عاریت وغیرہ کے طور پر استعمال ناجائز ہوتا ہے، تو اس میں مندرجہ ذیل اور اس جیسی دوسری مشکلات و پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱)..... تمام غریب و فقراء زکاۃ یا صدقہ میں حاصل شدہ سارے مال کو خود استعمال نہیں کرتے، بلکہ کثرت کے ساتھ دوسروں کو بھی مالک بنائے بغیر اباحت کے طور پر استعمال و تناول کراتے ہیں، بالخصوص جبکہ کسی غریب و فقیر کے ذمہ ایسے لوگوں کا

نان نفقہ بھی واجب ہو کہ جو زکاۃ کے مستحق نہیں، مثلاً اس کی بیوی مالدار یا ہاشمی ہو۔ چنانچہ غریبوں کو زکاۃ و صدقہ میں جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ اپنی بیوی اور دیگر اہل خانہ کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اور ان کو مالک نہیں بناتے، مثلاً کسی غریب کو غیر معمولی مقدار میں زکاۃ یا صدقہ کی مد میں کھانا حاصل ہوا، جس کو وہ خود اور اپنے اہل خانہ کو کھلاتا پلاتا ہے، جس میں بعض افراد زکاۃ و صدقہ کے مستحق نہیں ہوتے، مثلاً بیوی مالدار یا ہاشمی ہوتی ہے۔

اب اگر مذکورہ صورت میں عدم جواز کا حکم لگایا جائے، تو لازم آتا ہے کہ غریب کو ہر طرح کے تصرفات کا حق حاصل ہونے کے لئے ایک اور مرتبہ اس مال کی تملیک کا مکلف کیا جائے، جبکہ اس مال کی تملیک کا حکم پہلے ہی اس غریب کی ملکیت میں داخل ہونے سے پورا ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ غریب کو زکاۃ و صدقہ میں حاصل ہونے والی بہت سی اشیاء ایسی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات غریب ان کو اپنی حالت پر اور اپنی ملکیت میں باقی رکھ کر ایک طویل وقت تک استفادہ کرتا ہے، اور بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی استفادہ کی اجازت دیتا ہے، جن میں بعض لوگ غنی اور ہاشمی بھی ہوتے ہیں۔

مثلاً کسی غریب کو زکاۃ یا صدقہ کی مد میں کوئی کتاب، چار پائی یا اور کوئی فرنیچر کی چیز یا اور کوئی دوسری چیز حاصل ہوئی، جس کو اس نے اپنے گھر میں ضرورت پوری کرنے کے لئے رکھ لیا، اور اس سے اس کے اہل خانہ اور مہمان اور آمد و رفت کرنے والے استفادہ کرتے ہیں، جن میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں، جو کہ زکاۃ و صدقہ کے مستحق نہیں ہوتے۔

اب اگر تملیک کے بغیر دوسرے غنی و ہاشمی وغیرہ کے لئے استعمال و استفادہ جائز نہ ہو، تو ایسی صورت میں غریب کے اختیار پر پابندی عائد ہوتی ہے، جبکہ زکاۃ وغیرہ

کے لئے تملیک کے شرط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غریب کو اس مال میں تمام تصرفات و اختیارات حاصل ہو جائیں، اور یہاں اس کو بعض تصرفات کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، جو کہ تملیک کے مقصود و حکمت کے خلاف ہے۔

(۲)..... زکاة کی ادائیگی کے لئے غریب کو مالک بنانا شرط ہے، اور جب زکاة ادا کرنے والے نے غریب کو عین مال کا مالک بنا کر زکاة دے دی، تو یہ شرط پوری ہوگئی، پھر یہ قرار دینا کہ جب تک وہ غریب اس میں تصرف نہ کرے، اس وقت تک ملکیت تبدیل نہیں ہوتی، اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ زکاة وغیرہ بھی اس وقت تک ادا نہ ہو، جب تک غریب اس حاصل شدہ مال زکاة میں تصرف نہ کر لے، جس کا ظاہر ہے کہ کوئی بھی قائل نہیں۔

(۳)..... فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ غریب کو زکاة یا صدقہ کا مال دیتے وقت یہ بتلانا یا تصریح کرنا ضروری نہیں کہ وہ زکاة یا صدقہ کا مال ہے، بلکہ ہبہ یا قرض وغیرہ کے عنوان سے زکاة و صدقہ دینا بھی جائز ہوتا ہے۔ ۱
اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر غریب کو زکاة کے عنوان سے لیتے ہوئے عار محسوس ہوتی ہو، تو اس کو زکاة کی خبر دینا مناسب بھی نہیں۔ ۲

۱۔ ولا يشترط علم آخذ الزكاة أنها زكاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۲۹۳، مادة "زكاة")

ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكيناً دراهم وسماهاً هبة أو قرضاً ونوى الزكاة فإنها تجزئ له لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه إلا على قول أبي جعفر (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۶، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة) ومن أعطى مسكيناً دراهم وسماهاً هبة أو قرضاً ونوى الزكاة فإنها تجزئ له، وهو الأصح هكذا في البحر الرائق ناقلاً عن المبتغى والقنية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول)
۲۔ ان لا يخبر المذكي الفقير أنها زكاة:

قيل لأحمد: يدفع الرجل زكاته إلى الرجل، فيقول: هذا من الزكاة، أو يسكت؟ قال: ولم يكتبه بهذا القول؟ يعطيه ويسكت، ما حاجته إلى أن يقرعه؟ وهذا يقتضي الكراهة وبه صرح اللقاني من المالكية، قال: لما فيه من كسر قلب الفقير. ﴿بقية حاشية اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب اگر عدمِ جواز کے قول کو اختیار کیا جائے، تو اگر مذکورہ طریقہ پر غریب کو زکاة یا صدقہ کی مد میں کوئی چیز حاصل ہوئی، اور زکاة و صدقہ کی ادائیگی کا حکم بھی پورا ہو گیا، مگر اس چیز کے زکاة یا صدقہ ہونے کا اس غریب کو علم بھی نہیں، چہ جائیکہ آگے کسی اور شخص کو اس کا علم ہو، ان حالات میں اس غریب اور کسی اور امیر و مالدار یا ہاشمی کو اس چیز کا مکلف کرنا کہ امیر و مالدار یا ہاشمی مالک بنے بغیر اس چیز کو استعمال نہیں کر سکتا، یہ ایک طرح سے تکلیف مالا یطاق کی قبیل سے ہے، جس کا شریعت نے مکلف نہیں کیا۔

(۴)..... فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق بعض کفارات وغیرہ کے لئے تملیک شرط نہیں، بلکہ اباحت بھی کافی ہے، مثلاً قسم کا کفارہ۔ ۱

اب اگر کسی غریب کو زکاة و صدقہ میں کوئی کھانے پینے کی چیز حاصل ہوئی، اور یہ اس چیز کو دوسرے غریب کو اباحت کر کے اور کھلا کر اپنی قسم وغیرہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو بموجب فیہ مسئلہ میں ان حضرات کی بیان کردہ تعلیل و تفصیل کا تقاضا یہ ہوگا کہ شخص مذکور کا کفارہ اُس کھانے سے ادا نہ ہو، کیونکہ اگلے غریب کا اس کھانے کو کھانا ملکیت کی تبدیلی کے بغیر کھلائے گا، اور جب تک غریب اس مال میں تصرف نہ کر لے، اس وقت تک اس سے دوسرا وظیفہ اباحت کے طور پر ادا کرنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن أبي هريرة من الشافعية: لا بد أن يقول بلسانه شيئا، كالبهية، قال النووي: هذا ليس بشيء قال: والصحيح المشهور أنه إذا دفعها إلى المستحق ولم يقل هي زكاة، ولا تكلم بشيء أصلا فإنها تجزئه وتقع زكاة. لكن قال الشافعية: إن أعطاه ولم يبين له أنها زكاة فإن الأخذ غنيا لم يرجع عليه بشيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۳، ص ۳۰۲، مادة "زكاة")

۱ (قوله: كما جاز لو اطعم) يشمل التمليك والإباحة، وعبر في الكنز بأعطى المختص بالتمليك. والحق أنه لا فرق على المذهب، وتماه في البحر. وفيه: والكسوة في كفارة اليمين كالإطعام (رد المحتار، ج ۳ ص ۷۷۹، باب كفارة الظهار)

والضابط أن ما شرع بلفظ الإطعام والطعام يجوز فيه التمليك والإباحة وما شرع بلفظ الإيتاء أو الأداء يشترط فيه التمليك (مجمع الأنهر، ج ۱ ص ۵۳، باب الظهار)

درست نہ ہوگا۔

ان جیسی مشکلات اور پیچیدگیوں اور مزید براں مذکورہ قوی دلائل کے پیش نظر ہمارے نزدیک رائج یہی ہے کہ جب زکاة یا صدقہ دینے والے نے اس زکاة یا صدقہ کے مال کا غریب کو مالک بنادیا، تو اس غریب کی خوشدلی سے اس مال کو غنی و مالدار کے لئے مباح کرنے سے اس کے لئے استعمال جائز ہو جائے گا۔

اور اسی وجہ سے اگر کسی نے غریب کو زکاة یا صدقہ میں کتابیں یا چار پائی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز دی، یا کھانے پینے کی کوئی چیز دی، یا مثلاً عطر و خوشبو وغیرہ دی، اور پھر وہ غریب مالک بننے کے بعد اپنی خوش دلی سے کسی مالدار یا ہاشمی کو یہ چیز مالک بنائے بغیر استعمال کرنے کے لئے پیش کرے، یا کسی کو ضیافت کے طور پر ایسی چیز کھلائے پلائے، تو اس کے لئے اس چیز کا استعمال کرنا جائز ہے، جس طرح سے مالدار یا ہاشمی کے لئے جائز طریقہ پر مالک بن کر ان چیزوں کا استعمال جائز ہے، اور اس کی تفصیل ابوداؤد کی شرح بذل المجہود اور دیگر کئی کتب کے حوالے سے اور دیگر دلائل کی روشنی میں ذکر کی جا چکی ہے۔ فقط۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

محمد رضوان ۲۰/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۵ھ 21/ اپریل/ 2014ء بروز پیر

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنو ہاشم اور سید کو زکاة کا حکم

تمہید

مدت دراز سے بہت سے اہل علم اور عوام کی طرف سے اس طرح کی باتیں سننے میں آتی رہیں کہ ان کے علاقوں یا ان کی نظروں میں بنو ہاشم نسب کے متعدد افراد اور ہاشمی، سید، عباسی، علوی وغیرہ کے نسب سے مشہور و معروف بے شمار خواتین و حضرات ایسے ہیں کہ جو بہت غریب اور پس ماندہ بلکہ خستہ حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، اور نسب کے سلسلہ میں فقہائے کرام نے شہرت کو کافی قرار دیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو بنو ہاشم یا ہاشمی قرار دیا جائے، اور جب زکاة یا واجب صدقات سے ایسے خستہ حال اور پس ماندہ خواتین و حضرات کی اعانت و مدد کا سوال پیش آتا ہے، تو اہل علم حضرات ان کو زکاة اور واجب صدقات دینے سے منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کو زکاة اور واجب صدقات کا دینا جائز نہیں، اور جب اس کے بجائے لوگوں کو نفلی صدقات یا عطیات وغیرہ کے ذریعہ ایسے حضرات کی ضیافت یا اعانت کی تلقین کی جاتی ہے، تو عوام اس کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ایسے حالات میں ہاشمی نسب رکھنے والے یہ حضرات انتہائی کمپرسی کے عالم میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور طرح طرح سے کوفت و تکلیف اٹھاتے ہیں، تو اس قسم کے ناگفتہ بہ مخصوص حالات میں اہل علم حضرات کو اس مسئلہ میں گنجائش یعنی بنو ہاشم یا ہاشمی حضرات کے لئے زکاة و صدقات کے جائز ہونے کا راستہ نکالنا چاہئے۔

اسی ضرورت کے لئے بندہ نے بنو ہاشم اور سید کو زکاة دینے کے جواز و عدم جواز سے متعلق زیرِ نظر قدرے مفصل مضمون مرتب کیا ہے، اس لئے اہل علم حضرات کو موجودہ حالات کے اسی تناظر میں اس مضمون کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

جہاں تک سابقہ یا موجودہ دور کے اکثر دیگر ایسے اہل علم حضرات کے موقف و دلائل کا تعلق ہے، جو عدم جواز کے قائل ہیں، تو اس مضمون سے ہمارا مقصود ان حضرات سے معارضہ یا ان کی تردید کرنا نہیں ہے۔

اور اسی وجہ سے ہم نے اپنے اس مضمون میں عدم جواز سے متعلق سابق موقف کے قائلین حضرات کے دلائل کی تردید سے تعرض نہیں کیا، البتہ اپنے موقف کے اظہار یا اثبات کے لئے جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی، شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، اور اسی طرح بعض اہل علم حضرات کی عبارات کے ضمن میں بھی بعض چیزوں کا ذکر آ گیا ہے۔

اور ہمارا یہ مضمون اس تمہید کے ساتھ ایک مستقل اور اہم موضوع ہونے کی وجہ سے ایک مقدمہ، تین فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

اگر کسی صاحبِ علم کو ہمارے مضمون میں مذکور دلائل سے قلبی و ذہنی اطمینان نہ ہو، اور اس کو جمہور کے سابق موقف پر ہی اطمینان یا رجحان ہو، تو اسے اپنے موقف پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے۔ مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اگر اپنے اطمینان و رجحان پر قائم رہنے کو حق سمجھتا ہے، تو اسے دوسرے کے اطمینان و رجحان کو بھی برداشت کرنا چاہئے، شرعی و فقہی مجتہد فیہ مسائل میں یہی طرز اختیار کرنا اعتدال کہلاتا ہے، اور اس کے بجائے یکطرفہ طور پر دوسرے موقف کی تردید کے درپے ہونا غیر معتدل طریقہ شمار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال پر قائم رہنے اور حق کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ.

محمد رضوان ۳/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ / 03 / مئی / 2014ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufuran.org

(مقدمہ)

بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ سے متعلق فقہاء کے اقوال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قرابت دار یعنی بنو ہاشم جن کو ہاشمی بھی کہا جاتا ہے، ان کو عام حالات میں اکثر فقہائے کرام حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے اصل مذہب کے مطابق زکاة دینا جائز نہیں۔

البتہ بعض حضرات مخصوص صورتوں میں اجازت کے قائل ہیں۔

بنو ہاشم یا ہاشمی وہ حضرات کہلاتے ہیں کہ جو یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، جن کو علوی بھی کہا جاتا ہے (اور ان میں سید ذات کے افراد بھی داخل ہیں، یعنی جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے مشترک نسب سے تعلق رکھتے ہوں) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، جن کو عباسی بھی کہا جاتا ہے، یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں، یا حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد یا ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں۔ ۱

۱۔ اور فقہائے کرام کے نزدیک ابولہب کا نسب اس میں داخل نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابولہب کی قرابت کو شریعت نے باطل قرار دے دیا ہے۔

ولا يجوز أن يعطى من الزكاة فقراء بني هاشم، ولا مواليتهم، قال عليه السلام الصدقة محرمة على بني هاشم ومولى القوم من أنفسهم، وقال عليه السلام: يا بني هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس، وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنمة.

قال: وبنو هاشم الذي تحرم عليهم الصدقة آل عباس، وآل جعفر، وآل عقیل، وآل علی، وولد الحارث بن عبدالمطلب؛ لأن الله تعالى إنما حرم الصدقة على من عوضه عنه خمس الخمس من الغنمة، وهو خمس ذوی القربى، ومنهم ذوی القربى يختص هؤلاء، فكلما تحرم الصدقة، وإنما ﴿بقية حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اور حنبلیہ کی ایک روایت کے مطابق بنو مطلب کو زکاة دینا جائز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تحرم علی هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والبذور والكفارات، فاما الصدقة علی وجه الصلة والتطوع، فلا بأس؛ لأن فی الواجب المؤدی نفسه یسقاط الفرض، فیتدنس المؤدی بمنزلة من استعمل الماء فی الوضوء، وهو معنی قوله یا بنی هاشم إن الله تعالى کره لكم غسالة الناس (المحیط البرهانی، ج ۲ ص ۲۸۴، کتاب الزکاة، الفصل الثامن)

قال: (ولا إلى هاشمی) لقوله -صلى الله عليه وسلم- : یا بنی هاشم إن الله حرم علیکم أوساخ الناس وعوضکم عنها بخمس الخمس وهم: آل عباس، وآل علی، وآل عقیل، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبد المطلب، لأنهم ینتسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ولأن هؤلاء هم المستحقون لخمس الخمس، وهو سهم ذوی القربی دون غیرهم من الأقارب، فالله تعالى حرم الصدقة علی فقرائهم وعوضهم بخمس الخمس، فیختص تحريم الصدقة بهم، وبقی من سواهم من الأقارب کالأجانب فتحل لهم الصدقة (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ص ۱۲۰، ۱۲۱، کتاب الزکاة، باب مصارف الزکاة)

(ولا تدفع) (إلى هاشمی من آل علی أو عباس أو جعفر أو عقیل) بفتح العین (أو الحارث بن عبد المطلب، ولو كان عاملاً علیها) أى علی الزکاة لقوله -عليه الصلاة والسلام- : إن هذه الصدقات إنما هی أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا آل محمد والعباس والحارث ابنا عبد المطلب وعلی وجعفر وعقیل أولاد أبی طالب -رضی الله تعالى عنهم-، وفائدة التخصیص بهؤلاء أنه یجوز الدفع إلى من عداهم من بنی هاشم کذریة أبی لهب كما فی الجوهرة وهو ظاهر الرواية (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۳، کتاب الزکاة، باب فی بیان احکام المصرف)

ولا یدفع إلى بنی هاشم، وهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبد المطلب کذا فی الهدایة ویجوز الدفع إلى من عداهم من بنی هاشم کذریة أبی لهب؛ لأنهم لم یناصروا النبی -صلى الله عليه وسلم- کذا فی السراج الوهاج. هذا فی الواجبات کالزکاة والنذر والعشر والكفارة فاما التطوع فیجوز الصرف إلیهم کذا فی الکافی، وكذا لا یدفع إلى موالیهم کذا فی العینی شرح الكنز. ویجوز صرف خمس الركاز والمعدن إلى فقراء بنی هاشم کذا فی الجوهرة النيرة (الفتاوی الهندیة، ج ۱ ص ۸۹، کتاب الزکاة، الباب السابع)

حکم أخذ آل البيت من الصدقة المفروضة:

إن آل محمد صلى الله عليه وسلم المذكورین لا یجوز دفع الزکاة المفروضة إلیهم باتفاق فقهاء المذاهب الأربعة، لقوله علیه الصلاة والسلام: یا بنی هاشم إن الله تعالى حرم علیکم غسالة الناس وأوساخهم، وعوضکم عنها بخمس الخمس.

والذین ذکروا ینسبون إلى هاشم بن عبد مناف، ونسبة القبيلة إلیه.

وخرج أبو لهب -وإن كان من آل- -فیجوز الدفع إلى بنیه، لأن النص أبطل قرابته، وهو قوله صلى الله علیه وسلم لا قرابة بینی وبين أبی لهب، فإنه أثر علینا الأفحرجین ولأن حرمة الصدقة علی بنی

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہے، جبکہ بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کی طرح بنو مطلب کو بھی زکاة دینا جائز نہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ہاشم کرامة من الله لهم ولذريتهم، حيث نصره صلى الله عليه وسلم في جاهليتهم وفي اسلامهم. وأبو لهب كان حريصا على أذى النبي صلى الله عليه وسلم، فلم يستحقها بنوه. وهذا هو المذهب عند كل من الحنفية والحنابلة. وفي قول آخر في كلا المذهبين: يحرم إعطاء من أسلم من آل أبي لهب، لأن مناط الحكم كونهم من بني هاشم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۰، الى ص ۱۰۲، مادة "آل")

۱۔ ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے درجہ کے دادا کا نام عبد مناف تھا، جن کے چار بیٹے تھے، ایک کا نام ہاشم، دوسرے کا نام مطلب، تیسرے کا نام نوفل اور چوتھے کا نام عبد شمس تھا، تو حنفیہ کے نزدیک ہاشم کی اولاد کو زکاة دینا جائز نہیں، اور اسی نسبت سے ایسے حضرات کو بنو ہاشم یا ہاشمی کہا جاتا ہے، اور ہاشم کے باقی بھائیوں کی اولاد کو زکاة دینا جائز ہے۔ جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کی طرح مطلب کی اولاد کو بھی زکاة دینا جائز ہے، جن کو بنو مطلب یا مطلبی کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(و) لا إلى (بنی ہاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب، فتحل لمن أسلم منهم كما حل لبني المطلب (الدر المختار)

(قولہ: وبنی ہاشم إلخ) اعلم أن عبد مناف وهو الأب الرابع للنبي -صلى الله عليه وسلم- أعقب أربعة وهم: هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة انقطع نسل الكل إلا عبد المطلب فإنه أعقب اثني عشر تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء إلا أولاد عباس وحرث وأولاد أبي طالب من علي وجعفر وعقيل قهستاني، وبه علم أن إطلاق بنی ہاشم مما لا ينبغي إذ لا تحرم عليهم كلهم بل على بعضهم ولهذا قال في الحواشي السعدية: إن آل أبي لهب ينسبون أيضا إلى هاشم وتحل لهم الصدقة. اهـ (رد المحتار، ج ۲، ص ۳۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

المطلبی ہو من ينسب إلى المطلب بن عبد مناف، وهو أخو هاشم بن عبد مناف، الجد الثاني لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

الأحكام المتعلقة بالمطلبی: وردت الأحكام المتعلقة ببني المطلب في مواضع من كتب الفقهاء منها:

أ - دفع الزكاة إليهم:

اختلف الفقهاء في جواز دفع الزكاة لبني المطلب بن عبد مناف.

فذهب الجمهور -وهم الحنفية والمالكية والحنابلة في رواية- إلى أنه يجوز دفع الزكاة إلى بني المطلب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸، ص ۱۱۲، مادة "مطلبی")

ذهب الحنفية والمالكية إلى أنه يجوز دفع الزكاة لبني المطلب، وعليه فيجوز كونه عاملا وآخذ الأجرة من الزكاة.

﴿بقیہ حاشیہ گلی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، بنو ہاشم کو زکاة کے علاوہ واجب صدقات مثلاً قسم، ٹہار اور قتل کا کفارہ وغیرہ بھی دینا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف أصحاب الشافعي - وهم الذين حرموا على بنى المطلب الزكاة - في ذلك على وجهين مشهورين.

أحدهما - وهو الأصح عند جمهور الأصحاب - لا يجوز لحديث عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث رضي الله عنه أنه والفضل بن عباس رضي الله عنهما أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألاه أن يؤمرهما على بعض الصدقات، فيؤديانه إليه كما يؤدي الناس، ويصيبا كما يصيبون فسكت طويلا ثم قال: إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد، إنما هي أوساخ الناس، وفي رواية: إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد.

والثاني: يجوز للمطلب أن يكون عاملا في الزكاة لأن ما يأخذه على وجه العوض، فلو استعمله الإمام مثلا في الحفظ أو النقل جاز، وله أجرته، قال النووي رحمه الله: قال أصحابنا الخراسانيون: هذان الوجهان مبنيان على أن ما يأخذه العامل هل هو أجره أو صدقة؟ وفيه وجهان فإن قلنا: هو أجره جاز وإلا فلا، وهو يشبه الإجارة من حيث التقدير بأجرة المثل، ويشبه الصدقة من حيث أنه لا يشترط عقد إجارة، ولا مدة معلومة ولا عمل معلوم.

والخلاف فيمن طلب على عمله سهما من الزكاة، فأما إذا تبرع بعمله بلا عوض، أو دفع الإمام إليه أجرته من بيت المال فإنه يجوز كونه هاشميا، أو مطلبيا بلا خلاف، قال الماوردي: يجوز كونه هاشميا، ومطلبيا إذا أعطاه الإمام من سهم المصالح.

وعند الحنابلة لا يجوز أن يكون المطلب عاملا على الزكاة إذا أخذ أجرته منها، أما إذا دفعت له أجرته من غير الزكاة فإنه يجوز أن يكون عاملا عليها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸، ص ۱۱۳، مطلبی، مادة "آل")

واختلف في بنى المطلب أخى هاشم هل تدفع الزكاة إليهم؟

فمذهب الحنفية، والمشهور عند المالكية، وإحدى روایتين عند الحنابلة، أنهم يأخذون من الزكاة، لأنهم دخلوا في عموم قوله تعالى (إنما الصدقات للفقراء والمساكين) لكن خرج بنو هاشم لقول النبي صلى الله عليه وسلم إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد فيجب أن يختص المنع بهم.

ولا يصح قياس بنى المطلب على بنى هاشم، لأن بنى هاشم أقرب إلى النبي صلى الله عليه وسلم وأشرف، وهم آل النبي صلى الله عليه وسلم ومشاركة بنى المطلب لهم في خمس الخمس لم يستحقوه بمجرد القرابة، بدليل أن بنى عبد شمس وبنی نوفل يساوونهم في القرابة ولم يعطوا شيئا، وإنما شاركوهم بالنصرة، أو بهما جميعا، والنصرة لا تقتضي منع الزكاة.

ومذهب الشافعية والقول غير المشهور عند المالكية وإحدى الروایتين عن الحنابلة، أنه ليس لبنى المطلب الأخذ من الزكاة، لقول النبي صلى الله عليه وسلم إنا وبنو المطلب لم نفتق في جاهلية

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ حنابلہ کے نزدیک بعض واجب صدقات (نذر و منت کے مال) کا دینا جائز ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا إسلام . إنما نحن وهم شيء واحد وفي رواية إنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد . وشبك بين أصابعه ولأنهم يستحقون من خمس الخمس ، فلم يكن لهم الأخذ ، كبنى هاشم . وقد أكد ذلك ما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم علل منعهم الصدقة باستغنائهم عنها بخمس الخمس ، فقال صلى الله عليه وسلم : أليس في خمس الخمس ما يغنيكم ؟

هذا وقد روى أبو عصمة عن أبي حنيفة أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه . والمشهور عند المالكية أن محل عدم إعطاء بني هاشم من الزكاة إذا أعطوا ما يستحقونه من بيت المال ، فإن لم يعطوا ، وأضر بهم الفقر أعطوا منها . وإعطاؤهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم . وقيد الباجي بما إذا وصلوا إلى حالة يباح لهم فيها أكل الميتة ، لا مجرد ضرر . والظاهر خلافه وأنهم يعطون عند الاحتياج ولو لم يصلوا إلى حالة إباحة أكل الميتة ، إذ إعطاؤهم أفضل من خدمتهم للدمي أو ظالم .

وقال الشافعية : إنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الزكاة ، وإن حيس عنهم الخمس ، إذ ليس منعهم منه يحل لهم ما حرم عليهم من الصدقة ، خلافاً لأبي سعيد الإصطخري الذي قال : إن منعوا حقهم من الخمس جاز الدفع إليهم ، لأنهم إنما حرموا الزكاة لحقهم في الخمس ، فإذا منعوا منه وجب أن يدفع إليهم .

والظاهر من إطلاق المنع عند الحنابلة أنه تحرم على آل الصدقة وإن منعوا حقهم في الخمس (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج ۱ ، ص ۱۰۰ ، الى ص ۱۰۲ ، مادة "آل")

۱۔ وكذلك الحكم فيما سوى الزكاة من الصدقات الواجبات كصدقة الفطر والكفارات والعشور والنذور وغير ذلك ، لأنها في معنى الزكاة ، فإنه يظهر نفسه بأداء الواجب وإسقاط الفرض ، فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل ، بخلاف صدقة التطوع حيث تحل للهاشمي لأنها لا تدنس كالوضوء للتبرد (الاختيار لتعليل المختار ، ج ۱ ، ص ۱۲۱ ، كتاب الزكاة ، باب مصارف الزكاة) أخذ آل من الكفارات والنذور وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف :

ذهب الحنفية والمالكية والشافعية إلى أنه لا يحل لآل محمد صلى الله عليه وسلم الأخذ من كفارة اليمين والظهار والقتل وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف . وهو رواية عند الحنابلة في الكفارات ، لأنها أشبهت الزكاة . وعن أبي يوسف من الحنفية أنه يجوز لهم أخذ غلة الوقف إذا كان الوقف عليهم ، لأن الوقف عليهم حينئذ بمنزلة الوقف على الأغنياء .

فإن كان على الفقراء ، ولم يسم بني هاشم ، لا يجوز . وصرح في "الكافي" بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف ، فقال : وأما التطوع والوقف ، فيجوز الصرف إليهم ، لأن المؤدى في الواجب يظهر نفسه بإسقاط الفرض ، فيتدنس المال المؤدى ، كالماء المستعمل ، وفي النفل يتبرع بما ليس عليه ، فلا يتدنس به المؤدى .

اهـ

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بنو ہاشم کو اکثر حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک نفلی صدقات کا دینا جائز ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک نفلی صدقات کا دینا بھی ناجائز یا مکروہ ہے۔ ۱۔

حنفیہ کی ظاہر الروایت کے مطابق بھی بنو ہاشم کو زکاة اور واجب صدقات (مثلاً صدقہ فطر، قسم کا کفارہ، روزہ کا فدیہ وغیرہ) کا دینا جائز نہیں، اور اسی کے مطابق اب تک اکثر حنفی حضرات و مشائخ فتویٰ دیتے آئے ہیں، لیکن حنفیہ کی ایک روایت اور باقی تینوں فقہ کے سلسلہ کے کئی جلیل القدر اہل علم حضرات کے قول کے مطابق موجودہ دور میں جبکہ بنو ہاشم کے لئے مال غنیمت کے خمس وغیرہ کی شکل میں زکاة و صدقات کا متبادل موجود نہیں، تو ایسی حالت میں بنو ہاشم کو زکاة کی نہ صرف یہ کہ گنجائش ہے، بلکہ ایسی حالت میں بعض حضرات کے نزدیک بنو ہاشم کو زکاة و صدقات کا دینا دوسرے عام غریب مسلمان لوگوں کو دینے کے مقابلہ میں افضل ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال صاحب فتح القدير: والحق الذي يقتضيه النظر إجراء صدقة الوقف مجرى النافلة، فإن ثبت في النافلة جواز الدفع، يجب دفع الوقف، وإلا فلا، إذ لا شك في أن الواقف متبرع بتصدقه بالوقف، إذ لا إيقاف واجب.

وذهب الحنابلة إلى جواز أخذ الآل من الوصايا لأنها تطوع، وكذا النذور، لأنها في الأصل تطوع، فأشبه ما لو وصى لهم. وعلى ذلك يجوز لهم الأخذ منهما.

وفى الكفارة عندهم وجه آخر بالجواز، لأنها ليست بزكاة ولا هي أوساخ الناس، فأشبهت صدقة التطوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۲، وص ۱۰۳، مادة "آل")

۱۔ حکم اخذ آل من صدقة التطوع:

للفقهاء فى هذه المسألة ثلاثة اتجاهات:

الأول: الجواز مطلقاً، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد، لأنها ليست من أوساخ الناس، تشبيهاً لها بالوضوء على الوضوء.

الثانى: المنع مطلقاً، وهو قول عند الحنفية والشافعية، ورواية عن أحمد أيضاً، وهى الأظهر عند الحنابلة، لأن النصوص الواردة فى النهى عن أخذ آل البيت من الصدقة عامة، فتشمل المفروضة والنافلة.

الثالث: الجواز مع الكراهة، وهو مذهب المالكية، جمعاً بين الأدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۳، مادة "آل")

اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کو اپنی زکاة و صدقہ کا دوسرے بنو ہاشم کو دینا جائز ہے، اور کئی اہل علم حضرات نے ان اقوال یا روایات پر فتویٰ دیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی موجودہ دور میں بوقت ضرورت، ضرورت مند فقیر و مسکین بنو ہاشم کو زکاة اور دیگر تمام صدقات دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

آگے الگ الگ فصلوں میں اس مسئلہ کے متعلقہ پہلوؤں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(فصل نمبر ۱)

زکاة، صدقات اور مالِ غنیمت و فیء کا مصرف

فقراء و مساکین، زکاة و صدقات کا مصرف

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے جو زکاة و صدقات کے چند مصارف بیان فرمائے ہیں، ان میں پہلے دو مصارف فقراء اور مساکین ہیں۔
جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ (سورة التوبة، رقم الآية ۶۰)

ترجمہ: بس صدقات ہیں فقیروں کے لئے، اور مسکینوں کے لیے (سورہ توبہ)

اور فقیروں و مسکینوں سے مراد ایسے غریب اور تنگ دست لوگ ہیں کہ جن کے پاس بالکل مال نہ ہو، یا اتنا مال نہ ہو کہ جس پر زکاة فرض ہوتی یا قربانی وغیرہ کا حکم ہوتا ہے۔ ۱

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں فقراء اور مساکین کے الفاظ عام ہیں، جس کی وجہ سے یہ الفاظ کسی خاندان یا قبیلہ کی تخصیص کے بغیر فی نفسہ ہر طرح کے غریب اور تنگ دست لوگوں کو شامل تھے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت دار اور بنو ہاشم بھی داخل تھے، کیونکہ زکاة و صدقات کا اہم مقصد غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر کے

۱۔ والمراد من الصدقات الزكوات فيخرج غيرها من التطوع، والفقر على ما روى عن الإمام أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة، والمسكين من لا شيء له فيحتاج للمسألة لقوته وما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الأول حيث لا تحل له المسألة فإنها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد ستر بدنه، وعند بعضهم لا تحل لمن كان كسوبا أو يملك خمسين درهما (روح المعاني للألوסי، ج ۵ ص ۳۱۰، سورة التوبة، رقم الآية ۶۰)

اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔

لہذا مذکورہ آیت کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے مسلمانوں کے خاندانوں اور قبیلوں کے فقراء و مساکین کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلم قرابت داروں اور بنو ہاشم کو بھی زکاة دینا جائز ہوتا، جبکہ وہ غریب اور تنگ دست ہوں۔

نبی ﷺ کے قرابت داروں کے لئے زکاة وغیرہ کی ممانعت

لیکن احادیث و روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، آل اور بنو ہاشم وغیرہ الفاظ کے ساتھ مخصوص قرابت داروں کے لئے زکاة و صدقات کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ وہ احادیث و روایات آگے آتی ہیں، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت داروں کو اکثر فقہائے امت نے عام حالات میں زکاة کے اعتبار سے فقیر و مسکین کا مصرف ہونے سے خارج کیا ہے، اور ان کے لئے زکاة کو روا نہیں رکھا۔

نبی ﷺ کے قرابت داروں کے لئے مالِ غنیمت و فئی کا حصہ

اسی کے ساتھ زکاة کے عوض اور بدلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت دار اور بنو ہاشم کی حاجت و ضرورت پوری کرنے کے لئے زکاة کے بجائے مالِ غنیمت اور مالِ فئی میں سے مستقل حصہ رکھ دیا گیا تھا، بلکہ بہت سے اہل علم حضرات کے بقول بنو ہاشم کو زکاة اور واجب صدقات کے ناجائز اور ممنوع ہونے کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے لئے زکاة و صدقہ کے بدلہ میں مالِ غنیمت اور مالِ فئی وغیرہ سے حصہ مقرر تھا۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي

الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (سورة الانفال، رقم الآية ۴۱)

ترجمہ: اور جان لو کہ بس جو کچھ تمہیں غنیمت کے طور پر ملے، جو بھی چیز ہو، تو بے

شک اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ، اور رسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافر کے لئے (سورہ انفال)

اس آیت میں مال غنیمت کا مصرف بیان کیا گیا ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور قرابت والوں کا ہے، جس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، جن کو بنو ہاشم وغیرہ کہا جاتا ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا بھی ہے۔ ۱

اور قرآن مجید کی سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (سورہ الحشر، رقم الآیہ ۷)

ترجمہ: جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا، تو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے ہے اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے (سورہ حشر)

اس آیت میں دیہات والوں سے مفت میں حاصل ہونے والے مال سے مراد مال فیئ ہے، اور اس مال کا مصرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور قرابت والوں کا ہے، جس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، جن کو بنو ہاشم وغیرہ کہا جاتا ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا بھی ہے۔ ۲

۱۔ ولذی القربی یعنی أقرباء رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - وہم بنو ہاشم و بنو المطلب لحديث جبير بن مطعم (التفسير المظهری، سورة الحشر، تحت رقم الآیہ ۷)

۲۔ (ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى) كالصفراء و وادی القرى وینع (فلله) يأمر فيه بما يشاء (وللرسول ولذی) صاحب (القربی) قرابة النبی من بنی ہاشم و بنی المطلب (والیتامی) أطفال المسلمين الذين هلك آباؤهم وهم فقراء (والمساكين) ذوی الحاجة من المسلمين (وابن) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص قرابت داروں کا تعاون مالی غنیمت اور مالی فہی سے کیا جاتا ہے، اور قرآن مجید کی تصریح اور وضاحت کے مطابق مالی غنیمت اور مالی فہی میں سے ان شخصیات و حضرات گرامی کے لئے مستقل حصہ مقرر ہے۔

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ رَبِيعَةَ بْنَ الْحَارِثِ، وَعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَا لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ، وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُولَا لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ بَلَّغْنَا مِنَ السِّنِّ مَا تَرَى، وَأَخْبَيْنَا أَنْ نَتَزَوَّجَ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَبْرُ النَّاسِ، وَأَوْصَلَهُمْ، وَلَيْسَ عِنْدَ آبُونَا مَا يُصَدَّقَانِ عَنَّا، فَاسْتَعْمَلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَى الصَّدَقَاتِ، فَلَنُؤَدَّ إِلَيْكَ مَا يُؤَدِّي الْعَمَالُ، وَلْنُصِيبَ مَا كَانَ فِيهَا مِنْ مَرْفَقٍ، قَالَ: فَاتَى عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَنَحْنُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ، فَقَالَ لَنَا: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا، وَاللَّهِ لَا نَسْتَعْمِلُ مِنْكُمْ أَحَدًا عَلَى الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لَهُ رَبِيعَةُ، هَذَا مِنْ أَمْرِكَ قَدْ نِلْتَ صِهْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَحْضُدْكَ عَلَيْهِ، فَأَلْقَى عَلِيٌّ رِذَاءَهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَنَا أَبُو حَسَنِ الْقَرْمِ، وَاللَّهِ لَا أَرِيكُمْ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْكُمَا ابْنَايَ بِجَوَابِ مَا بَعَثْتُمَا بِهِ،

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

السبیل المنقطع فی سفره من المسلمین اى يستحقه النبى صلی اللہ علیہ وسلم والأصناف الأربعة على ما كان یقسمه من أن لكل من الأربعة خمس الخمس وله الباقي (کی لا) کی بمعنى اللام وأن مقدرة بعدها (یکون) الفیء علة لقسمه كذلك (دولة) متداول (بین الأغنیاء منکم وما آتاکم أعطاکم) (الرسول) من الفیء وغیره (فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا) واتقوا الله إن الله شديد العقاب (تفسیر الجلالین، سورة الحشر، تحت رقم الآیة ۷)

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: فَأَنْطَلَقْتُ أَنَا، وَالْفَضْلُ إِلَى بَابِ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى نُوَافِقَ صَلَاحَةَ الظُّهْرِ قَدْ قَامَتْ فَصَلَّيْنَا مَعَ النَّاسِ، ثُمَّ أَسْرَعْتُ أَنَا، وَالْفَضْلُ إِلَى بَابِ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَوْمِيذٍ عِنْدَ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُمْنَا بِالْبَابِ حَتَّى أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ بِأُذُنِي وَأَذِنَ الْفَضْلُ، ثُمَّ قَالَ: أَخْرِجَا مَا تَصَرَّرَانِ، ثُمَّ دَخَلَ فَأَذِنَ لِي وَلِلْفَضْلِ، فَدَخَلْنَا فَتَوَاكَلْنَا الْكَلَامَ قَلِيلًا، ثُمَّ كَلَّمْتُهُ، أَوْ كَلَّمَهُ الْفَضْلُ، قَدْ شَكَّ فِي ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: كَلَّمَهُ بِالْأَمْرِ الَّذِي أَمَرْنَا بِهِ أَبَوَانَا، فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً، وَرَفَعَ بَصَرَهُ قَبْلَ سَقْفِ الْبَيْتِ، حَتَّى طَالَ عَلَيْنَا أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ إِلَيْنَا شَيْئًا، حَتَّى رَأَيْنَا زَيْنَبَ تَلْمَعُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ بِيَدِهَا، تُرِيدُ أَنْ لَا تَعْجَلَا، وَإِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرِنَا، ثُمَّ خَفَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، فَقَالَ لَنَا: إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَةُ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ، وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ، أَدْعُوا لِي نُوَفِّلَ بَنَ الْحَارِثِ، فَدَعَى لَهُ نُوَفِّلُ بَنَ الْحَارِثِ، فَقَالَ: يَا نُوَفِّلُ، أَنْكِحْ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ، فَأَنْكَحْنِي نُوَفِّلُ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَدْعُوا لِي مُحَمِّثَةَ بَنَ جَزْءٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُبَيْدٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَهُ عَلَى الْأَخْمَاسِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُحَمِّثَةَ: أَنْكِحِ الْفَضْلَ فَأَنْكَحَهُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُمْ فَأَصْدِقْ عَنْهُمَا مِنَ الْخُمْسِ كَذَا وَكَذَا لَمْ يُسَمِّهِ لِي عَبْدُ اللَّهِ بَنُ

الْحَارِثِ (سنن ابی داؤد) ۱۔

ترجمہ: ان کے والد ربیعہ بن حارث اور عباس بن عبدالمطلب نے عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس سے کہا کہ تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ اے اللہ کے رسول! اب ہماری جو عمر ہو گئی ہے، اس سے آپ واقف ہی ہیں (یعنی ہم بالغ ہو گئے ہیں اور شادی کے لائق ہیں) ہم چاہتے ہیں کہ نکاح کر لیں اور اے اللہ کے رسول! آپ سب لوگوں سے بڑھ کر بھلائی پہنچانے والے اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، ہمارے والدین کے پاس (ہمارے نکاح میں) مہر دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، پس آپ ہمیں صدقات کی وصولی پر (عائل بنا کر) مامور و مقرر فرما دیجئے، ہم آپ کو وہی دیں گے جو دوسرے عامل لا کر دیا کرتے ہیں (اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لیں گے) اور اس سے جو فائدہ حاصل ہوگا، وہ ہم پائیں گے (یعنی ہمیں اس پر زکاة و صدقات سے محنت کا معاوضہ حاصل ہوگا) عبدالمطلب کہتے ہیں کہ ابھی ہم یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ادھر آنکے اور بولے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کو بھی صدقات کی وصولی پر مامور و مقرر نہیں کریں گے، ربیعہ نے کہا کہ تم یہ سب حسد کی بنا پر کہہ رہے ہو، تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بن گئے اور ہم نے تم پر حسد نہیں کیا، یہ سن کر حضرت علی نے اپنی چادر بچھائی اور اس پر لیٹ گئے اور کہا کہ میں ابوالحسن ہوں عقل اور تجربہ میں تم سے زیادہ ہوں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا، جب تک تمہارے بیٹے اس کام سے ناامید ہو کر نہیں آ جاتے، جس مقصد کے

۱۔ رقم الحدیث ۲۹۸۵، کتاب الخراج والامارة والفی، باب فی بیان مواضع قسم الخمس، وسهم ذی القربی.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية ابی داؤد)

لئے تم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج رہے ہو، عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل بن عباس دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے دروازے کے پاس گئے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، اور اقامت ہوئی اور ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں اور فضل جلدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے دروازے کی طرف چلے، آپ اس دن حضرت زینب بنت جحش کے پاس تھے، ہم دروازے پر کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ نے (ازراہ شفقت) میرا اور فضل کا کان پکڑا، اس کے بعد فرمایا کہ جو تمہارے دل میں ہے کہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور ہم دونوں کو اندر آنے کی اجازت دی، ہم اندر چلے گئے، تھوڑی دیر تک ہم ایک دوسرے کو گفتگو شروع کرنے کے لیے کہتے رہے، آخر کار میں نے یا فضل نے اس میں عبد اللہ (راوی) کو شک ہے، وہی کہہ دیا جو ہمارے والدین نے ہم سے کہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے، پھر کافی دیر تک نگاہ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھتے رہے، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ ہمیں کچھ جواب نہ دیں گے، مگر پھر ہم نے حضرت زینب کو دیکھا کہ وہ پردے کی اوٹ سے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہہ رہی تھیں کہ جلدی نہ کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہی معاملہ پر غور فرما رہے ہیں، پھر آپ نے اپنا سر جھکایا اور فرمایا کہ یہ صدقہ (وزکاة) ہے اور یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے، اور یہ محمد اور آل محمد کے لیے حلال نہیں ہے، نوفل بن حارث کو بلاؤ، ان کو بلا لیا گیا، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا عبدالمطلب سے نکاح کر دو، تو نوفل نے اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حمیہ بن جزء کو بلاؤ، اور وہ بنی زبید کا ایک شخص تھا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے مالی غنیمت کا خمس وصول کرنے پر مامور و مقرر کر رکھا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح فضل سے کر دو، تو اس نے اپنی بیٹی کا فضل سے نکاح کر دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھو! اور ان دونوں کی طرف سے خمس کے مال میں سے اتنا اور اتنا مہر ادا کر دو (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت مند ہونے کے باوجود ان حضرات گرامی کو اپنے قربت دار ہونے کی وجہ سے زکاة دینا گوارا نہیں فرمایا، البتہ اس کے بجائے خمس میں سے ان کی ضرورت و حاجت کو پورا فرمایا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ جَاءَهُ وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، يُكَلِّمَانِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا قَسَمَ مِنَ الْخُمْسِ بَيْنَ بَنِي هَاشِمٍ، وَبَنِي الْمُطَّلِبِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ قَسَمْتَ لِإِخْوَانِنَا بَنِي الْمُطَّلِبِ، وَلَمْ تُعْطِنَا شَيْئًا وَقَرَابَتُنَا وَقَرَابَتَهُمْ مِنْكَ وَاحِدَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ، وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ، قَالَ جُبَيْرٌ: وَلَمْ يَقْسِمْ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ، وَلَا لِبَنِي نَوْفَلٍ، مِنْ ذَلِكَ الْخُمْسِ كَمَا قَسَمَ لِبَنِي هَاشِمٍ، وَبَنِي الْمُطَّلِبِ (سنن ابی داؤد) ۱

ترجمہ: وہ (یعنی حضرت جبیر بن مطعم) اور حضرت عثمان بن عفان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس مالی غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لئے آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم کیا تھا، تو

۱۔ رقم الحدیث ۲۹۷۸، کتاب الخراج والامارة والقی، باب فی بیان مواضع قسم الخمس، وسهم ذی القربی، بخاری، رقم الحدیث ۴۲۲۹۔

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، وأخرجه البخاری (۳۱۴۰) و (۳۵۰۲) و (۴۲۲۹) وابن ماجه (۲۸۸۱) والنسائی (۴۱۳۶) من طريق ابن شهاب الزهري، به. وروایتهم مختصرة إلى قوله -صلى الله عليه وسلم-: "إنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد." وهو في "مسند أحمد" (۱۶۷۴۱) (حاشية ابی داؤد)

میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے ہمارے بھائی بنو مطلب کو تو دے دیا ہے، اور ہمیں آپ نے کچھ نہیں دیا، اور ہماری قرابت و رشتہ داری اور بنو مطلب کی قرابت و رشتہ داری آپ کے ساتھ ایک جیسی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں، حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی غنیمت کے خمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہیں دیا (ابوداؤد، بخاری)

فائدہ: بنو عبد شمس اور بنو نوفل کا تعلق بنو ہاشم سے نہ تھا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو عبد شمس سے تھا، اور جبیر بن مطعم کا تعلق بنی نوفل سے تھا، لہذا وہ ہاشمی نہ تھے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ۱

رہا بنو مطلب کو خمس میں سے دینا، تو امام شافعی رحمہ اللہ تو اس سے استدلال کرتے ہوئے، بنو ہاشم کی طرح بنو مطلب کو بھی زکاة کی ممانعت اور ان کو مال غنیمت کا مستحق قرار دیتے ہیں، جبکہ حنفیہ و دیگر فقہائے کرام کا فرمانا یہ ہے کہ بنو مطلب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نصرت و حمایت وغیرہ کی وجہ سے دیا تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کو زکاة کی ممانعت ہے، واللہ اعلم۔ ۲

۱۔ وإنما اختص جبیر و عثمان بذلك لأن عثمان من بني عبد شمس و جبیر بن مطعم من بني نوفل و عبد شمس و نوفل (فتح الباری لابن حجر، ج ۶ ص ۲۳۵، قوله باب ومن الدلیل علی أن الخمس للإمام)

قوله: (بمنزلة واحدة) لأن عثمان ابن عفان بن أبي العاص بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف، و جبیر هو ابن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف، فهما و بنو المطلب کلهم أولاد عم جده صلی اللہ علیہ وسلم (عمدة القاری للعینی، ج ۱ ص ۶۳، باب ومن الدلیل علی أن الخمس للإمام) (وإنما قرابتا) أی: بنو نوفل، ومنهم جبیر، و بنو عبد شمس، ومنهم عثمان (وقرابتهم): یعنی بنی المطلب (واحدة) أی: متحدة؛ لأن أباهم أخو هاشم و آبائنا كذلك، (فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " : إنما بنو هاشم و بنو المطلب شيء واحد هكذا) (مرقاة المفاتيح، ج ۶ ص ۲۵۹، کتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

۲۔ و مشاركة بنی المطلب لهم فی خمس الخمس ما استحقوه بمجرد القرابة، بدلیل أن بنی عبد شمس و بنی نوفل یساوونهم فی القرابة، ولم یعطوا شیئا، وإنما شارکهم بالنصرة، أو بهما جميعا، والنصرة لا تقتضی منع الزکاة (المغنی لابن قدامة، ج ۲، ص ۴۹۰، فصل بنو المطلب هل لهم الأخذ من الزکاة)

بہر حال مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے اپنے قرابت داروں اور بنو ہاشم کو حصہ دیا ہے، لہذا بنیادی طور پر بنو ہاشم کی ضروریات کا انتظام مالِ غنیمت وغیرہ کے خمس سے کرنا ثابت ہے۔

اسی وجہ سے متعدد فقہائے کرام نے بھی مالِ غنیمت وغیرہ کے خمس کو بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کا عوض اور بدل قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مالِ غنیمت و مالِ فئی کی حقیقت اور مصارف

اب مالِ غنیمت و مالِ فئی کی حقیقت اور ان کے مصارف سے متعلق چند اہم احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں، تاکہ مسئلہ کی حقیقت سمجھنے میں آسانی رہے۔

مسئلہ نمبر ۱..... مالِ غنیمت، اُس مال کو کہا جاتا ہے کہ جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں فتح پا کر حاصل ہوتا ہے، اور مالِ فئی اس مال کو کہا جاتا ہے کہ جو کفار سے مصالحت اور جزیہ وغیرہ کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲..... مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے ہیں، جن میں سے چار حصے تو فاتحین و مجاہدین کو دیئے جاتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک باقی ماندہ پانچویں حصہ میں یتیموں اور بے سر و سامان مسافروں اور غریبوں، مسکینوں اور بنو ہاشم و بنو مطلب کا حق ہوتا ہے، اور نبی صلی

۱ کتاب وجوہ الفیء وخمس الغنائم قال اللہ عز وجل (ما آفأ اللہ علی رسولہ من اهل القرۃ للہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل)۔

وقال اللہ عز وجل (واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل)۔

قال أبو جعفر : فكان ما ذکر اللہ عز وجل فی الآیۃ الأولى ، هو فیما صالح علیہ المسلمون اهل الشریک من الأموال ، وفیما أخذوه منهم فی جزیۃ رقابہم ، وما أشبه ذلک .

وكان ما ذکرہ فی الآیۃ الثانیۃ ، هو خمس ما غلبوا علیہ بأسیافہم ، وما أشبهہ ، من الرکاز الذی جعل اللہ فیہ علی لسان رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ، والخمس ، وتواترت بذلک الآثار عنہ صلی اللہ علیہ وسلم (شرح معانی الآثار، ج ۴، ص ۳۲۳، کتاب وجوہ الفیء وخمس الغنائم)

اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس سے آپ کا بھی حق وابستہ ہوتا تھا۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۳۰..... مالی فئی کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کے پہلے قول کے مطابق مالی فئی کے پانچ حصے نہیں کئے

۱۔ لا خلاف بین فقهاء المذاهب الأربعة في أن الغنيمة تقسم خمسة أخماس :أربعة منها للغانمين.

والخامس لمن ذكره في قوله تعالى : (واعلموا أنما غنمتم من شيء فإن لله خمسة) الآية . لكنهم اختلفوا في مصرف الخمس بعد وفاة الرسول عليه الصلاة والسلام، فقال الشافعية، وهو رواية عن الإمام أحمد : إن خمس الغنيمة الخماس يقسم خمسة أسهم .
الأول : سهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم للآية، ولا يسقط بوفاته، بل يصرف بعده لمصالح المسلمين وعمارة الثغور والمساجد.

والثاني : سهم لذوى القربى، وهم بنو هاشم وبنو المطلب، دون بنى عبد شمس وبنى نوفل، لاقتصاره صلى الله عليه وسلم على بنى الأولين مع سؤال بنى الآخرين، ولأنهم لم يفارقوه لا فى جاهلية ولا إسلام.

ويشترك فيه الغنى والفقير، والرجال والنساء . ويفضل الذكر على الأنثى، كالإرث . وحكى الإمام الشافعى فيه إجماع الصحابة .
والأسهم الثلاثة الباقية لليتامى والمساكين وابن السبيل .

والرواية الأخرى عن الإمام أحمد أن سهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يختص بأهل الديوان؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم استحقه بحصول النصرة، فيكون لمن يقوم مقامه فى النصرة . وعنه أنه يصرف فى السلاح والكراع.

والفقهاء عند الشافعية، وفى رواية عن الإمام أحمد، يخمس، ومصرف الخمس منه كمصرف خمس الغنيمة.

والظاهر عند الحنابلة أنه لا يخمس، ويكون لجميع المسلمين، يصرف فى مصالحهم .
وقال الحنفية : إن الخمس الذى لله ولرسوله إلخ، يقسم على ثلاثة أسهم : سهم لليتامى، وسهم للمساكين، وسهم لأبناء السبيل . ويدخل فقراء ذوى القربى فيهم، يعطون كفايتهم، ولا يدفع إلى أغنيائهم شيء .

وذو القربى الذين يدفع إلى فقرائهم هم بنو هاشم وبنو المطلب والفقراء لا يخمس عندهم .
وقال المالكية : إن خمس الغنيمة كلها والركاز والفيء والجزية وخراج الأرض المفتوحة عنة أو صلحا وعشور أهل الذمة، محله بيت مال المسلمين، يصرفه الإمام فى مصارفه باجتهاده، فيبدأ من ذلك بآل النبى عليه الصلاة والسلام استحباباً، ثم يصرف للمصالح العائد نفعها على المسلمين، كبناء المساجد . والفقهاء لا يخمس عندهم . والآل الذين يبدأ بهم هم بنو هاشم فقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۵، و ص ۱۰۶، مادة ”آل“، حق آل البيت فى الغنيمة والفيء)

جاتے، بلکہ وہ سارا مال ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، جن کا ذکر سورہ حشر کی میں کیا گیا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار، یتیم، مسکین، مسافر اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کی طرح ”دش“، یعنی پانچویں حصہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ ۱

اور امام شافعی کے بعد کے قول کے مطابق اور حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق مالِ فئی کے بھی مالِ غنیمت کی طرح پانچ حصے کئے جاتے ہیں۔ ۲ جن میں سے ایک حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم کے لئے

۱۔ تخمیس الفیء: ذهب الحنفیة والمالکیة والشافعی فی القديم وأحمد فی رواية إلى أن الفیء لا یخمس، وإنما کله لرسول الله صلی الله علیه وسلم ومن ذکره معہ فی قوله تعالیٰ: (ما أفاء الله علی رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل) إلى قوله تعالیٰ (والذین جاء و من بعدهم) فقد جعله الله لهم ولم یذكر خمساً ولأن الخمس إنما یجب فی الغنائم، والغنیمۃ اسم للمال المأخوذ عنوة وقهراً یلجأ فی الخیل والركاب، ولم یوجد هذا فی الفیء لحصوله فی أیدیهم بغير قتال، فكان مباحاً ملک لا علی سبیل القهر والغلبة، فلا یجب فیہ الخمس کسائر المباحات، وقال ابن المنذر: ولا نحفظ من أحد قبل الشافعی فی الفیء الخمس کخمس الغنیمۃ. کما لو صولحو علی الضیافة فإنه لا حق لأهل الخمس فی مال الضیافة بل یختص به الطارقون (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۳۲، ص ۲۳۱، مادة ”فیء“)

۲۔ وذهب الشافعی فی الجدید والروایة الصحیحة عند محمد من الحنفیة وروایة عن أحمد إلى أن الفیء یخمس لقوله تعالیٰ: (ما أفاء الله علی رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کی لا یكون دولة بین الأغنیاء منکم) فظاهر هذا أن جمیع الفیء لهؤلاء، وهم أهل الخمس.

ولما قرأ عمر رضی الله عنه الآیة قال: استوعبت هذه الآیة الناس فلم یبق أحد من المسلمین إلا له فی هذا المال حق، وجاءت الأخبار عن عمر رضی الله عنه دالة علی اشتراك جمیع المسلمین فیہ، فوجب الجمع بینہما، کی لا تتناقض الآیة والأخبار وتتعارض، وفی إيجاب الخمس فیہ جمع بین النصوص وتوفیق بینہما، فإن خمسہ للذی سمی فی الآیة وسائرہ ینصرف إلى من فی الخبر.

كالغنیمۃ، ولأنه مال مشترك مظهر علیہ فوجب أن یخمس كالغنیمۃ والركاز، ولأن الملك عند محمد من الحنفیة یثبت بأخذه، وإنما أخذ علی سبیل القهر والغلبة، فكان فی حکم الغنائم.

وروی البراء بن عازب رضی الله عنه قال: لقیتم عمی ومعہ رایة، فقلت له: أین تريد؟ قال: بعثنی رسول الله إلى رجل نکح امرأة أبیه، فأمرنی أن أضرب عنقه وأخذ ماله (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۳۲، ص ۲۳۱، مادة ”فیء“)

ہوتا ہے۔ ۱۔

مسئلہ نمبر ۸..... مال غنیمت یا مالِ فئی میں سے جو حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور وفات کے بعد اس کا مصرف اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بیٹ المال شمار ہوتا ہے، جس میں سے مسلمانوں کے عام مصالح و ضروریات میں خرچ کیا جاتا ہے، یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم اور یتیموں اور

۱ د - تقسیم خمس الفیء عند من يقول بتخميسه:

يقسم مال الفیء على خمسة أسهم عند من يقول بتخميسه:

السهم الأول المضاف إلى الله عز وجل وإلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان صلى الله عليه وسلم ينفق منه على نفسه وأهله، وما فضل جعله في السلاح عدة في سبيل الله تعالى وفي سائر المصالح.

وأما سهم الله الذي أضافه إليه - فهو لافتتاح الكلام باسمه تبركا به، لا لإفراجه بسهم، فإن لله تعالى الدنيا والآخرة .

وقد روى عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا بعث سرية فغنموا خمس الغنيمة فضرب ذلك الخمس في خمسة.

السهم الثاني : لذوى القربى، وهم بنو هاشم وبنو المطلب دون بنى عبد شمس وبنى نوفل - لأن بنى هاشم وبنى المطلب لم يفارقوا الرسول صلى الله عليه وسلم فى جاهلية ولا إسلام، كما قال صلى الله عليه وسلم وشبك بين أصابعه، ويشترك فيه غنيهم وفقيرهم وكبيرهم وصغيرهم، ولا يفضل أحد منهم على أحد إلا بالذكورة، فللذكر سهمان وللأنثى سهم.

وقال المزنى : يسوى بينهما، وقال القاضى حسين : المدلى بجهتين يفضل على المدلى بجهة.

السهم الثالث : لليتامى، واليتيم الصغير الذى لا أب له وقيل : ولا جد له قبل الحلم، فإن النبى صلى الله عليه وسلم قال : لا يتم بعد احتلام ويشترط فيه الفقر.

السهم الرابع : المساكين، والمساكين هو الذى يملك ما يقع موقعا من كفايته ولا يكفيه، ويدخل فيه الفقير.

السهم الخامس : ابن السبيل وهو كل من أنشأ سفرا من بلده أو بلد كان مقيما به ولم يكن معه ما يحتاج إليه فى سفره، فيعطى من لا مال له أصلا، وكذا من له مال فى غير البلد المنتقل إليه منه.

وإذا فقد بعض الأصناف وزع نصيبه على الباقيين كالزكاة.

وأما أربعة أحماس الفیء فهى للرسول صلى الله عليه وسلم فى حياته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۲، ص ۲۳۲، مادة "فیء")

مسکینوں اور مسافروں کی مدد کی جاتی ہے۔ ۱۔
مسئلہ نمبر ۵..... ذوی القربىٰ یا بنو ہاشم کے لئے جو مال غنیمت وغیرہ کے شمس میں سے حصہ ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حنفیہ کے نزدیک یہ فقراء کے ساتھ خاص ہے، اور دیگر فقہائے کرام، اس کو اغنیاء کے لئے بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ ۲۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

۱۔ مصرف الفیء وما یخص الرسول بعد وفاته:

ذهب الحنفیة والمالکیة والحنابلة إلى أن الفیء وما یخص الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الخمس، سواء أکان خمس الفیء عند من قال به، أم خمس الغنیمة لسقوطه بعد وفاته علیہ الصلاة والسلام، یوضع فی بیت مال المسلمین ویصرف فی مصالحهم العامة وذكر أحمد الفیء فقال: فیہ حق لكل المسلمین الغنی والفقیر، وقال عمر رضی اللہ عنہ: " فلم یبق أحد من المسلمین إلا له فی هذا المال حق (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۳، ص ۲۳۲، مادة "فیء")

وقال الحنفیة: إن الخمس الذى لله ولرسوله إلخ، یقسم على ثلاثة أسهم: سهم للیتامی، وسهم للمساکین، وسهم لأبناء السبیل. ویدخل فقراء ذوی القربىٰ فیهم، یعطون کفایتهم، ولا یدفع إلى أغنیائهم شیء (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۱، ص ۱۰۵، مادة "آل")

۲۔ واختلف أهل العلم فی سهم ذوی القربىٰ هل هو ثابت الیوم أم لا فذهب أكثرهم إلى أنه ثابت فیعطى فقراؤهم وأغنیائهم من خمس الخمس للذكر مثل حظ الأنثیین وهو قول مالک والشافعی وذهب أبو حنیفة وأصحاب الرأى إلى أنه غیر ثابت قالوا سهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسهم ذوی القربىٰ مردود فی الخمس فیقسم خمس الغنیمة على ثلاثة أصناف الیتامی والمساکین وابن السبیل فیصرف إلى فقراء ذوی القربىٰ مع هذه الأصناف دون أغنیائهم (تفسیر الخازن، ج ۲، ص ۳۱۳، سورة الانفال، رقم الآیة ۴۱)

وكذا سقط سهم ذوی القربىٰ وإنما یعطون بالفقر وتقدم فقراؤهم على فقراء غیرهم ولا حق لأغنیائهم لأن الخلفاء الأربعة الراشدين قسموه كذلك وكفى بهم قدوة، وروی عن أبی بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه منع بنی ہاشم الخمس وقال: إنما لكم أن یعطى فقیركم ویزوج أبیكم ویخدم ما لا خادم له منكم فأما الغنی منكم فهو بمنزلة ابن السبیل غنى لا یعطى من الصدقة شیئا ولا یتیم موسر. وعن زید بن علی كذلك قال: لیس لنا أن نبنی منه القصور ولا أن نركب منه البرادین، ولأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنما أعطاهم للنصرة لا للقرابة كما یشیر إلیه جوابه لعثمان وجبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وهو یدل على أن المراد بالقربىٰ فی النص قرب النصرة لا قرب القرابة، وحيث انتهت النصرة انتهى الإعطاء (تفسیر روح المعانی، ج ۵، ص ۲۰۱، سورة الانفال، رقم الآیة ۴۱)

(فصل نمبر ۲)

بنو ہاشم کو زکاۃ و صدقہ کی ممانعت و کراہت کی احادیث

کئی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زکاۃ و صدقات کو اپنے لئے نہیں لیتے تھے اور تناول نہیں فرماتے تھے، اور اپنے مخصوص اعزہ و اقرباء کو بھی زکاۃ و صدقہ کے لینے اور تناول کرنے سے منع فرماتے تھے۔

البتہ اگر زکاۃ و صدقہ کا کوئی دوسرا مستحق مالک بن کر آپ کو وہ مال خوش دلی سے صدقہ کے بغیر مثلاً ہدیہ کے طور پر پیش کرتا، تو آپ اس کو لے لیا کرتے اور تناول فرما لیا کرتے تھے۔ اور بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ و صدقات کو لوگوں کا میل کچیل قرار دے کر اپنے مخصوص قربت داروں کو اس کے لینے سے منع فرمایا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کے بدلہ میں تمہارے لئے مالی غنیمت کا خمس مقرر کر دیا گیا ہے، جو تمہارے غنی ہونے اور کفایت کرنے کے لئے کافی ہے۔

نبی ﷺ کے ہدیہ قبول اور صدقہ قبول نہ کرنے کی حدیث

اس سلسلہ میں چند احادیث و روایات مع ضروری فوائد کے ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَلَا يَقْبَلُ

الصَّدَقَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۸۷۱۴) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرما لیا کرتے تھے، اور صدقہ کو قبول نہیں

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

فرمایا کرتے تھے (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن بسر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۱

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ قبول کرنے اور صدقہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو صدقہ کا مستحق نہ سمجھتے تھے، یا اپنے لئے صدقہ کو گوارا پسند نہ فرماتے تھے۔

نبی ﷺ کا ہدیہ کو تناول کرنا اور صدقہ کو تناول نہ کرنا

(۲)..... حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ وَأَنَا مَمْلُوكٌ فَقُلْتُ: هَذِهِ صَدَقَةٌ، فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوا وَلَمْ يَأْكُلْ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِطَعَامٍ فَقُلْتُ: هَذِهِ هَدِيَّةٌ أَهْدَيْتُهَا لَكَ أَكْرَمُكَ بِهَا فَإِنِّي رَأَيْتُكَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوا وَأَكَلَ مَعَهُمْ (مسند احمد) ۲

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لے کر آیا، اور میں اس وقت غلام تھا، اور میں نے کہا کہ یہ صدقہ ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم فرمایا

۱۔ حدیثی عبد اللہ بن بسر، قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل الهدية، ولا يقبل الصدقة" (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۸۸)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد) عن سلمان، قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبل الهدية، ولا يقبل الصدقة" قال عبد الله: وحدثنا علي بن حكيم، أخبرنا شريك، عن عبيد المكتب بإسناده نحوه (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۷۰۲)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

۲۔ رقم الحديث ۲۳۷۲، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۰۷۰. قال الهيثمي: رواه الطبرانی في الكبير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۴۸۹، باب الصدقة لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولآله وللمواليهم) وقال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

کہ وہ کھالیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھایا، پھر میں دوبارہ کھانا لے کر حاضر ہوا، اور میں نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے، جو میں نے آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا ہے، تاکہ آپ کا اس کے ذریعہ سے اکرام کروں، پس میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو کھانے کا حکم کیا، اور خود بھی ان کے ساتھ کھایا (مسند احمد)

(۳)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بِطَعَامٍ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِ سَأَلَ عَنْهُ، فَإِنْ قِيلَ: هَدِيَّةٌ، أَكَلَ، وَإِنْ قِيلَ: صَدَقَةٌ، قَالَ: كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ

(مسند احمد، رقم الحديث ۸۰۱۳) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علی وسلم کے پاس جب اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے کھانا آتا تھا، تو اس کے بارے میں معلوم فرماتے تھے، اگر آپ کو کہا جاتا تھا کہ یہ ہدیہ ہے، تو آپ کھالیا کرتے تھے، اور اگر کہا جاتا تھا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ (حاضرین سے) فرماتے تھے کہ کھا لو اور آپ اس کو (خود) نہیں کھایا کرتے تھے (مسند احمد)

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو تو آپ کی عادت کا علم تھا، اور آپ کے گھر سے عموماً صدقہ وغیرہ کی مد سے کھانا نہیں آتا تھا، لیکن باہر سے جو کھانا آتا تھا، وہ اگر صدقہ کے طور پر ہوتا تھا، تو آپ اس کو نہیں کھاتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کو اپنے لئے روا نہیں سمجھتے تھے۔

صدقہ کا غریب کو مالک بننے کے بعد تناول کرنے کی حدیث

(۴)..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

۱ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ: هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟ قَالَتْ: لَا، وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا عِنْدَنَا طَعَامٌ إِلَّا عَظْمٌ مِّنْ شَاةٍ أُعْطِيَتْهُ مُوَلَاتِي مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: قَرِيبِي، فَقَدْ بَلَغْتَ مَحِلَّهَا (مسلم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پھر فرمایا کہ کوئی کھانا ہے؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نہیں ہے، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس اس بکری کے گوشت کی ہڈی کے سوا کوئی کھانا نہیں جو میری آزاد کردہ باندی کو صدقہ میں ملی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل (ومقام) پر پہنچ چکا ہے (مسلم) فائدہ: امام قرطبی، مسلم کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: قَوْلُهُ (قَرِيبُهَا فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا) يَعْنِي: أَنَّ الْمُتَصَدِّقَ عَلَيْهَا قَدْ مَلَكَتْ تِلْكَ الصَّدَقَةَ بِوَجْهِ صَحِيحٍ جَائِزٍ، فَقَدْ صَارَتْ كَسَائِرِ مَا تَمْلِكُهُ بِغَيْرِ جِهَةِ الصَّدَقَةِ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ، فَمَنْ تَنَاوَلَ ذَلِكَ الشَّيْءَ الْمُتَصَدِّقَ بِهِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدِّقِ عَلَيْهِ بِجِهَةٍ جَائِزٍ غَيْرِ الصَّدَقَةِ، جَازَ لَهُ ذَلِكَ، وَخَرَجَ ذَلِكَ الشَّيْءُ عَنْ كَوْنِهِ صَدَقَةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْآخِذِ مِنْ يَدِ الْمُتَصَدِّقِ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ فِي الْأَصْلِ (المفہم لما أشكل من تلخیص کتاب مسلم، للقرطبی، کتاب الزکاة، من باب الصدقة إذا بلغت محلها)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ ”اس کو قریب لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ

۱۔ رقم الحديث ۱۰۷۳ ”۱۶۹“ کتاب الزکاة، باب إباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم ولبنی هاشم وبنی المطلب، وإن كان المهدي ملكها بطريق الصدقة، وبيان أن الصدقة، إذا قبضها المتصدق عليه زال عنها وصف الصدقة وحلت لكل أحد ممن كانت الصدقة محرمة عليه.

اپنے محل (و مقام) پر پہنچ چکا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص کہ جس کو صدقہ دیا گیا ہے، اس صدقہ کا صحیح و جائز طریقہ پر مالک ہو گیا، تو وہ صدقہ کا مال ان تمام چیزوں کی طرح ہو گیا، جن کا انسان صدقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مالک بنا کرتا ہے، اور جب اس طریقہ سے ہو گیا، تو جو شخص اس صدقہ دی ہوئی چیز میں سے صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے صدقہ کے علاوہ کسی جائز طریقہ پر لے گا، تو اس کے لئے وہ چیز جائز ہوگی، اور یہ چیز صدقہ ہونے کے حکم سے نکل جائے گی، صدقہ کئے ہوئے شخص کے ہاتھ سے لینے کی نسبت سے، اگرچہ وہ لینے والا شخص ان لوگوں میں سے ہو، جس کو اصل میں صدقہ حلال نہیں تھا (مثلاً مالدار اور ہاشمی) (الفہم)

اس سے معلوم ہوا کہ جب زکاة و صدقہ کے مال کا غریب جائز طریقہ پر مالک بن جائے، تو وہ مال زکاة و صدقہ کے حکم سے نکل کر ایسے عام مال کی طرح ہو جاتا ہے، جیسا کہ غریب نے وہ مال جائز طریقہ پر مثلاً محنت و تجارت وغیرہ کر کے کمایا ہو، یا اسے ہدیہ، میراث وغیرہ میں حاصل ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ، اس لئے جب وہ غریب یہ مال کسی ہاشمی یا مالدار شخص کو دے، تو اس ہاشمی یا مالدار کے لئے اس کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ ۱

آل محمد کے لئے زکاة و صدقہ حلال نہ ہونے کی حدیث

(۵)..... حضرت ابوالحوراء سے روایت ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، فَسُئِلَ مَا عَقَلْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَهُ، فَمَرَّ عَلَى جَرِيْنٍ مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَأَخَذْتُ تَمْرَةً، فَأَلْقَيْتُهَا فِيَّ، فَأَخَذَهَا بِلُعَابِي، فَقَالَ: بَعْضُ الْقَوْمِ وَمَا عَلَيْكَ لَوْ

۱۔ اور ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے الگ مضمون میں بیان کر دی ہے، جو اس کتاب کا حصہ ہو کر بھی شائع ہو رہا ہے۔ محمد رضوان۔

تَرَكَتْهَا؟ قَالَ: إِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ، قَالَ: وَعَقَلْتُ مِنْهُ

الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۲۵) ۱

ترجمہ: ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں (بچپن کی دیکھی یا سنی ہوئی) یاد ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، تو ہمارا گزر صدقہ کی کھجوروں پر ہوا، میں نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے تھوک سمیت اسے باہر نکال لیا، ایک آدمی کہنے لگا کہ اگر یہ ایک کھجور کھا لیتے تو کیا ہو جاتا؟ آپ انہیں کھا لینے دیتے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم آل محمد کے لئے صدقہ (وزکاة) حلال نہیں ہے، اور میں (یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ نمازیں یاد رکھی ہیں (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۲

فائدہ: اس حدیث میں آل محمد کے لئے صدقہ (وزکاة) حلال نہ ہونے کا ذکر ہے۔

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

۲۔ حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، أخبرني محمد بن زياد، أنه سمع أبا هريرة، يقول: كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقسم تمرًا من تمر الصدقة، والحسن بن علي في حجره، فلما فرغ حملة النبي صلى الله عليه وسلم على عاتقه، فسأل لعابه على النبي صلى الله عليه وسلم، فرفع النبي صلى الله عليه وسلم رأسه، فإذا تمر في فيه، فأدخل النبي صلى الله عليه وسلم يده فانتزعها منه، ثم قال: "أما علمت أن الصدقة لا تحل لآل محمد" (مسند احمد، رقم الحديث ۷۷۵۸)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

عن أبي عمير، قال: كنا جلوسا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما، فجاء رجل بطبق عليه تمر، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما هذا، أصدق؟ أم هدية؟" قال: صدقة، قال: "فقدمه إلى القوم" وحسن يتعفر بين يديه، فأخذ الصبي تمره فجعلها في فيه، فأدخل النبي صلى الله عليه وسلم أصبعه في في الصبي، فنزع التمرة،

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اہل بیت کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کی حدیث

(۷)..... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَذْخَلَنِي غُرْفَةَ الصَّدَقَةِ، فَأَخَذْتُ مِنْهَا تَمْرَةً، فَأَلْقَيْتُهَا فِي فَيْمِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلْقِهَا، فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ (مسند احمد، رقم الحديث

۱۷۲۴، صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۳۴۹) ۱

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ (کے مال) والے کمرے میں داخل کیا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پھینک دو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت میں سے کسی کے لئے حلال نہیں ہے (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ ۲

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے لئے صدقہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فَقَذَفَ بِهَا، ثُمَّ قَالَ " : إِنَّا آلَ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۰۰۲)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

عن بهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده قال: سمعت نبي الله صلى الله عليه وسلم يقول: "فسي كل إبل سائمة، فسي كل أربعين ابنة لبون. لا تفرق إبل عن حسابها. من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فإننا آخذوها منه وشرط إبله عزمة من عزمات ربنا لا يحل لآل محمد منها شيء" (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۰۱۶)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن، بهز بن حكيم وأبوه صدوقان (حاشية مسند احمد)

۱ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

۲ عن شهر بن حوشب، قال: أخبرني من سمع النبي صلى الله عليه وسلم وعن ابن أبي ليلى، أنه سمع عمرو بن خارجه، قال ليث في حديثه: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على ناقته، فقال " : ألا إن الصدقة لا تحل لي، ولا لأهل بيتي (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۶۳)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

(وزکاة) حلال نہ ہونے کا ذکر ہے۔

(۷)..... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ:

وَأَهْلُ بَيْتِي أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي،
أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي فَقَالَ لَهُ حُصَيْنٌ: وَمَنْ أَهْلُ بَيْتِهِ؟ يَا زَيْدُ
أَلَيْسَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ؟ قَالَ: نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَلَكِنْ أَهْلُ
بَيْتِهِ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةُ بَعْدَهُ، قَالَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ
عَقِيلٍ، وَآلُ جَعْفَرٍ، وَآلُ عَبَّاسٍ قَالَ: كُلُّ هَؤُلَاءِ حُرِمَ الصَّدَقَةُ؟ قَالَ:
نَعَمْ (مسلم) ۱

ترجمہ: میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ (کا خوف) یاد دلاتا
ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم لوگوں کو اللہ (کا خوف) یاد دلاتا
ہوں، میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ (کا خوف) یاد دلاتا
ہوں، حضرت حصین نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے زید انبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں
سے نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی ازواج مطہرات
آپ کے اہل بیت میں سے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اہل بیت ہیں کہ جن پر آپ
کے بعد صدقہ حرام ہے، حضرت حصین نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟ حضرت زید
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آل علی اور آل عقیل اور آل جعفر اور آل عباس، حضرت
حصین نے عرض کیا کہ ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے

۱۔ رقم الحديث ۲۴۰۸ "۳۶" کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، باب من فضائل علی بن
أبي طالب رضی اللہ عنہ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۲۶۵.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

فرمایا کہ جی ہاں! ان سب پر صدقہ حرام ہے (مسلم، مسند احمد)
 فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہل بیت، جن پر صدقہ
 (وزکاة) حلال نہیں، آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس ہیں، اور اس روایت میں
 حارث کی اولاد کا ذکر نہیں، مگر فقہاء نے حارث کی اولاد کو بھی بنو ہاشم میں شمار کر کے، ان کے
 لئے صدقہ (وزکاة) لینا ممنوع قرار دیا ہے، کما مر۔

اہل بیت کے آزاد کردہ غلاموں کو صدقہ ممنوع ہونے کی حدیث

(۸)..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام میمون یا مہران سے روایت ہے کہ:
 أَنَّهُ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مَيْمُونُ، أَوْ يَا
 مِهْرَانَ إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ نُهِنَا عَنِ الصَّدَقَةِ، وَإِنَّ مَوَالِينَا مِنْ أَنْفُسِنَا فَلَا
 تَأْكُلِي الصَّدَقَةَ (مصنف عبد الرزاق) ۱
 ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ان سے فرمایا کہ اے میمون یا اے مہران! ہم اہل بیت ہیں، جنہیں صدقہ سے منع
 کر دیا گیا ہے، اور ہمارے آزاد کردہ غلام ہم سے تعلق رکھتے ہیں، تو آپ صدقہ
 نہ کھائیں (عبد الرزاق، مسند احمد، طبرانی)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ۲

۱۔ رقم الحدیث ۶۹۴۲، کتاب الزکاة، باب لا تحل الصدقة لآل محمد صلی اللہ علیہ و
 سلم، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۳۹۹، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۸۳۶، و ۸۳۷۔
 قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

۲۔ عن عطاء بن السائب قال: أتيت أم كلثوم ابنة علي بشيء من الصدقة فردتها
 وقالت: حدثني مولى النبي صلى الله عليه وسلم، يقال له: مهران، أن رسول الله صلى
 الله عليه وسلم قال: "إننا آل محمد لا تحل لنا الصدقة" ومولى القوم منهم (مسند
 احمد، رقم الحدیث ۱۵۷۰۸، حدیث مهران مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فائدہ: اس جیسی احادیث کے پیش نظر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکاة دینا جائز نہیں، خواہ ان غلاموں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا آپ کی حیات میں دیگر بنو ہاشم نے آزاد کیا ہو، یا پھر کسی بھی دور میں کوئی ہاشمی آزاد کرے، اور جب بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکاة دینا جائز نہیں، تو بنو ہاشم کے مملوکہ غلاموں اور باندیوں کو بدرجہ اولیٰ زکاة دینا جائز نہیں، البتہ مالکیہ وغیرہ کے نزدیک بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکاة و صدقہ کا دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بشواهده، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد) عن أبي رافع، أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلا من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: اصحبني كيما تصيب منها، فقال: لا، حتى آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله، فانطلق إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فسأله فقال: إن الصدقة لا تحل لنا، وإن موالى القوم من أنفسهم (سنن الترمذی، رقم الحديث ۲۵۷، سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۱۶۵۰)

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابی داؤد)

۱ قال الحنفية والحنابلة، وهو الأصح عند الشافعية وقول عند المالكية: إن موالى آل النبي صلى الله عليه وسلم وهم من أعتقهم هاشمی أو مطلبی، حسب الخلاف السابق، لا يعطون من الزكاة، مستدلين بما روى أبو رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث رجلا من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: اصحبني كيما تصيب منها. فقال: لا، حتى آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله، فانطلق إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله، فقال: إنا لا تحل لنا الصدقة، وإن مولى القوم منهم ولأنهم ممن يرثهم بنو هاشم بالتعصيب، فلم يجوز دفع الصدقة إليهم كبنی هاشم وهم بمنزلة القرابة، بدليل قوله صلى الله عليه وسلم الولاء لحمه كالحمة النسب وثبت لهم حكم القرابة من الإرث والعقل والنفقة، فلا يمتنع تحريم الصدقة عليهم. وإذا حرمت الصدقة على موالى آل، فأرقاؤهم ومكاتبهم أولى بالمنع، لأن تملك الرقيق يقع لمولاه، بخلاف العتيق. والمعتمد عند المالكية جواز دفع الصدقة لموالى آل البيت، لأنهم ليسوا بقرابة النبي صلى الله عليه وسلم فلم يمتنعوا الصدقة، كسائر الناس، ولأنهم لم يعوضوا عنها بخمس الخمس، فإنهم لا يعطون منه، فلم يجوز أن يحرموها، كسائر الناس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۳، و ص ۱۰۴، مادة "آل")

آل محمد و ازواج مطہرات کو صدقہ کے حلال نہ ہونے کی روایت

(۹)..... حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ خَالِدَ بْنَ سَعِيدٍ بَعَثَ إِلَى عَائِشَةَ بِبَقْرَةٍ مِّنَ الصَّدَقَةِ فَرَدَّتْهَا وَقَالَتْ
إِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ (مصنف ابن ابی

شیبہ) ۱

ترجمہ: حضرت خالد بن سعید نے، حضرت عائشہ کی طرف صدقہ کی ایک گائے بھیجی، جس کو انہوں نے رد کر دیا، اور فرمایا کہ ہم آل محمد ہیں، ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں (ابن ابی شیبہ)

فائدہ: محدثین نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ اکثر فقہائے کرام نے ازواج مطہرات کے لئے زکاۃ و صدقات کو جائز قرار دیا ہے۔ ۲

اور فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی ذاتی رائے تھی کہ وہ دوسری احادیث میں مذکور آل محمد یا اہل بیت کے مفہوم میں اپنے آپ کو بھی داخل سمجھتی تھیں۔ واللہ اعلم۔ ۳

۱۔ رقم الحدیث ۱۰۸۱۱، کتاب الزکاۃ، باب من قال لا تحل الصدقة علی بنی ہاشم۔

۲۔ وقد نقل بن بطلان أنهم أى الأزواج لا يدخلن فى ذلك باتفاق الفقهاء وفيه نظر فقد ذكر بن قدامة أن الخلال أخرج من طريق بن أبى مليكة عن عائشة قالت إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة قال وهذا يدل على تحريمها قلت وإسناده إلى عائشة حسن وأخرجه بن أبى شيبه أيضا وهذا لا يقدح فيما نقله بن بطلان وروى أصحاب السنن وصححه الترمذی وبن حبان وغيره عن أبى رافع مرفوعا إنا لا تحل لنا الصدقة وأن موالى القوم من أنفسهم وبه قال أحمد وأبو حنيفة وبعض المالكية كابن الماجشون وهو الصحيح عند الشافعية وقال الجمهور يجوز لهم لأنهم ليسوا منهم حقيقة ولذلك لم يعوضوا بخمس الخمس (فتح الباری لابن حجر، ج ۳ ص ۳۵۶، قوله باب الصدقة علی موالى أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۔ فهذا السند محتج به، ولا تظهر ثمرة هذا الحكم بعد وفات أزواجه علیہ الصلاة والسلام، اما تحقیق المسئلة فى نفسها فالذى يجمع به بين نقل اتفاق الفقهاء، وحديث عائشة ان يقال يحل

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میل کچیل کی بناء پر صدقہ کے محمد و آل محمد کو مناسب نہ ہونے کی حدیث

(۱۰)..... حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اجْتَمَعَ رَبِيعَةُ بْنُ الْحَارِثِ، وَالْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَا: وَاللَّهِ،
لَوْ بَعَثْنَا هَذَيْنِ الْغُلَامَيْنِ، قَالَا لِي وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَاهُ، فَأَمَرَهُمَا عَلَى هَذِهِ الصَّدَقَاتِ، فَأَذْيَا
مَا يُؤَدِّي النَّاسُ، وَأَصَابَا مِمَّا يُصِيبُ النَّاسُ، قَالَ فَبَيْنَمَا هُمَا فِي
ذَلِكَ جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمَا، فَذَكَرَا لَهُ ذَلِكَ،
فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: لَا تَفْعَلَا، فَوَاللَّهِ، مَا هُوَ بِفَاعِلٍ، فَانْتَحَاهُ
رَبِيعَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَالَ: وَاللَّهِ، مَا تَصْنَعُ هَذَا إِلَّا نَفَاسَةً مِنْكَ عَلَيْنَا،
فَوَاللَّهِ، لَقَدْ نَلَتْ صَهْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا نَفْسُنَا
عَلَيْكَ، قَالَ عَلِيُّ: أَرُسَلُوهُمَا، فَانْطَلَقَا، وَاضْطَجَعَ عَلِيُّ، قَالَ: فَلَمَّا
صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ سَبَقْنَاهُ إِلَى الْحُجْرَةِ،
فَقُمْنَا عِنْدَهَا، حَتَّى جَاءَ فَأَخَذَ بَأَذَانِنَا، ثُمَّ قَالَ: أَخْرِجَا مَا تَصَرَّرَانِ ثُمَّ
دَخَلَ وَدَخَلْنَا عَلَيْهِ، وَهُوَ يَوْمِيذٍ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، قَالَ:
فَتَوَاكَلْنَا الْكَلَامَ، ثُمَّ تَكَلَّمْ أَحَدُنَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْتَ أَكْبَرُ
النَّاسِ وَأَوْصَلُ النَّاسِ، وَقَدْ بَلَغْنَا النِّكَاحَ، فَجِئْنَا لِنُؤْمِرَنَا عَلَى بَعْضِ

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

الصدقة لهن، كما قال الفقهاء ويكون الحرمة اجتهادا من عائشة مستندة الى قوله عليه السلام: ولا لآل محمد. رواه مسلم وعممت معنى الآل الشامل للازواج، ولعل مستند اتفاق الفقهاء الاحاديث التي ورد بلفظ ”بنی هاشم“ ففهموا انه تفسير للآل وايضا اكله صلى الله عليه وسلم لحما تصدق به على بريرة مولاة عائشة من غير تفتيش منه انها واجبة ام غير واجبة، يدل ظاهرا على حل مطلق الصدقة للازواج، فان مولاة الازواج كالازواج، والله اعلم (اعلاء السنن، ج ۹ ص ۹۵، كتاب الزكاة، من يجوز دفع الصدقات اليه ومن لا يجوز)

هَذِهِ الصَّدَقَاتِ، فَنُؤَدِّي إِلَيْكَ كَمَا يُؤَدِّي النَّاسُ، وَنُصِيبَ كَمَا يُصِيبُونَ، قَالَ: فَسَكَتَ طَوِيلًا حَتَّى أَرَدْنَا أَنْ نُكَلِّمَهُ، قَالَ: وَجَعَلْتُ زَيْنَبُ تُلْمِعُ عَلَيْنَا مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ أَنْ لَا تُكَلِّمَاهُ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَبْغِي لِي آلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، أَدْعُوا لِي مَحْمِيَةً، وَكَانَ عَلَى الْخُمْسِ، وَنَوَفَلَ بِنَ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: فَجَاءَهُ، فَقَالَ لِمَحْمِيَةٍ: أَنْكِحْ هَذَا الْغُلَامَ ابْنَتَكَ لِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ فَأَنْكِحَهُ، وَقَالَ لِنَوَفَلَ بْنِ الْحَارِثِ: أَنْكِحْ هَذَا الْغُلَامَ ابْنَتَكَ لِي فَأَنْكِحْنِي وَقَالَ لِمَحْمِيَةٍ: أَصْدِقْ عَنْهُمَا مِنَ الْخُمْسِ كَذَا، وَكَذَا (مسلم) ۱

ترجمہ: ربیعہ بن حارث اور عباس بن عبدالمطلب جمع ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر ہم ان دونوں یعنی عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجیں اور یہ دونوں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کریں کہ آپ انہیں صدقات (وزکاة وصول کرنے) کا عامل بنادیں اور دونوں اسی طرح وصول کر کے (امانت داری کے ساتھ) ادا کریں، جس طرح دوسرے لوگ ادا کرتے ہیں، تو انہیں بھی (محنت کے معاوضہ میں) وہی (نفع) مل جائے جو اور لوگوں کو ملتا ہے، یہ بات ان دونوں کے درمیان جاری تھی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، پھر وہ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے، تو انہوں نے اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے نہیں ہیں، ربیعہ بن حارث نے ان کی بات سے اعراض کرتے

۱۔ رقم الحدیث ۱۰۷۲ "۱۶۷" کتاب الزکاة، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقة.

ہوئے کہا کہ تم ہم پر بڑائی جتلاتے ہوئے کہہ رہے ہو اور اللہ کی قسم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل ہوا تو ہم نے اس پر آپ سے حسد نہیں کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ان دونوں کو بھیجو، پس ہم دونوں چلے گئے اور علی رضی اللہ عنہ لیٹ گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حجرہ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور (شفقت کے طور پر) ہمارے کانوں کو پکڑا، پھر فرمایا کہ تمہارے دلوں میں جو بات ہے ظاہر کر دو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور ہم بھی (آپ کی اجازت سے آپ کے گھر میں) داخل ہوئے اور آپ اس دن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ہم نے ایک دوسرے سے گفتگو کی، پھر ہم میں سے ایک نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ سب سے زیادہ صلہ رحمی اور سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں، اب ہم جوان ہو چکے ہیں، ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ ہمیں زکاة وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمادیں، ہم بھی (لوگوں سے زکاة وصول کر کے) اسی طرح ادا کریں گے، جیسے اور لوگ آپ کے پاس آ کر ادا کرتے ہیں اور ہم کو بھی (اس محنت کے عوض میں) کچھ مل جائے گا، جیسے اور لوگوں کو ملتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم دوبارہ گفتگو کریں اور حضرت زینب پردہ کے پیچھے سے مزید گفتگو نہ کرنے کا اشارہ فرما رہی تھیں، پھر آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمد کے لیے مناسب نہیں، کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے، میرے پاس حمیہ اور نوفل بن حارث بن عبدالمطرب کو بلاؤ اور وہ خمس (کی نگرانی اور تقسیم کی خدمت) پر مقرر و مامور تھے جب وہ حاضر ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمیہ

سے کہا کہ اس نوجوان فضل بن عباس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو، تو اس نے نکاح کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن حارث سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح اس نوجوان سے کر دو تو انہوں نے مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور حمیہ سے کہا کہ خمس سے ان دونوں کا اتنا تمہارا کر دو (مسلم)

فائدہ: ”صدقہ آل محمد کے لئے مناسب نہیں“ کے الفاظ سے اگرچہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ آل محمد کے لئے صدقہ مکروہ یا مستحب کے خلاف ہے، لیکن علمائے کرام نے دوسری احادیث میں حلال نہ ہونے کے الفاظ کے پیش نظر اس کو مکروہ تحریمی کے معنی میں مراد لیا ہے۔ ۱۔
اور اس جیسی احادیث کے پیش نظر اگر حکومت کی طرف سے زکاة وصول کرنے کے لئے ہاشمی کو عامل و نمائندہ مقرر کیا جائے، تو حنفیہ کے اصح قول اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عامل ہونے کی صورت میں بھی زکاة دینا جائز نہیں، البتہ اکثر حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔ ۲۔

۱۔ (إن الصدقة) عرفها باللام العهدية لتفيد أن المراد الصدقة المعهودة وهي الفرض (لا تنبغي) أي لا تستقيم ولا تحسن ولفظ ينبغي في استعمالهم صالحة للندب وللجوب ولا ينبغي للكرامة والتحریم فسارة يريدون به هذا وأخرى هذا والقرينة محكمة وهو هنا للتحريم (لآل محمد) أي محمد وآله وهم مؤمنون بنبي هاشم والمطلب وإطلاق الآل على الإنسان وآله شائع وسائغ ونبه على أن علة التحريم الكرامة بقوله (إنما هي أوساخ الناس) أي أدناسهم وأقدارهم لأنها تطهر أدرانهم وتزكي أموالهم ونفوسهم (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها) فهي كفسالة الأوساخ فهي محرمة عليهم بعمل أو غيره حتى من بعضهم لبعض ومن زعم استثناءه فقد أبعد ومستنده خبر مرسل ضعيف وقد سأل بعض الآل عمر أو غيره جملا من الصدقة فقال أتحب أن رجلا بادنا في يوم حار غسل ما تحت رفقته فشربته فغضب وقال أقول لي هذا قال إنما هي أوساخ الناس يغسلونها قال الطيبی: وقد اجتمع في هذا التركيب مبالغات شتى حيث جعل المشبه به أوساخ الناس لنتهجين والتقيص بتغير أو استقدار وجل حضرة الرسالة ومنع الطهارة أن ينسب إلى ذلك ولذلك جرد عن نفسه الطهارة من يسمي محمداً كأنه غيره وهو وإن الطيبات للطيبين ولا يقال كيف أباحها لبعض أمته ومن كمال إيمان المرء أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه لأننا نقول ما أباحها لهم عزيمة بل اضطرازا وكم أحاديث نراها ناهية عن السؤال فعلى الحازم أن يراها كالكلمة (فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه) (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۲۰۳۸)

۲۔ قال الحنفية في الأصح عندهم، والمالكية والشافعية وبعض الحنابلة، وهو ظاهر قول الخرقى: إنه لا يحل للهاشمي أن يكون عاملا على الصدقات بأجر منها، تنزيها لقربة النبي صلى الله عليه وسلم ﴿بیتہا شیدائے صفی پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بنو ہاشم عامل کو اس کی اجرت و معاوضہ میں زکاة دینا جائز مگر مکروہ ہے، اور حنفیہ میں سے امام طحاوی کا رجحان اس کے جائز ہونے کی طرف ہے۔ ۱

میل کچیل کی بناء پر صدقہ کے محمد و آل محمد کو حلال نہ ہونے کی حدیث

(۱۱)..... حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ رَبِيعَةَ بْنَ الْحَارِثِ قَالَ: لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ،
وَالْفَضْلِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، إِثْنَيْمَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُولَا لَهُ: اسْتَعْمِلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَى الصَّدَقَاتِ، فَأَتَى

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن شبهة الوسخ، ولما روى عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه اجتمع ربيعة والعباس بن عبد المطلب، فقالا: لو بعثنا هذين الغلامين لى وللفضل بن العباس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرهما على الصدقة، فأصابا منها كما يصيب الناس. فقال على: لا ترسلوهما. فانطلقنا حتى دخلنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يومئذ عند زينب بنت جحش، فقلنا: يا رسول الله، قد بلغنا النكاح وأنت أبر الناس وأوصل الناس، وجئناك لتؤمرنا على هذه الصدقات، فتؤدى إليك كما يؤدى الناس، ونصيب كما يصيبون. قال: فسكت طويلا، ثم قال: إن الصدقة لا تنبغى لآل محمد، إنما هى أوساخ الناس.

وفى قول للحنفية: إن أخذ الهاشمي العامل على الصدقات مكروه تحريما لا حرام.

وجوز الشافعية أن يكون الحمال والكيال والوزان والحافظ هاشميا أو مطلبيا.

وأكثر الحنابلة على أنه يباح للآل الأخذ من الزكاة عمالة، لأن ما يأخذونه أجر، فجاز لهم أخذه، كالحمال وصاحب المخزن إذا أجرهم مخزنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۳، و ص ۱۰۵، مادة "آل")

۱۔ وخالف أبو يوسف رحمه الله في ذلك آخرون، فقالوا: لا بأس أن يجتعل منها الهاشمي، لأنه إنما يجتعل على عمله، وذلك قد يحل للأغنياء. فلما كان هذا لا يحرم على الأغنياء الذين يحرم عليهم غناهم الصدقة، كان كذلك أيضا في النظر، لا يحرم ذلك على بنى هاشم الذين يحرم عليهم نسبهم أخذ الصدقة. وقد روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما تصدق به على بريدة أنه أكل منه وقال: هو عليها صدقة، ولنا هدية..... فلما كان ما تصدق به على بريدة جائزة للنبي صلى الله عليه وسلم أكله لأنه إنما ملكه بالهدية، جاز أيضا للهاشمي أن يجتعل من الصدقة، لأنه إنما يملكه بعمله، لا بالصدقة. فهذا هو النظر، وهو أصح مما ذهب إليه أبو يوسف رحمه الله في ذلك (شرح معاني الآثار، ج ۲ ص ۱۱۱ الى ۱۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بنى هاشم)

عَلَيْ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَنَحْنُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ، فَقَالَ لَهُمَا: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَسْتَعْمِلُ مِنْكُمْ أَحَدًا عَلَى الصَّدَقَةِ، قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: فَأَنْطَلَقْتُ أَنَا وَالْفَضْلُ، حَتَّى أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَنَا: إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَةُ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ، لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن النسائي) ۱

ترجمہ: ان کے والد ربیعہ بن حارث نے یہ خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبد المطلب بن ربیعہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ ہم کو صدقہ (زکاة) کی وصولی کے لئے مقرر کر دیجئے (تاکہ ہمیں اس خدمت پر معاوضہ ملے) اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے، اور ہم ابھی اسی حال میں تھے، پھر انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم دونوں میں سے کسی کو صدقات کی وصولی پر مقرر نہیں فرمائیں گے، حضرت عبد المطلب کہتے ہیں کہ پھر میں اور حضرت فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اپنی حاضری کا مقصد عرض کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے جو کہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں (نسائی، مسلم)

فائدہ: مذکورہ حدیث میں جو زکاة و صدقہ کو لوگوں کا میل کچیل فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مال کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے، پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ پانی سے میل کچیل دھویا گیا ہو، تو جس طرح سے وہ استعمال شدہ پانی میل کچیل کی وجہ سے صاف پانی کے

۱۔ رقم الحدیث ۲۶۰۹، کتاب الزکاة، باب استعمال آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصدقة، مسلم، رقم الحدیث ۱۰۷۲ "۱۶۷"

درجہ سے کمزور ہو جاتا ہے، اسی طرح زکاة و صدقہ کے مال کی حالت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے حضرات قابل اکرام و اعزاز ہیں، لہذا ان کو اس طرح کا مال پیش کرنے کے بجائے مالی غنیمت کی شکل میں ان کی ضروریات کا انتظام کرنا چاہئے، تاکہ ایک طرف تو یہ حضرات گرامی میل کچیل سے محفوظ رہیں، اور ان کا اعزاز و اکرام برقرار رہے، اور دوسری طرف کسی انسان کو بھی عطیہ و ہبہ کی شکل میں ان کے تعاون کے بوجھ کا مکلف نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ بعض احادیث و روایات میں صدقہ کو میل کچیل بتلا کر مالی غنیمت کے خمس کو اس کے متبادل کے طور پر مقرر کرنے کی علت کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ۱

۱۔ وقد ذكرنا الحكمة في تحريمها عليهم أنها مطهرة للمال وأموالهم، قال تعالى: (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم) فهي كغسالة الأوساخ، وأن آل محمد منزّهون عن أوساخ الناس وغسلاتهم، وثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم: (الصدقة أوساخ الناس)، كما رواه مسلم، وأما إن أخذها مذلة، واليد السفلى، ولا يليق بهم الذل والافتقار إلى غير الله تعالى، ولهم اليد العليا وأما أنها لو أخذوها لظال لسان الأعداء بأن محمداً يدعوننا إلى ما يدعوننا إليه ليأخذ أموالنا ويعطيها لأهل بيته. قال تعالى: (قل، لا أسألكم عليه أجراً) ولهذا أمر أن تصرف إلى فقرائهم في بلدكم. قوله: (إنا لا نأكل الصدقة)، وفي رواية مسلم: (إنا لا تحل لنا الصدقة) وفي رواية معمر: (إن الصدقة لا تحل لآل محمد)، وفي رواية الطحاوي: (إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة) (عمدة القاري للعيني، ج ۹ ص ۸۹، كتاب الزكاة، باب ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم)

وقال ابن بطال: إنما لا يأكل الصدقة لأنها أوساخ الناس، ولأن أخذ الصدقة منزلة ذنية، لقوله صلى الله عليه وسلم: (اليد العليا خير من اليد السفلى، وأيضاً لا تحل الصدقة للأغنياء، وقال تعالى: (ووجدك عائلاً فأغنى) (عمدة القاري للعيني، ج ۳ ص ۱۳۵، كتاب الهبة، باب قبول الهدية) إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد وآل محمد منزّهون عن أوساخ الناس وصيانة لمنصبه الشريف لأنها تنبئ عن ذل الآخذ وعز المأخوذ منه لقوله عليه الصلاة والسلام: "اليد العليا خير من اليد السفلى" وأبدل بها الفء الذي يؤخذ على سبيل القهر والغلبة المنبئ عن عز الآخذ وذل المأخوذ منه. وتعقب ابن المنير التعليل بأنها مذلة بأن مقتضاه تحريم الهبة عليهم ولا قائل به ولأن الواهب أيضاً له اليد العليا (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، ج ۳ ص ۷۵، كتاب الزكاة، باب ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم)

(أوساخ الناس) للتهجين والتقييب، تنفيراً واستقذاراً. وجل حضرة الرسالة ومنبع الطهارة أن ينسب إلى ذلك، ولذلك جرد عن نفسه الطاهرة من يسمي محمداً، كأنه غيره، وهو هو، فإن الطيات للطيبين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بنو ہاشم کو غسلۃ الناس سے بچنے کی حدیث

(۱۱)..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِلْعَبَّاسِ وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ: اذْكُرَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ يَأْمُرَ لَكُمَا مِنَ الصَّدَقَاتِ، وَإِنِّي سَأُحْضِرُ لَكُمَا، فَذَكَرَ ذَلِكَ الْفَضْلُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اصْبِرُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ يَا بَنِي هَاشِمٍ فَإِنَّمَا الصَّدَقَاتُ غَسَالَاتُ

النَّاسِ (المعجم الكبير، للطبرانی، رقم الحديث ۱۲۹۸۰، ج ۲۱ ص ۲۳۵)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور فضل بن عباس سے فرمایا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرو کہ وہ تم دونوں کے لئے صدقات دینے کا حکم فرمائیں، اور تمہاری اس بات کے وقت میں حاضری دوں گا، تو یہ بات فضل بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنو ہاشم! تم اپنے اوپر صبر کرو، پس صدقات لوگوں کا دھوون ہیں (طبرانی)

فائدہ: محدثین کے قواعد کے مطابق اس حدیث کی سند پر کلام ہے، اور اسی وجہ سے اس حدیث کو بعض اہل علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن قلت: فكيف أباحها لبعض أمته، فإن من كمال إيمان المرء أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه؟ قلت: ما أباحها لهم عزيمة، بل اضطراراً (شرح المشكاة للطیسی، ج ۵ ص ۱۵۰۳، کتاب الزکاة، باب من لا تحل له الصدقة)

۱۔ قال الالبانی: (اصبروا على أنفسكم يا بني هاشم! فإنما الصدقات غسالات الناس). ضعیف. أخرجه الطبرانی في "المعجم الكبير" (۲۳۵/۲۱/۱۲۹۸۰) "من طريق ابن لهيعة: حدثني الحارث بن يزيد عن أبي حمزة الخولاني عن ابن عباس: أن عمر بن الخطاب قال للعباس وللفضل بن عباس: ﴿بقيہ حاشیہ﴾ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴿

خمس کو صدقہ کا عوض بنانے کی حدیث اور متعلقہ بحث

(۱۳)..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِبْتُ لَكُمْ عَنْ غَسَاةِ الْأَيْدِي، لِأَنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ مَا يُغْنِيكُمْ أَوْ يَكْفِيكُمْ (تفسیر

ابن ابی حاتم) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل (یعنی زکاة و صدقہ کا مال) دور کر دیا ہے، کیونکہ تمہیں غنی کرنے اور تمہاری کفایت کے لئے مال غنیمت کے خمس کا خمس موجود ہے (تفسیر ابن ابی حاتم)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

فَقَالَ لَهُمَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَيْءٌ، وَلَا غَسَاةُ الْأَيْدِي إِنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ

لَمَّا يُغْنِيكُمْ أَوْ يَكْفِيكُمْ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۱۵۴۳)

ترجمہ: تو اُن دونوں (یعنی نوفل بن حارث کے بیٹوں) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے اے اہل بیت! صدقات حلال نہیں ہیں، اور نہ ہاتھوں کا دھوون (یعنی زکاة و صدقہ) پس بے شک تمہیں غنی کرنے اور تمہاری کفایت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اذكرا للنبي صلى الله عليه وسلم أن يأمر لكما من الصدقات، وإني سأحضر لكما. فذكر ذلك الفضل لرسول الله صلى الله عليه وسلم؛ فقال ... فذكره.

قلت: وهذا إسناد ضعيف؛ لحال ابن لهيعة المعروف في الضعف. و (أبو حمزة الخولاني) : أوردته الذهبى فى "الكفى" (۱۸۰۶/۲۰۳) "وقال": عن جابر بن عبد الله ، ولم يزد (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۷۰۱۶)

۱۔ رقم الحديث ۹۰۹۳، ج ۵ ص ۱۷۰۵، سورة الانفال، احكام القرآن جصاص، ج ۴ ص ۳۳۷، سورة التوبة، باب ذوى القربى الذين تحرم عليهم الصدقة.

کے لئے مالی غنیمت کے کُٹمس کا کُٹمس موجود ہے (طبرانی)
 فائدہ: مذکورہ حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، بعض نے ضعیف یا غیر معمولی ضعیف
 قرار دیا ہے۔ ۱

لیکن اس کے برعکس بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔
 چنانچہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
 رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ حُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ الْمُلقَّبُ بِحَنَشٍ،
 وَفِيهِ كَلَامٌ كَثِيرٌ، وَقَدْ وَثَّقَهُ أَبُو مَحْصَنٍ (مجمع الزوائد) ۲

ترجمہ: اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اور اس حدیث میں حسین
 بن قیس ہیں، جن کا لقب حنش ہے، اور ان کے متعلق بہت کلام ہے، اور ان کو

۱۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی حسین بن قیس رجبی ہیں، جن کا لقب حنش ہے، اور ان پر
 محدثین نے جرح کی ہے۔

(ت ق) الحسن بن قیس الرحبی، أبو علی الواسطی: ولقبه "حنش"، قال أبو عبد الله البخاری فی
 "تاریخہ الکبیر": "حسین بن قیس أبو علی الرحبی، ويقال: حنش، عن عكرمة، ترك أحمد
 حديثه. وكذا قاله فی كتاب "الضعفاء" لم يغاز حرقا، وقال أبو بكر البزار: لبن الحديث، روى عنه
 سليمان التيمي، وقال: عنده أحاديث صالحة عن عكرمة عن ابن عباس انتهى.

لم أر من نسبه واسطيا غير المزي، إنما ينسبونه إلى رحية مالك بن طوق -بلدة على الفرات،
 ساكنة الحاء، ومنهم من زعم أنه سكن البصرة، والله أعلم، فينظر. ولما ذكره أبو محمد بن
 الجارود في جملة "الضعفاء" قال: قال محمد بن يحيى: هو منكر الحديث، وقال ابن المديني
 -فيما حكاه ابنه -: ليس هو عندى بالقوى، وقال الساجي: ضعيف الحديث متروك، يحدث
 بأحاديث بواطيل، وذكره أبو القاسم البلخي وأبو العرب في جملة "الضعفاء"، وقال مسلمة في
 كتاب "الصلة": "مجهول، وقال مسعود: سألت أبا عبد الله -يعني الحاكم- عنه، فقال: بصرى ثقة،
 وخرج حديثه في "صحيحه"، وقال أبو أحمد الحاكم: ليس هو بالقوى عندهم، وفي "كتاب ابن
 الجوزي" "رحمه الله تعالى: قال الدارقطني: متروك الحديث، وقال الجوزجاني: أحاديثه منكورة
 جدا فلا تكتب، وقال أبو حاتم البستي: كان يقلب الأخبار، ويلزق رواية الضعفاء بالثقات، كذب
 أحمد بن حنبل، وتركه يحيى بن معين، وقال مسلم في "الكنى": "منكر الحديث (التراجم الساقطة
 من كتاب إكمال تهذيب الكمال لمُعْتَطَاي، ۱ ص ۶۴، تحت ترجمة حسين بن قيس رجبی)

۲۔ تحت رقم الحديث ۴۳۹۳، كتاب الزكاة، باب الصدقة لرسول الله صلى الله عليه وسلم
 وآله وللمواليهم.

ابو محسن (بن نمیر) نے ثقہ قرار دیا ہے (مجمع الزوائد)
اور علامہ ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنُ الْإِسْنَادِ (تفسیر ابن کثیر) ۱

ترجمہ: یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے (ابن کثیر)

اور ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَهُوَ إِسْنَادٌ حَسَنٌ (مرقاۃ المفاتیح) ۲

ترجمہ: اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے (مرقاۃ)

اور علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَهُوَ إِسْنَادٌ حَسَنٌ (فتح القدیر) ۳

ترجمہ: اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے (فتح القدیر)

اور امام زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي تَفْسِيرِهِ فِي سُورَةِ الْأَنْفَالِ: حَدَّثَنَا أَبِي ثَنَا
إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَهْدِيٍّ الْمِصْيَصِيُّ ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ بِهِ، بَلَفْظُ:
رَغِبْتُ لَكُمْ عَنْ غَسَالَةِ أَيْدِي النَّاسِ، إِنَّ لَكُمْ مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ
لَمَّا يُغْنِيكُمْ، اِنْتَهَى، وَهَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ مَهْدِيٍّ وَثَّقَهُ
أَبُو حَاتِمٍ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ مُعِينٍ: يَأْتِي بِمَنَّا كَثِيرٌ، وَرَوَى الطَّبْرِيُّ فِي
"تَفْسِيرِهِ" حَدَّثَنَا ابْنُ وَكِيعٍ ثَنَا أَبِي عَنْ شَرِيكَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ
مُجَاهِدٍ، قَالَ: كَانَ آلُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَحِلُّ لَهُمُ الصَّدَقَةُ،
فَجَعَلَ لَهُمُ خُمْسَ الْخُمْسِ، وَفِي لَفْظٍ: قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

۱ ج ۴ ص ۵۷، سورة الانفال، رقم الآية ۴۱.

۲ ج ۶ ص ۲۵۷، ۲۵۸، كتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم والغلول فيها.

۳ ج ۵ ص ۵۰۵، كتاب السير، فصل في كيفية القسمة.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَهْلُ بَيْتِهِ لَا يَأْكُلُونَ الصَّدَقَةَ، فَجَعَلَ لَهُمْ خُمْسَ

الْخُمْسِ (نصب الراية في تخریج احادیث الهدایة) ۱

ترجمہ: اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر کی سورہ انفال میں روایت کیا ہے کہ ہم سے ہمارے والد نے حدیث بیان کی، ان سے ابراہیم بن مہدی مصیسی نے حدیث بیان کی، ان سے معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، ان الفاظ میں کہ ”میں نے تم سے لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل (یعنی زکاۃ و صدقہ کا مال) دور کر دیا ہے، کیونکہ تمہیں غنی کرنے کے لئے مال غنیمت کا خمس موجود ہے“ اتنی، اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے، اور ابراہیم بن مہدی کو ابو حاتم نے ثقہ قرار دیا ہے، اور یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ منکر باتوں کو روایت کرتا ہے، اور طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہم سے ابن وکیع نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ہمارے والد نے شریک کی سند سے، انہوں نے حسیف سے، انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے صدقہ حلال نہیں تھا، تو ان کے لئے مال غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کر دیا گیا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت صدقہ نہیں کھاتے تھے، تو ان کے لئے مال غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کر دیا گیا (نصب الراية)

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کو بہت سے اہل علم حضرات نے ضعیف کے بجائے حسن اور معتبر قرار دیا ہے۔

ممکن ہے کہ ان حضرات کی مراد مذکورہ حدیث سے حسن لعینم ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ حسن

لغیرہ ہو۔ ۲

۱ ج ۳ ص ۲۲۵، کتاب السیر، فصل فی کیفیة القسمة.

۲ بعض حضرات کے نزدیک ”حسن لذاتہ“ وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جس میں کوئی راوی ایسا ہو کہ اس کے ثقہ یا کمزور ہونے کے کسی پہلو پر بھی محدثین کا اتفاق نہ ہو، بلکہ اختلاف ہو، کچھ ثقہ اور کچھ بغیرہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴿

جبکہ امام حاکم نے حش کی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم، حش کو ثقہ و معتبر راوی قرار دیتے ہیں، لہذا ان کے نزدیک بھی یہ حدیث معتبر و مستند ہوگی۔ ۱۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث بعض حضرات کے نزدیک حسن و معتبر ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک ضعیف ہے، مگر زیادہ ضعیف نہیں ہے، اور ان کے نزدیک کسی دوسری حدیث کی تائید کے ہوتے ہوئے یہ حدیث حسن و معتبر ہو سکتی ہے۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ضعیف وغیرہ کہتے ہوں، اور ”حسن لغیرہ“ وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جو حدیث کسی راوی کی وجہ سے تو ضعیف ہو، لیکن اس راوی کا کوئی متابع موجود ہو، یا اس کی تائید کسی دوسری حدیث سے ہوتی ہو، خواہ وہ دوسری حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا يمنع من كونه حسنا كون في إسناده مؤمل بن إسماعيل؛ لأن الاختلاف فيه لا يخرج حديثه عن حد الحسن إذا انضم إليه من الشواهد ما يقويه كما هو شأن الحسن لغیره (نیل الاوطار للشوکانی، ج ۶ ص ۱۶۳، کتاب النکاح، باب ما جاء فی نکاح المتعة و بیان نسخه، والتفصیل فی مقدمة اعلاء السنن ص ۳۳ و ص ۳۴، وظفر الامانی ص ۱۴۴، الفصل الثانی من الباب الاول)

۱۔ عن حش بن قيس الرحبي، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا يغبطن جامع المال من غير حله، -أو قال: من غير حقه، - فإنه إن تصدق لم يقبل منه، وما بقى كان زاده إلى النار هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۲۱۳۷)

عن حسين بن قيس، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحاب الكيل والوزن: إنكم قد وليتم أمرا فيه هلكة الأمة السالفة هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۲۲۳۲)

حش بن قيس الرحبي يقال له: أبو علي من أهل اليمن سكن الكوفة ثقة وقد احتج البخاري بعكرمة، وهذا الحديث قاعدة في الزجر عن الجمع بلا عذر، ولم يخرجاه (مستدرک حاکم، تحت رقم الحديث ۱۰۲۰)

عن حسين بن قيس الرحبي، عن عكرمة، عن ابن عباس، رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استعمل رجلا من عصابة وفي تلك العصابة من هو أَرْضَىٰ لله منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين، هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۰۲۳)

۲۔ چنانچہ امام ترمذی نے حش کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد ان کو حدیث میں حفظ کی جہت سے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام بویصری، امام منذری اور ناصر الدین البانی صاحب نے متابعات و شواہد کے موجود ہوتے ہوئے حش کی حدیث کے قبول ہونے کا حکم لگایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ راوی زیادہ شدید درجہ کے ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گزشتہ حدیث کی دیگر تائیدات

اور جیسا کہ امام زیلعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزرا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی تائید جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد کی روایت سے ہوتی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ضعیف نہیں ہیں، اور مؤید یا متابع کی وجہ سے ان کی حدیث حسن درجہ میں داخل ہو سکتی ہے، اور آگے حضرت مجاہد کی حدیث اس مذکورہ حدیث کی تائید کرتی ہے، جس کے پیش نظر مذکورہ حدیث کو حسن قرار دیا جائے گا۔

حدثنا حميد بن مسعدة قال: حدثنا حصين بن نمير أبو محصن قال: حدثنا حسين بن قيس الرحبى قال: حدثنا عطاء بن أبي رباح، عن ابن عمر، عن ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس، عن عمره فيم أفناه، وعن شبابه فيم أبلاه، وماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وماذا عمل فيما علم: هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من حديث الحسين بن قيس، وحسين بن قيس يضعف في الحديث من قبل حفظه وفي الباب عن أبي بزة، وأبي سعيد (سنن الترمذی، تحت رقم الحديث ۲۴۱۶، باب في القيامة)

قال البوصیری: رواه الطبرانی من طریق حسين بن قيس المعروف بحنش، وهو مختلف فيه، ضعفه جماعة، ووثقه ابن نمير، وحسن له الترمذی غیر ما حدیث، وصحح له الحاكم، ولا يضر في المتابعات، ومع ذلك لم ينفرد به حسين بن قيس عن عكرمة، فقد تابعه عليه يزيد بن أبي حبيب. كما رواه الحاكم أبو عبد الله الحافظ: ثنا أبو جعفر محمد بن محمد بن عبد الله البغدادی، ثنا يحيى بن عثمان بن صالح، ثنا أبي، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- حدث قال: "من استعمل عاملاً من المسلمين وهو يعلم أن منهم من هو أولى بذلك منه، وأعلم بكتاب الله ولمشة نبيه؟ فقد خان الله ورسوله وجميع المسلمين." ورواه البيهقي في سننه عن الحاكم به.

وله شاهد من حديث أبي بكر الصديق رواه الحاكم من طريق بكر بن خنيس وصححه، وأحمد في مسنده وفي إسناده رجل لم يسم (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۳۸۹۴ باب ترهيب من ولي شيئاً من أمور المسلمين أن يولى عليهم رجلاً وفي رعيته خير منه) وقال المنذرى: وعن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يزول قدما ابن آدم يوم القيامة حتى يسأل عن خمس عن عمره فيم أفناه وعن شبابه فيم أبلاه وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه وما عمل فيما علم.

رواه الترمذی أيضاً والبيهقي وقال الترمذی حديث غريب لا نعرفه من حديث ابن مسعود عن النبي

﴿ بقیہ حاشیہ کے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

(۱۳)..... چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

الْخُمْسُ الَّذِي لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَابَتِهِ، لَا يَأْكُلُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ شَيْئًا، فَكَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُمْسُ الْخُمْسِ، وَلِذِي قَرَابَتِهِ خُمْسُ الْخُمْسِ، وَلِلْيَتَامَى مِثْلُ ذَلِكَ، وَلِلْمَسَاكِينِ مِثْلُ ذَلِكَ، وَلِابْنِ السَّبِيلِ مِثْلُ ذَلِكَ (سنن النسائي، رقم الحديث ۴۱۴۷، كتاب قسم الفقي)

ترجمہ: وہ خمس جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے تھا، تو وہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کے لئے تھا، جو کہ صدقہ میں سے کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مالی غنیمت کے خمس کا خمس تھا، اور آپ کے قرابت داروں کے لئے بھی مالی غنیمت کے خمس کا خمس تھا، اور یتیموں کے لئے بھی اسی طرح تھا، اور مسکینوں کے لئے بھی اسی طرح تھا، اور مسافروں کے لئے بھی اسی طرح تھا (نسائی)

اور حضرت مجاہد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُ بَيْتِهِ لَا يَأْكُلُونَ الصَّدَقَةَ، فَجَعَلَ لَهُمْ خُمْسَ الْخُمْسِ (جامع البيان في تأويل القرآن للطبري) ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلی اللہ علیہ وسلم إلا من حدیث حسین بن قیس، قال الحافظ: حسین هذا هو حنش وقد وثقه حصین بن نمیر وضعفه غیره وهذا الحدیث حسن فی المتابعات إذا أضيف إلى ما قبله والله أعلم (الترغیب والترہیب للمنزری، تحت رقم الحدیث ۲۱۱)
وقال الالبانی: وقال الترمذی: "حدیث غریب لا نعرفه من حدیث ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلا من حدیث الحسین بن قیس، وهو يضعف فی الحدیث من قبل حفظه."
قلت: لكن له شواهد تدل على أنه قد حفظه من حدیث أبی ہریرۃ الأسلمی ومعاذ بن جبل (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، تحت رقم الحدیث ۹۴۶)

۱۔ رقم الحدیث ۱۶۱۱، ج ۱ ص ۵۵۳، سورۃ الانفال، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت صدقہ کا مال نہیں کھاتے تھے، تو ان کے لئے مالی غنیمت کے خمس کا خمس مقرر کیا گیا تھا (طبری، ابن ابی شیبہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

قَدْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّ فِي بَنِي هَاشِمٍ الْفُقَرَاءَ ، فَجَعَلَ لَهُمُ الْخُمْسَ مَكَانَ الصَّدَقَةِ (جامع البیان فی تاویل القرآن للطبری) ۱

ترجمہ: اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ بنو ہاشم میں بھی فقراء ہوں گے، تو اللہ نے ان کے لئے صدقہ (وزکاۃ) کی جگہ خمس مقرر فرمادیا (طبری)

یہ روایت اگرچہ فی نفسہ مرسل ہے، اور بعض حضرات کے بقول کسی قدر ضعیف ہے۔ مگر اولاً تو اس کی تائید اس سے گزشتہ حدیث سے ہوتی ہے۔ ۲

۱ رقم الحدیث ۱۶۱۱۲، ج ۱ ص ۵۵۳، سورۃ الانفال.

۲ چنانچہ اس حدیث کو بعض حضرات نے خفیف اور شریک کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ مگر اولاً تو ان کے ضعف پر اتفاق نہیں، دوسرے ان کا ضعف شدید نہیں۔

وقال السنوی الحدیث الضعیف عند تعدد الطرق یرتقی عن الضعیف الی الحسن، ویصیر مقبولاً معمولا بہ قال الحافظ السخاوی: ولا یقتضی ذالک الاحتجاج بالضعیف فان الاحتجاج انما هو بالہیئۃ المجموعۃ کالمرسل حیث اعتضد بمرسل آخر ولو ضعیفا کما قالہ الشافعی والجمهور اھ (۵۹۲ مع النیل) (اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۶)
خصیف بن عبد الرحمن الخضرمی: الإمام، الفقیہ، أبو عون الخضرمی - بکسر الخاء المعجمة - الأموی مولاہم، الجزری، الحرانی. رأى: أنس بن مالک.

وسمع: مجاہد، وسعید بن جبیر، وعکرمہ، وطبقتم. روى عنه: السفیانان، وشریک، ومحمد بن فضیل، وعتاب بن بشیر، ومروان بن شجاع، ومحمد بن سلمہ، ومعمّر بن سلیمان، وآخرون.
وثقه: یحییٰ بن معین. وقال النسائی: صالح. وقال أحمد بن حنبل: ليس بحجة. وقال أبو حاتم: سئء الحفظ. قال خصیف: قال لی مجاہد: یا أبا عون! أنا أحبك فی اللہ. وقال أبو زرعة: هو ثقة. وقال ابن حراش: لا بأس به. قال أبو فروة: ولی خصیف بیت المال. وعن جریر، قال: كان متمكنا من الإرجاء. وقال ابن أبی نجیح: كان من صالحی الناس قال النفیسی: توفي سنة ست وثلاثین ومائة.
وقال محمد بن المثنی: توفي سنة الثنتين وثلاثين. وقال عتاب بن بشیر، والبخاری: سنة سبع.
وقال أبو عبیہ، وشباب: سنة ثمان وثلاثين. وقال أحمد أيضا: ليس بقوی، تكلم فی الإرجاء.

وقال یحیی القطان: كنا نجتنب خصیفا. وقال عثمان بن عبد الرحمن الطرائفی: رأیت علی خصیف ﴿بقیہ حاشیاء گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے اس کی زبردست تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قربت داروں کے لئے شمس مقرر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور تیسرے مرسل حدیث متعدد فقہائے کرام کے نزدیک حجت ہوتی ہے، بطور خاص حضرت مجاہد جیسے تابعی کی مرسل احادیث کو متعدد محدثین نے بھی حجت مانا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ثیابا سودا، وكان على بيت المال. قلت: حديثه يرتقى إلى الحسن (سير اعلام النبلاء للذهبي، ج ۶ ص ۱۴۵، ۱۴۶)

شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک الحارث بن اوس، القاضي ابو عبد اللہ النخعي الكوفي الفقيه، احد الاعلام، مولده سنة خمس وتسعين، وتوفي فيما قيل سنة سبع وسبعين ومائة، قال ابو داود: شريك ثقة يخطي على الاعمش، وقال معاوية بن صالح: سألت ابن حنبل عنه فقال: كان عاقلاً صدوقاً محدثاً عندي وكان شديداً على اهل الريب والبدع، وقال النسائي: ليس به بأس، قال لشيخ شمس الدين: استشهد به البخاري، وخرج له مسلم متابعه، واحتج به النسائي وغيره، وروى له الاربعة (الوافي بالوفيات للصفدي، ج ۵ ص ۲۰۴)

وقال أحمد بن عبد الله العجلي: كوفي ثقة وكان حسن الحديث..... وقال علي بن حكيم الاودي: سمعت وكيعاً يقول: لم يكن أحد أروى عن الكوفيين من شريك وقال ابو توبة الربيع بن نافع: سمعت عيسى بن يونس يقول: ماريت أحداً قط أروع في علمه من شريك..... وقال سعيد بن سليمان: سمعت ابن المبارك عند خديج بن معاوية يقول: شريك أعلم بحديث الكوفيين من سفيان الثوري (تهذيب الكمال، جزء ۱۲ صفحہ ۴۷۰، ۴۷۱، ملخصاً)

۱۔ المشهور عن مالک وأحمد وأبى حنيفة رحمهم الله الاحتجاج بالمرسل (تفسير اضواء البيان، لمحمد الأمين الشنقيطي، تحت سورة النساء، جزء ۱ صفحہ ۲۹۶)

وأما الشافعي: فقد قدمنا عن النووي: أنه يعمل بمرسل التابعي الكبير إن قال به بعض الصحابة أو أكثر أهل العلم (ايضاً، تحت سورة الحج، جزء ۴ صفحہ ۴۸۶)

مرسل التابعي الكبير يحتج به عندنا إذا اعتضد بقول الصحابة. أو قول أكثر العلماء، أو غير ذلك مما سبق. وقد اعتضد هذا الحديث، فقال به من الصحابة رضى الله عنهم، من سنذكره في فرع مذاهب العلماء اهـ، كلام النووي، فظهرت صحة الاحتجاج بالحديث المذكور على كل التقديرات (ايضاً، تحت سورة المائدة، ج ۱ ص ۴۳۲)

مشهور مذهب مالک، وأبى حنيفة وأحمد - رحمهم الله تعالى - صحة الاحتجاج بالمرسل، ولا سيما إذا اعتضد بغيره كما هنا، وقد علمت من كلام النووي موافقة الشافعية. واحتج من قال بأن المرسل حجة بأن العدل لا يحذف الواسطة مع الجزم بنسبة الحديث لمن فوقها، إلا وهو جازم بالعدالة والثقة (ايضاً، تحت سورة المائدة، جزء ۱ صفحہ ۴۳۳)

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے یہ حدیث مذکورہ تائیدات کی وجہ سے حسن درجہ میں داخل ہو جاتی ہے۔
چوتھے کئی فقہائے کرام و مشائخ عظام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔
پانچویں فقہائے کرام نے بھی خمس کو زکاة کا عوض قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
اور فقہائے کرام کا استدلال بھی ایک درجہ میں حجت ہوا کرتا ہے۔
ملفوظ رہے کہ بعض فقہاء نے ایک حدیث ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ:

يَا بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ، وَعَوَضَكُمْ مِنْهَا
بِخُمْسِ الْخُمْسِ مِنَ الْغَنِيمَةِ (المحيط البرهانی) ۱

ترجمہ: اے بنو ہاشم! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہاتھوں کی دھوون اور ان کے
میل پکیل کو کمرہ کر دیا ہے، اور تمہارے لئے اس کے بدلہ میں مالی غنیمت کے خمس
کا خمس مقرر کر دیا ہے (محیط)

مگر ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث معروف اور کسی قابل ذکر حدیث کی کتاب میں دستیاب
نہیں ہے۔ ۲

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی جوا حدیث اوپر گزریں، ان کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾: أما على مذهب من يحتج بالمرسل كمالك وأبي حنيفة وأحمد فلا
إشكال، وأما على مذهب من لا يحتج بالمرسل فمرسل سعيد بن المسيب حجة عند كثير ممن لا
يحتج بالمرسل، ولا سيما أنه إذا اعتضد فأقل درجہ کہ آنہ مرسل صحیح، اعتضد بمرسل
صحیح. ومثل هذا يحتج به من يحتج بالمرسل ومن لا يحتج به، وقد قدمنا في "سورة المائدة
(ایضاً، تحت سورة النحل، جزء ۲ صفحہ ۳۳۸)

وقال يحيى القطن مرسلات مجاهد أحب إلى من مرسلات عطاء (عمدة القاری، ج ۲ ص ۵۳، باب
الفهم فی العلم)

حدثنا صالح بن أحمد بن حنبل حدثنا علي بن المديني قال مرسلات مجاهد أحب إلى من مرسلات
عطاء (المراسيل لابن أبي حاتم، جزء ۱ صفحہ ۴، رقم الحديث ۴)

۱ ج ۲ ص ۲۸۳، کتاب الزکاة، الفصل الثامن.

۲ وأما قول صاحب الهداية: لقوله عليه الصلاة والسلام: يا بني هاشم، إن الله حرم عليكم
غسالة أيدي الناس، وأوساخهم، وعوضكم منها بخمس الخمس. فغير معروف بهذا اللفظ (شرح
النقابة، ج ۲ ص ۱۶۰، كتاب الزكاة)

مطلب بھی اس جیسا ہی ہے، اس لئے کتب فقہ میں مذکور اس حدیث کو بعض حضرات نے روایت بالمعنی قرار دیا ہے، یعنی اس عبارت میں اُس حدیث کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱
اور متعدد فقہائے کرام نے بھی مالی غنیمت کے خمس کو زکاة کا عوض اور زکاة کو اس کا معوض قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانُوا مِنْ غَيْرِ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ جَعَلَ لَهُمُ الْخُمْسَ عِوَضًا مِنَ الصَّدَقَةِ فَلَا يُعْطَوْنَ مِنَ الصَّدَقَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ شَيْئًا (معرفۃ السنن والآثار، للبيهقي) ۲

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا، اور یہ سب حکم اس وقت ہے، جبکہ وہ مستحقین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے علاوہ ہوں، پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ آل جن کے لئے خمس کو صدقہ کا عوض مقرر کر دیا گیا ہے، تو ان کو فرض صدقات میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا (بیہقی)

اور ہدایہ کی شرح بنایہ میں ہے کہ:

۱۔ حدیث یابنی ہاشم إن الله حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس هو مذکور بالمعنی من حدیث عبد المطلب بن ربیعۃ مرفوعا إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد لا لآل محمد وقال فيه أصدق عنهما من الخمس أخرجه مسلم وأخرجه الطبرانی من طريق حنش عن عكرمة عن ابن عباس وفي آخره إنه لا يحل لكم أهل البيت من الصدقات شيء إنما هي غسالة الأيدي وإن لكم في خمس الخمس لما يغيثكم وروى ابن أبي شيبه والطبرانی عن مجاهد قال كان آل محمد لا تحل لهم الصدقة فجعل لهم خمس الخمس (الدرية في تخریج أحادیث الهدایة، لابن حجر العسقلانی، ج ۱، ص ۲۶۸، رقم الحدیث ۳۴۶، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه)

۲۔ تحت رقم الحدیث ۱۳۳۸۴، کتاب الصدقات، بیان اهل الصدقات.

(وَالْعَوَضُ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ الْمَعْوَضُ) ش: أَرَادَ بِالْعَوَضِ خُمُسَ الْخُمْسِ، وَبِالْمَعْوَضِ عَلَى صِيغَةِ اسْمِ الْمَفْعُولِ مِنَ التَّعْوِيزِ الزَّكَاةَ، تَقْرِيرُهُ أَنَّ الْعَوَضَ وَهُوَ الزَّكَاةُ لَا يَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى الْأَغْنِيَاءِ، فَكَذَلِكَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَوَضَ الزَّكَاةِ وَهُوَ خُمُسُ الْغَنَائِمِ لَا يُدْفَعُ إِلَيْهِمْ، لِأَنَّ الْعَوَضَ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ فَاتَ عَنْهُ الْمَعْوَضُ وَإِلَّا لَا يَكُونُ عَوَضًا لِذَلِكَ الْمَعْوَضُ (البنایہ شرح

الهدایہ، ج ۳ ص ۱، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها، فصل فی کیفیۃ القسمۃ)

ترجمہ: اور عوض صرف ان لوگوں کے حق میں ثابت ہوتا ہے، جن کے حق میں معوض ثابت ہو، عوض سے مراد مالِ غنیمت کے خمس کا خمس ہے، اور معوض سے مراد جو اسم مفعول کے صیغہ کے ساتھ تعویض سے بنا ہے، زکاة ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ عوض جو کہ زکاة ہے، اس کا اغنیاء کو دینا جائز نہیں، پس اسی طریقہ سے واجب ہے کہ زکاة کا عوض جو کہ غنائم کا خمس ہے، وہ بھی اغنیاء کو نہ دیا جائے، کیونکہ عوض بس ان لوگوں کے حق میں ثابت ہوتا ہے کہ جن سے معوض فوت ہو جائے، ورنہ تو یہ اس معوض کے لئے عوض نہیں بنتا (بنایہ)

حنفیہ کی اور کئی کتب میں بھی اسی طرح سے خمس کو زکاة کا عوض ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ۱

۱۔ وقال عليه الصلاة والسلام "يا معشر بنى هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس" والعوض إنما يثبت في حق من يثبت في حقه المعوض وهم الفقراء (الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ۲ ص ۳۹۰، كتاب السیر، فصل فی کیفیۃ القسمۃ) فيستحقون بعد وفاته -صلى الله عليه وسلم -بالفقر، حيث قال صلى الله عليه وسلم: وعوضكم منها بخمس الخمس، ولما كان عوضا عن الزكاة يستحقه من يستحق الزكاة (شرح الوقاية، ج ۲ ص ۱۳۵، باب المغنم وقسمتها)

وقال -عليه السلام -يا معشر بنى هاشم إن الله تعالى كره لكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس والعوض إنما يثبت في حق من يثبت في حقه المعوض وهم الفقراء (البحر الرائق، ج ۵ ص ۹۸، كتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد فقہائے کرام کے نزدیک مالی غنیمت کا خمس زکاة کا عوض ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والعوض إنما يثبت في حق من يثبت في حقه المعوض وهم الفقراء (یعنی أن المعوض وهو الزكاة لا يجوز دفعها إلى الأغنياء، فكل ذلك يجب أن يكون عوض الزكاة وهو خمس الغنائم لا يدفع إليهم لأن العوض إنما يثبت في حق من فات عنه المعوض وإلا لا يكون عوضا لذلك المعوض) (العناية شرح الهداية، ج ۵، ص ۵۰۴، ۵۰۵، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها، فصل في كيفية القسمة)

۱۔ مگر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے کتب فقہ میں مذکور غیر معروف حدیث کو ذکر کر کے فرمایا کہ اگر یہ حدیث قابل احتجاج سند سے ثابت بھی ہو جائے، تو اس میں خمس کے عوض زکاة ہونے کی دلیل نہیں پائی جاتی، کیونکہ سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام بنو ہاشم کی تسلی کے لئے لایا گیا ہے، تاکہ وہ زکاة وغیرہ کے منافع فوت ہونے پر غمگین نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ اگر تخری کر کے اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خمس زکاة کا عوض ہے، تو یہ حکمت کے درجہ میں ہوگا، علت کے درجہ میں نہیں، اور علت زکاة کا اوساخ الناس ہونا ہی ہے، اور اگر اس کے عوض ہونے کو علت بھی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی اس سے مطلوب حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ شریعت کے اس حکم کے جاری ہونے کی ابتداء علت ہوگی، نہ کہ اس حکم کے باقی رہنے کی، اور بقاء کے لئے اس کی شرط نہیں ہوگی، جیسا کہ مل میں، تو عوض کا زائل ہونا معوض کے کوٹنے کو مستلزم نہیں ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

فان ثبت باسناد محتج به فلا دليل فيه على ان الخمس عوض الزكاة، فان السياق يدل على ان الكلام سبق على سبيل التسلية لهم لئلا يحزنوا على فوت تلك المنافع، وما اشتهر في بعض احاديث الحرمه من زيادة "وعوضكم منها بخمس الخمس" فلم يثبت هذه الزيادة كما في فتح القدير، لكن هذا اللفظ غريب الخ (۲: ۲۱۲)

وان سلمنا على التنزيل حمل الكلام على ان ذلك حكمة لا علة، فان العلة هي كون الزكاة من اوساخ الناس وان سلمنا على التنزيل كون علة ايضا لا يثبت المطلوب فانها علة لاصل التشريع لالبقاء اى شرع هذا الحكم اولا لهذه العلة، وان لم يشترط بقاءه بها كما في الرمل فزوال العوض لا يستلزم عود المعوض لا سيما وقد اجمعت الاحاديث على ذلك ولم يرد حديث في خلافه، فافهم (اعلاء السنن، ج ۹ ص ۹۵، ۹۶، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لا يجوز)

لیکن حدیث کی سند پر کلام تو پہلے گزر چکا ہے، اور خمس کے زکاة کا عوض ہونے کی تصریح بھی فقہائے کرام کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے، اور جہاں تک حکمت یا علت کا تعلق ہے، تو بعض فقہائے کرام نے عوض کے ہی علت ہونے کو اختیار کیا ہے، اور اوساخ الناس کو حکمت کے درجہ میں رکھا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے مختلف اہل علم حضرات کی عبارات کے ذیل میں آتی ہے۔ النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- علل منعهم الصدقة باستغنائهم عنها بخمس الخمس، فقال: أليس في خمس الخمس ما ينيكم؟ (المعنى لا بن قدامة، ج ۲، ص ۴۹۰، کتاب الزکاة، فصل بنو المطلب هل لهم الأخذ من الزكاة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص قرابت داروں کے لئے زکاة و صدقہ کے بدلہ میں مالی غنیمت کے خمس کو مقرر کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے کئی اہل علم حضرات

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فخمس الخمس علة لاستغنائهم و شرط لمنعهم، فإذا زال الشرط انتفى المانع (حاشیۃ الشروانی علی تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج ۷ ص ۱۶۰، ۱۶۱، کتاب قسم الصدقات) وقد ذكرنا الحکمة فی تحریمها علیهم أنها مطهرة للملاک و أموالهم، قال تعالیٰ: (خذ من أموالهم صدقة تطهرهم) فہی کغسالة الأوساخ، وأن آل محمد منزہون عن أوساخ الناس و غسالاتهم (عمدة القاری للنعیمی، ج ۹ ص ۸۹، کتاب الزکاة، باب ما یذكر فی الصدقة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر خمس کے زکاة کا عوض ہونے کو علت بھی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی اس کو حکم کے مشروع ہونے کی علت تو کہا جائے گا، لیکن اس کے باقی رہنے کی علت نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ زل میں، اور اس وجہ سے عوض یعنی خمس کا زوال معوض یعنی زکاة کے عود کرنے کو مستلزم نہیں ہوگا۔

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خمس کو زکاة کے مشروع ہونے کی علت قرار دے کر باقی رہنے کی علت کی نفی کرنے کی کوئی مستند دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ بہت سے فقہاء و مشائخ نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔

علاوہ ازیں متعدد احادیث میں صدقہ کو بھی اوساخ الناس کہا گیا ہے، اور اکثر احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں پر صدقہ کے ہی حلال و غیرہ نہ ہونے کا ذکر آیا ہے، اور اسی وجہ سے بعض حضرات صدقہ نافلہ کے بھی حلال نہ ہونے کے قائل ہیں، مگر اکثر فقہاء نقلی صدقہ کو حلال قرار دیتے ہیں، جس سے اوساخ الناس کے علت نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

اور جہاں تک علت زل کی نظیر کا تعلق ہے، تو علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں زل کی علت پر بحث کرتے ہوئے زل کی علت کے زائل ہونے اور حکم کے باقی رہنے کے قول کو یہ فرما کر رد کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ اوداع میں بھی زل کیا ہے، اور اس کی علت خوف کے بعد امن کی نعمت کو یاد کرنا ہے، تاکہ اس پر شکر کیا جائے، اور یہ بات ممکن ہے کہ کوئی حکم متبادل ملتوں کی وجہ سے ثابت ہو، پس مشرکین کے غلبہ کے وقت زل کی علت اور تھی، اور اس علت کے زائل ہونے کے بعد علت دوسری تھی، آہنی، جبکہ ہمارے محو فیہ مسئلہ میں ایسا نہیں، واللہ اعلم۔

واعلم أن الأصل زوال الحكم عند زوال العلة؛ لأن الحكم ملزوم لوجود العلة، ووجود الملزوم بدون اللازم محال، وقول من قال إن علة الرمل في الطواف زالت وبقي الحكم ممنوع فإن النبي -صلى الله عليه وسلم- رمل في حجة الوداع تذكيراً لنعمة الأمن بعد الخوف ليشكر عليها فقد أمر الله بذكر نعمه في مواضع من كتابه وما أمرنا بذكرها إلا لنشكرها، ويجوز أن يثبت الحكم بعلة متبادلة فحين غلبة المشركين كانت علة الرمل إيهام المشركين بقوة المؤمنين، وعند زوال ذلك تكون علتة تذكير نعمة الأمن كما أن علة الرق في الأصل استتكاك الكافر عن عبادة ربه، ثم صار علتة حكم الشرع بقره وإن أسلم (البحر الرائق، ج ۲ ص ۳۵۳، کتاب الحج، باب الاحرام)

نے فرمایا کہ بنو ہاشم کو زکاة دینا اس وقت ناجائز ہے، جبکہ مالی غنیمت سے ان کے غنی ہونے اور کفایت و ضرورت پوری ہونے کا انتظام ہو، اور اگر ایسا نہ ہو، تو پھر ان کو زکاة دینا اور لینا جائز ہے، جیسا کہ آگے متعدد فقہائے کرام کی عبارات کے ضمن میں آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ تناول نہ کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قرابت داروں کے لئے صدقہ کے مناسب یا حلال نہ ہونے کا متعدد احادیث و روایات میں ذکر آیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں تمام احادیث و روایات کے الفاظ یکساں نہیں ہیں، بلکہ بعض روایات میں ”آل محمد“ کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر ۵ اور اس کے ضمن میں مذکور روایات میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ”اہل بیت“ کے لئے صدقہ حلال نہ ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر ۶ اور ۷ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ”اہل بیت کے آزاد کردہ غلاموں“ کے لئے صدقہ ممنوع ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر ۸ اور اس کے ضمن میں مذکور روایات میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ”آل محمد و ازواج“ کے لئے صدقہ حلال ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر ۹ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ”محمد و آل محمد کے لئے صدقہ کے میل کچیل کی بناء پر“ مناسب یا حلال نہ ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر ۱۰ اور ۱۱ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں ”بنو ہاشم کو غسلۃ الناس“ سے بچنے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ حدیث نمبر ۱۲ میں ذکر ہے)

اور بعض روایات میں خمس کے صدقہ کا عوض ہونے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ حدیث نمبر ۱۳ اور ۱۴ میں مذکور ہے)

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

(فصل نمبر ۳)

بنو ہاشم کو زکاة کے جواز سے متعلق اہل علم کے اقوال

دیگر فقہائے کرام کے ساتھ ساتھ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایت کے مطابق بھی عام حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص رشتہ داروں یعنی بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز نہیں، جن کو کہ ہاشمی کہا جاتا ہے، اور فقہ حنفی وشافعی وغیرہ کی بہت سی کتب میں اسی قول کو رائج قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے مطابق حکم بیان کیا جاتا رہا ہے۔

البتہ اگر زکاة کا مال کسی غیر ہاشمی غریب کو مالک بنا کر دے دیا جائے، اور پھر وہ مالک بننے کے بعد اپنی خوشدلی سے وہ مال کسی ہاشمی کو فروخت یا ہبہ کرے، یا اس کو کھلائے پلائے، تو جائز ہے۔ ۱

لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ موجودہ زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غریب اور تنگ دست بنو ہاشم کی ضرورت کے لئے مال غنیمت اور مال فئی میں سے مستقل حصہ دیا جاتا تھا، اور اب مال غنیمت وغیرہ سے ان کے لئے عملی طور پر اس کا انتظام نہیں، اس لئے اب ان کو زکاة دینا جائز ہے، اور بعض حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور بعض حضرات کے بقول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو زکاة دینا جائز ہے۔ ۲

۱۔ اور اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنے الگ مضمون میں ذکر کر دی ہے، جو اسی کتاب میں پیچھے گزر چکا ہے۔

۲۔ ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

حدثنا ابن ناجية قال: ثنا زيد بن علي بن الحسين بن زيد بن علي بن حسين أبو الحسين

قال: حدثني علي بن جعفر بن محمد، عن حسين بن زيد، عن علي بن حسين، أن

﴿بقية حاشيا لگے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہی قول بعض شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا بھی ہے، اور ان کے متبعین میں سے کئی جلیل القدر مشائخ اہل علم حضرات کا فتویٰ بھی آج کے دور میں جبکہ بنو ہاشم کے لئے شمس کا انتظام نہیں، اسی کے مطابق ہے۔

اور ہمارا اپنا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العباس قال : يا رسول الله، إنك قد حرمت علينا صدقات الناس فهل لنا صدقات بعضنا على بعض؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم . وسقطت كلمة، قال حسين بن زيد : فرأيت مشيخة أهل بيتي يشربون الماء في المسجد إذا كان لبني هاشم ويكرهونه إذا لم يكن لبني هاشم (الفوائد الشهير بالغيلانيات لابی بكر الشافعي، رقم الحديث ۲۷۸)

فی حاشیة الایماء: فی الإسناد زید بن علی وعلی بن جعفر، قال الحافظ فی کل منهما: مقبول (الإیماء إلى زوائد الأمالی والأجزاء، تحت رقم الحديث ۷۷۱، لنبیل سعد الدین سلیم جزاء)

حدثنا أبو محمد الحسن بن محمد بن يحيى بن الحسن بن جعفر بن عبيد الله بن الحسين بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب، ابن أخي طاهر العقيقي، قال : حدثنا أبو محمد إسماعيل بن محمد بن إسحاق بن جعفر بن محمد قال : حدثني علي بن جعفر بن محمد، عن الحسين بن زيد، عن عمه عمر بن علي بن الحسين، عن أبيه، أن العباس بن عبد المطلب، قال : يا رسول الله إنك حرمت علينا صدقات الناس، فهل تحل صدقة بعضنا لبعض؟ قال : نعم قال : حسين فرأيت مشيخة أهل بيتي يشربون من الماء في المسجد، إذا كان لبعض بني هاشم، ويكرهون ما لم يكن لبني هاشم قال أبو عبد الله : رواة هذا الحديث كلهم هاشميون (معرفة علوم الحديث للحاكم، رقم الحديث ۳۵۹)

ملاحظ رہے کہ امام حاکم کی سند یہ ہے، جس کے بعض راویوں پر شدید کلام ہے، مگر وہ راوی ابو بکر شافعی کی اس سے پہلے ذکر شدہ سند میں موجود نہیں، اور صاحب نیل الاوطار نے اس حدیث کے رواۃ کا صاحب میزان سے متہم ہونا ذکر کیا ہے، مگر ہمیں صاحب میزان سے اس کی تصریح نہیں ملی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

و أما ما استدلل به القائلون بحلها للهاشمي من الهاشمي من حديث العباس الذي أخرجه الحاكم في النوع السابع والثلاثين من علوم الحديث بإسناد كله من بني هاشم أن العباس بن عبد المطلب قال : قلت : يا رسول الله إنك حرمت علينا صدقات الناس، هل تحل لنا صدقات بعضنا لبعض؟ قال : نعم فهذا الحديث قد أتهم به بعض رواة، وقد أطلأ صاحب الميزان الكلام على ذلك فليس بصالح لتخصيص تلك العمومات الصحيحة (نيل الاوطار للشوكاني، ج ۳ ص ۲۰۵، كتاب الزكاة، باب تحريم الصدقة على بني هاشم ومواليهم دون موالى أزواجهم)

آگے چاروں فقہائے کرام کے سلسلہ کی کتابوں سے ایسے اقوال و عبارات کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ موجودہ دور میں ضرورت و حاجت کے وقت چاروں فقہ کے اہل علم حضرات کی ایک بڑی جماعت جواز کی قائل رہی ہے، اور اب بھی ہے، اور یہ قول بے بنیاد اور بلا دلیل نہیں، اور پھر ان اقوال کی روشنی میں ضرورت و حاجت کے وقت گنجائش کے قول پر غور و فکر اور عمل کیا جاسکے۔

(۱)..... امام طحاوی کی عبارت

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”شرح معانی الآثار“ میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی جواز کی ایک روایت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ: تِلْكَ الصَّدَقَةُ، إِنَّمَا هِيَ الزَّكَاةُ خَاصَّةً، فَأَمَّا مَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ الصَّدَقَاتِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، قِيلَ لَهُ: فِي هَذِهِ الْأَثَارِ مَا قَدْ دَفَعَ مَا ذَهَبَتْ إِلَيْهِ، وَذَلِكَ مَا فِي حَدِيثِ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَتَى بِالشَّيْءِ سَأَلَ أَهْدِيَّةً أَمْ صَدَقَةً؟ فَإِنْ قَالُوا صَدَقَةً، قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُّوْا وَاسْتَغْنِ بِقَوْلِ الْمَسْئُولِ إِنَّهُ صَدَقَةٌ عَنْ أَنْ يَسْأَلَهُ صَدَقَةً مِنْ زَكَاةٍ، أَمْ غَيْرِ ذَلِكَ؟ فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ حُكْمَ سَائِرِ الصَّدَقَاتِ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ، وَفِي حَدِيثِ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: فَجِئْتُ فَقَالَ: أَهْدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ، فَقُلْتُ: بَلْ صَدَقَةٌ، لِأَنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكُمْ قَوْمٌ فَقَرَاءُ، فَأَمْتَنَعَ مِنْ أَكْلِهَا لِذَلِكَ، وَإِنَّمَا كَانَ سَلْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَوْمئِذٍ عَبْدًا، مِمَّنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ زَكَاةٌ، فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ كُلَّ الصَّدَقَاتِ مِنَ التَّطَوُّعِ وَغَيْرِهِ قَدْ كَانَ

مُحَرَّمًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلَى سَائِرِ بَنِي هَاشِمٍ.

وَالنَّظَرُ أَيْضًا يَدُلُّ عَلَى اسْتِثْوَاءِ حُكْمِ الْفَرَايِضِ وَالتَّطَوُّعِ فِي ذَلِكَ، وَذَلِكَ أَنَّا رَأَيْنَا غَيْرَ بَنِي هَاشِمٍ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ وَالْفُقَرَاءِ، فِي الصَّدَقَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ وَالتَّطَوُّعِ، سَوَاءً مَنْ حَرَّمَ عَلَيْهِ أَخَذَ صَدَقَةً مَفْرُوضَةً، حَرَّمَ عَلَيْهِ أَخَذَ صَدَقَةً غَيْرِ مَفْرُوضَةٍ، فَلَمَّا حَرَّمَ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ أَخَذَ الصَّدَقَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ، حَرَّمَ عَلَيْهِمْ أَخَذَ الصَّدَقَاتِ غَيْرِ الْمَفْرُوضَاتِ، فَهَذَا هُوَ النَّظَرُ فِي هَذَا الْبَابِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَأَبِي يُوسُفَ، وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى.

وَقَدْ اخْتَلَفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي ذَلِكَ، فَرَوَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَذَهَبَ فِي ذَلِكَ عِنْدَنَا إِلَى أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حُرْمَتُ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمْسِ مِنْ سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبَى، فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِكَ عَنْهُمْ وَرَجَعَ إِلَى غَيْرِهِمْ، بِمَوْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَلَّ لَهُمْ بِذَلِكَ مَا قَدْ كَانَ مُحَرَّمًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا قَدْ كَانَ أَحِلَّ لَهُمْ. وَقَدْ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي يُوسُفَ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ فِي ذَلِكَ، مِثْلَ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، فَبِهَذَا نَأْخُذُ (شرح معانی الآثار) ۱

ترجمہ: پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ یہ صدقہ تو زکاة کے ساتھ خاص ہے، تو جو اس زکاة کے علاوہ دوسرے تمام صدقات ہیں، تو ان کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے مخصوص قربت داروں پر) خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے؟ تو اسے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ آثار (وروايات) اس بات کو رد کرتی ہیں، جو آپ کہتے ہیں، جیسا کہ حضرت بہز بن حکیم کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی چیز آتی تھی، تو آپ یہ سوال کرتے تھے کہ کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے؟ پس اگر لوگ کہتے کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ اپنے صحابہ سے فرماتے کہ تم کھا لو، اور آپ اس جواب کو کافی سمجھتے تھے کہ یہ صدقہ ہے، یہ سوال نہیں فرماتے تھے کہ زکاة والا صدقہ ہے یا غیر زکاة والا، تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس سلسلہ میں تمام صدقات کا حکم برابر ہے (یعنی زکاة اور واجب و نفلی ہر قسم کے صدقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص قربت داروں پر حرام ہیں) اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ صدقہ ہے، کیونکہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ فقیر (و غریب) قوم ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا، اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس وقت ایسے شخص کے غلام تھے کہ جس پر زکاة واجب نہیں تھی (لہذا یہ مال بھی زکاة کے علاوہ سے ہوگا) تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ تمام صدقات خواہ نفلی ہوں یا غیر نفلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھے، اور تمام بنو ہاشم پر بھی حرام تھے، اور عقل بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرائض اور نفل (صدقات) کا حکم اس بارے میں برابر ہونا چاہئے، اور وہ اس طرح سے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنو ہاشم کے علاوہ مالدار اور فقیر (یعنی غریب) لوگ فرض اور نفل صدقات میں برابر ہیں، جس کو فرض صدقہ (یعنی زکاة) لینا حرام ہے، اس کو غیر فرض (یعنی واجب اور نفل) صدقہ لینا بھی حرام ہے، پس جب بنو ہاشم پر فرض

صدقات حرام ہو گئے، تو ان پر غیر فرض صدقات بھی حرام ہو گئے، پس اس باب میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے، اور یہی ابوحنیفہ اور ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اور (بنو ہاشم کو زکاة و صدقات دینے کے مسئلہ میں) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مختلف روایات مروی ہیں، امام ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ بنو ہاشم کو تمام صدقات (بشمول زکاة) کے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ قول ہمارے نزدیک اس لئے اختیار کیا ہے کہ بنو ہاشم کو صدقات دینا اس لئے حرام تھا کہ ان کے لئے ذوی القربی (یعنی بنو ہاشم وغیرہ) کے حصہ کا خمس مقرر کیا گیا تھا، پھر جب ان کا یہ حق منقطع (ختم) ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے دوسروں کی طرف لوٹ گیا، تو بنو ہاشم کے لئے وہ صدقات (بشمول زکاة کے) حلال ہو گئے، جو ان پر اس وجہ سے حرام کئے گئے تھے کہ ان کے لئے خمس حلال کیا گیا تھا۔

اور ہم سے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب نے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے محمد سے، انہوں نے ابو یوسف سے، انہوں نے ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے اس بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی طرح، تو ہم اسی کو لیتے ہیں (شرح معانی الآثار للطحاوی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ بنو ہاشم کو تمام صدقات اور زکاة دینا جائز ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک ان کو مال غنیمت کے خمس سے حصہ ملا کرتا تھا، اس وقت تک ان کو زکاة دینا منع تھا، کیونکہ بنو ہاشم کی ضرورت متبادل ذریعہ سے پوری ہو رہی تھی، اور ایسی حالت میں زکاة ان کو دینے میں دوسرے لوگوں کی حق تلفی تھی، اور بنو ہاشم کے اعزاز و اکرام کے بھی خلاف تھا، پھر جب ان کو مال غنیمت کا

نفس ملنا بند ہو گیا، تو ان پر زکاة ناجائز نہیں رہی۔

ملاحظہ رہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کے موقف کے متعلق بعض اہل علم حضرات نے یہ قرار دیا ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا اپنا رجحان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جواز والی روایت کی طرف ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مگر بعض اہل علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ امام طحاوی کی مذکورہ عبارت سے ان کا یہ رجحان ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس عبارت میں ان کا اپنا رجحان اس طرف ہے کہ بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ کچھ بھی جائز نہیں، البتہ انہوں نے کسی اور کتاب یا عبارت میں اپنے اس رجحان کا ذکر کیا ہو، تو الگ بات ہے، اور اس کا فیصلہ ان کی وہ عبارت سامنے آنے پر ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار کی مذکورہ عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَهَذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ الطَّحَاوِيَّ مَا اخْتَارَ رِوَايَةَ الْحِلِّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ
بَلْ أَخَذَ بِالرِّوَايَةِ الَّتِي وَافَقَتْ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ ، وَهِيَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ
الَّتِي ذَكَرَهَا أَوَّلًا مِنْ إِسْتِوَاءِ حُكْمِ التَّحْرِيمِ فِي الْفَرِيضَةِ وَالتَّطَوُّعِ ،
وَاللَّهُ أَعْلَمُ (فتح الملهم بشرح صحيح مسلم) ۱

ترجمہ: اور یہ (امام طحاوی کی عبارت) صریح ہے، اس بارے میں کہ امام طحاوی

۱ ج ۳ ص ۱۰۰، کتاب الزکوة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وهم بنو هاشم وبنو
المطلب دون غيرهم، مطبوعة: مكتبة الرشيدية، كراتشي، باكستان.

ملاحظہ رہے کہ فتح الملہم کا جو نسخہ کویت دار الضیاء سے الطبعة الاولى ۱۴۲۶ھ-2006ء میں شائع ہوا ہے، اس میں مذکورہ بالا پوری اور مزید براں غیر معمولی عبارت کتابت سے رہ گئی ہے، جبکہ اصل نسخہ میں یہ عبارت موجود ہے، اور ہم نے جس نسخہ سے یہ عبارت لی ہے، وہ نسخہ قدیمی نسخہ ہے، اور اسی طرح یہ عبارت ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی کے مکتبہ سے شائع ہونے والے نسخہ میں بھی موجود ہے (ملاحظہ ہو: فتح الملہم، ج ۵ ص ۱۷۳، ادارۃ المعارف، کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۳۰ھ) اس لئے دار الضیاء کے طابعین و ناشرین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حذف شدہ عبارت کو آئندہ کتابت میں شامل کریں۔
محمد رضوان۔

نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حلت والی روایت کو اختیار نہیں کیا، بلکہ اس روایت کو اختیار کیا ہے، جو امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہے، اور وہی ظاہر الروایۃ ہے، جس کو انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے، یعنی حرمت کا حکم برابر ہے، فرض اور نفل صدقات میں، واللہ اعلم (فتح الملہم)

جہاں تک امام طحاوی رحمہ اللہ کی اس بات کا تعلق ہے کہ ان کے نزدیک فرض اور غیر فرض یعنی زکاۃ اور نفلی ہر طرح کے صدقات بنو ہاشم پر حرام ہونا رائج ہے، تو اگرچہ بعض حنفیہ اسی کے قائل ہیں۔ ۱۔

۱۔ کیونکہ احادیث میں مطلق صدقہ یا صدقات کے الفاظ کے ساتھ یہ حکم بیان کیا گیا ہے، اور کسی خاص قسم کے صدقہ کی قید نہیں لگائی گئی، اور احسان کا پہلو زکاۃ اور واجب صدقہ کے علاوہ نفلی صدقہ میں بھی پایا جاتا ہے، حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

ثم لا يخفى أن هذه العمومات تنتظم الصدقة النافلة والواجبة فجروا على موجب ذلك في الواجب، فقالوا: لا يجوز صرف كفارة اليمين والطهار والقتل وجزاء الصيد وعشر الأرض وغلة الوقف إليهم. وعن أبي يوسف: يجوز في غلة الوقف إذا كان الوقف عليهم لأنهم حينئذ بمنزلة الوقف على الأغنياء فإن كان على الفقراء ولم يسم بني هاشم لا يجوز، ومنهم من أطلق في منع صدقة الأوقاف لهم، وعلى الأول إذا وقف على الأغنياء يجوز الصرف إليهم، وأما الصدقة النافلة في النهاية: ويجوز النفل بالإجماع وكذا يجوز النفل للغنى، كذا في فتاوى العتبات انتهى.

وصرح في الكافي بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف، فقال: وأما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم لأن المؤدى في الواجب يطهر نفسه بإسقاط الفرض فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، وفي النفل يتبرع بما ليس عليه فلا يتدنس بها المؤدى كمن تبرد بالماء اهـ والحق الذي يقتضيه النظر إجراء صدقة الوقف مجرى النافلة، فإن ثبت في النافلة جواز الدفع يجب دفع الوقف وإلا فلا إذ لا شك في أن الواقف متبرع بتصدقته بالوقف إذ لا إيقاف واجب، وكان منشأ الغلط وجوب دفعها على الناظر وبذلك لم تصر واجبة على المالك بل غاية الأمر أنه وجوب اتباع شرط الواقف على الناظر. فوجوب الأداء هو نفس هذا الوجوب فلنتكلم في النافلة، ثم يعطى مثله للوقف ففي شرح الكنز لا فرق بين الصدقة الواجبة والتطوع.

ثم قال: وقال بعض: يحل لهم التطوع اهـ. فقد أثبت الخلاف على وجه يشعر بتبرج حرمه النافلة وهو الموافق للعمومات فوجب اعتباره فلا يدفع إليهم النافلة إلا على وجه الهبة مع الأدب وخفض الجناح تكرمه لأهل بيت رسول الله - صلى الله عليه وسلم -.

وأقرب الأشياء إليك حديث لحم بريدة الذي تصدق به عليها لم يأكله حتى اعتبره هدية منها،

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اکثر مشائخ حنفیہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا، اور ان کے نزدیک رائج یہی ہے کہ عام حالات میں بنو ہاشم کو نفلی صدقات کا دینا جائز ہے، اور اسی طرح نفلی صدقہ غنی و مالدار کے لئے بھی جائز ہے، اور عام کتابوں میں اسی پر فتویٰ اور اسی کے مطابق حکم مذکور ہے، لہذا امام طحاوی کا مالدار کے لئے نفلی صدقہ کو حرام قرار دینا ان کی رائے ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال هو عليها صدقة ولنا منها هدية والظاهر أنها كانت صدقة نافلة. وأيضا لا تخصيص للعمومات إلا بدليل. والقياس الذي ذكره المصنف لا يخص به ابتداء بل بعد إخراج شيء بسمعي سلمناه، لكن لا يتم في القياس المقصود وغير المقصود. وأما الثاني لم يتم له أصل صحيح، وقوله المال هنا كالماء يتدنس بإسقاط الفرض ظاهره أن الماء أصل، وليس بصحيح إذ حكم الأصل لا بد من كونه منصوبا عليه أو مجمعا، وليس ثبوت هذا الحكم للماء كذلك بل المال هو المنصوص على حكمه هذا من التدنس فهو أصل للماء في ذلك. فإثبات مثله شرعا للماء إنما هو بالقياس على المال، إذ لا نص في الماء، ونفس المصنف مشى على الصواب في ذلك في بحث الماء المستعمل حيث قال في وجه الرواية المختارة للفتوى إلا أنه يعني الماء أقيمت به قرينة فتغيرت صفته كمال الصدقة فجعل مال الصدقة أصلا فكيف يجعل هنا الماء أصلا لمال الصدقة.

وأما القياس المقصود هنا في قوله التطوع بالصدقة بمنزلة التبرد بالماء غير صحيح، فإنه إلحاق قرينة بغير قرينة، والصواب في الإلحاق أن يقال بمنزلة الوضوء على الوضوء ليكون إلحاق قرينة نافلة بقرينة نافلة، وبعد هذا إن ادعى أن حكم الأصل عدم تدنس ما أقيم به هذه القرينة منعنا حكم الأصل فإن التدنس للآلة بواسطة خروج الأثام وإزالة الظلمة، والقرينة النافلة تفيد ذلك أيضا بقدره. وقد قالوا في قوله -عليه الصلاة والسلام- الوضوء على الوضوء نور على نور أنه يفيد إزالة الظلمة بقدر إفادة زيادة ذلك النور، ولهذا كان المذهب أن الوضوء النفل إذا كان منوياً يصير الماء به مستعملاً على ما عرف في قوله المستعمل -هو ما أزيل به حدث أو استعمل في البدن على وجه القرينة، والله أعلم- (فتح القدير، ج ۲ ص ۷۳، ۷۴، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز)

۱ وقال المصنف في الكافي: وهذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة أما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم؛ لأن المؤدى في الواجب يظهر نفسه بإسقاط الفرض فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل، وفي النفل تبرع بما ليس عليه فلا يتدنس به المؤدى كمن تبرد بالماء.

وإنما لم تلحق صدقة التطوع لهم بالوضوء على الوضوء فيتدنس به المؤدى؛ لأن الأصل يقتضي عدمه، وإنما قلنا به في الماء للنص الوارد: الوضوء على الوضوء نور على نور إذ ازدياد النور يقتضي زوال الظلمة بقدره لا محالة كذا في النهاية مختصراً، وفيها عن العتابي أن النفل جائز لهم بالإجماع

﴿بقية حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)..... عمدۃ القاری کی عبارت

علامہ عینی رحمہ اللہ، بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ:

وَرَوَى أَبُو عِصْمَةَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ جَوَّازَ دَفْعِهَا إِلَى الْهَاشِمِيِّ فِي
زَمَانِهِ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ: هَذِهِ الرَّوَايَةُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ كَيْسَتْ
بِالْمَشْهُورَةِ (عمدۃ القاری) ۱

ترجمہ: ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ سے اس زمانہ میں زکاة کا ہاشمی کو دینے کا جائز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کالنفل للغنی وتبعه صاحب المعراج واختاره في المحيط مقتصرًا عليه، وعزاه إلى النواذر ومشى
عليه الأقطع في شرح القدوري واختاره في غاية البيان، ولم ينقل غيره شارح المجمع فكان هو
المذهب

وأثبت الشارح الزيلى الخلاف في التطوع على وجه يشعر بترجيح الحرمة وقواه المحقق في فتح
القدير من جهة الدليل لإطلاقه وقد سوى المصنف في الكافي بين التطوع والوقف كما سمعت
وهكذا في المحيط (البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۶۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة)

وأما الصدقة النافلة فقال في النهاية ويجوز النفل بالإجماع وكذا يجوز النفل للغنى كذا في فتاوى
العتابى اهـ وصرح في الكافي بدفع صدقة الوقف إليهم على أنه بيان المذهب من غير نقل خلاف
فقال وأما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم لأن المؤدى في الواجب يطهر نفسه بإسقاط
الفرض فيتدنس المؤدى كالماء المستعمل وفي النفل متبرع بما ليس عليه فلا يتدنس به المؤدى
كمن تبرد بالماء اهـ (حاشية الشلبى على تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۳۰۴، كتاب الزكاة، باب
المصرف)

وكما لا يجوز صرف الزكاة إلى الغنى لا يجوز صرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة إليه
كالعشور والكفارات والنذور وصدقة الفطر لعموم قوله تعالى (إنما الصدقات للفقراء وقول النبي -
صلى الله عليه وسلم - لا تحل الصدقة لغنى ولأن الصدقة مال تمكن فيه الخبث لكونه غسالة الناس
لحصول الطهارة لهم به من الذنوب، ولا يجوز الانتفاع بالخبث إلا عند الحاجة والحاجة للفقير لا
للغنى..

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغنى؛ لأنها تجرى مجرى الهبة (بدائع
الصنائع، ج ۲، ص ۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذى يرجع إلى المؤدى إليه)

۱ ج ۹ ص ۸۰، ۸۱، كتاب الزكاة، باب اخذ صدقة التمر عند صرام النخل وهل يترك الصبي
فيمس تمر الصدقة.

ہونا روایت کیا ہے، اور امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے مروی یہ روایت مشہور نہیں ہے (عمدۃ القاری)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کو موجودہ زمانہ میں زکاة کا دینا جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہ کی یہ روایت مشہور نہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو امام ابوحنیفہ کی اس روایت کا علم نہیں۔

(۳)..... بنایہ شرح ہدایہ کی عبارت

علامہ عینی رحمہ اللہ، ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں کہ:

وَلَا تُدْفَعُ الزَّكَاةُ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَفِي "الْبَيْضَاحِ" الصَّدَقَاتُ الْوَاجِبَاتُ كُلُّهَا عَلَيْهِمْ لَا تَجُوزُ لِإِجْمَاعِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَرَوَى أَبُو عِصْمَةَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى الْهَاشِمِيِّ، وَإِنَّمَا كَانَ لَا يَجُوزُ فِي ذَلِكَ الْوَقْتُ لِسُقُوطِ خُمْسِ الْخُمْسِ، وَيَجُوزُ النُّفْلُ بِالْإِجْمَاعِ. وَرَوَى ابْنُ سَمَاعَةَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِصَدَقَةِ بَنِي هَاشِمٍ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَلَا أَرَى الصَّدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَى مَوَالِيهِمْ مِنْ غَيْرِهِمْ.

وَفِي "شَرْحِ الْأَثَارِ": عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ وَالْحُرْمَةُ لِلْعَوَاضِ، وَهُوَ خُمْسُ الْخُمْسِ، فَلَمَّا سَقَطَ ذَلِكَ بِمَوْتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَّتْ لَهُمُ الصَّدَقَةُ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ: وَبِهِ نَأْخُذُ (البنایہ شرح الہدایہ) ۱

۱ ج ۳ ص ۴۷۱، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، حکم إعطاء الزکاة والصدقة لبني هاشم ومواليهم.

ترجمہ: اور بنو ہاشم کو زکاة نہیں دی جائے گی، اور ایضاً میں ہے کہ تمام واجب صدقات بنو ہاشم پر جائز نہیں ہیں، چاروں ائمہ کے اجماع کی وجہ سے، اور ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ہاشمی کو زکاة (و صدقات واجبہ) کا دینا جائز ہے، اور پہلے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) زمانہ میں اس لئے جائز نہیں تھا کہ مال غنیمت کا خمس حاصل ہونے کی وجہ سے زکاة میں سے ان کا حق ساقط ہو گیا تھا، اور (بنو ہاشم کو) نفل صدقات بالا جماع جائز ہیں۔

اور ابن سماعہ نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو صدقہ (وزکاة) دینے میں کوئی حرج نہیں، اور میں بنو ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں پر کسی دوسرے کے صدقہ کو جائز نہیں سمجھتا۔

اور شرح الآثار میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے کہ بنو ہاشم کو تمام صدقات (بشمول زکاة) کے دینے میں کوئی حرج نہیں، اور حرمت عوض (یعنی بدل) کی وجہ سے تھی، جو کہ مال غنیمت کا خمس ہے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ان کا یہ حق ساقط ہو گیا، تو ان کے لئے صدقہ (بشمول زکاة کے) حلال ہو گیا، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں (بنایہ)

فائدہ: اس عبارت کی وضاحت آگے آتی ہے۔

(۴)..... شرح ابی داؤد کی عبارت

علامہ عینی نے اسی طرح کی عبارت ابوداؤد کی شرح میں بھی ذکر کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وَفِي "شَرْحِ الْأَثَارِ" لِلطَّحَاوِيِّ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَالْحُرْمَةُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ لِلْعَوَضِ، وَهُوَ خُمْسَ الْخُمْسِ، فَسَقَطَ ذَلِكَ بِمَوْتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَلَّتْ لَهُمْ

الصَّدَقَةُ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ: وَبِالْجَوَازِ نَأْخُذُ (شرح ابی داؤد للعینی) ۱۔
ترجمہ: امام طحاوی کی شرح الآثار میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ تمام صدقات
(بشمول زکاة) کے بنو ہاشم کو دینے میں کوئی حرج نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانہ میں حرمت، عوض کی وجہ سے تھی، اور وہ مالی غنیمت کے خمس کا خمس
ہے، پھر وہ عوض نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال سے ساقط ہو گیا، تو بنو ہاشم کے
لئے صدقہ حلال ہو گیا، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم جواز ہی کو لیتے ہیں (شرح ابوداؤد
للعینی)

فائدہ: مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی مروی
ہے کہ بنو ہاشم کو زکاة اور ہر قسم کا صدقہ دینا جائز ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو زکاة و صدقہ کی جگہ مالی غنیمت میں
سے خمس ملا کرتا تھا، اور جب ان کا یہ حق ساقط ہو گیا، تو ان کے لئے زکاة و صدقہ حلال ہو گیا،
اور بقول علامہ عینی کے امام طحاوی نے اسی روایت کو اختیار کیا، اور ترجیح دی ہے۔

(۵)..... تنقیح فتاویٰ حامدہ کی عبارت

علامہ شامی رحمہ اللہ تنقیح فتاویٰ حامدہ میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ ذَكَرَ فِي شَرْحِ الْأَثَارِ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي زَمَانِنَا إِعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِي
هَاشِمٍ الْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُضُوءِ خُمُسِ الْخُمُسِ إِلَيْهِمْ بِسَبَبِ إِهْمَالِ
النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَجِبَ عَلَيْهِمْ فَإِذَا لَمْ يَحْضُرِ الْمُعَوَّضُ عَادُوا
إِلَى الْعَوَّضِ وَبِهِ أَخَذَ مِنَ الْأَثَارِ حَاوِي الْإِمَامِ الْجَلِيلِ الطَّحَاوِيُّ

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، ج ۱، ص ۶۳، کتاب الزکاة، باب الزکاة والعشر)

ترجمہ: اور شرح الآثار میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ہمارے زمانہ میں بنو ہاشم کو

زکاة دینا جائز ہے، کیونکہ مالی غنیمت کے خمس کا خمس ان کی طرف نہیں پہنچتا، لوگوں کے مالی غنیمت کے معاملہ اور اپنی ذمہ داری کو مہمل (وضائع) کر دینے کے سبب سے، پس جب زکاة کا متبادل (یعنی خمس) ان کو حاصل نہیں ہوگا، تو وہ عوض (یعنی زکاة) کی طرف لوٹیں گے، اور آثار میں اسی کو جلیل القدر امام، طحاوی نے لیا ہے (تنقیح فتاویٰ حامدیت)

فائدہ: ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ، اس وقت جبکہ بنو ہاشم کو خمس حاصل نہ ہو، زکاة کے جواز کی روایت کو اختیار کرتے ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۶).....طحطاوی علی الدر کی عبارت

سید احمد طحاوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَجَوَزَ أَبُو يُوسُفَ دَفَعَ بَعْضَهُمْ لِبَعْضٍ، وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنِ الْإِمَامِ، نَهْرٍ، وَرَوَى أَبُو عِصْمَةَ عَنِ الْإِمَامِ أَنَّهُ يَجُوزُ الدَّفْعُ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ فِي زَمَانِهِ؛ لِأَنَّ عَوَضَهَا وَهُوَ خُمُسُ الْخُمُسِ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ لِإِهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَإِصْلَاحِهَا إِلَى غَيْرِ مُسْتَحَقِّهَا، وَإِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ الْعَوَاضُ عَادُوا إِلَى الْمَعْوُضِ وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ، وَأَقَرَّهُ الْقَهْطَسَانِيُّ، كَذَا فِي شَرْحِ الْمُتَنَقَّى (قَوْلُهُ وَالْهَاشِمِيُّ يَجُوزُ لَهُ دَفْعُ زَكَاتِهِ لِمِثْلِهِ) تَمَامُ الْعِبَارَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ، كَذَا فِي النَّهْرِ، وَحِينَئِذٍ فَلَا يَصِحُّ حَمْلُهَا عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ (حَاشِيَةُ

الطحطاوی علی الدر المختار) ۱

۱ ج ۱ ص ۲۲۸، کتاب الزکاة، باب مصرف الزکاة والعشر، لسید احمد الطحطاوی الحنفی.

ترجمہ: اور امام ابو یوسف نے بنو ہاشم کے آپس میں ایک دوسرے کو (زکاة و صدقہ کے) دینے کو جائز قرار دیا ہے، اور امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، نہر میں اسی طرح ہے، اور ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ اس زمانہ میں بنو ہاشم کو (زکاة) دینا جائز ہے، کیونکہ زکاة کا بدل جو کہ مالِ غنیمت کے خمس کا شمس تھا، ان کی طرف نہیں پہنچتا، اس لئے کہ لوگوں نے مالِ غنیمت کے معاملات کو مہمل (و معطل) کر دیا ہے، اور اس کو غیر مستحقین تک پہنچانا شروع کر دیا ہے، اور جب بنو ہاشم کو زکاة کا بدل نہ ملے، تو حکم، مبدل (یعنی زکاة و صدقہ کے دینے کے جائز ہونے) کی طرف لوٹ آئے گا، اور اس روایت کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، اور قہستانی نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے، شرح المنتہی میں اسی طرح ہے، اور (در مختار) کا یہ قول کہ ہاشمی کو اپنی زکاة اپنے مثل (یعنی ہاشمی) کو دینا جائز ہے، پوری عبارت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے، برخلاف امام ابو یوسف کے، نہر میں اسی طرح سے ہے، اور اس طرح سے اس روایت کو امام ابو یوسف کے قول پر محمول کرنا صحیح نہیں (طحاوی علی الدر)

فائدہ: مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو مالِ غنیمت وغیرہ کی شکل میں ان کے لئے زکاة کے متبادل کا انتظام تھا، مگر بعد میں جب مالِ غنیمت کے معاملات معطل ہو گئے، اور بنو ہاشم کے لئے زکاة و صدقہ کا متبادل نہ رہا، تو پھر بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جائز ہونے کا حکم لوٹ آیا۔

(۷).....الاختیار کی عبارت

فقہ حنفی کی کتاب ”الاختیار“ میں ہے کہ:

وَذَكَرَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: يَجُوزُ لِلْهَاشِمِيِّ أَنْ يَدْفَعَ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَى الْهَاشِمِيِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ أَوْسَاخُ النَّاسِ غَيْرُهُمْ هُوَ الْمَفْهُومُ مِنْ مِثْلِهِ، فَيَقْتَضِي حُرْمَةَ زَكَاةِ غَيْرِهِمْ عَلَيْهِمْ لَا غَيْرَ، وَذَكَرَ فِي الْمُتَقَى عَنْ أَبِي عِصْمَةَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الصَّدَقَةَ تَحِلُّ لِابْنِ هَاشِمٍ، وَفَقِيرُهُمْ فِيهَا كَفَقِيرِ غَيْرِهِمْ، وَوَجْهُهُ أَنَّ عَوَضَهَا وَهُوَ خُمُسُ الْخُمُسِ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ لِإِهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتَهَا وَإِيصَالَهَا إِلَى مُسْتَحِقِّهَا، وَإِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ الْعَوَضُ عَادُوا إِلَى الْمَعْوِضِ، عَمَلًا بِمُطْلَقِ الْآيَةِ سَالِمًا عَنْ مُعَارَضَةِ أَخِذِ الْعَوَضِ، وَكَمَا فِي سَائِرِ الْمُعَاوَضَاتِ، وَلَئِنَّهُ إِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِمْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا هَلَكُوا جَوْعًا، فَيَجُوزُ لَهُمْ ذَلِكَ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُمْ (الاختیار لتعلیل المختار) ۱

ترجمہ: اور ہمارے بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ ہاشمی کے لئے اپنے مال کی زکاة ہاشمی کو دینا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، برخلاف امام ابو یوسف کے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مراد کہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے، اس سے بنو ہاشم کے علاوہ دوسرے لوگ مراد ہیں (یعنی بنو ہاشم کے علاوہ دوسرے لوگوں کا میل کچیل ان پر منع ہے، نہ کہ خود ان کے مال کی زکاة منع ہے) اس جیسے قول میں یہی سمجھا جاتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں کی زکاة تو بنو ہاشم پر حرام ہے، اور دوسروں کے علاوہ (یعنی خود بنو ہاشم) کی زکاة (ایک دوسرے پر) حرام نہیں، اور منقہ میں ابو عصمہ کی سند سے امام ابوحنیفہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ بنو ہاشم کے لئے صدقہ (وزکاة) حلال ہے، اور بنو ہاشم کے فقیر

(وغریب) اس سلسلہ میں بنو ہاشم کے علاوہ دوسرے فقیر (وغریب) کی طرح ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (زکاة و صدقہ کا) عوض (وبدل) جو کہ مالی غنیمت کے خمس کا خمس تھا، وہ ان تک نہیں پہنچتا، کیونکہ لوگوں نے مالی غنیمت کے معاملات اور اس کی تقسیم اور اس کے مستحقین تک پہنچانے کے معاملات کو مہمل (و معطل اور ضائع) کر دیا ہے، اور جب بنو ہاشم کی طرف (زکاة و صدقہ کا) عوض نہیں پہنچتا، تو حکم مبدل (یعنی زکاة و صدقہ) کی طرف لوٹ آیا، آیت میں (فقیر و مسکین کے الفاظ کے کسی قید کے بغیر) مطلق حکم پر عمل کرتے ہوئے، اور عوض (وبدل) لینے کے ٹکراؤ سے، سلامت رہتے ہوئے، اور اسی طریقہ سے تمام معاوضات میں ہوا کرتا ہے، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر بنو ہاشم کو ان دونوں چیزوں (یعنی زکاة و صدقہ اور مالی غنیمت کے خمس) میں سے کوئی چیز بھی نہیں پہنچے گی، تو وہ بھوکے مرجائیں گے، پس ان کے لئے یہ (زکاة و صدقہ) جائز ہے، ان سے ضرر (و تکلیف اور غربت) کو دور کرنے کے لئے (الاحتیاء)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں زکاة و صدقہ کا مصرف فقراء و مساکین کو قرار دیا گیا ہے، جو کہ عام ہے، اور اس آیت کے مطلق مفہوم میں ہاشمی فقیر و مسکین بھی داخل ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاشمی، غریب و تنگ دست حضرات کو زکاة و صدقہ کے عوض میں مالی غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے ان کو زکاة و صدقہ دینے سے منع کر دیا گیا تھا، اور اب جبکہ مالی غنیمت کا نظم برقرار موجود نہیں، اور بنو ہاشم کے لئے زکاة و صدقہ کے بدلہ میں ضرورت پوری کرنے کا انتظام نہیں، تو حکم اصل کی طرف لوٹ آئے گا، اور اصل یہی تھا کہ قرآن کی آیت کی رو سے ہر مسلمان فقیر و مسکین کو زکاة و صدقہ دینا جائز ہے، اور اب ان احادیث سے اس کا ٹکراؤ نہیں رہے گا، جن میں بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ دینے سے منع کیا گیا تھا۔

اس عبارت سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ مخصوص مجبوری میں بھی بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس سے احادیث کی مطلق مخالفت لازم آتی ہے۔
جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلق مخالفت اس وقت لازم آتی، جبکہ زکاة کا عوض خمس کی شکل میں ان کو مل رہا ہوتا، اور خمس نہ ملنے کی صورت میں لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸)..... فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ:

رَوَى أَبُو عَصِمَةَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ
وَأَنَّمَا كَانَ لَا يَجُوزُ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ، وَيَجُوزُ النُّفْلُ بِالْإِجْمَاعِ.....
وَرَوَى ابْنُ سَمَاعَةَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ قَالَ لَا بَأْسَ بِصَدَقَةِ بَنِي هَاشِمٍ
بَعْضُهُمْ عَلَى الْبَعْضِ، وَلَا أَرَى الصَّدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَى مَوَالِيهِمْ مِنْ
غَيْرِهِمْ (الفتاوى التاتارخانية) ۱

ترجمہ: ابو عاصمہ نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز ہے، اور اس وقت (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ) میں جائز نہیں تھا، اور نفل (صدقہ) بالا جماع جائز ہے..... اور ابن سماعہ نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ بنو ہاشم کا صدقہ آپس میں ایک دوسرے کو دینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن میں ان پر اور ان کے آزاد کردہ غلاموں پر دوسروں کے صدقہ کو درست نہیں سمجھتا (فتاویٰ تاتارخانیہ)

فائدہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ موجودہ دور میں بنو ہاشم کو زکاة و صدقہ دینا جائز ہے، اور ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

۱ ج ۲ ص ۲۴۳، ۲۴۵، ملخصاً، کتاب الزکاة، الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع فیہ الزکاة، للعلامة عالم بن العلاء الانصارى الاندلسی، مطبوعة: ادارة القرآن، کراتشی.

میں تھی (جبکہ ان کو خمس ملا کرتا تھا) اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کو اپنا صدقہ ایک دوسرے کو دینا جائز ہے، لیکن کسی اور کا صدقہ بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۹)..... بریقہ محمودیہ کی عبارت

بریقہ محمودیہ میں ہے کہ:

وَفِيهِ أَيْضًا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى الْجَوَازُ بَعْدَهُ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ جَوَازُ صَدَقَةٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ آخَرَ
مِنْهُمْ لَكِنْ فِي النَّهْرِ صَوَابُهُ عَدَمُ الْجَوَازِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ الْجَوَازُ
مُطْلَقًا.

وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَبِهِ نَأْخُذُ وَظَاهِرُ الْإِخْتِيَارِ عَنِ الْمُتَّقِي تَرْجِيحُهُ
أَيْضًا فِي زَمَانِنَا لِعَدَمِ عَطِيَّتِهِمْ مِنَ الْخُمْسِ وَلِضُرُورَةِ الْحَاجَةِ كَمَا
حَرَّرْنَا فِي حَوَاشِي الدَّرَرِ (بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ) ۱

ترجمہ: اور اسی (فتاویٰ تاتارخانیہ) میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد (بنو ہاشم کو زکاة و صدقات دینے
کا) جائز ہونا مروی ہے، اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بنو ہاشم کا آپس میں
ایک دوسرے کو (زکاة و صدقہ) دینا جائز ہے، لیکن نہر میں یہ ہے کہ درست بات
یہ ہے کہ (امام ابو یوسف کے نزدیک) ناجائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک
مطلقاً (یعنی بہر حال) جائز ہے، اور شرح مجمع میں ہے کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، اور
اختیار کی عبارت کا ظاہر بھی منقشی سے ہی (جائز ہونے کا) راجح ہونا ہے ہمارے
زمانہ میں، کیونکہ بنو ہاشم کو خمس حاصل نہیں ہوتا، اور حاجت و ضرورت بھی پائی جاتی

ہے (کہ اس زمانہ میں بنو ہاشم کی غربت کے ازالہ کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہوتا) جیسا کہ ہم نے درر کے حواشی میں تحریر کیا ہے (بریقہ محمودیہ)

فائدہ: اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بعض مشائخ حنفیہ، موجودہ دور میں جبکہ بنو ہاشم کو خمس حاصل نہیں ہوتا، ان کے لئے زکاة کے جائز ہونے کے قائل اور اس کی طرف مائل ہیں۔

پھر موجودہ دور میں بنو ہاشم کے لئے زکاة و صدقہ کے جواز کی رائے میں امام ابو حنیفہ، اور امام ابو یوسف کی روایت اور بعض مشائخ حنفیہ و اہل علم حضرات کا رجحان تنہا نہیں ہے، بلکہ باقی فقہائے کرام کے متبعین میں بھی کئی جلیل القدر و عظیم المرتبت اہل علم حضرات بلکہ ایک بڑی جماعت کا یہی قول ہے۔ آگے اس طرح کی چند عبارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱۰)..... امام نووی شافعی کی عبارت

امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْأَصْطَخَرِيُّ إِنَّ مُنْعُوا حَقَّهُمْ مِنَ الْخُمْسِ جَازَ الدَّفْعِ إِلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ أَلْمَا حُرِّمُوا الزَّكَاةَ لِحَقِّهِمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ فَإِذَا مُنْعُوا الْخُمْسَ وَجَبَ أَنْ يُدْفَعَ إِلَيْهِمْ وَالْمَذْهَبُ الْأَوَّلُ (المجموع شرح

المہذب، ج ۶ ص ۲۷۷، کتاب الزکاة، باب قسم الصدقات)

ترجمہ: اور ابوسعید اصطخری نے فرمایا کہ اگر ان (بنو ہاشم) کو مال غنیمت کے خمس کا حق نہ حاصل ہو، تو ان کو زکاة و صدقہ دینا جائز ہے، کیونکہ ان کو زکاة سے اس لئے محروم کیا گیا تھا کہ مال غنیمت کے خمس کے خمس میں ان کا حق تھا، پس جب وہ خمس سے محروم ہو گئے، تو ان کے لئے زکاة و صدقہ واجب و ثابت ہو گیا، لیکن شوافع کا مذہب پہلا ہی ہے (یعنی ان کو بہر حال زکاة و صدقہ دینا جائز نہیں) (المجموع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ شوافع کا اصل مذہب اگرچہ عدم جواز کا ہے، مگر بعض شوافع کے نزدیک بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز ہے، اور اس کی وجہ بھی وہی مالی غنیمت کے خمس کا حاصل نہ ہونا ہے، جیسا کہ تفصیلاً حنفیہ کی عبارات کے ذیل میں گزرا۔

(۱۱)..... سعید بن رباطی و ابوبکر دمیاٹی شافعی کی عبارت

سعید بن محمد رباطی شافعی فرماتے ہیں کہ:

وَالْأَظْهَرُ: أَنَّهُمْ لَا يُعْطَوْنَ وَإِنْ مُنِعُوا حَقَّهُمْ مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ؛ لَكُونَهَا أَوْ سَاخًا كَمَا فِي الْحَدِيثِ، لَكِنْ ذَهَبَ جَمٌّ غَيْرٌ إِلَى جَوَازِهَا لَهُمْ إِذَا مُنِعُوا مِمَّا مَرَّ، وَأَنَّ عِلَّةَ الْمَنْعِ مُرْكَبَةٌ مِنْ كَوْنِهَا أَوْ سَاخًا، وَمِنْ اسْتِغْنَائِهِمْ بِمَالِهِمْ مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ، كَمَا فِي حَدِيثِ الطَّبْرَانِيِّ وَغَيْرِهِ، حَيْثُ عَلَّلَ فِيهِ بِقَوْلِهِ: إِنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ مَا يُغْنِيكُمْ، وَقَدْ مُنِعُوا مِمَّا لَهُمْ مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ، فَلَمْ يَبْقَ لِلْمَنْعِ إِلَّا جُزْءٌ عِلَّةٍ، وَهُوَ لَا يَقْتَضِي التَّحْرِيمَ.

لَكِنْ يَنْبَغِي لِلدَّافِعِ إِلَيْهِمُ الزَّكَاةَ أَنْ يُبَيِّنَ لَهُمْ أَنَّهَا زَكَاةٌ، فَلِرُبَّمَا يَتَوَرَّعُ مَنْ دَفَعَتْ إِلَيْهِ مِنْهُمْ مِنْهَا (شرح المقدمة الحضرمية) ۱

ترجمہ: اور اظہر یہ ہے کہ ان (یعنی بنو ہاشم) کو زکاة نہیں دی جائے گی، اگرچہ مالی غنیمت میں سے ان کا حق خمس کا خمس نہ ملے، کیونکہ یہ میل کچیل ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، لیکن (اہل علم کی) ایک بڑی جماعت بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جائز ہونے کی طرف گئی ہے، جبکہ مالی غنیمت سے ان کا حق نہ ملے، جیسا کہ گزرا، اور ممانعت کی علت مرکب ہے، جس میں زکاة کا میل کچیل ہونا بھی شامل

ہے، اور مالی غنیمت کے خمس کے خمس کی وجہ سے ان کا مالی غنیمت سے مستغنی ہونا بھی شامل ہے، جیسا کہ طبرانی وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے علت بیان کی ہے کہ تمہارے لئے مالی غنیمت کے خمس کے خمس سے وہ چیز موجود ہے، جو تمہیں غنی کر دے گی، اور اب مالی غنیمت کے خمس کے خمس کے مال سے وہ محروم ہو گئے ہیں، اس لئے اب ممانعت کی علت کا صرف ایک جزو باقی رہ گیا، جو حرام ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن مناسب یہ ہے کہ ان کو زکاة دینے والا یہ بات واضح کر دے کہ یہ زکاة ہے، کیونکہ بعض اوقات زکاة لینے والا، زکاة لینے سے بچنے کو ترجیح دیتا ہے (شرح المقدمة المحرریہ)

فائدہ: شوافع کی کتاب ”اعانة الطالبین“ میں بھی اسی طرح سے ہے۔ ۱۔
اس سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم کے لئے زکاة کے ممنوع ہونے کی اہم علت، ان کے لئے خمس کا مقرر ہونا ہے، اور خمس نہ ملنے کی صورت میں یہ علت مرتفع ہو جاتی ہے، البتہ زکاة کے میل پکیل ہونے کی علت باقی رہتی ہے، مگر یہ حرمت کی مقتضی نہیں، کیونکہ اولاً تو وہ خود خمس ملنے کے ساتھ معلل ہو سکتی ہے، دوسرے میل پکیل صرف شرافت و کرامت کے خلاف ہے، نجاست و ناپاکی کی طرح حرام نہیں، حدیث میں اس کو میل پکیل فرمایا گیا، نجس و ناپاک نہیں فرمایا گیا، اور عام صدقہ کو بھی میل پکیل فرمایا گیا ہے، جو کہ زکاة کے ساتھ خاص نہیں، ورنہ

۱۔ (قوله: وإن انقطع عنهم خمس الخمس) قال فی بشری الکریم: لیکن ذهب جم غفیر إلی جوازها لهم إذا منعوا مما مر، وأن علة المنع مركبة من كونها أو ساخا، ومن استغنائهم -بما لهم من خمس الخمس - كما فی حدیث الطبرانی وغیره، حیث علل فیہ بقوله: إن لكم فی خمس الخمس ما یغنیكم. وقد منعوا مما لهم من خمس الخمس، فلم یبق للمنوع إلا جزء علة، وهو لا یقتضی التحریم. لیکن ینبغی للدفاع إلیهم أن یمین لهم أنها زکاة، فلربما یتورع من دفعت إلیهم اه.
وهذا القول هو مذهب المالکیة، كما نقله فی حاشیة الجمل عنهم، ونصها: وعبارة الشیخ عبد الباقي الزرقانی علی الشیخ خلیل (اعانة الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، ج ۲ ص ۲۲۵، باب الزکاة، لا بکر الدمیاطی الشافعی)

دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی زکاة حلال نہ ہوتی، اور بنو ہاشم کے لئے تمام صدقات حرام ہوتے، جس سے خمس کے عوض کی اہم علت ہونے اور اوساخ الناس کے غیر اہم علت یا حکمت ہونے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اور اس طرح کی علت یا حکمت سے حرمت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲)..... عبد الحمید شروانی شافعی کی عبارت

عبد الحمید شروانی شافعی فرماتے ہیں کہ:

وَجَوَزَ الْإِصْطِحَارِيُّ إِعْطَاءَهُمْ وَاخْتَارَهُ الْهَرَوِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى
وَأَفْتَى بِهِ شَرَفُ الدِّينِ الْبَارِزِيُّ وَلَا بَأْسَ بِهِ، بَلْ فِي حَدِيثٍ لِلطَّبْرَانِيِّ
مَا يَشْهَدُ لَهُ أَيْ: بِقَوْلِهِ أَلَيْسَ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ مَا يَكْفِيكُمْ أَيْ
يُغْنِيكُمْ أَيْ: أَنْتُمْ مُسْتَغْنُونَ بِخُمْسِ الْخُمْسِ فَإِذَا عُدِمَ خُمْسُ
الْخُمْسِ زَالَ الْغِنَى، فَخُمْسُ الْخُمْسِ عِلَّةٌ لِاسْتِغْنَائِهِمْ وَشَرْطٌ
لِمَنْعِهِمْ، فَإِذَا زَالَ الشَّرْطُ انْتَفَى الْمَانِعُ وَيُشَبَّهُ أَنْ يَكُونَ هَذَا هُوَ
الْمُخْتَارُ فِي هَذَا الزَّمَنِ لِمَنْ كَانَ مِنْهُمْ فِي الْيَمَنِ لِبُعْدِهِمْ عَنْ مَحَلِّ
الْغَنَائِمِ وَقِلَّةِ شَفَقَةِ الْمُلُوكِ وَأَهْلِ الثَّرْوَةِ وَشِدَّةِ حَاجَتِهِمُ الَّتِي
شَاهَدْنَا وَلِلَّهِ أَحْكَامٌ تَحْدُثُ بِحُدُوثٍ مَا لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ . اهـ.

عِبَارَةٌ شَيْخِنَا قَوْلُهُ: سَوَاءٌ مُنِعُوا إِلَّاخَ وَنُقِلَ عَنِ الْإِصْطِحَارِيِّ الْقَوْلُ
بِجَوَازِ صَرْفِ الزَّكَاةِ إِلَيْهِمْ عِنْدَ مَنْعِهِمْ مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ أَخَذًا
مِنْ قَوْلِهِ فِي الْحَدِيثِ إِنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ مَا يَكْفِيكُمْ، أَوْ
يُغْنِيكُمْ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ أَنَّ مَحَلَّ عَدَمِ إِعْطَائِهِمْ مِنَ الزَّكَاةِ عِنْدَ

أَخَذَهُمْ حَقُّهُمْ مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ، لَكِنَّ الْجُمْهُورَ طَرَدُوا الْقَوْلَ
بِالتَّحْرِيمِ، وَلَا بَأْسَ بِتَقْلِيدِ الْإِصْطَحَارِيِّ فِي قَوْلِهِ: أَلَّا نَلَا حَتِيَا جَهُمُ
وَكَانَ شَيْخُنَا رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَمِيلُ إِلَى ذَلِكَ مَحَبَّةً فِيهِمْ نَفَعَنَا
اللَّهُ بِهِمْ أَهـ (حاشیہ الشروانی علی تحفة المحتاج فی شرح المنهاج) ۱۔

ترجمہ: اور اصطحاری نے بنو ہاشم کو زکاة دینے کو جائز قرار دیا ہے، اور اس کو ہروی
اور محمد بن یحییٰ نے اختیار کیا ہے، اور اس پر شرف الدین بارزی نے فتویٰ دیا ہے،
اور اس (بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جائز ہونے کے قول کے اختیار کرنے یا لینے)
میں کوئی حرج نہیں، بلکہ طبرانی کی حدیث میں اس کی دلیل بھی موجود ہے، یعنی نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ مالِ غنیمت کے خمس کے خمس میں تمہارے لئے کفایت
یعنی تمہارے غنی ہونے کا سامان ہے، یعنی تم مالِ غنیمت کے خمس کے خمس کی وجہ
سے زکاة سے مستغنی ہو، اور جب مالِ غنیمت کے خمس کا خمس موجود نہ ہو، تو یہ (یعنی
بنو ہاشم کا زکاة سے) مستغنی ہونا زائل ہو جائے گا، پس مالِ غنیمت کے خمس کا خمس
بنو ہاشم کے غنی ہونے کی علت ہے (نہ کہ حکمت) اور ان کے لئے زکاة کے منع
ہونے کی شرط ہے، پس جب شرط زائل ہو جائے، تو مانع بھی منقش ہو جائے گا، اور
قریب ہے کہ اس زمانہ میں یہی قول مختار ہو، ان بنو ہاشم کے لئے جو یمن (یا ایسے
علاقہ) میں ہوں، جو مالِ غنیمت کے مقام سے دور ہیں (اور آج کل یہ حالت
سب ہی جگہ ہے، خواہ ہندوستان ہو یا پاکستان یا سعودی عرب) اور بادشاہوں اور
مالداروں کی شفقت بھی نایاب ہے، اور ان (یعنی بنو ہاشم) کو شدید حاجت بھی
ہے (کہ وہ شدید فقر و غربت کی حالت میں ہوتے ہیں) جس کا ہم نے مشاہدہ کیا
ہے، اور اللہ کے بعض احکام وہ ہوتے ہیں، جو ایسے حالات پیدا ہونے سے بدل

جاتے ہیں، جو حالات کہ پہلے زمانہ میں نہیں تھے، واللہ اعلم۔
 ہمارے شیخ کی عبارت کا یہ قول کہ خواہ ان کو مالی غنیمت حاصل نہ ہو، آخر تک
 (یعنی شیخ کا یہ قول کہ بنو ہاشم کو زکاة جائز نہیں، خواہ ان کو مالی غنیمت حاصل نہ ہو)
 اور اصطخری سے بنو ہاشم کے لئے زکاة لینے کے جائز ہونے کا قول منقول ہے،
 اس وقت جبکہ ان کو مالی غنیمت کے خمس کا خمس حاصل نہ ہو، انہوں نے اپنے قول
 کو اس حدیث سے اخذ کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”إِنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ
 الْخُمْسِ مَا يُغْنِيكُمْ، أَوْ يُغْنِيكُمْ“ ”یعنی تمہارے لئے مالی غنیمت کے خمس
 میں تمہاری کفایت اور غنی ہونے کا سامان موجود ہے“ پس اس حدیث سے یہ
 بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کو زکاة نہ دینے (میں اوساخ الناس کو مؤثر مان کر حکم
 لگانے) کا مقام اس وقت ہے، جبکہ مالی غنیمت کے خمس میں سے وہ اپنا حق لے
 رہے ہوں، لیکن جمہور نے حرام ہونے کے قول کو رد کر دیا ہے، اور اصطخری (کے)
 بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جائز ہونے کے قول کی تقلید کرنے (اور اس قول کو
 اختیار کرنے) میں کوئی حرج نہیں، ان کے اس قول میں کہ آج کے دور میں
 بنو ہاشم ضرورت مند ہیں، اور ہمارے شیخ کا میلان اس طرف ہونے کی وجہ
 بنو ہاشم سے محبت ہے، اللہ ہمیں ان کی برکت سے نفع پہنچائے (حاشیہ الشروانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض شوافع کے نزدیک بنو ہاشم کے لئے زکاة کے ممنوع ہونے
 کی اصل علت بنو ہاشم کے لئے مالی غنیمت کے خمس کا حصول ہے، اور جب ان کو مالی غنیمت
 حاصل نہ ہو، جیسا کہ آج کل یہی صورت حال ہے، تو پھر ان کو زکاة دینا جائز ہوتا ہے، بعض
 شوافع اس دور میں اسی قول کو اختیار کرتے اور رائج قرار دیتے ہیں، بلکہ اس پر فتویٰ کے قائل
 ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حالات اور عرف و رواج کے بدلنے یا علت کے مرتفع ہونے سے
 احکام میں تبدیلی آجایا کرتی ہے، لہذا یہ نہ سمجھا جائے کہ اس قول میں احادیث کا انکار یا تردید

لازم آتی ہے، جیسا کہ بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ جب بنو ہاشم کو زکاة حرام ہے، تو جس طرح موجودہ دور میں مجبوری کی حالت میں کوئی چوری، ڈاکہ، مردار وغیرہ کی شکل میں ان کو حرام کھانے کی اجازت نہیں دے سکتا، اسی طرح احادیث کی رو سے ان کو زکاة لینا بھی حرام ہے، لہذا اس کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

مگر ان حضرات کی یہ بات ہمیں قابل اطمینان معلوم نہیں ہو سکی، کیونکہ بنو ہاشم کو زکاة کی حرمت یا ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ وہ مال (غصب، چوری و ڈاکہ کی طرح) بذات خود حرام ہو، ورنہ تو غیر بنو ہاشم کے لئے بھی حلال نہ ہوتا، اور چوری وغیرہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ وہ بنو ہاشم اور غیر بنو ہاشم سب کے لئے حرام ہے، دوسرے جب کوئی حکم کسی علت یا عرف کے ساتھ منسلک ہو، تو علت و عرف کے مرتفع ہونے یا بدلنے پر وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا یا بدل جاتا ہے، پھر حرمت کا حکم کہاں باقی رہا؟

۱۔ اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جب زکاة کا مال بذات خود حرام نہیں، اور اسی وجہ سے غریب کو لینا حلال ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کی علت خواہ کوئی بھی ہو، لیکن بنو ہاشم کو زکاة کی ممانعت منہی لعینہ کے بجائے منہی لغیرہ کے طور پر ہے، اور بعض اہل علم حضرات ایسے منہی لغیرہ کو حاجت کے وقت جائز قرار دیتے ہیں۔

ان المحرم لذاتہ لایباح الا للضرورة و ذالک لان سبب تحریمہ ذاتی فهو یمس ضروریا فلا یزیل تحریمہ الا ضروری مثله فاذا کان التحريم بسبب الاعتداء علی العقل کشرب الخمر فانها لا تباح الخمر الا اذا خیف الموت عطشا لان الضرورات هی التي تزیل المحظورات التي حرمت لانها مست ضروریا، اما المحرم لغیره فانه یباح للحاجة للضرورة و ذالک لانه لا یمس ضروریا ولذا ابیحت رؤية عورة المرأة عند العلاج اذا كانت الرؤية لازمة للعلاج (اصول الفقه ص ۲۰، لابی زهرة) وقد اتفق الفقهاء علی أن ما یباح دفعا للضرور یباح دفعا للحاجة، أى أن هذه تثبت حکما مثل الأولى إلا أن حکم الحاجة مستمر وخاصة إذا كانت عامة وحکم الضرورة موقوت بمدّة قیامها إذ "الضرورة تقدر بقدرها" کما وقع الاتفاق بینهم علی أن المحرمات نوعان: محرمات لذاتها، ومحرمات لغیرها، فالأولى لا یرخص فیها عادة إلا من أجل المحافظة علی مصلحة ضرورية، والثانية یرخص فیها حتی من أجل المحافظة علی مصلحة حاجية. علی أنه لا مانع من أن تعامل هذه معاملة الأولى ولو فی بعض الحالات، وعلی هذا الأساس وما قبله جاءت القاعدة الفقهية: الحاجة تنزل منزلة الضرورة وقد خرج الفقهاء اعتمادا علیها جزئيات متفرقة یمکن أن تكون أصولا یلحق بها ما یمثلها من نظائرها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۳)..... منصور بن یونس بہوتی حنبلی کی عبارت

منصور بن یونس بہوتی حنبلی فرماتے ہیں کہ:

وَسَوَاءُ أُعْطُوا مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ أَوْ لَمْ يُعْطُوا لِغُيُومِ النُّصُوصِ؛
وَلَأَنَّ مَنَعَهُمْ مِنَ الزَّكَاةِ لَشَرَفِهِمْ، وَشَرَفُهُمْ بَاقٍ فَيَبْقَى الْمَنَعُ (مَا لَمْ
يَكُونُوا) أَيُّ بَنُو هَاشِمٍ (غُرَاةٌ أَوْ مُؤَلَّفَةٌ أَوْ غَارِمِينَ لِذَاتِ الْبَيْنِ) فَلَهُمْ
الْأَخْذُ لِذَلِكَ، لِحَوَازِ الْأَخْذِ لِذَلِكَ مَعَ الْغِنَى وَعَدَمِ الْمِنَّةِ فِيهِ
(وَاخْتَارَ الشَّيْخُ وَجَمَعَ مِنْهُمْ الْقَاضِي يُعْقِبُ وَغَيْرُهُ مِنْ أَصْحَابِنَا،
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ الْإِصْطَخَرِيُّ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ (جَوَازٌ أَخَذَهُمْ إِنْ مَنَعُوا
الْخُمْسَ) لِأَنَّهُ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضُرُورَةٍ، قَالَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ أَيْضًا:
وَيَجُوزُ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْذُ مِنْ زَكَاةِ الْهَاشِمِيِّينَ ذَكَرَهُ فِي
الْإِخْتِيَارَاتِ (كشاف القناع عن متن الإقناع) ۱

ترجمہ: اور (زکاة اور واجب صدقات بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں) خواہ ان کو مالی
غنیمت کے خمس کے خمس سے دیا جائے یا نہ دیا جائے، کیونکہ نصوص عام ہیں، اور
ان کو زکاة کا منع ہونا ان کے شرف کی وجہ سے ہے، اور ان کا شرف باقی ہے، تو
ممانعت بھی باقی ہے، لیکن یہ اس وقت ہے، جبکہ وہ بنو ہاشم مجاہد یا مؤلفۂ قلوب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وہناک رخص سببها السفر أو المرض أو النسيان أو الجهل أو الخطأ أو النقص أو الوسوسة أو
الترغيب في الدخول في الإسلام وحداثة الدخول فيه أو العسر وعموم البلوى (الموسوعة الفقهية
الكويتية جلد ۲۲، ص ۱۶۲، ۱۶۳، مادة "رخصة")

اس حیثیت سے بھی بنو ہاشم کو ضرورت و حاجت کے وقت زکاة کے جواز کے پہلو کی گنجائش نکلتی ہے، بالخصوص ان حضرات
کے نزدیک جو مذکورہ اصول کے قائل ہیں، جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے رسالہ "ضرورت و حاجت اور استعراض
بالرغ کی تحقیق" میں کر دی ہے، واللہ اعلم۔

۱ ج ۲ ص ۲۹۱، کتاب الزکاة، فصل دفع الزکاة إلى کافر، لمنصور بن یونس البہوتی۔

یا کسی کے مقروض نہ ہوں، ورنہ ایسی حالت میں ان بنو ہاشم کو (زکاۃ اور واجب صدقات کا) لینا جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں تو غنی ہونے کے باوجود بھی (زکاۃ و صدقات کا لینا) جائز ہے، اور اس میں کوئی احسان نہیں پایا جاتا، اور شیخ اور ایک جماعت، جس میں ہمارے اصحاب میں سے قاضی یعقوب وغیرہ ہیں، اور یہی قول ابو یوسف اصطحری شافعی کا ہے، ان حضرات نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اگر بنو ہاشم کو خمس حاصل نہ ہو، تو ان کو (زکاۃ اور واجب صدقات کا) لینا جائز ہے، کیونکہ یہ حاجت و ضرورت کا موقع ہے، شیخ تقی الدین کا بھی یہی قول ہے، اور بنو ہاشم کے لئے دوسرے بنو ہاشم کی زکاۃ لینا بھی جائز ہے، اختیارات میں اس کو ذکر کیا ہے (کشاف القناع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر حنابلہ کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات کا دینا جائز نہیں، لیکن اگر بنو ہاشم مقروض وغیرہ ہوں، تو پھر ان کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور بعض حنابلہ کے نزدیک موجودہ دور میں جب ان کو خمس حاصل نہ ہو، تو مقروض ہونے کی شرط کے بغیر صرف فقیر یا مسکین ہونے کی حالت میں بھی بنو ہاشم کو زکاۃ اور واجب صدقات کا دینا جائز ہے۔

(۱۴)..... علامہ مرداوی حنبلی کی عبارت

علامہ مرداوی حنبلی فرماتے ہیں کہ:

(وَلَا بَنِي هَاشِمٍ) هَذَا الْمَذْهَبُ مُطْلَقٌ، نَصَّ عَلَيْهِ، وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْأَصْحَابِ، وَكَالْبَنِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْمَاعًا .
وَقِيلَ: يَجُوزُ أَنْ مَنَعُوا الْخُمْسَ؛ لِأَنَّهُ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضَرُورَةٍ،
اخْتَارَهُ الْأَجْرِيُّ .

قَالَ فِي الْفَائِقِ: وَقَالَ الْقَاضِي يَعْقُوبُ ، وَأَبُو الْبَقَاءِ ، وَأَبُو صَالِحٍ: إِنَّ مُنْعُوا الْخُمْسَ جَازٌ . ذَكَرَهُ الصَّيْرَفِيُّ . انْتَهَى .

وَقَالَ فِي الْفُرُوعِ: وَمَالَ شَيْخُنَا إِلَى أَنَّهُمْ إِنْ مُنْعُوا الْخُمْسَ أَخَذُوا الزَّكَاةَ ، وَرَبَّمَا مَالَ إِلَيْهِ أَبُو الْبَقَاءِ ، وَقَالَ: إِنَّهُ قَوْلُ الْقَاضِي يَعْقُوبَ مِنْ أَصْحَابِنَا ، ذَكَرَهُ ابْنُ الصَّيْرَفِيِّ فِي مُتَنَبَخِ الْفُنُونِ ، وَاخْتَارَهُ الْأَجَرِيُّ فِي كِتَابِ النَّصِيحَةِ ، انْتَهَى ، وَزَادَ ابْنُ رَجَبٍ عَلَى مَنْ سَمَّاهُمْ فِي الْفَائِقِ: نَصْرُ بْنُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ الْجِيلِيُّ .

قُلْتُ: وَاخْتَارَهُ فِي الْحَاوِيَيْنِ ، وَقَالَ جَامِعُ الْأَخْتِيَارَاتِ: وَيَنْوُ هَاشِمٍ إِذَا مُنْعُوا مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ جَازَ لَهُمْ الْأَخْذُ مِنَ الزَّكَاةِ ، وَيَجُوزُ لَهُمْ الْأَخْذُ مِنْ زَكَاةِ الْهَاشِمِيِّينَ ، انْتَهَى .

فَتَلَخَّصَ جَوَازُ الْأَخْذِ لِبَنِي هَاشِمٍ إِذَا مُنْعُوا مِنْ (خُمْسِ) الْخُمْسِ عِنْدَ الْقَاضِي يَعْقُوبَ ، وَأَبِي الْبَقَاءِ ، وَأَبِي صَالِحٍ ، وَنَصْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَأَبِي طَالِبِ الْبَصْرِيِّ ، وَهُوَ صَاحِبُ الْحَاوِيَيْنِ ، وَالشَّيْخِ تَقِيِّ الدِّينِ (الانصاف للمرداوى) ۱

ترجمہ: اور (زکاة) بنو ہاشم کو دینا ناجائز ہے، بغیر کسی قید کے، مذہب یہی ہے، جس کی (امام احمد نے) تصریح کی ہے، اور اکثر اصحاب کا یہی قول ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بالاجماع یہی تصریح منقول ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ (بنو ہاشم کو زکاة دینا) جائز ہے، اگر ان کو خمس نہ دیا جائے، کیونکہ یہ ضرورت و حاجت کا محل و مقام ہے، امام آجری نے اسی کو اختیار کیا (اور راجح سمجھا) ہے۔

فائق میں ہے کہ: اور قاضی یعقوب اور ابوالبقاء اور ابوصالح نے کہا کہ اگر ان (بنو ہاشم) کو خمس نہ دیا جائے، تو (ان کو زکاة دینا) جائز ہے، صیرفی نے اس کو ذکر کیا ہے، بات پوری ہوگئی۔

فروع میں ہے کہ: ہمارے شیخ کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر ان کو خمس نہ دیا جائے، تو وہ زکاة لے سکتے ہیں، بسا اوقات ابوالبقاء کا میلان اسی طرف ہوا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں قاضی یعقوب کا یہی قول ہے، ابن صیرفی نے منتخب الفنون میں اس کو ذکر کیا ہے، اور آجری نے کتاب النصیحہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، فروع کی عبارت مکمل ہوئی، اور ابن رجب نے فائق میں ذکر کردہ حضرات میں نصر بن عبدالرزاق جیلی کو بھی زیادہ کر کے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حاوی (نام کی دونوں کتابوں) میں اسی (جواز کے قول) کو اختیار کیا ہے، اور جامع الاختیارات میں ہے کہ بنو ہاشم کو جب مال غنیمت کے خمس میں سے خمس نہ دیا جائے، تو ان کو زکاة لینا جائز ہے، اور اسی طرح بنو ہاشم کو ہاشمیوں سے زکاة لینا بھی جائز ہے، بات پوری ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ قاضی یعقوب، ابوالبقاء، ابوصالح، نصر بن عبدالرزاق، ابوطالب بصری جو حاوین کے مصنف ہیں اور شیخ تقی الدین کے نزدیک بنو ہاشم کو جب مال غنیمت کے خمس کا خمس نہ دیا جائے، تو ان کو زکاة لینا جائز ہے (الانصاف)

فائدہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حنابلہ کے مذہب میں اگرچہ اکثر حضرات نے مطلقاً بنو ہاشم کو زکاة دینے کے ممنوع ہونے کا حکم لگایا ہے، لیکن ایک بڑی جماعت جواز کی بھی قائل ہے، جبکہ بنو ہاشم کو مال غنیمت کا خمس حاصل نہ ہو، اور ان کے نزدیک ناجائز ہونے کا قول اس حالت پر محمول ہے، جبکہ ان کو مال غنیمت کا خمس حاصل ہو، علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

(۱۵)..... علامہ ابن تیمیہ حنبلی کی عبارت

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَبَنُو هَاشِمٍ إِذَا مُنِعُوا مِنْ خُمْسِ الْخُمْسِ جَازَ لَهُمْ الْأَخْذُ مِنَ الزَّكَاةِ وَهُوَ قَوْلُ الْقَاضِي يَعْقُوبَ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِنَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالْبَاصِطُ خَرَى مِنَ الشَّافِعِيَّةِ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضُرُورَةٍ وَيَجُوزُ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْذُ مِنْ زَكَاةِ الْهَاشِمِيِّينَ وَهُوَ مُحْكِي عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْ أَهْلِ

الْبَيْتِ (الاختيارات الفقهية، ج ۱ ص ۴۵۶، كتاب الزكاة)

ترجمہ: اور بنو ہاشم کو جب مال غنیمت کے خمس کا خمس نہ دیا جائے، تو ان کو زکاة کا لینا جائز ہے، اور یہی ہمارے اصحاب میں سے قاضی یعقوب وغیرہ کا قول ہے، اور یہی قول ابو یوسف اور اصطرطری کا شافعیہ میں سے ہے، ضرورت اور حاجت کی وجہ سے، اور بنو ہاشم کو دوسرے ہاشمیوں سے زکاة لینا جائز ہے، اور یہی قول اہل بیت کی ایک جماعت سے مروی ہے (اختیارات الفقہیہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ اور بعض دوسرے حضرات ضرورت و حاجت کی وجہ سے بنو ہاشم کو اس دور میں زکاة لینا جائز قرار دیتے ہیں، اور بنو ہاشم کی اپنی زکاة بنو ہاشم کو دینے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اس طرح کی روایت حنفیہ کے مذہب میں بھی ہے، اور اس کی وجہ کا تفصیلاً پہلے ذکر کر گزرا۔

(۱۶)..... ابن مفلح حنبلی کی عبارت

ابن مفلح حنبلی فرماتے ہیں کہ:

وَقِيلَ: يَجُوزُ إِنْ مُنِعُوا الْخُمْسَ، اخْتَارَهُ الْقَاضِي يَعْقُوبُ، وَالْأَجَرِيُّ، وَالشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ؛ لِأَنَّهُ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضُرُورَةٍ (المبدع فی شرح

المقنع) ۱

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ بنو ہاشم کو زکاة جائز ہے، اگر ان کو خمس نہ ملے، جس کو قاضی یعقوب اور آجری اور شیخ تقی الدین نے اختیار کیا ہے، کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا موقع ہے (المبدع)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب بنو ہاشم کو خمس نہ ملے، جیسا کہ اس دور میں حالت ہے، تو بعض حنابلہ ان کے لئے زکاة و صدقہ کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

(۱۷)..... محمد عرفہ دسوقی مالکی کی عبارت

محمد عرفہ دسوقی مالکی فرماتے ہیں کہ:

وَاعْلَمْ أَنَّ مَحَلَّ عَدَمِ إِعْطَاءِ بَنِي هَاشِمٍ مِنْهَا إِذَا أُعْطُوا مَا يَسْتَحِقُّونَهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ لَمْ يُعْطُوا وَأَضْرَبَ بِهِمُ الْفَقْرُ أُعْطُوا مِنْهَا وَإِعْطَاؤُهُمْ حِينَئِذٍ أَفْضَلُ مِنْ إِعْطَاءِ غَيْرِهِمْ وَقَيِّدُهُ الْبَاجِيَ بِمَا إِذَا وَصَلُوا لِحَالَةِ يَبَاحٍ لَهُمْ فِيهَا أَكْلُ الْمَيْتَةِ لَا مُجَرَّدُ ضَرَرٍ وَالظَّاهِرُ خِلَافُهُ وَانَّهُمْ يُعْطَوْنَ عِنْدَ الْإِحْتِيَاجِ وَلَوْ لَمْ يَصِلُوا لِحَالَةِ إِبَاحَةِ أَكْلِ الْمَيْتَةِ إِذْ عَطَاؤُهُمْ أَفْضَلُ مِنْ خِدْمَتِهِمْ لِذِمِّيٍّ أَوْ ظَالِمٍ أَهْ، تَقْرِيرُ شَيْخِنَا عَدَوِيِّ وَهَذَا كُلُّهُ فِي الصَّدَقَةِ الْوَاجِبَةِ كَمَا هُوَ الْمَوْضُوعُ، وَأَمَّا صَدَقَةُ التَّطَوُّعِ فَيَجُوزُ لَهُمْ أَخْذُهَا مَعَ الْكَرَاهَةِ عَلَى الْمُعْتَمِدِ وَمَا يَأْتِي فِي الْخَصَائِصِ مِنْ حُرْمَتِهَا عَلَيْهِمْ أَيْضًا فَهِيَ ضَعِيفٌ وَإِنْ شَهَّرَهُ ابْنُ عَبْدِ السَّلَامِ (حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للشيخ الدردير) ۲

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ بنو ہاشم کو زکاة نہ دینے کا مقام اس وقت

۱ ج ۲ ص ۴۲۱، کتاب الزکاة، باب ذکر اهل الزکاة، الاصناف التي لا تأخذ من الزکاة.

۲ ج ۱ ص ۴۹۳، ۴۹۴، باب الزکاة، فصل من تصرف له الزکاة وما يتعلق بذلك.

ہے، جبکہ ان کو بیٹ المال سے ان کا حق (مال غنیمت وغیرہ کی شکل میں) حاصل ہو، اور اگر بیٹ المال سے ان کا حق حاصل نہ ہو، اور ان کو فقر و فاقہ سے ضرر لاحق ہو، تو ان کو زکاة دی جائے گی، اور ایسے وقت میں ان کو زکاة دینا افضل ہے، بنسبت دوسروں کو زکاة دینے کے، اور علامہ باجی نے یہ قید لگائی ہے کہ جب کہ وہ ایسی حالت کو پہنچ جائیں، جس میں مردار کا کھانا جائز ہو جاتا ہے، صرف ضرر کا لاحق ہونا کافی نہیں، اور رائج اس کے برخلاف ہے کہ ان کو ضرورت کے وقت زکاة دی جائے گی، اگرچہ وہ مردار کے کھانے کے جائز ہونے کی حالت تک نہ پہنچیں، کیونکہ ان کو زکاة کا دینا افضل ہے، ان کے کسی ذمی یا ظالم کی خدمت (کر کے اجرت حاصل) کرنے سے، یہ ہمارے شیخ عدوی کی تقریر ہے، اور یہ سب حکم صدقہ واجبہ میں ہے، جیسا کہ صدقہ واجبہ کا یہی موضوع ہے، اور جہاں تک نفلی صدقہ کا معاملہ ہے، تو نفلی صدقہ کا ان کو لینا معتمد قول کے مطابق کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور خصائص میں جو نفلی صدقہ کے بھی بنو ہاشم پر حرام ہونے کا ذکر آیا ہے، تو وہ ضعیف ہے، اگرچہ ابن عبدالسلام نے اس کی تشہیر کی ہے (حاشیہ روتی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک بھی جب بنو ہاشم کو بیٹ المال سے ان کا حق حاصل نہ ہو، اور وہ حاجت مند ہوں، تو زکاة و صدقات واجبہ کا ان کو دینا ولینا جائز ہے، اور اس جائز ہونے کے لئے ان کا اضطراری حالت کو پہنچنا ضروری نہیں، یہی رائج ہے۔

(۱۸)..... شیخ درودیر مالکی کی عبارت

شیخ درودیر مالکی فرماتے ہیں کہ:

قَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا حُرِّمُوا حَقُّهُمْ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَصَارُوا أَفْقَرَاءَ جَازَ أَخَذَهُمْ وَإِعْطَاؤُهُمْ مِنْهَا كَمَا هُوَ الْآنَ (الشرح الصغير للشيخ الدردير لکتابہ

أقرب المسالك، ج ۱ ص ۶۶۰، باب الزكاة، فصل في بيان مصرف الزكاة
ترجمہ: بعض (مالکی حضرات) نے فرمایا کہ جب بنو ہاشم اپنے بیٹ المال کے حق سے محروم ہو جائیں، اور وہ فقیر و تنگ دست ہوں، تو ان کو زکاة کا لینا اور دینا جائز ہے، جیسا کہ آج کل حالت ہے (شرح الصغیر)
مالکیہ کی اور کتابوں میں بھی اس قول کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ۱
فائدہ: اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کو جب ضرورت و حاجت لاحق ہو، تو ان کو بعض مالکیہ کے نزدیک زکاة اور واجب صدقات کا لینا دینا جائز ہے، جیسا کہ آج کل ضرورت و حاجت والی یہی حالت ہے۔

(۱۹)..... علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کی عبارت و فتویٰ

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:
وَنَقَلَ الطَّحَاوِيُّ عَنْ أَمَالِي أَبِي يُوسُفَ: أَنَّهُ جَازَ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى آلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ فَقْدَانِ الْخُمْسِ، فَإِنَّ فِي الْخُمْسِ حَقَّهُمْ، فَإِذَا لَمْ يُوجَدْ، صَحَّ صَرْفُهَا إِلَيْهِمْ، وَفِي الْبَحْرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شُجَاعِ الثَّلَجِيِّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَيْضًا جَوَازُهُ، وَفِي عَقْدِ الْجَيْدِ أَنَّ الرَّازِيَّ أَيْضًا أَقْبَى بِجَوَازِهِ، قُلْتُ: وَأَخَذَ الزَّكَاةَ عِنْدِي أَسْهَلُ مِنَ السُّؤَالِ، فَأَقْتِي بِهِ أَيْضًا (فيض الباری للکشمیری) ۲
ترجمہ: اور امام طحاوی نے، امام ابو یوسف کے امالی سے نقل کیا ہے کہ خمس نہ پائے

۱۔ وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد " ويعطون ما يحتاجون إليه من بيت مال المسلمين، فإن لم يُعطوا وأضرَّ بهم الفقر أعطوا من الزكاة، وإعطائهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم. أما صدقة التطوع فتصح لبني هاشم وغيرهم (فقہ العبادات علی المذهب المالکی، ج ۱ ص ۲۹۳، الباب الثالث مصارف الزكاة، للحاجة كوكب عبید)

۲۔ ج ۳ ص ۵۷، کتاب الزكاة، باب ما يذكر في الصدقة للنبي - صلى الله عليه وسلم .

جانے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکاة دینا جائز ہے، کیونکہ نمس میں ان کا حق تھا، پس جب وہ نہیں پایا گیا، تو زکاة کو ان کی طرف خرچ کرنا صحیح ہو گیا، اور بحر میں محمد بن شجاعؓ جی سے امام ابوحنیفہ کی روایت بھی جواز کی ہے، اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی نے بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک زکاة کو لینا زیادہ ہلکا ہے، بنسبت سوال کرنے (اور بھیک مانگنے) کے، تو میں بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں (فیض الباری)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب بنو ہاشم کے لئے مال غنیمت اور مال فیئ کی شکل میں اعانت کا انتظام نہ ہو، تو ضرورت و تنگ دستی دور کرنے کے لئے بنو ہاشم کو زکاة کے جائز ہونے پر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی فتویٰ دیا کرتے تھے، اور وہ تنگ دست بنو ہاشم کے سوال کرنے اور کسی کے سامنے مانگنے اور ہاتھ پھیلائے کو زیادہ سخت چیز سمجھتے تھے، بنسبت اس کے کہ ان کو زکاة دی جائے۔ ا

ا علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول پر بعض حضرات نے چار قسم کے اعتراضات یا شبہات کئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا یہ قول جہور کے خلاف ہے، دوسرے صحیح احادیث کے خلاف ہے، تیسرے یہ قیاس ہے نص کے مقابلہ میں، چوتھے یہ کہ بعض صورتوں میں سوال جائز ہے، اور یہ صدقات کی حرمت بنو ہاشم پر بوجہ اوساخ الناس ہونے کے کسی صورت میں بھی جائز نہیں، اور اس کی علت مؤبدہ ہے، لہذا ان کا یہ فتویٰ درست نہیں۔ مگر ہمیں ان توجیہات یا شبہات سے اتفاق نہ ہو سکا۔

جہاں تک پہلے شبہ کا تعلق ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ کشمیری تہا نہیں ہیں، بلکہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سلسلہ کے متعدد مشائخ اور جلیل القدر اہل علم حضرات بھی اس کے قائل ہیں، پھر کسی قول کا جہور کے خلاف ہونا اس کے غیر مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں، ورنہ حنفیہ کے ہاں بہت سے مسائل جہور کے خلاف بھی معمول بہا ہیں، علاوہ ازیں اگر کوئی مسئلہ علت سے یا عرف و رواج کی تبدیلی کی وجہ سے حکم کے بدلنے کا متقاضی ہو، تو اس میں جہور کی مخالفت کا حکم لگنا، زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوا کرتا۔

اور جہاں تک اس موقف کے صحیح احادیث کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں صاحب ”الاختیار“ وغیرہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ احادیث کا یہ حکم اس وقت لاگو ہوتا ہے، جبکہ زکاة کے عوض میں مال غنیمت سے بنو ہاشم کو حصہ حاصل ہوتا ہو، ورنہ کوئی تعارض و معارضہ نہیں، اور ایسی حالت میں آیت اپنے اطلاق پر جاری رہے گی، جبکہ بعض حضرات نے دوسرے ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲۰)..... فتاویٰ محمودیہ کی عبارت

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لئے ان کو زکاة و صدقات واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخُ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں، کہ گزارے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی اور شافعیہ میں سے امام رازی نے زکاة کو درست قرار دیا ہے کہ زکاة لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زبرد پڑتی ہے، اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکاة دے دی جائے، تو یہ اھوں ہے، اگرچہ یہ ظاہر الروایۃ نہیں ہے، اور عامۃً اس کو فتویٰ کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری اور العرف الشذی میں منقول ہے (فتاویٰ محمودیہ) ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جوابات بھی دیئے ہیں، جن کا ذکر ہماری اس بحث میں رواں عبارت کے ذیل میں موجود ہے۔ اور جہاں تک نص کے مقابلہ میں قیاس کا تعلق ہے تو یہ بھی تسلیم نہیں، کیونکہ نصوص سے ہی مالی غنیمت کے عوض کی تعلیل ثابت ہے، اور جب کوئی نص کسی علت کے ساتھ معلل ہو، تو علت کے ارتقاع سے حکم کا ارتقاع ہو جاتا ہے۔ کما مر۔ اور جہاں تک چوتھی و آخری بات کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر بنو ہاشم کو زکاة اخذ کرنے میں ان کی ذلت سے بچانے کی حکمت مضمّن ہو، تو سوال کرنے میں یہ حکمت زیادہ شدت کے ساتھ متاثر ہوتی ہے، جس میں شک نہیں، اور اوساخُ الناس کی علت کو مؤبدہ قرار دینے سے بھی اتفاق نہیں، اور اس علت پر کلام پیچھے احادیث کے ضمن میں جہاں اوساخُ الناس والی حدیث ذکر کی گئی ہے، گزر چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر جلیل القدر فقہاء و مشائخ بلکہ صاحب فتاویٰ محمودیہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

۱۔ جلد ۹ ص ۵۶۰، کتاب الزکاة، باب مصارف الزکاة، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، سن طباعت: ۱۴۲۶ھ ۲۰۰۵ء۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب سادات سخت ضرورت مند ہوں، تو ان کو سوال وغیرہ کی ذلت سے بچانے کے مقابلہ میں زکاة دینا اہون اور ہلکا ہے، اور بعض اکابر اس کے قائل ہیں۔

(۲۱)..... مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں کہ:

امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک ہاشمی عامل کی اجرت، زکاة سے دی جاسکتی ہے، بلکہ ابو عصمہ نے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت اس کی نقل کی ہے کہ بیٹ المال کا خمس ختم ہونے کے بعد بنو ہاشم کے لئے زکاة لینا جائز ہے، امام طحاوی نے بھی ”عن محمد بن ابی یوسف“ کے طریق سے ایک روایت یہی نقل کی ہے، بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی امالی ابی یوسف سے یہی قول نقل کر کے اسی کو اختیار کیا ہے، شافعیہ سے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

ایک غور طلب امر: ہمارے زمانہ کے فقہاء کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا اس دور میں بنو ہاشم میں فقر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (درس ترمذی) ۱

فائدہ: معلوم ہوا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی موجودہ دور میں بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جواز پر فتوے کے لئے غور کرنے کے قائل ہیں، اور موجودہ دور کے کئی اہل علم وفقہ حضرات کا غور و فکر کے نتیجہ میں اس کی طرف رجحان و فتویٰ موجود ہے۔

۱۔ جلد ۲ صفحہ ۴۷۹، ۴۸۰، ابواب الزکاة، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم و اہل بیته و مولیہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع نہم۔

(۲۲)..... مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کا فتویٰ

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

موجودہ دور میں کسی ہاشمی کو جو فقیر ہو، زکاۃ دینا میرے نزدیک جائز ہے، اس بارے میں اصل مسلک تمام ہی علماء کا یہی ہے کہ زکاۃ ہاشمی کو نہیں دی جاسکتی ہے، لیکن ظاہر الروایۃ اور مشہور مسلک سے الگ ہو کر ایک قول امام ابو یوسف کا یہ منقول ہے کہ ہاشمی کی زکاۃ ہاشمی کو دی جاسکتی ہے، امام ابو حنیفہ سے ابو عصمہ کی روایت یہ ہے کہ امام صاحب سادات کے لئے علی الاطلاق جواز کے قائل ہیں، خواہ زکاۃ ہاشمی کے مال کی ہو یا غیر ہاشمی کے مال کی، امام صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ خمس الخمس جو اہل قرابت رسول اللہ کے لئے تھا، اب وہ انہیں نہیں ملتا، زکاۃ ان پر حرام قرار دی گئی، لیکن اس کا بدل خمس الخمس مقرر کیا گیا تھا، اب جبکہ وہ بدل ختم ہو گیا، تو اصل یعنی زکاۃ ان کے لئے حلال ہوگی، امام طحاوی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، شوافع میں امام اصطخری اور بعض حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے، متاخرین علمائے ہند میں حضرت انور شاہ کشمیری کے بارے میں فیض الباری میں نقل کیا گیا ہے کہ سادات کو مجبور ہو کر بھیک مانگنے کے مقابلہ میں زکاۃ کھانا آسان تر ہے، لہذا میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، کفایت المفتی میں مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا فتویٰ جواز ہی کا نقل کیا گیا ہے، اگرچہ مفتی کفایت اللہ صاحب کو اس سے اتفاق نہیں۔

بہر حال قول امام مختلف ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اختلاف دلیل و براہین کا نہیں، بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ کا ہے، اس لئے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے اس روایت غیر مشہورہ پر

فتویٰ دیا جاسکتا ہے، موجودہ حالات یہی ہیں کہ خمس النخس سادات کو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عطایا و ہدایا کے ذریعہ سادات کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے، لہذا میں پوری طمانیت قلب کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ضرورت مند سادات کو زکاة شرعاً دی جاسکتی ہے (مجلد ”بحث و نظر“) ۱۔

فائدہ: مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور کے مشہور صاحب علم و صاحب فقہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب بھی بنو ہاشم کو زکاة کے جواز کی طرف نہ صرف یہ کہ مائل ہیں، بلکہ مکمل اطمینان قلب کے ساتھ ضرورت مند بنو ہاشم کو زکاة کے جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲۳)..... شیخ بن صالح العثیمین صاحب کی رائے

عرب کے مشہور عالم شیخ عبداللہ بن صالح بن محمد عثیمین فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَجُوزُ أَنْ يُعْطُوا مِنَ الزَّكَاةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ خُمُسٌ أَوْ وُجِدَ وَمُنِعُوا مِنْهُ..... فَإِذَا مُنِعُوا أَوْ لَمْ يُوجَدْ خُمُسٌ، كَمَا هُوَ الشَّأْنُ فِي وَفْتِنَا هَذَا فَإِنَّهُمْ يُعْطَوْنَ مِنَ الزَّكَاةِ دَفْعًا لِضُرُورَتِهِمْ إِذَا كَانُوا فَقَرَاءَ، وَلَيْسَ عَنْدهُمْ عَمَلٌ، وَهَذَا اخْتِيَارُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ، وَهُوَ الصَّحِيحُ (الشرح الممتع على زاد المستقنع) ۲۔

ترجمہ: اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز ہے، جب خمس موجود نہ ہو، یا موجود تو ہو، لیکن ان کو وہ خمس حاصل نہ ہو..... پس جب ان کو خمس حاصل نہ ہو یا خمس موجود نہ ہو، جیسا کہ ہمارے اس وقت کی حالت ہے، تو

۱۔ بعنوان ”سادات کو زکاة دینا“ ص ۱۰۰، ۱۹۹۰ء پٹنہ، بھارت، ماخوذ، از ”فتاویٰ دارالعلوم زکریا“ جلد سوم، صفحہ ۲۳۵، کتاب الزکاة، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی، تاریخ اشاعت: نومبر 2009ء، و سہ ماہی مجلہ ”المباحث الاسلامیہ“ جلد ۴، شمارہ ۳، ۱۵ نومبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۲۰، مضمون ”سادات خاندان کو زکاة دینے کی شرعی حیثیت“ از مولانا مفتی عطاء اللہ حقانی۔

پھر بے شک ان کو زکاة دی جائے گی، ان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، جبکہ وہ فقیر (و غریب) ہوں، اور ان کے پاس کمائی کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اور یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اختیار کردہ قول ہے، اور یہی صحیح ہے (شرح المسح)
 فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں جبکہ تنگ دست و نادار بنو ہاشم کو خمس وغیرہ حاصل نہیں ہوتا، عرب کے مشہور عالم شیخ محمد شمیم بھی جواز کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲۴)..... علامہ یوسف قرضاوی صاحب کی رائے

علامہ یوسف قرضاوی صاحب اپنی کتاب فقہ الزکاة میں فرماتے ہیں کہ:

وَالَّذِي أَرَاهُ أَنَّ الْقَوْلَ بِإِعْطَاءِ الزَّكَاةِ لِأَقَارِبِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زَمَانِنَا أَرْجَحُ وَأَقْوَى؛ لِحُرْمَانِهِمْ مِنْ خُمْسِ الْغَنَائِمِ وَالْفَيْءِ، الَّذِي كَانَ يُعْطَى مِنْهُ لِدَوَى الْقُرْبَى فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْوِضًا مِّنَ اللَّهِ لَهُمْ عَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الصَّدَقَةِ. وَسَهُمُ دَوَى الْقُرْبَى هُوَ الْمَذْكُورُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الأنفال: ۴۱) وَقَوْلِهِ تَعَالَى: مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر: ۷)

وَالْقَوْلُ بِأَنَّ الزَّكَاةَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمْ لِشَرَفِهِمْ لَيْسَ بِقَوِيٍّ، وَالْأَوَّلَى أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ لِدَفْعِهِمْ عَنْهُ وَنُصْرَتِهِمْ لَهُ، حَتَّى اشْتَرَكَ فِي ذَلِكَ مُسْلِمُهُمْ وَكَافِرُهُمْ، وَهَذَا يَعْضِدُ قَوْلَ الشَّافِعِيِّ فِي ضَمِّ بَنِي

الْمَطْلَبِ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ، فَإِنَّهُمْ جَمِيعًا صَبَرُوا مَعَهُ عَلَى الْأَذَى وَالْجُوعِ، وَدَخَلُوا الشَّعْبَ وَقَفُّوا فِي وَجْهِ قُرَيْشٍ وَمُقَاطَعَتِهِمُ الظَّالِمَةَ، وَإِذَا سَقَطَ الْعَوَضُ، وَهُوَ سَهْمُ ذِي الْقُرْبَى، لِسَبَبٍ مِنَ الْأَسْبَابِ، كَخُلُوقِ بَيْتِ الْمَالِ، أَوْ لَا سُبْدَادِ الْحُكَّامِ بِمَا فِيهِ، وَجَبَ إِلَّا يُحْرَمُوا مِنَ الزَّكَاةِ، وَإِلَّا انْقَلَبَتِ الْمَزِيَّةُ الَّتِي لَهُمْ ضَرَرًا عَلَيْهِمْ وَإِذَا كَانَ كَثِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ قَدْ ذَهَبُوا إِلَى سُقُوطِ سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبَى بَعْدَ مَوْتِ الرَّسُولِ، وَصَيَّرُوهُ لِقَرَابَةِ الْخَلِيفَةِ بَعْدَهُ، أَوْ صَرَفَهُ فِي السَّلَاحِ وَالْجِهَادِ، رَوَى أَبُو عُبَيْدٍ وَأَبُو يُوسُفَ فِي الْخِرَاجِ وَابْنُ جَرِيرٍ فِي تَفْسِيرِ آيَةِ الْأَنْفَالِ (وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ) عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ وَقَدْ سُئِلَ عَنْ سَهْمِ الرَّسُولِ وَسَهْمِ ذِي الْقُرْبَى، فَقَالَ: اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي هَذَيْنِ السَّهْمَيْنِ بَعْدَ وِفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ قَائِلُونَ: سَهْمُ الْقَرَابَةِ لِقَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ قَائِلُونَ: لِقَرَابَةِ الْخَلِيفَةِ، وَقَالَ قَائِلُونَ: سَهْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْخَلِيفَةِ بَعْدَهُ، قَالَ: فَاجْمَعْ رَأْيَهُمْ عَلَى أَنْ يَجْعَلُوا هَذَيْنِ السَّهْمَيْنِ فِي الْخَيْلِ وَالْعِدَّةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ: فَكَانَا عَلَى ذَلِكَ خِلَافَةً أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ (انظر الأموال ص ۳۳۲، وانظر أيضًا: بداية

المجتهد ۱/ ۳۹۰ - ۳۹۱، طبع النحلي)

بَلْ إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ لَمَّا اسْتُخْلِفَ سَلَكَ بِهِ سَبِيلَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ (الأموال - المرجع نفسه)

فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُمْ بِإِبَاحَةِ الْمُعَوِّضِ، وَهُوَ الزَّكَاةُ، وَمِمَّا يَقْوَى هَذَا الرَّأْيُ أَنَّ جُمْلَةَ الْأَحَادِيثِ الَّتِي اسْتَدَلَّ بِهَا جَمَهُورُ الْعُلَمَاءِ

عَلَى تَحْرِيمِ الزَّكَاةِ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَأَصَافَ
بَعْضُهُمْ إِلَيْهِمْ بَنَى الْمُطَّلِبِ، بَلْ جَعَلُوا مَوَالِيَهُمْ وَغَتَّاءَ هُمْ بِمَنْزِلَتِهِمْ
فِي الْحُكْمِ، لَيْسَتْ صَرِيحَةَ الدَّلَالَةِ عَلَى هَذَا الْحُكْمِ.
وَالْحَقُّ أَنَّ الَّذِي يُنْظَرُ فِي هَذِهِ الْأَحَادِيثِ نَظَرَةً مُجَرَّدَةً مِنَ الْعَصَبِيَّةِ
وَالْتَقْلِيدِ وَالتَّأَثُّرِ بِشُهْرَةِ الْحُكْمِ وَجَلَالَةِ الْقَائِلِينَ بِهِ، يَتَبَيَّنُ لَهُ غَيْرُ مَا
ذَهَبُوا إِلَيْهِ.

(۱) فَأَمَّا حَدِيثُ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ: فَإِنَّ فَتَيَيْنِ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ أَرَادَا أَنْ
يُوَلِّيَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّدَقَاتِ، فَيُصِيبَا مِنْهَا
كَمَا يُصِيبُ النَّاسُ مِنَ الْمَنْفَعَةِ، فَأَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ
يُسَدَّ عَلَيْهِمَا هَذَا الْبَابَ، وَأَنْ يَجْعَلَ مِنْ آلِ بَيْتِهِ وَأَقَارِبِهِ قُدُورَةً
لِلنَّاسِ فِي الْبَدَلِ وَالتَّضَحِّيَةِ لَا فِي الْغَنَمِ وَالْإِنْتِفَاعِ، وَقَدْ قَالَ لَهُمْ يَوْمَ
فَتْحِ مَكَّةَ، وَقَدْ طَلَبُوا مِنَ السَّدَانَةِ وَالسَّقَايَةِ، فَأَعْطَاهُمُ السَّقَايَةَ لِمَا
فِيهَا مِنْ غُرْمٍ وَكُلْفَةٍ، وَقَالَ: إِنَّمَا أَوْلِيَكُمْ مَا تَرْزُؤُونَ لَا مَا تَرْزُؤُونَ

(سيرة ابن هشام: ۳۲/۳ بتحقيق محمد محيي الدين عبد الحميد)

وَلَفْظُ الْبُخَارِيِّ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ، وَهَذَا إِنَّمَا يَدُلُّ
عَلَى كَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ وَالتَّفْخِيمِ مِنْ مُقَارَبَةِ هَذَا الْعَمَلِ الَّذِي هُوَ مُظَنَّةٌ
لِأَخْذِهِ مَا لَا يَحِلُّ كَمَا فَعَلَ ابْنُ اللَّيْبَةِ، وَلِهَذَا أَبَى عِبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ
وغيرُهُ أَنْ يَقْبَلُوا الْوِلَايَةَ عَلَى الصَّدَقَاتِ لِمَا فِيهَا مِنْ خَطَرِ التَّعَرُّضِ
لِمَا لَا يَجُوزُ.

وَهَذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنَاهَا عَلَى التَّشْدِيدِ؛ لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِمَالٍ عَامٍ هُوَ
مَالُكَ لِلْجَمَاعَةِ، وَحَقُّ لِلْمُحْتَاجِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَوْ مَنْ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ

الْمُسْلِمُونَ، فَأَيُّ زِيَادَةٍ يَأْخُذُهَا الْعَامِلُ عَمَّا يَسْتَحِقُّ تُعَدُّ مَزَاحِمَةً
لِلْفُقَرَاءِ وَالْمُحْتَاجِينَ فِي خَالِصِ حَقِّهِمْ، وَأَكْثَلًا لِمَالِ الْجَمَاعَةِ
بِالْبَاطِلِ.

وَمَعَ وَرُودِ هَذَا الْحَدِيثِ فَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي الْمَذَاهِبِ
الْمَتَّبُوعَةِ أَجَازُوا أَنَّ يَكُونُ الْعَامِلُ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ كَمَا ذَكَرْنَا ذَلِكَ
فِي سَهْمٍ "الْعَامِلِينَ عَلَيْهَا" وَحَدِيثُ أَبِي رَافِعٍ يُؤَكِّدُ هَذَا الْمَعْنَى،
وَيَبَيِّنُ أَنَّ إِبْعَادَ آلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَقَارِبِهِ عَنْ
شُئُونِ الصَّدَقَةِ لَيْسَ لِشَرَفِ النَّسَبِ، وَلَكِنْ لِدَفْعِ التُّهْمَةِ، وَقَطْعِ
الْإِسْنَةِ الْمُفْتَرَيْنِ، وَوَضْعِ الْأَسْوَةِ الْحَسَنَةِ، وَتَرْبِيَةِ آلِ وَمَوَالِيهِمْ أَنْ
يُوطِنُوا أَنْفُسَهُمْ عَلَى تَحْمِلِ الْمَغَارِمِ، لَا الطَّمْعِ فِي الْمَغَانِمِ، وَلَوْ
كَانَ الْمَنْعُ لِلشَّرَفِ مَا دَخَلَ الْمَوَالِي فِي الْمَنْعِ.

(ب) وَأَمَّا حَدِيثُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَقَوْلِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ (أَمَّا شَعِرْتُ إِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ) وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ (لَا تَحِلُّ
لَنَا الصَّدَقَةُ) فَالَّذِي يَبْدُو لِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهُ
بِوَصْفِهِ إِمَامَ الْجَمَاعَةِ وَرَئِيسِ الدَّوْلَةِ، فَإِنَّ اجْتِمَاعَ الصَّدَقَاتِ عِنْدَهُ
لَا حَلَّهَا لَهُ وَلَا لِأَهْلِ بَيْتِهِ، لِأَنَّهَا مِلْكُ الْمُسْلِمِينَ جَمِيعًا، وَمِنْ هُنَا
رُويَ أَنَّ عُمَرَ شَرِبَ مِنْ لَبَنِ الصَّدَقَةِ خَطَأً فَتَقَيَّأَهُ (رواه مالك في الموطأ
في كتاب الزكاة)

وَلِهَذَا قَالَ فِي "الْبَحْرِ" وَلَا تَحِلُّ لِلْإِمَامِ، كَالرَّسُولِ، وَلِتَقْيُؤَ عُمَرَ لَبَنَ
الصَّدَقَةِ (البحر الزخار: ۲/۱۸۴)

(ج) وَإِذَا غَضَضْنَا الطَّرْفَ عَنْ هَذِهِ الْأَسْبَابِ وَالْمُلَابَسَاتِ الَّتِي

وَرَدَّتْ فِيهَا هَذِهِ الْأَحَادِيثُ وَنَظَرْنَا إِلَى مُجَرَّدِ الْأَفْظَاهَا، فَمَاذَا تَدُلُّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ "آلِ مُحَمَّدٍ"؟ هَلْ تَدُلُّ حَتْمًا عَلَى ذُرِّيَّةِ بَنِي هَاشِمٍ وَحَدِهِمْ أَوْ مَعَ بَنِي الْمُطَّلَبِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟

لَيْسَ هُنَاكَ دَلِيلٌ حَاسِمٌ عَلَى ذَلِكَ؛ قَالَ مُحَمَّدٌ هُنَا كَالِ إِبْرَاهِيمَ، وَآلِ عِمْرَانَ فِي الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ (إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ) (آل عمران: ۳۳) قَالَ عِمْرَانُ هُنَا: مَرْيَمُ وَابْنُهَا عِيسَى، وَآلِ إِبْرَاهِيمَ: إِسْمَاعِيلُ وَإِسْحَاقُ وَبَعْقُوبُ وَالْأَسْبَاطُ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ ذُرِّيَّتَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَدْ قَالَ تَعَالَى فِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ) (الصافات: ۱۱۳) وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ مُخْرِبَةُ الْعَالَمِ مِنَ الْيَهُودِ.

وَمِثْلُ هَذَا قَوْلُهُ تَعَالَى (فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ) (القصص: ۸) (وَأَعْرِفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ) (البقرة: ۵۰) (وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ) (غافر: ۴۵)

فَهَلْ يُفْهَمُ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهُ أَوْ مَعَ أَهْلِ بَيْتِهِ وَالصَّحَابَةِ النَّاسِ بِهِ وَأَخَصِّصُهُمْ؟ وَهَنَا "آلُ مُحَمَّدٍ" يَنْبَغِي أَنْ يُقْصَرَ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ مِنْ أَزْوَاجِهِ وَأَوْلَادِهِ وَأَسْبَاطِهِ وَأَقْرَبِ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَهَذَا حُكْمٌ خَاصٌّ بِهِمْ خَالَ حَيَاتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَمَا جَاءَ ذَلِكَ عَنْ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ: وَأَخَذَ بِهِ صَاحِبُهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ.

وَكَمَا ذَكَرَ صَاحِبُ "الْبَحْرِ الرُّخَّارِ" أَنَّهُ أَحَدُ أَقْوَالِ مَالِكٍ: وَوَجْهُهُ أَنَّهَا حَرِمَتْ لِدَفْعِ التُّهْمَةِ وَقَدْ زَالَتْ بِوَفَاتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(البحر: ۲/۱۸۳)

وَبِهَذَا يَسْقُطُ مَا اسْتَدَلَّ بِهِ الشُّوْكَانِيُّ مِنْ مِثْلِ قَوْلِهِ (قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ) (الفرقان: ۵۷) وَلَوْ أَحْلَاهَا لَهُمْ لَأَوْشَكَ أَنْ يُطْعَمُوا فِيهِ: فَإِنَّ هَذَا إِنَّمَا يَكُونُ فِي حَيَاتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَّا بَعْدَ وَفَاتِهِ، فَهُمْ كَغَيْرِهِمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، تُوْخِذُ الزَّكَاةُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، وَتَرُدُّ عَلَى فَقَرَائِهِمْ.

وَأِنَّمَا قُلْنَا هَذَا لِأَمْرَيْنِ:

الْأَوَّلُ: أَنَّ الشَّرْعَ الْإِسْلَامِيَّ فِي جُمْلَةِ أَحْكَامِهِ لَمْ يُمَيِّزْ أَقَارِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى غَيْرِهِمْ مِنَ النَّاسِ، بَلْ أَعْلَنَ أَنَّ النَّاسَ سَوَاسِيَّةٌ كَأَسْنَانِ الْمَشْطِ؛ هُمْ كَذَلِكَ فِي الْحُقُوقِ وَالْوَاجِبَاتِ، وَالْمَعَارِمِ وَالْعُقُوبَاتِ، وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَأَيْمَنَ اللَّهُ لَوْ سَرِقْتُ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا) (متفق عليه) وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يَسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ) (متفق عليه)

الثَّانِي: وَهُوَ الْأَهَمُّ أَنَّ الزَّكَاةَ فِي الْإِسْلَامِ فَرِيضَةٌ لَا زِمَّةٌ، وَحَقٌّ مَعْلُومٌ، وَضَرِيَّةٌ مُقَرَّرَةٌ، يَتَوَلَّى الْإِمَامُ أَخَذَهَا وَصَرَفَهَا لِمَنْ يَسْتَحِقُّهَا، فَلَا مَنَّةَ فِيهَا لِأَحَدٍ عَلَى أَحَدٍ، وَمَا دَامَ الْآخِذُ يَأْخُذُهَا بِحَقِّهَا، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ.

وَالْعَجِيبُ أَنَّ بَعْضَ الْفُقَهَاءِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ حَرَّمَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ عَلَى الْهَاشِمِيِّينَ وَأَبَاحَ لَهُمْ صَدَقَاتِ التَّطَوُّعِ مَعَ أَنَّ الْمَنَّةَ فِيهَا أَظْهَرُ.

وَلَوْ صَحَّ تَحْرِيمُ الصَّدَقَةِ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَكَانَتْ صَدَقَةُ النَّفْلِ، وَهَذَا مَا نَقَلَهُ الْحَافِظُ عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ وَاسْتَدْلُّوا لَهُ بِأَنَّ الْوَاجِبَ لَا يَلْحَقُ أَخْذَهُ ذَلَّةٌ، بِخِلَافِ

التَطَوُّعُ.

وَقَدْ تَبَيَّنَ لَنَا مِمَّا سَبَقَ أَنْ لَا إِجْمَاعَ فِي الْمَسْأَلَةِ، حَتَّى لَا يُتَّهَمَ مَنْ أَجَازَ لَهُمُ الزَّكَاةَ بِخَرْقِ هَذَا السُّورِ الْمَنِيْعِ.

وَقَدْ رَأَيْنَا أَنَّ الْجَوَازَ مَنْقُولٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَاخْتِيَارُ صَاحِبِهِ مُحَمَّدٍ، وَهُوَ وَجْهٌ لِبَعْضِ الشَّافِعِيَّةِ وَقَوْلٌ عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ.

عَلَى أَنْ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ الْمَنْقُولَةِ مَا يُسَاعِدُ الْقَائِلِينَ بِالْجَوَازِ الْمُطْلَقِ، مِنْ ذَلِكَ مَا ذَكَرَهُ فِي "الْبَحْرِ" أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقَ عَلَى أَرَامِلَ بَنِي الْمُطَلَبِ، وَرَدَّهُ صَاحِبُ الْبَحْرِ بِأَنَّهُ صَدَقَةٌ نَقْلٍ (البحر: ۲/۱۸۳)

كَمَا أَنَّ أَبَا دَاوُدَ رَوَى فِي سُنَنِهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بَعَثَنِي أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلٍ أَعْطَاهَا إِيَّاهُ مِنَ الصَّدَقَةِ، وَفِي رِوَايَةٍ "أَتَى بِدَلِيلِهَا" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي بَابِ الصَّدَقَةِ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَسَكَتَ عَنْهُ هُوَ وَالْمُنْذِرِيُّ، وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ (انظر مختصر السنن: ۲/۲۴۶) وَقَدْ أَجَابَ النَّوَوِيُّ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ مِنْ وَجْهَيْنِ:

أَحَدُهُمَا: أَنْ يَكُونَ قَبْلَ تَحْرِيمِ الصَّدَقَةِ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ ثُمَّ صَارَ مَنُوسُخًا بِمَا ذَكَرْنَاهُ.

الثَّانِي: أَنْ يَكُونَ قَدْ اقْتَرَضَ مِنَ الْعَبَّاسِ لِلْفُقَرَاءِ إِبِلًا، ثُمَّ أَوْفَاهُ إِيَّاهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، وَقَدْ جَاءَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى مَا يَدُلُّ عَلَى هَذَا، وَبِهَذَا الثَّانِي أَجَابَ الْخَطَّابِيُّ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (المجموع: ۶/۲۲۷)

وَلَا شَكَّ أَنَّ الْأَوَّلَى الْأَخْذُ بِظَاهِرِ الْحَدِيثِ دُونَ إِرْتِكَابِ التَّوِيلَاتِ أَوْ الْقَوْلِ بِالنَّسْخِ.

وَيَلُوخُ لِي أَنَّ الْإِمَامَ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَبْتُ عَنْهُ هَذَا الْحُكْمُ حَدِيثٌ صَحِيحُ السَّنَدِ، صَرِيحُ الدَّلَالَةِ، وَلِهَذَا عَنْوَنَ لَهُ بِقَوْلِهِ "بَابُ مَا يُذَكِّرُ فِي الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ" فِعْبَارَةٌ: "مَا يُذَكِّرُ" تَذَلُّ عَلَى التَّضْعِيفِ وَالشَّكِّ.

وَهَذَا مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ، فَإِذَا نَظَرْنَا إِلَى حِكْمَةِ التَّشْرِيعِ وَجَدْنَاهَا ظَاهِرَةً فِي تَحْرِيمِهَا عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ فِي حَيَاتِهِ، فَإِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يُنَزِّهَ نَفْسَهُ وَآلَهُ عَنْ أَخْذِ الصَّدَقَاتِ، لِيَضْرِبَ لِلْمُسْلِمِينَ مَثَلًا عَالِيًا فِي التَّعَوُّدِ عَلَى التَّعَفُّفِ، لَا عَلَى الْإِخْذِ، وَيَكُونَ ذَلِكَ تَطْبِيقًا لِلْمَبْدَأِ الرَّفِيعِ الَّذِي أَغْلَنَهُ (الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى) (رواه البخاري في باب الاستغناء عن المسألة من كتاب الزكاة من حديث حكيم بن حزام) فَإِنَّ إِعْطَاءَ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ مِبَادَلَةٍ عَيْنٍ أَوْ نَفْعٍ فِيهِ نَوْعٌ مِنَ الْمَنَّةِ وَالْفَضْلِ لِلْمُعْطَى عَلَى الْإِخْذِ، وَقَدْ لَا تَظْهَرُ هَذِهِ الْمَنَّةُ بِالنَّظَرِ لِعَامَّةِ النَّاسِ الَّذِينَ يَتَوَلَّى الْإِمَامُ الْقَبْضَ عَنْهُمْ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ، ثُمَّ الصَّرْفَ لَهُمْ، أَمَّا الْإِمَامُ نَفْسَهُ الَّذِي يُبَاشِرُ الْقَبْضَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِلصَّدَقَاتِ، فَأَوَّلَى بِهِ أَلَّا يُحْمَلَ عُقْبَةُ هَذِهِ الْمَنَّةِ؛ وَأَهْلُ بَيْتِهِ بِمَنْزِلَتِهِ فِي ذَلِكَ.

وَفِي هَذَا الْحُكْمِ سِرٌّ آخَرُ نَبَّهَ عَلَيْهِ عَلَامَةُ الْهِنْدِ الدَّهْلَوِيُّ، وَهُوَ: أَنَّهُ إِنْ أَخَذَهَا لِنَفْسِهِ وَجَوَّزَ أَخْذَهَا لِخَاصَّتِهِ، وَالَّذِينَ يَكُونُ نَفْعُهُمْ بِمَنْزِلَةِ نَفْعِهِ، كَانَ مُظَنَّةً أَنْ يُظَنَّ الظَّانُّونَ وَيَقُولُ الْقَائِلُونَ فِي حَقِّهِ مَا لَيْسَ بِحَقِّهِ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَدَّ هَذَا الْبَابَ بِالْكُلِّيَّةِ، وَيَجْهَرَ بِأَنَّ مَنَافِعَهَا رَاجِعَةٌ إِلَيْهِمْ، وَإِنَّمَا تُوْخِذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتَرُدُّ عَلَى فَقَرَائِهِمْ، رَحْمَةً

بِهِمْ، وَتَقْرِيبًا لَهُمْ مِنَ الْخَيْرِ، وَإِنْقَادًا لَهُمْ مِنَ الشَّرِّ (حجة الله البالغة: ۲/۲۱۵) اَمَّا تَحْرِيمُ الزَّكَاةِ عَلَى الْآلِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَا يَظْهَرُ فِيهِ مَا ذَكَرْنَا مِنَ السِّرِّ وَالْحِكْمَةِ.

وَالْعَجَبُ مِمَّنْ حَرَّمُوا الزَّكَاةَ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ وَالْمُطَلَبِ وَلَمْ يُجَوِّزُوا لَهُمْ أَخَذَهَا، وَلَوْ مُنِعُوا خُمُسَ الْخُمْسِ؛ فِي بَيْتِ الْمَالِ؛ لَعَدِمَ هَذَا الْخُمْسِ، كَمَا فِي هَذَا الزَّمَنِ، أَوْ لَا سُبُودَ الْوَلَاةِ بِهِ، كَمَا فِي أَرْمَنِه مَضَتْ، كَيْفَ يَصْنَعُ الْفُقَرَاءُ وَالْمُحْتَاجُونَ مِنْ هَؤُلَاءِ، إِذَا لَمْ يُعْطُوا مِنَ الزَّكَاةِ حَتَّى لِهَذِهِ الضَّرُورَةُ؟ وَهَلْ مِنْ إِكْرَامِ آلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتْرَكُوا حَتَّى يَهْلِكُوا جُوعًا، وَلَا يُعْطُوا مِنْ مَالِ الزَّكَاةِ الَّذِي هُوَ حَقٌّ مَعْلُومٌ؟

وَلِهَذَا أَفْتَى جَمَاعَةٌ مِنْ عُلَمَاءِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ وَغَيْرِهَا بِجَوَازِ أَخْذِهِمْ مِنَ الزَّكَاةِ إِنْ مُنِعُوا الْخُمْسَ؛ لِأَنَّهُ مَحَلُّ حَاجَةٍ وَضَّرُورَةٍ (انظر: شرح غايۃ المنتهى: ۲/۱۵۷) بَلْ قَالَ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ: إِنْ إِعْطَاءُ هُمْ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِعْطَاءِ غَيْرِهِمْ (حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۱/۲۶۰، طبع دار المعارف) وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (فقہ الزکاة

للقرضای) ل

ترجمہ: اور میں جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب (و بنو ہاشم) کو ہمارے زمانہ میں زکاة دینا زیادہ رائج اور زیادہ قوی ہے، ان کے ان غنیمتوں اور فیئ کے مال سے محروم ہونے کی وجہ سے، جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قربت دار ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس صدقہ کے

عوض و معاوضہ میں دیا جاتا تھا، جو صدقہ ان پر حرام کر دیا گیا تھا اور قرابت دار ہونے کے حصہ کا اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ذکر ہے کہ:

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (سورة الانفال، رقم الآية ۴۱)

یعنی ”اور جان لو کہ بس جو کچھ تمہیں غنیمت کے طور پر ملے، جو بھی چیز ہو، تو بے شک اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ، اور رسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے“

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی ذکر ہے کہ:

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (سورة الحشر، رقم الآية ۷)

یعنی ”جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا سو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے ہے، اور قرابت والوں کے لئے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے“ اور یہ کہنا کہ زکاة ان حضرات گرامی کی شرافت و کرامت کی وجہ سے حرام کی گئی تھی، قوی نہیں ہے، اور زیادہ رائج یہ ہے کہ یہ اس وجہ سے تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور آپ کی نصرت کیا کرتے تھے، جس میں ان کے مسلم اور کافر رشتہ دار سب شریک تھے، اور اس سے امام شافعی کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے بنو مطلب کو بنو ہاشم کے ساتھ ملایا ہے، کیونکہ ان سب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکلیف اور بھوک میں صبر کیا ہے، اور گھائی میں داخل ہوئے، اور قریش اور ان کے ظالمانہ مقاطعہ (وبائیگاٹ) کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے، اور

جب عوض (یعنی مال غنیمت کا خمس) ساقط ہو گیا، جو کہ قرابت داروں کا حصہ تھا، خواہ اس کا سبب کوئی بھی ہوا ہو، مثلاً بیٹ المال کا خالی ہونا یا حکام کا بیٹ المال میں موجود اشیاء میں ظلم کرنا، تو یہ ضروری ہو گیا کہ ان کو زکاۃ سے محروم نہ رکھا جائے ورنہ بنو ہاشم کی فضیلت ان کے لئے ضرر کا باعث ہو جائے گی، اور جب کہ بہت سے علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قرابت داروں کا حصہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد ساقط ہو گیا ہے، اور وہ آپ کے بعد حکمران کی قرابت کے لئے ہو گیا ہے، یا اس کا مصرف اسلحہ اور جہاد ہو گیا ہے، ابو عبید اور ابو یوسف نے خراج میں روایت کیا ہے، اور ابن جریر نے سورہ انفال کی آیت ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ“ کی تفسیر میں حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرابت داروں کے حصے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا، پس کہنے والوں نے یہ کہا کہ قرابت کا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے ہے، اور بعض کہنے والوں نے یہ کہا کہ حکمران کے قرابت داروں کے لئے ہے، اور بعض کہنے والوں نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے بعد خلیفہ کے لئے ہے، تو ان کی رائے اس بات پر جمع ہو گئی کہ ان دونوں حصوں کو، اللہ کے راستے میں تیاری اور گھوڑوں کے لئے رکھا جائے، پس ابو بکر اور حضرت عمر کی خلافت میں اسی پر عمل رہا (دیکھئے الاموال صفحہ ۳۳۲، اور بدایۃ المجتہد، جلد ۱، ص ۳۹۰ و ۳۹۱، طبع حلبی) بلکہ حضرت علی بن ابو طالب جب خلیفہ ہوئے، تو وہ بھی ابو بکر و عمر کے راستے پر چلے (اسی حوالہ میں یہ بات بھی مذکور ہے)

پس فقہائے کرام کا (بنو ہاشم کے لئے) معوض یعنی زکاۃ مباح ہونے کا قول

مناسب ہے، اور اس رائے کے قوی ہونے کی تائیدات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام احادیث، جن سے جمہور علماء بنو ہاشم کے لئے تاقیامت زکاة حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اور بعض حضرات بنو ہاشم کے ساتھ بنو مطلب کو بھی شامل کرتے ہیں، بلکہ ان کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی حکم میں ان ہی کا درجہ دیتے ہیں، وہ اس حکم پر صریح دلالت نہیں کرتیں۔

اور حق بات یہ ہے کہ ان احادیث میں عصبیت اور تقلید سے اور مشہور حکم کے تاثر سے اور اس قول کے اختیار کرنے والوں کی جلالتِ شان سے قطع نظر کر کے، جب غور کیا جاتا ہے، تو ان حضرات کے قول کے برخلاف ظاہر ہوتا ہے (جس کی تفصیل درج ذیل ہے)

(الف) جہاں تک مطلب بن ربیعہ کی حدیث ہے، تو جب بنو ہاشم کے دو جوانوں نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کرنے کا ذمہ دار بنادیں، تو وہ اس کام سے وہی فائدہ حاصل کریں، جو اور لوگ حاصل کرتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس دروازہ کو بند کرنا چاہا، اور یہ چاہا کہ اپنے اہل بیت اور اقارب کو لوگوں کے لئے خرچ کرنے اور قربانی دینے میں رہبر بنائیں، نہ کہ مال حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے میں، اور فتح مکہ کے دن بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو، جب انہوں نے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کو پانی پلانے کا مطالبہ کیا، تو ان کو پانی پلانے کی خدمت ذمہ لگائی، کیونکہ اس میں خرچ کرنا اور تکلیف اٹھانا پایا جاتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بس میں تمہیں اس چیز کی ذمہ داری لگا رہا ہوں، جس میں تم بوجہ برداشت کرو گے، نہ کہ تم بوجہ بنو گے (سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۲، محمد بن عبد الحمید کی تحقیق شدہ)

اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ صدقہ آل محمد کے لئے مناسب نہیں، اور یہ الفاظ

کراہتِ تنزیہی اور اس عمل کے قریب جانے کی نفرت پر دلالت کرتے ہیں، جس میں غیر حلال مال کے لینے کی بدگمانی پائی جاتی ہے، جیسا کہ ابنِ التیمیہ نے کیا، اور اسی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ نے صدقات کی ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ اس میں ایسی چیز کے پیش آنے کا خطرہ تھا، جو کہ جائز نہیں۔

اور یہ ذمہ داری بڑی سخت ہے، کیونکہ اس کا تعلق عام لوگوں کے مال سے ہے، جس کی مالک ایک جماعت ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے محتاج لوگوں کا حق ہوتا ہے، یا ان لوگوں کا حق ہوتا ہے کہ جن کے مسلمان محتاج ہوتے ہیں، پس جو عامل بھی اپنے استحقاق سے زیادہ لے گا، تو وہ فقراء اور محتاج لوگوں کے خالص حق کا مقابلہ کرنے والا، اور باطل طریقہ پر جماعت کا مال کھانے والا شمار ہوگا، اور اس حدیث کے ورود کے باوجود بہت سے، اتباع کئے جانے والے مذاہب کے علماء نے عامل کے بنو ہاشم میں سے ہونے کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم نے ”عالمین علیہا“ کے حصہ میں ذکر کیا ہے، اور ابو رافع کی حدیث اس معنی کی تائید کرتی ہے، اور یہ بات واضح کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آلِ بیت اور آپ کے اقارب کا صدقہ کے معاملات سے دور رہنا، نسب کی شرافت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ تہمت سے بچنے اور بہتان باندھنے والوں کی زبانوں کو بند کرنے، اور اچھا نمونہ قائم کرنے اور اولاد اور غلاموں کی تربیت کے لئے ہے، تاکہ وہ اپنے آپ کو مشقتیں اٹھانے کا عادی بنائیں، اور لوگوں کے مال میں حرص نہ کریں، اور اگر ممانعت شرف کی وجہ سے ہوتی، تو اس ممانعت میں آزاد کردہ غلام شامل نہ ہوتے۔

(ب) اور جہاں تک حسن بن علی کی حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

قول کا تعلق ہے کہ ”کیا آپ کو اس بات کی خبر نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے“، اور مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ ”ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں“، پس مجھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بات اس لئے فرمائی کہ وہ (یعنی حضرت حسن) لوگوں کے امام اور علاقہ کے رئیس ہونے کا مقام رکھتے تھے، پس صدقات کا ان کے پاس جمع ہونا، ان کے لئے اور ان کے اہل بیت کے لئے حلال نہیں تھا، کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ملکیت تھا، اور اسی وجہ سے یہ بات مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلطی سے صدقہ کا دودھ پی لیا، تو آپ نے اس کی قے کر دی، جس کو امام مالک نے موطا کی کتاب الزکاة میں روایت کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے بحر میں فرمایا کہ امام کے لئے حلال نہیں، جیسا کہ رسول کے لئے حلال نہیں، اور اس وجہ سے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی قے کر دی (البحر الزخار، ج ۲، ص ۱۸۲)

(ج) اور جب ہم ان اسباب اور تعلقات سے نظر پھیرتے ہیں، جن میں یہ احادیث وارد ہوئی ہیں، اور ہم ان کے صرف الفاظ پر غور کرتے ہیں، کہ ”آل محمد“ کے کلمے کی دلالت کس پر ہوتی ہے؟ کیا اس کی دلالت حتمی و یقینی طور پر بنی ہاشم کی تنہا ذریت پر یا بنی مطلب کے ساتھ قیامت تک ہوتی ہے؟ تو یہاں پر اس کی واضح دلیل نہیں کہ جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو، پس آل محمد یہاں آل ابراہیم اور آل عمران کی طرح ہے، جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ:

”إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ“ (آل عمران، آیت نمبر ۳۳)

تو آل عمران یہاں پر حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ ہیں، اور آل

ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (یعقوب کی) اولاد ہیں، اور ان کی قیامت تک آنے والی ذریت مراد نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسحاق کے بارے میں یہ فرمایا کہ:

”وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ“ (الصافات، آیت نمبر ۱۱۳)

اور ابراہیم کی ذریت میں دنیا میں تخریب کاری کرنے والے یہود بھی ہیں۔

اور اسی کے مثل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

”فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ“ (القصص، آیت نمبر ۸)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

”وَاعْرِفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ“ (البقرة: آیت نمبر ۵۰)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

”وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ“ (غافر، آیت نمبر ۴۵)

تو کیا آل فرعون سے تنہا وہ سمجھا جاتا ہے یا اس کے گھر والوں کے ساتھ اور جو اس کے خاص متعلقین ہیں، وہ سمجھے جاتے ہیں، اور یہاں آل محمد کو مناسب یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت بشمول ازواج و اولاد اور خاندان اور آپ کے اقرباء کے ساتھ خاص رکھا جائے، اور یہ حکم ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خاص سمجھا جائے، جیسا کہ یہ بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے، اور اسی کو ان کے شاگرد ”محمد بن حسن“ نے اختیار کیا ہے۔

اور جیسا کہ صاحب بحر زخار نے ذکر کیا ہے کہ یہ امام مالک کے اقوال میں سے ایک ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ کو تہمت سے بچانے کے لئے حرام کیا گیا تھا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے زائل ہو گئی (البحر ج ۲، ص ۱۸۴)

اور اس سے امام شوکانی کا وہ استدلال بھی ساقط ہو جاتا ہے، جو انہوں نے اللہ

تعالیٰ کے اس طرح کے قول سے کیا ہے کہ:

”قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ“ (الفرقان، آیت نمبر ۵۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس کو حلال کر دیتے، تو قریب تھا کہ لوگ اس میں زبان درازی کرتے، پس یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ (یعنی بنو ہاشم) دوسرے مسلمانوں کی طرح ہیں، جن کے مال داروں سے زکاۃ لی جائے گی، اور ان کے غریبوں پر لوٹائی جائے گی۔

اور یہ بات ہم نے دو وجہوں سے کہی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ شریعت اسلامی نے تمام احکام میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں کیا، بلکہ یہ بات واضح کر دی کہ لوگ برابر ہیں، کنگھی کے دندانوں کی طرح، وہ حقوق اور واجبات اور ذمہ داریوں اور سزاؤں میں برابر ہیں، اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ”اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا“ (متفق علیہ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس کا عمل سست ہوا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا“ (متفق علیہ)

دوسرے اس وجہ سے جو کہ اہم ہے کہ زکاۃ اسلام کا لازمی فریضہ ہے، اور متعین حق ہے، اور مال کی طے شدہ مقدار ہے، جس کو لینے کا استحقاق حکمران کو ہے، اور اسے مستحقین کی طرف خرچ کرنے کا حق بھی ہے، تو اس میں کسی کا کسی پر کوئی احسان نہیں، اور جب تک لینے والا اس کو اپنے حق کے ساتھ لیتا ہے، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض بلکہ اکثر فقہانے فرض زکاۃ کو ہاشمیوں پر حرام قرار

دے دیا ہے، اور ان کے لئے نفلی صدقات کو مباح قرار دے دیا ہے، باوجودیکہ احسان نفلی صدقات میں زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔

اور اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تا قیامت صدقہ کا حرام ہونا صحیح ہوتا، تو نفلی صدقہ بھی حرام ہوتا، اور یہی بات حافظ نے بعض فقہاء سے نقل کی ہے، اور انہوں نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ واجب چیز کے لینے پر کوئی ذلت لاحق نہیں ہوتی، برخلاف نفلی چیز کے لینے پر (اور حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام کا رجحان بھی اسی موقف کی طرف ہے)

اور سابقہ تقریر سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس مسئلہ میں امت کا اجماع نہیں ہے، اس لئے بنو ہاشم کے لئے زکاة جائز قرار دینے والوں کو اجماع کا مخالف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ جواز کا حکم امام ابو حنیفہ سے منقول ہے، جس کو ان کے شاگرد امام محمد نے اختیار کیا ہے، اور بعض شافعیہ کا اور بعض مالکیہ کا بھی یہ قول ہے، مزید برآں بعض منقول روایات سے جواز کے قائلین کی تقویت ہوتی ہے، جس میں سے ایک وہ بھی ہے، جس کو بحر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مطلب کی بیواؤں پر صدقہ کیا، اور صاحب بحر نے اس کو رد کر دیا ہے، یہ کہہ کر کہ یہ نفلی صدقہ تھا (البحر ج ۲، ص ۱۸۴)

جیسا کہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مجھے میرے والد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، ان اونٹوں کے سلسلے میں جو ان کو آپ نے صدقے کے عطا فرمائے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو صدقہ کے بدلے میں عطا فرمائے تھے، اس کو ابوداؤد نے بنو ہاشم پر صدقہ کے باب میں روایت کیا ہے، اور اس (روایت کی سند) پر انہوں نے اور منذری نے سکوت

اختیار کیا ہے، اور اس کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے (ملاحظہ ہو: مختصر السنن، ج ۲، ص ۲۳۶) اور امام نووی نے اس حدیث کا دو طریقوں سے جواب دیا ہے، ایک یہ کہ یہ واقعہ بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہونے سے پہلے کا ہے، پھر یہ حکم ہماری ذکر کردہ احادیث کی وجہ سے منسوخ ہو گیا، دوسرا یہ کہ انہوں نے حضرت عباس سے فقراء کے لئے اونٹ قرض لئے تھے، پھر وہ قرض صدقہ کے اونٹوں سے ادا کیا، اور دوسری روایت میں اس بات کی تائید آئی ہے، اور یہی دوسرا جواب خطابی نے دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (المجموع، ج ۶، ص ۲۲۷) اور اس بات میں شک نہیں کہ بہتر ظاہر حدیث کو لینا ہے، بغیر تاویلات یا منسوخ ہونے کے قول کا ارتکاب کرتے ہوئے، اور مجھے یہ بات رائج معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ حکم صحیح سند والی حدیث سے ثابت نہیں ہو سکا، جس میں صریح دلالت پائی جاتی ہو، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے اس قول کے ساتھ عنوان قائم کیا ہے کہ ”بَابُ مَا يُذَكَّرُ فِي الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ“ تو ”ما یذکر“ کی عبارت تضعیف اور شک پر دلالت کرتی ہے۔

اور یہ بات تو نقل کی جہت سے تھی، پھر جب ہم شریعت کی حکمت پر غور کرتے ہیں، تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر، آپ کی حیات میں ہی حرام ہونے کا رائج ہونا پاتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی آل کو صدقات کے لینے سے بچا کر رکھیں، تاکہ آپ مسلمانوں کو پاکدامنی کے عادی ہونے کے لئے ایک اعلیٰ مثال قائم فرمائیں، نہ کہ زکاة لینے کی مثال قائم فرمائیں، اور یہ اس عالی شان مبداء کی تطبیق تھی، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا تھا کہ ”اور دالہا تھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے“ (جس کو بخاری نے ”بَابُ الْأَسْتِغْنَاءِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ“

میں کتاب الزکاۃ کی بحث میں حکیم بن حزام کی حدیث سے ذکر کیا ہے) پس بغیر کسی چیز یا بغیر کسی نفع کے بدلہ کے مال لینے میں دینے والے کی طرف سے لینے والے پر ایک طرح کا احسان کرنا پایا جاتا ہے، اور یہ احسان اس صورت میں ظاہر نہیں ہوتا، جبکہ کوئی حکمران مالداروں سے اپنے زیر اثر ضرورت مند عوام کے لئے زکاۃ وغیرہ کا مال لے اور پھر غریبوں پر خرچ کرنے کا نگران بنائے۔

لیکن حکمران کا مومنین سے خود صدقات (وزکاۃ) لینے کے عمل میں بہتر یہ ہے کہ حکمران ایسے احسان والے کام کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لے اور اس کے اہل بیت (واہل خانہ) اس معاملے میں اسی کے قائم مقام ہیں، اور اس حکم میں ایک اور راز ہے، جس پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہندی نے متنبہ کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر حکمران خود اپنے لئے لے گا، اور اپنے خواص کے لئے اس کے لینے کو جائز قرار دے گا، اور ایسے افراد کو لینے کی اجازت دے گا کہ جن کا نفع اس کے اپنے نفع کے درجہ میں ہے، تو اس کا اندیشہ ہے کہ گمان کرنے والے یہ گمان کریں، اور کہنے والے اس کے حق میں وہ باتیں کہیں کہ جو حق نہیں ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکلیہ بند کرنا چاہا، اور یہ اعلان فرمادیا کہ اس کا نفع ان کی طرف ہی لوٹتا ہے، اور یہ تو عوام کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں کو لوٹایا جاتا ہے، لوگوں کی شفقت اور ان کو خیر پہنچانے اور ان سے شر کو دور کرنے کے لئے (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲ ص ۵۲۱)

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر تا قیامت زکاۃ کے حرام ہونے کا تعلق ہے، تو اس میں وہ راز اور حکمت ظاہر نہیں ہوتی، جو ہم نے ذکر کی، اور ان حضرات پر تعجب ہے کہ جن حضرات نے زکاۃ کو بنی ہاشم اور بنی مطلب پر تو حرام قرار دے دیا، اور ان کو زکاۃ کا لینا جائز قرار نہیں دیا، اگرچہ ان کو بیٹ المال سے خمس حاصل

نہ ہو، خمس موجود نہ ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ اس زمانہ کی حالت ہے، یا حکمرانوں کی زیادتی کی وجہ سے ایسا ہو، جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں ہوتا رہا ہے، تو بنو ہاشم کے فقیر محتاج لوگ کیا کریں گے، جب انہیں اس ضرورت کو پوری کرنے کے لئے بھی زکاۃ نہیں دی جائے گی؟ اور کیا اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اکرام ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ وہ بھوکے مرجائیں، اور انہیں زکاۃ کا متعین و مشہور حق نہ دیا جائے؟ اور اسی وجہ سے چاروں فقہائے کرام اور ان کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء کی ایک جماعت نے بنو ہاشم کے لئے زکاۃ کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، جبکہ انہیں خمس حاصل نہ ہو، کیونکہ یہ ضرورت و حاجت کا موقع ہے (ملاحظہ ہو: شرح غایۃ المنتہی، ج ۲ ص ۱۵۷)

بلکہ بعض مالکیہ نے فرمایا کہ ان کو اس حالت میں زکاۃ دینا دوسروں کو زکاۃ دینے سے افضل ہے (حاشیہ الصادی علی الشرح الصغیر، ج ۱ ص ۶۶۰، طبع دار المعارف) اور یہی صحیح ہے، واللہ اعلم (فقہ الزکاۃ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور کے مشہور عربی عالم علامہ یوسف قرضاوی بھی آج کے زمانہ میں بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کے جواز کے قائل ہیں، اور ان کے استدلال کے کچھ پہلوؤں سے بعض اہل علم حضرات کو اختلاف ممکن ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے جو دلائل جواز کے پیش کئے ہیں، اور اس پر وارد ہونے والے شبہات کے جوابات ذکر کئے ہیں، ان سے کم از کم اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تاقیامت بنو ہاشم یا بنو مطلب، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلاموں کی نسل کے تمام افراد کے لئے زکاۃ و صدقہ کی حرمت قطعی الثبوت و قطعی الدلالت درجہ کی نہیں ہے، بلکہ اس میں دوسرے احتمالات بھی پائے جاتے ہیں، اس لئے ایک درجہ میں یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جس میں موجودہ دور کے اہل علم حضرات کو غور و فکر کر کے دوسری رائے قائم کرنا کوئی فعلِ منکر نہیں،

اور موجودہ دور میں بنو ہاشم کو زکاة کے جواز کے قول کو نصوص قاطعہ و متواترہ کے خلاف قرار دینا راجح نہیں ہے۔

(۲۵)..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (صدر: مدرسہ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد دکن، ہندوستان) نے بھی اس موضوع پر قدرے مفصل کلام کیا ہے، اور موجودہ دور میں جواز کے پہلوؤں کی طرف اپنا رجحان و میلان ظاہر کیا ہے، چنانچہ وہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: (۱) ”سادات و بنو ہاشم کے لئے مطلقاً زکاة حرام ہے، اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کا ظاہر اور ان کا اطلاق اس کی تائید میں ہے۔“

(۲) بعض حضرات بنو ہاشم کے لئے مطلقاً زکاة کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کی طرف سے بعض وہ روایات پیش کی جاتی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم پر صدقہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایسی روایات نقل کی ہیں اور جواب دیا ہے کہ اس سے صدقاتِ نافلہ مراد ہیں، ہمارے زمانہ کے محققین میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے ایک نیا نکتہ اٹھایا ہے کہ حدیث میں جہاں کہیں حرمتِ زکاة کا ذکر ہے، وہاں ”آل“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ”ذریت“ کا نہیں، قرآن مجید کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ”آل“ کا لفظ کسی شخص کی اس اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو معاصر (یعنی اس زمانہ میں موجود) ہو، جبکہ ”ذریت“ کا لفظ اس کی موجودہ اور آئندہ نسل کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے آپ کی ”آل“ سے وہ لوگ مراد ہیں، جو آپ کے عہد میں تھے، قیامت تک آنے والے بنو ہاشم نہیں۔

مگر یہ استدلال دو جہ سے محل نظر ہے، اول تو فقہاء و محدثین نے از سلف تا خلف ”آل“ اور ”ذریت“ کے درمیان اس فرق کا ذکر نہیں کیا ہے اور ”آل“ سے خود ائمہ اربعہ نے (صحیح تر روایت کے مطابق) قیامت تک آنے والے بنو ہاشم مراد لئے ہیں، نہ ہی عربی لغت کے لحاظ سے ان دونوں الفاظ کے درمیان ایسا کوئی فرق اہل سنت نے کیا ہے، دوسرے حدیث میں صرف ”آل“ ہی کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ ”بنی ہاشم“ کی تعبیر کے ساتھ بھی زکاۃ کی ممانعت کا ذکر ہے اور ”بنی فلاں“ کے کلمہ کا موجودہ اور آئندہ خاندانوں پر اطلاق عربی زبان میں عام اور معروف ہے۔ ۱

(۳) بعض فقہاء نے بنو ہاشم کے لئے خود بنو ہاشم کی زکاۃ کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف اور ایک قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذکور ہوا، ان کی دلیلیں یہ ہیں:

(الف) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے لوگوں کے صدقات ہمارے لئے حرام کر دیئے ہیں، تو کیا ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنی زکاۃ دے سکتا ہے۔ ”هَلْ نَحْنُ لَنَا صَدَقَاتُ بَعْضِنَا لِبَعْضٍ؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں (معرفۃ علوم الحدیث لابی حاکم نیساپوری، الفرع السالط والاثاثون)

(ب) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کچھ سامان خرید کیا اور

۱۔ ہم نے جہاں تک علامہ یوسف قرضاوی کے کلام سے سمجھا ہے، اس کی رو سے علامہ یوسف قرضاوی کا مقصود یہ ہے کہ آل کی دلالت قطعی طور پر قیامت آنے والی نسل پر نہیں، اگرچہ علماء کی اکثریت اس کی قائل رہی ہے، اور انہوں نے اس کی شہادت میں قرآنی آیات بھی پیش کی ہیں، لہذا ایک حیثیت سے یہ دلالت قطعی کے بجائے ظنی یا اجتہادی ہوئی، اور اس میں لچک پیدا ہوگئی، جہاں تک بنو ہاشم کے الفاظ کا تعلق ہے، تو اس کا ذکر بعض ایسی روایات میں ہے، جن کی سند پر کلام ہے، لہذا یہ ثبوت بھی قطعی کے بجائے ظنی اور مجتہد فیہ ہے، علامہ یوسف قرضاوی کی مکمل عبارت ہم نے ترجمہ کے ساتھ اس سے پہلے نمبر میں ذکر کر دی ہے۔ محمد رضوان

اس کو نفع کے ساتھ فروخت کیا اور اس کو بنو عبدالمطلب کے محتاج لوگوں پر صدقہ کر دیا، ”فتصدق بها علی أرامل بنی عبدالمطلب“ (طحاوی ۱۱/۲۹۷)
 (ج) ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضرت عباس نے ان کو اونٹ کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے عطا فرمایا ”اعطاها من الصدقة“ (ابوداؤد، ۱/۲۳۳، باب الصدقة علی بنی ہاشم)

ان میں سے پہلی روایت متکلم فیہ ہے (اعلاء السنن: ۹/۸۰)
 دوسری روایت کے مطابق سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدقات واجبہ میں سے نہیں تھیں، چنانچہ خود امام طحاوی نے بھی اس کو صدقات نافلہ ہی پر محمول کیا ہے۔

تیسری روایت کا منشاء یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹ المال کے اونٹ میں سے دیا، ظاہر ہے کہ بیٹ المال میں مختلف مدت کے مویشی ہوا کرتے تھے، مگر چوں کہ اکثر جانور زکاة کے ہوتے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ تغلیباً ”اعطاها من الصدقة“ سے تعبیر کر دیا ہو۔

تاہم ان روایات سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے یہ رائے قائم کی ہے، ان کے لئے فی الجملہ استدلالی بنیاد موجود ہے اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ ۱۔

(۴) چوتھی رائے یہ ہے کہ اصولی طور پر تو سادات کے لئے زکاة جائز نہیں، لیکن ایسے حالات میں کہ بیٹ المال کو مالی غنیمت وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ایک خمس (پانچویں حصہ) کا مد باقی نہیں رہا، ان کے لئے زکاة لینی جائز ہے،

۱۔ اور علامہ یوسف قرضاوی کا بھی مختلف احتمالات قائم کر کے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ ثابت کرنا ہے، جیسا کہ ان کی عبارت کے ذیل میں گزرا، واللہ اعلم۔ محمد رضوان

جیسا کہ مذکور ہوا، ائمہ اربعہ کے متبعین میں مختلف اجلہ فقہاء کی یہی رائے ہے اور خود امام ابوحنیفہ کا ایک قول اس طرح کا موجود ہے، ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ سادات کے لئے زکاة کی حرمت یا علت ”خمس“ میں ان کا استحقاق ہے، آپ نے فرمایا:

”لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَيْءٌ إِلَّا مَا هِيَ غَسَالَةٌ الْأَيْدِي وَإِنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ لِمَا يُغْنِيكُمْ“ (طبرانی عن ابن عباس، الدرایة علی الہدایة: ۶۰۲/۲، وعوضکم منها بخمس الخمس، کاللفظ جو معروف ہے، وہ صحیح طور پر ثابت نہیں ”فتح القدیر: ۲۱۲/۳“)

ترجمہ: تم اہل بیت کے لئے صدقات حلال نہیں کہ یہ ہاتھوں کا دھوون ہے اور تمہارے لئے مال غنیمت کا خمس (حصہ بیت المال) کا خمس (ذوی القربی کا حصہ) ہے، جو تم کو اس سے بے نیاز کر دے گا۔

لہذا اب کہ یہ مخصوص مد باقی نہیں رہی، سادات کو اس سے بھی محروم رکھنا قرین انصاف نہ ہوگا۔

قول ضعیف پر فتویٰ: ہر چند کہ اس دلیل پر کافی کلام کی گنجائش ہے اور بنیادی اہمیت اس امر کی ہے کہ ”خمس“ کا ”عوض“ ہونے کی حیثیت محض حکمت و مصلحت کی ہے، جس کو فقہاء احکام کا مدار نہیں بناتے، یا ”علت“ کی ہے جس پر حکم کا مدار ہوا کرتا ہے؟ ۱۔

۱۔ اس سلسلہ میں حکمت و علت کے مسئلہ پر پہلے بھی کلام ہو چکا ہے، اور اہل علم حضرات کی ایسی عبارات بھی گزر چکی ہیں کہ جو خمس کے زکاة کا عوض ہونے کو علت قرار دیتے ہیں، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی غیر ظاہر الروایہ کے متعلق بھی متعدد اہل علم حضرات نے اسی علت کو مؤثر مانا ہے، اگرچہ بعض حضرات اوساخ الناس کو بھی علت سمجھتے ہیں، لیکن اگر اوساخ الناس کو علت قرار دیا جائے، اور اس علت کو عام قرار دیا جائے، خواہ وہ دس کسی بنو ہاشم کا مال ہو، جیسا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ غیر بنو ہاشم کے لئے بھی زکاة جائز نہ ہو، اس لئے ہمیں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اوساخ الناس نجاست کے درجہ کی چیز نہیں، بلکہ میل کچیل کے درجہ کی چیز ہے، جس کو حکمت قرار دیا جانا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان

تاہم فی زمانہ سادات کے لئے زکاۃ کا دروازہ کھول کر ہی مقصدِ شریعت کہ (سادات کو ذلت سے بچایا جائے) کی تکمیل کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اب سادات کی اعانت کا جذبہ مفقود ہے، اب ان کو زکاۃ سے محروم کر کے ایک طرف زکاۃ کی ذلت سے بچایا جا رہا ہے، لیکن دوسری طرف اس سے بڑی ذلت پر وہ مجبور ہیں کہ دوسروں کے سامنے سوال کا ہاتھ دراز کریں اور دینی مدارس میں تعلیم کا دروازہ ان کے لئے بند کر دیا جائے اور ہمیشہ علم سے محروم اور پست رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔

پس اب سادات کے لئے زکاۃ کی اجازت ایک ضرورت بن گئی ہے اور ضرورت کی بناء پر قولِ ضعیف پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

فَقَدْ ذَكَرَ فِي حَيْضِ الْبُحْرِ فِي بَحْثِ أَلْوَانِ الدِّمَاءِ أَقْوَالًا ضَعِيفَةً، ثُمَّ قَالَ: وَفِي الْمَعْرَاجِ عَنْ فَخْرِ الْأَيْمَةِ: لَوْ أَفْتَيْ مُفْتٍ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْأَقْوَالِ فِي مَوَاضِعِ الضَّرُورَةِ طَلَبًا لِلتَّيْسِيرِ كَانَ حَسَنًا، اهـ، وَكَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ فِي الْمَنِيِّ إِذَا خَرَجَ بَعْدَ فُتُورِ الشَّهْوَةِ لَا يَجِبُ بِهِ الْغَسْلُ ضَعِيفٌ، وَأَجَازُ وَالْعَمَلُ بِهِ لِلْمَسَافِرِ أَوْ الضَّيْفِ الَّذِي خَافَ الرِّيَّةَ كَمَا سَيَأْتِي فِي مَحَلِّهِ وَذَلِكَ مِنْ مَوَاضِعِ الضَّرُورَةِ (رد المحتار: ۱/۱۷۶)

ترجمہ: بحر میں احکام حیض میں دم حیض کے رنگ کی بابت مختلف ضعیف راہیں ذکر کی گئی ہیں۔ فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مواقعِ ضرورت میں طلبِ سہولت کے لئے کوئی مفتی ان اقوال میں سے کسی قول پر فتویٰ دے دے تو بہتر ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فتورِ شہوت کے بعد خروجِ منی کی صورت میں کہا ہے کہ غسل واجب نہیں ہوگا، یہ قول ضعیف ہے، لیکن مسافر یا مہمان جو تہمت کا خوف رکھتا ہو

اگر اس پر عمل کرے، جیسا کہ اپنے موقع پر یہ بحث آئے گی تو اس کا ایسا کرنا درست ہوگا کہ یہ ضرورت کے مواقع میں سے ہے۔
خلاصہ بحث: پس حاصل یہ ہے کہ:

اول: دوسری مدات سے سادات کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قربت کا خیال کر کے ان کے حق میں فراخ دلی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

دوسرے: اگر سادات کو بالواسطہ زکاة کی رقم پہنچائی جاسکتی ہو تو یہ راستہ اختیار کرنا چاہئے، مثلاً شوہر و بیوی میں سے ایک سید ہو، دوسرا نہ ہو، تو جو سید نہ ہو، اس کو زکاة دی جائے۔ ماں سادات میں سے ہو، اولاد نہ ہو تو اولاد کو، اور اولاد سید ہو، ماں سید نہ ہو تو ماں کو زکاة سے مدد دی جائے۔

تیسرے: اگر کسی دوسری مد سے اعانت کی گنجائش نہ ہو اور بالواسطہ زکاة سے مدد پہنچانی ممکن نہ ہو اور وہ ضرورت مند ہوں، تو موجودہ حالات میں سادات کو زکاة کی رقم دی جاسکتی ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام طحاوی، علامہ ابہری مالکی، اصطرخی شافعی، امام رازی، علامہ ابن تیمیہ اور ایک قول کے مطابق امام مالک اور اکابر علمائے ہند میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے ہے (جدید

فقہی مسائل، جلد دوم، صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۳، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی، تاریخ اشاعت: جون ۲۰۰۵ء)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی ضرورت و مجبوری کے وقت بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جواز کی گنجائش کے قائل ہیں۔

(۲۶)..... فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی عبارت

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے کہ:

امام ابو حنیفہ کی یہ روایت جواز اگرچہ غیر ظاہر الروایۃ ہے، لیکن اس کے ثبوت کی نفی کسی نے نہیں کی، نیز ضرورت کے وقت غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینا بھی ائمہ حضرات کے یہاں رائج ہے، ملاحظہ ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: وَقِيلَ يُفْتَى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ إِنَّ أُخْرَةَ شَهْرٍ أَوْ بَلَا عُذْرٍ بَطَلَتْ. وَفِي جَامِعِ الْخَانِي: أَلْفَتُوا الْيَوْمَ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ لِتَغْيِيرِ أحوالِ النَّاسِ فِي قَصْدِ الْإِضْرَارِ اهـ، وَبِهِ ظَهَرَ أَنَّ إِفْتَاءَهُمْ بِخِلَافِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِتَغْيِيرِ الزَّمَانِ فَلَا يُرْجَحُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ مُصَحِّحًا أَيْضًا كَمَا مَرَّ فِي الْغُصْبِ فِي مَسْأَلَةِ صِبْغِ الثَّوْبِ بِالسَّوَادِ وَلَهُ نَظَائِرُ كَثِيرَةٌ، بَلْ قَدْ أَفْتَوْا بِمَا يُخَالِفُ رَوَايَةَ أَئِمَّتِنَا الثَّلَاثَةِ كَالْمَسَائِلِ الْمُفْتَى فِيهَا بِقَوْلِ زُفَرٍ وَكَمَسْأَلَةِ الْإِسْتِئْجَارِ عَلَى التَّعْلِيمِ وَنَحْوِهِ فَافْهَمْ (الدر مع الشامی: ۲۲۶/۶، باب طلب الشفعة، سعید)

مفتی مختار اللہ صاحب، مفتی دارالعلوم حقانیہ، جو بندہ سے تلمذ کی نسبت بھی رکھتے ہیں، انہوں نے اس مسئلہ پر ایک مفصل مقالہ تحریر فرمایا ہے، ہم قارئین سے استدعا کرتے ہیں کہ اس رسالہ سے بھی استفادہ کریں۔ ۱

اشکال اور جواب:

اشکال: جو حضرات جواز کے قائل ہیں، ان پر یہ اشکال عائد ہوتا ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَأَنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ (رواہ مسلم: ۳۳۵/۱)

”یعنی صدقات لوگوں کا میل کچیل ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل کے

۱۔ ہم نے مفتی مختار اللہ صاحب کا یہ مضمون ملاحظہ کیا ہے، اور اس کے چند ضروری اقتباسات اس رسالہ میں شامل ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

لئے حلال نہیں ہیں“

اس کی مخالفت لازم آتی ہے، اس کا کیا جواب ہے؟
الجواب: اس حدیث کی تاویل ان کے نزدیک یہ ہو سکتی ہے کہ حل کامل نہیں، یعنی
مناسب نہیں، بہت سے مواقع میں ”لا تحل“ کا مطلب علماء نے نامناسب لکھا
ہے، مثلاً سنن ابی داؤد، ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث مذکور ہے:

”لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِعَبْدٍ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ“

علماء نے اس حدیث میں لفظ ”لا تحل“ کی تاویل فرمائی ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ
حلال نہیں، بلکہ اس کے معنی ہے، مناسب نہیں یا کامل حلال نہیں۔ ۱
ملاحظہ ہوا بوداؤد کے حاشیہ میں ہے:

لَا تَحِلُّ حَلًّا كَامِلًا (حاشیہ ابوداؤد شریف، ۱: ۲۳۱)

مرقاۃ میں ہے:

فِيهِ نَفْيُ كَمَالِ الْحِلِّ لَا نَفْسِ الْحِلِّ (مرقاۃ، ۴/۱۶۹)

شرح معانی الآثار میں ہے:

وَذَهَبُوا فِي تَأْوِيلِ هَذِهِ الْأَثَارِ الْمُتَقَدِّمَةِ إِلَى أَنْ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ أَيْ أَنَّهَا لَا تَحِلُّ لَهُ،
كَمَا تَحِلُّ لِلْفَقِيرِ الزَّيْنِ الَّذِي لَا يَقْدِرُ عَلَى غَيْرِهَا، فَيَأْخُذُهَا عَلَى
الضَّرُورَةِ..... مِنْ ذَلِكَ، مَا رَوَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: كَيْسَ الْمُسْكِينِ بِالطَّوَّافِ وَلَا بِالَّذِي تَرُدُّهُ التَّمَرَةُ

۱۔ بلکہ ایک حدیث میں الفاظ ”لا تنفی“ کے ہیں، اور علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے بھی اس احتمال کا ذکر کیا ہے،
جیسا کہ گزرنا۔

ثم قال إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد. إنما هي أوساخ الناس (مسلم، رقم الحديث
۱۰۷۲ “۱۶۷“)

وَالْتُمَرَاتَانِ (شرح معانی الآثار: ۳۳۵/۱)

اس طرح حدیث میں ہے:

الْصِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَوَيَّعُنْدَهُ حَتَّى يَخْرُجَهُ.

یعنی مہمان کے لئے میزبان کے ہاں تین دن سے زائد ٹھہرنا حلال نہیں، اس کا مطلب بھی حرام ہونا نہیں، بلکہ نامناسب اور مکروہ ہے۔

نیز جو لوگ اپنے آپ کو بنو ہاشم کہتے ہیں، وہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، اور ان میں بے شمار حاجت مند فقراء ہیں، اور لوگوں کی عادت یہ ہے کہ نفلی صدقات بہت کم دیتے ہیں، لہذا اس ضرورت کی بناء پر علماء نے زکاة کی رقم بنو ہاشم کو دینا جائز قرار دیا ہے، ورنہ سوال کی ذلتی اس سے زیادہ سخت اور اہانت کا باعث ہے (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد سوم، صفحہ ۲۲۵ تا ۲۲۷، کتاب الزکاة، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی، تاریخ اشاعت:

نومبر ۲۰۰۹ء)

فائدہ: اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت بنو ہاشم کو زکاة دینے کی گنجائش ہے۔

(۲۷)..... مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کی رائے

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب (مفتی و مدرس: جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) نے ”سادات اور بنو ہاشم کو زکاة دینے کی شرعی حیثیت“ کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا ہے، جس میں انہوں نے موجود دور میں بنو ہاشم کو زکاة کے جائز ہونے کی طرف مدلل انداز میں اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔

وہ اپنے اس مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ظاہر الروایت کے مطابق تو بنو ہاشم کو زکاة یا دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں، مگر

نادر الروایۃ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خمس الخمس جو ان کو زکاة و دیگر صدقات واجبہ کے عوض ملتا تھا، منقطع ہوا، تو اب بھی اگر ان کو زکاة یا دیگر صدقات سے محروم رکھا جائے، اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ لوگ نفلی صدقات تو درکنار فرض زکاة کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لیتے ہیں، اور اس سے بچنے کے لئے سو بہانے تلاش کرتے ہیں، اگر ان کو صدقات واجبہ دینے کی اجازت نہ دی جائے تو لازماً خاندان رسول اللہ کے غریب لوگ، مالدار اور صاحب ثروت افراد کے سامنے دست سوال پھیلائیں گے، جو انتہائی ذلت و رسوائی کا کام ہے، حالانکہ بنو ہاشم اور سادات باعزت لوگ ہیں، اور مسلمانوں پر ان کی عزت کرنا، ان کا مذہبی فریضہ ہے، زکاة کی وصولی، سوال اور گداگری کے سامنے ذلت نہیں، اس لئے موجودہ حالات کے پیش نظر سادات کو زکاة دینا ہی چاہئے، اگرچہ یہ رائے ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے، مگر ضرورت و حاجت کے تحت غیر ظاہر الروایۃ کو بھی ترجیح دی جاسکتی ہے، فقہ حنفی میں بہت سارے ایسے مسائل موجود ہیں، جن کو ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں متاخرین فقہائے کرام نے ضرورت و حاجت کے تحت ترجیح دی ہے، حالانکہ ان مسائل کی ذاتی حیثیت نادر الروایۃ کی ہے یا وہ متاخرین فقہائے کرام کے فتاویٰ ہیں (سہ ماہی مجلہ ”المباحث الاسلامیہ“ جلد ۴، شمارہ ۱۵، جون ۲۰۰۶ء تا ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، مطبوعہ: جامعہ الرکز الاسلامی، ڈیرہ روڈ، بنوں، مضمون ”سادات اور بنو ہاشم کو زکاة دینے کی شرعی حیثیت“ از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی)

پھر مزید آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ظاہر الروایۃ کے مطابق بنو ہاشم اور سادات کو زکاة یا دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں، مگر نادر الروایۃ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس الخمس جو بنو ہاشم کو زکاة اور صدقات واجبہ

کے عوض ملتا تھا، منقطع ہوا، تو امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جواز کا قول فرمایا، اور اس ضرورت و حاجت کو مد نظر رکھتے ہوئے امام طحاوی رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء نے اس نادر الروایۃ قول کو ترجیح دی، اور ان کے علاوہ بعض فقہائے شوافع، حنابلہ اور مالکیہ نے بھی حالات اور ضروریات کے تحت جواز کا فتویٰ دے دیا، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اور یہی رائے موجودہ حالات میں بھی ترین قیاس ہے، اس لئے کہ لوگ نفلی صدقات تو درکنار فرض زکاة کی ادائیگی میں بھی لیت و لعل سے کام لیتے ہیں، اور زکاة کی ادائیگی سے بچنے کے لئے سو بہانے تلاش کرتے ہیں، تو اگر ان حالات میں بھی بنو ہاشم کو صدقات واجبہ دینے کی اجازت نہ دی جائے، تو لازماً خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب اور محتاج افراد، مالدار اور اصحاب ثروت کے سامنے دست دراز کرتے رہیں گے، جو انتہائی ذلت و رسوائی کی بات ہے، اس لئے کہ بنو ہاشم اور سادات ذی شرف اصحاب عز، صفا لوگ ہیں، ان کی عزت و عصمت کا خیال رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے، مگر موجودہ حالات میں مسلمان اپنی مذہبی اور دینی ذمہ داریوں کی تکمیل میں کوتاہی کا شکار ہیں، جس سے لازماً یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بنو ہاشم اور سادات سوال کرنے بلکہ غربت و افلاس کی وجہ سے دین چھوڑنے پر مجبور ہو چکے ہیں، تو اگرچہ بنو ہاشم کو زکاة کے جواز کا قول نادر الروایۃ ہے، مگر ضرورت کے تحت اس کو ترجیح دینا کوئی نئی بات نہیں، بلکہ فقہ حنفیہ میں بہت سارے ایسے مسائل موجود ہیں، جو بذات خود نادر الروایۃ ہیں، مگر ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں متاخرین فقہائے کرام نے ضرورت و حاجت کے تحت مفتیؑ پر قرار دیا ہے (سہ ماہی مجلہ ”المباحث الاسلامیہ“ جلد ۴، شمارہ ۳، ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴، مضمون ”سادات خاندان کو زکاة دینے کی شرعی حیثیت“، از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی)

اور پھر اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

لہذا میری ناقص رائے میں یہ بات آئی ہے کہ اس دور میں ان حالات اور ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے بنو ہاشم اور سادات کے لئے زکاة جائز ہونے کی گنجائش ہونی چاہئے، اس لئے کہ اس دور میں سادات کے لئے زکاة کا دروازہ کھول کر ہی مقصد شریعت مقدسہ (سادات کو ذلت سے بچایا جائے) کی تکمیل ہو سکتی ہے، کیونکہ لوگوں میں سادات کی اعانت اور امداد کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے، اور حکومتی سطح پر بھی ان کی کفالت کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں، لہذا اب بھی اگر ان کو زکاة سے محروم رکھا جائے، ایک طرف تو یہ لوگ زکاة کی ذلت سے بچ جائیں گے، لیکن دوسری طرف ان کو بڑی ذلت و رسوائی پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کریں گے، اور خصوصاً دینی مدارس میں ان پر تعلیم کا دروازہ، ان کے لئے بند ہو جائے گا، اس لئے کہ مدارسِ دیدیہ عموماً زکاة اور دیگر صدقات سے چلتے ہیں، اور بلکہ دنیوی تعلیم سے بھی محروم ہو جائیں گے، اس لئے کہ سکول اور کالج میں غریب طلبہ کو جو سکا لرشپ ملتا ہے، وہ بھی زکاة ہی کی مد میں دیا جاتا ہے، اسی طرح زندگی کے مختلف امور میں حکومتی امداد سے بھی محروم ہو جائیں گے، اس لئے کہ ہسپتالوں میں مفت علاج اور اس علاج کے لئے حکومت کی طرف سے معاونت بھی زکاة ہی کی مد سے ہوتی ہے، بیٹی کی شادی یا دیگر ضروریات میں معاونت کے طور پر حکومت جو مالی امداد کرتی ہے، وہ بھی زکاة کی مد سے ہوتی ہے، لہذا اگر اس دور میں بھی ان کو زکاة سے محروم رکھا جائے، تو غریب سید اور ہاشمی زندگی اور حیات کی تمام تر سہولیات سے محروم ہو جائیں گے، اور اس کی تکمیل کے لئے وہ نت نئے راستے تلاش کریں گے، لہذا آسانی اور سہولت اسی میں ہے کہ بنو ہاشم کے لئے زکاة کو جائز قرار دیا جائے، اور اسی

سہولت اور یسر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بھی دیا ہے (سہ ماہی مجلہ ”البحاث

الاسلامیہ“ جلد ۴، شمارہ ۳، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، مطبوعہ: جامعہ مرکز الاسلامی، ڈیرہ

روڈ، بنوں، مضمون ”سادات خاندان کو زکاة دینے کی شرعی حیثیت“ از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب کے نزدیک بھی بوقتِ ضرورت بنو ہاشم کو زکاة دینا جائز ہے۔

بہر حال گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت اور بعض حنفیہ کے فتوے اور رجحان کے علاوہ دیگر تینوں فقہائے کرام کے سلسلہ کے کئی جلیل القدر و عظیم المرتبت اہل علم حضرات سے بھی ضرورت کے وقت بنو ہاشم کے لئے زکاة کا جواز اور اس کی طرف مدلل انداز میں میلان مروی ہے۔ ۱

اور یہ مسئلہ بعض جہات سے مجتہد فیہ ہے، اور اس میں ائمہ اربعہ کے اصل مذہب کے مطابق عدم جواز سے یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ اس کی تعلیل و عرف مختلف فیہ ہو جس پر بوقتِ ضرورت عمل و فتوے کے متعلق اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ ۲

۱۔ وقد نقل الطبري الجواز عن أبي حنيفة، وقيل: يجوز لهم إذا حرموا سهم ذوی القربى حكاہ الطحاوی، ونقل عن الأبهري وهو وجه لبعض الشافعية وعن أبي يوسف: يحل من بعضهم لبعض لا من غيرهم، وعند المالكية في ذلك أربعة أقوال مشهورة: الجواز، المنع، جواز التطوع دون الفرض، عكسه (التنوير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۲۰۴۲)

وقد نقل عن أبي حنيفة وعن المالكية وبعض الشافعية: جواز إعطاء الهاشميين من الزكاة، لأنهم حرموا من بيت المال سهم ذوی القربى، منعاً لتضييعهم ولحاجتهم، عملاً بالمصالح المرسلة. وإعطاؤهم۔ كما قال الدسوقي المالكي۔ حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم. وتحل صدقة التطوع لهم عند الأكثرين (الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي، ج ۳ ص ۹۶۸، كتاب الزكاة، الفصل الاول، المبحث السابع، المطلب الاول)

۲۔ والمجتهد فيه كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي. واحترزنا بالشرعي عن العقليات ومسائل الكلام، فإن الحق فيها واحد والمصيب واحد والمخطئ آثم.

وإنما نعني بالمجتهد فيه ما لا يكون المخطئ فيه آثماً؛ ووجوب الصلوات الخمس والزكوات وما اتفقت عليه الأمة من جليات الشرع فيها أدلة قطعية يأنم فيها المخالف فليس ذلك محل الاجتهاد (المستصفى للامام الغزالي، ج ۱ ص ۳۴۵، القطب الرابع، الفن الاول في الاجتهاد، النظر الاول في اركان الاجتهاد واحكامه)

(خاتمۃ الکلام)

چند شبہات کا ازالہ

آخر میں اس مسئلہ سے متعلق چند شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

(۱)..... ابو عصمہ کے متعلق شبہ کا جواب

حنفیہ کی کتب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف جو یہ روایت منسوب ہے کہ آج کے دور میں بنو ہاشم کے لئے تمام صدقات (بشمول زکاة کے) جائز ہیں۔

اس کے متعلق بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ روایت ابو عصمہ سے مروی ہے، اور ابو عصمہ کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے یہ روایت ناقابل اعتبار بلکہ جعلی ہے، اور اس روایت کی بنیاد پر کسی بھی طرح بنو ہاشم کو زکاة کے جواز کی گنجائش دینا درست نہیں۔

لیکن ہمیں ان حضرات کے مذکورہ دعوے سے اتفاق نہیں ہو سکا، کیونکہ اولاً تو سلسلہ مشائخ و اکابر حنفیہ میں ابو عصمہ کنیت کے ایک شخص وہ ہیں، جن کا نام نوح بن ابی مریم ہے، اور ابو عصمہ کنیت کے دوسرے شخص وہ ہیں، جن کا نام سعد بن معاذ مروزی ہے۔^۱

اب اگر ابو عصمہ سے نوح بن ابی مریم کو مراد لیا جائے، تو ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے فقہ حاصل کیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ

۱۔ ر أبو عصمة (۷۳ھ) هو نوح بن أبي مریم یزید بن أبي جعونة. لقب بالجامع قيل لأنه أول من جمع فقه أبي حنيفة، وقيل لأنه كان جامعاً بين العلوم. أخذ الفقه عن أبي حنيفة وابن أبي ليلى، وروى الحديث عن الزهري وغيره. قال أحمد: كان شديداً على الجهمية. ولى قضاء مرو. (الجواهر المضية ۱/۲۶۱ و ۲/۲۵۸)

وہناک أبو عصمة آخر حنفی اسمہ (سعد بن معاذ المروزی) مذکور فی الہدایة. انظر الجواهر المضية ۲/۲۵۸؛ ولم يذكر تاريخ وفاته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۳۳۸، مادة "الف")

کے فقہ کو سب سے پہلے جمع کیا تھا، اور ان کے قضا کے عہدہ پر مامور ہونے کے زمانہ میں قاضی ابویوسف ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱

اور محدثین نے احادیث کے باب میں ان پر جرح کی ہے، اور بعض حضرات نے ان پر شدید جرح بھی کی ہے، لیکن ابن عدی نے ان کو حدیث کے باب میں ہلکے درجہ کا ضعیف قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کچھ قوتِ حافظہ کی شکایت تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲

۱۔ الجامع لقب أبی عصمة المروزی واسمه نوح وإنما ذكرته هنا لغلبة اللقب عليه قيل لقب بذلك لأنه أول من جمع فقه أبی حنيفة وقيل لأنه كان جامعاً بين العلوم كان له أربع مجالس مجلس للأثر ومجلس لأقاويل أبی حنيفة ومجلس للنحو ومجلس للشعر وهو أبو عصمة نوح بن أبی مريم يزيد بن جعونة روى عن الزهري ومقاتل بن حيان توفي سنة ثلاث وسبعين ومائة وكان على قضاء مرو في خلافة المنصور وامتدت حياته ولما استقضى على مرو كتب إليه أبو حنيفة يعظه أخذ الفقه عن أبی حنيفة وابن أبی ليلى والحديث عن الحجاج بن أرطاة والتفسير عن الكلبي ومقاتل والمغازي عن ابن إسحاق وروى عنه نعيم بن حماد شيخ البخاري في آخرين قال الإمام أحمد بن حنبل كان شديداً على الجهمية ويأتي في الكنى له زيادة ترجمة (الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج ۱ ص ۱۷۶، ۱۷۷، تحت رقم الترجمة ۳۹۳، حرف الجيم، لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشي، الحنفی)

أبو عصمة الملقب بالجامع وفي هذا الباب ذكره السمعاني وقال هذا اللقب أبو عصمة المروزی قيل إنما لقب به لأنه أول من جمع فقه أبی حنيفة وقيل لأنه كان جامعاً بين العلوم كان له أربعة مجالس مجلس الأثر ومجلس لأقاويل أبی حنيفة ومجلس النحو ومجلس الأشعار قال وهو أبو عصمة نوح ابن أبی مريم واسمه يزيد بن جعونة الجامع المروزی يروى عن الزهري ومقاتل بن حيان أبی بسطام مات سنة ثلاث وسبعين ومائة كان على قضاء مرو انتهى قال أبو عصمة كنت جالسا ذات يوم عند أبی حنيفة إذ دخل عليه رجل فقال يا أبا حنيفة ما تقول في رجل توضع في إناء نظيف أيجوز لغيره أن يتوضأ بهذا الماء قال لا قلت له لم لا يجوز يا أبا حنيفة قال لأنه ماء مستعمل قال فصرت إلى سفيان الثوري فسألته عن هذه المسئلة فقال سفيان يجوز أن يتوضأ به فقلت له إن أبا حنيفة قال لا يجوز التوضأ بذلك قال لي ولم قال كذا قلت قال لأنه ماء مستعمل قال فما مضت جمعة حتى جلست إلى سفيان فإذا رجل قد سأله عن هذه المسئلة بعينها فقال سفيان لا يجوز لأنه ماء مستعمل (الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج ۲ ص ۲۵۸، تحت رقم الترجمة ۱۲۵، لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشي، الحنفی)

۲۔ نوح بن يزيد (أبی مريم) بن جعونة المروزی، القرشي بالولاء، أبو عصمة: قاضی مرو. ويلقب بالجامع، لجمعه علوماً كثيرة. وكان مرجئاً، مطعوناً في روايته الحديث. من كلامه: ما أقبح اللحن من متقهر (الاعلام للزركلي، ۸ ص ۵۱، حرف النون)

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ حنفی میں مذکور اس روایت کے راوی یہی ہوں، تو تب بھی فقہ حنفی میں بنو ہاشم کے لئے زکاة کے جواز کے مسئلہ کے متعلق اس روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اولاً تو یہ روایت حدیث سے متعلق نہیں، بلکہ فقہ سے متعلق ہے، اور یہ بات ممکن ہے کہ کوئی راوی احادیث کے باب میں کمزور شمار کیا جائے، لیکن فقہ کے باب میں اس کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نوح الجامع، هو أبو عصمة نوح بن أبي مريم المروزي الفقيه، (الوفاة ۷۱ - ۸۰ هـ) أحد الأعلام، ويلقب بنوح الجامع لمعنى، وهو أنه أخذ الفقه عن أبي حنيفة، وابن أبي ليلى، والحديث عن حجاج بن أبي أرطاة، والتفسير عن الكلبي ومقاتل، والمغازي عن ابن إسحاق.

وروى أيضا عن: الزهري، وعمرو بن دينار، وابن المنكدر، وعدة، وعنه: يسر بن القاسم، وعبد الوهاب بن حبيب الفراء، وحماد بن قيراط، ونعيم بن حماد، وحبان

بن موسى، وسويد بن نصر، ومحمد بن معاوية، والحسن بن عيسى بن ماسرجس، وغيرهم.

وولي قضاء مرو في حياة شيخه أبي حنيفة، فكتب إليه أبو حنيفة بموعظة معروفة عند المروزة.

قال ابن حبان: قد جمع كل شيء إلا الصدق.

وقيل: كان مرجئا.

وذكر أبو عبد الله الحاكم أنه وضع حديث "فضائل سور القرآن".

وذكره ابن عدی فی "کاملہ"، وساق له عدة مناکیر، ثم قال: وله غیر ما ذکر، وعامته لا يتابع عليه، وهو مع ضعفه يكتب حديثه.

وقال أحمد بن حنبل: لم يكن في الحديث بذاك، يعني كان لا يجرؤ حفظ الحديث، قال: وكان شديدا على الجهمية، وتعلم ذلك منه نعيم بن حماد.

وقال مسلم بن الحجاج: متروك الحديث.

وقال نعيم بن حماد: سئل عبد الله بن المبارك عن نوح الجامع فقال: هو يقول لا إله إلا الله.

وقال البخاري: ذاهب الحديث جدا.

وقال ابن حبان: اسم أبيه أبي مريم: يزيد بن جعونة، لا يجوز الاحتجاج بنوح بحال، وهو الذي

روى عن يحيى بن سعيد الأنصاري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة قال: "نهى رسول الله -

صلى الله عليه وسلم - أن يقطع الخبز بالسكين"، وقال: "أكرموا الخبز فإن الله أكرمه". مات

سنة ثلاث وسبعين ومائة (تاريخ الإسلام للذهبي، ج ۳ ص ۷۵، تحت رقم الترجمة ۳۰۳)

نوح بن أبي مريم أبو عصمة (يقال نوح بن يزيد الجامع) مروزي.

قال ابن المبارك - وقد سئل عنه -: هو يقول "لا إله إلا الله. !"

وقال العباس بن مصعب: كان أبوه أبو مريم مجوسيا اسمه (ماينه)، واستقضى على مرو وأبو حنيفة

حي، فكتب إليه أبو حنيفة بكتاب موعظة، (والكتاب يتداوله أهل مرو بينهم) وكان (يعيبه) أبو

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بات قبول کر لی جائے، ورنہ توقف کے بے شمار مسائل کی تردید لازم آتی ہے، جیسا کہ بعض راویوں کو محدثین نے احادیث کے باب میں ضعیف قرار دیا ہے، مگر تفسیر یا تاریخ کے بارے میں ان کی بات ناقابل اعتبار شمار نہیں کی جاتی، دوسرے امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض دیگر متقدمین احناف نے بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے، اور انہوں نے ابو عصمہ کا ذکر نہیں کیا، جس میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ روایت کسی اور سند سے بھی مروی ہو، تیسرے اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ موقف تنہا اور اجنبی نہیں ہے، بلکہ اس موقف کے امت میں اور بھی بہت سے اہل علم قائل رہے ہیں، اور شرعی و فقہی دلائل سے اس موقف کی بھی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے۔

اور اگر ابو عصمہ سے مراد سعد بن معاذ مروزی ہوں، تو ان پر محدثین کی مذکورہ جرح نہیں ملتی، اور فقہائے کرام نے ان کی روایات کا بھی امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے اجل فقہاء سے مذکور ہونا بیان کیا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ یوسف، وإنما سمي الجامع لأنه أخذ الرأي عن أبي حنيفة وابن أبي ليلى، والحديث عن حجاج بن أرطاة ومن كان في زمانه، وأخذ المغازي عن ابن إسحاق، والتفسير عن الكلبي ومقاتل، وكان مع ذلك عالما بأمور الدنيا فسمي "نوح الجامع"، روى عنه ابن المبارك وشعبة، وأدرك الزهري وابن أبي مليكة، وكان يدلس عنهما. وقيل لو كيع: أبو عصمة؟ قال: ما تصنع به، لم يرو عنه ابن المبارك. وقال ابن معين: نوح بن أبي مریم ليس بشيء، ولا يكتب حديثه. وقال البخاري: نوح بن يزيد بن جعونة -يقال أنه نوح بن أبي مریم- عن مقاتل ابن حيان، منكر الحديث. وقال السعدي: سقط حديثه. وقال ابن حماد: متروك الحديث. وقال ابن عدی: وعامة حديثه لا يتابع عليه، وقد روى عنه شعبة (وهو مع ضعفه يكتب حديثه) مختصر الكامل في الضعفاء، ج ۱ ص ۷۲۳، ۷۲۴، تحت رقم الترجمة ۱۹۷۵، للمقرئ (ز)

۱. وذكر أبو عصمة سعد بن معاذ المروزي عن محمد رحمه الله: أن صلاحه ثابتة، وذكر في مختصر الكرخي: أنه لا تفسد صلاة الإمام، ولم ينتسب هذا القول إلى أحد (المحيط البرهاني، ج ۱ ص ۴۹۰، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في الاستخلاف)

ولو استأجرت زوجها ليخدمها قال هو جائز هكذا ذكر في ظاهر الرواية وروى أبو عصمة سعد بن معاذ المروزي عن أبي حنيفة، أنه باطل وذكر في كتاب جعل الأبق أن المرأة متى استأجرت زوجها، فله أن لا يخدمها ومتى رفع إلى القاضي فإن القاضي يفسخ العقد وينقضه (المحيط البرهاني، ج ۱ ص ۴۵۲، كتاب الإجازات، الفصل الحادي عشر: في الاستئجار للخدمة) ﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ ابو عصمہ کی اس روایت کا اجل فقہائے احناف ہر دور میں ذکر کرتے آئے ہیں، مگر کسی نے اس روایت کو موضوع یا من گھڑت قرار نہیں دیا، لہذا ہمیں اس روایت کو موضوع یا من گھڑت قرار دینے کے دعویٰ سے اتفاق نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق بنو ہاشم کو زکاة اور صدقات کا دینا جائز نہیں، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق ایسے زمانہ میں جبکہ بنو ہاشم کے لئے مال غنیمت کی شکل میں زکاة و صدقہ کا عوض و بدل موجود نہ ہو، تو ان کو زکاة اور ہر قسم کے صدقات کا دینا جائز ہے، اور بعض حنفیہ کا اسی پر فتویٰ ہے، اور امام ابو یوسف اور بقول بعض امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کا اپنی زکاة کو دوسرے غریب بنو ہاشم کو دینا جائز ہے، اور حنفیہ کے علاوہ کئی دیگر فقہائے کرام کے متبعین و مشائخ اور مجتہدین و اکابر اور معاصر بھی اس کے قائل ہیں، اور بعض حضرات کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب جواز کی روایت کو غیر ثابت یا جعلی و مصنوعی قرار دینا، ہمارے نزدیک رائج نہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولو استأجرت المرأة زوجها للخدمة أو لرعى الغنم فهو جائز وله أن يفسخها ولا يخدمها في ظاهر الرواية وروى أبو عصمة سعد بن معاذ المروزي عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أنه باطل وهكذا ذكر الحاكم في مختصره وجه ظاهر الرواية أن خدمتها غير مستحقة عليه ومنافعه مملوكة له فجازت الإجارة بهذا الاعتبار ولو خدمها استحق الأجر. كذا في محيط السرخسي وبه يفتي. كذا في جواهر الأخلاط (الفتاوى الهندية، ج ۴ ص ۴۳۵، كتاب الاجارة، الباب الحادى عشر)

وأما التقدير بالمساحة فقد قال أبو عصمة كان محمد - رحمه الله تعالى - يقدر في ذلك عشرة في عشرة، ثم رجع إلى قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -، وقال: لا أقدر فيه شيئاً (المبسوط، للسرخسي، ج ۱، ص ۷۱، باب الوضوء والغسل)

(قال أبو عصمة - رحمه الله -) ش: هو سعيد بن معاذ المروزي تلميذ إبراهيم بن يوسف، وهو تلميذ أبي يوسف القاضي - رحمه الله (البنية شرح الهداية، ج ۱، ص ۲۲۸، كتاب الغصب) (أبو عصمة) ش: وهو سعد بن معاذ المروزي - رحمه الله - من كبار أصحابنا (البنية شرح الهداية، ج ۱، ص ۱۴۰، كتاب الكراهية)

۱۔ ومنها دفع الزكاة إلى الأشراف العلويين أفنى الإمام فخر الدين الرازى بجوازه في هذه الأزمنة حين منعوا سهمهم من بيت المال وأضر بهم الفقر (عقد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد، ﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾)

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج ۱ ص ۲۰، فصل فی المجتہد فی المذہب وفيہ مسائل، للشاہ ولی اللہ الدہلوی (وحکی أبو عصمة الكبير عن أبي حنيفة: أنه تجوز الصدقة لفقرائ بني هاشم، وروى ابن سماعة عن أبي يوسف أنه قال: لا بأس بصدقة بني هاشم بعض على بعض، ولا أرى الصدقة عليهم، ولا على مواليهم من غيرهم) (المحيط البرهاني، ج ۲ ص ۲۸۳، كتاب الزكاة، الفصل الثامن) وهو ظاهر الرواية وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع لبني هاشم في زمانه؛ لأن لهم في عوضها خمس الخمس ولم يصل إليهم وروى أن الهاشمي يجوز له دفع زكاته إلى هاشمي مثله (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۲۲۳، كتاب الزكاة، باب في بيان احكام المصرف) (قوله وروى أبو عصمة عن أبي حنيفة جواز دفع الزكاة إلخ) قال الطحاوي هذه الرواية عن أبي حنيفة ليست بالمشهورة. اهـ. غاية وفي شرح الآثار عن أبي حنيفة لا بأس بالصدقات كلها على بني هاشم والحرمة للعوض وهو خمس الخمس فلما سقط ذلك بموته -عليه الصلاة والسلام- حلت لهم الصدقة قال الطحاوي وبه نأخذ وفي التنف يجوز الصرف إلى بني هاشم في قوله خلافا لهما. اهـ. كاكی (حاشية الشلبی على تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۳۰۴، كتاب الزكاة، باب المصرف) قوله: "وبني هاشم" أطلق المنع فعم كل الأزمان وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم وجوز أبو يوسف دفع بعضهم لبعض وهو رواية عن الإمام نهر قوله: "واختار الطحاوي دفعها لبني هاشم" وكذا روى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإيصالها إلى غير مستحقيها فإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض وأقره القهستاني كذا في شرح الملتقى (حاشية الطحاوي على مراقي، ج ۱ ص ۲۰، ۲۱، كتاب الزكاة، باب المصرف)

(قوله: إطلاق المنع إلخ) يعنى سواء في ذلك كل الأزمان وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم. وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإيصالها إلى مستحقيها. وإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض كذا في البحر.

وقال في النهر: وجوز أبو يوسف دفع بعضهم إلى بعض وهو رواية عن الإمام، وقول العيني والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمي مثله عند أبي حنيفة خلافا لأبي يوسف صوابه لا يجزئ ولا يصح حمله على اختيار الرواية السابقة عن الإمام لمن تأمل اهـ. ووجه أنه لو اختار تلك الرواية ما صح قوله خلافا لأبي يوسف لما علمت من أنه موافق لها وفي اختصار الشارح بعض إيهام. اهـ. ح (رد المحتار، ج ۲ ص ۳۵۰، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

ظاهر الرواية المنع مطلقا كذا في البحر وقال في شرح الآثار عن أبي حنيفة أن الصدقات كلها جائزة على بني هاشم والحرمة كانت في عهد النبي -صلى الله عليه وسلم- لوصول خمس الخمس إليهم فلما حصل منعهم ظلما عن ذلك بموته -صلى الله عليه وسلم- حلت لهم الصدقة

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)..... مرجوح قول پر فتویٰ یا عمل کے شبہ کا جواب

اس سلسلہ میں بعض لوگوں کی طرف سے ایک اور شبہ پیش کیا جاتا ہے، اور وہ شبہ یہ ہے کہ بنو ہاشم کے لئے زکاة و صدقات واجبہ کے جواز کے قول کو بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تضعیف یا قیل وغیرہ الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، پھر اس پر ان مذاہب کے متعدد متبعین نے کیسے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ اختلاف عرف و علت کے وجود و عدم کا ہے، جنہوں نے بنو ہاشم کے لئے عدم جواز کی علت مال غنیمت کے خمس کا حاصل ہونا اور موجود دور میں اس علت کے بدل جانے اور بنو ہاشم کے محتاج و ضرورت مند ہونے یا اس جیسی کسی علت کا قول اور موجودہ دور میں اس کے نہ پائے جانے کا مشاہدہ کیا، انہوں نے اس کے جواز کا قول کیا، اور جنہوں نے علت ”اوساخ الناس“ کو سمجھا، یا ان کے مشاہدہ میں بنو ہاشم کا محتاج و ضرورت مند ہونا اور ان کے لئے مال غنیمت کے خمس یا بیت المال سے ضرورت پوری نہ ہونا نہیں آیا، انہوں نے عدم جواز کا قول کیا، اور اس قسم کے مجتہد فیہ مسائل کے متعلق فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کسی شخص میں اجتہادی شان پائی جاتی ہو، خواہ کسی مخصوص مسئلہ میں ہی کیوں نہ ہو (کیونکہ اجتہاد کا متجری ہونا ممکن و رائج ہے) اور وہ اپنے اجتہاد کے پیش نظر دلائل میں غور و فکر کر کے کسی مسئلہ میں ایسے قول کو رائج سمجھے، جس کو مرجوح قرار دیا گیا ہے، یا وہ کسی دوسرے امام کے قول کو رائج سمجھے، تو اُس کو اپنے نزدیک رائج قول پر عمل کر لینا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الطحاوی وبالجواز ناخذ کذا فی شرح المجمع لابن الملک (حاشیۃ الشرنبلالی علی درر الاحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۹۱، کتاب الزکاة، باب مصارف الزکاة)
قال الطحاوی: وعن أبي حنيفة أن الصدقات كلها جائزة على بني هاشم، والحرمة كانت في عهدہ
عليه الصلاة والسلام، لوصل خمس الخمس إليهم، فلما سقط ذلك بموته صلى الله عليه وسلم
حلت لهم الصدقة، قال: وبه ناخذ. وعن أبي حنيفة رحمه الله جواز دفع الهاشمي زكاته
لهاشمي (شرح النقاية، ج ۲ ص ۱۶۰، کتاب الزکاة)

درست ہے۔ ۱

بلکہ ایسی حالت میں مجتہد کے لئے شاذ قول پر عمل و فتوے کی گنجائش بھی پائی جاتی ہے۔ ۲

۱۔ ولس لمن یفتی بمذهب إمام أن یفتی به إلا وقد عرف دلیلہ ووجه الاستنباط۔
قال ابن القيم: لا یجوز للمقلد أن یفتی فی دین الله بما هو مقلد فیہ ولس علی بصیرة فیہ سوی أنه قول من قلده، هذا إجماع السلف وبه صرح الشافعی وأحمد وغيرهما .
وقال الجوينی فی شرح الرسالة: من حفظ نصوص الشافعی وأقوال الناس بأسرها غیر أنه لا یعرف حقائقها ومعانیها لا یجوز له أن یجتهد ویقیس، ولا یكون من أهل الفتوی، ولو أفتی به لا یجوز، والأصح عند الحنفیة أن المجتهد فی المذهب من المشایخ الذین هم أصحاب الترجیح لا یلزمه الأخذ بقول الإمام علی الإطلاق، بل علیه النظر فی الدلیل وترجیح ما رجح عنده دلیلہ، فإن لم یکن كذلك فعليه الأخذ بأقوال أئمة المذهب بترتیب التزموه، ولس له أن یختار ما شاء. وكذا صرح الحنفیة والشافعیة والحنابلة بأنه لیس له أن یتخیر فی مسألة ذات قولین، بل علیه أن ینظر أیهما أقرب إلى الأدلة أو قواعد مذهبه فیعمل به، قال ابن عابدین: صرح بذلك ابن حجر المکی من الشافعیة ونقل الإجماع علیه وسبقه إلى حکایة الإجماع فیہ ابن الصلاح والباہجی من المالکیة، وإذا کان یعلم أن الصواب فی قول غیر إمامه وکان له اجتہاد فله أن یفتی بما ترجح عنده .
ولیس للمفتی المقلد أن یفتی بالضعیف والمرجوح من الأقوال علی ما صرح به الحنفیة والمالکیة والحنابلة، بل نقل الحصکفی أن العمل بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع وصرح الحنفیة بأن لیس للمفتی المقلد الإفتاء بالضعیف والمرجوح حتی فی حق نفسه، خلافا للمالکیة الذین أجازوا له العمل بالضعیف فی حق نفسه .

وحيث قلنا: إن للمقلد الإفتاء بقول المجتهد، فیجوز له ذلك سواء كان المقلد حیا أو میتا، قال الشافعی: المذاهب لا تموت بموت أربابها. وصرح بذلك صاحب المحصول، وادعی الإجماع علیه، لأن المجتهد الذی یتستنبط حکما فهو عنده حکم دائم.
وفی وجه آخر للشافعیة والحنابلة: لا یجوز ذلك لأنه لو عاش فإنه کان یجدد النظر عند النازلة إما وجوبا أو استحبابا، ولعله لو جدد النظر لرجع عن قوله الأول (الموسوعة الفقہیة الكويتیة، ج ۳۲، ص ۳۰ مادة "فتوی")

۲۔ ما یتعلق بالشاذ من أحكام:

العمل أو الفتی أو القضاء بالقول الشاذ یختلف بالنسبة للمجتهد والمقلد والعامی.
أما المجتهد: فإنه لا یجوز له التقليد فی الجملة. وإنما علیه النظر فی الأدلة والترجیح بینها، وسواء فی ذلك العمل فی حق نفسه أو فی الإفتاء والقضاء .
وینظر تفصیل ذلك فی: (اجتہاد - تقليد - قضاء - فتوی).

هذا بالنسبة للمجتهد المطلق، أما المجتهد فی المذهب فعليه النظر والاجتہاد فیما ذهب إليه إمام المذهب وأصحابه فیعمل بما یراه أرجح أو أصح فی نظره لقوة دلیلہ، ولو کان هذا الرأی شاذاً مرجوعاً عنه. ومن ذلك مثلاً أن للشافعی قولین، القديم والجديد، والجديد هو الصحيح وعليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بالخصوص جبکہ کوئی اختلاف عرف و عادت کی تبدیلی پر مبنی ہو، تو پھر اس میں عرف و عادت بدل جانے کے بعد سابق موقف کے برخلاف دوسرا قول اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العمل؛ لأن القديم إذا خالفه الجديد مرجوع عنه إلا ما استثنى من القديم. وقد أفتى بعض فقهاء الشافعية بالقديم في بعض المسائل، فلا يعتبر هذا مذهبا للشافعي وإنما يحمل على أن الذين أفتوا بالقديم أدامهم اجتهادهم إليه لظهور دليله عندهم، قال أبو عمرو بن الصلاح: فيكون اختيار أحدهم للقديم فيها من قبيل اختياره مذهب غير الشافعي إذا أداه اجتهاده إليه، فإنه إن كان ذا اجتهاد اتبع اجتهاده، وإن كان اجتهادا مقيدا مشوبا بتقليد، نقل ذلك الشوب من التقليد عن ذلك الإمام، وإن أفتى بين ذلك في فتواه، قال النووي: من هو أهل للتخريج والاجتهاد في المذهب يلزمه اتباع ما اقتضاه الدليل في العمل والفتيا، وأن يبين في فتواه أن هذا رأيه وأن مذهب الشافعي كذا وهو ما نص عليه في الجديد.

وكذلك كان أصحاب أبي حنيفة يأخذون بما قوى دليله في نظرهم ولو كان مرجوعا عنه، قال أبو يوسف: ما قلت قولاً خالفته فيه أبا حنيفة إلا قولاً قد كان قاله، وروى عن زفر أنه قال: ما خالفته أبا حنيفة في شيء إلا قد قاله ثم رجع عنه، قال ابن عابدين: فهذا إشارة إلى أنهم ما سلكوا طريق الخلاف بل قالوا ما قالوا عن اجتهاد ورأى.

وقد ذكر الشيخ عليش: أن فائسة تدوين الأئمة للأقوال التي رجع عنها إمام المذهب أنه يصح أن يذهب إليها المجتهد أو من بلغ رتبة الترخيع، وقد وجد ذلك لغير واحد من شيوخ أهل المذهب، وفعله ابن القاسم في ثلاثة عشر موضعا من الكتاب، وتلقاه بالقبول أشبه وسحنون. وأما المقلد لمذهب من المذاهب، فإن الأصل المتفق عليه في الجملة أن العمل أو الإفتاء أو القضاء إنما يكون بالقول المشهور أو الراجح أو الصحيح في المذهب دون القول الشاذ.

ذكر الشيخ عليش الخلاف بالنسبة للمقلد -وهو من لم يبلغ درجة الاجتهاد- والعامى هل يجب عليهما التزام مذهب معين أو لا؟ وهل يجوز الخروج منه أو لا؟ وهل يجوز له أن يقلد المفضل أو يجب عليه البحث عن الأرجح علما؟ قال الشيخ عليش بعد ذلك: إذا عرفت هذا استبان لك أن خروج المقلد من العمل بالمشهور إلى العمل بالشاذ الذي فيه رخصة من غير تتبع للرخص صحيح عند كل من قال بعدم لزوم تقليد أرجح.

وللفقهاء تفصيلات في ذلك، ينظر مصطلح (اجتهاد وتقليد).

وقال ابن أبي زيد لا يصح تخيير المقلد بل يتعين القول الراجح، فإن تأهل للتخريج وجب الأرجح برجحان القائل، بناء على أن المصيب في الاجتهادات واحد، وأن تقليد المفضل مع وجود الفاضل ممنوع وهذا القول تعضده القواعد الأصولية، وعليه بنى حجة الإسلام الغزالي والإمام المازري، وهذا هو الحق والتحقيق، ومن سلك سبيلا غير ذلك في القضاء والفتيا، فقد اتبع هواه وهلك في بنات الطريق، فالعمل بالراجح متعين عند كل عالم متمكن، وإذا اطلع المقلد على

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ اگر پہلے دور کے فقہاء بھی موجودہ عرف و رواج کا مشاہدہ کرتے، تو وہ بھی یہی رائے قائم کرتے، اور فقہی مسائل میں اس طرح کے بے شمار نظائر موجود ہیں، واللہ اعلم۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خلاف فی مسألة تخصه وفيها قول راجح بشهرة أو عمل، أو غيرهما تعين عليه العمل على الراجح ولا يفتى بغيره إلا لضرورة فادحة والتزام مفسدة واضحة .

وقال أبو إسحاق الشاطبي: المقلد أو المفتي لا يحل له أن يفتي إلا بالمشهور .

وقال أبو الفضل قاسم العقباني: إن حكم القاضي بالشاذ ينظر في الحكم الذي عدل به عن المشهور إلى الشاذ، فإن حكم به لمظنة أنه المشهور نقض حكمه، وإن حكم به مع العلم بأنه الشاذ إلا أنه ترجح عنده فإن كان من أهل النظر ممن يدرك الراجح والمرجوح مضى حكمه، وإن لم يكن من العلم بهذه المنزلة زجر عن موافقة مثل هذا، أي ولم يمس حكمه.

وقد كان المازري - وهو في طبقة المجتهدين - لا يخرج عن الفتوى بالمشهور ولا يرضى حمل الناس على خلافه - لكنه أفتى مرة بالشاذ وذلك في رواية الداودي عن مالك مع اعترافه بضعفها وشذوذها في مسألة استحقاق الأرض من يد الغاصب بعد الزراعة وخروج الإبان، وخالف المعهود من عاداته من الوقوف مع المشهور وما عليه الجماعة والجمهور للتشديد على الظلمة والمتعدين من أهل البغى والفساد، وهو مألوف في الشرع وقواعد المذهب .

وقال السبكي: إذا كان للحاكم أهلية الترجيح ورجح قولاً منقولاً بدليل جيد، جاز ونفذ حكمه وإن كان مرجوحاً عند أكثر الأصحاب ما لم يخرج عن مذهبه، وليس له أن يحكم بالشاذ الغريب في مذهبه - أي على أنه من المذهب - وإن ترجح عنده، لأنه كالأخارج عن مذهبه، فلو حكم بقول خارج عن مذهبه، وقد ظهر له رجحانه، فإن لم يشرط عليه الإمام في التولية التزام مذهب جاز، وإن شرط عليه باللفظ أو العرف لم يصح، لأن التولية لم تشمل.

وقال الحنبلي: لا يجوز لمن انتسب لمذهب إمام معين أن يتخير في مسألة ذات قولين لإمامه أو وجهين لأحد من أصحابه فيفتي أو يحكم بحسب ما يختاره منهما، بل عليه أن ينظر أيهما أقرب من الأدلة أو قواعد مذهبه فيعمل به لقوته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۵، ص ۳۵۸ تا ص ۳۶۱، حرف الشين مادة "شذوذ")

۱۔ قد تقتضى مصالح الناس وحوائجهم الأخذ بالعادات والأعراف . لكن المقصود هو العرف الصحيح، وهو ما تعارفه الناس دون أن يحرم حلالاً أو يحل حراماً . ولذلك يقول الفقهاء: الثابت بالعرف كالثابت بالنص . ومن القواعد الفقهية: العادة محكمة، أى معمول بها شرعاً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۶، ص ۲۶۱، مادة "حاجة")

العرف . والمختار في تعريفه أنه ما استقر في النفوس من جهة العقول، وتلقته الطباع السليمة بالقبول . وهو دليل كاشف إذا لم يوجد نص ولا إجماع على اعتباره أو إلغائه، كالاستئجار بعوض مجهول لا يفضى إلى النزاع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۳۰، ۱۳۱، مادة "إباحة")

﴿بقیہ حاشیہ گے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ

مذکورہ دلائل اور تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک رائج یہ ہے کہ عام حالات میں ہاشمی نسب کے لوگوں کو زکاة دینے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور ان کی ضروریات عطیات یا نفلی صدقات وغیرہ سے پوری کرنی چاہئیں، اور اس کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے، اور اگر زکاة کے مال کا غیر ہاشمی غریب مسلمان شرعی طریقہ پر مالک بن جائے، اور پھر وہ اپنی خوش دلی سے ہاشمی کو وہ مال پیش کرے، تو اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں، جیسا کہ احادیث میں اس طرح کے مال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تناول و استعمال فرمانا مذکور ہے۔

لیکن اگر مذکورہ صورتوں پر بآسانی عمل ممکن نہ ہو، اور بنو ہاشم کو مالی غنیمت میں سے حصہ بھی نہ ملتا ہو، جیسا کہ آج کل عموماً ایسا ہی ہے کہ نہ تو مالی غنیمت کا وجود پایا جاتا اور نہ ہی بیٹ المال سے ان کے لئے باقاعدہ وظائف مقرر ہوتے، تو ایسے حالات میں ضرورت مند فقراء و مساکین ہاشمی نسب کے لوگوں کو زکاة و صدقات واجبہ کا دینا ولینا جائز ہے، ہمارے نزدیک یہی رائج و صواب ہے، اور ایسی حالت میں اسی پر فتویٰ عمل ہونا چاہئے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

محمد رضوان ۲۶/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۵ھ ۲۷/ اپریل/ ۲۰۱۴ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويعتبر جمهور الفقهاء العرف في تعيين ما تقع عليه الإجارة من منفعة، فکیفیه الاستعمال تصرف إلى العرف والعادة. و.التفاوت في هذا يسير لا يفضي إلى المنازعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۲۶۱، مادة "إجارة")

أثر العرف في دلالة الصيغة على المقصود: للعرف أثر في دلالة الصيغة على المراد، ومراعاة حمل الصيغة على العرف له أثر في الأحكام الاجتهادية التي لا نص فيها والتي بنيت أساساً على الأعراف التي كانت سائدة. يقول ابن القيم: مما تتغير به الفتوى لتغير العرف والعادة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۸، ص ۱۶۱، مادة "صيغة")